آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے — لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ — بابت جنوری سنہ ۱۹۰۳ء — نمبر (۱)

فہرست مضامین

انجمن اشاعت اسلام قادیان نے انوار احمدیہ پریس قادیان دار الامان میں باہتمام شیخ یعقوب علی
تراب احمدی مالک مطبع چھپوا کر ۲ جنوری سنہ ۱۹۰۳ء کو شائع کیا

اطلاع اور ہدائتیں

۱۔ جنوری ۱۹۰۲ء کا میگزین تاریخ مقررہ سے آٹھ دن بعد شایع ہوا ہے۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسی مہینے میں ایک پرچہ کی بجائے تین پرچے اکٹھے شائع کرنے پڑے ہیں امید ہے کہ ہمارے ناظرین معاف رکھیں گے۔

۲۔ چندہ میگزین کا ہر حالت میں پیشگی آنا ضروری ہے خریداران کو چاہئے کہ میگزین کو بار بار کی خط و کتابت کی زیر باری سے بچانے کے لئے خود ہی سال رواں کا چندہ پیشگی ارسال فرماویں۔

۳۔ جو صاحب پیشگی چندہ ارسال کرنے میں چندوں کی مہلت چاہتے ہوں اونکو چاہئے کہ ابھی اس امر کی اطلاع دیدیں کہ کس مہینہ کا پرچہ اُنکے نام وی پی کر کے روانہ کیا جاوے۔

۴۔ جن خریداروں سے پیشگی چندہ وصول نہیں ہو چکا مینجر کو اختیار ہوگا کہ کسی وقت ان سے پرچہ وی پی کر کے قیمت وصول کرے جو صاحب رعایت چاہتے ہوں اُن کو ضروری ہے کہ خود دفتر میں اطلاع دیں۔

۵۔ منی آرڈر کے ذریعہ روپیہ بھیجنے کے وقت ضروری ہے کہ کوپن پر فرستندہ اپنا پورا نام خوشخط معہ پتہ و تفصیل روپیہ لکھے۔

۶۔ خط و کتابت میں اور روپیہ بھیجنے کے وقت خریداروں کو اپنا نمبر ساتھ لکھنا چاہئے ورنہ وقت پر تعمیل نہ ہونے کی شکایت بیجا ہوگی۔

۷۔ حصص سرمایہ میگزین کا روپیہ بنام مفتی محمد صادق فنانشل سکرٹری متعلق خط و کتابت مولوی شیر علی صاحب بی۔اے سکرٹری بورڈ آف ڈائرکٹر کمال الدین صاحب بی۔اے سکرٹری انجمن کے نام سے ہونی چاہئے۔

۸۔ خریداری میگزین کا روپیہ اور خط و کتابت متعلقہ مینجر رسالہ ہونی چاہئے۔

محمد علی

مینجر رسالہ ریویو آف ریلیجنز۔ قادیان۔ ضلع گورداسپور پنجاب

اِس کے سمجھنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اور آپکی بعثت کے بعد جو عرب کی حالت تھی اُسپر ایک نظر ڈالنا کافی ہے۔ آنحضرت کے ظہور سے پہلے وہ لوگ شرک کرتے اور پتھروں کی پوجا کرتے تھے اور خدائے واحد اور قیامت پر اُن کو ایمان نہ تھا اور وہ بتوں پر گرے ہوئے تھے اور خدا تعالی کی قدرتوں کو بتوں کی طرف منسوب کرتے تھے یہانتک کہ مینہ کا برسانا اور پہلو نکالنا اور بچوں کا رحموں میں پیدا کرنا اور ہر ایک امر جو موت اور زندگی کے متعلق تہا تمام یہ امور بتوں کی طرف منسوب کر رکھے تھے اور ہر ایک اُنمیں سے اعتقاد رکھتا تھا کہ اس کا ایک بڑا بہارا مددگار بت ہی ہے جس کی وہ پوجا کرتا اور وہی بت مصیبتوں کے وقت اُس کی مدد کرتا ہے اور حملوں کے وقت اُسکو خبر دیتا ہے اور ہر ایک اُنمیں سے اُنہی پتھروں کی طرف دوڑتا تہا اور اُنہی کے آگے فریاد کرتا تہا اور اسیطرح اُنہوں نے روشنی کو چھوڑا رات کو اپنا قیام گاہ بنایا اور اندھیرے کو پیار کر کے رات میں داخل ہوئے۔ اور بتوں کے ساتھ وہ لوگ ایسے خوش ہوتے تھے جیسا کہ کوئی مراد پا کر خوش ہوتا ہے یا جیسا کہ وہ شخص خوش ہوتا ہے جسکے قابو میں آسانی سے جنگلی شکار پڑ جاتا ہے اور بغیر تیر مارنے کے پکڑا جاتا ہے اور اُنکے دل میں یہ ذہن نشین تھا کہ اُن کے بت تمام مرادیں اُنکی دیسکتے ہیں اور وہ لوگ خیال کرتے تھے کہ خدا تعالے اُن تکالیف سے کہ کسی کو مراد دیوے اور کسی کو پکڑے پاک اور منزہ ہے اور اُس نے یہ تمام قوتیں اور قدرتیں جو عالم ارواح اور اجسام کے متعلق ہیں اُنکے بتوں کو دے رکھی ہیں اور عزت بخشی کے ساتھ الوہیت کی چادر اُنکو پہنا دی ہے اور خدا عرش پر آرام کر رہا ہے۔ اور ان بکھیڑوں سے الگ ہے۔ اور اُنکے بت شفاعت کرتے اور دردوں سے نجات دیتے ہیں اور خدا کا قرب اُنکے ذریعہ سے میسر آتا ہے اور سرگردان لوگوں کو اُنکے مقاصد تک پہونچاتے ہیں۔ اور باوجود ان عقیدوں کے پھر بدکاریاں کرتے تھے اور اُنکے ساتھ فخر کرتے تھے اور زنا کرتے اور ذرہ نہ ڈرتے اور کوئی گناہ

نہ تھا جو اُنہوں نے نہ کیا اور کوئی جھوٹا معبود نہ تھا جس کی پوجا نہ کی۔ انسانیت کے ادبوں کو ضایع کیا اور انسانی خلقوں سے دور جا پڑے اور وحشی جانوروں کی طرح ہو گئے یہانتک کہ بیٹیوں اور بہائیوں کے گوشت کہائے اور ہر ایک مردار کو بتمامتر حرص کہایا اور خون کو یوں پیا جیساکہ دودھ پیا جاتا ہے اور بدکاریوں اور خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں میں حد سے گذر گئے اور جنگلی حیوانوں کیطرح جو کچھ چاہا کیا اور ہمیشہ اُنکے شاعر بیہودہ وہتی سے عورتوں کی بعزتی کرتے اور اُنکے امرا کا شغل قماربازی اور شراب اور بدی تھی اور جب بخل کرتے تھے تو بہائیوں اور یتیموں اور غریبوں کا حق تلف کر دیتے تھے اور جب مالوں کو خرچ کرتے تھے تو عیاشی اور فضول خرچی اور زناکاری اور نفسانی ہوا اور ہوس پوری کرنے میں خرچ کرتے اور نفس پرستی کو انتہا تک پہونچاتے تھے۔ اور وہ لوگ اپنی اولاد کو درویشی اور تنگدستی کے خوف سے قتل کر دیا کرتے تھے اور بیٹیوں کو اس عار سے قتل کرتے تھے کہ تا کوئی اُنکا داماد نہ ہو اور اسطرح وہ لوگ اپنے اندر اخلاق ردیہ اور رذیل خصلتیں جمع کر رکھی تھیں۔ یہانتک کہ اُنمیں ایک جماعت بداصلوں اور ولد الحراموں کی ہو گئی تھی اور عورتیں زانیہ آشناؤں سے تعلق رکھنے والیں اور مرد زانی پیدا ہو گئے تھے اور جو لوگ اُن کی راہ کے مخالف ہوتے تھے وہ نصیحت لینے کے وقت اپنی عزت اور جان اور گھر کی کی نسبت خوف کرتے تھے۔ غرض عرب کے لوگ ایک ایسی قوم تھی جنکو کبھی واعظوں کے وعظ سننے کا اتفاق نہ ہوا۔ اور نہیں جانتے تھے کہ پرہیزگاری اور پرہیزگاروں کی خصلتیں کیا چیز ہیں۔ اور اُنمیں کوئی ایسا نہ تھا کہ جو کلام میں صادق اور فیصلہ مقدمات میں منصف ہو۔ پس اسی زمانہ میں جبکہ وہ لوگ ان حالات اور ان فسادوں میں مبتلا تھے اور اُن کا تمام قول اور فعل فساد سے بھرا ہوا تھا خدا تعالیٰ نے مکہ میں سے اُنکے لئے رسول پیدا کیا اور وہ نہیں جانتے تھے کہ رسالت اور نبوت کیا چیز ہے اور اس حقیقت کی کچھ بھی خبر نہ تھی پس انکار اور نافرمانی کی اور اپنے کفر اور فسق پر اصرار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکے ہر ایک جفا کی برداشت کی اور ایذا پر صبر کیا اور بدی کو نیکی کے ساتھ اور بغض کو محبت کے ساتھ ٹالدیا اور غمخوار اور محبوں کیطرح اُنکے پاس آیا اور ایک مدت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے اور رد شدہ انسان کی طرح مکہ کی گلیوں میں پھرتے رہے اور قوت نبوت سے ہر ایک عذاب کا مقابلہ کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ رات کو اٹھکر خدا تعالیٰ کیطرف توجہ کرتے اور خدا تعالیٰ سے اُنکی بینائی اور فضل اور رحمت چاہتے۔ یہانتک کہ دعائیں قبول کی گئیں اور اُنکی کستوری کی خوشبو پھیلی اور خوشبوئیں پے در پے پھیلنی شروع ہوئیں اور دلوں کے لینے والے کا حکم نازل ہوا۔ اور اُس ذات سے اُنکو قوت عطا ہوئی جو محبت کو عطا کرتا اور دانوں کو اُگاتا ہے سو حکم الٰہی سے زمین بدلائی گئی اور آواز دینے والے بابرکت کیطرف دل کھینچے گئے۔ اور ہر ایک شیدا اپنے قتل گاہ کیطرف صدق اور

وفا سے نکل آیا اور اُنہوں نے مالوں اور جانوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کوششیں کیں اور اپنی جانفشانی کی نذر اُنکو پورا کیا اور اس کے لئے یوں ذبح کئے گئے جیسا کہ قربانی کا بکرا ذبح کیا جاتا ہے۔ اور اُنہوں نے اپنے خونوں سے گواہی دیدی کہ وہ ایک سچی قوم ہے اور اپنے اعمال سے ثابت کر دیا کہ وہ لوگ خدا کی راہ میں مخلص ہیں اور زمانہ کفر میں وہ لوگ تاریکی کے زندان میں قید تھے اسلام کے قبول کرنے نے انکو منور کر دیا اور اُنکی بدیوں کو نیکی کے ساتھ اور اُنکی شرارتوں کو بھلائی کے ساتھ بدل دیا اور اُنکی شراب شب بیداری کو رات کی نماز اور رات کے تضرعات کے ساتھ بدل ڈالا اور اُنکی بامدادی شراب کو صبح کی نماز اور تسبیح و استغفار کیساتھ مبدل کر دیا اور اُنہوں نے یقین کامل کے بعد اپنے مالوں اور جانوں کو خدا تعالیٰ کی راہوں میں بخوشی خاطر خرچ کیا اور جب اُنہوں نے حق کو دیکھ لیا پس اپنی کوششوں کو ایمان کے حقائق میں سے آگ نکالنے میں کمال تک پہونچایا۔ اور اپنی جانوں کو اسلئے کہ یقین کی تلوار کی جوہر کو خوب غور اور تامل کیساتھ دیکھیں آزمایش میں ڈالا۔ پس وہی امر ہے جسنے ان کو بہادر کر دیا اور اُنکی کاردوں کو تیز کیا پھر اُنکے ذکر کو بلند کیا اور اُنکا انجام بخیر کیا۔ اور یہی جوانمردی ہے جس نے لوگوں کے دلوں میں اُنکی فطرت کو محبوب بنایا اور اس کستوری کی خوشبو کیطرح جو بیچی جائے اُنکی باطنی حقیقتوں کو کھلایا اور یہی سبب اُنکے دل کی دلیری اور زبان کی روانگی اور ایمان کی قوت اور بلندی معرفت کا ہے۔ اور اسی لئے اُنہوں نے اپنی جانوں کو محبت میں جلایا یہانتک کہ اُن کا کوئلہ راکھ کیطرح ہو گیا اور خدا تعالیٰ کی محبت میں افروختہ ہو گیا اور اس کی راہوں کے لئے خوب طیاری کی اور مصیبتیں اُنکے لئے سلامتی اور ٹھنڈک ہو گئیں اور گرمی اور آگ کی تیزی کو اُنہوں نے بھلا دیا اور جو شخص اس بات کو غور کی نظر سے دیکھے کہ اُنہوں نے اپنی پہلی چراگاہوں کو کیونکر چھوڑ دیا اور کیونکر وہ ہوا و ہوس کا جنگل کو کاٹکر اپنے مولےٰ کو جا ملے تو ایسا شخص یقین سے جان لیگا کہ وہ تمام قوت قدسیہ محمدیہ کا اثر تھا وہ رسول جسکو خدا نے برگزیدہ کیا اور عنایات ازلیہ کے ساتھ اس کی طرف توجہ کی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ کو سوچو کہ صحابہ زمین کے نیچے سے لئے گئے اور آسمان کی بلندی تک پہونچائے گئے اور درجہ بدرجہ برگزیدگی کے مقام تک منتقل کئے گئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکو چارپایوں کی مانند پایا کہ وہ توحید اور پرہیزگاری میں سے کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اور نیکی بدی میں تمیز نہیں کر سکتے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو انسانیت کے آداب سکھلائے اور تمدن اور بود و باش کی راہوں پر مفصل مطلع کیا اور اُن کے لئے پاکیزگی کے طریقوں اور دانتوں کو صاف کرنا اور مسواک کرنا اور خلال بعد طعام چاشت طعام شب کرنا اور

بول کرکے جلدی سے نہ اُٹھنا بلکہ بقیہ قطرات کو نکالنا تا کپڑا ناپاک نہ ہو اور تمام تر صفائی سے استنجا کرنا
اور معاشرت اور تمدن اور کھانے پینے اور لباس اور علاج اور پرہیز اور اصول رعایت صحت اور اسباب بلا سے پرہیز کے
قوانین ظاہر فرمائے اور تمام صورتوں میں اعتدال کی وصیت فرمائی پھر جب جسمانی آداب سے خوب تہذیب ہو گئے تو جسمانی
پاکیوں سے منتقل کرکے اخلاق فاضلہ روحانیہ اور خصائل یمانیہ کی طرف کھینچا تا اُنکے ذریعہ سے روحانی پاکیزگی
حاصل ہو۔ پھر جب دیکھا کہ وہ لوگ نیک خصلتوں میں پختہ ہو گئے اور اچھے خلقوں کے صادر کرنے کا ان کو ملکہ ہو گیا
پس اُن کو قرب اور وصال کے سرادق کی طرف بلایا اور معارف الہیہ اُنکو سکھلائے۔ اور حضرت عزت
اور جلال کی طرف اُن کی باگیں پھیریں تا وہ قرب کے سبزہ گاہ سے محبت کا سبزہ چگیں۔ اور
خدا تعالیٰ کے نزدیک اُن کو مقام قرب اور صدق حال میسر آوے۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ قرآن شریف کی تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تین قسم پر منقسم
تھی۔ پہلی یہ کہ وحشیوں کو انسان بنایا جائے اور انسانی آداب اور حواس اُنکو عطا کئے جائیں۔ اور
دوسری یہ کہ انسانیت سے ترقی دیکر اخلاق کاملہ کے درجہ تک پہونچایا جاوے۔ اور تیسری یہ کہ اخلاق کے مقام سے
اُنکو اُٹھا کر محبت الٰہی کے مرتبہ تک پہونچایا جائے اور یہ کہ قرب اور رضا اور معیت اور فنا اور محویت کے مقام اُنکو
عطا ہوں یعنے وہ مقام جسمیں وجود اور اختیار کا نشان باقی نہیں رہتا اور خدا اکیلا باقی رہ جاتا ہے جیسا
کہ وہ اس عالم کے فنا کے بعد اپنی ذات قہار کیساتھ باقی رہیگا۔ پس یہ سالکوں کے لئے کیا مرد اور کیا عورت
آخری مقام ہے اور ریاضتوں کے تمام مرکب اسی پر جاکر ٹھہر جاتے ہیں۔ اور اسی میں اولیا کے ولایتوں کے سلوک
ختم ہوتے ہیں اور وہ استقامت جس کا ذکر سورۃ فاتحہ کی دعا میں ہے اس سے مراد یہی
مرتبہ سلوک ہے۔ اور نفس امارہ کی جس قدر ہوا و ہوس بھڑکتی ہے وہ اسی مقام میں خدا
ذوالجبروت والعزت کے حکم سے گداز ہوتی ہے۔ پس تمام شہر فتح ہو جاتا ہے اور ہوا و ہوس کے عوام کا شور
باقی نہیں رہتا اور کہا جاتا ہے کہ آج کس کا ملک ہے اور یہ جواب ہوتا ہے کہ خدائے ذوالمجد
والکبریا کا۔ مگر جو مرتبہ اخلاق فاضلہ اور نیک خصلتوں کا ہے اسمیں غفلت کے وقت دشمنوں
سے امن نہیں ہے کیونکہ جن لوگوں کا سلوک اخلاق تک ہی محدود ہوتا ہے اُنکے لئے ابھی بعض قلعے
باقی ہوتے ہیں جنکا فتح کرنا مشکل ہوتا ہے اور اُنکی نسبت یہ اندیشہ دامنگیر رہتا ہے کہ نفس امارہ اپنی بھوک کے
بھڑکنے کے وقت حملہ نہ کرے۔ اور جو شخص صرف اخلاق تک ہی اپنا کمال رکھتا ہے اُسکی زندگی کے دن گرد و غبار

سے پاک نہیں رہ سکتے اور ایسے لوگ ہوائی تیروں سے امن میں نہیں رہ سکتے۔

پس حاصل کلام یہ ہے کہ یہ جو ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ قرآن شریف کی تعلیمیں ہیں اور انہی تعلیموں کے ساتھ انسان کی تکمیل علمی اور عملی کا دائرہ اپنے کمال کو پہونچتا ہے اور یہ تعلیمیں ایسے معارف ہیں کہ پہلی کتابوں میں سے کوئی کتاب بھی انکی متکفل نہیں ہوئی اور نہ کبھی پہلے صحیفوں میں سے کوئی صحیفہ انپر مشتمل ہوا ہے پس ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ علمی و عملی معجزہ ہے اور قرآن کریم کا تمام مخلوق کے لئے یہ ایک اعجاز ہے اور پہلے نبیوں کے معجزے منقضی اور معدوم ہو گئے مگر یہ قرآنی معجزہ قیامت تک باقی رہے گا۔ اور یہ جو ہم نے کہا کہ قرآن علمی و عملی معجزہ ہے سو یہ ایک بیہودہ اور بے اصل بات نہیں ہے بلکہ ہمارے پاس اسپر دلائل قاطعہ اور براہین شافیہ اور تسکین بخش ہیں پس جان لو کہ قرآن شریف کا علمی معجزہ بدیہیات کی طرح ثابت ہے اور اسپر کسی قسم کے شبہات کے غبار نہیں کیونکہ وہ ایک ایسا کلام ہے جو ضروری تعلیموں اور ضروری وصایا اور معارف اور دلایل کو اپنے اندر جمع رکھتا ہے اور وہ ایک ایسی تعلیم کامل ہے جو تمام انسانی ضرورتوں کو جو خدا تعالیٰ تک پہونچنے کے لئے پیش آتی ہیں پوری کرتی ہے اور جو حق کے ثبوت میں دلایل پیش کرنا چاہئے یا جس طرح باطل کا رد لکھنا چاہئے اور یا جس طور اور انداز سے معرفت کی باریک باتیں بیان کرنی چاہئے ان میں سے ایک بات کو بھی اس نے نہیں چھوڑا اور اسپر زاید یہ امر ہے کہ ان تمام تعلیموں اور احکام اور حدود کو نہایت فصیح اور بلیغ اور شیریں اور پسندیدہ پیرایہ میں بیان فرمایا۔ اور یہ ایک ایسا امر ہے جو انسان کی قدرت سے بالاتر ہے۔ اور ہمارا یہ قول کہ قرآن جیسا کہ علمی معجزہ ہے ایسا ہی وہ عملی معجزہ بھی ہے۔ سو یہ امر بھی اُس کی پہلی شاخ کی طرح ایک بدیہی واقعہ ہے اور انکار اور خصومت کی گنجایش نہیں کیونکہ قرآنی تعلیموں نے اپنی تاثیرات عجیبہ اور تبدیلات غریبہ و اُن وحشیوں کو دلوں پر ڈالنے سے جو خارق عادت ہیں اور ردی اور مستحکم ملکوں کے دور کرنے سے عقلمندوں کو حیران کر دیا ہے اور ٹیڑھی اور سخت طبیعتوں کے دیوار او پردے کو دوا ہے اور جو سخت دلوں کے گھر تھے اُنکے اندر داخل ہو گیا ہے اور اُن لوگوں تک پہونچا ہے جو بباعث سفلی طبیعتوں کے عمیق اور ناقابل گذر خندقوں کے پرے رہتے تھے۔ اور خدا نے اُسکے ساتھ سخت کو نرم اور دور کو نزدیک کر دیا اور سینوں کو قبض سے انشراح کی طرف اور تنگی سے فراخی کی طرف پھیر دیا اور حجاب کو دور کیا اور حق کو دکھلا دیا۔ یہانتک کہ مومنوں کو الہامات صریحہ اور مکاشفات صادقہ اور صحیحہ تک پہونچا دیا اور دایمی کرامتوں کا دائرہ اُنکے سینوں کی ہموا

زمین ہیں بو دیا۔ اسیوجہ سے ہم لوگ کرامتوں کے طلب کے وقت پہلے زمانہ کیطرف نہیں بہاگتے بلکہ ہم اپنے
مقام پر استوار رہتے ہیں اور منکر کو خدا کے تازہ بتازہ نشان دکھلاتے ہیں اور ہمارے مخالفوں کے ہاتھ میں
بجز قصوں کے اور کچھ نہیں اور صرف قصوں کے ساتھ کبھی کوئی دین ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ اُن نوروں سے
ثابت ہوتا ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوتے۔ اور نہ کبھی پورانے ہوتے ہیں۔ بعد اسکے جان کہ یہ وہ معجزہ ہے
جس کی دونوں شاخیں عظیم الشان ہیں اور جسکی خوشبو پھیل رہی ہے اور اُس تصدیق پر طوایف مخلوقات
جمع ہیں جیسا کہ حج والے کعبہ پر جمع ہوتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جلیل الشان حکیموں سے اسبات
کیطرف توجہ کرے کہ کسی سفیہ نادان کی طبعیت کی کجی کو دور کرے یا کسی فاسق بدکاری کے عادی کو
اُس کی اس بدخصلت سے چھوڑا دے۔ پس ایسا کرنا اُس حکیم پر مشکل ہو جائے گا اور اُس فاسق کے خیالات
کو بدلا دینا اُس کے لئے بجز ممکن ہوگا۔ اب دیکھو کہ اُس مرد کی کیسی بلند شان ہے جس نے تھوڑے سے عرصہ
میں ہزاروں انسانوں کی اصلاح کی اور فساد سے صلاحیت کیطرف اُنکو منتقل کیا یہانتک کہ اُن کا
کفر پاش پاش ہوگیا اور صدق اور راستی کے تمام اجزا ہیئت اجتماعی اُنکے وجود میں جمع ہو گئے اور
اُن کے دلوں میں پرہیزگاری کے نور چمک اُٹھے اور اُنکے پیشانی کے نقشوں میں محبت الٰہی کے بھید
ایک چمکیلی صورت میں نمودار ہو گئے اور اُنکی ہمتیں دینی خدمات کے لئے بلند ہو گئیں اور وہ دعوت اسلام
کے لئے ممالک شرقیہ اور مغربیہ تک پہونچے اور ملت محمدیہ کی اشاعت کے لئے بلاد جنوبیہ اور شمالیہ کیطرف
اُنہوں نے سفر کیا اور اُنکی عقلیں علوم الٰہیہ میں منور ہو گئیں اور اُنکے قویٰ فکریہ اسرار ربانیہ کے سمجھنے کیلئے
باریک ہو گئیں اور نیک باتیں بالطبع اُنکو پیاری لگنے لگیں اور بد باتوں اور گناہوں سے بالطبع اُنکو نفرت پیدا
ہو گئی اور رشد اور سعادت کے خیمے میں وہ اُتارے گئے بعد اسکے جو بت پرستش کے لئے سرنگون تھے اور
اور اُنھوں نے اپنی کوششوں اور تگ و دو میں کوئی دقیقہ اسلام کے لئے اُٹھا نہ رکھا یہانتک کہ دین کو
فارس اور چین اور روم اور شام تک پہونچا دیا اور جہاں جہاں کفر نے اپنا بازو پھیلا رکھا تھا اور شرک نے
اپنی تلوار کھینچ رکھی تھی وہیں پہونچے اور اُنہوں نے موت کے سامنے سے مونہہ نہ پھیرا اور ایک بالشت
بھی پیچھے نہ ہٹے اگرچہ کاردوں سے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے وہ لوگ جنگ کے وقتوں میں اپنی قدمگاہوں پر
استوار اور قایم رہتے تھے اور خدا کے لئے موت کی طرف دوڑتے تھے وہ ایک قوم ہے جنہوں نے
کبھی جنگ کے میدانوں سے تخلف نہ کیا اور زمین کی انتہائی آبادی تک زمین پر قدم

مارتے ہوئے پہونچے۔ اُنکی عقلیں آزمائی گئیں اور ملکداری کی لیاقتیں جانچی گئیں سو وہ ہر ایک امر میں فایق نکلے اور علم و عمل میں سبقت کرنیوالے ثابت ہوئے۔ اور یہ معجزہ ہمارے رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور حقیقت اسلام پر ایک صریح دلیل ہے۔ اور اگر تمہیں شک ہے تو اُنکی مانند حضرت موسیٰ کے اصحاب میں سے یا حضرت عیسیٰ کے حواریوں میں سے یا کسی اور نبی کے صحابہ میں سے ایک انسان بھی دکھلاؤ اور اُنکی خبریں تم سن چکے ہو اور جو کچھ اُنکے بارہ میں اُنکے نبیوں نے کہا تمہیں معلوم ہے۔ اور اُن نبیوں کی زبانوں پر خلاف واقعہ باتیں جاری نہیں ہو سکتی تھیں اور نہ وہ جھوٹے تھے کیونکہ وہ روح القدس کے بلانے سے بولے تھے اور غضبناک انسانوں کی طرح اُنکا کلام نہ تھا۔

حضرت مسیح کا دس گم شدہ اسرائیلی قوموں کی طرف جانا

وَاٰوَیْنٰھُمَآ اِلٰی رَبْوَۃٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِیْنٍ (قرآن کریم)

(میں صرف اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کیلئے بھیجا گیا ہوں) متی باب $\frac{15}{24}$

جو مضمون اس عنوان کے نیچے اس نمبر میں اور اسکے بعد کے نمبروں میں نکلیگا وہ ایک ایسا وسیع اور ضروری مضمون ہے اور ساتھ ہی اسقدر دلوں میں جمے ہوئے خیالات کی تردید کرتا ہے کہ اسپر پوری بحث کرنے سے ایک ضخیم مجلد تیار ہوتا ہے۔ مگر بعض حالات کی مجبوری کے سبب سے ہمیں یہ عظیم الشان مضمون ہی درج کرکے پبلک کے سامنے پیش کرنا پڑا ہے لیکن باوجودیکہ اس اختصار کرنیسے اور پھر ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے اسکا زور بہت کم ہو جائیگا تاہم حق کے طالبوں کیلئے اسصورت میں بھی یہ مضمون بڑی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ علاوہ ازیں اس مختصر صورت مضمون کو پڑھ لینے کے بعد ناظرین اس کی مفصل بحث پر غور کرنے کے لئے تیار ہو جاوینگے جسکے بہت جلد شائع ہونیکی امید کیجاتی ہے۔

بڑے عنوان کے نیچے چند چھوٹے چھوٹے عنوان ہیں جنہیں وہ شہادتیں درج ہیں جو مختلف ذرائع سے ہمکو ہاتھ لگی ہیں گویا یہ چھوٹے عنوان ایک سے ملے اور مضبوط زنجیر میں کڑیوں کے قائممقام ہیں اور سب شہادتوں پر یکجائی طور پر نظر کرنیسے وہ عظیم الشان مسئلہ حل ہوتا ہے جسکا بیان بڑے عنوان میں ہے

انجیلی شہادتیں

سب سے پہلے مسئلہ زیر بحث کے تصفیہ کیلئے ہم ان شہادتوں پر غور کرتے ہیں جو چار انجیلوں سے ہمیں ملتی ہیں۔ زمانہ حال کی تحقیقات سے اناجیل اسقدر پایہ اعتبار سے ساقط ہو گئی ہیں کہ انکی شہادتوں پر سب سے پہلے غور کرنے پر شاید بہت لوگ حیران ہونگے۔ یہ امر متحقق ہو چکا ہے اور نہ صرف محققین نے ہی اسکو تسلیم کیا بلکہ اُن لوگوں نے بھی جو سچے عیسائی کہلاتے ہیں۔ یہ مان لیا ہے کہ چاروں انجیلیں اُن واقعات کے بہت مدت بعد لکھی گئی ہیں جو انمیں مندرج ہیں اور یہ کہ انجیل کے بیان اُن واقعات کے متعلق بہت ناقص ہیں اور غلط ہیں اور مبالغوں اور فرضی کہانیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ انجیلوں کے محقق شارحوں نے اسبات کو مان لیا ہے کہ انجیلوں میں دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ تو انجیلی تعلیم ہے جو حواریوں کو حضرت مسیح سے ملی تھی۔ اور جسمیں اگرچہ سلسلہ روایات میں بہت ساری تبدیلیاں ہو گئی ہیں مگر یہ حصہ اصل روح انجیل کا ہے۔ دوسرے حصہ میں تاریخی واقعات ہیں جیسے حضرت عیسیٰ کا شجرہ نسب اور انکا پکڑا جانا یا سولی پر چڑھنا وغیرہ سو اس حصے کو تاریخ کی بنا پر جانچا جانا چاہئے یعنے جن امور کا وقوع زیادہ قرین قیاس ہے یا کافی شہادت رکھتا ہے انکو مان لیا جائے اور باقی کو رد کیا جائے اس میں شک نہیں کہ کسی مدت کے بعد تاریخی واقعات کے تحریر میں لانے سے بہت سے واقعات رہ جاتے ہیں اور بہتوں میں غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں جسقدر حصہ زبانی روایات سے محفوظ بھی رہا ہو وہ بھی راویوں اور پھر مورخوں کے اپنے خیالات اور مذہبی اعتقادات کے رنگ میں بہت کچھ رنگا جاتا ہے۔

یہی واقعات ہماری اس شہادت کو جو ہم انجیلوں سے لیتے ہیں اور بھی زیادہ قوی اور مضبوط بناتے ہیں۔ کیونکہ یہ شہادت انہی واقعات کے متعلق ہے جنکا چھپانا انجیل نویسوں کی غرض معلوم ہوتی ہے ابتدا ہی میں عیسائی مذہب میں یہ غلطی جڑ پکڑ گئی کہ حضرت مسیح گویا آسمان پر چڑھ گئے ہیں اس لئے انکی زندگی کے واقعات میں سے سیدھے سادے حالات کو ایسی طرز پر بیان کیا جاتا ہے کہ کوئی امر خلاف معمول بنجائے اور آسمان پر چڑھ جانے کے غلبہ نے مسیح کی زندگی کے ہر ایک واقعہ کو اس رنگ میں رنگ دیا ہے۔ یہ ایک نہایت صاف بات تھی کہ تین گھنٹے صلیب پر لٹکانے سے کبھی کسی کی جان نہ نکل سکتی تھی مگر انجیل نویسوں کو اپنے اعتقاد کی خاطر یہ بھی بیان کرنا پڑا کہ تین ہی گھنٹے میں معجزے کے طور پر حضرت مسیح صلیب پر مر گئے تھے۔ یہاں صرف مارنیکی خاطر مرنیکو معجزہ بنایا گیا ہے۔ اب جب انجیلوں کے مورخ اسقدر اس اعتقاد کے خیال کے نیچے لکھ رہے تھے تو ضرور ہے کہ جو شہادت

اس اعتقاد کے خلاف انکے بیانات سے صاف طور پر
نکل سکتی ہو وہ نہایت وزنی اور معتبر شہادت سمجھی جاوے۔ اسی لحاظ سے ہمنے سب سے پہلے انجیل کی شہادت کا
ذکر کیا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اگرچہ عیسائیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودا اسکریوطی کی شرارت سے گرفتار
ہوکر مصلوب ہو گئے اور پھر زندہ ہوکر آسمان پر چلے گئے لیکن انجیل شریف پر غور کرنے سے یہ اعتقاد سراسر
باطل ثابت ہوتا ہے۔ متی باب ۱۲ آیت ۴۰ میں لکھا ہے کہ جیسا کہ یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں
رہا ویسا ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا۔ اب ظاہر ہے کہ یونس مچھلی کے پیٹ میں مرا نہیں تھا
اور اگر زیادہ سے زیادہ کچھ ہوا تھا تو صرف بیہوشی اور غشی تھی۔ اور خدا کی پاک کتابیں یہ گواہی دیتی ہیں کہ
یونس خدا کے فضل سے مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہا اور زندہ نکلا۔ اور آخر قوم نے اسکو قبول کیا۔ پھر اگر حضرت
مسیح علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں مر گئے تھے تو مردہ کو زندہ سے کیا مشابہت اور زندہ کو مردہ سے کیا مناسبت
بلکہ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ مسیح ایک نبی صادق تھا اور جانتا تھا کہ وہ خدا جسکا وہ پیارا تھا لعنتی موت سے اُسکو
بچائیگا اس لیئے اس نے خدا سے الہام پاکر پیشگوئی کے طور پر یہ مثال بیان کی تھی اور اس مثال میں
جتلا دیا تھا کہ وہ صلیب پر نہ مرے گا اور نہ لعنت کی لکڑی پر اسکی جان نکلے گی بلکہ یونس نبی کیطرح صرف
غشی کی حالت ہوگی۔ اور مسیح نے اس مثال میں یہ بھی اشارہ کیا تھا کہ وہ زمین کے پیٹ سے نکل کر
پھر قوم سے ملیگا اور یونس کی طرح قوم میں عزت پائیگا سو یہ پیشگوئی بھی پوری ہوئی۔ کیونکہ مسیح زمین
کے پیٹ میں سے نکل کر اپنی اُن قوموں کی طرف گیا جو کشمیر اور تبت وغیرہ مشرقی ممالک میں سکونت
رکھتی تھیں یعنی بنی اسرائیل کے وہ دس فرقے جنکو شالمنذر شاہ اسوج سامریہ سے مسیح سے سات سو اکیس ۷۲۱
برس پیشتر اسیر کر کے لے گیا آخر وہ ہندوستان کی طرف آکر اس ملک کے متفرق مقامات میں سکونت
پذیر ہو گئے تھے۔ اور ضرور تھا کہ مسیح اس سفر کو اختیار کرتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی اس
کی نبوت کی علت غائی تھی کہ وہ اُن گم شدہ یہودیوں کو ملتا جو ہندوستان کے مختلف مقامات میں سکونت
پذیر ہو گئے تھے وجہ یہ کہ درحقیقت وہی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیں تھیں جنہوں نے ان ملکوں میں
آکر اپنے باپ دادے کا مذہب بھی ترک کر دیا تھا اور اکثر اُن کے بدھ مذہب میں داخل ہو گئے تھے
اور پھر رفتہ رفتہ بت پرستی تک نوبت پہنچی تھی چنانچہ ڈاکٹر برنیر نے بھی اپنی کتاب وقائع سیر و سیاحت میں

کئی اہل علم کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ کشمیر کے باشندے دراصل یہودی ہیں کہ جو تفرقہ شاہ اسور کے ایام میں اس ملک میں آگئے تھے٭ بہرحال حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے یہ ضروری تہا کہ اُن گم شدہ بھیڑوں کو تلاش کرتے جو اس ملک ہند میں آکر دوسری قوموں میں مخلوط ہو گئی تہیں چنانچہ آگے چلکر ہم اسبات کا ثبوت دیں گے کہ حضرت مسیح علیہ السلام فی الواقع اس ملک ہند میں آئے اور پھر منزل بمنزل کشمیر میں پہونچے - اور اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کا بدہ مذہب میں پتہ لگالیا - اور اُنہوں نے آخر اُسکو اسی طرح قبول کیا جیسا کہ یونس کی قوم نے یونس کو قبول کر لیا تھا - اور ضرور تہا کہ ایسا ہوتا - کیونکہ مسیح انجیل میں اپنی زبان سے اسبات کو بیان کرتا ہے کہ وہ اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کے لئے بھیجا گیا ہے -

ماسوا اسکے صلیب کی موت سے نجات پانا اس کو اس لئے بھی ضروری تہا کہ مقدس کتاب میں لکہا ہے کہ جو کوئی کاٹھ پر لٹکایا گیا سو لعنتی ہے - اور لعنت کا ایک مفہوم ہے کہ جو عیسٰی مسیح جیسے برگزیدہ پر ایکدم کیلئے بھی تجویز کرنا سخت ظلم اور نا انصافی ہے - کیونکہ باتفاق تمام اہل زبان لعنت کا مفہوم دل سے تعلق رکہتا ہے - اور اُس حالت میں کسی کو ملعون کہا جائیگا جب کہ حقیقت میں اس کا دل خدا سے برگشتہ ہو کر سیاہ ہو جائے ٭٭ اور خدا کی رحمت سے بے نصیب اور خدا کی محبت سے بے بہرہ اور خدا کی معرفت سے بکلی تہیدست اور خالی اور شیطان کی طرح اندہا اور بے بہرہ ہو کر گمراہی کے زہر سے بھرا ہوا ہو اور خدا کی محبت اور معرفت کا نور ایک ذرہ اس میں باقی نہ رہے اور تمام تعلق مہرو وفا کا ٹوٹ جائے اور اُس میں اور خدا میں باہم بغض اور نفرت اور کراہت اور عداوت پیدا ہو جائے یہانتک کہ خدا اس کا دشمن اور وہ خدا کا دشمن ہو جائے اور خدا اس سے بیزار اور وہ خدا سے بیزار ہو جائے - غرض ہر ایک صفت میں شیطان کا وارث ہو جائے - اور اسی وجہ سے لعین شیطان کا نام ہے٭٭ اب ظاہر ہے کہ ملعون کا مفہوم ایسا پلید اور ناپاک ہے کہ کسی طرح کسی راستباز پر جو کہ اپنے دل میں خدا کی محبت رکھتا ہے صادق نہیں آسکتا - افسوس کہ عیسائیوں نے اس اعتقاد کے ایجاد کرنے کے وقت لعنت کے مفہوم پر غور نہیں کی ورنہ ممکن نہ تہا کہ وہ لوگ ایسا خراب لفظ مسیح جیسے راستباز کی نسبت استعمال کر سکتے - کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسیح پر کبھی ایسا زمانہ آیا تھا کہ اُسکا دل درحقیقت خدا سے برگشتہ اور خدا سے منکر اور خدا سے بیزار اور خدا کا دشمن ہو گیا تھا؟ کیا ہم گمان کر سکتے ہیں کہ مسیح کے دل نے کبھی یہ محسوس کیا تھا کہ وہ اب خدا سے برگشتہ اور خدا کا دشمن

٭ اور انکے سوا اور یہودی بھی بابلی حوادث سے مشرقی بلاد کی طرف جلا وطن ہوئے - منہ

٭٭ دیکھو جلد دوم واقعات سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر فرانسیسی -
٭٭ دیکھو کتب لغت لسان العرب صحاح جوہری - قاموس - محیط تاج العروس وغیرہ منہ

اور کفر اور انکار کی تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے؟ پھر اگر مسیح کے دل پر کبھی ایسی حالت نہیں آئی بلکہ وہ ہمیشہ محبت اور معرفت کے نور سے بھرا رہا تو اے دانشمندو یہہ سوچنے کا مقام ہے کہ کیونکر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسیح کے دل پر نہ ایک لعنت بلکہ ہزاروں خدا کی لعنتیں اپنی کیفیت کیساتھہ نازل ہوئی تہیں - معاذ اللہ ہرگز نہیں - تو پھر ہم کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ نعوذ باللہ وہ لعنتی ہوا؟ نہایت افسوس ہے کہ انسان جب ایک بات سونہہ سے نکال لیتا ہے یا ایک عقیدہ پر قائم ہوجاتا ہے تو پھر گو کیسی ہی خرابی اُس عقیدہ کی کھل جائے کسی طرح اُسکو چھوڑنا نہیں چاہتا - نجات حاصل کرنے کی تمنا اگر کسی حقیقت حقہ پر بنیاد رکھتی ہو تو قابل تعریف امر ہے - لیکن یہہ کیسی نجات کی خواہش ہے جس سے ایک سچائی کا خون کیا جاتا اور ایک پاک نبی اور کامل انسان کی نسبت یہہ اعتقاد کیا جاتا ہے کہ گویا اس پر یہہ حالت بھی آئی تھی کہ اُسکا خدا تعالیٰ سے رشتہ تعلق ٹوٹ گیا تھا - اور بجائے ایک دلی اور یکجہتی کے مغایرت اور مباینت اور عداوت اور بیزاری پیدا ہوگئی تھی اور بجائے نور کے دل پر تاریکی چھا گئی تھی -

یہہ بھی یاد رہے کہ ایسا خیال صرف حضرت مسیح علیہ السلام کی شان نبوت اور مرتبہ رسالت کے ہی مخالف نہیں بلکہ اُنکے اس دعویٰ کمال اور پاکیزگی اور محبت اور معرفت کے بھی مخالف ہے جو اُنہوں نے جابجا انجیل میں ظاہر کیا ہے - انجیل کو پڑھکر دیکھو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاف دعویٰ کرتے ہیں کہ میں جہان کا نور ہوں - میں ہادی ہوں اور میں خدا سے اعلیٰ درجہ کی محبت کا تعلق رکھتا ہوں - اور میں نے اس سے پاک پیدایش پائی ہے اور میں خدا کا پیارا بیٹا ہوں پھر باوجود ان غیر منفک اور پاک تعلقات کے لعنت کا ناپاک مفہوم کیونکر مسیح کے دل پر صادق آسکتا ہے ہرگز نہیں پس بلاشبہ یہہ بات ثابت ہے کہ مسیح مصلوب نہیں ہوا یعنے صلیب پر نہیں مرا کیونکہ اُسکی ذات صلیب کے نتیجہ سے پاک ہے - اور جبکہ مصلوب نہیں ہوا تو لعنت کے ناپاک کیفیت سے بیشک اسکے دل کو بچایا گیا - اور بلاشبہ اس سے یہہ نتیجہ بھی نکلا کہ وہ آسمان پر ہرگز نہیں گیا کیونکہ آسمان پر جانا اس منصوبہ کی ایک جز تھی اور مصلوب ہونیکی ایک فرع تھی - پس جبکہ ثابت ہوا کہ وہ نہ لعنتی ہوا اور نہ تین دن کے لئے دوزخ میں گیا اور نہ مرا تو پھر یہہ دوسری جز آسمان پر جانیکی بھی باطل ثابت ہوئی -

پھر ایک اور شہادت جو حضرت مسیح کے زندہ دوسری اقوام بنی اسرائیل کی طرف چلے جانے پر انجیلوں سے پیدا ہوتی ہے وہ بیان ہے جس میں حضرت مسیحؑ کہتے ہیں کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی

بھیڑوں کے سوا دوسری کسی قوم کی طرف نہیں بھیجا گیا (متی ۱۵/۲۴) اور اسی طرح پر لکھے وہ الفاظ ہیں جن میں وہ کہتے ہیں کہ میں کھوئے ہوؤں کو تلاش کرنے اور بچانے کے لئے آیا ہوں - اب اگر ہم مان لیں کہ جو یہودی اسوقت فلسطین میں رہتے تھے وہ روحانی طور پر کھوئے تھے تو ضرور ہے کہ وہ بنی اسرائیل جو دور دور دراز کے ملکوں میں جا آباد ہوئے تھے، فلسطین کے یہودیوں سے بھی بڑھکر کھوئے ہوئے تصور کئے جاویں کیونکہ وہ صرف روحانی طور پر مثل فلسطین کے یہودیوں کے کھوئے ہوئے تھے بلکہ جسمانی طور پر بھی گم شدہ تھے، علاوہ ازیں حضرت مسیح کے یہہ الفاظ کہ میں گم شدوں کو تلاش کرنے آیا ہوں - گم شدہ فرقوں کے سوا دوسرے یہودیوں پر کسی طرح لگ ہی نہیں سکتے فلسطین کے یہودی تو خود ہی حضرت مسیح کے گرد گروہوں کے گروہ جمع ہو جاتے تھے اس لئے حضرت مسیح کو انکے تلاش کرنے کی ضرورت باقی نہ تھی - بلکہ تلاش کرنا تو ایک طرف ہا انجیلوں میں تو لکھا ہے کہ وہ فلسطین کے یہودیوں سے چھپا کرتا تھا پس معلوم ہوا کہ تلاش کرنا صرف دوسرے یہودی اقوام کے لیئے تھا جو گم شدہ فرقے بنی اسرائیل کے تھے - اس کے علاوہ حضرت مسیح نے ایک مثال بھی بیان کی ہے جسمیں اس گڈریئے کا ذکر ہے جو ننانوے موجود بھیڑوں کو چھوڑ کر ایک گم شدہ کی تلاش میں پہاڑوں اور جنگلوں میں پھرتا تھا یہہ تمثیل جیسی حضرت مسیح پر صادق آتی ہے اور کسی پر نہیں آتی - وہ اسرائیلیوں کے لیے مبعوث ہوئے تھے لیکن جس جگہ انہوں نے تبلیغ شروع کی وہاں بارہ قوموں میں سے صرف دو موجود تھیں اور باقی دس فرقے گم تھے پس جو شخص یہہ تعلیم دیتا ہے کہ ایک گم شدہ بھیڑ کی خاطر ننانوے بھیڑوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں تلاش کرنی چاہیئے اس سے بڑھکر کون گنہگار ہوگا اگر وہ خود دو موجود فرقوں کی خاطر دس گم شدہ فرقوں کی تلاش میں پہاڑوں اور جنگلوں میں نہ جائے بلکہ اسکا تو یہہ فرض ہونا چاہیئے کہ تھوڑوں کو چھوڑ کر بہتوں کی تلاس کرے یہہ ایک صاف اور کھلی بات ہے کہ حضرت مسیح کا فرض کثیر تعداد کو تبلیغ کرنیکا تھا اور یہہ فرض وہ ادا نہیں کرسکتے تھے جبتک دس گم شدہ فرقوں کو جاکر وعظ نہ کرتے بہرحال یہہ ظاہر ہے کہ مسیح کا مشن سارے اسرائیلیوں کی طرف تھا کسی خاص فرقہ کی طرف ، اور اسکے متعلق یہہ پیشگوئی بھی تھی کہ وہ خدا کا برگزیدہ قوم بنی اسرائیل پر حکمرانی کریگا - پس وہ صلیب پر فوت ہوگئے اور پھر جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے آسمان پر چڑہ گئے تھے تو انکی بعثت کی اصل غرض جو بار بار انجیلوں میں بھی بیان کیگئی ہے اسرائیلوں کو نجات دیں اور خصوصًا انکی گم شدہ بھیڑوں کو بالکل پوری

نہ ہوئی۔ اگر حضرت مسیح صلیب سے بچکر دس گم شدہ بنی اسرائیل کے فرقوں کی طرف نہیں گئے تو بجائے اسرائیلیوں کو گناہ سے چھوڑانے کے اور بھی اسرائیلیوں پر انہوں نے گناہ کا بوجھ ڈالدیا۔ کیونکہ انکی موت کا گناہ بھی یہودیوں کے سر پر ہی پڑا۔

انجیلوں سے حضرت مسیح کے مشرق کیطرف جانیکی ایک اور شہادت بھی ملتی ہے متی ۲/۱ میں لکھا ہے کہ وہ ستارہ جو مسیح کی پیدایش کے نشان کے طور پر طلوع ہوا تھا وہ مشرق میں نکلا تھا۔ اسی ستارے کی رہنمائی سے چند دانا آدمی ایک لمبا سفر اختیار کر کے اسجگہ پہونچے جہاں حضرت مسیح پیدا ہوئے تھے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مسیح کی پیدایش کے منتظر تھے لیکن مسیح کی آمد کا وعدہ اور اسکی ظہور کے علامات سوائے اسرائیلی اقوام کے دوسری کسی قوم کو نہ دئے گئے تھے۔ اسی وہ لوگ جو ستارہ کو دیکھکر مشرق کیطرف سے آئے اسرائیلی ہونے چاہئے اب یہ دو واقعات یعنی مشرق میں ستارے کا نکلنا اور مشرق سے دانا آدمیوں کا آنا لغو اور بے معنی باتیں نہیں ہو سکتیں۔ ستارہ جو مسیح کی پیدایش کو بتاتا تھا وہ مشرق میں کیوں طلوع ہوا اگر مشرقی لوگوں نے اس مسیح سے محض بے بہرہ رہنا تھا۔ بلکہ یہاں تو صاف اشارہ ہے کہ مشرقی اسرائیلی مسیح کی آمد سے بہ نسبت ان لوگوں کے زیادہ فایدہ اٹھائینگے جو اس کے ہموطن تھے۔ ستارہ مشرق میں نکلا نہ فلسطین میں اور اسطرح صاف جتلا دیا گیا کہ مسیح کی دعوت مشرق میں قبول کی جاوے گی اور اسکے ہموطن محروم رہ جائینگے۔ گویا حضرت مسیح کی پیدایش کا ستارہ انکے اقبال کا ستارہ تھا اور انکی تبلیغ کی قبولیت کا کھلا کھلا نشان تھا۔ اور کیوں خداتعالی نے مشرقی لوگوں کو ستارے کے ذریعہ ہدایت کی اگر اصلی ہدایت سے وہ محروم ٹھہرائے گئے تھے اور یہ مقدر ہی نہ تھا کہ وہ پیغمبر انکو ہدایت کرے جس کی پیدایش کا نشان ان کو دکھایا گیا تھا۔ یہ کیسا حیرت انگیز امر ہے کہ مشرقی اسرائیلی جن کو ستارہ دکھایا گیا وہ تبلیغ سے محروم رکھے گئے اور فلسطین کے یہودی جنکو تبلیغ کرنے میں مسیح نے اپنی عمر صرف کر دی تھی انکو کوئی نشان اس کی ظہور کا نہ دکھایا گیا۔ کیا خدا کے نشان ایسے ہی لغو اور بیہودہ ہوتے ہیں ہرگز نہیں بلکہ وہ بڑے بڑے اسرار کی طرف اشارہ کرنے والے ہوتے ہیں اور اسی قسم کا ایک نشان مشرق میں ستارہ کا طلوع تھا۔ علاوہ ازیں حضرت مسیح بڑی ناشکر گذار ٹھہرتے ہیں اگر وہ ان لوگوں کی طرف توجہ نہ کرتے جو انکی پیدایش کیوقت اتنے دور سے قبول کرنیکے لئے آئے تھے۔ مشرقی اسرائیلیوں نے تو اس کی پیدایش پر ہی اس کا خیر مقدم کیا حالانکہ مغربی اسرائیلیوں نے اسکی موت کے حیلے سوچے۔ اس میں کون مسیح کا ہو رہنا چاہیے تھا ایک نادان بھی سمجھ سکتا ہے۔ اور منجملہ انجیلی شہادتوں کے پلاطوس کی بیوی کا خواب ہے۔

جب پلاطوس کچہری کی مسند پر بیٹھا تھا اس کی جورو نے اسے کہلا بھیجا کہ تو اس راستباز سے کچھ کام نہ رکھ

یعنے اسکے قتل کرنے کے لئے سعی نکر کیونکہ میں نے آج رات خواب میں اس کے سبب سے بہت تکلیف پائی دیکھو متی باب ۲۷ آیت ۱۹ - سو یہ فرشتہ جو خواب میں پلاطوس کی جورو کو دکھایا گیا - اس سے ہم اور ہر ایک منصف یقینی طور پر یہ سمجھے گا کہ خدا کا ہرگز یہ منشا نہ تھا کہ مسیح صلیب پر وفات پاوے جب سے کہ دنیا پیدا ہوئی آجتک یہ کبھی نہیں ہوا کہ جس شخص کے بچانے کے لئے خدا تعالیٰ رویا میں کسی کو ترغیب دے کہ ایسا کرنا چاہئے تو وہ بات خطا جاے مثلاً انجیل متی میں لکھا ہے کہ خداوند کے ایک فرشتہ نے یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا اُٹھ اس لڑکے اور اس کی ماں کو ساتھ لیکر مصر کو بھاگ جا اور وہاں جبتک میں تجھے خبر دوں ٹھہر رہ کیونکہ ہیرودوس اس لڑکے کو ڈھونڈے گا کہ مار ڈالے ۱۳ دیکھو انجیل متی باب ۲ آیت ۱۳ - اب کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ یسوع کا مصر میں بھاگ جانا ممکن تھا اسی طرح خدا تعالیٰ کیطرف سے یہ ایک تدبیر تھی کہ پلاطوس کی جورو کو مسیح کیلئے خواب آئی اور ممکن نہ تھا کہ یہ تدبیر خطا جاتی اور جسطرح مصر کے قصہ میں مسیح کے مارے جانے کا اندیشہ ایک ایسا خیال ہے جو خدا تعالیٰ کے ایک مقررشدہ وعدہ کے برخلاف ہے اسیطرح اسجگہ بھی یہ خلاف قیاس بات ہے کہ خدا تعالیٰ کا فرشتہ پلاطوس کی جورو کو نظر آوے اور وہ اس ہدایت کی طرف اشارہ کرے کہ اگر مسیح صلیب پر فوت ہوگیا تو یہ تمہارے لئے اچھا نہ ہوگا تو پھر اس غرض سے فرشتہ کا ظاہر ہونا بے سود جاوے اور مسیح صلیب پر مارا جاوے کیا اس کی دنیا میں کوئی نظیر ہے ہرگز نہیں - ہر ایک نیکدل انسان کا پاک کانشنس جب پلاطوس کی بیوی کے خواب پر اطلاع پائے گا تو بیشک وہ اپنے اندر اس شہادت کو محسوس کریگا کہ درحقیقت اس خواب کا منشا و یہی تھا کہ مسیح کے چھوڑنے کی ایک بنیاد ڈالی جاوے - یوں تو دنیا میں ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ اپنے عقیدہ کے تعصب سے ایک کھلی کھلی سچائی کو رد کرے اور قبول نہ کرے لیکن انصاف کے رو سے ماننا پڑتا ہے - کہ پلاطوس کی بیوی کا خواب مسیح کے صلیب سے بچنے پر ایک وزن کی شہادت ہے - اور سب سے اول درجہ کی انجیل یعنے متی نے اس شہادت کو قلمبند کیا ہے - اگرچہ ایسی شہادتوں سے جو بڑے زور سے اس کتاب میں لکھونگا مسیح کی خدائی اور مسئلہ کفارہ یکلخت باطل ہوتا ہے لیکن ایمانداری اور حق پسندی کا ہمیشہ یہ تقاضا ہونا چاہئے کہ ہم سچائی کے قبول کرنے میں قوم اور برادری اور عقاید رسمیہ کی کچھ پرواہ نہ کریں - جب سے انسان پیدا ہوا ہے آج تک اُن کی کوتہ اندیشیوں نے ہزاروں چیزوں کو خدا بنا ڈالا ہے یہانتک کہ بلیوں اور سانپوں کو بھی پوجا گیا ہے - لیکن پھر بھی عقلمند لوگ خداداد توفیق سے اس قسم کے شرکانہ عقیدوں سے نجات پاتے آئے ہیں -

اور منجملہ انجیلی شہادتوں کے جو ہمکو ملی ہیں انجیل متی کی وہ آیت ہے جو ذیل میں لکھتا ہوں۔ "ہابیل راستباز کے خون سے برخیاہ کے بیٹے ذکریا کے خون تک جسے تم نے ہیکل اور قربان گاہ کے درمیان قتل کیا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس زمانہ کے لوگوں پر آویگا" دیکھو باب ۲۳ آیت ۳۵ و ۳۶ - اب ان آیات پر اگر نظر غور کرو تو واضح ہوگا کہ انمیں حضرت مسیح علیہ السلام نے صاف طور پر کہدیا ہے کہ یہودیوں نے جسقدر نبیوں کے خون کئے انکا سلسلہ ذکریا نبی تک ختم ہوگیا - اور اسکے بعد یہودی لوگ کسی نبی کے قتل کرنے کے لئے قدرت نہیں پائینگے - یہ ایک بڑی پیشگوئی ہے اور اس سے نہایت صفائی کے ساتھ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کے ذریعہ سے قتل نہیں ہوئے بلکہ صلیب سے بچکر نکل گئے اور آخر طبعی موت سے فوت ہوئے - کیونکہ اگر یہ بات صحیح ہوتی کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی ذکریا کیطرح یہودیوں کے ہاتھ سے قتل ہونیوالے تھے تو ان آیات میں حضرت مسیح علیہ السلام ضرور اپنے قتل کئے جانے کی طرف بھی اشارہ کرتے - اور اگر یہ کہو کہ گو حضرت مسیح علیہ السلام بھی یہودیوں کے ہاتھ سے مارے گئے - لیکن انکا مارا جانا یہودیوں کے لئے کوئی گناہ کی بات نہیں تھی کیونکہ وہ بطور کفارہ کے مارے گئے تو یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ یوحنا باب ۱۹ آیت ۱۱ میں مسیح نے صاف طور پر کہدیا ہے کہ یہودی مسیح کے قتل کرنیکے ارادہ سے سخت گنہگار ہیں اور ایسا ہی اور کئی مقامات میں اسی امر کیطرف اشارہ ہے اور صاف لکھا ہے کہ اس جرم کی عوض میں جو مسیح کی نسبت اُن سے ظہور میں آیا خدا تعالیٰ کے نزدیک قابل سزا ٹھہر گئے تھے - دیکھو انجیل متی باب ۱۶ آیت ۲۴ -

اور منجملہ اُن شہادتوں کے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب سے محفوظ رہنے کے بارہ میں انجیل سے ملتی ہیں وہ شہادت ہے جو انجیل متی باب ۲۶ میں یعنے آیت ۳۶ سے آیت ۴۶ تک مرقوم ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام گرفتار کئے جانے کا الہام پاکر تمام رات جناب الٰہی میں رو رو کر اور سجدے کرتے ہوئے دعا کرتے رہے - اور ضرور تھا کہ ایسی تضرع کی دعا جس کے لئے مسیح کو بہت لمبا وقت دیا گیا تھا قبول کیجاتی کیونکہ مقبول کا سوال جو بیقراری کے وقت کا سوال ہو ہرگز رد نہیں ہوتا - پھر کیوں مسیح کی ساری رات کی دعا اور دردمند دل کی دعا اور مظلومانہ حالت کی دعا رد ہو گئی - حالانکہ مسیح دعوی کرتا ہے کہ باپ جو آسمان پر ہے میری سنتا ہے - پس کیونکر باور کیا جائے کہ خدا اُس کی سنتا تھا جبکہ ایسی بے قراری کی دعا منظور نہ ہوئی - اور انجیل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو دلی یقین تھا کہ اُس کی وہ دعا ضرور قبول ہوگئی اور اس دعا پر اسکو بہت بھروسہ تھا - اسی وجہ سے

جب وہ پکڑا گیا اور صلیب پر کھینچا گیا اور ظاہری علامات کو اس نے اپنی امید کے موافق نہ پایا تو بے اختیار اسکے مونہہ سے نکلا کہ "ایلی ایلی لما سبقتنانی" اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے کیوں مجھے چھوڑ دیا یعنے مجھے یہ امید ہرگز نہیں تھی کہ انجام یہ ہوگا اور میں صلیب پر مرونگا۔ اور یقین رکھتا تھا کہ تو میری دعا سنے گا۔ پس ان دونوں مقامات انجیل سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح کو خود دلی یقین تھا کہ میری دعا ضرور قبول ہوگی اور میرا تمام رات کا رو رو کر دعا کرنا ضایع نہیں جائیگا۔ اور خود اس نے خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنے شاگردوں کو یہ تعلیم دی تھی کہ اگر دعا کروگے تو قبول کیجائے گی بلکہ ایک مثال کے طور پر ایک قاضی کی کہانی بھی بیان کی تھی کہ جو نہ خلقت سے اور نہ خدا سے ڈرتا تھا اور اس کہانی سے بھی مدعا یہ تھا کہ تا حواریوں کو یقین آجائے کہ بیشک خدا تعالیٰ دعا سنتا ہے۔ اور اگرچہ مسیح کو اپنے پر ایک بڑی مصیبت کے آنیکا خدا تعالیٰ کیطرف سے علم تھا مگر مسیح نے عارفوں کیطرح اس بنا پر دعا کی کہ خدا تعالیٰ کے آگے کوئی بات انہونی نہیں اور ہر ایک محو و اثبات اسکے اختیار میں ہے۔ لہٰذا یہ واقعہ کہ نعوذ باللہ مسیح کی خود دعا قبول نہ ہوئی یہ ایک ایسا امر ہے جو شاگردوں پر نہایت بد اثر پیدا کرنیوالا تھا۔ سو کیونکر ممکن تھا کہ ایسا نمونہ جو ایمان کو ضایع کرنیوالا تھا حواریوں کو دیا جاتا جبکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ مسیح جیسے بزرگ نبی کی تمام رات کی پرسوز دعا قبول نہ ہو سکی تو اس بد نمونہ سے انکا ایمان ایک سخت امتحان میں پڑتا تھا۔ لہٰذا خدا تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا یہی تھا کہ اس دعا کو قبول کرتا یقیناً سمجھو کہ وہ دعا جو گتسمنی نام مقام میں کی گئی تھی ضرور قبول ہو گئی تھی۔

ایک اور بات اسجگہ یاد رکھنے کے لایق ہے کہ جیسا کہ مسیح کے قتل کے لئے مشورہ ہوا تھا اور اس غرض کے لئے قوم کے بزرگ اور معزز مولوی قیافا نامی سردار کاہن کے گھر میں اکٹھے ہوئے تھے کہ کسی طرح مسیح کو قتل کر دیں یہی مشورہ حضرت موسےٰ کے قتل کرنیکے لئے ہوا تھا۔ اور یہی مشورہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کے لئے مکہ میں دار الندوہ کے مقام میں ہوا تھا۔ مگر قادر خدا نے اُن دونوں بزرگ نبیوں کو اس مشورہ کے بد اثر سے بچا لیا۔ اور مسیح کے لئے جو مشورہ ہوا اُن دونوں مشوروں کے درمیان میں ہے پھر کیا وجہ کہ وہ بچایا نہ گیا حالانکہ اس نے ان دونوں بزرگ نبیوں سے بہت زیادہ دعا کی اور پھر جب کہ خدا اپنے پیارے بندوں کی ضرور سنتا ہے اور شریروں کے مشورہ کو باطل کر کے دکھاتا ہے تو پھر کیا وجہ کہ مسیح کی دعا نہیں سنی گئی ہر ایک صادق کا تجربہ ہے کہ بیقراری اور مظلومانہ حالت کی دعا قبول ہوتی ہے

بلکہ صادق کے لئے مصیبت کا وقت نشان ظاہر کرنے کا وقت ہوتا ہے چنانچہ میں خود اس میں صاحب تجربہ ہوں مجھے یاد ہے کہ دو برس کا عرصہ ہوا ہے کہ مجھ پر ایک جھوٹا مقدمہ اقدام قتل کا ایک صاحب ڈاکٹر مارٹن کلارک عیسائی مقیم امرتسر پنجاب نے عدالت ضلع گورداسپور میں دائر کیا اور یہہ استغاثہ پیش کیا کہ گویا میں نے ایک شخص عبد الحمید نامی کو بھیجکر ڈاکٹر مذکور کو قتل کرنا چاہا تھا اور ایسا اتفاق ہوا کہ اس مقدمہ میں تینوں قوم کے چند منصوبہ باز آدمی یعنے عیسائی اور ہندو اور مسلمان میرے مخالف متفق ہوگئے اور جہانتک ان سے ہوسکتا تھا یہہ کوشش کی کہ مجھپر اقدام قتل کا الزام ثابت ہو جائے عیسائی پادری مجھ سے اسوجہ سے ناراض تھے کہ میں اس کوشش میں تھا اور اب بھی ہوں کہ مسیح کی نسبت جو اُن کا غلط خیال ہے اس سے خدا کے بندوں کو نجات دوں اور یہہ اول نمونہ تھا جو میں نے ان لوگوں کا دیکھا اور ہندو مجھ سے اسوجہ سے ناراض تھے کہ میں نے لیکھرام نامی اُنکے ایک پنڈت کی نسبت اسکی رضامندی سے اسکے مرنیکی نسبت خدا کا الہام پاکر پیشگوئی کی تھی اور وہ پیشگوئی اپنی میعاد میں اپنے وقت پر پوری ہوگئی اور وہ خدا کا ایک ہیبتناک نشان تھا اور ایسا ہی مسلمان مولوی بھی ناراض تھے کیونکہ میں اُنکے خونی مہدی اور خونی مسیح کے آنے سے اور نیز اُنکے جہاد کے مسئلہ کا مخالف تھا لہذا ان تین قوموں کے بعض سر برآوردہ لوگوں نے یہہ مشورہ کیا کہ کسی طرح قتل کا جرم میرے پر لگ جائے اور میں مارا جاؤں یا قید کیا جاؤں۔ اور ان خیالات میں وہ خدا تعالی کی نظر میں ظالم تھے۔ اور خدا نے مجھے اس گھڑی سے پہلے کہ ایسے منصوبے مخفی طور پر کئے جائیں اطلاع دی اور پھر انجام کار بری کرنے کی مجھے خوشخبری سُنائی۔ اور یہہ خدا کے پاک الہام صدہا لوگوں میں قبل از وقت مشہور کئے گئے اور جبکہ میں نے الہام کی خبر پاکر دعا کی کہ اے میرے مولی اس بلا کو مجھ سے رد کر تب مجھے الہام ہوا کہ میں رد کروں گا اور تجھے اس مقدمہ سے بری کردوں گا اور وہ الہام بہتوں کو سنایا گیا جو تین سو سے بھی زیادہ تھے جو ابتک زندہ موجود ہیں۔ اور ایسا ہوا کہ میری دشمنوں نے جھوٹے گواہ بنا کر اور عدالت میں گذران کر اس مقدمہ کو ثبوت تک پہونچا دیا اور تین قوموں کے لوگوں نے جنکا ذکر ہو چکا ہی میری مخالف گواہی دی۔ تب ایسا ہوا کہ جس حاکم کے پاس وہ مقدمہ تھا جسکا نام کپتان ڈبلیو ڈگلس تھا جو ضلع گورداسپورہ کا ڈپٹی کمشنر تھا خدا نے طرح طرح کے اسباب سی تمام حقیقت اس مقدمہ کی اُس پر کھول دی۔ اور اس پر کھل گیا کہ وہ مقدمہ جھوٹا ہے۔ تب اسکی انصاف پسندی اور عدل پروری نے یہہ تقاضا کیا کہ اُس ڈاکٹر کا جو پادری صاحب کا بھی کام کرتا تھا کچھ بھی لحاظ نکر کے اس مقدمہ کو خارج کیا۔ اور جیسا کہ میںنے

خدا تعالیٰ سے الہام پاکر موجودہ خوفناک صورتوں کے برخلاف عام جلسوں میں اور صدہا لوگوں میں اپنا انجام کار بری ہونا بتلایا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا اور بہت سی لوگوں کی قوت ایمان کا باعث ہوا۔ اور نہ صرف یہی بلکہ اور بھی اس قسم کی کئی تہمتیں اور مجرمانہ صورت کے الزام میرے پر مذکورہ بالا وجوہات کی وجہ سے لگائے گئے اور عدالت تک مقدمے پہونچائے گئے۔ مگر خدا نے مجھے قبل اسکے جو میں عدالت میں بلایا جاتا اپنے الہام سے اول اور آخر کی خبر دیدی۔ اور ہر ایک خوفناک مقدمہ میں مجھے بری ہونے کی بشارت دی۔

اس تقریر سے مدعا یہہ ہے کہ بلاشبہ خدا تعالیٰ دعاؤں کو سنتا ہے بالخصوص جبکہ اُسپر بھروسہ کرنیوالے مظلوم ہونیکی حالت میں اسکے آستانہ پر گرتے ہیں تو وہ انکی فریاد کو پہونچتا ہے اور ایک عجیب طور پر انکی مدد کرتا ہے اور ہم اس بات کے گواہ ہیں تو پھر کیا باعث اور سبب کہ مسیح کی ایسی بے قراری کی دعا منظور نہ ہوئی؟ نہیں بلکہ منظور ہوئی اور خدا نے اسکو بچالیا۔ خدا نے اسکے بچانے کے لئے زمین سے بھی اسباب پیدا کئے اور آسمان سے بھی۔ یوحنا یعنی یحییٰ نبی کو خدا نے دعا کرنیکیلئے مہلت نہ دی کیونکہ اُس کا وقت آچکا تھا۔ مگر مسیح کو دعا کرنے کیلئے تمام رات مہلت دیگئی اور وہ ساری رات سجدہ میں اور قیام میں خدا کے آگے کھڑا رہا۔ کیونکہ خدا نے چاہا کہ وہ بیقراری ظاہر کرے۔ اور اُس خدا سے جسکے آگے کوئی بات ان ہونی نہیں اپنی مخلصی چاہے سو خدا نے اپنی قدیم سنت کیموافق اسکی دعا کو سنا۔ یہودی اس بات میں جھوٹے تھے جنھوں نے صلیب دیکر یہہ طعنہ مارا کہ اس نے خدا پر توکل کیا تھا کیوں خدا نے اُسکو نہ چھوڑایا کیونکہ خدا نے یہودیوں کے تمام منصوبے باطل کئے اور اپنے پیارے مسیح کو صلیب اور اس کی لعنت سے بچالیا اور یہودی نامراد رہے۔

جہاد کے قطعی استیصال کیلئے ایک تجویز پیش کردہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

چونکہ تقریب جلسہ تاج پوشی ہمارے شہنشاہ عالی جاہ ایڈورڈ قیصر کے درپیش ہے اور ہر ایک شخص جو زیر سایہ اس سلطنت پُرامن کے رہتا ہے واجب ہے کہ اس خوشی سے حصہ لے۔ اور اس موقع پر اپنی خیر خواہی اور

خلوص کا اظہار کرے سو میں جو ایک گوشہ گزین انسان ہوں اور قبل اسکے جو واقعہ موت پیش آوے اس شہنشاہ عالم کو دیکھ رہا ہوں جسکو اکثر دوسرے لوگ موت کے بعد دیکھیں گے اس لئے میری معرفت اور حقیقت شناسی نے جو انصاف اور حق پسندی کو چاہتی ہے مجھے تحریک کی ہے کہ نہایت یک رنگی اور دلی جوش سے اپنی مشرب اور طریق کے مطابق اس موقعہ پر وہ باتیں ظاہر کروں جنکو لئے میرا دل جوش مار رہا ہے اور جنکو اپنا فرض سمجھتا ہوں سو سب سے اول میں اپنی طرف سے اور اپنی جماعت کے منتخب لوگوں کی طرف سے جو میرے تخمینہ میں اب وہ برٹش انڈیا کی متفرق بلاد میں ڈیڑہ لاکھ کے قریب ہیں حضرت شہنشاہ قیصر کو شکر سے بھرے ہوئے الفاظ کے ساتھ دعائے خیر کرتا ہوں اور جناب الٰہی سے چاہتا ہوں کہ وہ قادر کریم جسکی بے انتہا طاقت نے ذرّہ ذرّہ پر قبضہ کر رکھا ہے اس شہنشاہ کو جسکی سلطنت امن بخش اور ہر ایک ظالم سے حفاظت کرتی ہے تمام مکروہات زمانہ سے بچاوے اور فتح وظفر نصیب کرے - اور ہمیں زیادہ سے زیادہ اس بات کی توفیق دے کہ ہم سچے دل سے اس محسن گورنمنٹ کے خیر خواہ رہیں - اور دو رنگی سے بچیں - پھر بعد اسکے میرے دل میں جلسہ تاج پوشی کی تقریب پر ایک ارادہ دوبارہ جوش زن ہوا ہے جسکو میں آج سے قریبًا بائیس۲۲ برس پہلے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں ملک میں مسلمانوں کی توجہ کے لیئے شائع کیا تھا اور پھر وقتًا فوقتًا میں اس ارادہ کو اپنی متفرق کتابوں میں شائع کرتا رہا اور غالبًا تینتیس مرتبہ کے قریب میں نے اُس ارادہ کو ملک میں شائع کیا مگر افسوس کہ ابتک وہ میرا مطلب پورا نہ ہوا - اب اس تقریب جلسہ تاج پوشی پر خوب موقعہ نکلا ہے کہ پھر میں یہہ بات پیش کروں - اور وہ یہہ ہے کہ جس رعیت کو اپنی گورنمنٹ کے ساتھ دلی اطاعت کا جوش نہو - وہ بدقسمت رعیت ہے جو نفاق کے ساتھ گذارہ کرتی ہے - اور اب ہم نے قریبًا پچاس سال کی مُدت میں متواتر تجارب سے دیکھہ لیا ہے کہ گورنمنٹ درحقیقت مسلمانوں کے لیئے ابر رحمت ہے - اس کے سایہ میں ہم امن سے گذارہ کرتے ہیں اسکے سایہ میں اکثر مسلمان نسبتًا اپنی پہلی حالت بے علمی سے بہت کچھہ ترقی کر گئے ہیں اور یہ گورنمنٹ انکی جانوں اور مالوں اور آبروؤں کی محافظ ہے - اور ایسے عمدہ انتظام سے امن قایم کیا گیا ہے کہ اس سے بہتر متصوّر نہیں - تو پھر کیا اس کے علماء کا فرض نہیں ہے کہ وہ پوری توجہ سے سوچیں کہ کیوں آئے دن اس محسن گورنمنٹ کو سرحدی وحشیوں کی لڑائیوں کے مشکلات پیش آتے ہیں کیا اسکا یہ سبب نہیں ہے کہ اُنمیں ایسے بدظن مُلّا موجود ہیں جو ہمیشہ اُنکو یہی سبق دیتے رہتے ہیں - کہ

کافروں سے جہاد کرنا دین کا فرض اور بہشت کے حاصل کرنیکی ایک کنجی ہے پس اسبات میں کچھ بھی شک نہیں کہ جن اسباب سے یہہ فتنہ ہمیشہ اُٹھتا رہتا ہے۔ انہیں اسباب سے یہہ فرو بھی ہوگا یعنی علماء کے مقابل پر علماء کی کوشش ضروری ہے۔

پس کیا ہمارے علماء کوئی ایسی تدبیر نہیں کر سکتے کہ اس تدبیر کا اثر ان وحشیوں پر پڑے؟ بیشک کر سکتے ہیں اور اگر زیادہ اثر نہو تو بلاشبہ کسی قدر ضرور اثر ہوگا یہہ گورنمنٹ بے شک باہیبت اور با اقبال ہی اگر چاہے تو ایک کروڑ مفسد اور باغی کی بخوبی سرکوبی کر سکتی ہے۔ لیکن آخر لڑائیوں میں عزیز جانیں ضائع ہوتی ہیں۔ سو اگر کسی تدبیر سے کام نکلے تو کیوں جانیں ضائع ہوں۔ پس میرے نزدیک تدبیر یہہ ہے کہ ایک کتاب بسوط مخالفت جہاد میں لکھی جائے جسکا یہہ مطلب ہو کہ بموجب آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ اور اصول انصاف کے اس گورنمنٹ سے ہرگز جہاد درست نہیں کیونکہ وہ دادگستری اور حق پسندی اور رعیت پروری اور بہت سے اپنے منصفانہ اصولوں کے روسے دین اسلام کی حامی ہی اور علاوہ اس کے مقابلہ کر کے دیکھہ لو کہ ہندوستان کے پہلے بادشاہوں کے زمانہ کی نسبت علمی ترقی اور امن اور آزادی میں گورنمنٹ انگریزی کی رعایا مسلمان آگے بڑھ گئے ہیں بلکہ اگر زیادہ غور کرو تو معلوم ہوگا کہ انگریزی قوانین اسلام کے لئے راستہ صاف کر رہی ہیں۔ ان تمام امور کے لحاظ سے اس محسن گورنمنٹ سے بغاوت یا مقابلہ یا سرکشی سے پیش آنا صرف ناجائز ہی نہیں بلکہ اسلام سے خارج ہونا ہے جب ایسی کتاب طیار ہو جائے۔ تو تمام سرآمد علماء کے اسپر دستخط ہو جائیں۔ اور پھر وہ کتاب زبان پشتو اور فارسی اور عربی میں ترجمہ کیجائے اور ایسی کتاب کی چالیس ہزار کاپی چھپوائی جائے اور ملک میں اور سرحدی ممالک میں تقسیم کیجائے اگر ایسا ہو تو مینے منظور کیا ہی کہ دس ہزار روپیہ تک اسکی چھپوائی کے اخراجات میں خود دیدونگا۔ مگر شرط یہہ ہی کہ محض بیہودہ اور مجمل اور منافقانہ بیان نہ ہو بلکہ ہر ایک پہلو سے مکمل ہو میں اس بات کو خوب جانتا ہوں اور محسوس کرتا ہوں کہ وہ بیان کس قوت کے ہوتے ہیں جو دل کی سچائی سے نکلتے ہیں۔ اور وہ بیان کیسے بودے اور کمزور ہوتے ہیں جو محض منافقانہ ہوتے ہیں۔ منافقانہ بیان ایک مردہ بیان ہوتا ہے اور اسکی ایسی مثال ہے جیسا کہ ایک پھوڑہ کہ اندر بہت سی پیپ بھری ہو اور بظاہر دکھائی دیتا ہو کہ وہ زخم مل گیا ہے مگر جو بیان دل سے نکلتا ہے وہ آخر دلوں کو جا پکڑتا ہے۔ میں اس بارہ میں ایسی تحریروں کو پسند نہیں کرتا جو گول مول ہوں اور صرف دو چار مختصر ورق ہوں۔ بلکہ چاہیئے کہ بہت مبسوط کتاب ہو

اور اس میں تین قسم کے زبردست دلائل ہوں (۱) اوّل آیات قرآنی سے تمسک ہو (۲) دوسری حدیثوں سے تمسک ہو (۳) تیسری دلائل عقلیہ سے تمسک ہو اور میں نے سنا ہے کہ بعض والیان ریاست سرحدی نے جہاد پر زور دینے کے لئے ایک کتاب لکھی ہے اس صورت میں اور بھی واجب ہوا کہ اُس کتاب کا اثر دور کر دیا جائے اگر گورنمنٹ یہہ عذر پیش کرے کہ ایسی ہدایت گویا ایک جبر کی قسم ہے تو اس کا یہہ جواب ہے کہ یہہ جبر نہیں ہے جس بات میں لوگوں کی بھلائی اور امن کی ترقی اور عافیت کی امید ہو وہ جبر کیونکر ہوسکتا ہے ایسے خیالات مسلمانوں کو پستی کی طرف لے جا رہے ہیں - اور درندگی کی قوتیں بڑھتی جاتی ہیں - اور اس ملک کے علماء کا کیا حرج ہے کہ ایسی مبسوط کتاب تصنیف کر کے اپنے دستخطوں اور مہروں سے مزیّن کریں انپر کوئی خرچ نہیں ڈالا جاتا بلکہ اس تمام خرچ کا میں ہی ذمہ اُٹھاتا ہوں لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے صفائی اور پوری دیانت سے ایسی کتاب تالیف ہونی چاہئے میں انکی نسبت کوئی بدظنی نہیں کرتا - مگر میرا کانشنس اسبات کو نہیں مانتا کہ جب تک پوری صفائی اور پورے دل کے جوش سے ایسی کتاب نہ لکھی جائے - اور ایسے تمام امور کی جڑھ کاٹ نہ دیجائے جو جہادی مسائل کیطرف حرکت دیتے ہیں - یا کسی آئندہ جہاد کی امید دیتے ہیں - تب تک وہ کتاب موثر ہوسکے اس لئے ہمیں چاہئے کہ اُس جڑھ کو اپنے عقاید کے اندر سے بکلّی نکال دیں جس کی زہر کسی وقت پہونچنے کے لئے طیار ہے -

میرے خیال میں یہہ دو عقیدے جہاد کی جڑھ ہیں (۱) ایک یہہ کہ جو امید کیجاتی ہے کہ اب عنقریب زمانہ میں کوئی ایسا مہدی آنیوالا ہے کہ جو جہاد اور اپنی مذہبی لڑائیوں سے زمین کو خون سے پُر کر دیگا (۲) دوسرے یہہ کہ مہدی کے ہاتھ بٹانے کے لئے کوئی مسیح آسمان سے آنیوالا ہے جس کا کام بھی یہی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بھی سخت دل سپاہیوں کی طرح تلوار سے دین کو پھیلانا چاہے گا - میں دیکھتا ہوں کہ اب ایسی عقیدوں کا زمانہ گذرتا جاتا ہے اور وہ جو ایسی بحثوں میں سختی سے پیش آتے تھے ایسے وہ خود بخود سمجھتے جاتے ہیں اور دل جلد جلد صاف ہوتے جاتے ہیں بعض نادانوں کا پہلے اس سے ان عقیدوں پر بہت غلو تھا اور اب بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو تہذیب اور انسانیت سے بہت کم حصہ رکھتے ہیں وہ ان بیہودہ عقیدوں پر ابتک قائم ہیں - اگر یہہ عقیدے قرآن شریف میں مذکور ہوتے تو ایسے عقیدوں والے پر کچھ بھی افسوس نہ تھا لیکن تعجب تو یہہ ہے کہ ان ہر دو عقیدوں کا قرآن شریف میں نام ونشان نہیں ہاں سوچ

فاتحہ اور سورۃ نور اور کئی اور سورتوں میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسطرح بنی اسرائیل کے نبیوں کا سلسلہ آخرکار ایک ایسے نبی پر ختم ہوا جسنے تلوار نہیں اٹھائی اور نہ جہاد کیا اور محض اخلاقی تعلیم کی قوت سے دلوں کو اپنی طرف کھینچا ایسا ہی محمدی سلسلہ میں جب وہی زمانہ آئیگا یعنی جبکہ ہجرت سے چودھویں صدی آئیگی جو اُس زمانہ سے بہت مشابہ ہے۔ جبکہ حضرت عیسیٰ حضرت موسیٰ کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ تب حضرت عیسیٰ مسیح کی مانند اس امت میں بھی ایک شخص پیدا ہوگا۔ جو نہ جہاد کریگا اور نہ تلوار اٹھائے گا اور آرام سے اور صلح کاری سے دلوں کو خدا کی طرف پھیر دے گا۔ اور قرآن شریف سے یہہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ آخری مسیح جو پہلے مسیح کے قدم پر آئے گا۔ آدم کے زمانہ سے چھٹے ہزار کے آخر پر پیدا ہوگا یہہ پیشگوئی ہے جو قرآن شریف میں ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرور ہے کہ اسلام چودھویں صدی میں اپنی ترقی کا تمام مدار اخلاقی اور عقلی اور اعجازی نمونوں پر رکھے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رکھا تھا۔ یہی ہے جو دوسرے لفظوں میں مسیح کا دوبارہ آنا بیان کیا جاتا ہے۔ اسمیں یہہ جتلانا منظور ہے کہ پہلے مسیح میں اور دوسرے مسیح میں ایسی مشابہت ہے کہ گویا وہ دونوں ایک ہیں۔ یہی ایک پیشگوئی ہے جو قرآن شریف سے ثابت ہوتی ہے۔ باقی سب باطل اور جھوٹے قصے ہیں جو لوگوں نے بنا رکھے ہیں اور مہدی کے متعلق جسقدر حدیثیں ہیں ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں ہے قرآن نے دو مسیح بالمقابل رکھے ہیں ایک مسیح اسرائیلی اور ایک مسیح محمدی اور دونوں کی نسبت بیان ہے کہ وہ محض اخلاقی تعلیم اور آسمانی نشانوں سے دین کو پھیلانے والے ہیں۔ پہلے اس سے اسرائیلی سلسلہ میں موسیٰ اور یشوعا وغیرہ نبیوں کی لڑائیوں سے یہہ شک کیا گیا تھا کہ شائد مذہب ایسا ہے کہ اس میں بجز تلوار کے اور کچھ نہیں۔ پس خدا نے نہ چاہا کہ وہ شک دلوں میں باقی رہے اس لیے اپنے موسوی سلسلہ کے آخری زمانہ میں یسوع مسیح کو بھیجا تا اپنی اخلاقی تعلیم سے اُس شک کو دور کردے۔ اسیطرح محمدی سلسلہ میں بھی جبکہ پہلے زمانہ میں بطور مدافعت کے لڑائیاں ہوئیں تو لوگوں نے بعد میں یہہ اعتراض اسلام پر کیا کہ وہ جبر سے دین کو پھیلاتا رہا ہے۔ حالانکہ وہ لڑائیاں مخالفوں کے حملوں کی دفع کے لئے تھیں نہ دین کے پھیلانے کیلئے جیسا کہ قرآن شریف میں خدا نے صاف فرمایا کہ لا اکراہ فی الدین یعنی دین میں جبر نہیں ہے۔ سو چونکہ یہہ اعتراض دلوں میں جم گیا تھا۔ اور جاہل اور وحشی مسلمانوں نے بھی اپنے بدنمونوں سے اس اعتراض کو قوت دی تھی۔ اور دینداری کا شعار غازی کہلانا سمجھا گیا تھا اور دین

کے لئے تلوار اٹھانا گویا بہشت کی کنجیاں ٹھہر گئیں تھیں۔ اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد چودہویں صدی میں اسلام پر بھی وہ زمانہ آگیا کہ خدا اس غلطی کو اسلام میں سے نکالدے اسی طرح جیسا کہ موسیٰ سے چودہ سو برس بعد عیسیٰ مسیح کو خدا نے بھیجکر یہودیوں کی غلطی کو نکالدیا۔ سو اصل بات تو صرف اسقدر تھی۔ جسکو بعض نادانوں نے کچھ کا کچھ بنا دیا۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ اسلام کے عقلمند اور پاک دل لوگ اُس حقیقت کو جلد تر سمجھ جائیں گے۔ میں صرف قیاسی طور پر نہیں کہتا بلکہ وہ نیک دل انسان جو ڈیڑھ لاکھ کے قریب میری اس ہدایت کو قبول کر چکے ہیں وہ ایک زندہ گواہ میرے اس خیال کے ہیں۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ ہر روز اسلام میں سے غلط عقیدے اُٹھتے جاتے اور انکے بدلے یہہ پاک سلسلہ قائم ہوتا جاتا ہے۔ میرے اس سلسلہ میں اگرچہ ایسے لوگ بھی بکثرت ہیں جو انگریزی خواں اور تعلیم یافتہ اور سرکاری عہدوں پر مقرر ہیں مگر ایک گروہ کثیر ان میں علماء کا بھی ہے جنہیں اُنکے ساتھ ان مسائل کے سمجھانے میں کوئی دقت اٹھانی نہیں پڑی۔ بلکہ وہ ایسی آسانی سے سمجھ گئے۔ گویا کہ وہ پہلے سے ہی طیار تھے۔ سو میں اس سے قیاس کرتا ہوں کہ اس پاک عقیدے کیلئے قریباً کل دانشمند طیار ہیں اور عقلمند لوگ جہادی مسائل سے اندر ہی اندر بیزار ہو گئے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ درحقیقت قدیم سے خدا کا منشاء یہی ہے کہ وہ اپنی ضعیف بندوں کو نرمی اور رحم سے سمجھاوے۔ اور درحقیقت سچ یہی ہے کہ تلواریں محض زمین کو فتح کرتی ہیں۔ مگر اخلاقی تعلیم جو صرف زبانی باتیں نہوں بلکہ عملی طور پر دکھائی جائے وہ دلوں پر فتحیاب ہوتی ہے۔ اُن لوگوں نے خدا کا بڑا گناہ کیا ہے جنہوں نے قرآن کی اخلاقی تعلیم کو جو افراط تفریط سے پاک اور دنیا کی ہر ایک تعلیم سے اعلےٰ تھی اپنے وحشیانہ جنگوں اور ظالمانہ خونریزیوں کے نیچے چھپا دیا ہے۔ اور چونکہ اس زمانہ میں خدا کے منشاء کے برخلاف یہہ کارروائیاں اُن سے ہوئیں اس لئے اُنکو ایسے حملوں میں بجز ناکامی اور ذلت کے اور کچھ حاصل نہیں ہوا اور ہمیشہ شکست اُٹھاتے اور مارے جاتے ہیں۔ لیکن میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اب وہ اگر ایسا کرینگے تو وہ خدا سے لڑینگے اور خدا اُن سے لڑیگا کیونکہ اُس کا منشاء یہی ہے کہ دنیا کو یہہ معجزہ دکھاوے کہ نرمی سے اور صلح سے اور اخلاق کے کمال سے اور اعجازی نمونوں سے دلوں میں پاک تبدیلی پیدا کرے۔ پس جو شخص اُسکے منشاء کے برخلاف دین کے لئے تلوار اُٹھاتا ہے وہ اُس کے معجزہ کو باطل کرنا چاہتا ہے اور اُس کی

حکمت کا دشمن ہے اس لئے کبھی اس کے لئے بہتری نہیں ہے اب کے بعد جو لوگ دین کے بہانہ سے تلوار اُٹھائیں گے گو وہ اپنی جہالت یا فریب سے مہدی کہلاویں یا مُلّا کے نام سے منسوب ہوں وہ بہت ذلیل ہونگے۔ کیونکہ خدا کے قدیم ارادہ کا انہوں نے مقابلہ کیا ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اس حقیقت کو کئی لاکھ انسانوں نے سمجھ لیا ہے۔ اور کروڑہا انسان اس کے سمجھنے کے لئے مستعد ہو رہے ہیں۔ اگر گورنمنٹ عالیہ مجھے اس قدر مدد دے کہ میری اس تقریر کو اپنی طور پر اخبار میں شائع کردے اور اسمیں لکھدے کہ جو علماء اور عقلاء اور فتوے دینے والے جہاد کے مخالف ہیں اور وہ کتاب مخالفت جہاد پر دستخط کرنیکو طیار ہیں وہ ایک خاص عہدہ دار کے پاس جسکو گورنمنٹ مقرر کرے اپنے عرائض اخیر جون ۱۹۰۳ء تک یا اس مدت تک جو گورنمنٹ مناسب سمجھے بھیجدیں اور اُنکے منتخب عالم جہاد کی مخالفت کے بارے میں اپنی اپنی جگہ ایک ایک کتاب لکھیں جنمیں سے ایک یہہ راقم ہی ہوگا۔ پھر مناسب ہے کہ اُن تمام کتابوں میں سے جس کتاب کو گورنمنٹ پسند کرے اور پُرزور دیکھے اسپر سب علماء کے دستخط ہو جائیں اور پھر وہ فارسی اور پشتو اور عربی میں ترجمہ ہو کر بلاد اسلامیہ میں شائع کی جائے اور گورنمنٹ خسروانہ مہربانی کرکے ایسی کتابوں کی تالیف کے لئے بذریعہ اپنے اشتہار کے اطلاع دے اور مناسب ہوگا کہ تالیف کتاب کے لئے ایک برس مہلت رکھی جائے تا تکمیل کتاب میں کوئی دقیقہ رہ نجائے۔ یاد رہے کہ وحشی قوموں کو مہذب بنانے کے لئے جو مُلّاؤں کے پنجہ میں ہیں اس سے زیادہ کوئی موزوں تدبیر نہیں ہوگی جو علماء کے فتنہ کا علاج علماء کے ساتھہ ہی کیا جائے۔ اب یہہ زمانہ نیا رنگ پکڑ گیا ہے اور عملی تجربہ نے ثابت کردیا ہے کہ یہہ طریق جو میں نے بیان کیا ہے بہت موثر ہے بس ہماری گورنمنٹ کو چاہیئے کہ اس سے پورے طور پر فائدہ اٹھاوے۔ مسلمانوں کے لئے اس بات کے بیان کرنیکی ضرورت نہیں کہ درحقیقت خدا تعالیٰ کا یہہ بڑا فضل ہے کہ یہہ عادل گورنمنٹ اپنا حکم رانی کر رہی ہے۔ اگر یہہ گورنمنٹ اس ملک سے دستکش ہو جائے تو چند روز میں قوموں کی باہم کشت و خون سے خون بہنے شروع ہو جائیں اور کیڑوں کی طرح ایک دوسرے کو کھالیں۔ تب ہاتھہ جوڑ کر پھر اس گورنمنٹ کو اپنے ملک میں لادیں گے۔ انسان کے لئے امن اور عافیت کی زندگی اور عادل سلطنت کے زیر سایہ رہنا بڑی چیز ہے گویا اسے دنیا میں بہشت ہے۔ اور جن حکومتوں کے ماتحت جان و مال ہر دم خطرہ میں ہے وہ اگرچہ مسلمان کہلاویں لیکن اُنکا وجود

آرام دہ نہیں ہے ہم لوگوں کی یہ خوش قسمتی ہے کہ ہم کو ایسے حکام ملے ہیں جو حکومت کی کرسی پر بیٹھکر بیجا ہٹ کو
طاق پر رکھدیتے ہیں اور جو تقاضا انصاف اور عدالت کا ہے وہی کرتے ہیں مجھے اس بات کے لکھنے سے خوشی ہے کہ ہمارے پاس
اس دعوے پر ایک نظیر بطور ثبوت کے ہے جس پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انگلش افسروں کی کسقدر نیتیں نیک ہیں
اور وہ کسقدر عدالت اور انصاف کے دلدادہ ہیں اور وہ یہ ہے کہ چند سال گذرے ہیں کہ ایک مشنری صاحب نے جنکا
نام ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک ہے ایک جھوٹا مقدمہ اقدام قتل کا میرے پر دائر کیا میرا خیال ہے کہ انکا گناہ نہیں تھا بلکہ
بعض عیسائیوں نے انکو دہوکا دیا تھا پھر وہ مقدمہ کپتان ڈگلس ڈپٹی کمشنر گورداسپور کی عدالت میں جو حال میں دہلی
کے ڈپٹی کمشنر ہیں تحقیقات ہوا۔ صاحب موصوف نے اس مقدمہ پر پوری توجہ سے غور کی اور کئی دنوں کی کوشش
کے بعد معلوم کر لیا کہ یہ مقدمہ محض دروغ اور سراسر بہتان ہے تب اسکو خارج کیا اور مجھے پوری صفائی سے بری کیا
اس مقدمہ کے دیکھنے والے ہزارہا آدمی تھے جاہلوں کو یہ خیال تھا کہ ایک مشنری کا مقدمہ اور انگریز کے پاس ہے
وہ بہرحال اس مشنری کی رعایت کریگا لیکن جب وہ مقدمہ خارج کیا گیا اس دن لوگوں کے موہنہ سے بے اختیار
نکلتا تھا کہ درحقیقت انگریز ایک ایسی قوم ہے کہ جو انصاف کو مد نظر رکھتے ہیں۔ اور میں چونکہ خوب جانتا تھا کہ یہ محض
بے اصل اور قابل شرم بہتان تھا اور میرا صرف خدا پر بھروسہ تھا اس لئے اس مقدمہ کے راست راست فیصلہ
ہونے پر میرا اعتقاد انگریزی سلطنت کے عدل پسند حکام کی نسبت زیادہ بڑہ گیا۔ اور میں نے سمجھ لیا کہ یہ
انگریز حکام صرف عدل پسند ہی نہیں ہیں بلکہ خدا نے انکو عقل ایسی دی ہے کہ مخفی حقیقت کی تہ تک
پہونچ جاتے ہیں۔ یہ امر بہت مشکل ہے کہ جب ایک حاکم کے سامنے ایسا مدعی آوے جو اسکی قوم کا بزرگ اور قابل
تعظیم اور جنٹلمین ہو اور مقابل میں میرے جیسا ہو دنیا سے الگ جس پر ایک طرف بباعث فرقہ جدیدہ ہونیکے
قوم ناراض ہے اور دوسری طرف ایک فرقہ جدیدہ کا بانی ہونا انتظاماً بھی نگرانی کے لایق ہے پھر پوری
پوری عدالت سے کام لیا جاوے میں نہیں سمجھ سکتا کہ اسکی نظیر ابھی تک کسی دوسرے فرقہ میں موجود ہے
اور نہ میں اسکا قائل ہو سکتا ہوں جب تک کہ اس کو دیکھ نہ لوں۔ پس جس قوم میں ایسے عدل پسند
حکام ہیں جو فیصلہ کے وقت خدا سے ڈرتے ہیں اور عدالت کو ہر ایک تعارف پر مقدم رکھتے ہیں
اور اپنی قوم کے بزرگوں کی بھی عدالت میں رعایت نہیں کرتے۔ انکا سچا وفادار نہ ہونا میں نہیں
سمجھ سکتا کہ اس سے زیادہ کوئی بدبختی اور شقاوت ہے۔ میں نے اس نمونہ کو جو کپتان ڈگلس کی عدالت
میں دیکھا ضایع نہیں کیا بلکہ ایک کتاب اسکے نام تالیف کرکے شایع کردی اور میں چاہتا ہوں کہ صدہا سال تک یہ یاد دلانہ

کار روائی میری جماعت کو یاد رہے گی۔

باوا نانک صاحب کا چولا

یہ چولا جسکو سکھ تعظیم کے سبب سے چولا صاحب پکارتے ہیں ڈیرہ نانک (پنجاب) میں ایک خاص مکان میں رکھا ہوا ہے جو صرف اس تبرک کے لئے تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ ایک سوتی کپڑا ہے اور بعض بعض کناروں پر کچھ سرخی نما ہے۔

کتاب ساکھی چولا صاحب سے پایا جاتا ہے کہ جب باوا نانک صاحب کا انتقال ہوا تو یہ چولا انگد صاحب کو جو پہلے جانشین باوا صاحب کے تھے ملا جسکو اونہوں نے گدی پر بیٹھنے کے وقت سر پر باندھا اور ہمیشہ بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے پاس رکھا۔ چنانچہ پانچویں گورو ارجن داس صاحب کے وقت تک ہر ایک گورو اپنی گدی نشینی کیوقت اسکو مبارک سمجھکر سر پر رکھتا رہا اور انہیں ایک فرض کیطرح یہ عادت تھی کہ بڑے بڑے درباروں میں اور عظیم الشان مہموں کے وقت یہ چولا سر پر رکھتے اور اسسے برکت ڈھونڈتے۔ ایک دفعہ ارجن داس صاحب کیوقت میں امرتسر کا تالاب بن رہا تھا اور بہت اخلاص مند سکھ اُسکے کھودنے میں مصروف تھے تو ایک شخص طوطا رام جو زمین کھودنے میں لگا ہوا تھا اور ارجن داس صاحب سے بہت ہی اعتقاد رکھتا تھا اُسکے اخلاص کو ارجن داس صاحب نے دیکھکر اُسے کہا کہ میں تجھ سے خوش ہوں اسوقت جو کچھ تونے مجھ سے مانگنا ہے مانگ۔ اُس نے کہا کہ مجھے سکھی دان دو یعنی ایسی چیز دو جس سے مجھے دین کی ہدایت ہو۔ تب ارجن صاحب سمجھ گئے کہ یہ چولا مانگتا ہے کیونکہ سچے دین کی ہدائتیں اسی میں موجود ہیں تو اُنہوں نے کہا کہ تونے تو ہمارے گھر کی پونجی ہی مانگ لی پھر سر سے اُتار کر اُسکو چولا دیدیا کہ اگر ہدایت چاہتا ہے تو سب ہدائتیں اسی میں ہیں لیکن پھر وہی چولا ایک مدت کے بعد کابلی مل کو جو باوا نانک صاحب کی اولاد میں سے تھا ملگیا اور اب تک بمقام ڈیرہ نانک ضلع گورداسپورہ پنجاب اُنہیں کی اولاد کے پاس موجود ہے۔

یہ چولا نانک صاحب کو کہاں سے اور کیونکر ملا اس کی اصلیت سکھوں کی ایک روایت میں اس طرح پر بیان کیگئی ہے یہ روایت بالا کی جنم ساکھی میں جو انگد ساکھی کے نام سے مشہور ہے یوں آئی ہے۔

"عرب کے بادشاہ کے ساتھ جو قصہ گذرا"

ترجمہ۔ ایک دفعہ میں مردانہ نے گورو جی کے سامنے ادب سے عرض کی۔ اے سچے بادشاہ عرب کا ملک کیسا ہے

سری گورو جی نے کہا مردانہ تو دیکھنا چاہتا ہے تو تجھے دکھا لائیں گے۔ تب پھر گورو جی نے مجھے فرمایا کیوں
بھئی مردانہ کیا مرضی ہے میں نے عرض کی جو آپ کی رضا ہو۔ تب سری نانک صاحب وہاں سے چلکر عرب کے
ملک میں پہونچے اُس ملک کے بادشاہ کا نام لاجورد مشہور تھا اور بہت ظلم کرتا تھا رعیت بڑی تنگ تھی اور
جو کوئی ہندوستان سے اُس ملک میں جاتا اُسکو قتل کر دیا کرتا تھا اس ملک میں بھی ہوم مچ رہی تھی جب تمام
لوگ بہت تنگ ہوئے تو پرمیشر کے آگے عاجزی سے دعا کی تو اُنکی عاجزی کی دعا بارگاہ میں قبول ہوئی تب
خدا کی بارگاہ سے بابے نانک جی کو آسمانی ندا ہوئی اے نانک میں تجھ سے بہت خوش ہوں اور ایک خلعت
تجھکو عطا ہوتا ہے تب گورو جی نے عرض کیا کہ اے وحدہٗ لاشریک جو تیری رضا ہو۔ تب گورو جی نے مراقب
ہو کر خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ تب ایک خلعت مرحمت ہوا اور اُس خلعت پر قدرت کے حرف عربی ترکی فارسی
ہندی سنسکرت میں لکھے ہوئے پانچوں قسم کے موجود تھے۔ تب سر گورو جی وہ خلعت پہن کر اُس شہر کے دروازے
کے باہر جا بیٹھے سات دن گذرنے کے بعد لوگوں نے کہا کہ یہاں تو ایک ایسا درویش بیٹھا ہے کہ جس کی
خلعت پر قدرتی قرآن کے تیس سیپارے لکھے ہوئے ہیں۔ جب اُن لوگوں نے غور سے دیکھا تو بادشاہ
کو خبر دی کہ اے بادشاہ ہمارے شہر کے باہر ایک درویش ایسا بیٹھا ہے کہ جسکے گلے میں ایک خلعت ہے اُس
خلعت پر تیس سپارے قرآن کے لکھے ہوئے ہیں۔ تب بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ اس درویش کے جسم سے
وہ خلعت اُتار لاؤ۔ تب وزیر نے جاکر کہا کہ اے درویش یہ خلعت اُتار کر ہمیں دے کہ ہمارا بادشاہ طلب
کرتا ہے بادشاہ کی عدول حکمی نہیں چاہئے۔ ورنہ آپکو سزا دیگا۔ تب یہ بات سنکر سری بابے جی نے کہا کہ اگر تیرا
تم سے اُتر سکتا ہے تو اُتار لو جب سری بابے جی نے یہ فرمایا تو جسقدر لوگ وزیر کے ساتھ تھے سب
سری بابے جی کی طرف دوڑے لیکن وہ قدرتی خلعت اور قدرتی کپڑا اور قدرتی پہنایا ہوا۔ وحدہٗ لاشریک
کا عطیہ اُن جھوٹے لوگوں سے کیونکر اُتر سکتا تھا بہت کچھ جتن کیا نہ کھینچنے سے اُترا نہ پھاڑنے سے پھٹکر
اُترا تو سب لوگ حیران رہ گئے" اس کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ بادشاہ نے مختلف طریقوں سے کوشش کی
کہ چولہ کو باوا صاحب کے گلے سے اُتارے مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ کیونکہ چولا خدا کی طرف سے نانک صاحب
کو ملا ہوا تھا۔

بعض تفصیلات کو چھوڑ کر اس روایت کی سچائی میں کوئی شبہ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی یہ امر کہ یہ چولا آسمان
سے اُترا تھا اور خدا نے اُسکو اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اسکو ناقابل اعتبار ٹھہراتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی قدرتیں

بے انتہا ہیں اور اُنکی کسی نے حد بست نہیں کی۔ کون انسان کہہ سکتا ہے کہ خدا کی قدرتیں صرف اتنی ہی ہیں اور اس سے آگے نہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ باوا صاحب کو یہ قرآنی آیات الہامی طور پر معلوم ہو گئی ہوں اور اذن ربی سے لکھی گئی ہوں۔ لہذا بموجب آیات ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی وہ سب عمل خدا تعالیٰ کا فعل سمجھا گیا ہو کیونکہ قرآن شریف آسمان سے نازل ہوا ہے اور ہر ایک بانی الہام آسمان سے ہی نازل ہوتا ہے۔ دین اسلام درحقیقت سچا ہے اور اسکی تائید میں خدا تعالیٰ بڑے بڑے نشان دکھلاتا ہے جو شخص خدا تعالیٰ کو ڈھونڈتا ہے اور سرگرمی اور اخلاص سے اسکی راہ میں قدم اُٹھاتا ہے وہ اپنا خوبصورت چہرہ اُسکو دکھاتا ہے۔ اور اُسکے چہرہ کا نظر آنا یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے عجیب در عجیب کام اور نشان اُسکو دکھائے جاتے ہیں۔ نانک اس تلاش میں نکلا اور حق کی طلب میں ایک پرند کی طرح ملک بملک آوارہ پھرا اور اپنی عمر کو اس راہ میں وقف کر دیا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اس کا صدق دیکھکر اسکو ضایع نہ کیا بلکہ وہ چولا اسکو عطا کیا جسپر تمام قدرت کے نقوش ہیں تا کہ اس کا اسلام پر یقین بڑھ جائے اور سمجھ جائے کہ بجز لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے اور کوئی سبیل نجات نہیں سو اُس نے اس چولہ کو اسی غرض سے پہنا کہ تا اُس چولے کو اپنی نجات کا ذریعہ قرار دے اور تمام دنیا کو اپنے اسلام پر گواہ کر دے۔

یہ تو چولا کی وہ تاریخ ہے جو جنم ساکھیوں میں دی ہوئی ہے اور اس جگہ سے یہ بھی پتہ ملتا تھا کہ چولا پر پانچ مختلف زبانوں کے حروف ہیں لیکن کوئی یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ وہ لفظ کیا ہیں۔ چونکہ چولہ کی ابتدا سے ہی بہت شہرت تھی اور اسکو بہت متبرک خیال کیا جاتا تھا۔ اسلئے ابتدا سے ہی اسپر غلاف چڑھنے شروع ہو گئے اور بڑے بڑے راجہ اور رئیس اسپر نہایت بیش قیمت غلاف بطور نذر کے چڑھاتے رہے یہانتک کہ کئی سو غلاف ہو جانے کے سبب آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ چولا کے اصل الفاظ کو کوئی شخص نہ دیکھ سکتا تھا۔ اسی وجہ سے بہت مدت سے یہ رسم چلی آتی ہے کہ چولا کی زیارت کرنیوالوں کو صرف اس کا ایک چھوٹا سا کونہ دکھایا جاتا ہے اور باقی سارا اسی طرح چھپا رہتا ہے۔ جو حصہ دکھایا جاتا ہے اسکے حروف بہ سبب بار بار ہاتھوں کے نیچے آنیکے صاف نہیں پڑھے جاتے اس طرح وہ الفاظ جو چولہ پر لکھے ہوئے تھے اور جنکے متعلق معتبر روایت یہ چلی آتی تھی کہ وہ قدرت کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں بالکل ایک راز کی صورت میں ہو گئے اور عام طور پر یہ خیال مشہور ہو گیا کہ تمام مذاہب کی مقدس کتابوں کی آئتیں چولہ پر لکھی ہوئی ہیں۔ اس راز کو کھولنے کے لئے ۳۰ ستمبر ۱۸۹۵ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مع اپنے رفقا کے

سفر اختیار کیا اور اس سفر میں خدا تعالےٰ نے امید سے بڑھکر کامیابی دی۔ محافظین چولہ کے ساتھ خاص انتظام کے سبب سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو چولہ کے دیکھنے کا وہ موقعہ ملا جو اس سے پہلے کبھی کسی کو نہ ملا تھا۔ اور چولہ کے ان الفاظ پر اطلاع ہوگئی جو بہت مدت سے کسی نے نہ دیکھے تھے پردے اُٹھاتے اُٹھاتے ایک جگہ یہ نکل آیا **اشھد ان لا اله الا الله واشھد ان محمدا عبده ورسوله**۔ پھر شیخ رحمت اللہ صاحب نے اتفاقاً دیکھا کہ چولا اندر کچھ گرد وغبار سے اٹا پڑا ہے انہوں نے تب بڈھو کو کہا کہ چولہ کو اس گرد سے صاف کر دینا چاہئے لاؤ ہم ہی صاف کر دیتے ہیں یہ کہکر باقی تہیں اُٹھادیں اور ثابت ہوگیا کہ تمام قرآن ہی لکھا ہے اور کچھ سورہ فاتحہ لکھی ہوئی ہے اور کسی جگہ سورہ اخلاص اور کسی جگہ قرآن شریف کی یہ تعریف تھی کہ **قرآن خدا کا پاک کلام ہے اسکو ناپاک لوگ ہاتھ نہ لگاویں** معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے اسلام کے لئے باوا صاحب کا ایسا سینہ کھول دیا تھا کہ اللہ اور رسول کے عاشق زار ہوگئے تھے۔ غرض باوا صاحب کے اس چولا سے نہایت قوی روشنی اسبات پر پڑتی ہے کہ وہ دین اسلام پر نہایت ہی فدا ہوگئے تھے اور وہ اس چولہ کو اسی غرض سے بطور وصیت چھوڑ گئے تھے کہ تا سب لوگ اور آئیوالی نسلیں اُنکی اندرونی حالت پر زندہ گواہ ہوں اور ہم نہایت افسوس کے ساتھ لکھتے ہیں کہ بعض مفتری لوگوں نے یہ کیسا جھوٹھ بنالیا کہ چولے پر سنسکرت اور شاستری لفظ اور زبور کی آئتیں بھی لکھی ہیں یاد رہے کہ یہ بالکل جھوٹ اور سخت مکروہ افترا پردازی ہے اور کسی شریر انسان کا کام ہے نہ بھلے مانس کا سنسکرت کا ایک حرف تک نہیں بلکہ تمام چولا پر قرآن شریف اور کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت لکھا ہوا ہے اور بعض جگہ آیات کو صرف ہندسوں میں لکھا ہے مگر زبور اور سنسکرت کا نام و نشان نہیں ہر ایک جگہ قرآن شریف اور اسماء الٰہی لکھے ہیں جو قرآن شریف میں ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ جھوٹ صرف اس لئے بنایا گیا تا لوگ یہ سمجھ جاویں کہ چولا صاحب پر جیسا کہ قرآن شریف لکھا ہے وید بھی لکھا ہوا ہے مگر ہم بجز اسکے کیا کہیں کہ لعنت اللہ علی الکاذبین۔ باوا صاحب تو چولہ میں صاف صاف گواہی دیتے ہیں کہ بجز دین اسلام کے تمام دین جھوٹے اور باطل اور گندے ہیں۔

یہ خیال کہ چولہ پر آیات قرآنی کا لکھے ہوئے ہونا محض ایک اتفاقی امر ہے واقعات کے رو سے باطل اور لغو ٹھہرتا ہے۔ چولہ پر آیات قرآنی لکھکر اسکو پہنے پھرنا صاف اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ اس سے باوا نانک صاحب کی غرض سواے اس کے کچھ نہ تھی کہ تمام لوگ اُنکے اسلام پر اطلاع

پالیں صرف مونہہ سے کلمہ شہادت پڑہنے سے تو سننے والے ہی انکو مسلمان سمجھ سکتے تھے لیکن چولہ پر وہی کلمہ لکھکر پہننے سے جہاں کہیں جاتے ہوں گے فی الفور مسلمان پہچان لئے جاتے ہونگے - علاوہ اسکے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ چولہ پر آیات وہ درج ہیں جنمیں مذہب اسلام کی صداقت اور تمام دیگر مذاہب کا بطلان ہے یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں ہندوں کے مکانوں پر باوا نانک صاحب جاتے تو ہندو لوگ انکے جانے کے بعد اسکو گوبر وغیرہ سے اپنے نزدیک پاک کر لیتے تھے - خدا کی طرف سے اس چولہ کا دیا جانا بھی اسی امر کی تائید کرتا ہے کہ یہ چولہ باوا صاحب خاص غرض کے لئے پہنا کرتے تھے - ورنہ ایک ہندو کیونکر ایسے چولہ کو پہن سکتا ہے جسپر قرآنی آیات اور اُس کے اپنے مذہب کی تردید لکھی ہوئی ہو بلکہ نانک صاحب نے تو اپنی حالت کا اظہار بھی چولہ کے اُن الفاظ میں کردیا تھا لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندو مذہب کو قطعی طور پر چھوڑ بیٹھے تھے علاوہ ازیں چولہ ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے یقینی طور پر نانک صاحب کے مذہب کا پتہ لگ سکتا ہے - اور باقی باتیں بہت تغیر و تبدل ہو کر ہم تک پہونچی ہیں - حالانکہ چولہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ یقینی طور پر یہ وہی چولا ہے جو باوا صاحب نے پہنا ہوا تھا -

غرض اسبات کے ثبوت کے لئے کہ چولہ درحقیقت نانک صاحب کیطرف سے ہی ہے یہ وجوہ کافی اور شافی اور تسلی بخش ہیں کہ اسی چولا کا ذکر انگد اور بالا کی اس جنم ساکھی میں مذکور ہے جو اُسی زمانہ میں تالیف ہوئی - پھر دوسرا ثبوت وہ کتاب ہے جو کابلی مل کی اولاد کے ہاتھ میں ہے جس کا نام چولا ساکھی ہے جسمیں لکھا ہے کہ یہ چولہ نانک صاحب کو خدا تعالیٰ کیطرف سے ملا تھا اور جتنے گورو بعد میں ہوئے ہیں سب کا اس چولا سے برکت ڈھونڈنا اس میں مذکور ہے یہ دوسرا ثبوت اسبات پر ہے کہ چولا خود نانک صاحب کا ہی تھا جس کی نسبت ابتدا سے یقین کیا گیا تھا کہ اس میں بہت سی برکتیں ہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے تیسرا ثبوت یہ ہے کہ چولہ کی تعظیم اور تکریم برابر چارسو برس سے چلی آتی ہے پس یہ عملی حالت جو ہر ایک زمانہ میں ثابت ہوتی چلی آئی ہے جس کے ساتھ پرانے زمانہ سے میلے اور جلسے بھی ہوتے چلے آئے ہیں اور راجوں اور امیروں کا اُسپر دوشالے چڑھانا ثابت ہوتا چلا آیا ہے یہ ثبوت بھی نہایت اعلیٰ درجہ کا ثبوت ہے -

اب ایک اور ضروری سوال پیدا ہوتا ہے یعنی یہ کہ آیا چولہ کی اس حقیقت کا کھلنا محض ایک اتفاقی

امر ہے؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ اتفاقی امر نہیں بلکہ عین خدا تعالیٰ کے منشاء کے مطابق اپنے وقت پر اس امر کا اظہار ہوا اور اسکے قدیم ارادہ کے موافق یہ سب کچھ ظہور میں آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت کی قرآن کریم نے دو غرضیں قرار دی ہیں اول تکمیل ہدایت اور دوم تکمیل اشاعت ہدایت۔ چنانچہ ان ہر دو اغراض کے متعلق قرآن شریف میں دو الگ الگ آئتیں موجود ہیں چنانچہ ایک جگہ تو فرماتا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ اور دوسری جگہ فرمایا ہے هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ان دونوں آیتوں پر غور کرنیسے معلوم ہو گا کہ انمیں جو دو مقصد بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کئے گئے ہیں انکی تکمیل کا وقت بھی الگ الگ کہا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ تو فرمایا کہ میں نے تمہارا دین آجکے دن کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں اور اسی طرح پر ماضی کے صیغہ میں اسکو بیان کرکے یہ بتلا دیا کہ تکمیل ہدایت تو ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض اول آپکی اسی زندگی میں پوری ہو گئی لیکن دوسری غرض کی تکمیل کے متعلق بیان کرتے وقت آیندہ زمانہ کا حوالہ دیا گیا ہے چنانچہ اس آیت لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کی تفسیر میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس مقصد کی تکمیل مسیح موعود کے وقت میں ہو گی یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ یہ بھی غرض بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے مگر اس کی تکمیل کا وقت آنحضرت کی آمد اول میں نہیں بلکہ آمد ثانی میں ہو گا۔ اسطرح پر دونوں اغراض کے متعلق آیات پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غرض اول یعنی تکمیل ہدایت تو ہو چکی مگر تکمیل اشاعت ہدایت ابھی باقی تھی اور اسکے متعلق خدا تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ وہ آخری زمانہ میں آنحضرتؐ کی آمد ثانی میں پوری ہو۔ اسی آمد ثانی کیطرف قرآن شریف کے دیگر مقامات میں بھی اشارہ ہے چنانچہ آیت وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ الخ کا بھی یہی منشا ہے۔ مگر اس آمد ثانی کے معنے آنحضرتؐ نے خود بتا دیے ہیں کہ مسیح موعود کی آمد ہو گی۔ یعنی ایسے شخص کی آمد جو آپکے اتباع کمال اور پاک محبت تامہ میں فنا ہونے کی وجہ سے گویا آپ ہی کا مظہر ہو گا۔ اس لئے یہ ایسا مقدر تھا کہ آخری زمانہ میں ایک ایسا آدمی پیدا ہو جو تکمیل اشاعت ہدایت کی غرض کو پورا کرے یعنے تمام مذاہب کا بطلان ثابت کرے اسلام کی سچائی کو ساری دنیا پر ظاہر کرے۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے خدا تعالیٰ نے وہ تمام اسباب اور ذرائع پیدا کر دیں جنکے ذریعہ یہ غرض پوری ہو سکتی ہے۔

اس غرض کی تکمیل کے لئے عین اسوقت پر جو پیشگوئیوں کے حساب سے ہوتا ہے مسیح موعود عین انتظار کی حالت میں ظاہر ہوا ہے تاکہ مذاہب باطلہ کی غلطیاں اور اسلام کی صداقت ظاہر کرے ۔ اسی وعدہ کے پورا کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے مسیح موعود کے ذریعہ سے عین وقت پر چولے کی حقیقت کو ظاہر کیا ہے ۔ جس طرح پر مسیح کی قبر کے دریافت ہونے سے عیسائی مذہب کے شہتیر کفارہ اور دوبارہ جی اٹھنا یکدفعہ ٹوٹ کر گر گئے ہیں ۔ اسیطرح چولہ کی حقیقت کھلنے سے سکھ مذہب کا یہ غلط خیال کہ باوا نانک صاحب سوائے اسلام کے کسی اور مذہب کو بھی ٹھیک سمجھتے تھے جڑھ سے اکھڑ گیا ہے ۔ یہ بجائے خود ایک بڑا معجزہ ہے کہ باوجود یکہ چولا ایسے شخصوں کے ہاتھ میں رہا جنکو اللہ اور رسول پر ایمان نہ تھا ۔ اور ایسی سلطنت کا زمانہ اسپر آیا جس میں تعصب اسقدر بڑھ گئے تھے کہ بانگ دینے پر بھی خون کئے جاتے تھے ۔ وہ ضائع نہیں ہوا اگر خدا تعالیٰ کا ہاتھ اسپر نہ ہوتا تو انقلابوں کے وقت کب کا نابود ہو جاتا ۔ مقدر تھا کہ وہ اس زمانہ تک رہتا اور اسکے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق اسلام کی سچائی ظاہر ہوتی ۔ خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت نے چاہا کہ ایک وقت تک یہ امر پوشیدہ رہے اور سکھوں کی جہالت اور بھی اوسکی موید ہو گئی اور پھر اپنے وقت پر اسکی اصل حقیقت کا اظہار ہو ۔ اور اس اظہار کے ذریعہ سے اسلام کی صداقت کا اظہار ہو اور اشاعت ہدایت کی وقت مقررہ پر تکمیل ہو ۔ غرض جس طرح چولہ خدا کی طرف سے آیا تھا اور خدا کے ہاتھ سے اسپر الفاظ لکھے گئے تھے اسی پر حکمت و مصلحت الہی کا ہی یہ تقاضا تھا کہ اسکے الفاظ ایک وقت تک پوشیدہ رہکر عین وقت پر پیشگوئی کے مطابق ظاہر ہوں ۔ اور اسلام کی صداقت کی ایک عظیم الشان دلیل ٹھیریں باوا نانک صاحب کا چولا اور حضرت مسیح کی قبر اسلام کی سچائی پر دو عظیم الشان گواہ ہیں اور اسوقت پر انکا ظاہر ہونا حضرت مسیح موعود کی صداقت کے بھی بڑے نشان ہیں ۔

نوٹ اور ریویو

ایپی فینی - ذنب و استغفار کے معنوں پر جو اس سلسلے کے کسی نمبر میں بیان کئے گئے تھے عیسائیوں کے اس پرچہ میں دیر سے بحث چھڑی ہوئی ہے - بڑی بات ان الفاظ کے معانی کے متعلق جو یاد رکھنے کے لائق ہے یہ ہے کہ قرآن کریم کی ان اصطلاحوں کے معانی کا فیصلہ صرف قرآن کریم سے ہی ہو سکتا ہے - جو باریک فرق ذنب جرم وغیرہ مختلف الفاظ کے معانی میں قرآن کریم نے مدنظر رکھے ہیں بسبب اسکے کہ نزول قرآن سے پہلے اس قسم کی اصطلاحیں ہی نہ تھیں انکا قرآن کریم سے پہلے کہیں پتہ لگانا عبث کوشش ہے بلکہ ہمکو یہ دیکھنا چاہئے کہ قرآن شریف نے کیونکر ان الفاظ کو استعمال کیا ہے اور انکے معانی میں کیا فرق رکھا ہے - چنانچہ ہمنے بہت وضاحت کے ساتھ اس امر کو بیان کیا تھا کہ ہر ایک ذنب کے لئے سزا کا وعید نہیں ہے اور پھر یہ لکھا تھا کہ ہر مجرم کے لئے سزا کا وعید ہے اور پھر یہ بیان کیا تھا کہ کسی نبی کے حق میں جرم کا لفظ بیان نہیں کیا گیا - بلکہ انبیاء کیلئے صرف ذنب کا لفظ بولا گیا ہے اب ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہے کہ اس میں کیا سر ہے کہ قرآن شریف انبیاء کے لئے وہ لفظ استعمال کرتا ہے جسکے متعلق سزا کا وعید نہیں، وہ لفظ استعمال نہیں کرتا جسکے لئے سزا کا وعید آگیا اس سے یہ صاف نہیں پایا جاتا کہ قرآن کریم انبیاء کو کسی ایسے فعل کا مرتکب نہیں ٹھہراتا جسپر سزا کا وعید ہو - یا بالفاظ دیگر انکو گناہ کا مرتکب نہیں ٹھہراتا کیونکہ گناہ ایسے فعل کا نام ہے جس میں خدا کی نافرمانی ہو اور جسپر سزا عائد ہوتی ہو - اس طرح پر انبیاء کی عصمت کا مسئلہ صاف طے ہو جاتا ہے - مگر عیسائی نامہ نگار جو ایپی فینی میں لکھتے ہیں وہ اس امر تنقیح طلب کو جو ہم نے ذنب کے معنوں کا فیصلہ کرنے کے لئے اوپر بیان کئے ہیں عموماً چھوڑ کر ایسا پہلو گریز کا اختیار کرتے ہیں جس میں ان سوالوں کا سامنا نہ ہو - ہاں بعض نے اسطرف توجہ کی ہے مگر انہوں نے ایسے لغو جواب دئے ہیں کہ انکے اعتراضوں پر مفصل بحث کرنیکی کچھ ضرورت نہیں چنانچہ پہلے امر کہ ذنب پر سزا کا وعید نہیں چند ایسی آئتیں پیش کی جاتی ہے جن میں یہ بیان ہے کہ خدا تعالیٰ نے بعض قوموں کو یا لوگوں کو ان کے ذنب کے لئے سزا دی لیکن اگر ان مضمون نویسوں نے عمداً یہ دھوکا نہیں دینا چاہا تو ہمیں ان کی عقل پر افسوس ہے - کیا اس بیان سے کہ کسی ایک آدمی کو اُسکے ذنب کے لئے سزا دی گئی کوئی عقلمند یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ ہر ایک مذنب کے لئے سزا کا وعید ہے - یہ جھوٹا منطق ہے کسی ایک آدمی کو سزا دئے جانے سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکلتا کہ ہر ایک ذنب پر سزا کا

وعید ہے۔ دوسرے اور تیسرے امر کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ جرم کا لفظ قرآن شریف میں کسی کے حق میں بھی نہیں بولا گیا۔ یہ پادری صاحبان کے عربی زبان سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے کہ ایسا پوچ اعتراض کیا ہے ہم پوچھتے ہیں کہ کسی شخص کو گنہ گار کہنے سے لفظ گناہ اسکے حق میں بولا جاتا ہے یا نہیں۔ پھر مجرم کہنے سے کیوں جرم کا لفظ ایسے شخص کے حق میں عاید نہ ہوگا۔ اب یہی لفظ مجرم بار بار قرآن شریف میں استعمال ہوا ہے اور انبیاء کے حق میں کبھی نہیں بولا گیا۔ اسی طرح پر الفاظ اجرام۔ اجرموا۔ تجرمون جن سب کے معنے جرم کرنے کے ہیں بار بار قرآن شریف میں استعمال ہوئے ہیں۔ لیکن ایک موقعہ پر بھی انبیاء کے حق میں انمیں سے کوئی لفظ نہیں دکھایا جا سکتا۔

عیسائی پرچہ کے بعض نامہ نگاروں نے یہ پہلو بحث کا اختیار کیا ہے کہ تفسیروں میں سے بعض حوالے نکال کر پیش گئے ہیں جہاں بعض انبیاء کے گناہوں کا ذکر ہے مگر قرآن کریم پر بحث نکرنی اور تفسیروں کے حوالے دینے نہایت قابل افسوس امر ہے۔ بحث کے لئے تو ضروری ہے کہ قرآن شریف کو ہی پیش کیا جائے کیا بائیبل کی تفسیروں میں جو جو لغو باتیں بھری پڑی ہیں ان سب کو عیسائی تسلیم کرتے ہیں اگر نہیں تو پھر اپنے مخالفین سے کیوں ایسا مطالبہ کرتے ہیں جسکی جوابدہی کیلئے وہ خود تیار نہیں باقی رہا انبیاء کے وہ افعال جو عیسائی صاحبان کے نزدیک قابل اعتراض ہیں سو انکا فیصلہ اس طرح سے ہو سکتا ہے کہ پہلے حضرت عیسٰی کے جو اس قسم کے افعال ہیں انکا جواب دیا جائے جبتک انکا کوئی شافی وکافی جواب نہ دیا جاوے گا تب تک ایسا اعتراض بُرم کی جگہ ہو۔ کیا حضرت عیسیٰؑ کے متعلق انجیلوں میں نہیں لکھا کہ وہ شراب پیتے تھے۔ شراب بناتے تھے (خواہ معجزہ سے ہی سہی) وعدہ کا ایفا نہ کیا۔ والدین کی بے ادبی کی خدائی کا دعوٰی کیا کنجری سے حرام کا تیل ملوایا۔ بدچال چلن کنجور توں سے ملتے جلتے تھے۔ جو چیز شرعاً ممنوع تھی اور دوسرے کا مال تھا وہ اپنے حواریوں کو کھلائی۔ ایک غریب آدمی کے مال کو تباہ کیا۔ اپنے بزرگوں کو گالیاں نکالیں اور ایسا ہی اور بہت سے افعال کے مرتکب ہوئے جو اُن کی معصومیت کو غلط ٹھہراتے ہیں اور پھر ساتھ ہی اسکے اس امر کو بھی مدنظر رکھ لیں کہ اور نبیوں کی نسبت تو کہیں نہیں لیکن یسوع کے متعلق انجیل میں یہ لکھا کہ خدا تعالیٰ نے اسے چھوڑ دیا اور اس پر لعنت پڑی اور وہ دوزخ میں گیا اس کا سبب بھی بیان کرنا چاہیئے کہ اگر یسوع بے گناہ تھا تو خدا نے اُسے کیوں چھوڑا

اور اسپر لعنت کیوں کی اور دوزخ میں کیوں گیا۔

بینر آف اسلام

یہ ایک نئے ہفتہ وار پرچہ کا نام ہے جسکے ایڈیٹر حامد سنو صاحب ہیں اور جس کا پہلا پرچہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۲ء کو شایع ہوا ہے اس پرچہ کی پالیسی اسکے اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ باہمی جو فرقوں کے اختلاف ہیں اُن کو چھوڑ کر اسلام کے روح کی طرف لوگوں کو بلایا جاوے اور اس کا مدعا یہ ہے کہ تمام فرقوں کو امیر المومنین کے ماتحت اکٹھا کیا جاوے۔ یہ بیان نہیں کیا گیا کہ یہ غرض کسطرح سے حاصل ہوگی مگر پہلے دو نمبروں کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالہ کا بڑا مضمون علاج بذریعہ توجہ ہوگا جو عام طور پر رایج ہے۔ اسلام کے متعلق اس پرچہ میں بعض ایسے بیان ہیں جو ہماری سمجھ میں قابل اعتراض ہیں اور اس قسم کے بیانوں سے بجاے اسلام کو نفع پہونچنے کے نقصان پہونچنے کا احتمال ہے۔ چنانچہ پہلے ہی پرچہ میں لکھا ہے۔ ہم اس تعلق کو جو ابتدائی عیسویت اور اسلام میں ہے دلی یقین سے تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس تعلق کی نہایت عمدہ مثال یہ ہے کہ نماز عشا پانچویں اولوالعزم نبی عیسیٰ کی یادگار میں ہے اور خود اسلام لفظ عیسیٰ اسلام سے مشتق ہے جسکے معنے ہیں عیسیٰ روح اللہ کی سلامتی۔ ہمیں بڑا افسوس ہے کہ ایک ایسے پرچہ میں جو مسلمان کہلانے کا دعوے دار ہو اس قسم کے بیانات شایع ہوں مگر ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی وجہ عربی زبان سے ناواقفیت ہے اور عمدًا یہ قابل اعتراض بیان شایع نہیں کیا گیا جس شخص کو ذرا بھی عربی زبان سے مس ہے وہ اسبات کو بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ عیسیٰ اور عشا کو کوئی باہمی تعلق نہیں کیونکہ یہ لفظ حضرت عیسیٰ کی پیدایش سے ہزارہا سال پہلے کا چلا آتا ہے۔ اور اسکے معنے رات کا پہلا حصہ ہیں اور اسی واسطے اسلامی شریعت میں رات کی نماز کے معنوں میں آیا ہے۔ ایسا ہی

اسلام سلم سے مشتق ہے جسکے معنے ہیں اطاعت کرنا۔ اسکو عیسٰی سلام کے ساتھ ملانا جو عربی ترکیب نہیں ہے بالکل بیہودہ بات ہے اسلامی شریعت میں اسلام کے معنے ہیں اس طرح پر اپنے آپ کو خدائے تعالےٰ کی رضا کے سپرد کر دینا کہ اپنی ساری خواہشیں اسی کے ماتحت کردیجائیں۔ اور ہر ایک قول وفعل اسی کی رضا کے مطابق ہو۔ قرآن کریم میں تمام انبیا کا مذہب اسلام بیان کیا گیا ہے اور عیسٰی کے وجود سے ہزارہا سال پہلے سے چلا آتا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ بینر آف اسلام اپنے اُن بیانات کی بہت جلدی تردید شایع کرے گا۔ ایسا ہی ایک اور بیان قابل اصلاح یہ ہے "نسطوری فرقہ اور نسطوری راہب بحیرہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آنے کا سبب ہو گئے جو خود ایک ناصری تھے" اس قسم کے بیانات سخت مضر ہیں اسکے علاوہ اس پرچہ کے ایڈیٹر نے لفظ روح اللہ پر بھی ٹھوکر کھائی ان الفاظ کا منشا سوائے اس کے کچھ نہیں کہ قرآن کریم روحوں کے دو قسم بیان کرتا ہے ایک وہ روح جو خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور دوسرے وہ روح جو شیطان کی طرف سے ہیں یعنے جن کو شیطان سے تعلق ہوتا ہے۔ حضرت عیسٰی کو خدائی روح بیان کرنے کی غرض صرف اس کے شیطانی روح ہونے کی نفی کرنے کی تھی کیونکہ یہودیوں نے حضرت عیسٰی اور اُنکی والدہ پر سخت بہتان باندھے تھے اور صدیقہ کی پاک دامنی پر تہمتیں لگائی تھیں۔ اُنکی تردید کے لئے قرآن شریف نے یہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت عیسٰی خدائی روح ہیں چونکہ دوسرے انبیا پر ایسے اعتراض نہیں ہوئے۔ اس لئے اُن کے حق میں ایسے لفظ نہیں بولے گئے۔

عیسویت کی روحانی موت:۔ اس کو اب تمام عیسائی تسلیم کرتے ہیں حال میں بہت ساری کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں تسلیم کیا گیا ہے کہ واقعی عیسائی مذہب روحانی زندگی سے خالی ہے بڑے بڑے عیسائی مورخین نے اور کلیسیا کے بڑے بڑے عہدہ داروں نے صاف لفظوں میں اقرار کیا ہے کہ شراب خوری قماربازی اور زنا جیسے عیسائیوں میں پائے جاتے ہیں دنیا کی کسی قوم میں نہیں پائے جاتے۔ مدراس کا اخبار کرسچین پیٹریٹ اپنے اخبار مورخہ ۱۳ دسمبر ۱۹۰۲ء میں پادری جی واکر صاحب

ایم۔ اے سے نقل کر کے لکھتا ہے۔

"میں نے ایسے ایسے تامل اور دوسرے پادری دیکھے ہیں جو اسبات کے کہنے پر غصہ ہو جاتے ہیں کہ مذہب کی سچی تبدیلی بالکل شاذونادر اور بہت عرصہ کے بعد وقوع میں آتی ہے۔ اور پھر انہیں لوگوں کو جب علیحدہ طور پر پوچھا جائے تو اقرار کرتے ہیں کہ انکے ماتحت جو جماعتیں ہیں وہ روحانی طور پر مردہ اور نفسانی خواہشوں کے پیرو اور دنیا میں غرق ہیں .... جہانتک میری سمجھ ہے اس بات پر سب اتفاق ہے کہ معاملات کی حالت بالکل اطمینان بخش نہیں ہے میں نے ایک دفعہ ایک مشہور ہندوستانی پادری سے سوال کیا کہ ان بیس یا تیس جماعتوں میں سے جو اسکے ماتحت ہیں کس قدر آدمی ایسے ہیں جنکی نسبت وہ کہہ سکتا ہے کہ اُنمیں روحانی زندگی ہے۔ وہ چپ ہو گیا اور تھوڑی دیر تامل کر کے کہنے لگا کہ دو یا تین سے زیادہ نہیں۔ اور یقینی طور پر صرف ایک آدمی کی نسبت کہہ سکتا ہوں ...... کیا یہ درست نہیں کہ جو عیسائی ہمارے نقشوں میں پیش کئے جاتے ہیں وہ صرف نام کے عیسائی ہیں اور کیا یہ ٹھیک نہیں کہ ہماری جماعتیں اکثر مردہ اور بے روح اور ساکن ہیں"

یہ لفظ جو ایک بڑے پادری صاحب نے کہے ہیں عیسائی مذہب کی روحانی موت کا افسوسناک نقشہ پیش کرتے ہیں۔ اور علاوہ ازیں عیسائی اسبات سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ جو نشان ایمانداروں کے ان کی انجیل میں لکھے ہیں وہ اس موجودہ زمانہ میں انکے درمیان نہیں پائے جاتے یہ تمام امور اس پر شاہد ہیں کہ واقعی عیسائی مذہب مرچکا ہے اور اب اس میں روحانیت باقی نہیں رہی لیکن اس کی وجہ کیا ہے مسیح کے حواری تو روحانی طور پر مردہ اور ہلاک شدہ نہ کہلاتے تھے جیسا کہ اس زمانہ کے عیسائی لوگ اپنی نسبت اعتراف کرتے ہیں۔ اگر اب بھی مسیح زندہ ہوتا تو چاہئے تھا کہ اس کا اثر اسی طرح پیرؤں پر محسوس ہوتا اور عیسائیت میں وہی روحانیت پائی جاتی لیکن عیسائیوں کے اپنے اقرار کے بموجب عیسائی مذہب کی یہ حالت نہیں ہے اس کا صاف نتیجہ یہ ہے کہ مسیح زندہ نہیں بلکہ فوت ہو چکا درحقیقت عیسائیت کی روحانی موت اس کے بانی کی موت کی عظیم الشان شہادت ہے۔

فرقہ احمدیہ کی ترقی

گذشتہ تین سال میں اس فرقہ نے حیرت انگیز ترقی کی ہے ۱۹۰۱ء میں اس کی تعداد صرف چند سو نفوس تھی مگر آج اس کا شمار ڈیڑہ لاکھ سے بھی زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ اس ترقی کے اس حصہ کا ثبوت جوان تین سال کے پہلے نصف حصہ میں ہوئی ہے کسی قدر مردم شماری کے کاغذات سے مل سکتا ہے اگرچہ وہاں بھی پوری تعداد اسوقت کے مطابق درج نہیں ہو سکی جسکی وجہ یہ ہوئی کہ مردم شماری کا کام شروع ہونے کے بعد وہ اشتہار جاری کیا گیا جس کے رو سے اس فرقہ کا نام احمدیہ فرقہ رکھا گیا اور اس سے پہلے اس فرقہ کا نام کوئی مخصوص نہیں کیا گیا تھا۔ اس واسطے سب لوگ جو اس فرقہ کے پیرو تھے اس نام سے مطلع نہ ہو سکے۔ احاطہ بمبئی کی مردم شماری کی رپورٹ (ہندوستان کی مردم شماری ۱۹۰۱ء جلد ۹ بمبئی حصہ اول) سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف علاقہ بمبئی میں اس فرقہ کی تعداد ۱۱۰۸۷ تھی مگر فرقہ احمدیہ کا بہت بڑا حصہ پنجاب میں ہے جہاں سب سے زیادہ مسیح موعود علیہ السلام کی تبلیغ قبول ہوئی ہے اور بسبب نزدیکی کے لوگ زیادہ فائدہ اٹھا سکے ہیں۔ پنجاب میں اس کی حیرت انگیز ترقی ہم کسی دوسرے موقعہ پر بیان کریں گے بالفعل ہم بمبئی کی مردم شماری کی رپورٹ میں سے وہ حصہ نیچے نقل کرتے ہیں جس میں افسر مردم شماری نے اس فرقہ کی نسبت اپنی رائے ظاہر کی ہے۔

اِس فرقہ کے بانی **میرزا غلام احمد** صاحب رئیس قادیان ہیں اور انہوں نے کوشش کی ہے کہ اس مردم شماری میں انکے پیروؤں کی تعداد پوری پوری معلوم ہو جاوے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ میں مسیح ہوں اور اپنے فرقہ کے خاص اصولوں کو انہوں نے ایک اشتہار میں بیان کیا ہے جو مردم شماری کی کارروائی کے ابتدا میں ہمیں پہونچا ہے مختصر طور پر یہ اصول اسطرح ہیں

بیان کئے جا سکتے ہیں۔ اشتہار کے الفاظ میں اُس فرقہ کی خاص علامت یہ ہے کہ وہ نہ صرف جہاد کو موجودہ حالت میں ہی رد کرتا ہے بلکہ آیندہ بھی کسی وقت اس کا منتظر نہیں ہے۔ مذہب کے پھیلانے کی خاطر خون بہانے کو یہ فرقہ قطعاً ممنوع سمجھتا ہے" اس کے بعد اس فرقہ کا بانی اپنے درمیان بحیثیت مسیح یا امام ہونے کے اور عیسویت کے بانی کے درمیان ایک مماثلت قایم کرتا ہے اُنکا دعویٰ ہے کہ اُنکی آمد کی پیشگوئی پہلے سے کی گئی تھی اور انکا منشاء یہ ہے کہ صلح اور آشتی کی بنا ڈالیں۔ اپنے مریدوں کے لئے بعض اعلےٰ درجہ کے اصول چال چلن کے قایم کرکے وہ بیان کرتے ہیں کہ کیوں اس فرقہ کا نام احمدیہ فرقہ رکھا گیا۔ اُن کا بیان ہے کہ ہمارے نبی رسول اللہ صلے اللہ علیہ السلام کے دو نام تھے ایک **محمد** جو کہ جلالی نام تھا اور جس میں آنحضرتؐ کی کامیابیوں کی طرف اشارہ تھا اور دوسرا **احمد** جو جمالی نام تھا جس میں اشارہ اس صلح اور اخوت کیطرف تھا جو آپکے ذریعہ دنیا میں پھیلنے تھے۔ جہاد کی تعلیم اور مذہب کے نام سے ہر قسم کی خونریزی کو مردود ٹھہرا کر امام یہ بیان کرتا ہے کہ اس کا اور اسکے فرقہ کا نام احمدیہ ہے۔ اس فرقہ کی ترقی کا آیندہ مردم شماریوں میں خیال رکھا جانا چاہئے اور پُرانے مسلمانوں کے لئے اس کی ترقی کسی قدر دلچسپی کا باعث ہوگی۔ اشتہار سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بانی کی وفات کے بعد جانشین کا کیا انتظام کیا گیا ہے"

لیکن یہ ترقی بمقابلہ اس عظیم الشان ترقی کے جو گذشتہ تین سال کے آخری حصہ میں اس فرقہ نے کی ہے۔ بہت ہی کم ہے جیسا کہ ایک طرف طاعون کے خطرناک حملوں سے پنجاب کی عام مردم شماری میں کمی آتی گئی ہے فرقہ احمدیہ کی تعداد بڑے زور کے ساتھ بڑھتی گئی ہے۔ کیونکہ لوگوں نے تجربہ سے دیکھ لیا ہے کہ طاعون سے بچاؤ کی صرف ایک ہی صورت انہیں نظر آتی ہے۔ اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کو قبول کر لیا جائے۔ اس لئے طاعون کی ترقی کے ساتھ جوق در جوق لوگ جماعت احمدیہ میں داخل ہوگئے ہیں۔

مکالمات الٰہی

یکم جنوری ۱۹۰۳ء مطابق یکم شوال ۱۳۲۰ھ روز عید صبح پانچ بجے کے وقت خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ خوشخبری دی۔ اول ایک خفیف خواب میں جو کشف کے رنگ میں تھی دکھایا گیا کہ آپ نے ایک لباس فاخرہ پہنا ہوا ہے اور چہرہ چمک رہا ہے پھر وہ کشفی حالت وحی الٰہی کیطرف منتقل ہو گئی اور خدا تعالیٰ کا کلام اس طرح پر نازل ہوا بشریٰ لک الرحمٰن شیئاً اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ بشارۃ تلقاھا النبیون ترجمہ خدا جو رحمٰن ہے تیری سچائی ظاہر کرنے کے لئے کچھ ظہور میں لائیگا خدا کا امر آرہا ہے تم جلدی نہ کرو یہ ایک خوشخبری ہے جو نبیوں کو دیجاتی ہے۔

اس سے پہلے ۲۵ دسمبر ۱۹۰۲ء کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک اور وحی ہوئی تھی جو آپ کی طرف سے حکایت تھی۔ انی صادق صادق و سیشھد اللہ لی ترجمہ میں صادق ہوں صادق ہوں عنقریب خدا میری گواہی دیگا یہ پیشگوئیاں بآواز بلند پکار رہی ہیں کہ خدا تعالیٰ کیطرف سے کوئی تائیدی امر ظاہر ہونیوالا ہے جس سے مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی ظاہر ہوگی اور ایک وجاہت اور قبولیت ظہور میں آئیگی اور وہ خدا تعالیٰ کا نشان ہوگا تا دشمنوں کو شرمندہ کرے اور مسیح موعود کی عزت اور وجاہت اور سچائی کی نشانیاں دنیا میں پھیلادے۔

۲ جنوری ۱۹۰۳ء کی رات کو الہام ہوا جاءنی آئل و اختار وادار اصبعہ واشار ان وعد اللہ اتیٰ فطوبیٰ لمن وجد و رایٰ الامراض تشاع والنفوس تضاع ... من سطا آئیل جبرئیل ہے فرشتہ بشارت دینے والا۔

ریویو آف ریلیجنز

یہ عجیب و غریب ماہواری رسالہ قادیان ضلع گورداسپور سے ہر مہینہ کی بیس تاریخ کو نکلتا ہے اسکے مضامین جو تمام مذاہب باطلہ کی تردید اور حصول حقہ اسلام کی تائید میں ہوتے ہیں عموماً حضرت اقدس میرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی معہودؑ کی قلم سے نکلتے ہیں۔ عیسائیوں آریوں برہموؤں فلسفیوں وغیرہ کے ہر ایک اعتراض کا جو وہ مذہب اسلام پر کرتے ہیں جواب دیتا ہے۔ اس رسالہ کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ زبان انگریزی میں دنیا کے سامنے انگلستان امریکہ وغیرہ میں جاتا ہے اور اس لئے اسکے مضامین خصوصاً اس قسم کے ہوتے ہیں جن سے اسلام کا چمکتا ہوا چہرہ نظر آئے اور اس کا رعب لوگوں پر قائم ہو۔ اور اُسکے متعلق ہر ایک قسم کے شکوک و شبہات دور کئے جاویں۔

قیمت انگریزی رسالہ للعہ سالانہ مع محصولڈاک نمونہ کا پرچہ ۶ر
اردو رسالہ معمولی کاغذ عا ؎ ؎۳ر
ولایتی کاغذ سے ؎ ؎۴ر

علی الترتیب ملتا ہے۔ بغیر وصولی قیمت کے رسالہ کسی صاحب کے نام جاری نہیں ہو سکتا جو صاحب منی آرڈر کے ذریعہ قیمت ارسال نہ فرماویں ان کو چاہیئے کہ اپنی درخواست کے ساتھ اجازت بھیجدیں کہ پہلا پرچہ بذریعہ وی پی بھیجا جاوے۔

یہ رسالہ تجارتی اشتہارات کے لئے بھی کھلا ہے بشرطیکہ وہ ہر ایک قسم کے فحش سے اور مبالغہ سے پاک ہوں۔ اجرت اشتہارات کا نقشہ حسب ذیل ہے۔

	پورا صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
سالانہ	عسہ	مدعہ	عہ
ششماہی	مدعہ	عہ	سے ر
سہ ماہی	عہ	سے ر	للعہ
فی سطر ۴ر			

نوٹ۔ یہ رسالہ اخبار الحکم (جو مہینے میں چار بار قادیان سے نکلتا ہے) سے ایک بالکل الگ اور نرالی طرز کا رسالہ ہے جس میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے قلم سے نکلے ہوئے مضامین ہوتے ہیں اور اخبار میں عموماً حضرت اقدس کی تقریریں مولوی عبدالکریم صاحب کے خطبے اور حکیم الامۃ کے وعظ دارالامان کی خبریں اور متفرق مضامین ہوتے ہیں۔

اعلان

تمام صاحبان جنکے نام قادیاں میں کسی قسم کا روپیہ آتا ہے فریسندگان کی خدمت میں درخواست کرتے ہیں کہ منی آرڈر کے کوپن سے پورا فائدہ حاصل کیا کریں یعنی اپنا پورا پتہ خوشخط و تعداد مبلغ و تفصیل کہ کس مد کا روپیہ ہے کوپن پر دیا کریں۔

تمام صاحبان جو میگزین کے خریدار ہیں انکو ضروری ہے کہ خط و کتابت میں اور ترسیل زر کے وقت نام کے ساتھ اپنا نمبر بھی دیا کریں۔

محمد علی ۔ مینجر رسالہ ریویو آف ریلیجنز قادیان ضلع گورداسپورہ

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۰۳ء نمبر ۲

فہرست مضامین

انجمن اشاعت اسلام قادیان نے انوار احمدیہ پریس قادیان دار الامان میں باہتمام شیخ یعقوب علی احمدی مالک مطبع چھپوا کر ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء کو شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

قرآن کی حقانیت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک دلیل

قرآن شریف نے بہت زور شور سے اس دعویٰ کو پیش کیا ہے کہ وہ خدا کا کلام ہے اور حضرت سیدنا و مولینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُسکے سچے نبی اور رسول ہیں جنپر وہ پاک کلام اُترا ہے۔ چنانچہ یہ دعوےٰ آیات مندرجہ ذیل میں بخوبی مصرح و مندرج ہے۔

(آل عمران ا و ۲) الٓمّٓ۔ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ یعنی وہی اللہ ہے اُسکا کوئی ثانی نہیں اُسی سے ہر ایک کی زندگی اور بقا ہے اُسنے حق اور ضرورت حقہ کے ساتھ تیرے پر کتاب اُتاری اور پھر فرمایا یٰاَیُّھَا النَّاسُ قد جاء کم الرسول بالحق (الجزو ۵ سورۃ النسا) یعنی اے لوگو حق اور ضرورت حقہ کیساتھ تمہارے پاس یہ نبی آیا۔ اور پھر فرمایا بِالحق انزلنٰہ وبالحق نزل (الجزو ۱۵) یعنے ضرورت حقہ کے ساتھ ہمنے اِس کلام کو اُتارا ہے اور ضرورت حقہ کے ساتھ اُترا ہے۔ اور پھر فرمایا یاایھا الناس قد جاء کم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا (الجزو ۶ سورۃ النسا) لوگو تمہارے پاس یہ یقینی برہان پہنچی ہے اور ایک کھلا نور تمہاری طرف ہمنے اُتارا ہے۔ اور پھر فرمایا قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (الجزو ۹) یعنی لوگوں کو کہدے کہ مَیں تم سب کی طرف پیغمبر ہو کر آیا ہوں۔ اور پھر فرمایا والذین امنوا وعملوا الصّٰلحٰت وامنوا بما نزل علی محمد وھو الحق من ربھم کفر عنھم سیأتھم واصلح بالھم (الجزو ۲۶) یعنے جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے اور اس کتاب پر ایمان لائے جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور وُہی حق ہے خدا اُنکے گناہ دور کریگا اور انکے حال چال کو درست کردیگا۔

ایسا ہی صدہا آیات اور ہیں جنمیں نہایت۔ نمائی سے یہ دعوےٰ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم خُدا کا کلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اسکے سچے نبی ہیں۔ لیکن ہم بالفعل اسی قدر

لکھنا مناسب و کافی دیکھتے ہیں مگر ساتھ ہی اپنے مخالفوں کو یاد دلاتے ہیں کہ جس شد و مد سے قرآن شریف میں یہ دعویٰ موجود ہے کسی اور کتاب میں ہرگز موجود نہیں۔ ہم نہایت مشتاق ہیں اگر آریہ اپنے ویدوں میں اتنا ہی ثابت کردیں کہ انکے ہر چہار ویدوں نے کلام الٰہی ہونیکا دعویٰ کیا اور بتصریح بتلایا کہ فلاں فلاں شخص پر فلاں فلاں زمانہ میں وہ اُترے ہیں کتاب اللہ کے ثبوت کیلئے پہلا ضروری امر یہی ہے کہ وہ کتاب اپنے منجانب اللہ ہونیکی مُدعی بھی ہو کیونکہ جو کتاب اپنے منجانب اللہ ہونیکی طرف آپ کوئی اشارہ نہیں کرتی اُسکو خداوند تعالیٰ کیطرف منسوب کرنا ایک مداخلت بیجا ہے۔

اب **دُوسرا** امر قابل تذکرہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے اپنے منجانب اللہ ہونے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بارے میں صرف دعویٰ ہی نہیں کیا بلکہ اس دعوے کو نہایت **مضبوط** اور **قوی دلیلوں** کیساتھ ثابت بھی کردیا ہے اور ہم انشاء اللہ تعالےٰ سلسلہ وار اُن تمام دلائل کو لکھیں گے۔ اور انمیں سے پہلی دلیل ہم اسی مضمون میں تحریر کرتے ہیں تا حق کے طالب اوّل اسی دلیل میں دوسری کتابوں کا قرآن کیساتھ مقابلہ کریں اور نیز ہم ہر ایک مخالف کو بھی بُلاتے ہیں کہ اگر یہ طریق ثبوت جسکا ایک کتاب میں پایا جانا اُسکی سچائی پر بدیہی دلیل ہے انکی کتابوں اور نبیوں کی نسبت بھی پایا جاتا ہے تو وہ ضرور اپنے اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ سے پیش کریں ورنہ انکو اقرار کرنا پڑیگا کہ انکی کتابیں اس اعلیٰ درجہ کے ثبوت سے عاری اور بےنصیب ہیں اور ہم نہایت یقین اور وثوق سے کہتے ہیں کہ یہ طریق ثبوت انکے مذہب میں ہرگز نہیں پایا جاتا پس اگر ہم غلطی پر ہیں تو ہماری غلطی ثابت کریں اور وہ پہلی دلیل جو قرآن شریف نے اپنے منجانب اللہ ہونے پر پیش کی ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ عقل سلیم ایک سچی کتاب اور ایک **سچے** اور **منجانب اللہ** رسُول کے ماننے کیلئے اس بات کو نہایت بزرگ دلیل ٹھہراتی ہے کہ انکا ظہور ایک ایسے وقت میں ہو جبکہ زمانہ تاریکی میں پڑا ہو اور لوگوں نے توحید کی جگہ شرک اور پاکیزگی کی جگہ فسق اور انصاف کی جگہ ظلم اور علم کی جگہ جہل اختیار کرلیا ہو اور **ایک مصلح** کی اشد ضرورت ہو اور پھر ایسے وقت میں وہ رسُول دُنیا سے رخصت ہو جبکہ وہ اصلاح کا کام عمدہ طور سے کرچکا ہو اور جبتک اُس نے اصلاح نہ کی ہو دشمنوں سے محفوظ رکھا گیا ہو اور توکروں کیطرح حکم سے آیا ہو اور حکم سے واپس گیا ہو۔ غرضیکہ وہ ایسے وقت میں ظاہر ہو جبکہ وہ وقت بزبان حال پکار پکار کر کہہ رہا ہو کہ ایک آسمانی مصلح اور کتاب کا آنا ضروری ہے اور ایسے وقت میں الہامی پیشگوئی کے ذریعہ سے واپس بُلایا جاوے کہ جب اصلاح کے پودہ کو مستحکم کرچکا ہو اور ایک **عظیم الشان** انقلاب ظہور میں آچکا ہو اب ہم اس بات کو بڑے فخر کے ساتھ

بیان کرتے ہیں کہ یہ دلیل جسطرح قرآن اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نہایت روشن چہرہ کیسا
جلوہ نما ہوئی ہے کسی اور نبی اور کتاب کے حق میں ہرگز ظاہر نہیں ہوئی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ دعوے
تھا کہ میں تمام قوموں کیلئے آیا ہوں سو قرآن شریف نے تمام قوموں کو ملزم کیا ہے کہ وہ طرح طرح کے شرک فسق اور
فجور میں مبتلا ہیں جیسا کہ وہ فرماتا ہے ظهر الفساد فی البر والبحر یعنے دریا بھی بگڑ گئے اور جنگل بھی
بگڑ گئے۔ اور فرماتا ہے لتکون للعلمین نذیرا یعنی ہمنے تجھے بھیجا تاکہ دنیا کی تمام قوموں کو ڈراوے
یعنے انکو تنبیہ کرے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور میں اپنی بدکاریوں و بدعقیدوں کیوجہ سے سخت گنہگار ٹھہرے ہیں۔

یاد رہے کہ جو اس آیت میں نذیر کا لفظ دنیا کے تمام فرقوں کے مقابل پر استعمال کیا گیا ہے جس کے معنے
گنہگاروں اور بدکاروں کو ڈرانا ہے اسی لفظ سے یقینی سمجھا جاتا ہے کہ قرآن کا یہ دعوے تھا کہ تمام دنیا بگڑ
گئی اور ہر ایک نے سچائی اور نیکبختی کا طریق چھوڑ دیا کیونکہ انذار کا محل فاسق اور مشرک اور بدکار ہی ہیں
اور انذار اور ڈرانا مجرموں کی ہی تنبیہ کیلئے ہوتا ہے نہ نیکبختوں کیلئے۔ اس بات کو ہر ایک جانتا ہے کہ ہمیشہ
سرکشوں اور بے ایمانوں کو ہی ڈرایا جاتا ہے اور سنت اللہ اسی طرح پر ہے کہ نبی نیکوں کے لئے بشیر
ہوتے ہیں اور بدوں کیلئے نذیر۔ پھر جبکہ ایک نبی تمام دنیا کے لئے نذیر ہوا تو ماننا پڑا کہ تمام دنیا کو نبی
کی وحی نے بداعمالیوں میں مبتلا قرار دیا ہے اور یہ ایک دعوی ہے کہ نہ توریت نے موسیٰ کی نسبت کیا اور نہ انجیل
نے عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی نسبت بلکہ صرف قرآن شریف نے کیا اور پھر فرمایا کنتم علی شفا حفرۃ
من النار یعنے تم اس نبی کے آنے سے پہلے دوزخ کے گڑھے کے کنارہ پر پہنچ چکے تھے اور عیسائیوں
اور یہودیوں کو بھی متنبہ کیا کہ تم نے اپنے دجل سے خدا کی کتابوں کو بدل دیا اور تم ہر ایک شرارت اور
بدکاری میں تمام قوموں کے پیشرو ہو اور بت پرستوں کو جابجا ملزم کیا کہ تم پتھروں اور انسانوں اور
ستاروں اور عناصر کی پرستش کرتے ہو اور خالق حقیقی کو بھول گئے ہو اور تم یتیموں کا مال کھاتے اور
بچوں کو قتل کرتے اور شرکاء پر ظلم کرتے ہو اور ہر ایک بات میں حد اعتدال سے گذر گئے ہو اور فرمایا
اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتها یعنے یہ بات تمہیں معلوم رہے کہ زمین سب کی سب
مر گئی تھی اب اسکو خدا نئے سرے زندہ کرتا ہے غرض تمام دنیا کو قرآن نے شرک اور فسق اور بت پرستی
کے الزام سے ملزم کیا جو ام الخبائث ہیں اور عیسائیوں اور یہودیوں کو دنیا کی تمام بدکاریوں کی جڑ
ٹھہرایا۔ اور ہر ایک قسم کی بدکاریاں انکی بیان کر دیں اور ایک ایسا نقشہ کھینچکر زمانہ موجودہ کا اعمالنامہ
دکھلا دیا کہ جب سے دنیا کی بنا پڑی ہے بجز نوح کے زمانہ کے اور کوئی زمانہ اس زمانہ سے مشابہ نظر نہیں آتا

اور ہمنے اسجگہ جس قدر آیات لکھ دی ہیں وہ اتمام حجت کیلئے اول درجہ پر کام دیتی ہیں۔ لہذا ہم نے طول کے خوف سے تمام آیات کو نہیں لکھا۔ ناظرین کو چاہئے کہ قرآن شریف کو غور سے پڑھیں تا انہیں معلوم ہو کہ کس شدومد سے اور کسقدر مؤثر کلام سے جابجا قرآن شریف بیان کر رہا ہے کہ تمام دُنیا بگڑ گئی۔ تمام دُنیا مرگئی۔ اور لوگ دوزخ کے گڑھے کے قریب پہنچگئے اور کیسے بار بار کہتا ہے کہ تمام کو ڈرا کہ وہ خطرناک حالت میں پڑے ہیں۔ یقیناً قرآن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شرک اور فسق اور بُت پرستی اور طرح طرح کے گناہوں میں پڑ گئے اور بدکاریوں کے عمیق کوئیں میں ڈوب گئے ہیں۔ یہ بات سچ ہے کہ انجیل میں بھی کسیقدر یہودیوں کی بدچلنیوں کا ذکر ہے۔ لیکن مسیحؑ نے کہیں یہ ذکر تو نہیں کیا کہ جس قدر دُنیا کے صفحہ میں لوگ موجود ہیں جنکو عالمین کے نام سے نامزد کرسکتے ہیں وہ سب بگڑ گئے اور مر گئے اور دُنیا شرک اور بدکاریوں سے بھر گئی اور نہ رسالت کا عام دعوٰی کیا۔ پس ظاہر ہے کہ یہودی ایک تھوڑی سی قوم تھی جو مسیح کی مخاطب تھی بلکہ وہی تھے جو مسیح کی نظر کے سامنے تھے اور چند دیہات کے آدمی تھے لیکن قرآن کریم نے تو تمام زمین کے مرجانیکا ذکر کیا ہے اور تمام قوموں کی بُری حالت کو وہ بتلاتا ہے اور صاف بتلاتا ہے کہ زمین ہر قسم کے گناہ سے مرگئی۔ یہودی تو نبیوں کی اولاد تھے اور توریت کو اپنے اقرار سے مانتے تھے گو عمل سے قاصر تھے لیکن قرآن کے زمانہ میں علاوہ فسق اور فجور کے عقائد میں بھی فتور ہو گیا تھا۔ ہزارہا لوگ دہریہ تھے۔ ہزارہا وحی اور الہام سے منکر تھے اور ہر قسم کی بدکاریاں زمین پر پھیلگئی تھیں اور دُنیا میں اعتقادی اور عملی خرابیوں کا ایک طوفان برپا تھا۔ ماسوائے اسکے مسیح نے اپنی چھوٹی سی قوم یہودیوں کی بدچلنی کا کچھ ذکر تو کیا جس سے البتہ یہ خیال پیدا ہوا کہ اُسوقت یہود کی ایک خاص قوم کو ایک مصلح کی ضرورت تھی مگر جس دلیل کو ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منجانب اللہ ہونیکے بارے میں بیان کرتے ہیں یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فساد عام کے وقت میں آنا اور کامل اصلاح کے بعد واپس بُلائے جانا اور ان دونوں پہلوؤں کا قرآن شریف کا آپ پیش کرنا اور آپ دُنیا کو اسکی طرف توجہ دلانا یہ ایک ایسا امر ہے کہ انجیل تو کیا بجز قرآن شریف کسی کتاب میں بھی نہیں پایا جاتا۔ قرآن شریف نے آپ یہ دلائل پیش کئے ہیں اور آپ فرما دیا ہے کہ اسکی سچائی ان دو پہلوؤں پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوتی ہے یعنی ایک تو وہی جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ ایسے زمانہ میں ظہور فرمایا جبکہ زمانہ میں عام طور پر طرح طرح کی بدکاریاں اور بداعتقادیاں پھیلگئی تھیں اور دُنیا حق اور حقیقت اور توحید اور پاکیزگی سے بہت دُور جا پڑی تھی اور قرآن شریف کے اس قول کی اُسوقت

تصدیق ہوتی ہے جبکہ ہر ایک قوم کی تاریخ اس زمانہ کے متعلق پڑھی جائے کیونکہ ہر ایک قوم کے اقرار سے یہ شہادت پیدا ہوتی ہے کہ درحقیقت وہ ایسا پُر ظلمت زمانہ تھا کہ ہر ایک قوم مخلوق پرستی کیطرف جھک گئی تھی اور یہی وجہ ہے کہ جب قرآن نے تمام قوموں کو گمراہ اور بدکار قرار دیا تو کوئی اپنا بری ہونا ثابت کر سکا۔ دیکھو اللہ تعالےٰ کیسے زور سے اہل کتاب کی بدیوں اور تمام دُنیا کے مرجانیکا ذکر کرتا ہے اور فرماتا ہے ولا یکونوا کالذین اوتوا الکتٰب من قبل فطال علیھم الامد فقست قلوبھم و کثیر منھم فاسقونؕ اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا قد بینا لکم الایات لعلکم تعقلون (سورہ الحدید جزو ۲۷ رکوع ۱۷) یعنے مومنوں کو چاہئے کہ اہل کتاب کے چال وچلن سے پرہیز کریں۔ انکو اس سے پہلے کتاب دیگئی تھی پس اُن پر ایک زمانہ گذر گیا سو اُن کے دل سخت ہو گئے۔ اور اکثر اُنہیں سے فاسق اور بدکار ہی ہیں۔ یہ بات بھی جانو کہ زمین مر گئی تھی اور اب خدا نئے سرے سے زمین کو زندہ کر رہا ہے یہ **قرآن کی ضرورت اور سچائی کے نشان ہیں** جو اسی لئے بیان کئے گئے تاکہ تم نشانوں کو دریافت کرلو۔

اب سوچکر دیکھو کہ یہ دلیل جو تمہارے سامنے پیش کیگئی ہے یہ اپنے ذہن سے ایجاد نہیں کی بلکہ قرآن شریف آپ ہی اسکو پیش کرتا ہے اور دلیل کے دونوں حصے بیان کرکے پھر آپ ہی فرماتا ہے قد بینا لکم الایات لعلکم تعقلون یعنے اِس رسُول اور اس کتاب کے منجانب اللہ ہونے پر یہ بھی ایک نشان ہے جسکو ہمنے بیان کر دیا تاکہ تم سوچو اور حقیقت تک پُہنچ جاوٴ۔

دُوسرا پہلو اس دلیل کا یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے وقت میں دُنیا سے اپنے مولیٰ کی طرف بُلائے گئے جبکہ وُہ اپنے کام کو پُورے طور پر انجام دیچکے اور یہ امر قرآن شریف سے بخوبی ثابت ہے کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناہ یعنے آج میں نے قرآن شریف کے اُتارنے اور تکمیل نفوس سے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پُوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کر لیا۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید جسقدر نازل ہونا تھا نازل ہوچکا اور مستعد دلوں میں نہائت عجیب اور حیرت انگیز تبدیلیاں پیدا کر چکا اور تربیت کو کمال تک پہنچا دیا اور اپنی نعمت کو اُنپر پُورا کر دیا۔ اور یہی دو رکن ضروری ہیں جو ایک نبی کے آنے کی علت غائی ہوتی ہے اب دیکھو یہ آیت

کس زور شور سے بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہرگز اس دنیا سے کوچ نہ کیا جبتک کہ دین اسلام کو تنزیل قرآن اور تکمیل نفوس سے کامل نہ کیا گیا* - اور یہی ایک خاص علامت منجانب اللہ ہونے کی ہے جو کاذب کو ہرگز نہیں دیجاتی بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی صادق نبی نے بھی اس اعلیٰ شان کے کمال کا نمونہ نہیں دکھلایا کہ ایکطرف کتاب اللہ بھی آرام اور امن کیساتھ پوری ہو جائے اور دوسری طرف تکمیل نفوس بھی ہو اور بااین ہمہ کفر کو ہر ایک پہلو سے شکست اور اسلام کو ہر ایک پہلو سے فتح ہو - اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے کہ+ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا یعنے جبکہ آیوالی مدد اور فتح آگئی جسکا وعدہ دیا گیا تھا اور تو نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہوتے جاتے ہیں پس خدا کی حمد اور تسبیح کر یعنے یہ کہو کہ جو ہوا وہ مجھ سے نہیں بلکہ اُسکے فضل اور کرم اور تائید سے ہے اور الوداعی استغفار کر کیونکہ وہ رحمت کے ساتھ بہت ہی رجوع کرنیوالا ہے - استغفار کی تعلیم جو نبیوں کو دیجاتی ہے اُسکو عام لوگوں کے گناہ میں داخل کرنا عین حماقت ہے بلکہ دوسرے لفظوں میں اپنی نیستی اور تذلل اور کمزوری کا اقرار اور مدد طلب کرنیکا متواضعانہ طریق ہے - چونکہ اس صورت میں فرمایا گیا ہے کہ جس کام کیلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے وہ پورا ہو گیا یعنی یہ کہ ہزارہا لوگوں نے دین اسلام قبول کرلیا - اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ ہے چنانچہ اسکے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک برس کے اندر فوت ہو گئے -

---

* حاشیہ - خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں صحابہ کو مخاطب کیا کہ میں نے تمہارے دین کو کامل کیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کی اور آیت کو اسطور سے فرمایا کہ اے نبی آج میں نے قرآن کو کامل کر دیا اسمیں حکمت یہ ہے کہ تا ظاہر ہو کہ صرف قرآن ایسی شریف کی تکمیل نہیں ہوئی بلکہ اُنکی تکمیل ہو گئی کہ جنکو قرآن پہنچایا گیا اور رسالت کی علت غائی کمال تک پہنچ گئی - منہ

+ حاشیہ - اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دلمیں نہایت درجہ کا یہ جوش تھا کہ میں اپنی زندگی میں اسلام کا زمین پر پھیلنا دیکھلوں اور یہ بات بہت ہی گوارا تھی کہ حق کو زمین پر قائم کرنیسے پہلے سفر آخرت پیش آوے سو خدا تعالیٰ اس آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری دیتا ہے کہ دیکھ میں نے تیری مراد پوری کردی اور کم و بیش اس مراد کا ہر ایک نبی کو خیال تھا مگر چونکہ اسدرجہ کا جوش نہیں تھا اسلئے نہ مسیح کو اور نہ موسیٰ کو یہ خوشخبری ملی بلکہ اُسی کو ملی جسکے حق میں قرآن میں فرمایا لعلک باخع نفسک الا یکونوا مؤمنین یعنی کیا تو اس غم سے ہلاک ہو جاویگا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے - منہ

پھر ہم اپنے پہلے مقصد کیطرف عود کر کے لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ اور قرآن کریم کی حقانیت پر اس دلیل سے نہایت اعلیٰ واجلیٰ ثبوت پیدا ہوتا ہے کہ آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے وقت میں دنیا میں بھیجے گئے کہ جب دُنیا زبان حال سے ایک عظیم الشان مصلح کو مانگ رہی تھی اور پھر نہ مرے اور نہ مارے گئے جبتک کہ راستی کو زمین پر قائم نہ کر دیا۔ جب نبوت کے ساتھ ظہور فرما ہوئے تو آتے ہی اپنی ضرورت دُنیا پر ثابت کر دی۔ اور ہریک قوم کو اُنکے شرک اور ناراستی اور مفسدانہ حرکات کا ملزم کیا جیسا کہ قرآن کریم اس سے بھرا ہُوا ہے مثلاً اسی آیت کو سوچکر دیکھو جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تبارک الذی نزّل الفرقان علیٰ عبدہٖ لیکون للعالمین نذیرًا۔ یعنے وہ بہت برکت والا ہے جس نے قرآن شریف کو اپنے بندے پر اس غرض سے اُتارا کہ تمام جہان کو ڈرانے والا ہو یعنی تا ان کی بدراہی اور بدعقیدگی پر انکو متنبہ کرے۔ پس یہ آیت بصراحت اس بات پر دلیل ہے کہ قرآن کا یہی دعوے ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں تشریف لائے تھے جبکہ تمام دُنیا اور تمام قومیں بگڑ چکی تھیں اور مخالف قوموں نے اس دعویٰ کو نہ صرف اپنی خاموشی سے بلکہ اپنے اقرار ولی سے مان لیا ہے پس اس سے بداہت نتیجہ نکلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت ایسے وقت میں آئے تھے جس وقت میں ایک سچے اور کامل نبی کو آنا چاہئے۔ پھر جب ہم دوسرا پہلو دیکھتے ہیں کہ آنجناب صلعم کسوقت واپس بلائے گئے تو قرآن صاف اور صریح طور پر ہمیں خبر دیتا ہے کہ ایسے وقت میں بُلائے جانیکا حکم ہوا کہ جب اپنا کام پورا کر چکے تھے یعنے اُسوقت کے بعد بُلائے گئے جبکہ یہ آیت نازل ہو چکی کہ مسلمانوں کے لئے تعلیم کا مجموعہ کامل ہو گیا اور جو کچھ ضروریات دین میں نازل ہونا تھا وہ سب نازل ہو چکا اور نہ صرف یہی بلکہ یہ خبر بھی دیگئی کہ خدا تعالیٰ کی تائیدیں بھی کمال کو پہنچ گئیں۔ اور جوق در جوق لوگ دین اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ آیتیں بھی نازل ہو گئیں کہ خدا تعالےٰ نے ایمان اور تقویٰ کو اُنکے دلوں میں لکھدیا اور فسق و فجور سے اُنہیں بیزار کر دیا اور پاک اور نیک اخلاق سے وہ متصف ہو گئے اور ایک بھاری تبدیلی اُنکے اخلاق اور چلن اور روح میں واقع ہو گئی۔ تب ان تمام باتوں کے بعد سورۃ النصر نازل ہوئی جسکا ماحصل یہی ہے کہ نبوت کے تمام اغراض پورے ہو گئے اور اسلام دلوں پر فتحیاب ہو گیا تب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر اعلان دیا کہ یہ سورۃ میری وفات کی طرف اشارت کرتی ہے بلکہ اسکے بعد حج کیا اور اسکا نام حجۃ الوداع رکھا اور ہزار ہا لوگوں کی حاضری میں ایک اونٹنی پر سوار ہو کر ایک لمبی تقریر کی اور کہا کہ سنو! اے خدا کے بندو! مجھے میرے رب کیطرف سے یہ حکم ملے تھے

کہ تا میں سب احکام تمہیں پہنچاؤں۔ پس کیا تم گواہی دیسکتے ہو کہ یہ سب باتیں ہیں تمہیں پہنچا دیں۔ تب ساری قوم نے باآواز بلند تصدیق کی کہ ہم تک یہ پیغام پہنچائے گئے۔ تب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ آسمان کیطرف اشارہ کرکے کہا کہ اے خدا! اِن باتوں کا گواہ رہ۔ اور پھر فرمایا کہ تمام تبلیغ اِسلئے مکرّر کیگئی کہ شائد آئندہ سال میں تمہارے ساتھ نہیں ہونگا۔ اور پھر دوسری مرتبہ تم مجھے اس جگہ نہیں پاؤگے۔ تب مدینہ میں جاکر دُوسرے سال میں فوت ہو گئے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔ درحقیقت یہ تمام اشارات قرآن شریف سے ہی مُستنبط ہوتے ہیں جسکی تصدیق اسلام کی مُتفق علیہ تاریخ سے بتفصیل تمام ہوتی ہے۔

حضرت مسیح کا دس گمشدہ اسرائیلی قوموں کیطرف جانا

(انجیلی شہادتیں نمبر ۲)

گزشتہ نمبر میں اس عنوان کے نیچے انجیل کے مختلف حوالوں سے ہمنے یہ دکھایا تھا کہ مسیح کی رسالت صرف انہیں یہودیوں تک محدود نہیں تھی جو شام کے مُلک میں رہتے تھے بلکہ وہ بنی اسرائیل کے تمام فرقوں کی طرف آئے تھے جنمیں سے اکثر انکی آمد سے بُہت عرصہ پہلے مشرقی ممالک میں آباد ہو چکے تھے۔ نیز انجیل کی بناء پر ہمنے یہ بھی ثابت کیا تھا کہ مسیح کا سُولی پر مرنا انجیلوں سے ثابت نہیں ہوتا اس نمبر میں ہم مزید شہادت اس امر کی کہ مسیح صلیب پر فوت نہیں ہُوا انجیل کے اوراق سے پیش کرینگے۔

مسیح کے صلیب پر چڑھائے جانیکا واقعہ جسطرح اناجیل میں مذکور ہے اس امر پر ایک بھاری دلیل ہے کہ واقعی وہ صلیب پر نہیں مرا۔ اور ابتدا سے ہی تمام سمجھدار لوگوں کے دِل میں مسیح کی صلیب پر موت کے مُتعلق شبہات پیدا ہوتے رہے ہیں۔ کیونکہ جس طرح پر صلیب کا واقعہ اناجیل میں مذکور ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ تاریخ کے اوراق میں جہانتک ممکن ہو تلاش کرو مگر یہ کہیں نہ پاؤگے کہ کوئی شخص تین گھنٹے میں صلیب پر مرگیا ہو۔ اِسی مشکل کے پیش آنے پر ابتدائی زمانہ میں اِس خیال کے پیرؤوں کو کہ مسیح صلیب پر مرچکا تھا یہ عُذر بنانا پڑا

کہ درحقیقت اسقدر جلدی مرجانا بھی ایک معجزہ ہے۔ اور اگرچہ اس قدر جلدی صلیب پر کوئی انسان مر سکتا تھا مگر وہ اپنے اختیار سے مرا اور یہ اسکا معجزہ تھا۔ گمراہی بھی عجیب شے ہے ایک غلطی کی تائید کیلئے ایک دوسری غلطی بنانی پڑتی ہے مگر اصلیت کے پیش ہوتے پر اسکی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ مسیح کا تین گھنٹہ صلیب پر رہ کر نہ مرنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ بہت ساری مثالیں اس قسم کی موجود بلکہ مشہور ہیں جنمیں ایک شخص اس سے بہت زیادہ عرصہ تک صلیب پر رکھ کر اُتارا گیا اور علاج سے آخر کار اچھا ہو گیا۔

ناظرین کو اس دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ یہودیوں کی صلیب اس زمانہ کی پھانسی کیطرح ہو گی جس سے نجات پانا قریبًا محال ہے۔ کیونکہ اُس زمانہ کی صلیب میں کوئی رسّا گلے میں نہیں ڈالا جاتا تھا اور نہ تختہ پر سے گرا کر لٹکایا جاتا تھا بلکہ صرف صلیب پر کھینچکر ہاتھوں اور پیروں میں کیل ٹھونکے جاتے تھے اور یہ بات ممکن ہوتی تھی کہ اگر صلیب پر کھینچنے اور کیل ٹھونکنے کے بعد ایک دو دن تک کسی کی جان بخشی کا ارادہ ہو تو اُسیقدر عذاب پر کفایت کر کے ہڈیاں توڑنے سے پہلے اُسکو زندہ اُتار لیا جائے۔ اور اگر مارنا ہی منظور ہوتا تھا تو کم سے کم تین دن تک صلیب پر کھنچا ہوا رہنے دیتے تھے اور پانی اور روٹی نزدیک نہ آنے دیتے تھے اور اسی طرح دھوپ میں تین دن یا اس سے زیادہ چھوڑ دیتے تھے اور پھر اسکے بعد اسکی ہڈیاں توڑتے تھے اور پھر آخر ان تمام عذابوں کے بعد وہ مر جاتا تھا لیکن خدا تعالیٰ کے فضل و کرم نے حضرت مسیحؑ کو اس درجہ کے عذاب سے بچا لیا جس سے زندگی کا خاتمہ ہو جاتا۔ انجیلوں کو ذرا غور کی نظر سے پڑھنے سے آپ کو معلوم ہو گا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نہ تین دن تک صلیب پر رہے اور نہ تین دن کی بھوک اور پیاس اُٹھائی اور نہ انکی ہڈیاں توڑی گئیں بلکہ قریبًا دو گھنٹہ صلیب پر رہے اور خدا کے رحم اور فضل نے انکے لئے یہ تقریب قائم کر دی کہ دن کے اخیر حصہ میں صلیب دینے کی تجویز ہوئی اور وہ جمعہ کا دن تھا اور صرف تھوڑا سا دن باقی تھا اور اگلے دن سبت اور یہودیوں کی عید فسح تھی اور یہودیوں کیلئے یہ حرام اور قابل سزا جرم تھا کہ کسی کو سبت یا سبت کی رات میں صلیب پر رہنے دیں اور مسلمانوں کیطرح یہودی بھی قمری حساب رکھتے تھے اور رات دن پر مقدم سمجھی جاتی تھی پس ایکطرف تو یہ تقریب تھی کہ جو زمینی اسباب سے پیدا ہوئی۔ اور دوسری طرف آسمانی اسباب خدا تعالیٰ کیطرف سے یہ پیدا ہوئے کہ جب چھٹا گھنٹہ ہوا تو ایک ایسی آندھی آئی کہ جس سے ساری زمین پر اندھیرا چھا گیا اور وہ اندھیرا تین گھنٹے برابر رہا۔ دیکھو مرقس باب ۱۶ آیت ۳۳۔ یہ چھٹا گھنٹہ بارہ بجے کے بعد تھا۔

یعنے وہ وقت جو شام کے قریب ہوتا ہے - اب یہودیوں کو اِس شدت اندھیرے میں یہ فکر پڑی کہ مُبادا سبت کی رات آجائے اور وہ سبت کے مجرم ہو کر تاوان کے لائق ٹھہریں - اسلئے انہوں نے جلدی سے مسیح کو اور اُسکے ساتھ کے دو چوروں کو بھی صلیب پر سے اُتار لیا۔

اور منجملہ اُن شہادتوں کے جو انجیل سے ہمیں مسیح ابن مریم کی صلیبی مَوت سے محفوظ رہنے پر ملتی ہیں اسکا وہ سفر دُور دراز ہے جو قبر سے نکل کر جلیل کیطرف اُسنے کیا - چنانچہ اتوار کی صبح کو پہلے وہ مریم مگدلینی سے ملا - مریمؑ نے فی الفور حواریوں کو خبر کی کہ مسیحؑ تو جیتا ہے لیکن وہ یقین نہ لائے پھر وہ حواریوں میں سے دو کو جبکہ وہ دیہات کیطرف جاتے تھے دکھائی دیا - آخر وہ گیارھوں کو جبکہ وہ کھانے بیٹھے تھے دکھائی دیا اور اُنکی بے ایمانی اور سخت دلی پر ملامت کی - دیکھو انجیل مرقس باب ۱۶ آیت ۹ سے آیت ۱۴ تک - اور جب مسیح کے حواری سفر کرتے ہوئے اُس بستی کی طرف جارہے تھے جسکا نام املوس ہے جو یروشلم سے پونے چار کوس کے فاصلے پر ہے تب مسیح اُن کو ملا - اور جب وہ اس بستی کے نزدیک پہنچے تو مسیح نے آگے بڑھ کر چاہا کہ اُنسے الگ ہو جائے - تب اُنہوں نے اُسکو جانے سے روک لیا کہ آج رات ہم اکٹھے رہینگے اور اُس نے اُنکے ساتھ بیٹھ کر روٹی کھائی اور وہ سب مع مسیح کے املوس نام کے ایک گاؤں میں رات رہے - دیکھو لوقا باب ۲۴ آیت ۱۳ سے ۳۱ تک - اب ظاہر ہے کہ ایک جلالی جسم کے ساتھ جو موت کے بعد خیال کیا گیا ہے مسیحؑ سے فانی جسم کے عادات صادر ہونا اور کھانا اور پینا اور سونا اور جلیل کی طرف ایک لمبا سفر کرنا جو یروشلم سے قریباً ۷۰ کوس کے فاصلے پر تھا بالکل غیر ممکن اور نامعقول بات ہے - اور باوجود اسکے کہ خیالات کے میلان کی وجہ سے انجیلوں کے اِن قصوں میں بہت کچھ تغیر ہو گیا ہے تاہم جسقدر الفاظ پائے جاتے ہیں اُنسے صحیح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مسیح اُسی فانی اور معمولی جسم سے اپنے حواریوں کو ملا اور پیادہ پا جلیل کیطرف ایک لمبا سفر کیا اور حواریوں کو اپنے زخم دکھلائے اور رات اُنکے پاس روٹی کھائی اور سویا - اور آگے چلکر ہم ثابت کرینگے کہ اُسنے اپنے زخموں کا ایک مرہم کے استعمال سے علاج کیا۔

اب یہ مقام ایک سوچنے کا مقام ہے کہ کیا ایک جلالی اور ابدی جسم پانیکے بعد یعنے اُس غیر فانی جسم کے بعد جو اس لائق تھا کہ کھانے پینے سے پاک ہو کر ہمیشہ خدا یتعالےٰ کے دائیں ہاتھ بیٹھے اور ہر ایک داغ اور درد اور نقصان سے مُنزّہ ہو اور ازلی ابدی خُدا کے جلال کا اپنے اندر رنگ رکھتا ہو ابھی اِسمیں یہ نقص باقی رہ گیا کہ اُسپر صلیب اور کیلوں کے تازہ زخم موجود تھے

جنسے خون بہتا تھا اور درد اور تکلیف اُسکے ساتھ تھی جنکے واسطے ایک مرہم بھی طیار کیگئی تھی اور جلالی اور غیر فانی جسم کے بعد بھی جو ابد تک سلامت اور بے عیب اور کامل اور غیر متغیر چاہئے تھا کئی قسم کے نقصانوں سے بھرا رہا اور خود مسیح نے حواریوں کو اپنا گوشت اور ہڈیاں دکھلائیں اور پھر اسی پر کفایت نہیں بلکہ اس فانی جسم کے لوازم میں سے بھوک اور پیاس کی درد بھی موجود تھی ورنہ اس لغو حرکت کی کیا ضرورت تھی کہ مسیح جلیل کے سفر میں کھانا کھاتا اور پانی پیتا اور آرام کرتا اور سوتا۔ اسمیں کیا شک ہے کہ اس عالم میں جسم فانی کے لئے بھوک اور پیاس بھی ایک درد ہے جسکے حد سے زیادہ ہونے سے انسان مر سکتا ہے۔ پس بلاشبہ یہ بات سچ ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا اور نہ کوئی نیا جلالی جسم پایا بلکہ ایک غشی کی حالت ہو گئی تھی جو مرنے سے مشابہ تھی۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ اتفاق ہوا کہ جس قبر میں وہ رکھا گیا وہ اس ملک کی قبروں کیطرح نہ تھی بلکہ ایک ہوادار کوٹھا تھا جسمیں ایک کھڑکی تھی اور اس زمانہ میں یہودیوں میں یہ رسم تھی کہ قبر کو ایک ہوادار کشادہ کوٹھا کیطرح بناتے تھے اور اسمیں ایک کھڑکی رکھتے تھے اور ایسی قبریں پہلے سے موجود رہتی تھیں اور پھر وقت پر میت اسمیں رکھی جاتی تھی۔ چنانچہ یہ گواہی انجیلوں سے صاف طور پر ملتی ہے۔ انجیل لوقا میں یہ عبارت ہے " اور وے یعنے عورتیں اتوار کے دن بڑے تڑکے یعنے کچھ اندھیرے سے ہی اُن خوشبوؤں کو جو طیار کی تھیں لیکر قبر پر آئیں اور اُنکے ساتھ کئی اور بھی عورتیں تھیں۔ اور اُنہوں نے پتھر کو قبر پر سے ڈھلکا ہوا پایا۔ (اس مقام میں فی الفور غور کرو) اور اندر جا کے خداوند یسوع کی لاش نہ پائی " دیکھو لوقا باب ۲۴ آیت ۲ و ۳۔ اب اندر جانے کے لفظ کو ذرا سوچو۔ ظاہر ہے کہ اُسی قبر کے اندر انسان جا سکتا ہے کہ جو ایک کوٹھے کی طرح ہو اور اسمیں کھڑکی ہو۔

اور منجملہ اُن شہادتوں کے جو انجیل سے ہمکو ملی ہیں پلاطس کا وہ قول ہے جو انجیل مرقس میں لکھا ہے اور وہ یہ ہے " اور جبکہ شام ہوئی اسلئے کہ تیاری کا دن تھا جو سبت سے پہلے ہوتا۔ یوسف ارمتیا جو نامور مشیر اور وہ خود خدا کی بادشاہت کا منتظر تھا آیا اور دلیری سے پلاطس پاس جا کے یسوع کی لاش مانگی اور پلاطس نے متعجب ہو کر شبہ کیا کہ وہ یعنے مسیح ایسا جلد مر گیا " دیکھو مرقس باب ۱۵ آیت ۴۲ سے ۴۴ تک۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ عین صلیب کی گھڑی میں ہی یسوع کے مرنے پر شبہ ہوا۔ اور شبہ بھی ایسے شخص نے کیا جسکو

اِس بات کا تجربہ تھا کہ اِس قدر مُدّت میں صلیب پر جان نکلتی ہے۔

اور منجملہ اُن شہادتوں کے جو انجیل سے ہمکو ملی ہیں انجیل کی وُہ عبارت ہے جو ذیل میں لکھتا ہوں "پھر یہودیوں نے اُس لحاظ سے کہ لاشیں سبت کے دن صلیب پر نہ رہجائیں۔ کیونکہ وہ دن طیاری کا تھا۔ بلکہ بڑا ہی سبت تھا پلاطوس سے عرض کی کہ اُنکی ٹانگیں توڑی اور لاشیں اُتاری جائیں۔ تب سپاہیوں نے آکر پہلے اور دُوسرے کی ٹانگیں جو اُسکے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے تھے توڑیں لیکن جب اُنہوں نے یسُوع کی طرف آکے دیکھا کہ وُہ مرچکا ہے تو اسکی ٹانگیں نہ توڑیں۔ پر سپاہیوں میں سے ایک نے بھالے سے اسکی پسلی چھیدی اور فی الفور اس سے لہُو اور پانی نکلا" دیکھو یوحنا باب ۱۹ آیت ۳۱ سے آیت ۳۴ تک۔ اِن آیات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اُسوقت کسی مصلُوب کی زندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے یہ دستُور تھا کہ جو صلیب پر کھینچا گیا ہو اُسکو کئی دن صلیب پر رکھتے تھے اور پھر اُسکی ہڈیاں توڑتے تھے لیکن مسیح کی ہڈیاں دانستہ نہیں توڑی گئیں اور وہ ضرور صلیب پر سے ان دو چوروں کی طرح زندہ اُتارا گیا۔ اسی وجہ سے پسلی چھیدنے سے خُون بھی نکلا۔ مُردہ کا خُون جم جاتا ہے۔ اور اِس جگہ یہ بھی صریح معلوم ہوتا ہے کہ اندرُونی طور پر یہ کچھ سازش کی بات تھی۔ پلاطوس ایک خُدا ترس اور نیک دل آدمی تھا۔ کھُلی کھُلی رعایت سے قیصر سے ڈرتا تھا کیونکہ یہودی مسیح کو باغی ٹھہراتے تھے مگر وُہ خوش قسمت تھا کہ اُس نے مسیح کو دیکھا لیکن قیصر نے اِس نعمت کو نہ پایا اُسنے نہ صرف دیکھا بلکہ بہت رعایت کی اور اُسکا ہرگز منشاء نہ تھا کہ مسیح صلیب پاوے۔ چنانچہ انجیلوں کے دیکھنے سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ پلاطوس نے کئی دفعہ ارادہ کیا کہ مسیح کو چھوڑ دے لیکن یہودیوں نے کہا کہ اگر تو اِس مرد کو چھوڑ دیتا ہے تو تُو قیصر کا خیر خواہ نہیں اور یہ کہا کہ یہ باغی ہے اور خُود بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ دیکھو یوحنا باب ۱۹ آیت ۱۲۔ اور پلاطوس کی بیوی کی خواب اَور بھی اِس بات کی محرک ہوئی تھی کہ کسی طرح مسیح کو مصلُوب ہونے سے بچایا جائے ورنہ اِن کی اپنی تباہی ہے۔ مگر چونکہ یہودی ایک شریر قوم تھی اور پلاطوس پر قیصر کے حضور میں مُخبری کرنے کو بھی طیار رہتے تھے اِسلئے پلاطوس نے مسیح کو چھوڑانے میں حکمت عملی سے کام لیا۔ اول تو مسیح کا مصلُوب ہونا ایسے دِن پر ڈالدیا کہ وہ جمعہ کا دِن تھا اور صرف چند گھنٹے دِن سے باقی تھے اور بڑے سبت کی رات قریب تھی اور پلاطوس خوب جانتا تھا کہ یہودی اپنی شریعت کے حکموں کے موافق صرف شام کے وقت

تک ہی مسیح کو صلیب پر رکھ سکتے ہیں۔ اور پھر شام ہوتے ہی اِنکا سبت ہے جسمیں صلیب پر رکھنا روا نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور مسیح شام سے پہلے صلیب پر سے اُتارا گیا۔ اور یہ قریب قیاس نہیں کہ دونوں چور جو مسیح کے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے تھے وہ زندہ رہے۔ مگر مسیح صرف دو گھنٹہ تک مرگیا۔ بلکہ یہ صرف ایک بہانہ تھا جو مسیح کو ہڈیاں توڑنے سے بچانے کیلئے بنایا گیا تھا سمجھدار آدمی کے لئے یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ دونوں چور صلیب پر سے زندہ اُتارے گئے اور ہمیشہ معمول تھا کہ صلیب پر سے لوگ زندہ اُتارے جاتے تھے اور صرف اس حالت میں مرتے تھے کہ ہڈیاں توڑی جائیں اور یا بھوک اور پیاس کی حالت میں چند روز صلیب پر رہ کر جان نکلتی تھی۔ مگر ان باتوں میں سے کوئی بات بھی مسیح کو پیش نہ آئی نہ وہ کئی دن صلیب پر بھوکا پیاسا رکھا گیا اور نہ اسکی ہڈیاں توڑی گئیں اور یہ کہکر کہ مسیح مرچکا ہے یہودیوں کو اسکی طرف سے غافل کردیا گیا۔ مگر چوروں کی ہڈیاں توڑ کر اُسی وقت اُن کی زندگی کا خاتمہ کردیا گیا۔ بات تو تب تھی کہ اُن دونو چوروں میں سے بھی کسی کی نسبت کہا جاتا کہ یہ مرچکا ہے اسکی ہڈیاں توڑنے کی ضرورت نہیں اور یوسف نام پلاطوس کا ایک معزز دوست تھا جو اس نواح کا رئیس تھا۔ اور مسیح کے پوشیدہ شاگردوں میں داخل تھا وہ عین وقت پر پہنچ گیا۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی پلاطوس کے اشارہ سے بُلایا گیا تھا مسیح کو ایک لاش قرار دیکر اُسکے سپرد کردیا گیا کیونکہ وہ ایک بڑا آدمی تھا اور یہودی اسکے ساتھ کچھ پرخاش نہیں کرسکتے تھے۔ جب وہ پہنچا تو مسیح کو جو غشی میں تھا ایک لاش قرار دیکر اُسنے لیا اور اسی جگہ ایک وسیع مکان تھا جو اُس زمانہ کی رسم پر قبر کے طور پر بنایا گیا تھا اور اس میں ایک کھڑکی بھی تھی اور ایسے موقعہ پر تھا جو یہودیوں کے تعلق سے الگ تھا اسی جگہ پلاطوس کے اشارہ سے مسیح کو رکھا گیا۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جبکہ حضرت موسیٰؑ کی وفات پر چودھویں صدی گزر رہی تھی اور اسرائیلی شریعت کے زندہ کرنے کے لئے مسیح چودھویں صدی کا مجدد تھا۔ اور اگرچہ یہودیوں کو اس چودھویں صدی میں مسیح موعود کا انتظار بھی تھا اور گزشتہ نبیوں کی پیشگوئیاں بھی اسوقت پر گواہی دیتی تھیں لیکن افسوس کہ یہودیوں کے نالائق مولویوں نے اسوقت اور موسم کو شناخت نہ کیا اور مسیح موعود کو جھوٹا قرار دیدیا۔ نہ صرف یہی بلکہ اُسکو کافر قرار دیا اور اُسکا نام ملحد رکھا اور آخر اسکے قتل پر فتویٰ لکھا اور اسکو عدالت میں کھینچا۔ اس سے یہ سمجھ آتا ہے کہ خدا نے چودھویں

صدی میں کچھ تاثیر ہی ایسی رکھتی ہے جسمیں قوم کے دل سخت اور مولوی دُنیا پرست اور اندھے حق کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ اسجگہ اگر موسیٰ کی چودھویں صدی موسیٰ کے مثیل کی چودھویں صدی کا جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں باہم مقابلہ کیا جائے تو اول یہ نظر آئیگا کہ ان دونوں چودھویں صدیوں میں دو ایسے شخص ہیں جنہوں نے مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کیا اور وہ دعوے سچا تھا اور خدا کیطرف سے تھا۔ پھر اُسکے ساتھ یہ بھی معلوم ہوگا کہ قوم کے علماء نے اُن دونوں کو کافر قرار دیا اور ان دونوں کا نام ملحد اور دجال رکھا اور ان دونوں کے قتل کے فتوے لکھے گئے اور دونوں کو عدالتوں کیطرف کھینچا گیا جنمیں سے ایک رومی عدالت تھی اور دوسری انگریزی۔ آخر دونوں بچائے گئے اور دونوں قسم کے مولوی یہودی اور مسلمان ناکام رہے۔ اور خدا نے ارادہ کیا کہ دونوں مسیحوں کو ایک بڑی ہی جماعت بنا دے اور دونوں قسم کے دشمنوں کو نامُراد رکھے۔ غرض موسیٰ کی چودھویں صدی اور ہمارے سید و مولے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی چودھویں صدی اپنے اپنے مسیحوں کیلئے سخت بھی ہیں اور انجام کار مُبارک بھی۔

وہ قبر جس میں مسیح رکھا گیا اور جس طرح پر وہ وہاں رکھا گیا اور جس طرح سے وہاں سے نکلا یہ تمام امور اِس بیان کے مؤید ہیں کہ وہ اسوقت تک مرا نہیں بلکہ وہ زندہ ہی تھا اور زندہ ہونیکی حالت میں ہی قبر میں رکھا گیا۔ متی باب ۲۷ آیت ۶۰ میں لکھا ہے کہ قبر کے دروازہ کے آگے ایک بڑا پتھر رکھ دیا گیا۔ پھر لوقا باب ۲۴ آیت ۱ و ۲ میں لکھا ہے کہ اتوار کے دن سویرے ہی کئی عورتیں خوشبوئیں وغیرہ لیکر قبر پر آئیں اور اُنہوں نے پتھر کو ہٹا ہُوا پایا اور پھر وہ اندر بھی گئیں تو مسیح وہاں نہ تھا۔ اِن بیانوں سے اول تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کو عام لاشوں کیطرح مٹی میں نہیں دبایا گیا صرف ایک بڑے کوٹھے میں رکھ کر دروازے کے آگے ایک پتھر دیدیا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ روشنی اور ہوا کی آمد و رفت کے عمداً سوراخ رکھے گئے اور مُنہ کو بالکل بند نہیں کیا گیا۔ عورتوں کے قبر کے اندر چلے جانے سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ وہ جگہ قبر کیطرح ایک لاش کے دفن کرنیکی جگہ نہ تھی بلکہ ایک وسیع کوٹھے کیطرح تھی جسمیں پانچ سات اشخاص ایک ہی وقت جا سکتے تھے اور اسکا ایک دروازہ بھی تھا جو صرف عارضی طور پر بند کیا گیا تھا تا آمد و رفت ہو سکے۔ عورتوں کے تیسرے روز مصالحہ اور مرہمیں لیکر آنا بھی اسی بات کی دلیل ہے کہ وہ یسوع کو زندہ سمجھتی تھیں۔ مصالحہ اور خوشبوئیں لاش کے پاس لیکر آنیکے کیا معنے اور وہ بھی تیسرے دن جب لاش سڑ گل چکی ہو اور اُسکے پاس انسان آ بھی نہ سکتا ہو۔ پھر یہ امر قابل غور ہے کہ عورتوں نے پتھر کو دروازے سے ہٹا ہُوا پایا

اِس سے ظاہر ہے کہ مسیح بغیر پتھر کے دروازے سے ہٹائے جانیکے باہر نہ آسکتا تھا - اگر جلالی جسم ہوتا تو پتھر کے ہٹانے کی کیا ضرورت تھی - اور اگر مسیح کے فرضی جی اُٹھنے کے بعد بھی اسکا جسم ایسا ہی تھا کہ وہ بغیر پتھر کو ہٹائے جانے کے باہر نہ نکل سکتا تھا تو یہ یقینی اور قطعی امر ہے کہ ایسے جسم کے ساتھ وہ آسمان پر بھی نہ چڑھ سکتا تھا - اور قبر سے نکلنے کے بعد جسم کی کوئی تبدیلی نہ ہوئی جیسا کہ انجیلوں سے ظاہر ہے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ یسوع نے قبر سے نکلتے ہی بھیس بدل لیا چنانچہ جب مریم نے اسے دیکھا تو وہ پہچان نہیں سکی بلکہ ایک دو باتیں اِس سے کیں تو بھی نہیں پہچانا - اور اسی طرح پر دو حواری بھی حالانکہ بہت دُور تک اسکے ساتھ چلتے رہے اور باتیں کرتے رہے اسے پہچان نہ سکے - اور اسے ایک دیہاتی آدمی خیال کرتے رہے - مریم نے بھی اسے باغبان سمجھا تھا - چنانچہ اس نے کہا کہ اے باغبان! حالانکہ اسکا مخاطب مسیح تھا - کہاں خدائی اور کہاں باغبانی - اور یہ بھی خیال تھا کہ باغبان کے کپڑے پہن لئے اُسی طرح شکل بنالی - اور پھر باوجود بھیس بدلنے کے بھی اُسے اندیشہ رہا کہ یہودیوں کو خبر نہ ہو جائے اور چُھپکے سے مریم کو یہی کہا کہ مت چھو یعنی میرے پکڑے جانیسے نہ ڈر بلکہ میرے دوستوں کو اطلاع دیدے کہ وہ گلیل کو چلیں اور مصلحت بھی اسی میں تھی کہ یروشلم میں تو نیا نیا شور پڑا ہُوا تھا وہاں اگر حواریوں سے مِلتا تو شاید دشمنوں کو بھی اطلاع ہو جاتی - اِسلئے اِسنے مناسب یہی خیال کیا کہ اکیلا اور بھیس بدلکر سفر کرے کیونکہ اگر حواریوں سے مِلتا تو ضرور پکڑا جاتا - گلیل میں پہنچکر بھی حواریوں کے پاس جب آیا تو دروازے بند کر دئے گئے تا کوئی دشمن اندر نہ آجائے - اور اس کے بھاگنے کی یہودیوں کو اطلاع نہ ہو جائے - اگر جلالی جسم تھا تو ان احتیاطوں کی کیا ضرورت تھی اور کیوں یروشلم میں حواریوں سے بھی نہ ملا - یہودی تو ایک طرف رہے اسکی وجہ صرف یہی تھی کہ وہ چپکے سے اِس ملک سے الگ ہونا چاہتا تھا - اور اگر یہودیوں کو افواہ بھی پہنچ جاتی تو پھر اُسکی جان کی خیر نہ تھی -

اب یہ قصہ جو انجیلوں میں بیان کیا گیا ہے قابلِ غور ہے ایک آدمی تین گھنٹہ کے لئے صلیب پر لٹکایا جاتا ہے - اور کوئی تاریخی شہادت اس امر کی نہیں ملتی کہ صلیب پر تین گھنٹہ میں کوئی آدمی مرگیا ہو صلیب سے اُتارے جانیکے بعد اسکی ہڈیاں توڑی نہیں جاتیں - جو آدمی اِسکے ساتھ ہی صلیب پر چڑھائے گئے اور ساتھ ہی اُتارے گئے وہ زندہ ہی تھے - جب اسکی پسلی میں ذرا نیزہ کا سرا چبھویا گیا تو وہاں سے خون نکلا - کوئی طبی شہادت لی نہیں گئی کہ واقعی یہ شخص مرچکا ہے - دُوسرے مجرموں کی لاشوں کیساتھ اُسکا جسم نہیں رکھا گیا بلکہ ایک دولتمند مُرید کے سپرد کیا گیا جس نے ہر طرح سے

اسکی خبر گیری کی اور سب علاج کئے۔ بجائے قبر میں دفن کئے جانیکے اسے ایک وسیع کوٹھے میں رکھا گیا جس کا ایک دروازہ بھی تھا اس کے دوست اور رشتہ دار تیسرے دن اسے دیکھنے بھی آئے۔ پتھر کو دروازے سے ہٹائے جانیکے بغیر وُہ قبر سے نہ نکل سکا۔ باہر نکلتے ہی باغبان کا بھیس بدل لیا۔ (قبر بھی ایک باغ میں ہی تھی) اپنے دوستوں اور حواریوں کو وہاں ملنا پسند نکیا جہاں اسکے پکڑے جانیکا اندیشہ تھا جبھی کہ چلنے کے قابل ہؤا اُس شہر سے بھاگ گیا جہاں یہ سب مصیبت اُسکے سر پر آئی تھی۔ ستر میل تک پا پیادہ گیا۔ جب سفر کا تھکان معلوم ہؤا تو آرام بھی کیا۔ بھوک اور پیاس لگی تو اپنے دوستوں سے کھانا مانگا۔ معمولی انسانوں کی طرح کھاتا اور پیتا رہا۔ کیلوں کے زخم جو صلیب سے اسکوں پر آگئے تھے وہ اپنے دوستوں کو دکھائے۔ اور اپنے آپ کو خفیہ اور بھیس بدلے رکھا۔ کون عقلمند کہہ سکتا ہے کہ یہ شخص تمام طاقتوں کا مالک خدا تھا جو آسمان پر چڑھنے کی طیاریاں کر رہا تھا۔ ان واقعات سے تو صاف اور سیدھا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا کیونکہ اسقدر تھوڑے وقت میں کوئی انسان صلیب پر مر ہی نہ سکتا تھا صلیب سے اُتارے جانے کے بعد عمداً ان تمام امور سے پرہیز کیا گیا جو اسکی موت کا باعث ہو سکتے تھے۔ ہوش میں آکر ایک دن اور دو راتوں کے بعد اس نے ایک باغبان کا بھیس بدل لیا اور اکیلا وہاں سے بھاگ نکلا وُہی گوشت اور ہڈیوں کا جسم تھا اور وہی کمزوریاں اور خواہشیں تھیں جو صلیب سے پہلے بھی موجود تھیں اور ان لوگوں کے ظلموں سے تنگ آکر آخر کہیں اور پناہ جا لی۔ یہ حضرت مسیح کا قصہ ہے اور ہر ایک عقلمند صاف سمجھ سکتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں مرے بلکہ بھاگ کر کہیں اور پناہ گزین جا ہوئے۔

(باقی آئندہ)

مسیح موعود کی لائف اور مشن

(اُنکے اپنے الفاظ میں)

مَیں کچھ مختصر حال اپنا بیان کرتا ہوں - اور وُہ جو خدا یتعالیٰ کے فضل میں سے میرے حصے میں لکھا گیا اور میری دعوت میں داخل کیا گیا کسی قدر اسکو لکھتا ہُوں کیونکہ مَیں حکم دیا گیا ہُوں کہ وہ دعوت تم تک پہنچاؤں اور قرض کیطرح اسکو ادا کروں - سو واضح ہو کہ مَیں خاندان عزت اور ریاست سے ایک آدمی ہُوں اور میرے بُزرگ امیر اور صاحب مُلک تھے اور مجھے خبر دیگئی ہے کہ وہ سمرقند سے اس ملک میں آئے تھے اور وقت کے بادشاہ نے اُنکو حکومت و امارت کیخدمت سپرد کی تھی اور فوج اور تلوار ان کو دیگئی تھی پس جبکہ اس مُلک پر سکھوں کا زور اور تسلط ہُوا اور فساد انگیزی میں اُنہوں نے حد سے تجاوز کیا - تو اسوقت یہ اتفاق ہُوا کہ سکھوں نے ہمارا ملک اور تمام املاک چھین لیں - اور ہمیں قید کر دیا - پھر ہم محض انکے ظلم کی وجہ سے اپنے دار الریاست سے نکالے گئے اور وہ دِن سردی کے دِن تھے اور سخت سردی پڑتی تھی پس ہمارے بزرگ رات کیوقت سردی سے کانپتے ہوئے اپنے دار الریاست سے نکلے اور مارے غم کے ایسے تھے جیساکہ کوئی گھٹنوں پر گرا جاتا ہے - تب اُنہوں نے ایک اَور ریاست میں ایک عارضی رہائش اختیار کی اور اُس ریاست نے کسی قدر نیک سلوک اُنکے ساتھ کیا اور بغیر کسی سوال کے ان کی ہمدردی کی اور ان کی تنگدستی کے کچھ نشان دیکھ کر اُن پر رحم کیا اگرچہ انکا سلوک بُہت کم اور ناکافی سلوک تھا - پھر جب زمانہ دولت برطانیہ کا آیا اور شیطانی غارتوں کا وقت گذر گیا تو ہم اس سلطنت کے ذریعہ سے امن میں آگئے اور ہمارے بزرگوں نے پھر اپنے وطن کی طرف معہ رفیقان سفر کے مراجعت کی اور خُدا تعالیٰ کا شکر کرتے تھے اور بعض دیہات ہمارے اور بعض مال ہمارے ہمیں واپس دئے گئے اور ہمارا بخت برگردیدہ پھر ہماری طرف آیا اور دو خوشیاں باغوں کے پھولوں کیطرح ہمارے وجود میں پھوٹ نکلیں - ایک امن کی خوشی اور دوسرے دینی آزادی کی خوشی اور مجھے اپنے معظم اور مکرم بزرگوں کی ریاست سے کچھ حصہ نہیں ملا اور مَیں اپنے باپ کی موت کے بعد محرموں کی طرح ہو گیا اور میرے پر ایک ایسا زمانہ گذرا ہے کہ بجز چند گاؤں کے لوگوں کے اَور کوئی مجھ کو نہیں جانتا تھا یا کچھ اِرد گرد کے دیہات کے لوگ تھے کہ رُوشناس تھے اور میری یہ حالت تھی کہ اگر مَیں کبھی سفر سے

اپنے گاؤں میں آتا تو کوئی مجھے نہ پوچھتا کہ تو کہاں سے آیا۔ اور اگر میں کسی مکان میں اُترتا تو کوئی سوال نہ کرتا کہ تو کہاں اُترا ہے اور میں اِس گمنامی اور اِس حال کو بہت اچھا جانتا تھا اور شہرت اور عزت اور اقبال سے پرہیز کرتا تھا اور میری طبیعت کچھ ایسی واقع تھی کہ میں پوشیدہ رہنے کو بہت چاہتا تھا اور میں ملنے والوں سے تنگ آجاتا تھا اور کوفتہ خاطر ہوتا تھا یہاں تک کہ میرا باپ مجھ سے نومید ہوگیا اور سمجھا کہ یہ ہم میں ایک شب باش مہمان کی طرح ہے جو صرف روٹی کھانے کا شریک ہوتا ہے اور گمان کیا کہ یہ شخص خلوت کا عادی ہے اور لوگوں سے وسیع گھر کے ساتھ میل جول رکھنے والا نہیں۔ سو وہ مجھے اِس عادت پر غصہ سے اور تیز کاردوں سے ملامت کرتا اور مجھے دن رات اور ظاہر اور در پردہ دُنیا کی ترقی کے لئے نصیحت کیا کرتا تھا اور دُنیا کی آرائشوں کیطرف رغبت دیتا تھا اور میرا دِل خدا کی طرف کھنچا جا رہا تھا اور ایسا ہی میرا بھائی مجھے پیش آیا اور وہ ان باتوں میں میرے باپ سے مشابہ تھا۔ پس خدا نے ان دونوں کو وفات دی اور زیادہ دیر تک زندہ نہ رکھا اور اُس نے مجھ کہا کہ ایسا ہی کرنا چاہئے تھا تا تجھ سے خصومت کرنے والے باقی نہ رہیں اور اُنکا الحاح تجھ کو ضرر نہ کرے پھر میرے رب نے مجھے عزت اور بزرگی کے گھر کی طرف کھینچا۔ اور مجھے اِس بات کا علم نہ تھا کہ وہ مجھے مسیح موعود بنا دیگا اور اپنے عہد مجھ میں پورے کریگا اور میں اِس بات کو دوست رکھتا تھا کہ گمنامی کے گوشہ میں چھوڑا جاؤں اور میری تمام ذلّت پوشیدہ اور گم رہنے میں تھی میں دُنیا اور دین کی شہرت کو نہیں چاہتا تھا۔ اور میں ہمیشہ اپنی کوشش کی اُونٹنی اسی طرف چلاتا گیا کہ میں فانیوں کی طرح پوشیدہ رہوں پس خدا کے حکم نے میرے پر غلبہ کیا اور میرے مرتبہ کو بلند کیا اور مجھے دعوتِ مخلوق کیلئے حکم کیا اور چرچا کیا کہ وہ احکم الحاکمین ہے۔

حِبٌّ لنا فنحبّہ ونحبّب — وعن المنازل والمراتب نرغبُ
إنّي أرى الدنیا وبلدۃ أھلھا — جدبت وأرض ودادنا لا تجدبُ
یتمایلون علی النعیم وإنّنا — ملنا إلی وجہ یسرّ ویطربُ
أنا تعلقنا بنور حبیبنا — حتی استنار لنا الذي لا یحجبُ
سبّوا وما أدري لأيّ جریمۃ — سبّوا أنعصي الحبّ أو نتجنّبُ
أقسمت أنّي لن أفارقہ ولو — مزّقت أسود جثتي أو أذئبُ
ذھبت ریاسات الأناس بموتھم — ولنا ریاسۃ خلّۃ لا تذھبُ

سے ہمارا ایک دوست ہے اور ہم اُسکی محبت سے پُر ہیں۔ اور مراتب اور منازل سے ہمیں بے رغبتی اور نفرت ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ دُنیا اور اسکے طالبوں کی زمین قحط زدہ ہو گئی یعنی جلد تباہ ہو جائیگی اور ہماری محبت کی زمین کبھی قحط زدہ نہیں ہوگی۔ لوگ دُنیا کی نعمت پر جُھکتے ہیں مگر ہم اس مُنہ کیطرف جُھک گئے ہیں جو خوشی پہنچانے والا اور طرب انگیز ہے۔ ہم اپنے پیارے کے دامن سے آویختہ ہیں ایسے کہ جو صاف اور شفاف نہیں ہوسکتا وہ بھی ہمارے لئے منوّر ہو گیا۔ انہوں نے گالیاں دیں اور مَیں نہیں جانتا کیوں دیں کیا ہم اُس دوست کی مُخالفت کریں یا اُس سے کنارہ کریں مَیں نے قسم کھائی ہے کہ مَیں اُس سے علیحدہ نہیں ہونگا اگرچہ شیر یا بھیڑیئے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں لوگوں کی ریاستیں انکے مرنے کے ساتھ جاتی رہیں اور ہمارے لئے دوستی کی وہ یاست ہے جو قابلِ زوال نہیں۔

اور اسیطرح مَیں لوگوں سے منقطع ہو چکا تھا اور دُنیوی صلح اور جنگ سے فارغ ہو کر خدا تعالےٰ کی طرف جُھک گیا تھا اور مَیں ابھی نوجوان تھا کہ اس بات کو جانتا تھا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے ایک امرِعظیم کیلئے پیدا کیا ہے۔ اور میری طبیعت ترقی اور قربِ رب العالمین کو چاہتی تھی۔ اور میری طبیعت کا سونا خاک کی جڑھ میں چمک رہا تھا۔ بغیر اسکے کہ وُہ کھود کر نکالا جائے اور ظاہر کیا جائے۔ اور میرا باپ میرے معاملہ میں غمگین رہتا تھا اور میری آہستگی کی خصلت اور دُنیا کے کاموں میں شوخ اور چالاک نہ ہونا اسکو فکر اور غم میں رکھتا۔ اور وہ اس کوشش میں تھا کہ تا ہم اقبال کے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جائیں اور اپنے بزرگوں کیطرح دولت اور امیری کو پالیں۔ حاصلکلام یہ کہ میرے باپ کا ارادہ تھا کہ ہم دُنیا کے اعلےٰ سے اعلےٰ مراتب پر پُہنچ جاویں۔ لیکن خُدا نے میرے لئے ایک اَور رتبہ کا ارادہ کر رکھا تھا پس جو خُدا نے چاہا وُہی ہُوا۔ اور اس نے سخت سیاہ رات میں جسکے سیاہ اور لمبے بال تھے نور عطا فرمایا اور میرے دِل کو اُمتوں اور قوموں کے روشن کرنیکے لئے روشن کیا اور میرے پر احسان کیا اور مجھے مسیح موعود بنایا جیسا کہ قدیم سے اسکا وعدہ تھا۔ پھر طرح طرح کی مددوں کے ساتھ میری تائید کی اور اپنے نشان دکھلائے اور میرے لئے آسمان پر کسوف خسوف ظاہر کیا تاکہ دعوے کی راہ چمکے اور کہانیوں کی راہوں کیطرح نہ ہو۔ اور جب مَیں نے اپنے مسیح موعود ہونے کی لوگوں کو خبر کی تو یہ بات اس ملک کے لوگوں پر بہت شاق گذری اور مجھے اُنہوں نے کافر ٹھہرایا اور میری تکذیب کی اور قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کرتے اگر حکام کا خوف نہ ہوتا۔ اور وہ یہ حجت پیش کرتے تھے

کہ مسیح آسمان سے اُتریگا۔ جیساکہ کتابوں میں لکھا ہے اور اُسپر اکابر فضلا کا اتفاق ہے اور وہ اسی
پر اصرار کرتے تھے اور ہمنے اِن کو سُنایا مگر انہوں نے نہ سُنا اور ہمنے سمجھایا مگر انہوں نے نہ سمجھا
پس ہمنے ارادہ کیا کہ اس دعوت کو دوسری قوموں تک پہنچاویں اور ان کو پہلو بپہلو گواہ بناویں اور
منکروں پر دوبارہ حجت قائم کردیں اور خدا سے ہم مدد چاہتے ہیں اور وہی بہتر آقا اور وہی بہتر مددگار ہے۔

اے زمین سُن جو مَیں کہتا ہوں اور اے آسمان گواہ رہ

اے بھائیو! مَیں اللہ جلشانہ سے الہام دیا گیا ہوں اور علوم ولایت میں سے مجھے علم عطا ہوا ہے
پھر مَیں صدی کے سر پر مبعوث کیا گیا تا اِس اُمت کے دین کی تجدید کروں اور ایک حکم بنکر ان کے
اختلافات کو درمیان سے اُٹھاؤں اور صلیب کو آسمانی نشانوں کیساتھ توڑوں اور قوت الٰہی سے
زمین میں تبدیلی پیدا کروں۔ اور اللہ تعالےٰ نے الہام صریح اور وحی صحیح سے مجھے مسیح موعود اور مہدی معہود
کے نام سے پکارا اور مَیں فریبیوں میں سے نہیں اور نہ مَیں ایسا ہوں کہ میری زبان پر جھوٹ
جاری ہوتا اور مَیں لوگوں کو بدی میں ڈالتا اور جھوٹوں کے انجام کو آپ لوگ جانتے ہیں بلکہ یہ
خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہے اور باوجود اسکے مَیں نے اپنے نفس پر یہ تنگی کر رکھی تھی کہ مَیں کسی الہام
کی پیروی نہ کروں مگر بعد اسکے کہ بار بار خدا تعالیٰ کی طرف سے اِسکا اعلام ہو۔ اور قرآن اور
حدیث سے بکلی موافق ہو اور پوری پوری مطابقت ہو۔ پھر اس کارروائی کے لئے ایک یہ شرط
بھی میری طرف سے تھی کہ مَیں الہام کے بارے میں اسکے کناروں تک نظر ڈالوں اور بغیر مشاہدہ
خوارق کے قبول نہ کروں۔ پس بخدا کہ مَیں نے اپنے الہام میں ان تمام شرطوں کو پایا اور مَیں نے اسکو
سچائی کا بلاغ دیکھا نہ اُس خشک گھاس کیطرح جسمیں سانپ ہو۔ پھر یہ الہام اُس وقت مجھے ملا
جبکہ میرے جگر کے ٹکڑے خدا تعالےٰ کے شوق میں اُڑے اور عشاق الٰہی کی موت میرے
پر آئی اور کئی قسم کے جلانے سے مَیں جلایا گیا اور کئی قسم کے خونوں سے مَیں کوٹا گیا اور اہل و
عیال سے میرا دل کاٹا گیا یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کا فعل پورا ہوگیا اور میرا راستہ کھولا
گیا اور میرے چاند کا نور مجھ میں بھر آگیا۔ پس اس سے مجھے دو حصے ملے۔ الہام کا نور اور
عقل کا نور۔ اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے اور کوئی اسکے فضل کو رد نہیں کرسکتا۔

پھر میرے الہام غیب کی پیشگوئیوں سے بھرے ہوئے ہیں اور غیب اللہ جلشانہ کی ذات سے
خاص ہے اور ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر اُس شخص کو پورا غلبہ بخشے جو فاسد الخیال

اور دُنیا کا چاہنے والا ہے- کیا خدا ایسے آدمی کو دوست پکڑ سکتا ہے جس نے ہلاکت کی دام محض فریب کی راہ سے بچھائی اور لوگوں کو گمراہ کیا اور ہدایت کی اور دین اسلام کو دشمنوں کی طرح ضرر پہنچایا- اور نورِ صدق سے اسکے مطلع کو روشن نہ کیا- اور اسکی غمخواری میں نہ کبھی صبح کی اور نہ شام اور اس کی اصلاح کے لئے کچھ تگ و دو نہ کی بلکہ اپنے جھوٹ کیساتھ ذہنوں کا زنگ بڑھایا اور اپنے افترا کی باتوں کے ساتھ اُمت میں فتنہ کی گرد و غبار پیدا کردی- نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالےٰ مفتریوں کو رسوا کرتا اور انکی جڑھ کاٹ کر اُن کے ساتھ انکو ملا دیتا ہے جو اُنسے پہلے لعنت کئے گئے ہیں-

اور پھر یہ بات یاد رکھو کہ ایک مُدت سے مجھے الہام ہو رہا تھا جسکو مَیں نے لوگوں سے ایک عمر تک چھپایا اور اپنے تئیں ظاہر نہ کیا پھر مَیں ظاہر کرنے کے لئے مامور ہُوا تب مَیں نے حکم کی تعمیل کی- اور تمہیں حدیثیں پہنچ چکی ہیں اور تم سُن چکے ہو کہ مسیح موعود اور مہدی موعود صلیب کے غلبہ کے وقت ظاہر ہوگا- اور صلیبی خرابیوں اور گمراہیوں کی تلافی کریگا اور مستعد لوگوں کو ہدایت دیگا- اور جنکو ان کے نفسانی ننگ اور سرکشی قبول کرنے سے روکیگی وہ اتمام حجت کے حربہ سے مقتولوں کی طرح ہو جائیں گے- اور مسیح میں نزول کا لفظ اِسلئے استعمال کیا گیا تاکہ اِس بات کیطرف اشارہ ہو کہ مسیح زرہ اور ہتھیاروں کے ساتھ ظاہر نہیں ہوگا اور کوئی لڑائی اسکو پیش نہیں آئیگی بلکہ اسکی بادشاہت آسمان میں ہوگی اور اُسکا حربہ اُسکی دُعا ہوگی-

خُدا تعالےٰ کی عادت یُوں جاری ہُوئی ہے کہ وہ بروقت کسی فساد کے تجدید دین کے لئے از سرِ نو توجہ فرماتا ہے- پس اسی لئے اس نے میرے پر تجلی کی تاکہ اجساد میں رُوح پھونکے اور مجھے مسیح اور مہدی بنایا اور تمام سامان رشد کا مجھے عطا فرمایا اور مجھے وصیت کی کہ مَیں نرم زبانی اختیار کروں اور سختی اور افروختہ ہونے کو چھوڑ دُوں- مگر کسر صلیب کا لفظ جو حدیثوں میں آیا ہے وہ بطور مجاز کے استعمال کیا گیا ہے اور اِس سے مُراد کوئی جنگ یا دینی لڑائی اور درحقیقت صلیب کا توڑنا نہیں ہے اور جس شخص نے ایسا خیال کیا اُس نے خطا کی ہے بلکہ اِس لفظ سے مُراد عیسائی مذہب پر حجۃ پُوری کرنا اور دلائل واضح کے ساتھ صلیب کی شان کو توڑنا ہے- اور ہمیں حکم ہے کہ ہم نرمی اور حلم کے ساتھ حجت کو پُوری کریں اور بدی کے عوض میں بدی نہ کریں مگر اُس صورت میں جب کوئی شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے اور اہانت کرنے اور فحش گوئی میں حد سے بڑھ جائے پس ہم عیسائیوں کو گالی نہیں دیتے اور دشنام اور فحش گوئی اور ہتک عزت سے پیش نہیں آتے اور

ہم صرف ان لوگوں کی طرف توجہ کرتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بصراحت یا اشارات سے گالیاں دیتے ہیں۔ اور ہم اُن پادری صاحبوں کی عزت کرتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نہیں دیتے اور ایسے دلوں کو جو اس پلیدی سے پاک ہیں ہم قابل تعظیم سمجھتے ہیں اور تعظیم تکریم کے ساتھ اُنکا نام لیتے ہیں اور ہمارے کسی بیان میں کوئی ایسا حرف اور نقطہ نہیں ہے جو اُن بزرگوں کی کسرِشان کرتا ہو اور صرف ہم گالی دینے والوں کی گالی انکے مُنہ کی طرف واپس کرتے ہیں۔ تا ان کے افترا کی پاداش ہو۔

تین نام ہیں جو احادیث صحیحہ میں بتصریح مذکور ہیں۔ یعنی حکم اور مہدی اور مسیح۔ اور جیسا کہ روایت کیا گیا ہے حکم کے نام کی یہ وجہ ہے کہ مسیح موعود اُمت کے اختلاف کے وقت میں ظاہر ہوگا اور ان میں اپنے قول فیصل کے ساتھ وہ حکم دیگا جو قریب انصاف ہوگا اور اس کے زمانہ کے وقت میں کوئی عقیدہ ایسا نہیں ہوگا جسمیں کئی قول نہ ہوں۔ پس وہ حق کو اختیار کرے گا اور باطل اور گمراہی کو چھوڑ دیگا۔ اور مہدی کے نام کی وجہ جیسا کہ روایت کیا گیا ہے یہ ہے کہ وہ علم کو علماء سے نہیں لیگا اور خدا تعالےٰ کے پاس سے ہدایت پائیگا جیسا کہ اللہ جلشانہٗ نے اپنے نبی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی طریق سے ہدایت دی۔ اس نے محض خُدا سے علم اور ہدایت کو پایا۔ اور مسیح کے نام کی وجہ جیسا کہ روایت کیگئی ہے یہ ہے کہ وہ دین کی اشاعت کے لئے تلوار اور نیزہ سے کام نہیں لیگا بلکہ تمام مدار اسکا آسمانی برکتوں کے چھونے پر ہوگا اور اُسکا حربہ قسم قسم کی تضرع اور دُعا ہوگی۔ پس خُدا کا شکر کرو کہ وہ تمہارے زمانہ اور تمہارے ملک میں موجود ہے اور وہی تو ہے جو اسوقت تم سے کلام کر رہا ہے اور یہ وہ دن ہے جس میں برکات نازل ہو رہے ہیں اور نشان ظاہر ہو رہے ہیں اور ایمان کا مسافر اپنے وطن کیطرف رجوع کر رہا ہے۔ اور اُس کے معدن سے علم کے موتی نکل رہے ہیں یہ وُہ دن ہے جس سے کُفار کے دلوں میں دھڑکہ بیٹھ گیا ہے اور غلبۂ رقت کی وجہ سے ابرار کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمہ ظاہر ہو رہے ہیں۔ یہ دن غافلوں کے جاگنے کا دن اور بھاگنے والوں کی رقتِ قلب کا دن ہے۔ اور یہ دن قبول اور رد کا دن ہے۔ اسمیں قبول کرنے والوں کے مُنہ کُشادہ اور خنداں اور پہچاننے والے ہیں۔ اور رد کرنے والوں کے مُنہ تُرش اور بدشکل اور ناشناس ہیں۔ اور جس نے صادق کے پاس آکر اسکی تصدیق کی اُس نے نئے سرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور اپنے امر متفرق کو

جمع کرلیا اور جس نے اعراض اور انکار کر کے صادق کی تکذیب کی وہ شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہوگیا۔ اور کچھ نہ ڈرا۔ یہ میرا قول نہیں بلکہ یہی خدا تعالےٰ نے تاکیداً فرمایا ہے۔ میرے مبعوث ہونے کے ساتھ تمام زاہد اور عابد آزمائے گئے۔ اور مجھے وہی دل جانتے ہیں جو بدلائے گئے اور مستقیم کئے گئے۔ مگر اس ملک کے اکثر علماء کا دل مرگیا اور خدا نے اُنکا نور ہدایت اور زیرکی چھین لی سو مجھے اکثر کافر کہتے ہیں اور نہیں جانتے کہ کس کو کہہ رہے ہیں اور حق سے مُنہ پھیرتے ہیں اور قبول نہیں کرتے اور خدا تعالیٰ کے نشان دیکھتے ہیں اور پھر ہدایت نہیں پاتے اور مجھے گالیاں دیتے ہیں اور میری بیخکنی کے لئے کوشش کرتے اور منصوبے بناتے ہیں اور مجھ سے اور میری جماعت سے ٹھٹھا کرتے اور بُرے بُرے نام رکھتے ہیں اور عنقریب ظالم لوگ جان لینگے کہ کہاں پھیرے جاتے ہیں۔

پھر اے بزرگوں کے گروہ آپ لوگوں کو معلوم ہو کہ مجھے کئی سال سے الہام ہو رہا ہے۔ اور مَیں اس بات کو عام و خاص پر ظاہر کرنے کے لئے حکم کیا گیا ہوں کہ وہ مسیح صدیق جس کے اُترنے کے لئے اس اُمت کو وعدہ دیا گیا ہے کہ وہ صلیبی فتنوں کے شائع ہونیکے وقت اُتریگا **وہ یہی** بندہ ہے جو صدی کے سر پر مبعوث کیا گیا اور حکم کیا گیا ہے کہ تا خدا تعالےٰ کی حجت اہل صلیب پر پوری کرے اور دلائل قاطعہ کے ساتھ اُنکے غلو کو توڑے اور تمام کفار کا قطع عذر کرے اور جو لوگ بے توشہ ہو رہے ہیں اُن کو متاع جدید عطا فرماوے اور خدا کے ڈھونڈنے والوں کو خوشخبری دے یعنے اُن لوگوں کو جو خدا تعالیٰ کی رضامندی کی راہوں کو ڈھونڈھتے ہیں۔ اور جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں۔ اس نبی پر خدا اور اُس کے فرشتوں اور تمام پاک بندوں کی طرف سے درود ہو۔ اور مَیں پہلے لکھ چکا ہوں کہ یہ وقت مسیح موعود کے ظہور کا وقت ہے۔ اور ہمارے رب کی بات صدق اور سچائی سے پوری ہوگی اور اُس نے اپنے عہدوں کو پورا کیا اور کس طرح پورا نہ کرتا اور اس کے وعدے کی مدت بہت گذر گئی تھی اور تمام نشانیاں پوری ہو چکی تھیں۔

اِسْتِغْفَارْ

زبان عربی کی ناواقفیت اور اس سچے تعلق کو جو اللہ تعالےٰ اور اسکے بندوں میں ہوتا ہے نہ سمجھنے کے باعث بہت لوگوں نے استغفار کے معنوں میں غلطی کھائی ہے۔ استغفار جیسا کہ اسکے باب استفعال سے ہونے سے صاف ظاہر ہے کسی شے کی طلب یا دُعا ہے۔ شے مطلوب کے سمجھنے کے لئے لفظ کے اصل معنوں کو دیکھنا ضروری ہے۔ استغفار غفر سے نکلا ہے جس سے مغفرت غفران وغیرہ دوسرے مصدر بھی آتے ہیں لفظ غفر کے اصل اُوّل معنے جس سے تمام دوسرے مفہوم نکالے گئے ہیں ڈھانکنے یا حفاظت کے ہیں لہذا استغفار کے اصلی معنے حفاظت کے لئے دُعا یا طلب حفاظت ہوئے باقی رہے یہ امر کہ کس سے حفاظت طلب کی جاتی ہے اور کس بارے میں حفاظت طلب کیجاتی ہے سو انمیں سے امر اول کے متعلق تو اتنا کہدینا کافی ہے کہ یہ اصطلاح مذہب اسلام کی ہے اور اسلئے یہ دُعا بھی خُدا تعالیٰ کے سواے اور کسی کے آگے نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اسلام نے صرف اللہ تعالیٰ کو ہی وہ ہستی قرار دیا ہے۔ جس سے تمام دُعائیں مانگی جانی چاہئیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اسلام میں مروج طریق استغفار کا استغفر اللہ ہی ہے جس سے بھی یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ استغفار میں حفاظت اللہ تعالیٰ سے ہی مانگی جاتی ہے اسلئے یہاں تک تو کسی عیسائی کو بھی انکار کی گنجائش نہیں ہوسکتی کہ استغفار کا اصل اور سچا مفہوم اللہ تعالےٰ سے حفاظت طلب کرنا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ حفاظت کس بارے میں ہے آیا اسکا منشاء صرف یہ ہے کہ ان بدیوں کی سزا سے حفاظت طلب کیجاوے جنکا کوئی شخص مرتکب ہو چکا ہے یا اوّلاً حفاظت خود بدی اور گُناہ سے طلب کیجاتی ہے اور پھر معنوں کو وسعت دینے سے وہ حفاظت بھی اسمیں شامل ہوجاتی ہے جو بدیونکی سزا سے طلب کیجاوے۔

ان سوالوں کے جواب کے لئے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق سے کیا تعلق ہے۔ آیا اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے پھر اس سے کوئی تعلق رکھا ہے یا نہیں سو واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ صرف خالق ہی نہیں بلکہ وہ قیوم بھی ہے۔ اور جس چیز کو اُس نے

پیدا کیا ہے اسکی حفاظت بھی کرتا ہے جیسا کہ انسان بغیر خدا تعالیٰ کی خالقیت کے عدم سے وجود میں نہ آسکتا تھا ایسا ہی بغیر اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے وہ پیدا ہونے کے بعد رہ سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کا یہ تقاضا تھا کہ وہ انسان کو پیدا کرے اور صفت قیومی کا یہ تقاضا تھا کہ جس چیز کو اُسنے اپنی صورت پر پیدا کیا تھا اسکو بگڑنے اور ہمیشہ کی تباہی سے بچاوے۔ اِنہی دو صفات کے بیان کے لئے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کے اسماء حیّ اور قیوم آئے ہیں یعنی عدم سے وجود میں لانے والا۔ اور حفاظت کرنیوالا۔ اس میں کوئی شک نہیں کرسکتا کہ انسان کی زندگی کے لئے جیسا کہ خالق کی ضرورت ہے قیوم کی بھی ضرورت ہے اب جیسا کہ خدا تعالیٰ میں یہ حفاظت کی صفت موجود ہے اسی تقاضا کو پورا کرنے کے لئے انسانی فطرت میں ایک کمزوری ہے جو اسکے مخلوق ہونیکا لازمی نتیجہ ہے۔ فطرت کی کمزوری چاہتی ہے کہ اسکا سہارا کسی پر ہو۔ قرآن شریف نے انسانی فطرت کی کمزوری کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے خلق الانسان ضعیفا یعنی انسان کی پیدائش میں ہی کمزوری رکھی گئی ہے۔ انسان کا مخلوق ہونا ہی اس کمزوری کو چاہتا تھا تا اسکا سہارا اپنے خالق پر ہو۔ انسان ہر قدم میں اسیطرح اپنے خالق کا محتاج ہے جسطرح بچہ اپنی ماں کا۔ پس ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی صفت قیوم ہونے کی ہے اور دوسری طرف انسانی فطرت کی کمزوری ہے جو کسی سہارے اور مدد کو چاہتی ہے۔ اب اگرچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی بیرونی اور اندرونی حفاظت کے لئے ہزارہا قسم کے اسباب پیدا کئے ہیں اور بن مانگے انسان کو وہ وسائل عطا کئے ہیں جن سے اس کی زندگی کا قیام ہے مگر اس میں کچھ شک نہیں ہوسکتا کہ انسان کو چونکہ عقل دیگئی ہے اسلئے خدا تعالیٰ کی بعض عنایات ایسی ہیں کہ وہ انسان کو بھی طلب کرنی چاہئیں تاکہ وہ اُن سے فائدہ اُٹھا سکے۔ ہر ایک سمجھدار آدمی اپنی فطرت کی کمزوری کو محسوس کرتا ہے۔ اور اس بات کا احساس رکھتا ہے کہ انسانی فطرت خود بخود بُری کششوں کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتی بلکہ ایسی طاقت صرف خدا تعالیٰ سے ملسکتی ہے جو تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے۔ اسلئے پھر اگر جان بُوجھ کر وہ خدا تعالیٰ سے طاقت طلب نہیں کرتا تو وہ خود خدا تعالیٰ کے اس عطیہ سے اپنے تئیں محروم رکھتا ہے جسکو وہ طلب کرتا تو اس سے فائدہ اُٹھا سکتا تھا۔ اسی مانگنے کی ضرورت کی طرف ہی قرآن شریف کی اس آیت میں اشارہ ہے جہاں یہ دُعا سکھلائی گئی ہے کہ ایاک نستعین۔ گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ فطرتی کمزوری کو پورا کرنے کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور مدد مانگا کرے۔ جیسا کسی انسان کو اس فطرتی کمزوری کا احساس زیادہ ہوگا۔

ویسا ہی خدا تعالیٰ سے زیادہ طاقت مانگیگا اور اُتنا ہی زیادہ خُدا تعالیٰ کی حفاظت و مدد کو پائیگا۔

یہاں تک یہ دلیل اسقدر روشن اور واضح ہے کہ ہم نہیں سمجھتے کہ جو شخص خُدا تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لاتا ہوا اسکو اسکے ماننے سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے۔ خُدا تعالیٰ میں قیوم ہونے کی صفت ہے اور انسان کی فطرت میں کمزوری ہے جو کسی سہارے کو چاہتی ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ فطری کمزوری کے بداثر سے محفوظ رہنے کے لئے انسان خُدا تعالےٰ کی مدد اور حفاظت کو طلب کرے۔ دوسرے لفظوں میں جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ گُناہ سے بچا ہے اُسے خُدا تعالیٰ سے حفاظت اور مدد کی دُعا کرنی چاہیئے یہی بعینہ استغفار کے اصلی اور سچے معنے ہیں کیونکہ استغفار کے اصلی معنے لُغت کی رُو سے ہم دکھا چکے ہیں یہی ہو سکتے ہیں کہ انسان خُدا تعالیٰ سے حفاظت اور مدد طلب کرے۔ اور یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ خُدا تعالیٰ کی حفاظت اور مدد کا طلب کرنا بدی سے بچنے کے لئے ضروری ہے تو گویا استغفار بدی سے بچنے کے لئے ضروری ہؤا بغیر اس بحث کے کہ کوئی انسان جو ایسی حفاظت طلب کرتا ہے گنہگار ہے یا نہیں۔ اگر گُناہ کا وجود بھی نہ ہوتا تو بھی چُونکہ انسان کا اصل سہارا خُدا ہی ہے خدا تعالیٰ سے حفاظت طلب کرنا ضروری ہوتا یا دُوسرے الفاظ میں استغفار ضروری ہوتا۔ استغفار کی ضرورت دائمی ہے تاکہ وُہ عمارت جسکو خُدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے ضائع نہ ہو جاوے۔ لیکن یہ بغیر خُدا تعالیٰ کی مدد اور حفاظت کے ممکن ہی نہ تھا۔ انسانی فطرت میں ایک طبعی تقاضا تھا جسکو پُورا کئے بغیر وہ کمال کو حاصل ہی نہ کر سکتا تھا اسی تقاضا کو پُورا کرنے کیلئے اسکو استغفار کی ہدایت کیگئی تاکہ خدا تعالیٰ کی مدد کے ساتھ فطری کمزوری کا ازالہ ہو جائے۔ خُدا تعالیٰ کی صفت خالقیت کا ظہور تو صرف پیدا کرنے کے وقت ہی ہوتا ہے لیکن اُسکی صفت قیومیت چونکہ انسان کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے اسلئے اُس کا ظہور بھی ہر وقت ضروری ہے۔ یہاں سے استغفار کی دائمی ضرورت پیدا ہوتی ہے۔

اس تمام بحث سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ **استغفار** کی سچی اور اصلی ضرورت بدی سے بچنے کے لئے ہے اور اسلئے جو سوال ہمنے ابتداء میں اُٹھایا تھا کہ استغفار میں دُعا کس امر سے حفاظت کے لئے مانگی جاتی ہے اسکا جواب یہ ہؤا کہ اوّلاً وہ امر جس سے حفاظت طلب کیجاتی ہے انسانی فطری کمزوری ہی ہے۔ انسان کی فطرت اور اللہ تعالیٰ کے صفات دونوں اس امر کے مقتضی ہیں کہ بدی سے بچنے کے لئے استغفار کیا جاوے۔ جس پہلو سے سوچا جائے یہی امر حق معلوم ہوتا ہے۔ اگر انسانی دل میں یہ خواہش ہے کہ جو بدی وہ کر چکا ہے اُس سے بچنے کے لئے دُعا کرے تو اس سے

بدرجہا بڑھ کر یہ تڑپ اُسکے دل میں لگی ہوئی ہے کہ وہ بدی سے بچایا جاوے اور نفس امّارہ کی تمام خواہشیں دبی رہ کر وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرے بلکہ یہ دوسری خواہش انسانی فطرت میں منقوش ہے اور ہمیشہ وہاں موجود ہے اور ہر ایک شخص کو خواہ اس نے گناہ کیا ہو یا نہ کیا ہو لگی ہوئی ہے۔ حالانکہ گناہ کی سزاء سے بچنے کی خواہش صرف گناہ کرنیکے بعد پیدا ہوتی ہے اور اسلیئے یہ ایک عارضی چیز ہے۔ گناہ سے نجات پاجانا ہی نجات ہے اور چونکہ ہر ایک دل میں نجات کی خواہش فطرتی طور پر لگی ہوئی ہے اسلیئے تمام انسانوں کی پہلی اور سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ وہ گناہوں سے نجات حاصل کریں۔ علاوہ اسکے گناہوں کی سزاء سے بچنے کی خواہش کبھی دل میں پیدا ہوتی ہی نہیں جبتک کہ اُسکے ساتھ یہ سچی خواہش نہ ملی ہوئی ہو۔ کہ خود گناہ سے ہی نجات ملجائے۔ سچی توبہ یہی ہے کہ انسان کا دل بدی سے بیزار ہو جائے اور گناہ سے اُسکو سخت نفرت ہو جاوے۔ ان تمام باتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑی خواہش جو انسانی دل میں ہے وہ یہی ہے کہ وہ بدی سے بچایا جاوے اور اسلیئے اگر استغفار کے ایک ہی معنے ہوتے اور اسکے معنوں میں وسعت نہ ہوتی تو وہ معنے اسکے سوائے کچھ نہ ہو سکتے تھے کہ خدا تعالیٰ سے بدی سے بچنے کے لئے دعا کیجاوے اور اسلیئے بدی کے نتائج سے محفوظ رکھے جانے کے معنے استغفار کی اہم غرض اور اصل مفہوم نہیں ہے۔

جس نتیجہ پر ہم پہنچے ہیں اسکی تائید اور طرح پر بھی ہوتی ہے اگر ہم یہ دیکھیں کہ انبیاء کی بعثت کی اصل غرض کیا ہوتی ہے تو معلوم ہو گا کہ یہ غرض بھی صرف یہی ہوتی ہے کہ وہ انسانوں کو گناہ سے نجات دیویں اور یہ غرض نہیں ہوتی کہ لوگ گناہ کرتے جاویں اور انبیاء ان کے گناہ معاف کرا کر انکو سزاء سے بچاتے جاویں۔ اسلیئے جو کام کسی نبی نے کیا ہے اُسکا اندازہ صرف اسی سے ہو سکتا ہے کہ کس قدر اسکے ذریعہ سے دُنیا نے گناہ سے نجات پائی ہے اور اسی ایک معاملہ میں انکی فضیلتوں کا بھی مقابلہ ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بزرگی اور فضیلت حاصل ہے جو اور کسی نبی کو نہیں ہوئی آپ ایسے وقت میں مبعوث ہوئے جب دُنیا پر ایک تاریکی چھائی ہوئی تھی اور عملی اور اعتقادی طور پر دُنیا ضلالت میں پڑی ہوئی تھی۔ عرب کے لوگ جو بلا واسطہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مخاطب تھے ان کی یہ حالت تھی کہ بدیوں میں غرق ہوئے ہوئے تھے اور اخلاق فاضلہ کا نام تک بھی نہ جانتے تھے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے ایک عظیم الشان تبدیلی اُن کی زندگی میں کر دکھائی اور تمام بدیوں سے جنمیں وہ مبتلا تھے اُن کو نجات دی بدی کے

انہ گڑھے سے نکالکر آپنے انکو تہذیب کے اعلیٰ معراج پر پہنچایا - اور دُنیا کو گناہ سے نجات دینے کا وہ نمونہ دیا جو محسوس اور مشہود ہے - اسی ایک بات میں یسوع کی ناکامی نظر آتی ہے - عیسائی اُسکے متعلق صرف یہی کہسکتے ہیں کہ اسکے ذریعہ گناہ معاف ہوگئے لیکن گناہ سے نجات دینے کا نمونہ انجیل کے مطابق اسکی زندگی میں کہیں نہیں ملتا اور نہ انجیلیں اس امر پر کچھ روشنی ڈالتی ہیں کہ کتنے ہزار آدمیوں کو یسوع نے اپنی زندگی میں اور اپنے وعظ اور نمونہ سے بدی سے بچایا - اور یہ جو بار بار کہا جاتا ہے کہ اُسکی موت کے بعد اسکے پیروؤں میں تبدیلی پیدا ہوگئی تھی بالکل ناقابل اعتبار بیان ہے - کیونکہ جب وہ زندگی میں کچھ نہیں کرسکا تو کون عقلمند کہسکتا ہے کہ مرکر وہ کوئی اثر ڈال سکا ہو زندگی میں تو وہ اپنے خاص مریدوں کو بھی گناہ سے نہ چھوڑا سکا - بلکہ گیاراں حواری بھی (بارھواں تو قابل ذکر ہی نہیں) عین موقعہ پر اپنے اُستاد کو چھوڑکر بھاگ گئے اور اس طرح سے ایک بڑے گناہ کے مرتکب ہوئے -

غرضیکہ انبیاء کی بعثت کی علت غائی گناہ سے نجات دینا ہوتا ہے اور قرآن میں ایسی آیتیں بکثرت موجود ہیں لیکن چونکہ یہ غرض بغیر اسکے کہ گناہ سے نجات حاصل کرنیکے لئے دُعا سکھلائی جائے حاصل ہی نہ ہوسکتی تھی - جیسا کہ خود مخالفین کے نزدیک بھی مسلّم ہے کیونکہ خدا تعالیٰ سے ہی وہ طاقت ملتی ہے جس سے انسان شیطان پر غلبہ پاسکتا ہے - اسلئے یہ ایک حیرت انگیز بات ہوگی کہ خدا کا ایک نبی اس غرض کے لئے دُنیا میں آئے اور نبی بھی وہ جسنے سب سے زیادہ دُنیا کو گناہ سے نجات دی ہو اور پھر وہ بغیر اس قسم کی دُعا کے سکھانے کے دُنیا سے چلا جائے - قرآن شریف جو بار بار تزکیۂ نفس پر اور پاکیزگی کی زندگی پر زور دیتا ہے تو کیا اسمیں وہ ذریعہ نہیں بتایا گیا جس سے انسان پاک زندگی حاصل کرسکتا ہے ؟ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لاکھوں مخلوق کو کھلے کھلے طور پر جس سے انکار نہیں ہوسکتا گناہ سے نجات دی تو کیا بغیر اس ذریعہ کے سکھانیکے تھی جس سے انسان کو گناہ سے نجات ملسکتی ہے ؟ اگر ان سوالوں کا جواب ہم ہاں میں دیں تو گویا متضاد امور اور متضاد باتوں کو اکٹھا کرینگے -

یہ تمام امور اسی بات پر شاہد ہیں کہ استغفار کی علت غائی بدی سے بچے رہنا ہے - استغفار دعا ہے جو سب دُعاؤں سے افضل ہے - یہ روزی کی روٹی کے لئے دُعا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی حفاظت اور قوت کے لئے دُعا ہے گرنے اور ٹھوکر کھانے سے بچایا جانے کے لئے دُعا ہے اور سب سے اعلےٰ اور اکمل برکات کے حاصل کرنیکے لئے دُعا ہے - یہ خدا تعالیٰ اور اسکے بندے میں شدید اور مضبوط

تعلق پیدا کرنیوالی دُعا ہے اور انسانی رُوح کا اس مقام تک پرواز کراتی ہے جو سب سے بلند مقام ہے۔ جو
شخص استغفار کرتا ہے وہ اپنے مولیٰ کے سامنے عاجز ہو کر گِر جاتا ہے وہ اپنے نفس کی کمزوری سے
کے خطروں اور اپنے مولیٰ کی طاقتوں کو خوب دیکھتا اور سمجھتا ہے وہ اپنی قوت پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ ایک
طاقتور ہستی کی حفاظت میں آجاتا ہے اور اسی سے مدد طلب کرتا ہے اسکی تمام خوشی بلکہ اسکا بہشت اسی میں ہے
کہ وہ اس مضبوط چٹان پر قائم ہو جائے اور بغیر خدا تعالیٰ کی حفاظت کے اسکی زندگی ہی نہیں ہوتی
وہ خدا تعالےٰ سے دُعا کرتا ہے کہ اسے نفس کی کمزوریوں کا مطیع ہونیسے بچاوے اور اپنی پناہ اور
اپنے سایہ میں اسکو لیلیوے وہ اپنے آپکو بالکل نیست کر دیتا ہے اور اسکے لئے جو کچھ ہوتا ہے خدا ہی ہوتا ہے
اسکی ہر دم یہی دُعا ہوتی ہے کہ وہ اپنی طاقت سے اسے انسانی کمزوریوں کی لغزش سے بچاوے اور اپنی قوت
میں سے اسکو قوت دے اور اپنے نور سے اسکو نور دے اور خود ہی اُسے ہدایت کرے۔ جو شخص ہمیشہ
استغفار کرتا ہے وہ اپنی کمزوری کو جان لیتا ہے اور اسلئے مدد اور حفاظت کے لئے ہر لمحہ خدا کی طرف
دوڑتا ہے اور اُسکا استغفار اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ وہ نفس کی کمزوریوں پر غالب آگیا اور بدی کی
کششوں کو دُور کر دیا کیونکہ وہ اپنی قوت سے نہیں بلکہ خدا کی قوت سے بڑھا اور اُسکے نور نے نازل ہو کر ان تمام
کمزوریوں کو دبا دیا جو اُسکے گناہ کا باعث ہو سکتی تھیں دانشمند انسان چونکہ اپنے نفس کی کمزوری پر آگاہی
رکھتا ہے اسلئے وہ اپنی طاقت پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ خدا تعالےٰ سے مدد طلب کرتا ہے کہ وہ گرنے اور ٹھوکر کھانے
سے بچایا جاوے اور استغفار پر اُسکا سہارا ہوتا ہے معصوم وہی ہے جو مدد کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف بھاگتا ہے
وہ اس بات کو یقیناً جانتا ہے کہ انسانی فطرت خود بخود کمال اپنے اندر نہیں رکھتی۔ بلکہ یہ کمال اُسے خدا تعالےٰ
سے حاصل ہوتا ہے اور کہ وہ خود بخود طاقت نہیں رکھتی بلکہ ایسی طاقت اُسے ہر لمحہ خدا سے ملتی ہے اور کہ
خود بخود اسکے اندر کامل روشنی نہیں بلکہ کامل روشنی اُسے خدا تعالےٰ سے ملتی ہے۔ انسانوں میں سے وہی کامل طور پر معصوم ہے
جو ہر وقت اور ہر لحظہ خدا تعالےٰ سے قوت طلب کرتا اور قوت پاتا ہے اور اسی کیلئے چلاتا اور دُعا کرتا ہے۔
یہی خدا تعالیٰ کی توحید کے راز کا اصل اصول ہے کہ عصمت کو کسی انسان کی ملکیت خاص نہ کیا جاوے بلکہ اسکا
اصل سرچشمہ خدا ہی ہے اور جو اس سے طلب کرتے ہیں وہی پاتے ہیں۔

ہم اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ استغفار کے معنے بعض حالتوں میں وسیع کئے جاتے ہیں لیکن
معنوں کی اس وسعت کے ساتھ اسکے اصل مفہوم پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور نہ اسمیں کوئی تغیر ہی آتا ہے۔ وسیع
معنوں میں استغفار سے یہ مراد ہوتی ہے کہ جو گناہ انسان سے ہو چکے ہیں اُنکی سزا سے اور بد نتائج سے

اللہ تعالیٰ سے حفاظت طلب کیجاوے۔ یہاں بھی حفاظت کے طلب کرنیکا مفہوم جو اسکے اصل معنوں میں موجود ہے پایا جاتا ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ اس صورت میں گناہ کے بدنتائج سے حفاظت طلب کی جاتی ہے لیکن ان معنوں میں یہ لفظ اُن لوگوں پر کبھی نہیں بولا گیا جنکو خدا تعالیٰ اپنے برگزیدہ اور اپنے پیارے اور مقرب لوگ بیان کرتا ہے۔ کیونکہ ان کے ساتھ خدا تعالیٰ کے یہ وعدے ہیں کہ کسی قسم کی سزا انکو نہ چھوئیگی اور وہ خدا تعالےٰ کے رحم کی گود میں بٹھائے جائینگے۔ پھر انکے استغفار کے یہ معنے کیونکر ہوسکتے ہیں کہ ان کو دوزخ سے بچایا جاوے جبکہ خدا تعالیٰ خود ان کو فرما چکا ہے کہ لا یسمعون حسیسھا یعنی وہ دوزخ کی آہٹ بھی نہ سُنیں گے۔ اگر انکے استغفار کے یہی معنے ہوتے تو پھر گویا اُنکو خدا تعالیٰ کے وعدوں پر کوئی ایمان نہ ہوا۔ وہ جسے خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ ہمنے تجھے تمام جہان کیلئے رحمت کر کے بھیجا ہے کیونکر شک کرسکتا ہے کہ اسے خدا تعالےٰ کے رحم سے حصہ ملیگا یا نہیں۔

قرآن شریف میں بکثرت ایسی آیات موجود ہیں جنسے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی اپنی ہستی کچھ نہیں ہوتی بلکہ وہ اس طرح بکُلی خدا تعالےٰ کے تصرف میں ہوتے ہیں جس طرح ایک کل انسان کے تصرف میں ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے قل ان صلوٰتی ونسکی و محیای ومماتی للہ رب العلمین ترجمہ۔ کہدے کہ میری ایسی حالت ہے کہ میری اپنی ہستی پر بالکل موت وارد ہو چکی ہے اور میری عبادت اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا خالص اور بغیر کسی ملاوٹ کے اللہ تعالےٰ کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ یہ آیت قطعی ثبوت اس امر کا ہے کہ انبیاء نہیں بولتے جبتک خدا اُن کو نہ بُلائے اور کوئی کام نہیں کرتے جبتک خدا اُنسے نہ کرائے جو کچھ وہ کہتے ہیں یا کرتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کے احکام کے نیچے کہتے یا کرتے ہیں اور اُنسے وہ طاقت سلب کی جاتی ہے جس سے خدا تعالےٰ کی مرضی کے خلاف کوئی انسان کرتا ہے وُہ خدا کے ہاتھ میں ایسے ہوتے ہیں جیسے مُردہ۔ اور اُسکی ہستی اُنپر ایسی غالب ہوتی ہے کہ ان کی اپنی ہستی پر فنا آجاتی ہے اُنکے اقوال و افعال اُسی کی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں بلکہ وہ تمام اُسی کیطرف سے ہوتے ہیں مثلاً ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی جو کام تُونے کیا وہ تُونے نہیں بلکہ خدا نے کیا۔ اور پھر کہتا ہے وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی یہ نبی اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہی بات بولتا ہے جو اُسکو خدا تعالےٰ بذریعہ وحی حکم دیتا ہے۔ ان آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو خدا تعالیٰ اپنے اقوال و افعال قرار دیتا ہے پس قرآن کریم

میں یہ صاف دعوی ہے کہ انبیاء خدا تعالے کے منشاء کے مظہر ہوتے ہیں انکی اپنی خواہشات کچھ نہیں ہوتیں بلکہ اُنکا جینا مرنا سب کچھ خدا کی خاطر ہی ہوتا ہے اور اپنی بڑائی کی اسمیں کوئی ملاوٹ نہیں ہوتی۔ اُنکی رُوح خدا تعالٰے کے آستانہ پر ایسی گری ہوئی ہوتی ہے اور ایسی خالص عظمت اسی کی چاہتی ہے کہ غیر کا اسمیں کوئی حصّہ نہیں ہوتا۔

اسی قسم کی اور آیات قرآن شریف میں بکثرت ہیں لیکن چونکہ مضمون کے طویل ہونیکا اندیشہ ہے اسلئے ہم صرف ایک اور موقع اس قسم کا نقلکر کے بس کرتے ہیں۔ سورۃ انبیاء میں یہ آیتیں ہیں:۔

وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحی الیه انه لا اله الا انا فاعبدون ۝ وقالوا اتخذ الرحمن ولدا سبحنه بل عباد مکرمون ۝ لا یسبقونه بالقول وهم بامره یعملون ۝ یعلم ما بین ایدیهم وما خلفهم ولا یشفعون الا لمن ارتضی وهم من خشیته مشفقون ۝ ومن یقل منهم انی اله من دونه فذلك نجزیه جهنم کذلك نجزی الظلمین۔ **ترجمہ**۔ اور ہمنے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا جسکو یہ وحی نہ کی ہو کہ سوائے میرے اور کوئی معبود نہیں سو میری ہی پرستش کرو اور کہا (عیسائیوں نے) رحمن نے (یسوع کو) بیٹا بنایا۔ پاک ہے وہ اس سے۔ سب نبی اس کے معزز بندے ہیں کلام کرنے میں اس سے آگے نہیں چلتے اور وہ اسی کے حکم پر کام کرتے ہیں۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے اور انکے پیچھے ہے اور وہ شفاعت نہیں کرتے مگر اُس کے لئے کہ جس سے وہ خوش ہو اور وہ اسکے خوف سے ڈرتے ہیں اور جو کوئی ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا ہوں (جیسا کہ عیسائی سمجھتے ہیں عیسیٰ نے کہا) تو ہم اسکو سزائے جہنم دینگے ظالموں کو ہم اسیطرح سزا دیتے ہیں۔ ان آیتوں کے لکھنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ انمیں انبیاء کا ہی ذکر ہے اور انبیاء کی نسبت ہی یہاں یہ کہا گیا ہے کہ وہ کوئی کلام نہیں کرتے جبتک خدا تعالٰے کلام نہ کرے اور کوئی کام نہیں کرتے جبتک خدا تعالٰی حکم نہ دے۔ گویا انبیاء کے اقوال و افعال کو خدا نے پھر اس جگہ اپنے اقوال و افعال کہا ہے۔ اور اس لئے یہ کہنا سخت غلطی ہے کہ وہ بھی کبھی خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ ان کے آنے کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کے احکام پر چلا دیں تو گویا وہ خدا کے احکام کو عملدر آمد میں لانیوالے ہوتے ہیں اسلئے اگر وہ خود ہی احکام کی خلاف ورزی کریں تو پھر وہ عملدر آمد کرانیوالے نہ رہے یا دوسرے

لفظوں میں یُوں کہو کہ نبی نہ رہے وہ خُدا تعالیٰ کے مظہر اور اسکے اقوال و افعال کے مظہر ہو گئے پس خدا تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی اُنکی طرف منسوب ہی نہیں ہو سکتی - ہم یہاں یہ بھی بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگرچہ آیات کے آخری الفاظ میں کہ جو کوئی کہے کہ مَیں خُدا ہوں صرف فرض کے طور پر ایک امر بیان کیا گیا ہے اور پھر ساتھ ہی اسکے ان الفاظ سے کہ ہم اُسے دوزخ میں ڈالیں گے اسکی نفی بھی کیگئی ہے (کیونکہ اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ اسکے صالح بندے دوزخ کی آہٹ بھی نہ سُنیں گے) لیکن تاہم ہم اِس سے اِنکار نہیں کر سکتے کہ ان الفاظ میں عیسائی عقیدہ کیطرف ایک لطیف اشارہ ہو جس نے پہلے یسوع کو خُدا بنایا اور پھر اُسے دوزخ میں بھیجا۔

غرض مُتذکرہ بالا آیات سے اور اسی قسم کی دُوسری آیات سے جو بکثرت قرآنِ کریم میں موجود ہیں۔ یہ قطعی ثبوت ملتا ہے کہ انبیاء کے اقوال و افعال کو خُدا تعالیٰ اپنے اقوال و افعال ٹھہراتا ہے اور وہ اسی طرح پھرتے ہیں جسطرح وہ اُن کو پھراتا ہے وہ اسکے ہاتھ میں ایسے بے اختیار ہوتے ہیں جیسے کہ ایک مُردہ اور بکلی اسی کے تصرف میں ہوتے ہیں اُنکے اپنے جذبات اور خواہشات کچھ نہیں ہوتے اور نہ اُن کے حرکات اور کلام اور ارادے اُنکے اپنے ہوتے ہیں۔ حرکت یا سکون - رنج یا راحت - خوشی یا غم - محبت یا عداوت - عفو یا انتقام - سخاوت یا بخل - شجاعت یا بزدلی - رحم یا غضب ان کی طرف منسوب ہی نہیں ہو سکتے کیونکہ اُن کی اپنی مرضی یا اپنے ارادے کچھ نہیں ہوتے وہ خدا تعالےٰ کے تصرّف تام میں ہوتے ہیں اور اُنکے تمام قوے اُسی کی خدمت میں لگے ہُوئے ہوتے ہیں۔

اس طرح پر اگرچہ استغفار کا اصلی اور حقیقی مفہوم خُدا تعالےٰ سے حفاظت اور مدد کی دُعا کرنی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں انہیں معنوں میں یہ لفظ بولا گیا ہے - تاہم اس کے معنے عام انسانوں کے لئے وسیع کئے گئے ہیں جن کو دونوں دُعاؤں کی ضرورت ہے - یعنی گناہ سے حفاظت کی دُعا اور گناہ کی سزا سے حفاظت کی دُعا - اِن دونوں دُعاؤں کا ایک ہی لفظ میں اکٹھا کر دینا انسانی فطرت کے صحیح علم کو ظاہر کرتا ہے اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے نزدیک صرف گذشتہ گناہوں کے لئے پچھتانے یا افسوس کرنے کا ہی نام توبہ نہیں ہے بلکہ سچی توبہ وہ ہے جسکے ساتھ سچی اور دلی خواہش گناہ سے بچنے کی اور سچا اور مضبوط ارادہ بدی سے پرہیز کرنیکا ہو استغفار ہی ہے جو انسانی فطرت کے

دونوں تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور انسان کو نجات کے لئے جن دو چیزوں کی ضرورت ہے وہ دونوں مہیا کرتا ہے اس طرح پر استغفار ہر ایک طبقہ کے انسانوں کیلئے اعلیٰ سے اعلیٰ دُعا ہے۔

استغفار کے معنے جو قرآن کریم کے رُو سے اُوپر بیان کئے گئے ہیں ان معنوں کے لحاظ سے استغفار ہی ایک سچا ذریعہ خُدا تعالیٰ سے قوّت اور طاقت طلب کرنے کا ہے اور استغفار ہی وُہ راستہ ہے جسمیں چلکر انسان معصوم رہ سکتا ہے اور کوئی سمجھ دار آدمی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن جو لوگ بجائے خُدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنیکے ایک انسان کے خُون پر بھروسہ کر بیٹھے ہیں وہ استغفار کی برکات کو نہیں سمجھ سکتے۔ انکا سہارا اور قوّت خدا ہی نہیں ہے بلکہ ایک کمزور انسان ہیں جو ان کے زعم کے مطابق صلیب پر مارا گیا وہ استغفار کو گناہ کا علاج نہیں سمجھتے۔ انبیاء کو گنہگار ٹھہراتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی بے ادبی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لاکھوں آدمیوں میں سے جو ہر زمانہ میں سوسائٹی کیلئے مضر ثابت ہونیکے سبب سے پھانسی دئے جاتے اور صلیب پر چڑھائے جاتے ہیں ایک انسان جسکو وہ تجویز کرتے ہیں ایسا تھا کہ اس کے صلیب پر مرنے سے تمام دُنیا کے گُناہ مُعاف ہو گئے یا کم از کم اُن لوگوں کے جو ایسا سمجھ لیں۔ وُہ انسانوں کی طرح پیدا ہوا۔ انسانوں کی کمزوریاں اور نقص اسمیں موجود تھے۔ اسیطرح بیماریاں اور دُکھ اُٹھاتا رہا۔ کبھی ایک دفعہ بھی خُدائی طاقت نہ دکھا سکا اور آخر کار مجرم کی موت مر گیا۔ لیکن پھر بھی ہمیں اسے خدا سمجھ لینا چاہئے کیونکہ پادری صاحبان کا یہ خیال ہے۔ اگر ان لوگوں کی سمجھ میں استغفار کا پاکیزہ اور اعلیٰ درجہ کا مفہوم نہ آسکے تو وُہ معذور ہیں کیونکہ ایک جھوٹے اصول نے انکی سمجھ پر پردہ ڈال دیا ہے۔

اب ہم قرآن شریف سے چند آیات پیش کرتے ہیں جہاں استغفار کو نیک آدمیوں کا اعلےٰ درجہ کا وصف بیان کیا گیا ہے اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ؕ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ (الذاریات ع) ترجمہ:۔ متقی باغوں اور چشموں کے درمیان رہینگے اور وہ نعمتیں حاصل کرینگے جو اُنکا رب اُنکو دیگا کیونکہ وہ اس سے پہلے محسن تھے۔ بہت تھوڑا حصہ رات کا سویا کرتے تھے اور سحر کو استغفار کیا کرتے تھے۔ اس آیت میں استغفار کو پرہیزگاری اور نیکی کا بڑا موجب ٹھہرایا

اور بڑا اجر ان کو دیا گیا لفظ احسان جو اس آیت میں آیا ہے اسکے معنے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دئے ہیں یعنی اسطرح پر خدا کی عبادت کرنا کہ گویا کہ انسان اُسے دیکھ رہا ہے یا کم از کم یہ کہ وہ انسان کو دیکھ رہا ہے۔ لیکن جو شخص اس منزل تک پہنچ جاتا ہے کہ گویا کہ وہ خدا کو دیکھتا ہے تو پھر وہ گناہ بھی نہیں کرسکتا کیونکہ پھر وہ دیکھتا ہے کہ وہ طاقتور ہستی جس کے حضور وہ کھڑا ہے ایک دم میں اُسکو تباہ کرسکتی ہے اگر وہ اُسکے احکام کی خلاف ورزی کرے۔ اسلئے وہ گناہ سے ایسا بچتا ہے اور ڈرتا ہے جیسا ایک شخص آگ میں ہاتھ ڈالنے سے ڈرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آگ جلادیگی اب آیت مذکورہ بالا میں یہ بیان ہے کہ برکات و انوار الٰہی محسنوں کو دئے جاوینگے۔ اور پھر کہا گیا ہے کہ محسن وہ لوگ ہیں جو رات کا بہت تھوڑا حصہ سوتے ہیں اور صبح کے وقت استغفار کرتے ہیں۔ اگر استغفار کے صرف یہی معنے لئے جاویں کہ گناہوں کی سزاء سے بچنے کی دُعا تو آیت بالکل بے معنی ہو جاتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو لوگ رات کو خدا تعالےٰ کے حضور کھڑے ہو کر گذاریں صبح ہوتے ہی وہ گناہوں کی معافی میں لگ جائیں گویا کہ وہ اپنی عبادت اور خدا کے حضور کھڑا ہونے کو گناہ سمجھتے ہیں اور رات کو یہ گناہ کر کے صبح کو اُنکی معافی طلب کرتے ہیں۔ لیکن اگر استغفار کے اصل معنے لئے جاویں تو آیت کے معنے بالکل صاف ہیں یعنی کہ جن لوگوں کو یہ طاقت ملتی ہے کہ وہ رات کو خدا کے حضور کھڑے ہو کر گذاریں اور شیطان پر اُن کو غلبہ ملتا ہے وہ صبح کو پھر اُنہیں دُعاؤں میں مشغول ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اُن کو استقامت کی طاقت بخشے اور اور بھی اُن کو قوت دے کہ وہ اُسکی راہ میں بغیر ٹھوکر کے چل سکیں۔ ان لوگوں کو خدا تعالےٰ کی حفاظت کی اور بھی زیادہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کیونکہ ایک لذت اُن کو خدا تعالیٰ کی عبادت میں ملتی ہے اور وہ خدا تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ اُن کے نفس کی کمزوری کے سبب وہ لذت جاتی نہ رہے۔ لیکن اگر استغفار کے معنے صرف اسیقدر ہیں کہ جو گناہ کوئی انسان کر چکا ہے اُسکی سزاء سے بچنے کے لئے دُعا کیجائے تو چاہئے تھا کہ استغفار مانگنے سے پہلے کوئی گناہوں کا ذکر ہوتا نہ کہ عبادت کا۔ تاکہ بعد میں استغفار کا موقع ہوتا۔

ایسا ہی ایک دُوسرے موقع پر قرآن شریف فرماتا ہے۔ الصّٰبرین والصّٰدقین و القٰنتین والمنفقین والمستغفرین بالاسحار۔ اب یہاں امر اول غور طلب تو یہی ہے کہ استغفار کو نیکی اور راستبازی کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے۔ صبر اور صدق اور فرمانبرداری اور انفاق فی سبیل اللہ کی طرح استغفار بھی ایک نیکی ہے اور ہدایت کیگئی ہے کہ جس طرح دوسرے نیکی کے

کاموں کو انسان بجالاتا ہے اسی طرح ہمیشہ استغفار میں بھی لگا رہے اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ استغفار صرف سزا سے بچنے کیلئے ہی نہیں ہے بلکہ دوسری نیکیوں کیطرح یہ بھی بڑے بڑے برکات الٰہی کا موجب ہوتا ہے۔ پھر تمام نیکیوں کے بعد استغفار کا ذکر کرنے سے یہ بھی صاف منشاء قرآن کریم کا معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کی جڑھ استغفار ہی ہے اور جو شخص استغفار کرتا ہے اسکو یہ سب باتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ ان دونوں باتوں سے استغفار کے معنے صاف حل ہو جاتے ہیں اور یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ استغفار کا اصل اور سچا مفہوم یہی ہے کہ خدا تعالےٰ سے یہ دُعا کی جاتی ہے کہ وہ اپنے احکام پر چلنے کی طاقت انسان کو بخشے اور نفس کی کمزوریوں سے اسکی حفاظت کرے۔

استغفار کے مُتعلق صرف یہی نہیں لکھا کہ وُہ انسان کو نیکی کی طرف کھینچتا اور نیکی کی طاقت دیتا ہے بلکہ نیکیوں کے لئے خدا تعالےٰ نے مغفرت کے وعدے بھی دئیے ہیں مثلاً سورہ ھود کی اس آیت پر غور کرو اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ کَبِیْرٌ۔ صبر کیا چیز ہے اَلصَّبْرُ عَلَی الطَّاعَۃِ وَالصَّبْرُ عَنِ الْمَعْصِیَۃِ یعنی نیکیوں پر لگے رہنا اور بدیوں سے بچے رہنا۔ پس آیت کا ترجمہ یہ ہُوا جو شخص نیکیوں میں لگے رہتے ہیں اور بدیوں سے بچے رہتے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں۔ ان کو خُدا کیطرف سے مغفرت اور بڑے بڑے اجر ملینگے گویا مغفرت اعمال صالح کی جزاء ہوئی۔ اس جگہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مغفرت کے معنوں کو گُناہ کی سزا سے بچائے جانے تک محدُود کرنا غلطی ہے کیونکہ یہاں مغفرت کا وعدہ ان لوگوں کیلئے ہے جو اعمال صالح کرتے رہے ہیں اور گناہ سے بچتے رہے ہیں۔ پس یہاں مغفرت کے معنے سوائے اس کے کچھ نہیں کہ مغفرت خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ طاقت اور حفاظت ہے جسکی مدد سے نیک لوگ روحانی طور پر ترقیاں کرتے اور رُوحانیت کے اعلیٰ مدارج جو انسانی کمال کیلئے ضروری ہیں طے کرتے ہیں۔ الغرض چُونکہ مغفرت خُدا تعالےٰ کی حفاظت اور طاقت کا نام ہے اسلئے انسان ہمیشہ مغفرت کا ایسا ہی مُحتاج ہے جیسا کہ خود خُدا کا محتاج ہے نہ وہ خدا سے الگ ہو کر رہ سکتا ہے اور نہ کبھی مغفرت کو ترک کرکے رہ سکتا ہے بلکہ جیسا جیسا وہ روحانی ترقی کرتا ہے ویسے ویسے مغفرت کی ضرورت کو اور بھی زیادہ محسوس کرتا ہے۔ اور چُونکہ اسکی رُوحانی ترقی غیر محدُود ہے اسلئے کوئی وقت اسپر ایسا نہیں آتا جب اسکو استغفار یا مغفرت کی حاجت نہ ہو اسلئے خُدا کی مغفرت بہشت میں بھی بہشتیوں کو ملتی رہیگی۔

بہشت میں مغفرت کی ضرورت پر قرآن شریف نے دوسری جگہ صاف لفظوں میں فرمایا ہے
جہاں سورۂ محمدؐ میں بہشتیوں کا ذکر کیا ہے ولھم فیھا من کل الثمرات ومغفرۃ من ربھم
بہشتیوں کیلئے بہشت میں ہر قسم کے میوے اور اپنے رب کی مغفرت ہو گی۔ یہاں صاف لفظوں
میں فرمایا کہ بہشت میں بہشتیوں کو مغفرت ملتی رہے گی۔ اور پھر ایک اور آیت میں سورہ تحریم میں فرمایا
ہے یقولون ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا۔ یعنی جو لوگ بہشت میں داخل ہو جائیں گے
وُہ دُعا کرینگے کہ اے رب ہمارے ہمارے نور کو کامل کر اور ہماری مغفرت کر۔ یہ مغفرت کمال کی
خواہش جو ہمیشہ تک رہیگی صاف ظاہر کرتی ہے کہ بہشت میں ترقیات کا سلسلہ غیر متناہی ہو گا
ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ بہشت میں داخل ہونیکے بعد بھی جو ممکن ہی نہیں جبتک کہ
جس شخص نے کوئی گناہ کیا ہے اسکا گناہ معاف نہ ہو جائے پھر بھی نیک لوگوں کو مغفرت کی خواہش
ہو گی اور اُن کو مغفرت ملتی رہیگی۔ یا بالفاظ دیگر بہشتی بہشت میں بھی استغفار کرتے رہیں گے
حالانکہ اُنکے گناہ معاف ہو چکے ہونگے۔ اب استغفار کے دُوسرے معنوں کے لحاظ سے جو اسلام
کے مخالف کہتے ہیں کہ اسکے سوائے استغفار کے اور کوئی معنے ہی نہیں۔ استغفار کی غرض صرف
ان گناہوں کی سزا سے بچائے جانا ہے جو کسی شخص نے کئے ہوں۔ اسلئے جزا و سزا کے پہلے تو کوئی
شخص ان معنوں کے رُو سے مغفرت طلب کر سکتا ہے لیکن جو شخص بہشت میں داخل ہو چکا ہے
اور سزا سے بچ چکا ہے اور اُسکے گناہ اُسے معاف ہو چکے ہیں اب اُسکو کونسی سزا کا خوف باقی
ہے جو وُہ بھی استغفار کرے اور خدا اسکو کونسی سزا سے بچاتا ہے جو مغفرت دیتا ہے جب وُہ بہشت
میں داخل ہو گیا تو ہر قسم کی تکلیف اور سزا سے بچایا گیا اور ہمیشہ کیلئے سب تکلیفیں دُور ہو گئیں اور
کسی سزا کا خطرہ نہ رہا کیونکہ خُدا کا وعدہ ہے کہ بہشتی بہشت سے کبھی نکالے نہ جائیں گے۔ وما ھم منھا بمخرجین۔ پھر وہ لوگ جو بہشت میں داخل ہو چکے کیوں استغفار کرینگے اور کیوں
خدا تعالیٰ بہشت کی نعمتوں میں سے مغفرت اپنی بڑی نعمت بیان کرتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا
دو آیتوں سے ظاہر ہے یہ قطعی دلیل اس امر پر ہے کہ اس جگہ استغفار کے معنے گناہ کی سزاء سے
بچائے جانے یا گناہ سے معافی کے نہیں ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہشت میں مغفرت کے معنے کیا؟ اس دُنیا میں اور اس جسم
کے ساتھ تو گناہ کا امکان ہے جس سے حفاظت کے لئے انسان استغفار کرتا ہے مگر بہشت میں

تو نہ امکان ہوگا اور نہ شیطان کا خطرہ۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن شریف یہ بھی فرماتا ہے کہ اس دُنیا میں بھی ایسے آدمی ہیں جن پر شیطان کا کوئی تسلط نہیں ہوتا۔ چنانچہ فرمایا اِنَّ عبادی لیس لک علیہم سلطان۔ لیکن باوجود اسکے اُن بندوں کو بھی استغفار کا حکم ہے۔ ان سوالوں کے جواب کیلئے ہم ناظرین کو پھر استغفار کے اصل معنوں کیطرف اور استغفار کی ضرورت کیطرف توجہ دلاتے ہیں۔ استغفار کی ضرورت جیسا اُوپر دکھا چکے ہیں یہ ہے کہ انسان کی فطرت اور خدا کے صفات کا تقاضا بغیر استغفار کے پُورا ہی نہیں ہوتا۔ ایک تو خالق ہے جو ہر عیب اور نقص اور کمزوری سے پاک ہے اور جسکی ذات میں صفت قیومیت ہے جو چاہتی ہے کہ مخلوق کا اُسپر سہارا ہو پس جبتک مخلوق ہے یہ صفت اپنے تقاضا کو پُورا کریگی۔ پھر دوسری طرف مخلوق میں سے انسان ہے جو اپنی ذات میں کمزوری رکھتے ہیں اور کمال کے لئے وہ اپنے خالق کے محتاج ہیں جبتک کہ وہ مخلوق کی حیثیت میں ہیں۔ انہی دو باتوں سے استغفار کی ضرورت پیدا ہوتی ہے لیکن یہ امر بھی ظاہر ہے کہ خواہ انسان کتنی ہی ترقی کرے وہ مخلوق ہونے کی حیثیت سے کبھی بھی باہر نہیں رہ سکتا۔ اور ہمیشہ کیلئے خدا کا محتاج ہے جو کمال انسان اس دُنیا میں یا دوسری دُنیا میں حاصل کرسکتا ہے وہ کبھی بھی خدا کے کمال تام کے برابر نہیں ہوسکتا۔ خواہ کتنا ہی معراج وہ حاصلکرے پھر بھی مخلوق ہے اور خدا پھر بھی خالق ہے۔ اسی لئے ضرورت ہے کہ وہ ہمیشہ کیلئے استغفار بھی کرے۔ بہشت میں نیک لوگ ترقیاں کرینگے اور ہمیشہ ایک حالت سے دوسری حالت میں ترقی کرینگے اور اسلئے جب ایک حالت پر وہ پُہنچینگے تو اُس سے بلند تر حالت کی خواہش کرینگے اور پہلی حالت کو بمقابلہ اُسکے ناقص خیال کرینگے۔ اسلئے چُونکہ یہ ترقی کا سلسلہ غیر متناہی ہے مغفرت کی خواہش یا استغفار بھی کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔

اِن آیات کے علاوہ جو ہمنے اُوپر بیان کی ہیں بہت ساری اور آیات ہیں جن سے صاف صاف پایا جاتا ہے کہ عیسائیوں نے استغفار کے لطیف اور اعلیٰ مفہوم اصلی کو سمجھنے میں سخت غلطی کھائی ہے لیکن ہم اسی پر اتفاق کرتے ہیں کیونکہ اس مضمون کو اس قدر لمبا کرنا بھی ہمارا منشاء نہ تھا۔ لیکن ایک بات کیطرف یہاں ناظرین کو توجہ دلانا ضروری ہے عیسائی یہی کہا کرتے ہیں کہ آیت لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر کے جو سورۂ فتح میں نازل ہوئی ہے سوا اسکے کوئی معنے نہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اگلے اور پچھلے گناہوں کی

معافی دیتا ہے۔ چونکہ مضمون بہت لمبا ہو چکا ہے اسلئے اسجگہ ہم اصل معنے اس آیت کے بیان نہیں کرتے۔ صرف مخالفین اسلام کے معنوں کی غلطی ظاہر کرنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اس آیت کے یہی صحیح معنے ہیں یہ امر مسلم ہے کہ سورہ نصر فتح مکہ سے بعد نازل ہوئی ہے کیونکہ سورہ فتح تو فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی تھی اور سورہ نصر فتح مکہ سے بعد نازل ہوئی ہے اب سورہ نصر میں خدا تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پھر استغفار مانگنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ فرماتا ہے فسبّح بحمد ربّك واستغفره۔ جسکے معنے عیسائی صاحبان کے نزدیک یہ ہوئے کہ گناہوں کی معافی مانگتا رہ۔ لیکن گزشتہ اور آئندہ گناہ تو سب پہلے ہی اللہ تعالیٰ معاف کر چکا تھا۔ اب کونسے گناہوں کی معافی چاہتا ہے۔ اگر صحیح معنے ہردو آیات کے کئے جائیں تو یہ تضاد واقع نہیں ہوتا۔ یہ صرف غلط معنوں کا نتیجہ ہے اگر پادری صاحبان کو انصاف یا حیا کا کچھ بھی خیال ہوتا تو وہ اپنی غلطی کو تسلیم کر لیتے۔

بالآخر ہم پادری صاحبان کی ایک اور بیہودگی کیطرف ناظرین کو توجہ دلاتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ فخر کیا کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں دوسرے نبیوں کے استغفار کا تو ذکر ہے مگر حضرت عیسےٰ کے استغفار کا کہیں ذکر نہیں اور اس سے بجائے خود جھٹ اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ دوسرے نبی گنہگار تھے مگر حضرت عیسیٰ بیگناہ تھے۔ استغفار کے معنے جو ہم اوپر کھول کر بیان کر چکے ہیں انکے رو سے اگر حضرت عیسےٰ نے واقعی جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں استغفار نہیں کیا تو اس سے انکی کمزوری پائی جاتی ہے اور یہ بات انبیاء کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ استغفار نہ کریں لیکن اس بیان میں بھی پادری صاحبان دھوکہ دینا چاہتے ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم سے حضرت عیسےٰ کا استغفار ثابت نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے بار بار صالحین کے لئے استغفار اور مغفرت کا ذکر فرمایا ہے پس اگر حضرت عیسےٰ بھی صالحین میں سے تھے تو ضرور ہے کہ انہوں نے بھی استغفار کیا ہو اور خدا نے اُن کو مغفرت دی ہو۔ اس قسم کی آیات ہم اوپر بہت لکھ چکے ہیں مثلاً ایک یہی آیت ہے اَلَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ۔ پس اگر حضرت عیسےٰ نے صبر کیا اور اعمال صالح کئے تو ضرور ہے کہ اُن کو مغفرت بھی ملی ہو۔ ایک اور موقع پر ملائکہ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن شریف فرماتا ہے ویستغفرون لمن فی الارض۔ اور فرشتے ان تمام کے لئے جو روے زمین پر ہیں استغفار کرتے ہیں۔ پس اگر حضرت عیسےٰ بھی زمین پر تھے تو ضرور ہے کہ فرشتوں نے انکے لئے استغفار کیا ہو۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آئندہ پادری صاحبان اس قسم کی بیہودہ باتیں اپنی تحریروں میں نہ لکھینگے۔ ہاں انہیں طاقت ہے تو یہ ثابت کر دکھائیں کہ انجیل کے رو سے

یسوع مسیح کیونکر معصوم کہلا سکتا ہے مگر اُمید نہیں کہ اس بات کی طرف وہ کبھی آئیں۔

نوٹ اور ریویو

رپورٹ مردم شماری صوبہ پنجاب:۔ پچھلے نمبر میں فرقہ احمدیہ کی ترقی بیان کرتے وقت ہمنے احاطہ بمبئی کی مردم شماری فرقہ احمدیہ کی دکھائی تھی۔ اس سے پیچھے ہمیں پنجاب کی رپورٹ بھی پہنچگئی ہے جسمیں دکھایا گیا ہے کہ پنجاب میں اس فرقہ کے لوگ ۱۱۱۳* ایسے مرد ہیں جنکی عمر پندرہ سال سے اُوپر ہے۔ ہم کسی طرح سے اسکو ٹھیک تعداد یا ٹھیک کے قریب قریب بھی تسلیم نہیں کرسکتے۔ جہاں احاطہ بمبئی میں ۱۱۰۸۷ اشخاص ہیں اور ممالک مغربی وشمالی میں بھی ۹۳۱ تعداد مردم شماری کی رپورٹ میں دکھائی گئی ہے۔ یہ امر کسیطرح قابل تسلیم نہیں ہوسکتا کہ پنجاب میں جو اس سلسلہ کا اصل گھر ہے ایکہزار سے کچھ اُوپر مرد ہیں۔ اس امر کی کہ کیوں رپورٹ میں کم تعداد آئی ہے بعض بڑی بڑی موٹی وجوہات ہیں۔ اول تو خود اس فرقہ کا نام ہی یعنی فرقہ احمدیہ اُسوقت رکھا گیا جبکہ مردم شماری کی کارروائی شروع ہوچکی تھی ہندوستان جیسے مُلک میں جہاں کثرت آبادی کی ان پڑھ ہے ایک واقع کو اشتہار کے ذریعہ شائع کرکے تمام لوگوں تک تھوڑے ہی عرصہ میں خبر پہنچا دینا قریبًا ناممکن ہے۔ دیہات یا دُور دُور کی جگہوں میں جنکا علم بھی نہ تھا کس طرح ممکن تھا کہ ہر ایک آدمی کو جو اس فرقہ میں داخل تھا خبر پہنچائی جاتی کہ فرقہ کا یہ نام رکھا گیا ہے مردم شماری ہوجانے کے بعد ایسے خطوط کا آنا کہ ہمیں نام کی خبر بعد از وقت ملی ہے اس امر کی بڑی شہادت ہے کہ فرقہ کے تمام ممبروں کو وقت پر یہ اطلاع نہ پہنچ سکی تھی۔ دوسرے جو لوگ اس کام پر معین ہوتے ہیں اُنکو چنداں پرواہ نہیں ہوتی کہ ہر ایک کا فرقہ دریافت کریں اور پھر اسکا صحیح صحیح اندراج کریں۔ ایک آبادی ان پڑھ اور دوسرے شمار لینے والے خود اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ معمولی شُدبود جانتے ہیں اور پھر ہر ایک شخص کے فرقہ کا نام پُوچھ کر داخل کرنا اُنکے نزدیک غیر ضروری ہوتا ہے اور خود لوگوں کو اس قدر توجہ نہیں ہوتی کہ وہ اپنے فرقہ کا نام زور دیکر لکھوائیں۔ مردم شماری کی رپورٹ نے ایک طرح سے خود اس امر کو تسلیم کرلیا ہے کہ اسکی تعداد کا اصل تعداد فرقہ سے بعض موقع پر بہت بڑا اختلاف ہوتا ہے۔ تیسری اور بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اس نئے فرقہ کے برخلاف ہر مذہب و قوم کے

* یاد رہے کہ یہ مارچ سنہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری ہے۔ منہ

لوگوں کو سخت تعصب اور عناد ہے۔ اور جہاں شمار کنندوں کی ایسی بڑی وسیع تعداد درکار ہو جیسا کہ ہندوستان کی آبادی کیلئے ہونی چاہئے وہاں ہر ایک قسم کا آدمی جو ملسکے شمار کنندہ بنانا پڑتا ہے کیونکہ پڑھے ہوئے لوگ دیہات میں بہت ہی کم ملتے ہیں۔

اس تفصیل کی کچھ ضرورت نہیں کہ فرقۂ احمدیہ پنجاب میں کس زور وشور سے ترقی کر رہا ہے ایک ہی دن جہلم میں جہانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۱۷ جنوری کو قیام پذیر تھے۔ چھ سو کے قریب آدمیوں نے بیعت کی۔ اصل بات یہ ہے کہ ایک طرف وہ امن پسند اور صلح جو تعلقات جو یہ سلسلہ نوع انسان کے ساتھ سکھاتا ہے۔ اور دوسری طرف وہ اعلےٰ درجہ کی روحانی تعلیم جو یہ اللہ تعالیٰ کے متعلق پیش کرتا ہے یہ دونوں باتیں سمجھ دار دلوں کے لئے ایک کشش کا باعث ہو رہی ہیں۔

پنجاب کی رپورٹ مردم شماری میں ایک قابل افسوس غلطی بھی درج ہو گئی ہے جس کے دور کرنیکے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مفصلہ ذیل چٹھی میں پنجاب گورنمنٹ کو توجہ دلائی ہے۔

"۱۔ پنجاب کی مردم شماری کی رپورٹ کے حصہ اول باب ۳ فقرہ ۹۳ صفحہ ۱۴۳ میں میرے متعلق لکھا گیا ہے کہ میرا پہلا کام بحیثیت ایک مولوی کے چوہڑوں کو تبلیغ کا تھا۔

۲۔ یہ بیان بالکل خلاف واقعہ اور بے بنیاد ہے اور میری عزت اور شہرت کو سخت نقصان پہنچانیوالا ہے۔

۳۔ جس شخص نے چوہڑوں کی تبلیغ کا دعویٰ کیا تھا وہ ایک بالکل الگ آدمی ہے جسکا نام امام الدین ہے جسکے اصول اسلام سے بالکل مخالف ہیں اور میں اور دیگر تمام سچے مسلمان ان اصولوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہ شخص تیس سال سے زیادہ عرصہ سے میرے سخت مخالفوں میں سے ہے اور یہ بالکل بعید از انصاف ہے کہ ایک ایسے شخص کی تعلیم کو میری طرف منسوب کیا جائے جس سے میں سخت بیزار ہوں۔

۴۔ چوہڑے ایک ایسی قوم ہے جو اس ملک میں جرائم پیشہ سمجھے جاتے ہیں۔ اور میرا تعلق ایسی قوم سے ظاہر کرنا جو ایک بالکل بے بنیاد امر ہے۔ میری طرف ایک ذلیل حالت کو منسوب کرنا ہے۔ چوہڑے ایک ذلیل قوم سمجھی جاتی ہے اور اس قسم کا بیان جو مردم شماری کی رپورٹ میں ہے میری شہرت کو سخت نقصان پہنچانیوالا اور میرے اور گورنمنٹ کے ہزارہا وفادار اور معزز رعایا کے لوگوں کے دلوں کو دکھ دینے والا ہے جو مجھے اپنا روحانی پیشوا اور مذہبی سرگروہ تسلیم کرتے ہیں۔

۵۔ میرے اصول اور تعلیم جو میں ابتدا سے ہی لوگوں کو سکھاتا ہوں وہ ایسے اخلاق فاضلہ سکھانے والے اور اعلیٰ مراتب روحانیت پر پہنچانیوالے ہیں کہ چوہڑے تو ایکطرف رہے وہ مسلمان بھی نہ اُن کو قبول کر سکتے ہیں اور نہ انہوں نے قبول کیا ہے جو ذلیل حالت میں ہیں اور جنکی اخلاقی حالتیں گری ہوئی ہیں بلکہ ایسے فہیم اور شریف انسان انکو قبول کرتے ہیں جو نہایت پاکیزہ زندگیاں بسر کرتے ہیں۔ اور میرے پیرووں میں کثرت سے رئیس جاگیردار معزز گورنمنٹ کے عہدیدار۔ سوداگر و فاضل علماء اور اعلےٰ درجہ کے تعلیم یافتہ مسلمان ہیں۔

۶۔ اسی قسم کا ایک بیان میرے متعلق پہلے گورداسپور گزیٹیر میں کیا گیا تھا۔ لیکن جب گورنمنٹ کو اس غلطی کی طرف توجہ دلائی گئی تو گورنمنٹ نے اپنی چٹھی نمبر ۳۹۱ مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۰۱ء (یعنی اُسوقت جبکہ مردم شماری ختم ہو چکی تھی) ہوم ڈیپارٹمنٹ میں یہ جواب دیا تھا کہ یہ فقرہ نظر ثانی کیوقت نکالدیا جاویگا اور کہ اسکے متعلق گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر کو ہدایت کردیگئی ہے۔

۷۔ یہ فقرہ اب ایک ایسی کتاب میں درج کیا گیا ہے جو کہ دنیا میں معتبر سمجھی جاتی ہے اور اگر اسکی تردید معاً ہی نکی جاوے تو میری عزت اور شہرت کو نقصان پہنچائیگا۔

۸۔ یہی فقرہ مردم شماری کی رپورٹ کی بناء پر سول ملٹری گزٹ لاہور میں چھاپ دیا گیا ہے اور تردید نہ ہونے کی صورت میں دوسرے تمام اخبارات میں اسیطرح شائع ہو کر مجھے نقصان پہنچانیوالا ہوگا اور اسطرح تمام دنیا کے سامنے غلطی سے میرا تعلق ایک ذلیل قوم کیساتھ ظاہر کیا جاویگا۔

۹۔ میں رؤسا کے ایک ایسے خاندان سے ہوں جسکی گورنمنٹ ہمیشہ عزت کرتی رہی ہے بسبب اُن قابل قدر خدمات کے جو اس خاندان نے وفاداری سے کی ہیں اور میری نسبت یہ خلاف واقع بیان تمام خاندان کی شہرت اور عزت کو داغ لگانیوالا ہے۔

۱۰۔ گورنمنٹ اس بیان کا جھوٹا اور بے بنیاد ہونا افسرانِ ضلع کی معرفت تحقیق کر سکتی ہے۔"

آخر میں یہ الفاظ فرقہ احمدیہ کے متعلق رپورٹ مردم شماری میں لکھے ہیں جو ذیل میں درج ہیں

"یہ فرقہ بڑے زور سے اس اعتقاد کو رد کرتا ہے کہ اسلام کا مہدی خونی مہدی ہوگا اور صحیح بخاری کی بناء پر جو حدیث کی کتابوں میں سب سے زیادہ معتبر ہے یہ روایت پیش کرتا ہے کہ وہ جنگ نہیں کریگا بلکہ مذہب کی خاطر جو لڑائیاں ہوتی ہیں اُنکو بند کردیگا۔ اپنی ضخیم تصنیفات میں مرزا صاحب نے

جہاد کی تعلیم کے برخلاف بہت کوشش کی ہے اور اس بارے میں یہ فرقہ اس فرقہ اہلحدیث کے جو افراط کیطرف چلا گیا ہے بالکل مخالف ہے۔"

الہام و رویائے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام

۹۔جنوری ۱۹۰۳ء۔ان وعد اللہ اتی وَرکل وَرکا فطوبی لمن وجد وریٰ قتل خیبۃ وزید ھیبۃ (ترجمہ۔خدا کا وعدہ آگیا اور ایک پاؤں مارا اور بگڑے ہوئے کام کی اصلاح کی پس خوشخبری ہو اسکو جسنے اس وعدہ کو پالیا اور دیکھ لیا۔ایک شخص نامراد مارا گیا اور اسکی ہلاکت ہیبت ناک ہوئی)۔

۱۱۔جنوری ایک کاغذ مجھے دکھایا گیا جسکا عنوان تھا بقیۃ الطاعون اور اُسکی پُشت پر ایک اعلان ہماری طرف سے ہی تھا۔

۱۵۔جنوری۔بمقام لاہور۔اریک برکات من کل طرف (میں تجھے ہر طرف سے برکتیں دکھاؤنگا)

۱۸۔جنوری۔اٰثرک اللہ علیٰ کل شیء (خدا نے تجھے ہر چیز پر اختیار کر لیا)

۱۹۔جنوری۔افانین اٰیات (گونا گون نشان)

رویا میں دیکھا کہ میں مصر کے دریائے نیل پر کھڑا ہوں اور میرے ساتھ بہت سے بنی اسرائیل ہیں اور میں اپنے آپکو موسیٰ سمجھتا ہوں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھاگے چلے آتے ہیں۔نظر اُٹھا کر پیچھے دیکھا تو معلوم ہوا کہ فرعون ایک لشکر کثیر کیساتھ ہمارے تعاقب میں ہے اور اُسکے ساتھ بہت سامان مثل گھوڑے اور گاڑیوں اور رتھوں کے ہے وہ ہمارے بہت قریب آگیا ہے۔میرے ساتھی بنی اسرائیل بہت گھبرائے ہوئے ہیں اور بعض اُنمیں سے بیدل ہو گئے ہیں اور بلند آواز سے چلاتے ہیں کہ اے موسیٰ ہم پکڑے گئے تو مینے بلند آواز سے کہا کلا ان معی ربی سیھدین اِتنے میں میں بیدار ہو گیا اور زبان پر یہی لفظ جاری تھے۔

۲۴ جنوری۔کاغذ پر لکھا ہوا دکھایا گیا۔تفصیل ما صنع اللہ فی ھذا الباس بعد ما اشعتہ فی الناس

۲۹۔جنوری۔ساکرمک اکراما عجبا۔

۲۔فروری۔سنجیک۔سنعلیک۔انی معک ومع اھلک یسمع الدعاء۔دعاء مستجاب ساکرمک اکراما عجبا۔انی مع الرسول اقوم واصلی واصوم واعطیک ما یدوم۔انی مع الافواج اٰتیک بغتۃً۔

رجسٹرڈ ایل ۳۰۳

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے   لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

بابت مارچ و اپریل سنہ ۱۹۰۳ء

جلد (۲)   نمبر ۳ و ۴

فہرست مضامین

تبدیل مذہب کی فلاسفی اور آریہ سماج۔ اسلام اور عیسائیت کا مقابلہ

انجمن اشاعۃ الاسلام قادیان نے انوار احمدیہ پریس قادیان دار الامان میں باہتمام شیخ یعقوب علی تراب احمدی مالک مطبع چھپوا کر ۲ مارچ سنہ ۱۹۰۳ء کو شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبدیل مذہب کی فلاسفی

آریہ سماج ۔ اسلام اور عیسائیت کا مقابلہ

اُس قادر اور سچے اور کامل خدا کو ہماری رُوح اور ہمارا ذرہ ذرہ وجود کا سجدہ کرتا ہے جس کے ہاتھ سے ہر ایک رُوح اور ہر ایک ذرہ مخلوقات کا مع اپنے تمام قویٰ کے ظہور پذیر ہوا۔ اور جس کے وجود سے ہر ایک وجود قایم ہے اور کوئی چیز نہ اُس کے علم سے باہر ہے اور نہ اُس کے تصرّف سے اور نہ اُس کی خلق سے۔ اور ہزاروں درود اور سلام اور رحمتیں اور برکتیں اُس پاک نبی محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوں جس کے ذریعہ سے ہم نے وہ زندہ خدا پایا جو آپ کلام کر کے اپنی ہستی کا آپ ہمیں نشان دیتا ہے اور آپ فوق العادت نشان دکھلا کر اپنی قدیم اور کامل طاقتوں اور قوتوں کا چمکنے والا چہرہ دکھاتا ہے۔ سو ہم نے ایسے رسول کو پایا جس نے خدا کو ہمیں دکھلایا اور ایسے خدا کو پایا جس نے اپنی کامل طاقت سے ہر ایک چیز کو بنایا۔ اُس کی قدرت کیا ہی عظمت اپنے اندر رکھتی ہے جس کے بغیر کسی چیز نے نقش وجود نہیں پکڑا۔ اور جس کے سہارے کے بغیر کوئی چیز قایم نہیں رہ سکتی۔ وہ ہمارا سچا خدا بیشمار برکتوں والا ہے اور بے شمار قدرتوں والا اور بیشمار حسن والا۔ اور بیشمار احسان والا۔ اُس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ۔

بعد ہذا واضح ہو کہ آج آریہ سماج قادیان کی طرف سے میری نظر سے ایک اشتہار گذرا[1] جس پر سات فروری ۱۹۰۳ء تاریخ لکھی ہے اور مطبع چشمہ نور پریس امرتسر میں چھپا ہے جس کا عنوان اشتہار پر یہ لکھا ہے - "قادیانی پوپ کے چیلوں کے ایک ڈینگ کا جواب"۔ اس اشتہار میں ہمارے سید و مولے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور میری نسبت اور میری معزز احباب جماعت کی نسبت اس قدر سخت الفاظ اور گالیاں استعمال کی ہیں کہ بظاہر یہی دل چاہتا تھا کہ ایسے لوگوں کو مخاطب نہ کیا جائے مگر خدا تعالیٰ نے اپنی وحی خاص سے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ اس تحریر کا جواب لکھ اور میں جواب دینے میں تیرے ساتھ ہوں۔ تب مجھے اس مبشر وحی سے بہت خوشی پہنچی کہ جواب دینے میں میں اکیلا نہیں۔ سو میں اپنے خدا سے قوت پا کر اٹھا اور اُس کی رُوح کی تائید سے میں نے اس رسالہ کو لکھا۔ اور جیسا کہ خدا نے مجھے تائید دی میں نے یہی چاہا کہ اُن تمام گالیوں کو جو میرے نبی مطاع کو اور مجھے دی گئیں نظر انداز کر کے نرمی سے جواب لکھوں اور پھر یہ کاروبار خدا تعالے کے سپرد کر دوں ۔

مگر قبل اس کے کہ میں اس اشتہار کا جواب لکھوں اپنی جماعت کے لوگوں کو نصیحتاً کہتا ہوں کہ جو کچھ اس اشتہار کے لکھنے والوں اور اُن کی جماعت نے محض دل دکھانے اور توہین کی نیت سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اعتراضات کے پیرایہ میں سخت الفاظ لکھے ہیں یا میرے نسبت مال خور اور ٹھگ اور کاذب اور نمک حرام کے لفظ کو استعمال میں لائے ہیں۔ اور مجھے لوگوں کا دغا بازی سے مال کھانے والا قرار دیا ہے اور یا جو میری جماعت کی نسبت سور اور کتے اور مردار خوار اور گدھے اور بندر وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور ملیچھ اُن کا نام رکھا ہے ان تمام دُکھ دینے والے الفاظ پر وہ صبر کریں اور میں اُس جوش اور اشتعال طبع کو خوب جانتا ہوں کہ جو انسان کو اس حالت میں پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ نہ صرف اس کو گالیاں دی جاتی ہیں بلکہ اُس کے رسول و ہادی و

---

[1] اس کے بعد ایک اور تحریر ایک انگریزی اخبار میں جو آریہ سماج لاہور کی طرف سے نکلتی ہے اور ایک اور اشتہار طوطی رام نام ایک شخص کی طرف سے دیکھا گیا ۔ منہ

اور امام کو توہین اور تحقیر کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے اور سخت اور غضب پیدا کرنے والے
الفاظ سنائے جاتے ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر تم ان گالیوں اور بدزبانیوں پر صبر نہ کرو تو
پھر تم میں اور دوسرے لوگوں میں کیا فرق ہوگا۔ اور یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ تمہارے ساتھ ہوئی
اور پہلے کسی سے نہیں ہوئی۔ ہر ایک سچا سلسلہ جو دُنیا میں قائم ہوا ضرور دُنیا نے اُس سے
دشمنی کی ہے۔ سو چونکہ تم سچائی کے وارث ہو ضرور ہے کہ تم سے بھی دشمنی کریں۔ سو خبردار رہو
نفسانیت تم پر غالب نہ آوے ہر ایک سختی کی برداشت کرو ہر ایک گالی کا نرمی سے جواب
دو تا آسمان پر تمہارے لئے اجر لکھا جاوے۔ تمہیں چاہئے کہ آریوں کے رشیوں اور بزرگوں
کی نسبت ہرگز سختی کے الفاظ استعمال نہ کرو تا وہ بھی خدائے قدوس اور اُس کے رسول
پاک کو گالیاں نہ دیں۔ کیونکہ اُن کو معرفت نہیں دی گئی اس لئے وہ نہیں جانتے کہ کس کو
گالیاں دیتے ہیں۔ یاد رکھو کہ ہر ایک جو نفسانی جوشوں کا تابع ہے ممکن نہیں کہ اُس کے
لبوں سے حکمت اور معرفت کی بات نکل سکے بلکہ ہر ایک قول اُس کا فساد کے کیڑوں کا ایک
انڈہ ہوتا ہے بجز اس کے اور کچھ نہیں۔ پس اگر تم رُوح القدس کی تعلیم سے بولنا چاہتے
ہو تو تمام نفسانی جوش اور نفسانی غضب اپنے اندر سے باہر نکال دو تب پاک معرفت کے
بھید تمہارے ہونٹوں پر جاری ہونگے اور آسمان پر تم دُنیا کے لئے ایک مفید چیز سمجھے
جاؤگے اور تمہاری عمریں بڑھائی جائیں گی۔ تمسخر سے بات نہ کرو اور ٹھٹھے سے کام نہ لو۔
اور چاہئے کہ سفلہ پن اور اوباش پن کا تمہاری کلام پر رنگ نہ ہو تا حکمت کا چشمہ تم پر کھلے۔
حکمت کی باتیں دلوں کو فتح کرتی ہیں لیکن تمسخر اور سفاہت کی باتیں فساد پھیلاتی ہیں جہاں
تک ممکن ہو سکے سچی باتوں کو نرمی کے لباس میں بتاؤ تا سامعین کے لئے موجب ملال نہ ہوں
جو شخص حقیقت کو نہیں سوچتا اور نفس سرکش کا بندہ ہو کر بدزبانی کرتا ہے اور شرارت کے
منصوبے جوڑتا ہے وہ ناپاک ہے اُس کو کبھی خدا کی طرف راہ نہیں ملتی اور نہ کبھی حکمت اور حق
کی بات اُسکے مونہہ پر جاری ہوتی ہے۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ خدا کی راہیں تم پر کھلیں تو نفسانی
جوشوں سے دُور رہو اور کھیل بازی کے طور پر بحثیں مت کرو کہ یہ کچھ چیز نہیں اور وقت ضائع کرنا
ہے۔ بدی کا جواب بدی کے ساتھ مت دو نہ قول سے نہ فعل سے تا خدا تمہاری حمایت کرے اور

چاہئے کہ دردمند دل کے ساتھ سچائی کو لوگوں کے سامنے پیش کرو نہ ٹھٹھے اور ہنسی سے کیونکہ مردہ ہے وہ دل جو ٹھٹھا ہنسی اپنا طریق رکھتا ہے۔ اور ناپاک ہے وہ نفس جو حکمت اور سچائی کے طریق کو نہ آپ اختیار کرتا ہے اور نہ دوسرے کو اختیار کرنے دیتا ہے سو تم اگر پاک علم کے وارث بننا چاہتے ہو تو نفسانی جوش سے کوئی بات منہ سے مت نکالو کہ ایسی بات حکمت اور معرفت سے خالی ہوگی اور سفلہ اور کمینہ لوگوں اور اوباشوں کی طرح نہ چاہو کہ دشمن کو خواہ نخواہ ہتک آمیز اور تمسخر کا جواب دیا جائے۔ بلکہ دل کی راستی سے سچا اور پُرحکمت جواب دو تا تم آسمانی اسرار کے وارث ٹھیرو ؎

اس جگہ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ قادیان کے آریوں کا یہ حملہ جو میرے پر کیا گیا ہے یہ ایک ناگہانی ہے۔ ان دنوں میں کوئی تحریر میری طرف سے شائع نہیں ہوئی اور نہ میرے قلم سے اور نہ میری تعلیم سے اور نہ میری تحریک سے کسی نے کوئی اشتہار شائع کیا۔ پس خواہ نخواہ مجھے نشانہ بنانا اور مجھے گالیاں دینا اور میرے سید و مولے جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت توہین تحقیر کے الفاظ لکھنا اور اس طرح پر مجھے دوہری طور پر دُکھ دینا میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس قدر نفسانی جوش کیوں دکھلایا گیا۔ بعض قادیان کے آریہ جو میرے پاس آتے تھے بارہا میں نے اُن کو نصیحت دی کہ زبان کی چالاکیوں کا نام مذہب نہیں ہے مذہب ایک پاک کیفیت ہے جو اُن لوگوں کے لئے پیدا ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کو پہچان لیتے ہیں۔ اور میں نے اُن کو بارہا یہ بھی کہا کہ دیکھو طاعون کا زمانہ ہے اور دُنیا کی تاریخ سے پتہ لگتا ہے کہ جب یہ کسی ملک میں بڑے زور سے بھڑکتی رہی ہے تو اس کا یہی موجب ہوتا رہا ہے کہ زمین پاپ اور گناہ سے بھر جاتی تھی اور خدا کی طرف سے جو آتا تھا اُس سے انکار کیا جاتا تھا اور جب ہی کہ آسمان کے نیچے اس قسم کا کوئی بڑا گناہ ظہور میں آیا اور بے باکی حد سے بڑھ گئی تب ہی یہ بلا ظہور میں آئی۔ اب بھی یہ گناہ انتہا تک پہنچ گیا ہے۔ دنیا میں ایک عظیم الشان بنی انسانوں کی اصلاح کیلئے آیا یعنے سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور اُس نے اس سچے خدا کی طرف لوگوں کو بلایا جس کو دُنیا بھول گئی تھی۔ لیکن اس زمانہ میں اُسی کامل نبی کی ایسی توہین اور تحقیر کی جاتی ہے جس کی نظیر کسی

زمانہ میں نہیں مل سکتی۔ پھر خدا نے چودھویں صدی کے سر پر اپنے ایک بندہ کو جو یہی لکھنے والا ہے بھیجا تا اُس نبی کی سچائی اور عظمت کی گواہی دے اور خدا کی توحید اور تقدیس کو دُنیا میں پھیلاوے اُس کو بھی گالیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ سو یہ بُرے دن جو زمانہ دیکھ رہا ہے اس کا یہی باعث ہے کہ دلوں میں خدا کا خوف نہیں رہا اور زبانیں تیز ہوگئیں ہر ایک جوش محض قوم اور سوسائٹی کے لئے دکھلاتے ہیں۔ خدا کی عظمت ان لوگوں کے دلوں میں نہیں ✦

غرض کئی دفعہ ایسی نصیحتیں قادیان کے ان آریوں کو کی گئیں لیکن نتیجہ برخلاف ہوا۔ اور وہ خدا کی عظمت سے بالکل نہیں ڈرے۔ شاید دلوں میں یہ خیال ہوگا کہ گو طاعون قادیان کے اردگرد لوگوں کو ہلاک کر رہی ہے مگر ہمیں کیا غم ہم تو ٹیکا لگانے کے بعد ہمیشہ کے لئے طاعون کے پنجہ سے رہائی یاب ہوگئے ہیں۔ بڑا تعجب ہے کہ ایسے خطرناک دن اور پھر یہ لوگ زبان کو اپنے قابو میں نہیں رکھتے۔ نہیں سوچتے کہ جس نبی کو ہم گالیاں دیتے ہیں۔ اور اُس کی تحقیر اور توہین کرتے ہیں اگر وہ خدا کی طرف سے ہے اور ضرور وہ خدا کی طرف سے ہے تو کیا یہ بدزبانیاں اور بے ادبیاں خالی جائیں گی۔ سنو اے غافلو! ہمارا اور اُن راستبازوں کا تجربہ جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں گواہی دیتا ہے کہ خدا کے پاک رسولوں کی بے ادبی کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ ہر ایک نیک طینت جانتا ہے کہ خدا کے پاس ہر ایک بدی اور شوخی کی سزا ہے۔ اور ہر ایک ظلم کا پاداش ہے ✦

ایک اعتراض کا جواب

اب ہم آریہ صاحبوں کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں جو اُنہوں نے اپنے اشتہار میں ہماری جماعت کے نومسلم آریوں پر کیا ہے اور وہ یہ کہ یہ مسلمان ہونا اُن کا تب صحیح ہوتا کہ اوّل وہ چاروں وید پڑھ لیتے اور پھر ویدوں کے پڑھنے کے بعد چاہئے تھا کہ وہ آریہ دھرم کا اسلام سے مقابلہ کرتے اور پھر اس قدر تحقیق و تفتیش کے بعد اگر اسلام کو حق دیکھتے تو مسلمان ہو جاتے۔ سو واضح ہو کہ ہمارے نومسلم آریہ جہاں تک حق تحقیق کا ہے سب کچھ ادا کر کے مشرف باسلام

ہوئے ہیں۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ انہوں نے چاروں وید کب پڑھے ہیں۔ یہ اعتراض اُس صورت میں ہو سکتا تھا کہ جب اعتراض کرنے والے اپنے ویدخوان ہونے کا ثبوت دیتے۔ افسوس کہ اُنہوں نے اعتراض کرتے وقت انصاف اور خداترسی سے کام نہیں لیا۔ بھلا اگر اُنہوں نے سچائی کی پابندی سے یہ اعتراض پیش کیا ہے تو ہمیں بتلا دیں کہ اُن میں سے وہ تمام لوگ رام رام کہنے والے جو سناتن دھرم پر قایم تھے اور پھر چند سال سے وہ آریہ بنے۔ اُنہوں نے کس پنڈت سے وید پڑھا ہے۔ کیونکہ اگر مذہب کی تبدیلی کے لئے پہلے ویدوں کا پڑھ لینا ضروری شرط ہے تو اس شرط سے آریہ کیونکر باہر رہ سکتے ہیں۔ یہ بات کس کو معلوم نہیں کہ پنڈت دیانند کے وجود سے پہلے اس مُلک میں تمام ہندو سناتن دھرم رکھتے تھے۔ اور ابھی تک اُن کے ٹھاکر دوارے اس گاؤں میں بھی موجود ہیں۔ اور ان کے پنڈت اور وید دان آریہ ورت میں بکثرت پائے جاتے ہیں اور بہتوں کو ہم نے خود دیکھا ہے۔ اور وید جو اُردو اور انگریزی میں ترجمہ ہو چکے ہیں ان پر نظر ڈال لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وید کے اکثر رکن جو سناتن دھرم والے کرتے ہیں وہی ٹھیک ہیں۔ خیر اس بحث کو اس وقت جانے دو بہرحال جو اعتراض ان آریہ صاحبوں نے نومسلم ہندوؤں پر کیا ہے وہی اعتراض اُن پر بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک زمانہ تو وہ تھا کہ وہ رام چندر۔ کرشن اور دیگر اوتاروں کو پرمیشر جانتے تھے۔ مورتی پوجا کو وید کی ہدایت سمجھتے تھے اور سب سے زیادہ یہ کہ ویدانت کے اصول کے موافق اپنے تئیں پرمیشر ہی سے نکلے ہوئے خیال کرتے تھے اور پھر آریہ بننے کے بعد وہ سب خیالات پلٹ گئے اور بجائے اس کے کہ پرمیشر میں سے نکلے ہوں انادی اور غیرمخلوق کہلا کر خود قدیم اور پرمیشر کے شریک بن گئے۔ پس کیا اس قدر انقلاب کے لئے حسب عقیدہ اُن کے یہ ضرور نہ تھا کہ ہر ایک فرد اُن میں سے اول چاروں وید پڑھ لیتا پھر اپنے قدیم مذہب سناتن دھرم کو چھوڑتا اور آریہ سماج میں داخل ہوتا۔ پس اگر قادیان کے آریہ سماجیوں نے نومسلم آریوں پر اعتراض کرنے کے وقت جھوٹ اور حق پوشی سے کام نہیں لیا تو ہمیں دکھلا دیں کہ اُن کی جماعت آریوں میں سے کتنے وہ لوگ ہیں جن کو رگ اور یجر اور شام اور اتھربن وید سب کنٹھ ہیں۔ اگر اس بات میں وہ سچے نکلے کہ اپنی سب جماعت اُنہوں

نے وید دان ثابت کر دی تو کم سے کم ہم اُن کو شریف آدمی مان لیں گے جنہوں نے اپنے اعتراض میں کسی ایسی جھوٹی بات کو پیش نہیں کیا جس کے آپ وہ پابند نہیں تھے۔ یہ کس کو معلوم نہیں کہ یہ تمام مجمع قادیان والوں کا ایک بازاری دوکان نشینوں کا مجمع ہے جن میں سے کوئی ساہوکارہ کا شغل رکھتا ہے اور کوئی بزازی کرتا ہے اور کوئی نون تیل کی دوکان رکھتا ہے اور جہاں تک ہم کو علم ہے اُن میں سے ایک بھی وید دان نہیں۔ پس کیا اُن لوگوں کے مقابل پر وہ شریف نومسلم آریہ جاہل کہلا سکتے ہیں جو بعض اُن کے بی۔ اے تک تعلیم یافتہ ہیں اور انگریزی اور اردو ترجمے ویدوں کے پڑھتے ہیں اور دن رات دین کی تعلیم پاتے ہیں۔

پھر ماسوا اس کے یہ ہمارا دعوٰے صرف قادیان تک محدود نہیں بلکہ ہم اس امر کی پوری اطلاع رکھتے ہیں کہ ہر ایک شہر اور قصبہ کا آریہ سماج اکثر ایسے ہی ذخیرہ سے بھرا ہوا ہے اور یہ خیال ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہے کہ جن لوگوں نے سناتن دھرم کو الوداع کہہ کر باوجود سخت اختلاف کے آریہ سماجی بننا قبول کیا ہے پہلے وہ اپنے گھر سے وید پڑھ کر آئے تھے بلکہ ہم زور سے کہتے ہیں کہ تمام پنجاب اور ہندوستان میں بجز معدودے چند جن کو انگلیوں پر گن سکتے ہیں تمام مجموعہ آریوں کا ایسا ہی ہے کہ ہر ایک دوکاندار یا ساہوکار نے آریوں میں نام لکھوا رکھا ہے اور خود بجز بڑے پیٹ اور لمبی مونچھوں اور دوکان کے حساب کے اور کچھ یاد نہیں ؛

اور یہ باتیں میری بے تحقیق نہیں بلکہ میں آریہ صاحبوں کو ہزار روپیہ بطور انعام دینے کو تیار ہوں اگر وہ میرے پر ثابت کر دیں کہ جس قدر اُن کی فہرست میں مرد و زن آریہ درج ہیں یا یوں کہو کہ جس قدر آریہ سماجی کہلانے والے مرد ہوں یا عورات ہوں جو برٹش انڈیا میں موجود ہیں فیصدی اُن میں سے پانچ ایسے پنڈت پائے جاتے ہیں جو چاروں وید سنسکرت میں جانتے ہیں اگر چاہیں تو میں کسی سرکاری بینک میں یہ روپیہ جمع کرا سکتا ہوں۔ اب بتلاؤ کہ کس قدر شرم کی بات ہے کہ خود را فضیحت و دیگرے را نصیحت اگر حیا اور سچائی سے کام لیا جاتا تو ایسے اعتراضات کی کیا ضرورت تھی جو خود آریہ سماج پر ہی وارد ہوتے ہیں۔ ہمارے دیکھنے کی بات ہے کہ آریوں کا یہ مجموعہ صرف اسی طرح پر طیار ہوا ہے کہ مہاجنوں ساہوکاروں

ملازموں کو طرح طرح کے حیلوں سے ترغیب دی گئی کہ تم آریہ سماج میں نام لکھا دو تو بہت سے لالہ صاحبوں نے اسطرح پر نام لکھا رکھے ہیں اور اصل حقیقت کی کچھ بھی خبر نہیں اور اکثروں کے گھروں میں دیوتا پرستی اور مورتی پوجا کے تعلّقات بھی بدستور قائم ہیں۔ یہ بات ایسی مخفی نہیں ہے جس کی تحقیق کرنے کے لئے کچھ زیادہ مشقّت کی حاجت ہو تم کسی شہر یا قصبہ میں چلے جاؤ اور تحقیقات کر لو کہ کس قدر اس میں آریہ سماجی ہیں اور کس قدر اُن میں سے وید دان ہیں پس جبکہ آریہ سماجی بننے کی یہ کیفیّت ہے تو پھر کون ایسے تعلیم یافتہ نومسلم آریوں پر اعتراض کر سکتا ہے جو اوّل ہندو تھے اور پھر سناتن دھرم اور آریوں کے اصولوں کو خوب معلوم کر کے اور اس کے مقابل پر اسلام کے اصول دیکھ کر اور سچائی اور عظمت الٰہی ان میں مشاہدہ کر کے مشرف باسلام ہو گئے محض خدا کے لئے دُکھ اُٹھائے اور بیویوں بھائیوں عزیزوں سے الگ ہوئے اور قوم کی گالیاں سنیں۔ ان نومسلم آریوں کے تبدیل مذہب کو غرض نفسانی پر محمول کرنا یہ طعن ہندؤں کا کچھ نیا نہیں بلکہ قدیم سے اس مذہب کے متعصّب لوگوں کی عادت ہے کہ جب کوئی اور معقول جواب نہیں آتا تو یہی کہہ دیا کرتے ہیں کہ مال کیلئے یا کسی عورت کیلئے ہندو مذہب کو چھوڑ دیا ہے اور یہ بھی کہدیا کرتے ہیں کہ کروڑ ہا ہندو جو مسلمان ہو گئے وہ مسلمان بادشاہوں کے جبر سے ہوئے تھے بعض ہندو جوش میں آکر یہ بھی کہدیتے ہیں کہ مسلمان ہونیوالے درصل مسلمانوں ہی کا نطفہ ہیں اور نہیں سوچتے کہ یہ اعتراض تو ہماری ہی کروڑ ہا عورتوں پر آتا ہے۔ آجکل کی تحقیقات سے ثابت ہے کہ اسلامی بادشاہوں کے عہد کا زمانہ جو سات سو برس تک تھا اگر انگریزوں کے زمانے سے جو سو برس تک ابھی گذرا ہے مقابلہ کیا جائے تو اس میں جسقدر ہندو کثرت سے مسلمان ہوئے ہیں اسکی اوسط زیادہ نکلتی ہے اور خود غرضی کا الزام تو بہت ہی قابل شرم ہے کیونکہ بعض ہندو امیروں رئیسوں اور راجوں نے اسلام کے بعد کئی لاکھ روپیہ دینی امداد میں دیا ہے اور ہمارے غریب نومسلم آریہ ہمیشہ اپنی کمائی سے ہمیں چندہ دیتے ہیں پھر تعجب کہ یہ مخالف لوگ ایسے بے جا بہتانوں سے باز نہیں آتے۔ اور جس حالت میں اکثر آریہ اپنی عورتوں کو چھوڑ کر اسلام کیطرف آتے ہیں تو اس صورت میں پھر انکو عورتوں کا الزام دینا کیا اس قسم کے اعتراضات دیانت کے اعتراض ہیں مثلاً ذرا سوچو کہ سردار فضل حق اور شیخ عبد الرحیم جو نومسلم آریہ ہیں ہندو ہونے کی حالت میں کس قسم کی حاجت رکھتے تھے جو اسلام سے پوری ہوئی۔

تبدیل مذہب کے لئے جسقدر علم درکار ہے اسکی سچی فلاسفی

اب ہم فایدہ عام کے لئے اس امر کی سچی فلاسفی بیان کرتے ہیں کہ تبدیل مذہب کے لئے کس قدر واقفیت ضروری ہے۔ کیا بقول آریہ سماج قادیان جب مثلاً ایک ہندو تبدیل مذہب کرنے لگے تو اوّل اُس کو چاروں وید سنسکرت میں پڑھ لینے چاہئے یا عقل اور انصاف کے رُو سے اس میں کوئی اور قاعدہ ہے ❊

پس واضح ہو کہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں یہ ہرگز صحیح نہیں ہے کہ تبدیل مذہب کیلئے ایک ہندو کا یہ فرض ہے کہ اوّل چاروں وید سبقاً سبقاً کسی پنڈت سے پڑھ لے اور پھر اگر چاہے تو کوئی اور مذہب اختیار کرے۔ کیونکہ اگر یہ صحیح ہو تو مذہب کی تبدیلی کے لئے صرف وہی لوگ لایق ہونگے جو ویددان پنڈت ہوں حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ صدہا ہندو جو ویدوں کا ایک صفحہ بھی نہیں پڑھ سکتے سناتن دھرم سے نکل کر آریہ سماجی بنتے جاتے ہیں اور بموجب حال کی مردم شماری کے پنجاب میں آریہ مت والے مرد نو ہزار سے زیادہ نہیں اور اس قدر جماعت آریہ میں شاید ایک دو پنڈت ہوں یا نہ ہوں باقی سب عوام ہندو ہیں جو محض چند باتیں سنکر آریہ بن گئے ہیں اور اپنے قدیم مذہب سناتن دھرم کو چھوڑ دیا ہے اور جیسا کہ آریہ سماجی لوگ مسلمان ہونے والے آریوں کا نام پر بھشٹ اور ملیچھ رکھتے ہیں یہی نام سناتن دھرم کیطرف سے اُن کو ملتا ہے اور مذہب سے اُن کو خارج سمجھتے ہیں اور وید کے منکر قرار دیتے ہیں پھر باوجود اسقدر مخالفت شدید اور اختلاف عقاید کے جو سناتن دھرم اور آریہ سماجیوں میں اظہر من الشمس ہے ایک جاہل سے جاہل سناتن دھرم والا جب آریہ بننے کے لئے آتا ہے تو کوئی اُس کو نہیں کہتا کہ اوّل چاروں وید پڑھ لے۔ بلکہ اُسکا آریہ سماجی بننا غنیمت سمجھتے ہیں خاص کر اگر کوئی دولت مند ساہوکار ہو گو کیسا ہی جاہل ہو تو پھر کیا کہنا ہے ایک شکار ہاتھ آگیا اُسکو کون چھوڑے بھلا بتلائے آپکے لالہ ٹھماں صاحب کتنے وید پڑھے ہوئے ہیں جو سناتن دھرم چھوڑ کر آریہ بن گئے ایسا ہی دوسرے لالہ صاحبان جو اُنہیں کے بھائی بند ہیں اپنے اپنے گریبانوں میں مُنہ ڈال کر سوچیں کہ

انکو ویددانی میں کیا کیا کمالات حاصل ہیں پس اس صورت میں ظاہر ہے کہ جو اعتراض نو مسلم آریوں پر کیا جاتا ہے وہی در اصل آریوں پر بھی ہوتا ہے مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ جو آریہ ہندو مسلمان ہوتا ہے چونکہ اسکو پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو بہت سے دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑیگا اسلئے طبعاً وہ اُسی وقت مسلمان ہوتا ہے جب وہ اپنے دل میں حق اور باطل کا فیصلہ کر لیتا ہے ؃

اور یہ فیصلہ چاروں وید پڑھنے پر منحصر نہیں ورنہ تبدیل مذہب کا دروازہ ہی بند ہو جائے اور نیز اس صورت میں یہ بھی لازم آتا ہے کہ آریہ سماج والے بجز ایک دو ویدوان پنڈتوں کے جو اُن میں ہوں باقی سب ہندؤں کو سناتن دھرم کیطرف واپس کر دیں اور اُن کو ہدایت کر دیں کہ جب تم وید پڑھ کر آؤ گے تب تمہیں آریہ سماج میں داخل کیا جاویگا پہلے نہیں۔ ہوشمند انسان اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر تبدیل مذہب کے لئے عالم فاضل ہونا ضروری ہے تو ہندوستان کے کروڑہا ہندو عوام الناس جو کچھ علم نہیں رکھتے اور مختلف فرقوں پر تقسیم شدہ ہیں وہ آریہ سماج میں داخل ہونے کے لایق نہیں ہو سکتے جب تک سب کے سب ویددان نہ ہوں اور شاستروں کو سبقاً سبقاً نہ پڑھ لیں۔

پس سنو اور خُوب کان کھول کر سنو کہ تبدیل مذہب کے لئے تمام جزئیات کی تفتیش کچھ ضروری نہیں بلکہ سچائی کی تلاش کرنے والے کے لئے مذاہب موجودہ کا باہم مقابلہ کرنے کے وقت اور پھر اُن میں سے سچا مذہب شناخت کرنے کے لئے صرف تین باتوں کا دیکھنا ضروری ہے

(۱) اوّل یہ کہ اس مذہب میں خدا کی نسبت کیا تعلیم ہے یعنے اسکی توحید اور قدرت اور علم اور کمال اور عظمت اور سزا اور رحمت اور دیگر لوازم اور خواص الوہیت کی نسبت کیا بیان ہے کیونکہ اگر کوئی مذہب خدا کو وحدہ لاشریک قرار نہیں دیتا اور آسمان کے اجرام یا زمین کے عناصر یا کسی انسان یا کسی اور چیزوں کو خدا جانتا ہے یا خدا اسکے برابر ٹھہراتا ہے اور ایسی پرستشوں سے منع نہیں کرتا یا خدا کی قدرت کو ناقص خیال کرتا ہے اور جہاں تک امکانِ قدرت ہے وہاں تک قدرت کے سلسلہ کو نہیں پہنچاتا یا اُس کے علم کو ناتمام جانتا ہے یا اسکی قدیم عظمت کے برخلاف کوئی تعلیم دیتا ہے یا سزا اور رحمت کے قانون میں افراط یا تفریط کی راہ لیتا ہے یا اسکی رحمت عامہ جیسا کہ جسمانی طور پر محیط عالم ہے اسکے برخلاف کسی خاص قوم سے خدا کا خاص تعلق اور روحانی نعمت کے وسایل کو مخصوص

رکھتا ہے یا اُلوہیت کے خواص میں سے کسی خاصہ کے برخلاف بیان کرتا ہے تو وہ مذہب خدا کی طرف سے نہیں ۔ (۲) دوسرے طالب حق کے لئے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اس مذہب میں جس کو وہ پسند کرے اُس کے نفس کے بارے میں اور ایسا ہی عام طور پر انسانی چال چلن کے بارے میں کیا تعلیم ہے کیا کوئی ایسی تعلیم تو نہیں کہ جو انسانی حقوق کے باہمی رشتہ کو توڑتی ہو یا انسان کو دیوثی کیطرف کھینچتی ہو ۔یا دیوثی امور کو مستلزم ہو اور فطرتی حیا اور شرم کی مخالف ہو اور نہ کوئی ایسی تعلیم ہو کہ جو خدا کے عام قانون قدرت کے مخالف پڑی ہو اور نہ کوئی ایسی تعلیم ہو جس کی پابندی غیر ممکن یا مُنتج خطرات ہو اور نہ کوئی ضروری تعلیم جو مفاسد کے روکنے کے لئے اہم ہے ترک کی گئی ہو اور نیز یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ کیا وہ تعلیم ایسے احکام سکھلاتی ہے یا نہیں کہ جو خدا کو عظیم الشان مُحسن قرار دے کر بندہ کا رشتہ محبت اُس سے محکم کرتے ہوں اور تاریکی سے نور کیطرف لیجاتے ہوں اور غفلت سے حضور اور یاد داشت کیطرف کھینچتے ہوں ؞

(۳) تیسرے طالب حق کے لئے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ وہ اس مذہب کو پسند کرے جسکا خدا ایک فرضی خدا نہ ہو جو محض قصّوں اور کہانیوں کے سہارے سے مانا گیا ہو اور ایسا نہ ہو کہ صرف ایک مُردہ سے مشابہت رکھتا ہو کیونکہ اگر ایک مذہب کا خدا صرف ایک مُردہ سے مشابہ ہے جسکا قبول کرنا محض اپنی خوش عقیدگی کی وجہ سے ہے نہ اس وجہ سے کہ اس نے اپنے تئیں آپ ظاہر کیا ہے تو ایسے خدا کا ماننا گویا اُسپر احسان کرنا ہے اور جس خدا کی طاقتیں کچھ محسوس نہ ہوں اور اپنے زندہ ہونے کے علامات وہ آپ ظاہر نہ کرے اُسپر ایمان لانا بیفایدہ ہے اور ایسا خدا انسان کو پاک زندگی بخش نہیں سکتا اور نہ شبہات کی تاریکی سے باہر نکال سکتا ہے اور ایک مُردہ پرمیشر سے ایک زندہ بیل بہتر ہے ۔جس سے کاشتکاری کر سکتے ہیں ۔پس اگر ایک شخص بے ایمانی اور دُنیا پرستی پر جُھکا ہوا نہ ہو تو وہ زندہ خدا کو ڈھونڈیگا تا اُسکا نفس پاک اور روشن ہو جائے اور کسی ایسے مذہب پر راضی نہیں ہو گا جس میں زندہ خدا اپنا جلوہ قدرت نہیں دکھلاتا اور اپنے جلال کی بھری ہوئی آواز سے تسلّی نہیں بخشتا ؞

یہ تین ضروری امر ہیں جو تبدیل مذہب کرنے والے کیلئے قابل غور ہیں پس اگر کوئی شخص کسی مذہب کو ان تین معیاروں کے رُو سے دوسرے مذاہب پر فایق اور غالب پا دے تو اُس کا

فرض ہوگا کہ ایسے مذہب کو اختیار کرے اور اس قدر تحقیق کے لئے نہ کسی بڑے پنڈت بننے کی حاجت ہے اور نہ کسی بڑے پادری بننے کی ضرورت ہے اور خدا نے جیسا کہ جسمانی زندگی کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے جیسے پانی - ہوا - آگ - اور خوردنی چیزیں وہ اُن کے لئے جو عمداً خودکشی نہ کرنا چاہیں بکثرت پیدا کر رکھی ہیں اسی طرح اُس نے رُوحانی زندگی کے لئے اپنی ہدایت کے طریقوں کو انسانوں کے لئے بہت سہل و آسان کر دیا ہے تا انسان اس مختصر عُمر میں فوق الطاقت مشکلات میں نہ پڑیں اور امور ثلاثہ جو ہم نے اوپر بیان کئے ہیں اُن کیلئے ایک عمر خرچ کرنی اور عالم فاضل بننے کی ضرورت نہیں بلکہ ہر ایک حامئ مذہب جو اپنے اصول شائع کرتا ہے اُنہیں اصولوں سے پتہ لگ جاتا ہے کہ وہ اس معیار کے موافق ہیں یا نہیں اور اگر وہ اپنے اصولوں کے بیان کرنے میں کچھ جھوٹ بولے یا کسی بات کو چھپاوے۔ تو وہ خیانت پوشیدہ نہیں رہ سکتی کیونکہ علمی زمانہ ہے اور صدہا پہلو ایسے ہیں جن سے حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے

اب جبکہ مذکورہ بالا بیانات سے بداہت ثابت ہے کہ تبدیل مذہب کے لئے ہرگز ایسی ضرورت نہیں کہ کسی دین کے تمام فروع اصول اور جزئیات کلیات معلوم کئے جائیں بلکہ امور متذکرہ بالا کی واقفیت کافی ہے تو اس صورت میں ان نومسلم آریوں کا کیا قصور ہے جو ان ضروری امور کی تحقیق کر کے مشرف باسلام ہوئے ہیں اور جس صورت میں خود آریہ سماج کے گروہ میں سکھ جٹ سنار اور جاہل دوکاندار آریوں میں شامل ہیں جو بغیر چاروں وید پڑھنے کے بلکہ بدون ان امور ثلاثہ مذکورہ بالا کی تحقیق کے سناتن دھرم اور خالصہ مذہب سے جو ان کے قدیم مذاہب تھے دست بردار ہو کر آریہ مت میں داخل ہو گئے ہیں اور اکثر لوگ ان میں سے نادان اور جاہل ہیں گویا کل ذخیرہ آریہ مت کا بجز شاذونادر اشخاص کے اُنہیں عوام الناس سے بھرا ہوا ہے تو پھر کیوں ان غریب نومسلم آریوں پر اعتراض کیا جاتا ہے جنہوں نے ارکان ثلاثہ پر خوب غور کر کے مذہب اسلام اختیار کیا ہے - ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ یہ بات تعلیق بالمحال ہے کہ کسی مذہب کے اختیار کرنے کے لئے پہلے اپنے آبائی مذہب کی کتاب اور اسکی تفسیروں کو سبقاً سبقاً اول سے آخر تک پڑھ لینا ضروری ہے اس شرط کو نہ کوئی آریہ دکھا سکتا ہے اور نہ کوئی پادری بلکہ یہ صرف ناحق کی نکتہ زنی ہے جو راستبازی سے بعید ہے - دُنیا میں عالم فاضل کی ڈگری حاصل کرنے والے تو بہر

ایک مذہب میں تھوڑے ہوتے ہیں بلکہ تبحر علمی میں پورے کامل ہر ایک ملک میں دس بیس سے زیادہ نہیں ہوتے مگر دوسرے لوگ کروڑہا ہوتے۔ جو نہ پنڈت کہلاویں اور نہ پادری کے نام سے ملقب ہوں اور نہ مولوی ہونے کا عمامہ سر پر رکھتے ہیں اور انہیں میں اکثر طالب حق بھی ہوتے ہیں اور ان کے لئے کافی ہوتا ہے کہ وہ اس قدر دیکھ لیں کہ کسی مذہب میں خدا کے بارے میں کیا تعلیم ہے اور پھر مخلوق کے بارے میں کیا تعلیم۔ اور پھر اس تعلیم کا ثمرہ کیا ہے کیا وہ اُس خدا تک پہنچاتی ہے اور اُس مخفی ذات کو دکھلاتی ہے جو زندہ خدا ہے یا اس کو محض قصوں کے سہارے پر چھوڑتی ہے جیسا کہ ہم ان امور ثلاثہ کی ابھی تصریح کر چکے ہیں اور عقل سلیم ببداہت اس بات کو سمجھتی ہے کہ جو شخص ان تینوں امور میں کسی مذہب کو کامل پائیگا وہی مذہب سچا ہوگا۔ کیونکہ یہ تسلی جھوٹے مذہب میں ہرگز مل نہیں سکتی ؏

اب ہم ناظرین پر بڑے زور سے اس بات کا ثبوت ظاہر کرتے ہیں کہ یہ تینوں قسم کی خوبیاں محض اسلام میں پائی جاتی ہیں اور باقی جس قدر مذاہب روئے زمین پر ہیں کیا آریہ اور کیا عیسائی اور کیا کوئی اور مذہب وہ ان سہ گونہ خوبیوں سے خالی ہیں اور ہم طول بیان سے پرہیز کر کے ہر ایک خوبی کے ذیل میں اسلام اور ان دونوں مذہبوں کا کچھ ذکر کرینگے انشاءاللہ تعالےٰ ؏

اول

خداتعالیٰ کے متعلق عیسائی صاحبوں اور آریہ صاحبوں کی کیا تعلیم ہے اور قرآن شریف کی کیا تعلیم

عیسائی صاحبان اس بات کے اقراری ہیں کہ اُن کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کامل خدا ہیں جن کے اندر چار روحیں موجود ہیں ایک بیٹے کی دوسرے باپ کی تیسری رُوح القدس کی چوتھی انسان کی اور یہ مرتبع خدا ہمیشہ کے لئے مُرتبع ہوگا بلکہ اُس کو مخمس کہیں تو بجا ہے کیونکہ اس کے ساتھ جسم بھی ہمیشہ ہی رہیگا لیکن اب تک اس بات کا جواب نہیں دیا گیا کہ اُس خدا کا وہ جسم جو ختنہ کے وقت اُس سے علیحدہ کیا گیا تھا اور وہ جسم جو تحلیل ہوتا رہا اور ہمیشہ ناخنوں

اور بالوں کے کٹانے کی وجہ سے کم ہوتا رہا کیا وہ بھی کبھی اُس جسم کے ساتھ شامل کیا جائے گا یا ہمیشہ کے لئے اُس کو داغِ جدائی نصیب ہوا۔ ہر ایک عقلمند کو معلوم ہے کہ یہ علم طبعی کا مسلم اور مقبول اور تجربہ کردہ مسئلہ ہے کہ تین برس تک پہلا جسم تحلیل پاکر نیا جسم اُسکی جگہ آجاتا ہے اور پہلے ذرات الگ ہوجاتے ہیں۔ پس اس حساب سے تینتیس برس کے عرصہ میں حضرت مسیح کے گیارہ جسم تحلیل پائے ہونگے اور گیارہ نئے جسم آئے ہوں گے۔ اب طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ گیارہ مفقود شدہ جسم پھر حضرت مسیح کے موجودہ جسم کے ساتھ شامل ہوجائیں گے یا نہیں اور اگر نہیں شامل ہوں گے تو کیا بوجہ کسی گناہ کے وہ علیحدہ رکھنے کے لائق تھے یا کسی اور وجہ سے علیحدہ کئے گئے اور اس ترجیح بلا مرجح کا کیا سبب ہے۔ اور کیوں جائز نہیں کہ اس موجودہ جسم کو دُور کرکے وہی پہلے جسم حضرت مسیح کو دے جائیں اور کیا وجہ کہ جبکہ گیارہ دفعہ اس بات کا تجربہ ہوچکا ہے کہ حضرت مسیح تمام انسانوں کیطرح تین برس کے بعد نیا جسم پاتے رہے ہیں اور تینتیس برس تک گیارہ نئے جسم پاچکے ہیں تو پھر کیوں اب باوجود دو ہزار برس گذرنے کے وہی پرانا جسم اُنکے ساتھ لازم غیر منفک رہا اگر اُس جسم کے غیر فانی بننے کی وجہ اُنکی خدائی ہے تو اُن پہلے دنوں میں بھی تو خدائی موجود تھی جبکہ ہر ایک تین برس کے بعد پہلا چولا جسم کا وہ اُتارتے رہے ہیں اور وہ جسم جو خدائی کا ہمسایہ تھا خاک وغبار میں ملتا رہا تو کیوں یہ موجودہ جسم بھی ان سے الگ نہیں ہوتا۔ پھر یہ بھی ذرہ سوچو کہ انسان کے جسم کے پہلے ذرات اس سے الگ ہوجانا تو کوئی غیر معمولی بات نہیں بلکہ رحم سے نکلتے ہی ایک حصہ اُس کے جسم کے زواید کا الگ کرنا پڑتا ہے اور ناخن اور بال ہمیشہ کٹانے پڑتے ہیں اور بسا اوقات بباعث بیماری بہت دُبلا ہوجاتا ہے اور پھر کھانے پینے سے نیا جسم آجاتا ہے مگر خدا کے گیارہ جسم اُس سے الگ ہوجائیں اسمیں بیشک خدا کی ہتک ہے ہاں جیسا کہ چاروں روحوں کے عقیدہ میں ایک راز تسلیم کیا گیا ہے اگر اس جگہ بھی یہی جواب دیا جائے کہ اسمیں بھی کوئی راز ہے تو پھر بحث کو ختم کرنا پڑتا ہے مگر بار بار راز کا بہانہ پیش کرنا یہ ایک بناوٹ اور کمزوری کی نشانی ہے۔

پھر دوسری تعجب یہ ہے کہ اس تخمیس کا نام تثلیث کیوں رکھا گیا ہے جبکہ بموجب عیسائی عقیدہ کے چاروں روحیں مسیح کے جسم میں ابدی اور غیر فانی ہیں اور ہمیشہ رہیں گی اور انسانی

رُوح بھی بباعث غیر فانی ہونے کے اس مجموعہ سے کبھی الگ نہیں ہوگی اور نہ کبھی جسم الگ ہوگا تو پھر یہ تخمیس ہوئی نہ تثلیث اب ظاہر ہے کہ واضعان تثلیث سے یہ ایک بڑی ہی غلطی ہوئی ہے جو اُنہوں تخمیس کو تثلیث سمجھ لیا مگر اب بھی یہ غلطی درست ہوسکتی ہے۔ اور جیسا کہ گذشتہ دنوں میں تثلیث کے لفظ کی نسبت ثالوث تجویز کیا گیا تھا۔ اب بجائے ثالوث کے تخمیس تجویز ہوسکتی ہے غلطی کی اصلاح ضروری ہے مگر افسوس کہ اس پانچ پہلو والے خدا کی کچھ نہ کچھ مرمت ہی ہوتی رہتی ہے۔

اب خلاصہ کلام یہ کہ عیسائی مذہب توحید سے تہیدست اور محروم ہے بلکہ ان لوگوں نے سچے خدا سے مُنہ پھیر کر ایک نیا خدا اپنے لئے بنایا ہے جو ایک اسرائیلی عورت کا بیٹا ہے مگر کیا یہ نیا خدا اُن کا قادر ہے جیسا کہ اصلی خدا قادر ہے۔ اس بات کے فیصلہ کیلئے تو اُس کی سرگذشت گواہ ہے کیونکہ اگر وہ قادر ہوتا تو یہودیوں کے ہاتھ سے ماریں نہ کھاتا۔ رومی سلطنت کی حوالات میں نہ دیا جاتا اور صلیب پر کھینچا نہ جاتا۔ اور جب یہودیوں نے کہا تھا کہ صلیب پر سے خود بخود اُتر آ ہم ابھی ایمان لے آئینگے اُس وقت اُتر آتا۔ لیکن اُس نے کسی موقعہ پر اپنی قدرت نہیں دکھلائی۔ رہے اُس کے معجزات سو واضح ہو کہ اس کے معجزات دوسرے اکثر نبیوں کی نسبت بہت ہی کم ہیں مثلاً اگر کوئی عیسائی ایلیا نبی کے معجزات سے جو بائیبل میں مفصل مذکور ہیں جنہیں سے مُردوں کا زندہ کرنا بھی ہے مسیح ابن مریم کے معجزات کا مقابلہ کرے تو اُس کو ضرور اقرار کرنا پڑے گا کہ ایلیا نبی کے معجزات شان اور شوکت اور کثرت میں مسیح ابن مریم کے معجزات سے بہت بڑھ کر ہیں ہاں انجیلوں میں بار بار اس معجزہ کا ذکر ہے کہ یسوع مسیح مصروعوں یعنے مرگی زدہ لوگوں میں سے جن نکالا کرتا تھا اور یہ بڑا معجزہ اُس کا شمار کیا گیا ہے جو محققین کے نزدیک ایک ہنسی کی جگہ ہے آجکل کی تحقیقات سے ثابت ہے کہ مرض صرع ضُعف دماغ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے یا بعض اوقات کوئی رسولی دماغ میں پیدا ہوجاتی ہے اور بعض دفعہ کسی اور مرض کا یہ عرض ہوتی ہے لیکن ان تمام محققین نے کہیں نہیں لکھا کہ اس مرض کا سبب جن بھی ہوا کرتے ہیں۔ قرآن شریف کا حضرت مسیح ابن مریم پر یہ بھی احسان ہے کہ اسکے بعض معجزات کا ذکر تو کیا لیکن یہ نہیں لکھا کہ وہ مرگی زدہ بیماروں میں سے جن بھی نکالا کرتا

تھا - اور قرآن شریف میں حضرت مسیح ابن مریم کے معجزات کا ذکر اس غرض سے نہیں ہے کہ اُس سے معجزات زیادہ ہوئے ہیں بلکہ اس غرض سے ہے کہ یہودی اس کے معجزات سے قطعاً منکر تھے اور اسکو فریبی اور مکار کہتے تھے پس خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہودیوں کے دفع اعتراض کے لئے مسیح ابن مریم کو صاحب معجزہ قرار دیا اور اسی حکمت کی وجہ سے اُسکی ماں کا نام صدیقہ رکھا کیونکہ یہودی اُسپر ناجایز تہمت لگاتے تھے سو مریم کا نام صدیقہ رکھنا اس غرض سے نہیں تھا کہ وہ دوسری تمام پاک دامن اور صالح عورتوں سے افضل تھی بلکہ اس نام کے رکھنے میں یہودیوں کے اعتراض کا ذب اور دفع مقصود تھا - اسی طرح جو احادیث میں لکھا گیا کہ عیسےٰ اور اُس کی ماں مس شیطان سے پاک تھی اس قول کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دوسرے نبی مس شیطان سے پاک نہیں تھے بلکہ غرض یہ تھی کہ نعوذ باللہ جو حضرت مسیح پر ولادت ناجایز کا الزام لگایا گیا تھا - اور حضرت مریمؑ کو ایک ناپاک عورت قرار دیا گیا تھا - اس کلمہ میں اس کا رد مقصود ہے ایسا ہی حضرت مسیح کی پیدایش بھی کوئی ایسا امر نہیں ہے جس سے اُنکی خدائی مستنبط ہو سکے - اسی دھوکہ کے دُور کرنے کے لئے قرآن شریف اور انجیل میں حضرت عیسٰی اور یحیٰی کی ولادت کا قصہ ایک ہی جگہ بیان کیا گیا ہے تا پڑھنے والا سمجھ لے کہ دونوں ولادتیں اگرچہ بطور خارق عادت ہیں لیکن اِن سے کوئی خدا نہیں بن سکتا ورنہ چاہیئے کہ یحیٰی بھی جسکا عیسائی یوحنا نام رکھتے ہیں خدا ہو بلکہ یہ دونوں امر اس بات کیطرف اشارہ تھا کہ نبوت اسرائیلی خاندان میں سے جاتی رہیگی یعنے جبکہ یسوع مسیح کا باپ بنی اسرائیل میں سے نہ ہوا اور یحیٰی کی ماں اور باپ اس لایق نہ ٹھہرے کہ اپنے نطفہ سے بچہ پیدا کر سکیں تو یہ دونوں بنی اسرائیلی سلسلہ سے خارج ہو گئے اور یہ آیندہ ارادہ الٰہی کے لئے ایک اشارہ قرار پا گیا کہ وہ نبوت کو دوسرے خاندان میں منتقل کریگا - ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا کوئی اسرائیلی باپ نہیں ہے پس وہ بنی اسرائیل میں سے کیونکر ہو سکتا ہے لہذا اسکا وجود اسرائیلی سلسلہ کے دائمی نبوت کی نفی کرتا ہے ایسا ہی یوحنا یعنے یحیٰی اپنے ماں باپ کے قوٰی میں سے نہیں ہے سو وہ بھی اسی کیطرف اشارہ ہے -

اس تمام تحقیق سے ظاہر ہے کہ مسیح کے کسی معجزہ یا طرز ولادت میں کوئی ایسا اعجوبہ نہیں کہ وہ اسکی خدائی پر دلالت کرے اسی امر کیطرف اشارہ کرنے کے لئے خدا تعالےٰ نے مسیح کی ولادت کے

ذکر کے ساتھ یحیٰے کی ولادت کا ذکر کردیا تا معلوم ہو کہ جیسا کہ یحیٰے کی خارق عادت ولادت انکو انسان ہونے سے باہر نہیں لے جاتی ایسا ہی مسیح ابن مریم کی ولادت اُس کو خدا نہیں بناتی - یہ تو ظاہر ہے کہ یوحنا کی ولادت حضرت عیسیٰ کی ولادت کوئی کم عجیب تر نہیں بلکہ حضرت عیسےٰ میں صرف باپ کی طرف میں ایک خارق عادت امر ہے اور حضرت یحییٰ میں ماں اور باپ دونوں کیطرف میں ایک خارق عادت امر ہے اور اُس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ حضرت یحییٰ کی پیدائش کا نشان بہت صاف رہا ہے کیونکہ اُن کی ماں پر کوئی ناجائز تہمت نہیں لگائی گئی اور بوجہ اس کے کہ وہ بانجھ تھی تہمت کا کوئی محل بھی نہ تھا - لیکن حضرت مریم پر تہمت لگائی گئی اور اس تہمت نے حضرت عیسیٰ کی ولادت کے اعجوبہ کو خاک میں ملادیا مگر اس تہمت میں صرف یہودیوں کا قصور نہیں بلکہ خود حضرت مریم سے ایک بڑی بھاری غلطی ہوئی جس نے یہود کو تہمت کا موقعہ دیا اور وہ یہ کہ جب اُس نے اپنے کشف میں فرشتہ کو دیکھا اور فرشتہ نے اُس کو حاملہ ہونے کی بشارت دی تو مریم نے عمداً اپنے خواب کو چھپایا اور کسی کے پاس اس کو ظاہر نہ کیا کیونکہ اس کی ماں اور باپ دونوں نے اس کو بیت المقدس کے نذر کیا تھا تاکہ وہ ہمیشہ تارک رہ کر بیت المقدس کی خدمت میں مشغول رہے اور کبھی خاوند نہ کرے اور بتول کا لقب اُس کو دیا گیا اور اُس نے آپ بھی یہی عہد کیا تھا کہ خاوند نہیں کرے گی اور بیت المقدس میں رہے گی - اب اس خواب کے دیکھنے سے اُسکو یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر میں لوگوں کے پاس یہ ظاہر کرتی ہوں کہ فرشتہ نے مجھے یہ بشارت دی ہے کہ تیرے لڑکا پیدا ہوگا تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ خاوند کرنا چاہتی ہے اسلئے وہ اس خواب کو اندر ہی اندر دبا گئی لیکن وہ خواب سچی تھی اور ساتھ ہی اُسکے حمل ہوگیا۔ جس سے مریم مدت تک بیخبر رہی جب پانچواں مہینا حمل پر گذرا تب یہ چرچا پھیل گیا کہ مریم کو حمل ہے - اور اسوقت لوگوں کو خواب سنا دی لیکن اسوقت سُنانا بے فایدہ تھا آخر بزرگوں نے پردہ پوشی کے طور پر یوسف نام ایک شخص سے اس کا نکاح کردیا - اسطرح پر یہ نشان مکدر ہوگیا -

رہی حضرت مسیح کی پیشگوئیاں پس وہ تو ایسی ہیں کہ اب تک یہودی اسپر ہنسی کرتے

کرتے ہیں کیونکہ ایسی باتیں کہ زلزلے آئینگے قحط پڑینگے لڑائیاں ہونگی عادت میں داخل ہیں اور ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں اور نیز یہودی کہتے ہیں کہ انکی کوئی بات پیشگوئی کے رنگ میں سچی نہیں نکلی چنانچہ یہ اعتراض اُن کے ابتک لا نجل چلے آتے ہیں کہ حضرت عیسٰے نے باراں حواریوں کو جو ان کے سامنے موجود تھے بہشت کا وعدہ دیا تھا بلکہ اُن کے لئے باراں تخت تجویز کئے تھے لیکن آخر کار باراں میں سے گیارہ رہ گئے اور بارواں حواری جو یہودا اسکریوطی تھا وہ مرتد ہوگیا اور تیس روپیہ لے کر حضرت عیسٰے کو اس نے گرفتار کرادیا اگر یہ پیشگوئی خدا کی طرف سے ہوتی تو یہودا مرتد نہ ہوتا۔ ایسا ہی اُن کا یہ بھی اعتراض ہے کہ انکی یہ پیشگوئی کہ ابھی اس زمانہ کے لوگ زندہ ہونگے کہ میں واپس آجاؤنگا یہ پیشگوئی بھی بڑی صفائی سے خطا گئی۔ کیونکہ اُنیس سو برس گذر گئے اور اس زمانہ کے لوگ مدت ہوئی کہ مر کھپ گئے لیکن وہ واپس نہیں آئے۔

غرض ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ وہ ہرگز کسی بات پر قادر نہیں تھا صرف ایک عاجز انسان تھا اور انسانی ضعف اور لاعلمی اپنے اندر رکھتا تھا اور انجیل سے ظاہر ہے کہ اس کو غیب کا علم ہرگز نہیں تھا کیونکہ وہ ایک انجیر کے درخت کی طرف پھل کھانے گیا اور اُس کو معلوم نہ ہوا کہ اس پر کوئی پھل نہیں ہے اور وہ خود اقرار کرتا ہے کہ قیامت کی خبر مجھے معلوم نہیں پس اگر وہ خدا ہوتا تو ضرور قیامت کا علم اُسکو ہونا چاہئے تھا اسی طرح کوئی صفت الوہیت اُسمیں موجود نہیں تھی اور کوئی ایسی بات اسمیں نہیں تھی کہ دوسروں میں نہ پائی جائے عیسائیوں کو اقرار ہے کہ وہ مر بھی گیا۔ پس کیسے بد قسمت وہ فرقہ ہے جسکا خدا مرجائے۔ یہ کہنا کہ پھر زندہ ہوگیا تھا کوئی تسلی کی بات نہیں جس نے مر کر ثابت کردیا کہ وہ بھی مر سکتا ہے اُس کی زندگی کا کیا اعتبار *

اس تمام تحقیق سے ظاہر ہے کہ موجودہ مذہب عیسائیوں کا ہرگز خدا تعالےٰ کیطرف سے نہیں ہے کیونکہ جسکو اُنہوں نے خدا قرار دیا ہے وہ کسی طرح خدا نہیں ہوسکتا۔ خدا پر ہرگز موت نہیں آسکتی اور نہ وہ علم غیب سے محروم ہوسکتا ہے۔

اب ہم اسی پیمانہ سے آریہ مذہب کو ناپنا چاہتے ہیں کہ آیا وہ سچے اور کامل اور وحدہ لاشریک خدا کو مانتے ہیں یا اُس سے برگشتہ ہیں۔ پس واضح ہو کہ اول علامت خدا شناسی کی توحید ہے یعنی خدا کو اس کی ذات اور صفات میں ایک ماننا اور کسی میں اُس کا کوئی شریک قرار نہ دینا۔ لیکن ظاہر ہے کہ آریہ سماجی لوگ ذرہ ذرہ کو خدا تعالیٰ کی ازلیت کی صفت میں شریک قرار دیتے ہیں* اور جس طرح خدا تعالیٰ اپنے وجود اور ہستی میں کسی خالق کا محتاج نہیں اسی طرح اُن کے نزدیک جیو یعنے روح اور پرمانو یعنے ذرات اجسام بھی اپنے وجود اور ہستی میں کسی خالق کیطرف محتاج نہیں بلکہ اپنی تمام قوتوں کیساتھ قدیم اور انادی ہیں اور اپنے اپنے وجود کے آپ ہی خدا ہیں اب ظاہر ہے کہ اس عقیدہ کے رُو سے نہ خدا کی توحید باقی رہتی ہے نہ اسکی عظمت میں سے کچھ باقی رہ سکتا ہے بلکہ اس صورت میں اُسکی شناخت پر کوئی دلیل بھی قائم نہیں ہو سکتی کیونکہ صانع اپنے مصنوعات سے ہی شناخت ہوتا ہے پس جبکہ روحوں اور جسموں کی تمام قوتیں خود بخود اور قدیم ہیں تو پھر خدا کے وجود پر کونسی دلیل قائم ہوئی اور عقل انسانی نے کیونکر سمجھ لیا کہ وہ موجود ہے۔ یہ کہنا بیجا ہے کہ وہ ان ذرات کو جوڑتا ہے اور روح اور جسم کو تعلق بخشتا ہے اور اسی سے وہ پہچانا جاتا ہے کیونکہ صرف جوڑنے سے کوئی شخص خدا نہیں کہلا سکتا وجہ یہ کہ اگر صرف جوڑنے سے کوئی خدا کہلا سکتا ہے تو اس صورت میں تو تمام نجار اور معمار خدا کہلا سکتے ہیں کیونکہ جوڑنے کا کام تو انہیں بھی آتا ہے۔ دیکھو حال کے زمانہ میں کیسی کیسی عمدہ صنعتیں یورپ کے صناعوں نے ایجاد کی ہیں۔ یہاں تک کہ مادرزاد اندھوں کے دیکھنے کے لئے بھی ایک آلہ نکالا ہے۔ اور آئے دن کوئی نہ کوئی نئی صنعت نکال لیتے ہیں یہاں تک کہ ایک قسم کے مردہ جانوروں میں روح ڈالنے کا طریق بھی انہوں نے ایجاد کیا ہے یعنے جب کوئی جانور ایسے طور سے مر جائے جو اس کے اعضاء رئیسہ کو صدمہ نہ پہنچے اور اس کی موت پر کچھ زیادہ عرصہ بھی نہ گذرے تو وہ اس کو اپنی حکمت عملی سے دوبارہ زندہ کرتے ہیں گو حقیقی طور پر وہ زندگی نہیں ہوتی تاہم اعجوبہ نمائی میں کیا شک ہے۔ امریکہ میں آج کل یہ عمل کثرت سے پھیل رہا ہے مگر کیا ایسی صنعتوں سے وہ خدا کہلا سکتے ہیں۔

* یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ مسلمان بھی انسانی ارواح کو ابدی قرار دیتے ہیں کیونکہ قرآن شریف یہ نہیں سکھلاتا کہ انسانی ارواح اپنی ذات کے تقاضا سے ابدی ہیں بلکہ وہ یہ سکھلاتا ہے کہ یہ ابدیت انسانی روح کے لئے محض عطیہ الٰہی ہے ورنہ انسانی روح بھی دوسرے حیوانات کے روحوں کی طرح قابل فنا ہے۔ منہ

پس اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی قدرت میں جو ایک خصوصیّت ہے جس سے وہ خدا کہلاتا ہے وہ روحانی اور جسمانی قوتوں کے پیدا کرنے کی خاصیّت ہے۔ مثلاً جانداروں کے جسم کو جو اُس نے آنکھیں عطا کی ہیں اسکا اصل کمال یہ نہیں ہے کہ اُس نے یہ آنکھیں بنائیں بلکہ کمال یہ ہے کہ اُس نے ذرات جسم میں پہلے سے ایک پوشیدہ طاقتیں پیدا کر رکھی تھیں جن میں بینائی کا نور پیدا ہو سکے پس اگر وہ طاقتیں خود بخود ہیں تو پھر خدا کچھ بھی چیز نہیں کیونکہ بقول شخصے کہ گھی سنوارے سالنا بڑی بہو کا نام۔ اس بینائی کو وہ طاقتیں پیدا کرتی ہیں خدا کو اس میں کچھ دخل نہیں اور اگر ذرّات عالم میں وہ طاقتیں نہ ہوتیں تو خدائی بیکار رہ جاتی پس ظاہر ہے کہ خدائی کا تمام مدار اس پر ہے کہ اُس نے روحوں اور ذرّات عالم کی تمام قوتیں خود پیدا کی ہیں اور کرتا ہے اور خود ان میں طرح طرح کے خواص رکھے ہیں اور رکھتا ہے۔ پس وہی خواص جوڑنے کے وقت اپنا کرشمہ دکھلاتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے خدا کے ساتھ کوئی موجد برابر نہیں ہو سکتا کیونکہ گو کوئی شخص ریل کا موجد ہو یا تار کا یا فوٹو گراف کا یا پریس کا یا کسی اور صنعت کا اس کو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ وہ ان قوتوں کا موجد نہیں جن قوتوں کے استعمال سے وہ کسی صنعت کو تیار کرتا ہے بلکہ یہ تمام موجد بنی بنائی قوتوں سے کام لیتے ہیں جیسا کہ انجن چلانے میں بھاپ کی طاقتوں سے کام لیا جاتا ہے پس فرق یہی ہے کہ خدا نے عنصر وغیرہ میں یہ طاقتیں خود پیدا کی ہیں مگر یہ لوگ خود طاقتیں اور قوتیں پیدا نہیں کر سکتے پس جبتک خدا کو ذرّات عالم اور ارواح کی تمام قوتوں کا موجد نہ ٹھیرایا جائے تب تک خدائی اُس کی ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی اور اس صورت میں اس کا درجہ ایک معمار یا نجار یا حدّاد یا گلگو سے ہرگز زیادہ نہیں ہوگا۔ یہ ایک بدیہی بات ہے جو رد کے قابل نہیں پس دانشمند کو چاہیئے کہ سمجھ کر جواب دے کہ بغیر سمجھے کے جواب دینا صرف بکواس ہے ✦

یہ نمونہ آریہ سماجیوں کی توحید کا ہے اور پھر دوسرا امر کہ وہ اپنے پرمیشر کو قادر کس درجہ تک سمجھتے ہیں خود ظاہر ہے کیونکہ جب اُن کا یہ مانا ہوا اصول ہے کہ اُن کا پرمیشر ارواح کا خالق ہے نہ ذرات اجسام کا تو اس سے ظاہر ہے کہ اس کی قدرت انکے نزدیک صرف

اس حد تک ہے کہ وہ باہم جسم اور روح کو جوڑتا ہے اور جو ارواح اور اجسام میں گن اور خواص اور عجیب و غریب قوتیں ہیں اور انکے نزدیک انادی اور خود بخود ہیں پرمیشر کا ان میں کچھ بھی دخل نہیں۔ اب اس سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک اُن کے پرمیشر کی قوت اور قدرت نجاروں اور آہنگروں وغیرہ صنّاعوں سے کچھ زیادہ نہیں کیونکہ زیادتی تو تب ہو کہ وہ ان قوتوں اور گنوں اور خاصیتوں کا پیدا کرنے والا بھی ہو اور جبکہ وہ سب خاصیتیں اور قوتیں اور گن اور طرح طرح کی طاقتیں ارواح اور ذرّات اجسام میں قدیم اور انادی ہیں جیسا کہ خود ارواح اور ذرّات اجسام قدیم اور انادی ہیں تو اس صورت میں ماننا پڑتا ہے کہ جس پرمیشر نے ان ارواح اور ذرّات کو پیدا نہیں کیا اس نے انکی قوتوں کو بھی پیدا نہیں کیا کیونکہ کوئی چیز اپنی قوتوں سے الگ نہیں رہ سکتی۔ ہر ایک چیز کی قوتیں اسکے ساتھ ہوتی ہیں اور وہی اسکی صورت نوعیہ کو قایم رکھتی ہیں اور جب وہ قوت اور گن باطل ہو جائے تو ساتھ ہی وہ چیز باطل ہو جاتی ہے پس اگر یہ مانا جائے کہ پرمیشر نے روحوں اور ذرات عالم کو پیدا نہیں کیا تو ساتھ ہی ماننا پڑتا ہے کہ اُس نے انکی قوتوں اور گنوں اور خاصیتوں کو بھی پیدا نہیں کیا۔ اور اس صورت میں بدیہی طور پر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پرمیشر کی قدرت اور قوت انسانی قوت اور قدرت سے بڑھ کر نہیں کیونکہ ہم بار بار کہتے ہیں کہ انسان سے زیادہ پرمیشر میں یہی بات ہے کہ وہ قوتوں اور گنوں اور خاصیتوں کا اپنی قدرت سے پیدا کرنیوالا ہے مگر انسان گو کیسا ہی انواع اقسام کے ایجادات میں سبقت لیجائے مگر وہ قوتوں اور گنوں اور خاصیتوں کو اپنے مطلب کے موافق ارواح اور اجسام میں پیدا نہیں کر سکتا ہاں جو خدا کیطرف سے پہلے ہی سے قوتیں اور گن اور خاصیتیں موجود ہیں اُن سے کام لیتا ہے۔ مگر خدا نے انسانوں میں جس مطلب کا ارادہ کیا ہے پہلے سے اُس مطلب کے تکمیل کے لئے تمام قوتیں خود پیدا کر رکھی ہیں مثلاً انسانی روحوں میں ایک قوت عشقی موجود ہے اور گو کوئی انسان اپنی غلطی سے دوسرے سے محبت کرے اور اپنے عشق کا محل کسی اَور کو ٹھیراوے لیکن عقل سلیم بڑی آسانی سے سمجھ سکتی ہے کہ یہ قوت عشقی اسلئے روح میں رکھی گئی ہے کہ تا وہ اپنے محبوب حقیقی سے جو اُس کا خدا ہے اپنے سارے دل اور ساری طاقت اور سارے جوش سے پیار کرے

پس کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ قوت عشقی جو انسانی روح میں موجود ہے جسکی موجیں ناپیدا کنار ہیں اور جسکے کمال تموج کے وقت انسان اپنی جان سے بھی دست بردار ہونیکو طیار ہوتا ہے یہ خود بخود رُوح میں قدیم سے ہے ہرگز نہیں اگر خدا نے انسان اور اپنے ذات میں عاشقانہ رشتہ قایم کرنے کے لئے خود قوت عشقی پیدا کر کے یہ رشتہ آپ پیدا نہیں کیا تو گویا یہ امر اتفاقی ہے کہ پرمیشر کی خوش قسمتی سے روحوں میں قوت عشقی پائی گئی اور اگر اس کے مخالف کوئی اتفاق ہوتا یعنے قوت عشقی روحوں میں نہ پائی جاتی تو کبھی لوگوں کو پرمیشر کی طرف خیال نہ آتا اور نہ پرمیشر اسمیں کوئی تدبیر کر سکتا کیونکہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی۔ لیکن ساتھ ہی اس بات کو بھی سوچنا چاہیئے کہ پرمیشر کا بھگتی اور عبادت اور نیک اعمال کے لئے مواخذہ کرنا اسبات پر دلیل ہے کہ اُس نے خود محبت اور اطاعت کی قوتیں انسان کے روح کے اندر رکھی ہیں لہذا وہ چاہتا ہے کہ انسان جسمیں خود اس نے یہ قوتیں رکھی ہیں اسکی محبت اور اطاعت میں محو ہو جاوے ورنہ پرمیشر میں یہ خواہش پیدا کیوں ہوئی کہ لوگ اُس سے محبت کریں اسکی اطاعت کریں اور اسکی مرضی کے موافق رفتار اور گفتار بناویں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ باہمی کشش کیلئے کسی قسم کا اتحاد ضروری ہے انسان انسان کے ساتھ اُنس رکھتا ہے اور بکری بکری کے ساتھ اور گائے گائے کیساتھ اور ایک پرندہ اپنے ہم قسم پرندہ کیساتھ پس جبکہ انسان کی روحانی اور جسمانی قوتوں کو پرمیشر کے ساتھ کوئی بھی رشتہ نہیں تو کس اشتراک سے باہمی کشش درمیان ہو صرف جوڑنے کا اشتراک کافی نہیں کیونکہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں جوڑنے میں پرمیشر اور ایک بیچارہ آہنگر برابر ہیں اگر ہمارا کوئی عضو اپنے ٹھکانہ سے اُتر جائے اور کوئی شخص اُسکو اصل جگہ سے جوڑ دے یا مثلاً اگر کسی کا ناک کٹ جائے اور کوئی شخص زندہ گوشت اُس ناک پر چڑھا کر اُس کو درست کر دے تو کیا وہ اُس کا پرمیشر ہو جائے گا۔ خدا کو پہلی کتابوں میں استعارہ کے طور پر پتا یعنے باپ قرار دیا گیا ہے اور قرآن شریف میں بھی فرمایا ہے فاذکروا اللہ کذکرکم اباءکم یعنے تم خدا کو ایسا یاد کرو جیسا کہ تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو اور فرمایا اللہ نور السموات والارض یعنے خدا اصل نور ہے ہر ایک نور زمین اور آسمان کا اسی سے نکلا ہے۔ پس خدا کا

نام استعارۃً پتا رکھنا اور ہر ایک نوع کی جڑھ اسکو قرار دینا اسی کیطرف اشارہ کرتا ہے کہ انسانی رُوح کا خدا سے کوئی بھاری علاقہ ہے -

عربی میں آدمی کو انسان کہتے ہیں یعنے جس میں دو اُنس ہیں ایک اُنس خدا کی اور ایک اُنس بنی نوع کی - اور اسی طرح ہندی میں اُسکا نام مانس ہے جو مانوس کا مخفف ہی اس سے ظاہر ہے کہ انسان اپنے خدا سے طبعی اُنس رکھتا ہے اور مشرکانہ غلطی بھی در اصل اُسی سچے خدا کی تلاش کیوجہ سے ہی - ہم اپنے کامل ایمان اور پوری معرفت سے یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ اصول آریہ سماجیوں کا ہرگز درست نہیں کہ ارواح اور ذرات اپنی تمام قوتوں کے ساتھ قدیم اور انادی اور غیر مخلوق ہیں اس سے تمام وہ رشتہ ٹوٹ جاتا ہے جو خدا میں اور اُس کے بندوں میں ہے - یہ ایک نیا اور مکروہ مذہب ہے جو پنڈت دیانند نے پیش کیا ہے ہم نہیں جانتے کہ وید سے کہاں تک اس مذہب کا تعلق ہے لیکن ہم اس پر بحث کرتے ہیں کہ یہ اصول جو آریہ سماجیوں نے اپنے ہاتھ سے شائع کیا ہے یہ عقل سلیم کے نزدیک کامل معرفت اور کامل غور اور کامل سوچ کے بعد ہرگز درست نہیں - سناتن دھرم کا اصول جو اسکے مقابل پر پڑا ہوا ہے اسکو اگرچہ ویدانت کے بیجا مبالغہ نے بدشکل کر دیا ہے اور ویدانتیوں کی افراط نے بہت سے اعتراضات کا موقعہ دیدیا ہے تاہم اسمیں سچائی کی ایک چمک ہے اگر اُس عقیدہ کو زواید سے الگ کر دیا جائے تو ماحصل اسکا یہی ہوتا ہے کہ ہر ایک چیز پرمیشر کے ہی ہاتھ سے نکلی ہے پس اس صورت میں تمام شبہات دُور ہو جاتے ہیں اور ماننا پڑتا ہے کہ بموجب اصول سناتن دھرم کے وید کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ یہ تمام ارواح اور ذرات اجسام اور اُن کی قوتیں اور طاقتیں اور گُن اور خاصیتیں خدا کیطرف سے ہیں -

یاد رہے کہ آریہ ورت میں مذہب قدیم جس پر کروڑ ہا انسان پائے جاتے ہیں سناتن دھرم ہے اگرچہ اس مذہب کو عوام نے بگاڑ دیا ہے اور مورتی پوجا اور دیویوں کی پرستش اور بہت سی مشرکانہ بدعتیں اور اوتاروں کو خدا سمجھنا گویا اس مذہب کی جُز ہو گیا ہے لیکن ان چند غلطیوں کو الگ کر کے بہت سی عمدہ باتیں بھی اس مذہب میں موجود ہیں اسی مذہب میں بڑے بڑے رشی اور مُنی اور جوگی ہوتے رہے ہیں اور نیز اس مذہب میں بڑے بڑے جپی تپی اور ریاضت

کرنے والے پائے گئے ہیں اب اگر کوئی چاہے قبول کرے یا نہ کرے۔ لیکن جس مذہب کو
پنڈت دیانند نے پیش کیا ہے اسمیں وہ روحانیت نہیں ہے جسکو سناتن دھرم کے بزرگوں
نے پایا تھا گو آخر کار شرک کو اپنے عقاید میں ملا کر اُس روحانیت کو کھو دیا مخلوق کا خدا سے
حقیقی تعلق تب ہی ٹھہرتا ہے جب مخلوق خدا کے ہاتھ سے نکلنے والے ہوں جس پر غیریت
کا داغ ہے اس میں یگانگت کبھی نہیں آسکتی۔ ہم نے بڑے بڑے پنڈتوں سے سُنا ہے
کہ پنڈت دیانند نے جو مذہب پیش کیا ہے یہ اُس ملک کے خود رائے لوگوں کا مذہب
تھا جو محض اپنی ناقص عقل کے پیرو تھے جیسے کہ یونان کے گمراہ فلاسفر اس لئے وہ وید کی
چنداں پرواہ نہیں کرتے تھے غائت کار عوام کو مائل کرنے کے لئے تاویلوں کیساتھ کوئی وید
کی شرتی اپنی تائید میں سناتے تھے تا اس طرح پر اپنے عقاید کو عوام میں پھیلادیں ورنہ اصل
عقیدہ وید کا وہی ہے جو سناتن دھرم کی روح میں مخفی ہے۔ ان لوگوں میں کسی زمانہ
میں قابل تعریف عملی حالتیں تھیں اور وہ بنوں میں جاکر ریاضت اور عبادت بھی کرتے تھے
اور ان کے دلوں میں نرمی اور سچی تہذیب تھی۔ کیونکہ اُن کا مذہب صرف زبان تک
نہیں بلکہ دلوں کو صاف کرتے تھے اور وہ پرمیشر جس کا کتابوں میں اُنہوں نے نام سُنا
تھا چاہتے تھے کہ اسی دنیا میں اس کا درشن ہو جائے اسلئے وہ بہت محنت کرتے تھے
اور اس صدق کا نور اُنکی پیشانیوں میں ظاہر تھا۔ پھر بعد اسکے ایک اور زمانہ آیا کہ بت پرستی اور دیوتوں
کی پوجا اور مورتی پوجا اور اوتاروں کی پوجا بلکہ ہر ایک عجیب چیز کی پوجا سناتن دھرم کا طریق
ہو گیا اور وہ اُس طریق کو بھول گئے جو طریق راجہ رامچندر اور راجہ کرشن نے اختیار کیا تھا
جن پر اُن کی راستبازی کیوجہ سے خدا ظاہر ہوا۔

بات یہ ہے کہ جو لوگ خدا کے ہو جاتے ہیں اور واقعی اپنا وجود اور ذرہ ذرہ اپنے جسم کا خدا
کیطرف سے سمجھتے ہیں انکو خدا اور بھی نعمت دیتا ہے اور جو لوگ اپنا روح اور اپنے جسم کا ذرہ ذرہ خدا
کیطرف سے نہیں جانتے ان میں تکبر ہوتا ہے اور وہ دراصل خدا کے گہرے احسان اور اسکی کامل
پرورش سے منکر ہوتے ہیں بلکہ اُنکے نزدیک جسقدر باپکو اپنے بیٹے سے روحانی تعلق ہے اسقدر
بھی خدا کو اپنے بندہ سے تعلق نہیں کیونکہ وہ مانتے اور قبول کرتے ہیں کہ بیٹا اپنی ماں

اور باپ کے اس قدر روحانی تعلق رکھتا ہے کہ اُن کے اخلاق سے حصہ لیتا ہے۔ مثلاً جب بیٹے کا باپ شجاعت کی صفت سے موصوف ہے بیٹے میں بھی وہ صفت کسی قدر آجاتی ہے اور جس باپ میں مادہ فراست اور عقل کا بہت ہے بیٹا بھی اُس میں سے کسی قدر حصہ پاتا ہے لیکن آریہ صاحبوں کا یہ مذہب نہیں ہے کہ انسانی رُوح میں جو اخلاق اور صفات اور قوتیں ہیں وہ خدا سے اُس کو ملی ہیں۔ کیونکہ اگر وہ ایسا کہیں تو پھر اُنہیں روح کو مخلوق ماننا پڑے حالانکہ انسانی اخلاق خدا کے اخلاق کا پرتوہ ہیں جب خدا تعالیٰ نے روحوں کو پیدا کیا تو جس طرح باپ کے اخلاق کا بیٹوں میں اثر آجاتا ہے ایسا ہی بندوں میں اپنے خدا کا اثر آگیا۔

اور ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ خدا نے جو انسان کو اپنی طرف بلایا ہے اس لئے اُس نے پہلے سے پرستش اور عشق کے مناسب حال قوتیں اس میں رکھ دی ہیں۔ پس وہ قوتیں جو خدا کی طرف سے ہیں خدا کی آواز کو سُن لیتی ہیں۔ اسی طرح جب خدا نے چاہا کہ انسان خدا کی معرفت میں ترقی کرے تو اُس نے پہلے سے ہی انسانی روح میں معرفت کے حواس پیدا کر رکھے ہیں اگر وہ پیدا نہ کرتا تو پھر کیونکر انسان اُس کی معرفت حاصل کر سکتا تھا۔ انسان کی روح میں جو کچھ ہے دراصل خدا سے ہے اور وہ خدا کی صفات ہیں جو انسانی آئینہ میں ظاہر ہیں ان میں سے کوئی صفت بُری نہیں بلکہ ان کے بد استعمالی اور اُن میں افراط تفریط کرنا بُرا ہے شاید کوئی جلدی سے یہ اعتراض کرے کہ انسان میں حسد ہے بغض ہے اور دوسری صفات ذمیمہ ہوتے ہیں پھر وہ کیونکر خدا کی طرف سے ہو سکتے ہیں پس واضح رہے کہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں دراصل تمام انسانی اخلاق الٰہی اخلاق کا ظل ہیں کیونکہ انسانی روح خدا سے ہے لیکن کمی یا زیادتی یا بد استعمالی کی وجہ سے وہ صفات ناقص انسانوں میں مکروہ صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً حسد انسان میں ایک بہت بُرا خلق ہے جو چاہتا ہے جو ایک شخص سے ایک نعمت زائل ہو کر اُس کو مل جائے لیکن اصل کیفیت حسد کی صرف اس قدر ہے کہ انسان اپنے کسی کمال کے حصول میں یہ روا نہیں رکھتا کہ اُس کمال میں اُسکا کوئی شریک بھی ہو پس درحقیقت یہ صفت خدا تعالےٰ کی ہے جو اپنے تئیں ہمیشہ وحدہٗ لاشریک سمجھنا چاہتا ہے۔ پس ایک قسم

کی بد استعمالی سے یہ عمدہ صفت قابل نفرت ہوگئی ہے ورنہ اس طرح پر یہ صفت مذموم نہیں
کہ کمال میں سب سے زیادہ سبقت چاہے اور روحانیت میں تفرد اور یکتائی کے درجہ
پر اپنے تئیں دیکھنا چاہئے ۔

پھر ماسوائے اس کے اگر خدا کو قادر نہ مانا جاوے تو پھر اس سے ساری امیدیں
باطل ہو جاتی ہیں کیونکہ ہماری دعاؤں کی قبولیت اس بات پر موقوف ہے کہ خدا تعالے
جب چاہے ذرات اجسام میں یا ارواح میں وہ قوتیں پیدا کردے جو اُن میں موجود نہ
ہوں ۔ مثلاً ہم ایک بیمار کے لئے دعا کرتے ہیں اور بظاہر مرنے والے آثار اس میں ہوتے
ہیں تب ہماری درخواست ہوتی ہے کہ خدا اسکے ذرات جسم میں ایک ایسی قوت پیدا کردے
جو اس کے وجود کو موت سے بچالے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر وہ دُعا قبول ہوتی ہے ۔ اور بسا
اوقات اوّل ہمیں علم دیا جاتا ہے کہ یہ شخص مرنے پر ہے اور اسکی زندگی کی قوتوں کا خاتمہ ہے
لیکن جب دعا بہت کی جاتی ہے اور انتہا تک پہنچ جاتی ہے اور شدّت دعا اور قلق اور
کرب سے ہماری حالت ایک موت کی سی ہو جاتی ہے تب ہمیں خدا سے وحی ہوتی ہے
کہ اس شخص میں زندگی کی طاقتیں پھر پیدا کی گئیں تب وہ یک دفعہ صحت کے آثار ظاہر کرنے
لگتا ہے ۔ گویا مردہ سے زندہ ہو گیا ۔

ایسا ہی مجھے یاد ہے کہ جب میں نے طاعون کے وقت میں دعا کی کہ اے خدا اے
قادر ہمیں اس بلا سے بچا اور ہمارے جسم میں وہ ایک تریاقی خاصیت پیدا کردے جس سے
ہم طاعون کے زہر سے بچ جائیں ۔ تب وہ خاصیت خدا نے ہم میں پیدا کردی اور فرمایا کہ
میں طاعون کی موت سے تمہیں بچاؤں گا اور فرمایا کہ تیرے گھر کی چار دیواری کے لوگ جو تکبر
نہیں کرتے یعنے خدا کی اطاعت سے سرکش نہیں اور پرہیزگار ہیں میں اُن سب کو بچاؤنگا ۔
اور نیز ہمیں قادیان کو طاعون کے سخت غلبہ اور عام ہلاکت سے محفوظ رکھونگا ۔ یعنے وہ سخت
تباہی جو دوسرے دیہات کو فنا کر دیگی اس قدر قادیان میں تباہی نہیں ہوگی سو ہم نے
دیکھا اور خدا تعالیٰ کی ان تمام باتوں کو مشاہدہ کیا ۔ پس ہمارا خدا یہی خدا ہے جو نئی نئی قوتیں
اور گن اور خاصیتیں ذرات عالم میں پیدا کرتا ہے اس سے پہلے پانسو برس تک پنجاب میں

اس مہلک طاعون کا پتہ نہیں ملتا اُس وقت یہ ذرات کہاں تھے۔ اب جب خدا نے پیدا
کئے تو پیدا ہو گئے اور پھر ایسے وقت رخصت ہونگے جب خدا تعالےٰ اُن کو رخصت کرے گا
ہمارا یہ طریق ہر ایک آریہ کے لئے ایک نشان ہوگا کہ ہم نے اس کامل خدا سے خبر پاکر ٹیکا
کے انسانی حیلہ سے دستکشی کی اور بہت سے لوگ ٹیکا کرانے والے اس جہان سے گذر
گئے اور ہم ابتک خدا تعالےٰ کے فضل سے زندہ موجود ہیں۔ پس اسی طرح خدا تعالےٰ ذرات
پیدا کرتا ہے جس طرح اُس نے ہمارے لئے ہمارے جسم میں تریاقی ذرات پیدا کر دئے۔ اور اسی
طرح وہ خدا روح پیدا کرتا ہے جس طرح مجھ میں اُس نے وہ پاک روح پھونک دی جس سے
میں زندہ ہو گیا۔ ہم صرف اس بات کے محتاج نہیں کہ وہ روح پیدا کر کے ہمارے جسم کو
زندہ کرے بلکہ خود ہماری رُوح بھی ایک اَور رُوح کی محتاج ہے جس سے وہ مردہ رُوح زندہ
ہو۔ پس ان دونوں روحوں کو خدا ہی پیدا کرتا ہے۔ جس نے اس راز کو نہیں سمجھا وہ خدا کی
قدرتوں سے بے خبر اور خدا سے غافل ہے۔

اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ خدا تعالےٰ کے علم کے بارے میں آریہ سماجیوں کا
کیا عقیدہ ہے۔ واضح ہو کہ عقل سلیم اس بات کی ضرورت سمجھتی ہے کہ خدا تعالےٰ
عالم الغیب ہو اور کوئی ایسا مخفی امر نہ ہو جس پر اس کا علم محیط نہ ہو۔ لیکن آریہ صاحبوں
کے عقیدہ سے یہی لازم آتا ہے کہ اُن کا پرمیشر ارواح اور ذرات کی مخفی در مخفی قوتوں
اور خاصیّتوں کا علم نہیں رکھتا کیونکہ ابھی تک اس کو اسی قدر خبر ہے کہ جو کچھ کسی انسان
یا حیوان میں گن اور قوت اور خوبی ہے وہ گذشتہ اعمال کی وجہ سے ہے پس
اگر اُس کو یہ بھی معلوم ہوتا کہ علاوہ جسم دار جانداروں کے خود روحوں میں بھی انواع
اقسام کی قوتیں اور گُن اور خوبیاں ہیں جو کبھی اُن سے دور نہیں ہوتیں تو وہ اُن
کے لئے بھی کوئی گذشتہ جنم تجویز کرتا۔ اور اُن کو انادی قرار نہ دیتا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ
کسی چیز کے خواص اُس سے منفک نہیں ہوتے پس فرض کے طور پر اگر انسانی روح گدھے
میں آجاتا ہے تو وہ اپنے طبعی خواص کو کسی طرح چھوڑ نہیں سکتا گو اُس جون میں اُن خواص کو
ظاہر کرے یا نہ کرے کیونکہ اگر کسی جون کے بدلنے سے اصلی خواص اور قوتیں روح کی قطعاً

اُس سے دور ہو جائیں تو پھر خود بقول آریہ صاحبان اعادہ اسکا محال ہوگا کیونکہ نیستی سے ہستی نہیں ہوسکتی جو قوت درحقیقت روح میں سے معدوم ہوگئی اُسکا دوبارہ رُوح میں موجود ہو جانا درحقیقت نیست سے ہست ہو جانا ہے اور اگر تناسخ کے چکر میں آکر روح کی قوتیں معدوم نہیں ہوتیں تو تناسخ کا اُن پر کوئی اثر نہ ہوا پس جبکہ پرمیشر نے ان غیر منفک قوتوں کو تناسخ کے چکر سے باہر رکھا ہی تو اس سے معلوم ہوا کہ اسکو ان مخفی قوتوں اور خوبیوں کی خبر ہی نہیں اور نہ یہ معلوم کہ کن عملوں کے پاداش میں یہ قوتیں اور یہ گُن اور خوبیاں روحوں کو ملی ہیں۔ علاوہ اس کے اگر پرمیشر کو اس بات کا کامل علم ہے کہ روح کیا چیز ہے اور اُس کے خواص اور قوتیں کیا ہیں تو پھر کیوں وہ اس کے بنانے پر قادر نہیں؟ یہ تو آریہ صاحبوں کے نزدیک مانا ہوا مسئلہ ہے کہ ارواح اپنے شمار میں محدود ہیں اور محدود وقت تک اپنا دورا پورا کرتی ہیں پس محدود اور معلوم کے بنانے پر کیوں خدا قادر نہیں اور کس نے ان روحوں کو شمار مقررہ تک محدود کر دیا ہے اگر خدا ان کا محدد نہیں۔ اگر وہ روحیں خدا کی بنائی ہوئی نہیں تو انکی نسبت خدا کا علم ایسا کیونکر کامل ہوسکتا ہے جیسا کہ بنانیوالے کا علم ہوتا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ بنانیوالے اور غیر بنانے والے کا علم برابر نہیں ہوتا۔ مثلاً جو لوگ اپنے ہاتھ سے کوئی صنعت بناتے ہیں جیسے وہ لوگ اس صنعت کی دقیق در دقیق کیفیتوں پر واقف ہوتے ہیں دوسرے لوگ ایسی اطلاع نہیں رکھتے اور اگر کامل طور پر اطلاع رکھتے تو بنا بھی سکتے یہ بات مسلّم اور مقبول ہے کہ جو بنانے والے کو ایک قسم کا علم ہوتا ہے۔ وہ دوسرے شخص کو نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ خیال بھی کرے کہ میں علم رکھتا ہوں تب بھی اُسکا وہ خیال غلط ہے اور دراصل ایک قسم کی ناواقفی کا پردہ اس پر ضرور رہتا ہے مثلاً ہم ہر روز دیکھتے ہیں کہ روٹی اسطرح پکاتے ہیں اور ہمارے روبرو وہ روٹی بنائی جاتی ہے اور عمدہ اور لطیف پھلکے اور نان اور کلچے تیار ہوتے ہیں لیکن اگر ہم کبھی اپنے ہاتھ سے یہ کام کرنا چاہیں تو اوّل غالباً یہی ہوگا کہ ہم گوندھنے کے وقت آٹے کو ہی خراب کرینگے اور وہ پتلا ہوکر روٹی پکانے کے لایق ہی نہیں رہیگا یا گاڑھ اور سخت ہوکر اس کام کے ناقابل ہوگا اور یا اُس میں آٹے کی گانٹیاں پڑ جائینگی۔ اور اگر ہم نے مطابق کے موافق آٹا گوندھ

کبھی لیا تو پھر روٹی ہم سے ہرگز درست نہیں آئے گی۔ غالباً بیچ میں اس کے ایک ٹکی رہیگی اور گرد اس کے بڑے بڑے کان نکل آئیں گے اور کسی جگہ سے پتلی اور کسی جگہ سے موٹی اور اور کسی جگہ سے کچی اور کسی جگہ سے سڑی ہوئی ہوگی پس کیا سبب ہے کہ باوجود ہر روز مشاہدہ کے ہم صاف روٹی پکا نہیں سکیں گے اور باوجودیکہ وقت بہت خرچ کرینگے لیکن کام بگاڑ دینگے اس کا یہی سبب ہے کہ ہمارے پاس وہ علم نہیں کہ جو اُس شخص کو علم ہے جو بیس برس سے ہر قسم کی روٹیاں اپنے ہاتھ سے پکا رہا ہے۔

اسی طرح دیکھو کہ تجربہ کار ڈاکٹر کیسے کیسے نازک اپریشن کرتے ہیں یہاں تک کہ گردہ میں سے پتھریاں نکال لیتے ہیں۔ اور بعض ڈاکٹروں نے انسان کے سر کے بیکار اور زخم رسیدہ کھوپری کو کاٹ کر اسی قدر حصہ کسی اور جانور کی کھوپری کا اس سے پیوست کر دیا ہے اور دیکھو وہ کیسی عمدگی سے بعض نازک اعضاء کو چیرتے ہیں یہاں تک کہ انتڑیوں میں جو بعض پھوڑے پیدا ہوتے ہیں نہایت صفائی سے ان پر عمل جراحی کرتے ہیں۔ اور نزول الماء کے موتی کو کیسی صفائی سے کاٹتے ہیں اب اگر یہی عمل ایک دہقان بغیر تجربہ اور علم کے کرنے لگے تو اگر آنکھ پر کوئی اگر نشتر چلاوے تو دونوں ڈیلے نکال دیگا اور اگر پیٹ پر چلاوے تو وہیں بعض اعضاء کو کاٹ کر زندگی کا خاتمہ کر دیگا۔ اب ظاہر ہے کہ اس دہقان اور ڈاکٹر میں فرق صرف علم کا ہے کیونکہ ڈاکٹر کو کثرت تجربہ اور عملی مزاولت سے ایک قسم کا علم حاصل ہو گیا ہے جو اُس دہقان کو حاصل نہیں۔ دیکھو ہمیشہ شفاخانوں میں بیماروں کیلئے خدمت کرنیوالے اور سقے وغیرہ موجود رہتے ہیں اور وہ ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر کس کس قسم کے اپریشن کرتا ہے لیکن اگر وہ آپ کرنے لگیں تو بیشک کسی انسان کا خون کر دینگے پس اسمیں کچھ شک نہیں کہ عملی مزاولت میں ایک خاص علم ہو جاتا ہے کہ دوسرے کو نہیں ہوسکتا اسی طرح آریہ صاحبوں کو اس بات کا اقرار کرنا پڑیگا کہ اگر اُن کا پرمیشر روحوں اور ذرات عالم کا خالق ہوتا تو اسکا علم موجودہ حالت سے بہت زیادہ ہوتا۔ اسی اقرار سے یہ بھی انکو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ انکے پرمیشر کا علم ناقص ہے کیونکہ بنانے والا اور نہ بنانے والا حقیقت شناسی میں برابر نہیں ہوسکتے اور جب خود مان لیا جائے کہ پرمیشر نے نہ روحوں

کو بنایا نہ انکی قوتوں کو اور نہ ان کی خاصیتوں کو اور نہ پرمانو۔ یعنے ذرّات اجسام کو بنایا اور نہ انکی قوتوں اور خاصیتوں اور گنوں کو تو اُس پر کیا دلیل ہے کہ ایسے پرمیشر کو اُن قوتوں اور خاصیتوں اور گنوں کا علم بھی ہے یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اس کو علم ہے کیونکہ محض عقیدہ پیش کرنا کوئی دلیل نہیں ہے اور بافرض محال اگر کسی قدر علم مان بھی لیں تو وہ علم اس علم کے برابر کب ہو سکتا ہے کہ اس حالت میں ہوتا کہ جبکہ پرمیشر نے روحوں اور ذرّات عالم اور اُن کی قوتوں اور خاصیتوں کو اپنے ہاتھ سے بنایا ہوتا کیونکہ تمام عقلمندوں کی یہ مانی ہوئی بات ہے کہ بنانے والے اور نہ بنانے والے کا علم برابر نہیں ہوتا جیساکہ ابھی ہم اوپر بیان کر چکے ہیں لیکن قرآن شریف ہمیں سکھلاتا ہے کہ وہ روحوں اور ذرات عالم کی تمام اندرونی کیفیتیں اور قوتیں اور خاصیتیں جانتا ہے اور قرآن شریف میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ میں اس لئے اندرونی حالات ارواح اور ذرات کے جانتا ہوں کہ میں اُن سب چیزوں کا بنانیوالا ہوں لیکن وید کا پرمیشر کوئی دلیل نہیں دیتا کہ بلا تعلق اور بلا واسطہ کیوں اور کس وجہ سے ارواح کی پوشیدہ قوتوں اور گنوں اور خواص کا اُس کو علم ہے اور ایسا ہی کیوں اور کسطرح ذرّات اجسام کے نہاں در نہاں خواص اور طاقتوں اور گنوں پر اس کو اطلاع ہے۔

پھر ماسوا اسکے ہم خدا تعالےٰ کے علم کا اُس کی تازہ بتازہ وحی سے ہمیشہ مشاہدہ کرتے ہیں اور ہم روز دیکھتے ہیں کہ درحقیقت خدا تعالیٰ غیب دان ہے اور نہ صرف اسی قدر بلکہ ہم اسکی قدرت کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں مگر آریہ صاحبوں پر یہ دروازہ بھی بند ہے اسلئے اُنکے لئے اس بات پر یقین کرنے کیلئے کوئی راہ کھلی نہیں کہ اُن کا پرمیشر غیب دان ہے یا قادر مطلق ہے اور نہ وید اُنکو اس درجہ کے حاصل کرنے کی کوئی بشارت دیتا ہے۔

ایسا ہی آریہ صاحبان خود اقراری ہیں کہ اُن کے پرمیشر کیلئے اپنے فیض الوہیت میں کمال تام حاصل نہیں کیونکہ وہ ہمیشہ ناقص طور پر لوگوں کو مکتی خانہ میں داخل کرتا ہے اور پھر کچھ مدّت کے بعد ناکردہ گناہ مکتی خانہ سے باہر نکال دیتا ہے تا سلسلہ تناسخ میں کچھ فرق نہ آوے اس لئے اسکی سزا اور رحمت کا قاعدہ بھی خودغرضی کی آمیزش اپنے اندر رکھتا ہے۔ کیونکہ

وہ جانتا ہے کہ اگر میں رحمت تامہ سے کام لوں اور سب کو ہمیشہ کے لئے نجات دیدوں تو سلسلہ تناسخ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیگا تو پھر بعد میں بیکار بیٹھنا پڑے گا کیونکہ جس حالت میں روحیں محدود ہیں یعنے ان کے شمار کی ایک مقدار تک حد مقرر ہے تو اس صورت میں اگر ایک بھگت کو جو عبادت میں اپنی تمام عمر بسر کرتا ہے نجات ابدی دی جائے تو ظاہر ہے کہ جو روح نجات پا گئی وہ ہاتھ سے گئی اور تناسخ کے چکر سے آزاد ہوئی پس بالضرورت ایک دن ایسا آجائیگا کہ سب روحیں ہمیشہ کے لئے نجات پاجائینگی اور یہ تو خود مانا ہوا مسئلہ ہے کہ پرمیشر روح پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ پس اس صورت میں بجز اس کے کیا نتیجہ ہو سکتا ہے کہ کسی دن تمام روحوں کی دائمی مکتی پانے کے بعد پرمیشر گری کا تمام سلسلہ معطل پڑ جائے اور تناسخ کے لئے ایک روح بھی اسکے ہاتھ میں نہ رہے پس اس تمام تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ آریہ صاحبان کا پرمیشر جیسا کہ روحوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں ایسا ہی وہ روحوں کو نجات ابدی دینے پر بھی قادر نہیں کیونکہ اگر وہ روحوں کو نجات ابدی دیدے تو اسکا تمام سلسلہ ٹوٹتا ہے اس لئے اپنی تمام عملداری کے محفوظ رکھنے کے لئے بخل کی عادت کو اُسنے لازم پکڑ لیا ہے اور اپنے راستباز پرستاروں کے ساتھ بخیلوں کی طرح کاروائی کرتا ہے اور بار بار عزت کے بعد اُن کو ذلت دیتا ہے اور تناسخ کے چکر میں ڈال کر مکروہ در مکروہ موتوں میں اُن ڈالتا ہے محض اسلئے کہ تا اُس کی عملداری میں فرق نہ آوے۔ اس بات کا آریہ صاحبوں کو خود اقرار ہے کہ اُس نے بار ہا دنیا کے کل انسانوں کو نجات دیدی ہے مگر پھر کچھ مدت کے بعد اُس نجات خانہ سے باہر نکال کر طرح طرح کی جونوں میں اُن کو ڈال دیا ہے اب آریہ صاحبان ناراض نہ ہوں ہم ادب سے عرض کرتے ہیں اور جہاں تک ہمیں نرم الفاظ مل سکتے ہیں ان میں ہماری یہ گذارش ہے کہ اس عقیدہ پر ایک سخت اعتراض ہوتا ہے اور ہم امید نہیں کرتے کہ اس اعتراض کا کوئی آریہ صاحب صفائی سے جواب دے سکے اور اگر جواب دیں تو ہم خوشی سے سنیں گے اور اعتراض یہ ہے کہ جبکہ خود غرضی کی ضرورت کی وجہ سے پرمیشر کی یہ عادت ہے کہ وہ مکتی خانہ میں ہمیشہ لوگوں کو رہنے نہیں دیتا اور پھر طرح طرح کی

جونوں میں ڈالتا ہے تو ان مختلف جونوں سے ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی یعنے جو لوگ پرمیشر کے سچے بھگت ہو کر نجات پا چکے ہیں اب مکتی خانہ سے باہر نکالنے کے وقت کسی کو مرد بنانا اور کسی کو عورت اور کسی کو گائی اور کسی کو بیل اور کسی کو کُتّا اور کسی کو سؤر اور کسی کو بندر اور کسی کو بھیڑیا یا اس میں خلاف عدالت طریق معلوم ہوتا ہے خصوصاً جس حالت میں ہر ایک مکتی پانے والا سخت امتحان کے بعد مکتی پاتا ہے اور کروڑ ہا برس تناسخ کے چکر میں رہ کر پھر کہیں اس مراد تک پہنچتا ہے تو کم سے کم اس کیلئے یہ رعایت تو ہونی چاہیئے تھی کہ وہ انسان بنایا جاتا - یہ کیا معاملہ ہے کہ اپنا پیارا بنا کر اور اپنے قرب سے شرف بخش کر پھر آخر کار اُس کو کُتّا یا سور بنا کر مکتی خانہ سے باہر نکال دیا گیا اور اُس کے ساتھ کے اشخاص کو کُتّا نہ بنایا بلکہ انسان بنایا حالانکہ مکتی پانے کے شرائط سب نے برابر پورے کرلئے تھے - پرمیشر کا کسی پر احسان نہ تھا پھر کیا وجہ کہ مکتی خانہ سے نکال کر کسی کو انسان اور کسی کو کُتّا بنایا گیا - اس صورت میں نہ سزا عدل کے طور پر ہوئی اور نہ رحمت -

ایک اور بات ہے جو ہمیں سمجھ نہیں آتی کیا کوئی شریف آریہ صاحب ہیں جو اسکو سمجھ سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ بموجب اس قاعدہ کے جو مکتی یابوں کو ایک مدت کے بعد پھر تناسخ کے چکر میں ڈالا جاتا ہے اور طرح طرح کے جونوں کی ذلت انکو دیکھنی پڑتی ہے لازم آتا ہے کہ آریہ صاحبوں کا کوئی مقدس بزرگ اس ذلت سے باہر نہ ہو گو ہماری یہ رائے نہیں ہے کہ ہم کسی قوم کے بزرگوں کو ذلت کے داغ کی طرف منسوب کریں بلکہ ہماری یہ رائے ہے کہ جس شخص کو خدائے کریم اپنے فضل عظیم سے اپنی معرفت اور محبت اور اپنے پاک تعلق سے حصہ کامل بخشتا ہے اور اپنے عزت والے گروہ میں داخل کرتا ہے پھر اسکو کبھی ذلیل نہیں کرتا اور ممکن نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے قرب کا اتنا بڑا درجہ پاکر پھر کُتّا یا بِلّا یا سؤر یا بندر بنایا جاوے مگر آریہ صاحبوں کا یہ قاعدہ چاہتا ہے کہ ضرور مقدس لوگ ان جونوں میں آتے ہیں خواہ وہ اوتار کہلاویں یا رشی یا منی کے درجہ تک پہنچیں ہم باادب دریافت کرتے ہیں کہ کیا وید کے رشی جن پر چاروں وید نازل ہوتے تھے اور

راجہ رام چندر اور راجہ کرشن وغیرہ اوتار اس قاعدہ سے مستثنےٰ ہیں یا نہیں اور اگر مستثنےٰ ہیں تو کیا وجہ اور اگر نہیں تو ان کو عزت سے یاد کرنا کیا معنے رکھتا ہے کیا عقل سلیم اِس بات کو چاہتی ہے کہ ایک کتاب کو تو عزت دی جائے اور اُسکو آسمانی کتاب سمجھا جائے مگر جس پر وہ کتاب نازل ہوئی تھی اسکی نسبت یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ رذیل سی رذیل جونوں میں چکر کھاتا پھرتا ہے بغرض جو لوگ خدا تعالےٰ کے جناب میں ایک مرتبہ عزّت پا گئے پھر ان کو تناسخ کے چکّر میں ڈالنا اور کتے ۔ بلّے سور بنانا۔ یہ اُس قدّوس خدا کا فعل نہیں ہے جو پاک بنا کر پھر پلید بنانا نہیں چاہتا۔ ورنہ اس صورت میں آریہ سماجیوں کا کوئی بزرگ بھی یقینی طور پر قابل تعریف نہیں ٹھہرتا کیونکہ کیا معلوم کہ اب وہ کس جون میں ہے بغرض اس عقیدہ کے رو سے آریہ صاحبوں کا پرمیشر نہ صرف بخیلی کی صفت مذمومہ سے موسوم ہوتا ہے بلکہ سخت دل اور ظالم اور کینہ وَر بھی ٹھہرتا ہے کہ جن لوگوں نے اس کے ساتھ سچے دل سے محبت کی اور اس کی راہ میں فدا ہوئے اور اس کو ہمیشہ کے لئے اختیار کیا وہ ان کو بھی مکتی خانہ سے نکال کر اُسی وقت یا کچھ دن بعد بندر اور سور بنا دیتا ہے ایسے پرمیشر سے کونسی نیکی کی امید ہو سکتی ہے چاہئے کہ آریہ صاحبان اس مضمون کو غور سے مطالعہ کریں اور محض جوش اور غضب سے جواب نہ دیں بلکہ اول بات کو سمجھ لیں پھر کوئی کلمہ مونہہ پر لاویں +

آریہ سماجیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ وید میں عناصر پرستی اور ستارہ پرستی کی تعلیم نہیں ہے اور اس میں محض خدائے واحد لاشریک کی پرستش کی تعلیم ہے لیکن ان کے مقابل پر قدیم مذہب سناتن دھرم کا ہے جو تمام آریہ ورت میں پھیلا ہوا ہے جس کے کروڑ ہا باشندے اس ملک میں موجود ہیں اور صدہا پنڈت جابجا پائے جاتے ہیں ان کا یہ بیان ہے کہ ضرور عناصر پرستی کی تعلیمیں وید میں پائی جاتی ہیں اور بلاشبہ وید یہی ہدایت کرتا ہے کہ تم آگ کی پرستش کرو ہوا کی پرستش کرو پانی کی پرستش کرو زمین کی پرستش کرو سورج کی پرستش کرو

چاند کی پرستش کرو۔ اور اسی وجہ سے آریہ ورت میں قدیم سے ان چیزوں کے پرستار پائے جاتے ہیں چنانچہ گنگا کی پرستش کرنے والے اور کانگڑہ میں جوالا مکھی کی آگ کے پرستش کرنے والے اور سورج کے آگے ہاتھ جوڑنے والے اب تک جا بجا ان پرستشوں میں مشغول ہیں۔ اور یہ سب لوگ وید کی پابندی کا دعوٰے کرتے ہیں۔ اور قطع نظر اس کے جب کہ ہم خود بھی ایمان اور انصاف کے رو سے ان ویدوں میں غور کرتے ہیں جو اُردو اور انگریزی میں ترجمہ ہو کر شائع کئے گئے ہیں تو صدہا شرتیوں پر نظر ڈال کر ضرور ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ بلاشبہ ان ویدوں میں آگ اور ہوا اور سورج اور چاند وغیرہ سے دعائیں مانگی گئی ہیں اور مرادوں کے پانیکے لئے ان سے مدد طلب کی گئی ہے چنانچہ ہم چند شرتیاں رگ وید کی اس جگہ محض نمونہ کے طور پر لکھتے ہیں اور یہ حصہ وید کا ترجمہ ہو کر سنسکرت پستک سے دوبارہ مقابلہ کیا گیا ہے اور پنڈتوں کی شہادتوں کے ساتھ اس کی صحت کی اطمینان دلائی گئی ہے اور یونیورسٹی میں پڑہانے کے لئے قبول کیا گیا ہے اور وہ شرتیاں یہ ہیں ؛

"میں اگنی دیوتا کی جو ہوم کا بڑا گرو کارکُن اور دیوتاؤں کو نذریں پہنچانے والا اور بڑے ثروت والا ہے مہما کرتا ہوں۔ ایسا ہو کہ اگنی جس کا مہا زمانہ قدیم اور زمانہ حال کے رشی کرتے چلے آئے ہیں دیوتاؤں کو اس طرف متوجہ کرے۔ اے اگنی جو کہ دو لکڑیوں کے رگڑنے سے پیدا ہوئی ہے اس پاک کٹے ہوئے کشا پر دیوتاؤں کو لا تو ہماری جانب سے اُن کا بلانے والا ہے اور تیری پرستش ہوتی ہے۔ اے اگنی آج ہماری خوش ذایقہ قربانی دیوتاؤں کو ان کے کھانے کے واسطے پیش کر۔ اے اگنی۔ وایو سورج وغیرہ دیوتاؤں کو ہماری نذر پیش کر۔ اے بے عیب اگنی تو منجملہ اور دیوتاؤں کے ایک ہوشیار دیوتا ہے جو اپنے والدین کے پاس رہتا ہے اور ہمیں اولاد عطا کرتا ہے تمام دولتوں کا تو ہی بخشنے والا ہے۔ اے اگنی سرخ گھوڑوں کے سوامی ہماری استتت سے پرسن ہو

تینتیس دیوتاؤں کو یہاں لا - اے اگنی جیسا کہ تو ہے لوگ اپنے گھروں میں تجھے محفوظ
جگہ میں روشن کرتے ہیں - اے عاقل اگنی تو پناپت ہے یعنی اپنے جسم کا آپ
جلانے والا ہے آج ہماری خوش ذایقہ قربانی دیوتاؤں کو اُن کے کھانے کے
لئے پیش کر - اے اندر اے وایو یہ ارگ تمہارے واسطے چھڑکا گیا ہے ہمارے واسطے
کھانا لے کر ادھر آؤ - اے اندر کو سیکا رشی کے پوتر جلد آ اور مجھ رشی کو مالدار کر دے[۱] - اے
سورج اور چاند ہمارے یگ کو کامیاب کرو اور ہماری قوت زیادہ کرو - تم بہت
آدمیوں کے فائدے کے لئے پیدا ہوئے ہو بہتوں کو تمہارا ہی آسرا ہے [غور کرنے کا
مقام ہے کہ ایک طرف اس شرتی میں اقرار ہے کہ سورج اور چاند دونوں مخلوق اور
پیدا شدہ ہیں اور پھر ان سے مرادیں بھی مانگی گئی ہیں] سورج کے نکلنے پر ستارے اور رات
چوروں کی طرح بھاگ جاتے ہیں ہم سورج کے پاس جاتے ہیں جو دیوتاؤں کے بیچ
نہایت عمدہ دیوتا ہے - اے چاند ہمیں تہمت سے بچا گناہ سے محفوظ رکھ ہمارے توکل
سے خوش ہو کر ہمارا دوست ہو جا ایسا ہو کہ تیری قوت زیادہ ہو - اے چاند تو دولت کو
بخشنے والا ہے اور مشکلوں سے نجات دینے والا ہمارے مکان پر دلیر بہادروں کے
ہمراہ آ - اے چاند اور اگنی تم مرتبہ میں برابر ہو ہماری تعریفوں کو آپس میں بانٹ لو - کہ تم
ہمیشہ دیوتاؤں کے سردار رہے ہو - میں جل دیوتا کو جسمیں ہمارے مویشی پانی پیتے ہیں
بلاتا ہوں - اے دھرتی دیوتا ایسا ہو کہ تو بہت وسیع ہو جائے تجھ پر کانٹے نہ رہیں
اور تو ہمارے رہنے کی جگہ ہو جائے اور ہمیں بڑی خوشی دے +

[۱] تمام پرانوں کے شجرہ میں لکھا ہے کہ کوسیکا کا بیٹا وشوامتر تھا اور سیانا وید کا بھاشیکار اسکی وجہ
بیان کرنے کو کہ اندر کوسیکا کا کیونکر پوتر ہو گیا یہ قصہ بیان کرتا ہے جو کہ وید کے تتمہ الو کرانیکا میں درج ہے کہ کوسیکا
اشیرا تھا کے پوتر نے یہ دل میں خواہش کر کے کہ اندر کی توجہ سے میرا بیٹا ہو تپ جپ اختیار کیا تھا جس
تپ کے جلدو میں خود اندر نے ہی اس کے گھر جنم لیلیا اور آپ ہی اسکا بیٹا بن گیا - منہ

یہ چند شرتیاں ہیں جو ہمنے رگوید سے بطور نمونہ کے لکھی ہیں جس کا جی چاہے اصل سنسکرت پستک سے مقابلہ کرلے۔ اس قسم کی شرتیاں جو صدہا وید میں پائی جاتی ہیں سناتن دھرم والے ہزارہا پنڈت جو آریہ ورت میں موجود ہیں ان کے یہی معنے کرتے ہیں کہ ان سے عناصر پرستی ثابت ہوتی ہے اسی وجہ سے آریہ قوم میں آگ کی پوجا کرنے والے، اور ایسا ہی پانی کی پوجا کرنے والے اور سورج چاند کے پوجاری بھی پائے جاتے ہیں اور ان معنوں پر صرف انہیں کی گواہی نہیں بلکہ ہر ایک مذہب کے صدہا محقق بھی جنہوں نے بڑی محنت سے سنسکرت میں چاروں وید پڑھے تھے آجتک گواہی دیتے آئے ہیں +

اب غور کا مقام ہے کہ ان سب کے مقابل پر صرف ایک پنڈت دیانند جس کو کوئی وحی الہام نہیں ہوتا تھا دعوے کرتا ہے کہ یہ سب پرمیشر کے نام ہیں اور پھر وہ اس دعوے کو بھی اخیر تک نباہ نہیں سکا بلکہ بعض مقام میں جہاں کسی طرح اسکی تاویل پیش نہیں گئی آپ قبول کرلیا ہے کہ اس جگہ آگ سے آگ ہی مراد ہے یا جل سے جل ہی مراد ہے۔ اصل انصاف کی یہ بات ہے کہ پنڈت دیانند وید کی تاویل نہیں کرتا تھا بلکہ ایک دوسرا وید بنانا چاہتا تھا آخر تاویل کی بھی ایک حد ہوتی ہے ظاہر ہے کہ وہ خدا کے آسمانی بندوں میں سے تو نہیں تھا جو خدا سے الہام پاتے ہیں اور نہ اُسکو خدا کا مکالمہ نصیب تھا اور نہ اُس کی تائید میں کوئی آسمانی نشان ظاہر ہوئے بلکہ بلا امتیاز صدہا ہندو پنڈتوں میں سے ایک پنڈت تھا پھر خواہ نخواہ بے دلیل اسکی بات کو ماننا انصاف سے بعید ہے جبکہ ہزارہا پنڈت ایک طرف ہیں اور ایک طرف صرف وہ اور خدا کی طرف سے کوئی امتیازی نشان اسکے ساتھ نہیں اور بجز تاویلونکے اور کوئی کام اس نے نہیں کیا تو کیوں بغیر تحقیق کے خواہ نخواہ اُسکی بات مان لی جائے یہ صرف مسلمانوں کا الزام نہیں کہ ویدوں میں مخلوق پرستی کی تعلیم ہے بلکہ سناتن دھرم والے قدیم ہندو جن کے مذہب کے کروڑہا لوگ اس ملک مین پائے جاتے ہیں وہ بھی اس بات کے ہمیشہ قایل چلے آتے ہیں کہ وید میں مخلوق پرستی کی تعلیم ہے بیں ہرگز

سمجھ نہیں سکتا کہ اگر وید میں مخلوق پرستی کی تعلیم نہ ہوتی تو پھر کیوں یہ ہزارہا پنڈت یک دفعہ اندھے ہو جاتے اور خلاف واقعہ وید پر تہمتیں لگاتے عناصر پرستی کی شرتیاں صرف ایک دو نہیں بلکہ تمام رگوید اُن سے بھرا پڑا ہے اب کہاں تک انسان تاویل کرتا جاوے اگر دو شرتیاں ہوتیں یا دس ہوتیں یا بیس ہوتیں یا پچاس ہوتیں تو کوئی شخص تکلف سے محنت اُٹھا کر تاویل بھی کرتا مگر وید میں تو صدہا شرتیاں اسی قسم کی پائی جاتی ہیں انکی کہاں تک تاویل ہو سکے تعصب امر الگ ہے اور گرفتار تعصب جو چاہے کہے لیکن انصاف کے ساتھ اگر سوچا جائے تو کوئی صورت تاویل کی معلوم نہیں ہوتی ✦

آریہ سماجیوں کے دل میں خواہ نخواہ یہ وہم پیدا ہو گیا ہے کہ جو کچھ پنڈت دیانند نے سمجھا ہے وہ دوسرے ہزارہا پنڈتوں نے نہیں سمجھا لیکن یہ خیال بالکل بیہودہ ہے وید سامنے موجود ہے اور وہ تین فرقوں کے ہاتھ میں ہے۔ ایک سناتن دھرم والے دوسرے برہم سماج والے تیسرے وید کے ترجمے جو اُردو اور انگریزی میں ہو چکے ہیں اس صورت میں کوئی قبول کر سکتا ہے کہ اس رائے کے ظاہر کرنے میں کہ ویدوں میں مخلوق پرستی ہے ان تمام لوگوں کی عقل ماری گئی اور صرف پنڈت دیانند صاحب اس دھوکہ سے بچ گئے۔ ہاں میرے خیال میں ایک بات آتی ہے اگر اس امر کو آریہ سماجی لوگ ثابت کر سکیں تو پھر پنڈت دیانند کی تاویل صحیح ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ جس قدر شد و مد سے ویدوں میں مخلوق پرستی کی تعلیم ہے جیسا کہ ابھی ہم نے چند شرتیاں نمونہ کے طور پر لکھی ہیں اسکے مقابلہ پر ویدوں میں سے بکثرت ایسی صاف صاف شرتیاں پیش کر دی جائیں جن میں یہ بیان ہو کہ نہ تو آگ کی پرستش کرو اور نہ ہوا کی اور نہ پانی کی اور نہ سورج کی اور نہ چاند کی اور نہ کسی اور چیز کی بلکہ محض پرمیشر کی ہی پرستش کرو مگر چاہئے کہ ایسی شرتیاں کم سے کم پچاس یا ساٹھ ہوں کیونکہ جس حالت میں عناصر پرستی اور شمس و قمر کی پوجا کے بارے میں صدہا شرتیاں وید میں پائی جاتی ہیں تو ان کے رد میں صرف دو چار شرتیاں کافی نہیں ہو سکتیں کیونکہ وہم گذرتا ہے کہ

کسی نے وید کی پردہ پوشی کیلئے پیچھے سے ملا دی ہونگی اسی فیصلہ کے لئے میں نے یہ گذارش کیا ہے اگر ایسی شرتیاں جو مخلوق پرستی کے وہم کو رد کرتی ہوں بہت ہی تھوڑی ہوں تب بھی کم سے کم پچاس یا ساٹھ ہونی چاہئیں تا کسی وہم کی گنجائش نہ رہے اور اگر مشرکانہ تعلیم کی کثرت کے مقابل ایسی شرتیوں کی کثرت ثابت نہ ہو تو اگر ایک پنڈت دیانند نہیں کروڑہا پنڈت دیانند ہوں ہرگز ان مشرکانہ شرتیوں کی تاویل میں ایمانداری سے جواب نہیں دیسکے گا ظاہر ہے کہ وید کی ان تعلیموں سے کروڑہا مخلوقات گمراہ ہو چکی ہے اور بیسیوں مخلوق پرستی کے مذہب آریہ قوم میں پھیلے ہوئے ہیں پس اگر فرض کے طور پر پنڈت دیانند کی طرح کسی اور وید کے بھاشی کار نے بھی ان شرتیوں کی وہی تاویل کی ہو جو دیانند نے کی ہے تو وہ بھی ہرگز پذیرائی کے لائق نہیں ہوگی کیونکہ ایسی تاویل کرنے والے کو وحی اور الہام کا دعوی نہیں ممکن ہے کہ کسی شخص نے جسکو مشرکانہ تعلیم بُری معلوم ہوئی ہو وید کی ان شرتیوں پر اپنی تاویل سے پردہ ڈال دیا ہو تو جبکہ اسکے مقابل دوسرے بھاشی کاروں نے قبول کیا ہے کہ ضرور اسمیں مشرکانہ تعلیم ہے تو دو مختلف رائیوں کے ساتھ فیصلہ کیونکر ہو اور ایسے بے اصل خیالات سے گو وہ قدیم ہوں یا جدید قطعی طور پر ہرگز یہ رائے قائم نہیں ہو سکتی کہ وید اس داغ سے مبرا ہے کیونکہ ہم دوسرے بھاشیکاروں کی شہادت کو کہاں چھپائیں اور جس طور کے معنی کروڑہا لوگ ابتدا سے سمجھتے چلے آئے ہیں ان معنوں سے بلا وجہ کیونکر اعراض کیا جائے یہ وید کا خود اپنا فرض تھا کہ جس حالت میں اُسنے ایسے الفاظ استعمال کئے جن سے قوم شرک کی نجاست سے آلودہ ہو گئی تو وہ دھوکہ دور کرنیکے لئے آپ ہی پچاس یا ساٹھ یا سو مرتبہ تاکید کے طور پر بار بار لکھدیتا کہ تم نے سورج چاند آگ پانی وغیرہ کی پرستش ہرگز نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے +

ایک اور امر ہے جو قرآن شریف کی تعلیم سے ہمیں معلوم ہوا ہے اور ہم تکمیل بحث کے لئے اُسکا ذکر بھی اس جگہ مناسب سمجھتے ہیں اور ہمیں خیال گذرتا ہے کہ شاید رگوید کی شرتیوں کا بھی یہی منشا ہو اور پھر ایک زمانہ کے گذرنے کے بعد وہ منشاء سطحی نظروں سے چھپ گیا اور

ساتھ ہی اسکے یہ بھی ممکن ہے کہ ابتدا زمانہ میں ایسی شرتیاں وید میں بہت ہوں جنکا مضمون یہ ہو کہ آگ اور پانی اور ہوا اور سورج اور چاند وغیرہ کی پرستش نہیں کرنی چاہئے۔ پھر بعد میں جب کہ آریہ ورت میں ایسے فرقے بہت پیدا ہو گئے جو وید کے ظاہری الفاظ کو دیکھ کر عناصر پرست اور آفتاب پرست وغیرہ بنگئے تو رفتہ رفتہ انہوں نے وہ شرتیاں وید میں سے نکال دیں کیونکہ طبعاً انسان میں یہ عادت ہے کہ جب وہ اپنی عقل اور فہم کے حد تک دو مخالف مضمون کو ایک کتاب میں دیکھتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح ان دونوں کو مطابق کرے اور جب مطابق نہیں کر سکتا تو پھر اس کوشش میں لگ جاتا ہے کہ کسی طرح اس حصہ کو نکال دے کہ جو اُسکے مسلم حصہ کے مخالف ہے جیسا کہ عیسائی صاحبان بھی دن رات یہی کوشش کر رہے ہیں اور انجیل کے وہ حصے جنمیں صریح گواہی دیگئی ہے کہ یسوع ابن مریم انسان تھا وہ ان پر بہت ناگوار گذر رہے ہیں اگر انکے مشورہ سے انجیلیں لکھی جاتیں تو بہت سے مقامات انجیل کے نکال دینے کے لائق تھے اور حتی المقدور اب بھی یہ کارروائی مختلف ترجموں کے ذریعہ سے کی جاتی ہے اسی طرح اس تقریر کے لحاظ سے جو ہم ذیل میں لکھتے ہیں جسکو ہم نے نہ اپنی طرف سے بلکہ قرآن شریف کی استنباط سے لکھا ہے ممکن معلوم ہوتا ہے کہ وید بھی کسی زمانہ میں خدا کی وحی ہو اور خدا کی طرف سے یہ کتاب ہو اور پھر ایک مدت کے بعد اُسکے اصلی معنوں کے سمجھنے میں لوگوں نے غلطی کھائی اور اس وجہ سے آریہ ورت میں آریہ قوم میں یہ فرقے پیدا ہو گئے کہ کوئی سورج کی پوجا کرتا ہے اور کوئی آگ کا پوجاری اور کوئی گنگا سے مرادیں مانگتا ہے اور جب ان فرقوں نے دیکھا کہ وید کی صدہا دوسری شرتیاں مخلوق پرستی کے مخالف ہیں تب انہوں نے رفتہ رفتہ اُن تمام شرتیوں کو وید میں سے باہر نکال دیا اور صرف وہی شرتیاں وید میں رہنے دیں جو مشرکانہ تعلیم کے رنگ میں تھیں۔ اگر یہ امر ثابت ہو جائے کہ درحقیقت ایسی صدہا شرتیاں وید میں سے نکال دی گئی ہیں تو کم سے کم ایک خدا ترس کو تقوی کے لحاظ سے وید کے بارے میں جلدی سے تکذیب کرنا منع ہو گا اور وید کی تکذیب کیلئے صرف

اس قدر کافی نہیں ہوگا کہ اسمیں آگ وغیرہ کی پرستش واستت وبہما موجود ہے کیونکہ قران شریف کی بعض آیات جیساکہ ہم آگے چلکر بیان کرینگے وید کے اس طرز کو توحید میں داخل کرتے ہیں اور گو عناصر پرستی کے متعلق بعض شرتیاں وید میں اس قسم کی ہیں کہ اُنکی تاویل کرنا بہت مشکل ہے مگر اسمیں کچھ شک نہیں کہ اُس طور پر جو قرآن شریف میں اشارات مذکور ہیں بعض شرتیوں کی تاویل بھی ہوسکتی ہے چنانچہ ہم اس قاعدہ کو ذیل میں لکھینگے اور اسکے ساتھ ہم یہ بھی اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ گو وید اپنی موجودہ حالت میں ایک دہوکا دینے والی کتاب ہے جو شرک کی تعلیم جا بجا اسمیں دکھائی دیتی ہے اور کروڑ ہا لوگوں پر اُس کا یہ بداثر پایا جاتا ہے کہ وہ آتش پرستی وغیرہ مشرکانہ طریقوں میں سرگرم ہیں بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ جو ستارہ پرستی اور آتش پرستی پارسیوں میں موجود ہے وہ بھی وید سے ہی اُنہیں پہنچی ہے اور تعجب نہیں کہ رومیوں اور یونانیوں میں بھی یہ مشرکانہ تعلیمیں وید کے ذریعہ سے ہی رواج پائی ہوں کیونکہ آریہ قوم کا خیال ہے کہ وید قدیم ہے لہذا ہر ایک جھوٹی اور مشرکانہ تعلیم کا سرچشمہ ایسی کتاب کو ہی ماننا پڑیگا جو سب سے پُرانی کہلاتی ہے پس وہ نمونہ جو وید کی تعلیم نے دکھلایا ہے وہ ان کروڑہا لوگوں کے عقیدوں سے ظاہر ہے جو وید کی پابندی کا دعوی رکھتے ہیں۔ اور موجودہ حالت میں وید میں کوئی نور توحید نظر نہیں آتا۔ ہر ایک صفحہ پر مشرکانہ تعلیم کے الفاظ نظر آتے ہیں اور بے اختیار دل میں گذرتا ہے کہ یہ چار کا عدد ہی شرک سے کچھ مناسبت رکھتا ہے انجیلیں چار تھیں انہوں نے ایک مصنوعی خدا پیش کیا اور پھر وید بھی چار ہیں اُنہوں نے آگ وغیرہ کی پرستش سکھلائی لیکن تاہم ممکن اور قرین قیاس ہے کہ یہ کتاب تحریف کی گئی ہو اور کسی زمانہ میں صحیح ہو اور خدا تعالے کیطرف سے ہو اور پھر نادانوں کے تصرف اور تحریف سے بگڑ گئی ہو اور وہ شرتیاں اسمیں سے نکال دی گئی ہوں جن میں یہ ذکر تھا کہ تم سورج اور چاند اور ہوا اور آگ اور پانی اور اکاش اور خاک وغیرہ کی پرستش مت کرو اگرچہ اس قدر تغیر اور انقلاب سے یہ کتاب خطرناک اور مضر ہوگئی تاہم کسی زمانہ میں بیکار نہ تھی اور جس شخص کو ہندوؤں کی تاریخ سے واقفیت ہی وہ خوب جانتا ہے

کہ وید پر بڑے بڑے تغیرات آئے ہیں اور ایک زمانہ میں ویدوں کو مخالفوں نے آگ میں جلا دیا تھا اور مدت تک وہ ایسے لوگوں کے قبضہ میں رہے جو عناصر پرستی اور مورتی پوجا کے دلدادہ تھے اور بجز اس قسم کے برہمنوں کے دوسروں پر اُن کا پڑھنا حرام کیا گیا تھا پس اس وجہ سے وید کے پستک عام طور پر مل نہیں سکتے تھے بلکہ صرف بڑے بڑے برہمنوں کے کتب خانوں میں ہی پائے جاتے تھے جو بت پرست اور عناصر پرست ہو چکے تھے اس صورت میں خود عقل قبول کرتی ہے کہ ان دنوں میں اُن برہمنوں نے بہت کچھ مشرکانہ حاشئے وید پر چڑھائے ہونگے اور اس بات کے اکثر محقق آریہ ورت کے قائل ہیں کہ بعض زمانوں میں وید بڑھائے گئے اور بعض میں گھٹائے گئے اور بعض وقت جلائے گئے اور جب آریہ قوم نے اندرونی لڑائیوں سے فراغت پائی تو بیرونی حکومتوں کے پنجہ میں پھنس گئے اسلامی حکومت بھی سات سو برس تک اس ملک میں رہی۔ اس لمبے زمانہ میں بھی جو کچھ مسلمانوں نے آریہ قوم کا عقیدہ دیکھا وہ بت پرستی اور آتش پرستی وغیرہ تھا۔ اسی زمانہ میں شیخ سعدی بھی ایک مرتبہ اس ملک میں آئے تھے اور بت پرستی کا بڑا زور تھا چنانچہ وہ اپنی کتاب بوستاں میں فرماتے ہیں

بتک را یکی بوسہ دادم بدست کہ لعنت برو باد و بر بت پرست

گائی کے لئے جس قدر آریہ صاحبوں کو جوش ہے وہ بھی دراصل مخلوق پرستی کی ایک برٹھ ہے ورنہ ایک حیوان کے لئے اسقدر جوش کیا معنے رکھتا ہے۔ قریباً تیرہ سو برس ہوتے ہیں کہ مسلمانوں نے اس ملک کا ایک حصہ فتح کر لیا تھا اسوقت بھی اس ملک میں عام طور پر بت پرستی اور آتش پرستی وغیرہ پھیلی ہوئی تھی پس جہاں تک تاریخ کا قدم روشنی میں ہے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آریہ ورت پر کوئی ایسا زمانہ بھی آیا تھا کہ وہ خدا پرست تھے۔

مسلمانوں پر یہ اعتراض آریوں کا کہ اُن کے بادشاہوں نے ہمارے بزرگوں کو جبراً بت پرستی سے چھوڑا کر مسلمان بنایا تھا یہ بھی صاف بتلا رہا ہے کہ اب تک آریہ صاحبوں کو بت پرستی سے بہت پیار ہے۔ عملی طور پر توحید سے کچھ تعلق ثابت نہیں ہوتا اس پر یہ کافی

دلیل ہے کہ وہ بت پرستوں کے مسلمان ہونے سے بہت ناراض ہیں ایک بت پرست حقیقت رائے کا قصہ بھی اسی غرض سے گھڑا گیا ہے جسکو بقول ان کے کسی مسلمان بادشاہ نے مورتی پوجا سے جبراً چھوڑا کر مسلمان کرنا چاہا تھا مگر وہ لڑکا بت پرستی پر عاشق تھا اسی میں اُس نے جان دی۔

غرض اسلامی تاریخ بھی قریباً ایک ہزار برس سے اس بات کی گواہ ہے کہ یہ ملک آریہ ورت بت پرستی اور مورتی پوجا کا ایک بھاری مرکز ہے اُس زمانہ کا کون ثبوت دے سکتا ہے کہ جب ان کروڑہا لوگوں کی طرح جو بت پرست اور عناصر پرست نظر آتے ہیں وید مقدس کی تعلیم سے اس ملک میں کروڑہا خدا پرست مُوحّد بھی موجود تھے۔ جگناتھ جی کا قدیم بت خانہ اور ایسا ہی اور بعض پُرانے بت خانے جن کی عمارت ہزارہا برس کی معلوم ہوتی ہے صاف طور پر گواہی دے رہے ہیں کہ یہ بت پرستی اور مورتی پوجا کا مذہب کچھ نیا نہیں بلکہ قدیم ہے ایسا ہی بھاگوت وغیرہ کتابیں جو ہزارہا برس کی تالیف معلوم ہوتی ہیں جن کو سناتن دھرم والے سیدھے سادھے ہندو بڑے پیار سے پڑھا کرتے ہیں اس قدامت شرک کے گواہ ہیں اس کے ساتھ پُرانے کتبے بھی اس ملک میں ایسے پائے گئے ہیں کہ وہ ایک پُرانے زمانے کی حالت کی ایک آئینہ کی طرح شکل دکھلا رہے ہیں اور بلند آواز سے گواہی دے رہے ہیں کہ اُسوقت بھی اس ملک میں بُت پرستی تھی اور جہاں تک تاریخ کا سلسلہ صفائی سے چل سکتا ہے یہی ظلمت شرک اور عناصر پرستی اور مورتی پوجا کے رسوم ہر ایک زمانہ میں پائی جاتی ہیں اور ایسے گلے کا ہار ہو رہے ہیں کہ جب تک ایک ہندو اسلام اختیار نہ کرے یہ شرک کا داغ اُس سے بکلی دور ہی نہیں ہو سکتا گو آریہ سماجی بنے یا کچھ اور ہو جائے زمانہ دراز سے جس کا ابتدا معلوم کرنا مشکل ہے مورتی پوجا اور عناصر پرستی کا مذہب آریہ قوم میں چلا آتا ہے اور دوسری قوموں کے مورخوں کو کبھی یہ نصیب نہیں ہوا کہ وہ گواہی دیں کہ آریہ

ورت میں بھی کسی وقت توحید تھی اور اس زمانہ دراز میں اگر ہم یہ کہیں کہ کروڑہا پنڈت آریہ ورت میں عناصر پرستی کے حامی گذرے ہیں تو یہ کچھ مبالغہ نہ ہوگا پس ایسے پنڈتوں کے وجود سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ہمیشہ تمام ملک ایک سمندر کی طرح بت پرستی اور عناصر پرستی اور مورتی پوجا سے بھرا رہا ہے اور اس ملک کو توحید نصیب نہ ہوئی جب تک اسلام اس ملک میں نہ آیا مگر جن بادشاہوں نے توحید کو اس ملک میں پھیلایا اور بت پرستی کی جڑ کھوئی وہی آریہ صاحبوں کے نظر میں بُرے بنے۔ اب تک ہندو صاحبان محمود غزنوی کو بھی گالیاں دیتے ہیں کہ اُس نے کیوں اُن کے قدیم بتخانے توڑے غرض بت پرستی اور عناصر پرستی کا مذہب اس ملک میں اس قدر قدیم ہے کہ محققانہ طور پر اُس کا کوئی ابتدا ٹھہرانا مشکل ہے بجز اس کے کہ اس مذہب کو وید کے ساتھ ساتھ تسلیم کیا جائے مگر پھر بھی جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے مجھے بعض قرآنی آیتوں پر نظر ڈالکر خیال آتا ہے کہ شاید اصل تعلیم وید کی عناصر پرستی سے پاک ہو اور عناصر کی مہما اور استت سے کچھ اور مطلب ہو مگر جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے یہ میرا خیال اس وقت یقین کے مرتبہ تک پہنچیگا جب کہ وید کی پچاس یا ساٹھ یا ستر شرتیوں سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ ان تمام عناصر اور اجرام فلکی کی پوجا سے جنکی مہما اور اُستت رگوید میں موجود ہے صاف اور صریح لفظوں کے ساتھ منع کرتا ہے ٭

وید کی شرتیوں کی وہ تاویل جس کے لکھنے کا ہمنے وعدہ کیا تھا

وید کی شرتیوں کی وہ تاویل جس کا میں اوپر ذکر کر آیا ہوں قرآن شریف کی چند آیتوں پر غور کرنے سے میرے دل میں گذرتی ہے پہلی آیت یہ کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف کی سورۃ فاتحہ میں فرماتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنے ہر ایک حمد اور ثنا اس خدا کے لئے مسلم ہے

جس کی تربیت ہر ایک عالم میں یعنے ہر ایک رنگ میں ہر ایک پیرایہ میں اور ہر ایک فائدہ بخش صنعت الٰہی کے ذریعہ سے مشہود اور محسوس ہو رہی ہے یعنی جن جن متفرق وسیلوں پر اس دنیا کے لوگوں کی بقا اور عافیت اور تکمیل موقوف ہے در اصل ان کے پردہ میں ایک ہی پوشیدہ طاقت کام کر رہی ہے جس کا نام اللہ ہے چنانچہ اس دنیا کے کاروبار کی تکمیل کے لئے ایک قسم کی تربیت سورج کر رہا ہے جو ایک حد تک انسان کے بدن کو گرمی پہنچا کر دوران خون کا سلسلہ جاری رکھتا ہے جس سے انسان مرنے سے بچتا ہے اور اسکے آنکھوں کے نور کی مدد کرتا ہے پس حقیقی سورج جو حقیقی گرمی پہنچانیوالا اور حقیقی روشنی عطا کرنیوالا ہے وہ خدا ہے کیونکہ اسی کی طاقت کے سہارے سے یہ سورج بھی کام کر رہا ہے اور اُس حقیقی سورج کا صرف یہی کام نہیں کہ وہ دوران خون کے سلسلہ کو جاری رکھتا ہے جس پر جسمانی زندگی موقوف ہے اس طرح پر کہ اس فعل کا آلہ انسان کے دل کو ٹھہراتا ہے اور آسمانی روشنی سے آنکھوں کے نور کی مدد کرتا ہے بلکہ وہ روحانی زندگی کو نوع انسان کے تمام اعضاء تک پہنچانے کے لئے منجملہ انسانوں کے ایک انسان کو اختیار کر لیتا ہے اور انسانی سلسلہ کے مجموعہ کے لئے جو ایک جسم کا حکم رکھتا ہے اس کو بطور دل کے قرار دیدیتا ہے اور اسکو روحانی زندگی کا خون نوع انسان کے تمام اعضاء تک پہنچانے کے لئے ایک آلہ مقرر کر دیتا ہے پس وہ طبعاً اس خدمت میں لگا رہتا ہے کہ ایک طرف سے لیتا اور پھر تمام مناسب اطراف میں تقسیم کر دیتا ہے اور جیسا کہ غیر حقیقی اور جسمانی سورج آنکھوں کو کامل روشنی پہنچاتا اور تمام نیک بد چیزیں ان پر کھول دیتا ہے۔ ایسا ہی یہ حقیقی سورج دل کی آنکھ کو معرفت کے بلند مینار تک پہنچا کر دن چڑھا دیتا ہے اور جیسا کہ وہ جسمانی سورج حقیقی سورج کے سہارے سے پھلوں کو پکاتا ہے اور انمیں شیرینی اور حلاوت ڈالتا اور عفونتوں کو دور کرتا اور بہار کے موسم میں تمام درختوں کو ایک سبز چادر پہناتا اور خوشگوار پھلوں کی دولت سے اُن کے دامن کو پُر کرتا اور پھر خریف میں اسکے برخلاف اثر ظاہر

کرتا ہے اور تمام درختوں کے پتے گرا دیتا اور بدشکل بنا دیتا اور پھلوں سے محروم کرتا اور بالکل انہیں ننگے کر دیتا ہے بجز اُن ہمیشہ بہار درختوں کے جن پر وہ ایسا اثر نہیں ڈالتا یہی کام اُس حقیقی آفتاب کے ہیں جو سرچشمہ تمام روشنیوں اور فیضوں کا ہے وہ اپنی مختلف تجلیات سے مختلف طور کے اثر دکھاتا ہے ایک قسم کی تجلی سے وہ بہار پیدا کر دیتا ہے اور پھر دوسری قسم کی تجلی سے وہ خزاں لاتا ہے اور ایک تجلی سے وہ عارفوں کے لئے معرفت کی حلاوتیں پیدا کرتا ہے اور پھر ایک تجلی سے کفر اور فسق کا عفونت ناک مادہ دنیا سے دور اور دفع کر دیتا ہے۔ پس اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ تمام کام جو یہ جسمانی آفتاب کر رہا ہے وہ سب کام اُس حقیقی آفتاب کے ظل ہیں اور یہ نہیں کہ وہ صرف روحانی کام کرتا ہے بلکہ جس قدر اس جسمانی سورج کے کام ہیں وہ اسکے اپنے کام نہیں ہیں بلکہ درحقیقت اسی معبود حقیقی کی پوشیدہ طاقت اس کے اندر وہ تمام کام کر رہی ہے جیسا کہ اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے قرآن شریف میں ایک ملکہ کا قصہ لکھا ہے جو آفتاب پرست تھی اور اُس کا نام بلقیس تھا اور وہ اپنے ملک کی بادشاہ تھی اور ایسا ہوا کہ اُس وقت کے نبی نے اُس کو دہمکی دے بھیجی کہ تجھے ہمارے پاس حاضر ہونا چاہیئے ورنہ ہمارا لشکر تیرے پر چڑھائی کریگا اور پھر تیری خیر نہیں ہوگی۔ پس وہ ڈر گئی اور اُس نبی کے پاس حاضر ہونے کے لئے اپنے شہر سے روانہ ہوئی اور قبل اس کے کہ وہ حاضر ہو اس کو متنبہ کرنے کے لئے ایک ایسا محل طیار کیا گیا جس پر نہایت مصفا شیشہ کا فرش تھا اور اس فرش کے نیچے نہر کی طرح ایک وسیع خندق طیار کی گئی تھی جس میں پانی بہتا تھا اور پانی میں مچھلیاں چلتی تھیں جب وہ ملکہ اس جگہ پہنچی تو اُس کو حکم دیا گیا کہ محل کے اندر آجا تب اُس نے نزدیک جاکر دیکھا کہ پانی زور سے بہ رہا ہے اور اس میں مچھلیاں ہیں اس نظارہ سے اس پر یہ اثر ہوا کہ اس نے اپنی پنڈلیوں پر سے کپڑا اُٹھا لیا کہ ایسا نہ ہو کہ پانی میں تر ہو جائے تب اُس نبی نے اُس ملکہ کو جسکا نام بلقیس تھا آواز دی کہ اے بلقیس تو کس غلطی میں گرفتار ہو گئی یہ تو پانی نہیں ہے جس سے ڈر کر تو نے پاجامہ اوپر اُٹھا لیا یہ تو شیشہ کا فرش ہے اور پانی اسکے

نیچے ہے۔ اس مقام میں قرآن شریف میں یہ آیت ہے۔ **قال صرح ممرد من قواریر** یعنے اس نبی نے کہا کہ اے بلقیس تو کیوں دہوکا کھاتی ہے یہ تو شیش محل کے شیشے ہیں جو اوپر کی سطح پر بطور فرش کے لگائے گئے ہیں اور پانی جو زور سے بہ رہا ہے وہ تو ان شیشوں کے نیچے ہے نہ کہ یہ خود پانی ہیں تب وہ سمجھ گئی کہ میری مذہبی غلطی پر مجھے ہوشیار کیا گیا ہے اور میں نے فی الحقیقت جہالت کی راہ اختیار کر رکھی تھی جو سورج کی پوجا کرتی تھی۔

تب وہ خدائے واحد لاشریک پر ایمان لائی اور اُس کی آنکھیں کھل گئیں اور اُس نے یقین کر لیا کہ وہ طاقت عظمی جس کی پرستش کرنی چاہیئے وہ تو اور ہے اور میں دہوکہ میں رہی اور سطحی چیز کو معبود ٹھہرایا۔ اور اُس نبی کی تقریر کا ماحصل یہ تھا کہ دنیا ایک شیش محل ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور عناصر وغیرہ جو کچھ کام کر رہے ہیں یہ دراصل انکے کام نہیں یہ تو بطور شیشوں کے ہیں بلکہ ان کے نیچے ایک طاقت مخفی ہے جو خدا ہے یہ سب اس کے کام ہیں اس نظارہ کو دیکھ کر بلقیس نے سچے دل سے سورج کی پوجا سے توبہ کی اور سمجھ لیا کہ وہ طاقت ہی اور ہے کہ سورج وغیرہ سے کام کراتی ہے اور یہ تو صرف شیشے ہیں۔

یہ تو ہم نے سورج کا حال بیان کیا ایسا ہی چاند کا حال ہے جن صفات کو چاند کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ دراصل خدا تعالےٰ کے صفات ہیں وہ راتیں جو خوفناک تاریکی پیدا کرتی ہیں چاند ان کو روشن کرنے والا ہے جب وہ چمکتا ہے تو فی الفور اندھیری رات کی تاریکی اُٹھ جاتی ہے کبھی وہ پہلے وقت سے ہی چمکنا شروع کرتا ہے اور کبھی کچھ تاریکی کے بعد نکلتا ہے یہ عجیب نظارہ ہوتا ہے کہ ایک طرف چاند چڑھا اور ایک طرف تاریکی کا نام و نشان نہ رہا اسی طرح خدا بھی جب نہایت گندے اور تاریک آدمیوں پر جو اسکی طرف جھکتے ہیں چمکتا ہے تو انکو ایسی طرح روشن کر دیتا ہے جیسا کہ چاند رات کو روشن کرتا ہے۔ اور کوئی انسان اپنی عمر کے پہلے زمانہ میں ہی اس چاند کی روشنی سے حصہ لیتا ہے اور کوئی نصف عمر میں اور کوئی آخری حصہ میں اور بعض بدبخت سلخ کی راتوں کی طرح ہوتے ہیں یعنے تمام عمر انپر اندھیرا ہی چھائے

رہتا ہے اُس حقیقی چاند سے حصہ لینا ان کے نصیب نہیں ہوتا غرض کہ یہ سلسلہ چاند کی روشنی کا اس حقیقی چاند کی روشنی سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔ ایسا ہی چاند پھلوں کو موٹا کرتا اور اُنمیں طراوت ڈالتا ہے اسی طرح وہ لوگ جو عبادت کر کے اپنے درخت وجود میں پھل تیار کرتے ہیں چاند کی طرح خدا کی رحمت انکے شامل حال ہو جاتی ہے اور اس پھل کو موٹا اور تازہ بتازہ کر دیتی ہے اور یہی معنے رحیم کے لفظ میں مخفی ہیں جو سورۃ فاتحہ میں خدا کی دوسری صفت بیان کی گئی ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ جسمانی طور پر چار قسم کی ربوبیت ایسی ہو رہی ہے جس سے نظام عالم وابستہ ہے ایک آسمانی ربوبیت یعنی اکاش سے ہے جو جسمانی تربیت کا سرچشمہ ہے جس سے پانی برستا ہے اگر وہ پانی کچھ مدت نہ برسے تو جیسا کہ علم طبعی میں ثابت کیا گیا ہے کوؤں کے پانی بھی خشک ہو جائیں یہ آسمانی ربوبیت یعنی اکاش کا پانی بھی دنیا کو زندہ کرتا ہے اور نابود کو بود کی حالت میں لاتا ہے اس طور پر آسمان ایک پہلا رب النوع ہے جس+ سے پانی برستا ہے جسکو وید میں اندر کے نام سے یاد کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالی فرماتا ہے وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ اس جگہ آسمان سے مراد وہ کرّہ زمہریر ہے جس سے پانی برستا ہے اور اس آیت میں اس کرہ زمہریر کی قسم کھائی گئی جو مینہ برساتا ہے اور رجع کے معنی مینہ ہے اور خلاصہ معنی آیت یہ ہے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میں وحی کا ثبوت دینے کے لئے آسمان کو گواہ لاتا ہوں جس سے پانی برستا ہے یعنی تمہاری روحانی حالت بھی ایک پانی کی محتاج ہے اور وہ آسمان سے ہی آتا ہے جیسا کہ تمہارا جسمانی پانی آسمان سے آتا ہے اگر وہ پانی نہ ہو تو تمہاری عقلوں کے پانی بھی خشک ہو جائیں عقل بھی اُسی آسمانی پانی یعنے وحی آلہی سے تازگی اور روشنی پاتی ہے۔ غرض جس خدمت میں آسمان لگا ہوا ہے یعنی پانی برسانے کی خدمت یہ کام آسمان کا خدا تعالی کی پہلی صفت کا ایک ظلّ ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ ابتدا ہر ایک چیز کا پانی سے ہے انسان بھی پانی سے ہی پیدا ہوتا ہے اور وید کی رو سے پانی کا دیوتا اکاش ہے جسکو وید کی اصطلاح میں اندر کہتے ہیں مگر یہ سمجھنا غلطی ہے کہ یہ اندر کچھ چیز ہے بلکہ وہی پوشیدہ اور نہان در نہان طاقت عظمی

+ قرآن شریف کی اصطلاح کی رو سے جو فضا یعنے پول اوپر کی طرف ہے جسمیں بادل جمع ہو کر مینہ برستا ہے اسکا نام بھی آسمان ہے جسکو ہندی میں اکاش کہتے ہیں۔ منہ

جس کا نام خدا ہے اس میں کام کر رہی ہے اسی کو بیان کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یعنے سورۃ فاتحہ میں یوں فرمایا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنے مت خیال کرو کہ بجز خدا کے کوئی اور بھی رب ہے جو اپنی ربوبیت سے دنیا کی پرورش کر رہا ہے بلکہ وہی ایک خدا ہے جو تمہارا رب ہے اُسی کی طاقت ہر ایک جگہ کام کرتی ہے اس جگہ اس ترتیب کے لحاظ سے جو اس سورت میں ہے اندر دیوتا کا رد ملحوظ ہے کیونکہ پہلی تربیت اسی سے شروع ہوتی ہے اسی کو دوسرے لفظوں میں آسمان یا اکاش کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے دُنیا کے لوگ تمام قضاء وقدر کو آسمان کی طرف منسوب کیا کرتے ہیں۔ اور بت پرستوں کے نزدیک بڑا رب النوع وہی ہے جو اندر کہلاتا ہے پس اس جگہ اسی کا رد منظور ہے اور یہ جتلانا مقصود ہے کہ حقیقی اندر وہی اکیلا خدا ہے اُسی کی طاقت ہے جو پانی برساتی ہے آسمان کو رب العالمین کہنا حماقت ہے بلکہ رب العالمین وہی ہے جس کا نام اللہ ہے۔

غرض خدا تعالیٰ کی یہ پہلی ربوبیت ہے جس کو نادانوں نے اکاش یعنے اندر کی طرف منسوب کیا ہے بات یہی ہے کہ اندھوں کو اکاش سے پانی برستا نظر آتا ہے مگر برسانے والی ایک اور طاقت ہے اور اس طور پر برسانا یہ جلوہ دکھلاتا ہے کہ یہ بھی اسکی ایک صفت ہے پس آسمان کی یہ ظاہری ربوبیت اسکی حقیقی ربوبیت کا ایک ظل ہے اور جو سامان رعد اور صاعقہ وغیرہ کا بادل میں ہوتا ہے دراصل یہ سب اسکی صفات کے رنگوں میں سے ایک رنگ ہے۔ پھر دوسری ربوبیت خدا تعالیٰ کی جو زمین پر کام کر رہی ہے رحمانیت ہے۔ اس لفظ رحمان سے بت پرستوں کے مقابل پر سورج دیوتا کا رد ملحوظ ہے کیونکہ بموجب بت پرستوں کے خیال کے جیسا کہ اکاش یعنے آسمان پانی کے ذریعہ سے چیزوں کو پیدا کرتا ہے ایسا ہی سورج بہار کے ایام میں تمام درختوں کو لباس پہناتا ہے گویا یہ اسکی وہ رحمت ہے جو کسی عمل پر مترتب نہیں۔ پس سورج جسمانی طور پر رحمانیت کا مظہر ہے کیونکہ وہ موسم بہار میں ننگے درختوں کو پتوں کی چادر پہناتا ہے اور اسوقت تک درختوں نے اپنے طور پر کوئی عمل نہیں کیا ہوتا یعنی کچھ بنایا نہیں ہوتا

تا بنائے ہوئے پر کچھ زیادہ کیا جائے بلکہ وہ خزان کی غارت گری کے باعث سے محض ننگے اور برہنہ کھڑے ہوتے ہیں پھر سورج کے پرتوہ عاطفت سے ہر ایک درخت اپنے تئیں آراستہ کرنا شروع کر دیتا ہے آخر سورج کی مدد سے درختوں کا عمل اس حد تک پہنچتا ہے کہ وہ پھل بنا لیتے ہیں پس جب کہ وہ پھل بنا کر اپنے عمل کو پورا کر چکتے ہیں تب چاند اُن پر اپنی رحیمیت کا سایہ ڈالتا ہے۔ اور رحیم اُس کو کہتے ہیں کہ عمل کرنیوالے کو اُس کے تکمیل عمل کے لئے مدد دے تا اُس کا عمل ناتمام نہ رہ جاوے پس چاند درختوں کے پھلوں کو یہ مدد دیتا ہے کہ اُن کو موٹے کر دیتا ہے اور اُن میں اپنی تاثیر سے رطوبت ڈالتا ہے چنانچہ علم طبعی میں یہ مُسلّم مسئلہ ہے کہ چاند کی روشنی میں باغبان لوگ اناروں کے پھٹنے کی آواز سنا کرتے ہیں غرض استعارہ کے طور پر قمر جو نیّر دوم ہے رحیم کے نام سے موسوم ہوا کیونکہ بڑا فعل اس کا یہی ہے جو موجود شدہ پھلوں کی مدد کرتا ہے اور موٹا اور تازہ کر دیتا ہے پھر جب وہ پھل طیار ہو جاتے اور اپنے کمال کو پہنچ جاتے ہیں تو زمین اُن کو اپنی مالکانہ حیثیت سے اپنی طرف گراتی ہے تا وہ اپنی جزا سزا کو پہنچیں۔ پس اگر وہ عمدہ اور نفیس پھل ہیں تو زمین پر ان کی بڑی عزت ہوتی ہے اور وہ قابل قدر جگہوں میں رکھے جاتے ہیں اور اگر وہ ردّی ہیں تو خراب جگہوں میں پھینک دئے جاتے ہیں اور یہ سزا جزا گویا زمین کے ہاتھ میں ہوتی ہے کہ جو خدا نے اس کی فطرت کو دے رکھی ہے کہ اچھے پھل کا قدر کرتی ہے اور بُرے پھل کو ذلیل جگہ رکھتی ہے۔

غرض وید میں بطور استعارہ کے یہ چار نام ہیں جو چار بڑے بڑے دیوتاؤں کو عطا ہوئے ہیں اول اکاش یعنے آسمان جس کو اندر دیوتا بولتے ہیں وہ پانی کا داتا ہے اور قرآن شریف میں ہے

+ حاشیہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ حقیقت میں یہ سب دیوتا ہیں بلکہ یہ سب ایک ہی مالک کی قبضہ میں ہیں اور انسانکے فائدے کیلئے بنائے گئے ہیں ہمنے اسجگہ دیوتا کا لفظ محض وید کا استعارہ بیان کیا ہی کیونکہ ان چاروں کی فیوض جو وید کے ایسے طور سے جاری ہیں کہ گویا اختیار سے یہ فیض پہنچا رہی ہیں مگر یہ سب خدا کی مخلوق ہیں اپنے ارادہ سے کوئی کام نہیں کرتے اور نہیں جانتے کہ کیا کام کرتے ہیں گویا مردہ بدست زندہ ہیں یہ چار صفات کے نمونہ جو اکاش اور سورج اور چاند اور زمین میں پائے جاتے ہیں یہ انسانوں کو غور کرنے کے لئے دئے گئے ہیں تا صفات الٰہی کے سمجھنے میں یہ مدد دیویں مثلاً آریہ لوگ خدا کی رحمانیت سے منکر ہیں اور حالانکہ وید رج میں استعارہ کے رنگ میں خود رحمانیت کی صفت قرار دیتا ہے یہ اسی غرض سے ہے کہ تا انسانوں کو اس تقریب سے خدا کی رحمانیت پر نظر پڑے۔ منہ

کہ وجعلنا من الماء کل شیءٍ حیٍ یعنے ہر ایک چیز پانی سے ہی زندہ ہے اِس لئے یہ مجازی دیوتا یعنے اندر جس کو اکاش کہنا چاہیئے سب مجازی دیوتاؤں سے بڑا ہے جس کی بغلوں میں سورج اور چاند پرورش پاتے ہیں یہ بہ نسبت اوروں کے ربوبیت عامہ کا دیوتا ہے بعد اس کے سورج دیوتا ہے جو رحمانیت کا مظہر ہے اس کی ربوبیت چاند سے زیادہ اور اکاش یعنے اندر دیوتا سے کم ہے وہ کام جو اس کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ بغیر موجودگی عمل کے درختوں پر اپنی عنایت اور کرپا ظاہر کرتا ہے کیونکہ درخت ننگ دھڑنگ کھڑے ہوتے ہیں اور خزاں کے مارے ہوئے ایسے ہوتے ہیں کہ گویا مُردے ہیں جو زمین میں گاڑے گئے ہیں اور تہیدست فقیروں کی طرح ایک پاؤں پر کھڑے ہوتے ہیں پس سورج دیوتا بہار کے موسم میں موج میں آکر ان کو لباس بخشتا ہے اور ان کا دامن پھلوں اور پھولوں سے بھر دیتا ہے اور چند روز میں اُن کے سر پر پھولوں کے سہرے باندھتا ہے اور سبز پتوں کے ریشمی قبا ان کو پہناتا ہے اور پھلوں کی دولت سے اُن کو مال مال کر دیتا ہے اور اس طرح پر ایک شاندار نوشہ بنا دیتا ہے پس اس کی رحمانیت میں کیا شک رہا جو بغیر کسی سابق عمل کے ننگے درویشوں پر اس قدر کرپا اور مہربانی کرتا ہے۔ اس قسم کے استعارات وید میں بہت موجود ہیں کہ اول شاعرانہ طور پر معلوم ہوتے ہیں اور پھر ذرہ غور کریں تو کوئی علمی چمک بھی ان میں دکھائی دیتی ہے۔

پھر سورج کے بعد وید کی رو سے چاند دیوتا ہے کہ وہ کمزوروں کے عملوں کو دیکھ کر اپنی مدد سے اُن کے اعمال انجام تک پہنچاتا ہے یعنی بہار کے موسم میں درخت پھل تو پیدا کر لیتے ہیں لیکن اگر چاند نہ ہوتا تو یہ عمل ان کا ناقص رہ جاتا اور پھلوں میں تازگی اور فربہی اور طراوت ہرگز نہ آتی پس چاند ان کے عمل کا متمم ہے اس لئے اس لائق ہوا کہ مجازی طور پر اس کو رحیم کہا جائے سو وید اُس کو رحیم قرار دیتا ہے سو استعارہ کے طور پر کچھ حرج نہیں۔

پھر چاند کے بعد دھرتی دیوتا ہے جس نے مسافروں کو جگہ دینے کے لئے اپنی پشت کو بہت وسیع کر رکھا ہے ہر ایک پھل درخت پر مسافر کی طرح ہوتا ہے آخر کار مستقل سکونت

اُس کی زمین پر ہوتی ہے اور زمین اپنے مالکانہ اختیارات سے جہاں چاہے اُس کو اپنی پشت پر جگہ دیتی ہے اور جیسا کہ خدا نے قرآن شریف میں فرمایا وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کہ ہم نے انسانوں کو زمین پر اور دریاؤں پر خود اُٹھایا ایسا ہی زمین بھی ہر ایک چیز کو اُٹھاتی ہے اور ہر ایک خاکی چیز کی سکونت مستقل زمین میں ہے وہ جس کو چاہے عزت کے مقام پر بٹھاوے اور جس کو چاہے ذلت کے مقام میں پھینک دے۔ پس اس طرح پر زمین کا نام مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہوا یعنے استعارہ کے طور پر صحیفہ فطرت کے آئینہ میں یہ چاروں الٰہی صفات نظر آتی ہیں۔ غرض اسی طرح خدا نے چاہا کہ اپنی صفات کو مجازی مظاہر میں بھی ظاہر کرے تا طالب حق مثالوں کو پا کر اُس کے دقیق در دقیق صفات پر اطمینان پکڑ لے۔

اب اس تمام تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ چار مجازی دیوتے جو وید میں مذکور ہیں چار مجازی صفات اپنے اندر رکھتے ہیں چنانچہ اکاش مجازی طور پر ربوبیت کبریٰ کی صفت اپنے اندر رکھتا ہے اور سورج رحمانیت کی صفت سے موصوف ہے اور چاند رحیمیت کی صفت سے حصہ دیا گیا ہے اور زمین مالک یوم الدین کی صفت سے بہرہ یاب ہے اور یہ چاروں صفات مشہود و محسوس ہیں۔ انہیں امور کی وجہ سے موٹی عقل والوں نے درحقیقت ان کو دیوتے قرار دیا ہے* اور ان کو ربّ النوع اور قابل پرستش سمجھا ہے پس ان لوگوں کے ردّ کے لئے خدا تعالیٰ اپنی پاک کتاب قرآن شریف میں یعنے سورۃ فاتحہ میں فرماتا ہے۔

الحمد للہ رب العلمین۔ الرحمٰن۔ الرحیم۔ ملک یوم الدین۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ اٰمین

* دیوتا سنسکرت میں ربّ کو کہتے ہیں جو کسی کی ربوبیت کرتا ہے یعنی پرورش کرتا ہے۔ پس سورج بجائے خود ایک ربّ ہے یعنی دیوتا ہے اور چاند بجائے خود ایک رب ہے یعنی دیوتا ہے ان تمام ربوں یعنی دیوتاؤں کے سر پر ایک بڑا رب ہے جو مدبّر بالارادہ ہے اور وہی خدا ہے اس کا نام ربّ العالمین ہے یعنی سب کا ربّ اور تمام ربوں کا بھی ربّ ارادہ اور اختیار سے کام کرنیوالا وہی ایک ہے باقی سب کلیں ہیں جو اس کے ہاتھ سے چلتی ہیں۔ پس عبادت اور حمد کے لائق وہی ہے اسی واسطے فرمایا الحمد للہ ربّ العالمین۔ منہ

ترجمہ حمد اور اُستت اور مہما اس بڑے رب کے لئے خاص ہے جس کا نام اللہ ہے جو رب العالمین ہے۔ اور رحمان العالمین ہے اور رحیم العالمین ہے۔ اور مالک جمیع عالم یوم الدین ہے یعنی یہ مرتبہ پرستش کا خدا کے لئے مخصوص ہے کہ اس کی ربوبیت اور رحمانیت اور رحیمیت اور جزا سزا کے لئے مالکیت ایک عالم اور ایک رنگ میں محدود نہیں بلکہ یہ صفات اس کی بے انتہا رنگوں میں ظاہر ہوتی ہیں کوئی ان کا انتہا نہیں پاسکتا اور آسمان اور سورج وغیرہ کی ربوبیتیں یعنے پرورشیں ایک خاص رنگ اور ایک خاص قسم میں محدود ہیں اور اس اپنے تنگ دائرہ سے آگے نہیں نکلتیں اسلئے ایسی چیزیں پرستش کے لایق نہیں۔ علاوہ اس کے اُن کے یہ افعال بالارادہ نہیں بلکہ ان سب کے نیچے الٰہی طاقت کام کر رہی ہے۔ پھر فرمایا کہ اے وہ سب کے رب کہ جو بے انتہا رنگوں میں اپنے یہ صفات ظاہر کرتا ہے پرستش کے لایق تو ہی ہے اور سورج چاند وغیرہ پرستش کے لایق نہیں ہیں اسیطرح دوسرے مقام میں فرمایا لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ یعنے نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو بلکہ اُس خدا کو سجدہ کرو جس نے یہ تمام چیزیں سورج چاند۔ آسمان۔ آگ۔ پانی وغیرہ پیدا کی ہیں۔ چاند اور سورج کا ذکر کر کے پھر بعد اس کے جمع کا صیغہ بیان کرنا اس غرض سے ہے کہ یہ کل چیزیں جنکی غیر قومیں پرستش کرتی ہیں تم ہرگز اُن کی پرستش مت کرو۔ پھر اس سورۃ میں یعنے سورۃ فاتحہ میں اس بات کا جواب ہے کہ جب اکاش اور سورج اور چاند اور آگ اور پانی وغیرہ کی پرستش سے منع کیا گیا تو پھر کونسا فائدہ اللہ کی پرستش میں ہے کہ جو ان چیزوں کی پرستش میں نہیں تو دعا کے پیرایہ میں اس کا جواب دیا گیا کہ وہ خدا ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کرتا ہے اور اپنے تئیں آپ اپنے بندوں پر ظاہر کرتا ہے انسان صرف اپنی عقل سے اُسکو شناخت نہیں کرتا بلکہ وہ قادر مطلق اپنی خاص تجلی سے اور اپنی زبردست قدرتوں اور نشانوں سے اپنے تئیں شناخت کرواتا ہے وہی ہے کہ جب غضب اور قہر اس کا دنیا پر بھڑکتا ہے تو اپنے پرستار بندوں کو اُس غضب سے بچالیتا ہے وہی ہے جو انسان کی عقل کو روشن کر کے اور اُسکو اپنے پاس سے معرفت عطا کر کے گمراہی سے نجات دیتا ہے اور گمراہ ہونے نہیں دیتا۔ یہ سورۃ فاتحہ

کا خلاصہ مطلب ہے جسکو پانچ وقت مسلمان نمازیں پڑھتے ہیں بلکہ دراصل اسی دعا کا نام نماز ہے اور جب تک انسان اس دعا کو درد دل کے ساتھ خدا کی حضور میں کھڑے ہو کر نہ پڑھے اور اس سے وہ عقدہ کشائی نہ چاہے جس عقدہ کشائی کے لئے یہ دعا سکھلائی گئی ہے تب تک اُس نے نماز نہیں پڑھی۔ اور اس نماز میں تین چیزیں سکھلائی گئی ہیں۔

(۱) اول خدا تعالیٰ کی توحید اور اسکی صفات کی توحید تا انسان چاند سورج اور دوسرے جھوٹے دیوتاؤں سے منہ پھیر کر صرف اسی سچے دیوتا کا ہو جائے اور اسکی روح سے یہ آواز نکلے کہ

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ

یعنی میں تیرا ہی پرستار ہوں اور تجھ سے ہی مدد چاہتا ہوں اور دوسری یہ سکھلایا گیا ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں اپنے بھائیوں کو شریک کرے اور اس طرح پر بنی نوع کا حق ادا کر دے اس لئے دعا میں اِھۡدِنَا کا لفظ آیا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ اے ہمارے خدا ہم سب لوگوں کو اپنی سیدھی راہ دکھلا۔ یہ معنے نہیں کہ مجھ کو اپنی سیدھی راہ دکھا۔ پس اس طور کی دعا سے جو جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے بنی نوع کا حق بھی ادا ہو جاتا ہے اور تیسری اس دعا میں یہ سکھلانا مقصود ہے کہ ہماری حالت کو صرف خشک ایمان تک محدود نہ رکھ بلکہ وہ ہمیں روحانی نعمتیں عطا کر جو تو نے پہلے راستبازوں کو دی ہیں اور پھر کہا کہ یہ دعا بھی کرو کہ ہمیں ان لوگوں کی راہوں سے بچا جن کو روحانی آنکھیں عطا نہیں ہوئیں آخر انہوں نے ایسے کام کئے جن سے اسی دنیا میں غضب اُن پر نازل ہوا۔ اور یا اس دُنیا میں غضب سے تو بچے مگر گمراہی کی موت سے مرے اور آخرت کے غضب میں گرفتار ہوئے خلاصہ دعا کا یہ ہے کہ جسکو خدا روحانی نعمتیں عطا نہ کرے اور دیکھنے والی آنکھیں نہ بخشے اور دل کو یقین اور معرفت سے نہ بھرے آخر وہ تباہ ہو جاتا ہے اور پھر اسکی شوخیوں اور شرارتوں کی وجہ سے اسی دنیا میں اس پر غضب پڑتا ہے کیونکہ وہ پاکوں کے حق میں بدزبانی کرتا ہے اور کتوں کی طرح زبان نکالتا ہے پس ہلاک کیا جاتا ہے جیسا کہ یہود اپنی شرارتوں اور شوخیوں کی وجہ سے ہلاک کئے گئے اور بارہا طاعون کا عذاب اُن پر نازل ہوا جس نے ان کی بیخکنی کر دی اور یا اگر وہ دنیا میں شوخی اور شرارت نہ کرے اور بدزبانی اور شرارت کے منصوبے میں شریک

نہ ہو تو اُس کے عذاب کی جگہ عالم ثانی ہے جب اس دنیا سے وہ گذر جائیگا۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں یہ ممکن ہے کہ رگوید میں جو اندر اور سورج اور چاند اور آگ وغیرہ دیوتاؤں سے دعائیں مانگی گئی ہیں اُس سے مراد وہ اعلےٰ طاقت حضرت احدیت ہو جو ان کے پردہ میں کام کر رہی ہے جو سب مجازی دیوتاؤں کا دیوتا ہے کیونکہ ہم بعض جگہ قرآن شریف میں اس بات کی طرف بھی اشارہ پاتے ہیں کہ جس قدر اس عالم میں مختلف چیزیں نظام عالم کا قائم رکھنے کے لئے کام کر رہی ہیں وہ درحقیقت خدا تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے نمونے ہیں جو مجازی رنگ میں ظاہر ہو رہی ہیں گویا اجرام فلکی اور عناصر ارضی ایک کتاب کے اوراق ہیں جن سے ہمیں خدا تعالیٰ کی صفات کے بارے میں معرفت کا سبق ملتا ہے اور عادت اللہ کا پتہ لگتا ہے مثلاً سورج چار فصلوں میں چار تغیرات دکھلاتا ہے۔

اول **تغیر موسم خریف** جو موسم بہار کے مخالف ہے اس تغیر سے وہ درختوں کے آب و تاب کو ویران کرنا شروع کرتا ہے اکثر درختوں کے پتّے گر جاتے ہیں اور اُن کے اندر کا مادہ سیالہ جو تازگی بخش ہوتا ہے خشک ہو جاتا ہے انسانوں کے بدن پر بھی ایں موسم کا یہی اثر ہوتا ہے کہ خشک اور سوداوی امراض پیدا ہوتے ہیں پس اسی طرح خدا کی ایک **تجلی** بھی موسم خریف سے **مشابہ** ہے کہ ایک زمانہ انسانوں پر آتا ہے کہ اُن کے دلوں پر قبض طاری ہوتی ہے اور **وجد** اور یاد الٰہی کا مادہ سیالہ جو روحانی تازگی کو بخشتا ہے وہ کم ہونا شروع ہو جاتا ہے گو کھلے کھلے معصیت اور فسق کا **دَور** ابھی نہیں آتا مگر **اُنس** الٰہی کا جوش جاتا رہتا ہے اور دلوں پر افسردگی اور مُردگی اور جمود طبع اور قبض غالب ہو جاتا ہے اور لذت اور ذوق شوق الٰہی باقی نہیں رہتا اور یہ زمانہ ایسا ہوتا ہے کہ گویا اسکو **کلجگ** کا پیش خیمہ کہنا چاہیئے۔

پھر دوسرا زمانہ جو بذریعہ سورج کے خریف کے بعد ظاہر ہوتا ہے وہ **موسم سرما** کا زمانہ ہے جب کہ آفتاب اپنی دوری کی وجہ سے شدت برودت ظاہر کرتا ہے سو اسی طرح اُس آفتاب حقیقی کے جس کا نام خدا ہے ایک تجلی ہے جو جاڑے سے مشابہت

رکھتی ہے یہ اُس وقت ہوتا ہے جب کہ خدا کی محبت دلوں سے بکلی ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور انسانی طبیعتیں اس کو چھوڑ دیتی ہیں اور بجائے اس کے ہر ایک شخص نفس اور شہوات کی راہ پسند کرتا ہے اور شراب خواری۔ قمار بازی۔ زناکاری اور جھوٹ۔ فریب۔ دغا بدزبانی۔ تکبر۔ دُنیا پرستی۔ چوری۔ خیانت۔ خوں ریزی۔ ٹھٹھا ہنسی اور ہر ایک قسم کا پاپ اور ہر ایک قسم کا پلید کام دنیا میں پھیل جاتا ہے اور تمام لیاقتیں زبان کی چالاکیوں سے آزمائی جاتی ہیں اور جو شخص ایسے طریقوں سے اپنی چالاکیاں دکھلاتا ہے وہ بڑا لایق سمجھا جاتا ہے اور بڑی عزت سے دیکھا جاتا ہے اور اگر مر بھی جائے تو اس کی یادگاریں قایم ہوتی ہیں۔ ایسا ہی زمین سُنسان پڑی ہوئی ہوتی ہے شاذونادر کے طور پر کوئی زمین پر ہوتا ہے جو پاک دل اور پاک زبان اور پاک خیال اور خدا سے ڈرنے والا اور معرفت کے پاک پانی سے سیراب ہونے والا ہو یہ موسم ایسا ہے گویا اس کو کل جگ کہہ سکتے ہیں کیونکہ اسمیں نیکی کا کال اور بدی کا اقبال ہوتا ہے۔ اور زمین پاپ اور گناہ سے بھر جاتی ہے۔

پھر دوسرا زمانہ جو سورج اپنے تغیرات سے جاڑے کے بعد ظاہر کرتا ہے وہ ربیع کا زمانہ ہے یہ وہ زمانہ ہے جب کہ مُردہ پودے نئے سرے زندہ کئے جاتے ہیں اور نباتات کا خشک شدہ خون نئے سرے پیدا کیا جاتا ہے سو اسی طرح وہ جو آفتاب حقیقی ہے ایک بھاری تجلی اپنی جو موسم بہار کو دکھلاتی ہے دنیا پر ظاہر کرتا ہے تب زمین کے زندہ کرنے کے لئے ایک نیا پانی آسمان سے نازل ہوتا ہے اور وہ پانی اس طرح اُترتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو منتخب کرکے اُس کے دل کو اُس پانی کا ابرِ بہار بناتا ہے تب وہ پانی اُس بادل میں سے خدا تعالیٰ کے اذن سے نکلتا رہتا ہے اور اُن خشک پودوں پر پڑتا ہے جن کو خریف کی بادِ صرصر نے تباہ اور خراب کر دیا تھا اور ان میں معرفت الٰہی کے نئے پتے پیدا کرتا ہے اور ذوق شوق کے پھول اُن میں نمایاں کر دیتا ہے اور آخر انسانی شاخوں کو نیک اعمال کے پھلوں سے بھر دیتا ہے۔

پھر تیسرا زمانہ جو زمانہ بہار کے بعد سورج دیوتا ظاہر کرتا ہے وہ صیف کا زمانہ ہے جو موسم گرما کا زمانہ کہلاتا ہے اور موسم گرما میں سورج اُن پھلوں کو پکا دیتا ہے جو بہار کے موسم میں ابھی کچے تھے۔ پس اسی طرح خدا کی تجلی کے لئے بھی ایک موسم صیف یعنے موسم گرما آتا ہے۔ وہ موسم ہوتا ہے جب کہ بہار کے دنوں سے ترقی کر کے انسانی پاک طبیعتیں خدا تعالیٰ کی یاد میں اور اس کی محبت میں گرم ہوتی ہیں اور طبیعتوں میں ذکر الہی کے لئے جوش پیدا ہوتے ہیں اور ترقیات کمال کو پہنچتی ہیں اور یہ زمانہ پورے معنے سے ست جگ کا زمانہ ہوتا ہے۔ تب اکثر لوگ درحقیقت خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق چلتے ہیں اور اُس کی خواہشوں کو اپنی خواہشیں بناتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ سورج کے ان چار تغیر کے مقابل خدا تعالیٰ کے بھی چار تغیر پائے جاتے ہیں پس اس میں کلام کی جگہ نہیں کہ جو کچھ اجرام فلکی اور عناصر میں جسمانی اور فانی طور پر صفات پائی جاتی ہیں وہ رُوحانی اور ابدی طور پر خدا تعالیٰ میں موجود ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے یہ بھی ہم پر کھول دیا ہے کہ سورج وغیرہ بذات خود کچھ چیز نہیں ہیں یہ اُسی کی طاقت زبردست ہے جو پردہ میں ہر ایک کام کر رہی ہے وُہی ہے جو چاند کو پردہ پوش اپنی ذات کا بنا کر اندھیری راتوں کو روشنی بخشتا ہے جیسا کہ وہ تاریک دلوں میں خود داخل ہو کر اُن کو مُنوّر کر دیتا ہے اور آپ انسان کے اندر بولتا ہے وُہی ہے جو اپنی طاقتوں پر سورج کا پردہ ڈال کر دن کو ایک عظیم الشان روشنی کا مظہر بنا دیتا ہے اور مختلف فصلوں میں مختلف اپنے کام ظاہر کرتا ہے اُسی کی طاقت آسمان سے برستی ہے جو مینہ کہلاتی ہے اور خشک زمین کو سرسبز کر دیتی ہے اور پیاسوں کو سیراب کر دیتی ہے اُسی کی طاقت آگ میں ہو کر جلاتی ہے اور ہوا میں ہو کر دم کو تازہ کرتی اور پھولوں کو شگفتہ کرتی اور بادلوں کو اُٹھاتی اور آواز کو کانوں تک پہنچاتی ہے یہ اُسی کی طاقت ہے کہ زمین کی شکل میں مجسّم ہو کر نوع انسان اور حیوانات کو اپنی پشت پر اُٹھا رہی ہے مگر کیا یہ چیزیں خدا ہیں؟ نہیں

بلکہ مخلوق مگر اُن کے اجرام میں خدا کی طاقت ایسے طور سے پیوست ہو رہی ہے کہ جیسے قلم کے ساتھ ہاتھ ملا ہوا ہے اگرچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قلم لکھتی ہے مگر قلم نہیں لکھتی بلکہ ہاتھ لکھتا ہے یا مثلاً ایک لوہے کا ٹکڑا جو آگ میں پڑ کر آگ کی شکل بنگیا ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ جلاتا ہے اور روشنی بھی دیتا ہے مگر دراصل وہ صفات اس کی نہیں بلکہ آگ کے ہیں اسی طرح تحقیق کی نظر سے یہ بھی سچ ہے کہ جس قدر اجرام فلکی و عناصر ارضی بلکہ ذرہ ذرہ عالم سفلی اور علوی کا مشہود اور محسوس ہے یہ سب باعتبار اپنی مختلف خاصیتوں کے جو انمیں پائی جاتی ہیں خدا کے نام ہیں اور خدا کی صفات ہیں اور خدا کی طاقت ہے جو انکے اندر پوشیدہ طور پر جلوہ گر ہے اور یہ سب ابتدا میں اُسی کے کلمے تھے جو اسکی قدرت نے انکو مختلف رنگوں میں ظاہر کر دیا۔ نادان سوال کریگا کہ خدا کے کلمے کیونکر مجسم ہوئے کیا خدا ان کے علیحدہ ہونے سے کم ہو گیا مگر اُسکو سوچنا چاہئے کہ آفتاب سے جو ایک آتشی شیشی✝ آگ حاصل کرتی ہے وہ آگ کچھ آفتاب میں سے کم نہیں کرتی۔ ایسا ہی جو کچھ چاند کی تاثیر سے پھلوں میں فربہی آتی ہے وہ چاند کو دُبلا نہیں کر دیتی۔ یہی خدا کی معرفت کا ایک بھید اور تمام نظام روحانی کا مرکز

✝حاشیہ آریہ صاحبان کا یہ عقیدہ ہے کہ پرمیشر نے زمین اور آسمان کی کسی چیز کو پیدا نہیں کیا صرف موجودہ چیزوں کو جو قدیم سے تھیں باہم جوڑا ہے جیسا کہ جیو جو قدیم سے اور انادی ہے اور پرمانو یا پرکرتی جو اجسام کے چھوٹے چھوٹے حصے ہیں اور قدیم اور انادی ہیں۔ مگر ہم ایسے اعتقاد کی وجہ سے اس قدر آریہ صاحبوں پر غصہ نہیں کرتے جس قدر ہمیں اُن کی بے نصیبی پر رحم آتا ہے کیونکہ جب کہ اُنھوں نے خدا تعالیٰ کی قدرت ایجاد کو شناخت نہیں کیا تو کیا شناخت کیا اور کونسا سچا اور کامل گیان اُن کو حاصل ہوا۔ وہ خدا جس نے اس قدر بڑے بڑے اجرام آسمان میں پیدا کئے جیسے سورج اور چاند اور اس قدر ستارے پیدا کئے جن کا اب تک انسانوں کو پتہ نہیں لگا۔

+ کوئی محبت بغیر مشاہدہ حسن یا احسان کے پیدا نہیں ہو سکتی اور کوئی گناہ بغیر خدا کی محبت اور اندیشہ اسکی ناراضگی کے دور نہیں ہو سکتا۔ محبت گناہ کو ایسا جلاتی ہے جیسا کہ آگ میل کو جس سونے کو ہر روز آگ میں ڈالو گے کیا اسپر کوئی میل رہ سکتی ہے ؟ مگر وہ شخص جو نہ خدا کے حسن کا قائل ہے یعنے اسکو پورا قادر نہیں جانتا اور نہ خدا کے احسان کا قائل ہے یعنی یہ یقین نہیں رکھتا جو اسکی روح جو اُسکے اندر بول رہی ہے وہ خدا سے ہے وہ خاک اپنے پرمیشر سے محبت کریگا منہ

ہے کہ خدا کے کلمات سے ہی دُنیا کی پیدائش ہے جب کہ یہ بات طے ہو چکی اور خود قرآن شریف
نے یہ علم ہمیں عطا کیا تو پھر میرے نزدیک ممکن ہے کہ وید نے جو کچھ آگ کی تعریف کی یا ہوا کی
تعریف کی یا سورج کی مہما اور اُستت کی اُسکا بھی یہی مقصد ہوگا کہ **الٰہی طاقت** ایسے شدید
تعلق سے اُن کے اندر کام کر رہی ہے کہ در حقیقت اُسکے مقابل وہ **سب اجرام بطور
چھلکے** کے ہیں اور **وُہ مغز** ہے اور سب صفات اُسی کی طرف رجوع کرتی ہیں اسلئے اسی
کا نام آگ رکھنا چاہیئے اور اسی کا نام پانی اور اسی کا نام ہوا کیونکہ ان کے فعل انکے فعل نہیں
بلکہ یہ سب اُس کے فعل ہیں اور اِن کی طاقتیں اُن کی طاقتیں نہیں بلکہ یہ سب اُسکی طاقتیں
ہیں جیساکہ سورۃ فاتحہ کی اِس آیت میں کہ الحمد للہ رب العالمین اسی کی طرف اشارہ ہے
یعنے مختلف رنگوں اور پیرایوں اور عالموں میں جو دنیا کا نظام قایم رکھنے کے لئے زمین

بقیہ حاشیہ کیا وہ پیدا کرنے میں کسی مادّہ کا محتاج تھا جب میں ان بڑے بڑے اجرام کو دیکھتا ہوں اور ان
کی عظمت اور عجائبات پر غور کرتا اور دیکھتا ہوں کہ صرف ارادہ الٰہی سے اور اسکے اشارہ سے ہی سب کچھ ہو گیا
تو میری روح بے اختیار بول اُٹھتی ہے کہ اے ہمارے قادر خدا تو کیا ہی بزرگ قدرتوں والا ہے
تیرے کام کیسے عجیب اور وراء العقل ہیں۔ نادان ہے وہ جو تیری قدرتوں سے انکار کرے اور احمق
ہے وہ جو تیری نسبت یہ اعتراض پیش کرے کہ اس نے ان چیزوں کو کس مادہ سے بنایا **افسوس**
کہ آریہ صاحبان یہ نہیں خیال کرتے کہ اگر خدا کو مخلوق کے بنانے میں انسانی اسباب کی پابندی ضروری
ہے تو پھر وہ جیسے بغیر مادہ کے کچھ بنا نہیں سکتا ویسا ہی وہ بغیر کسی کافی وقت کے کچھ بنا نہیں سکتا
پس اس صورت میں جیساکہ ہم ایک دیوار کے بنانے میں اندازہ کرتے ہیں کہ ایک معمار اتنے دنوں
میں اس کو تیار کر سکتا ہے اس سے پہلے نہیں۔ ایسا ہی ہمیں یہ اندازہ کرنا پڑیگا کہ خدا کو مثلاً سورج
یا چاند بنانے میں اس قدر وقت کی ضرور حاجت پڑی ہوگی اور اس سے پہلے اسکے لئے
غیر ممکن ہوگا کہ کچھ بنا سکے مگر ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے لئے یہ حدیں مقرر کرنا اور کسی خاص
اندازہ وقت کی طرف کسی کام کے لئے اُس کو محتاج سمجھنا کفر ہے اور گو وہ اپنی مرضی سے
کوئی کام جلدی سے کرے یا دیر سے مگر وہ وقت کا محتاج نہیں۔ پس اس صورت میں

آسمان کی چیزیں کام کر رہی ہیں یہ وہ نہیں کام کرتیں بلکہ خدائی طاقت ان کے نیچے کام کر رہی ہے جیسا کہ دوسری آیت میں بھی فرمایا صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيرَ یعنے دنیا ایک **شیش محل** ہے جس کے شیشوں کے نیچے زور سے پانی چل رہا ہے اور نادان سمجھتا ہے کہ یہی شیشے پانی ہیں حالانکہ پانی ان کے نیچے ہے۔ اور جیسا کہ قرآن شریف میں ایک تیسری جگہ بھی فرمایا وحملناهم فى البر والبحر یعنے یہ خیال مت کرو کہ زمین تمہیں اُٹھاتی ہے یا کشتیاں دریا میں تمہیں اُٹھاتی ہیں بلکہ ہم خود تمہیں اُٹھا رہے ہیں۔

خلاصہ مطلب یہ کہ ہم ان معنوں کو جو اوپر بیان ہوئے وید کی نسبت قبول کر سکتے ہیں اور ہم خیال کر سکتے ہیں کہ جیسا کہ قرآن شریف نے ہمیں ہدایت دی ہے وید کا

بقیہ حاشیہ وہ مادہ کا کیونکر محتاج ہو گیا۔ انسانی ضعف کے لئے جو منطق بنائی گئی ہے اُس منطق سے اس کے حق میں بھی کوئی نتیجہ نکالنا اس سے زیادہ کونسی حماقت ہوگی۔ میں ہرگز یقین نہیں رکھتا کہ وید کی یہ تعلیم ہو بلکہ خاص پنڈت دیانند کے پیٹ سے یہ تعلیم نکلی ہے پنڈت صاحب نے جب دیکھا کہ بغیر روٹی کھانے کے وہ جی نہیں سکتے اور بغیر پانی کے اُن کی پیاس نہیں بجھتی اور بغیر مشقت اور مغز خوری کے وید نہ پڑھ سکے تو انہوں نے سمجھ لیا کہ جیسا وہ ایک چیز کے حصول کے لئے مادہ کے محتاج ہیں ایسا ہی ان کا پرمیشر بھی مادہ کا محتاج ہے انسان کا قاعدہ ہے کہ وہ دوسرے کے کاموں کو اپنے نفس پر قیاس کر لیتا ہے چنانچہ بازاری عورتیں ہرگز سمجھ نہیں سکتیں کہ دنیا میں پاک دامن اور پاک دل عورتیں بھی ہوتی ہیں جس کو آنکھیں ملی ہیں وہ آنکھوں کے بعد اپنے تئیں اندھا نہیں کر سکتا اور جس کو کوئی حصہ گیان اور معرفت کا ملا ہے وہ پھر جہالت کو پسند نہیں کر سکتا ہم نے صدہا امور اپنی آنکھوں سے ایسے خارق عادت دیکھے ہیں کہ اگر ہم بعد اس کے گواہی نہ دیں کہ درحقیقت ہمارا خدا قادر مطلق ہے اور کسی مادہ کا محتاج نہیں تو ہم سخت گنہگار ہونگے شائد چودہ سال کے قریب ہو گیا* یا کم زیادہ جو میں نے دیکھا تھا کہ عالم کشف میں ایک کاغذ پر میں نے بعض باتیں لکھی ہیں اس غرض سے کہ

* [illegible]

بھی یہی مدعا ہے مگر دو باتوں کا ثابت ہونا ضروری ہے (۱) اول یہ کہ وید کا بھی یہی مذہب ہو جو قرآن نے ظاہر کیا ہے کہ یہ سب چیزیں کیا آسمان کے اجرام اور کیا زمین کے عناصر اور کیا ذرہ ذرہ مخلوقات خدا کے ہاتھ سے نکلے ہیں کیونکہ اگر ایسا تسلیم نہ کریں تو پھر ان چیزوں کی صفات پرمیشر کے صفات نہیں ہو سکتے اور ان چیزوں کے گُن پرمیشر کے گن نہیں کہلا سکتے۔ اور ان چیزوں کی طاقتیں پرمیشر کی طاقتیں نہیں کہلا سکتیں مگر افسوس کہ آریہ سماجی اصول کے موافق ذرات یعنی پرمانو اور جیؤ یعنی روح یہ سب انادی اور قدیم اور غیر مخلوق ہیں اسلئے انکے گن اور صفات اور خواص اور طاقتیں بھی غیر مخلوق اور انادی ہیں پرمیشر کو انمیں کچھ دخل نہیں پس اگر وید کا یہی مذہب ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ وید نے آگ کے صفات بیان کر کے آتش پرستی سکھائی ہے اور سورج کی اُستت اور مہما کر کے سورج پرستی سکھائی ہے ہاں اگر ان سب چیزوں کو پرمیشر سے نکلی ہوئی مان لیں اور انکی طاقتیں اسکی طاقتیں مان لیں تو پھر اعتراض باقی نہیں رہتا اور یاد رہے کہ اس کے ساتھ دوسری شرط بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ وید میں ان صدہا شرتیوں کے مقابل پر جنمیں سورج اور آگ وغیرہ کی اُستت و مہما موجود ہے پچاس یا ساٹھ یا ستر ایسی شرتیاں بھی پائی جائیں جن کا یہ مطلب ہو

بقیہ حاشیہ: اور میں نے دیکھا کہ میں نے وہ تحریر اپنے قادر خدا کے روبرو پیش کی کہ اسپر دستخط کر دیں کہ ایسا ہی ہو جائے تب میری خدا نے ایک قلم سے ایک سرخی کی سیاہی سے جو خون کے مانند تھی اور میں خیال کرتا تھا کہ وہ خون ہی ہے اسپر دستخط اپنے کر دئے اور دستخط سے پہلے قلم کو چھڑک دیا اور وہ چھینٹے خون کے میری پر پڑے تب وجد اور شوق محبت سے میری آنکھ کھل گئی کہ خدا نے میرا منشا پورا کیا اور میری تحریر پر بے تامل دستخط کر دئے۔ اسوقت میرے پاس ایکدوست موجود تھا یعنی میاں عبداللہ سنوری اسنے شور مچایا کہ یہ قطرے سُرخ کہاں سے گرے اور جیسا کہ عالم کشف میں دیکھا تھا در حقیقت خارج میں بھی وہ سرخ قطرے تر بتر میرے کرتہ پر پڑے تھے اور کچھ عبداللہ پر بھی۔ اب بتلاؤ کہ یہ تو تمام کشفی معاملہ تھا ظاہر میں ان خونی قطروں کا وجود کیونکر پیدا ہو گیا اور کس مادہ سے وہ خون پیدا ہوا آریہ صاحبان بجز اسکے کیا جواب دے سکتے ہیں کہ یہ قصہ جھوٹا ہے اور آپ بنا لیا ہے اور یہی قصہ میں نے سرمہ چشم آریہ میں لکھا ہے کیونکہ انہیں دنوں میں وہ کتاب تالیف ہوئی تھی اور چونکہ یہی آریہ صاحبوں کے مقابل پر یہ نشان ظاہر ہوا تھا اسلئے میرے خیال میں یہ پنڈت لیکھرام کے مارے جانیکی طرف اشارہ تھا اور طاعون کے وقوع کی طرف بھی اشارہ تھا۔ اسی طرح صدہا نشان ہیں جو ایسی قدرتوں پر دلالت کرتے ہیں جو بغیر مادہ کے ظہور میں آئیں جسنے یہ قدرتیں نہیں دیکھیں اُسنے اپنے خدا کا کیا دیکھا ہے

کہ یہ چیزیں ہرگز پرستش کے لایق نہیں اور نہ ان سے مراد مانگ سکتے ہیں۔ان دو باتوں کے ثابت ہو جانے سے وید اس لایق ہوگا کہ اس الزام سے اس کو بری کر دیا جاوے اور وہ فرد قرارداد جرم اسپر سے اُٹھائی جائے جو بڑے بڑے اہل الرائے اسپر لگا رہے ہیں اور اگر یہ باتیں ثابت نہیں تو الزام **ثابت ہے**۔

پھر ایک اور اعتراض آریہ صاحبوں کے اصول پر ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اسپر بھی توجہ کرینگے اور وہ یہ ہے کہ یہ قرار دیا گیا ہے کہ گو دنیا کے لئے ایک ازلی اور ابدی سلسلہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا لیکن پرمیشر نے قدیم سے یہی طریق مقرر کر رکھا ہے کہ ہمیشہ وہ سنسکرت زبان میں اور آریہ ورت میں آسمانی کتاب پیدایش کے ابتدا میں بھیجتا رہتا ہے یہ مقولہ تین طور سے غلط ہے اول خدا تعالے کی رحمت عامہ کے برخلاف ہے یعنے جس حالت میں دنیا میں مختلف بلاد اور مختلف زبانیں پائی جاتی ہیں اور ایک ملک کے باشندے دوسری قوم کی زبان سے ناآشنا ہیں بلکہ اس زمانہ سے پہلے تو یہ حالت رہی ہے کہ ایک ملک دوسرے ملک کے وجود سے بھی بیخبر تھا اور آریہ ورت میں یہ خیال تھا کہ ہمالہ پہاڑ کے پرے کوئی آبادی نہیں تو اس صورت میں جب کہ دنیا کے تفرقہ کی یہ صورت تھی ہمیشہ اور کروڑہا برسوں سے آسمانی کتاب کو ایک ہی ملک تک محدود رکھنا یہ خدا کی اُس رحمت کے برخلاف ہے جو اس کے رب العالمین ہونے کی شان کو زیبا ہے اور اس کے برخلاف جو قرآن شریف نے فرمایا ہے وہ نہایت معقول اور قرین انصاف ہے اور وہ یہ کہ وہ فرماتا ہے۔ وان من امّة الّا خلا فیھا نذیر یعنے کوئی بستی اور کوئی آباد ملک نہیں جس میں پیغمبر نہیں بھیجا گیا اور پھر فرماتا ہے یتلو صحفًا مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ یعنے یہ کتاب جو قرآن شریف ہے یہ مجموعہ ان تمام کتابوں کا ہے جو پہلے بھیجی گئی تھیں۔اس آیت سے مطلب یہ ہے کہ خدا نے پہلے متفرق طور پر ہر ایک امت کو جدا جدا دستور العمل بھیجا اور پھر چاہا کہ جیسا کہ خدا ایک ہے وہ بھی ایک ہو جائیں تب سب کو اکٹھا کرنے کے لئے قرآن کو بھیجا اور خبر دی کہ ایک زمانہ آنے والا ہے کہ خدا تمام قوموں کو ایک قوم بنا دے گا اور تمام ملکوں کو ایک ملک کر دے گا اور تمام

زبانوں کو ایک زبان بنا وے گا سو ہم دیکھتے ہیں کہ دن بدن دنیا اس صورت کے قریب آتی جاتی ہے اور مختلف ملکوں کے تعلقات بڑھتے جاتے ہیں۔ سیاحت کے لئے وہ سامان میسر آ گئے ہیں جو پہلے نہیں تھے خیالات کے مبادلہ کے لئے بڑی بڑی آسانیاں ہو گئی ہیں ایک قوم دوسری قوم میں ایسی دھنس گئی ہے کہ گویا وہ دونوں ایک ہونا چاہتی ہیں۔ بڑے اور مشکل سفر بہت سہل اور آسان ہو گئے ہیں۔ اب روس کی طرف سے ایک ریل طیار ہو رہی ہے کہ جو چالیس دن میں تمام دنیا کا دورہ ختم کرے گی اور خبر رسانی کے خارق عادت ذریعے پیدا ہو گئے ہیں اس سے پایا جاتا ہے کہ خدا تعالےٰ اُن مختلف قوموں کو جو کسی وقت ایک تھیں پھر ایک ہی بنانا چاہتا ہے تا پیدائش کا دائرہ پورا ہو جائے اور تا ایک ہی خدا ہو اور ایک ہی نبی ہو اور ایک ہی دین ہو۔ یہ بات نہایت معقول ہے کہ تفرقہ کے زمانہ میں خدا نے جدا جدا ہر ایک ملک میں نبی بھیجے اور کسی ملک سے بخل نہیں کیا لیکن آخری زمانہ میں جب تمام ملکوں میں ایک قوم بننے کی استعداد پیدا ہو گی تب سب ہدایتوں کو اکٹھا کر کے ایک ایسی زبان میں جمع کر دیا جو وہ ام الالسنہ ہے یعنے زبان عربی۔ کیا کوئی کانشنس اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے کہ سنسکرت زبان اور آریہ ورت میں تو کروڑہا مرتبہ وید نے جو بقول آریہ پرمیشر کا کلام ہے جنم لیا لیکن کسی اور زبان میں اور کسی اور ملک میں ایک مرتبہ بھی اس کا ظہور نہ ہوا۔ اگر تناسخ کا مسئلہ کچھ چیز ہے تو اس سے ہی ثبوت دینا چاہیئے کہ پرمیشر نے اس ملک کے لوگوں سے اسقدر کیوں پیار کیا اور دوسرے ملکوں سے کیوں ایسی بیگانگی ظاہر فرمائی کون سے عمدہ اور پاک کرم یہ ملک ہمیشہ کرتا رہا ہے جن کی وجہ سے یہ وید کی عزت ہمیشہ اس کو دی جاتی ہے کیا پرمیشر جانتا ہے یا نہیں کہ دوسرے ملک بھی اس بات کے محتاج ہیں کہ کبھی ان کی زبان میں بھی کلام الہی نازل ہو اور ان میں بھی وحی الہی پانے والے پیدا ہوں اور اگر جانتا ہے تو پھر کیا وجہ کہ ہمیشہ وید آریہ ورت میں ہی آتا ہے اور سنسکرت زبان میں ہی ہوتا ہے بیان تو کرنا چاہیئے کہ یہ یکپش بات کیوں ہے اور دوسرے ملکوں کا کیا گناہ ہے جن کی قسمت میں یہ نعمت نہیں اور ہمیشہ

کے لئے وہ اس فخر سے بے نصیب ہیں کہ اُن کے ملک میں اور اُن کی زبان میں خدا کی کتاب نازل ہو۔

پھر دوسرا پہلو اعتراض کا یہ ہے کہ اگر فرض محال کے طور پر یہ بھی خیال کیا جائے کہ وید کل دنیا کے لئے آیا ہے اور خدا تعالےٰ پر یہ بخل جائز رکھا جائے کہ اس نے دوسرے ملکوں اور قوموں کو اپنے شرف مکالمہ سے ہمیشہ کے لئے محروم رکھا تو اس صورت میں اس قدر تو چاہیئے تھا کہ پرمیشر وہ زبان اختیار کرتا جو تمام زبانوں کی ماں ہو اور زندہ زبان ہو نہ سنسکرت کہ کسی طرح وہ تمام زبانوں کی ماں نہیں کہلا سکتی اور نہ وہ زندہ زبان ہے بلکہ مدت ہوئی کہ مر گئی اور کسی ملک میں وہ بولی نہیں جاتی۔ ہاں یہ درجہ ام الالسنہ ہونے کا عربی زبان کو حاصل ہے اور وہی آج اُن تمام زبانوں میں سے جن میں آسمانی کتابیں بیان کی جاتی ہیں زندہ زبان ہے اور ہم نے بڑی تحقیق سے تمام زبانوں کا مقابلہ کرکے بہت سے قوی دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ درحقیقت عربی زبان ہی ام الالسنہ ہے۔ اس لئے وہی زبان اس لائق ہے کہ کل قوموں کو اُس زبان میں مخاطب کیا جائے اور ہم نے عربی زبان کے ام الالسنہ ہونے کے بارے میں ایک کتاب تالیف کی ہے اور جو شخص اس کتاب کو پڑھے گا میں خیال نہیں کرتا کہ بجز تسلیم کے کسی طرف اسکو گریز کی راہ مل سکے کیونکہ اس میں اعلےٰ درجہ کی تحقیقاتوں سے اور ہزارہا مفردات کے مقابلہ سے اور نیز اُس علمی خزانہ سے جو عربی مفردات میں پایا جاتا ہے عربی کا تمام زبانوں کی ماں ہونا ثابت کر دیا ہے۔

تیسری وجہ آریہ صاحبوں کے اس اصول کے غلط ہونے کی کہ وید پر پرمیشر کی مہر لگ چکی ہے اور اس کے بغیر وحی الٰہی کا دروازہ بند ہے ہمارا ذاتی تجربہ ہمارے ہاتھ میں ہے کہ قریباً ہر روز خدا تعالےٰ ہم سے کلام کرتا ہے اور اپنے اسرار غیب اور علوم معرفت سے مطلع فرماتا ہے۔ پس اگر یہ لاف و گزاف درحقیقت میں ہے کہ آیندہ وحی کا دروازہ بند ہو گیا تو بعد اسکے ہمیں اسکے جھوٹا ہونے کیلئے کسی اور دلیل کی ضرورت

نہیں کیونکہ امور مشہودہ محسوسہ کے برخلاف کہنے والا بالیقین کاذب اور سخت کاذب ہوتا ہے جس عالی شان وحی سے ہمیں خدا نے مشرف کیا ہے ہم وید میں اس کا نمونہ نہیں دیکھتے۔ یہ کلام خارق عادت باتوں اور غیب سے پر ہے جیسا کہ سمندر پانی سے اور اکثر عربی میں جو نبوت کے کلام کی تخت گاہ ہے نازل ہوتا ہے اور کبھی اردو میں اور کبھی فارسی میں اور بعض اوقات انگریزی زبان میں بھی ہوا ہے اور اگر آریہ صاحبان یہ کہیں کہ کونسا نشان ہے جس سے معلوم ہو کہ یہ خدا کا کلام ہے سو میں کہتا ہوں کیا پنڈت لیکھرام کے متعلق جو پیشگوئی تھی جس میں اسکے مارے جانیکا دن اور تاریخ بھی درج تھی کیا وہ آریہ صاحبوں کو بھول گئے کیا وہ ایک ہی پیشگوئی آریہ صاحبوں کیلئے کافی نہیں بھلا ور ایسی پیشگوئیاں ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہیں اور ایک فوج گواہوں کی انکے ساتھ ہے جنمیں سے کئی معزز آریہ بھی ہیں پس اس سے زیادہ ہم خدا کے مکالمہ کا اور کیا ثبوت دے سکتے ہیں بلکہ ہم اسی جگہ کے چند آریہ صاحبوں کو بلکہ کئی لاکھ اور آریہ صاحبوں کو بھی گواہی کے لئے پیش کرتے ہیں۔

اور اس جگہ اس بات کا ذکر کرنا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ بعض نادان ایک لاکھ پیشگوئی کے مقابل پر ایک دو پیشگوئیوں کا ذکر کر کے کہتے ہیں کہ وہ پوری نہیں ہوئیں لیکن یہ خود اُن کا قصور فہم ہے بلکہ کوئی بھی ایسی پیشگوئی نہیں کہ وہ اپنے الفاظ کے مطابق پوری نہیں ہو چکی یا اسمیں سے کوئی حصہ پورا نہیں ہو چکا جو دوسرے حصے کے کسی وقت پورا ہو جانے پر گواہ ہے سچی گواہی کو چھپانا اور جھوٹی حجتیں پیش کرنا اُن لوگوں کا کام نہیں جو خدا سے ڈرتے ہیں۔ خاص کر آریہ صاحبوں کو وہ نشان فراموش نہیں کرنا چاہیئے جو خدا نے اُن کو اپنے زبردست ہاتھ سے دکھلایا اور کئی کروڑ انسانوں کو اسپر گواہ کیا۔ ایسے زبردست نشانوں کا انکار کر کے پھر تکذیب کرنا یہ خدا کے ساتھ لڑائی ہے۔

وید کی یہ تعلیمیں ہم نے بطور نمونہ کے بیان کی ہیں اور ہم لکھ چکے ہیں کہ قرآن شریف کی تعلیمیں اسکے مخالف ہیں وہ دنیا میں توحید قائم کرنے آیا ہے اس میں توحید کی تعلیم شمشیر برہنہ کی طرح ہے اسکو اول سے آخر تک پڑھو وہ یہ نہیں سکھلاتا کہ خدا کے بغیر کسی چیز کی پرستش کرو اور اس سے مرادیں مانگو اور اسکی مہما اور استت بیان کرو وہ خدا کی کتابوں کو نہ کسی

عنبر ۲

ہر ایک نفس کے بارہ میں اسکی ذات کے متعلق اور نیز بنی نوع اور قوم کے متعلق عیسائی صاحبوں اور آریہ صاحبوں کی کیا تعلیم ہے اور قرآن شریف کی کیا تعلیم

عیسائی صاحبوں کی تعلیم کو اسجگہ مفصل لکھنے کی ضرورت نہیں خون مسیح اور کفارہ کا ایک ایسا مسئلہ ہے جسنے ان کو نہ صرف تمام مجاہدات اور ریاضات سے فارغ کر دیا ہے بلکہ اکثر دلوں کو گناہوں کے ارتکاب پر ایک دلیری بھی پیدا ہو گئی ہے کیونکہ جب کہ عیسائی صاحبوں کے ہاتھ میں قطعی طور پر گناہوں کے بخشے جانے کا ایک نسخہ ہے یعنی خون مسیح تو صاف ظاہر ہے کہ اس نسخہ نے قوم میں کیا کیا نتائج پیدا کئے ہونگے اور کسقدر نفس امارہ کو گناہ کرنے کے لئے ایک جرأت پر آمادہ کر دیا ہوگا۔ اس نسخہ نے جسقدر یورپ اور امریکہ کی عملی پاکیزگی کو نقصان پہنچایا ہے میں خیال کرتا ہوں کہ اس کے بیان کرنے کی مجھے ضرورت نہیں بالخصوص جب سے اس نسخہ کی دوسری جُز شراب بھی اس کے ساتھ ملحق ہو گئی ہے تب سے تو یہ نسخہ ایک خطرناک اور بھڑکنے والا مادہ بن گیا ہے اس کی تائید میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسے علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے ہر ایک سچے عیسائی کا یہ فرض ہے کہ وہ بھی شراب پیوے اور اپنے مرشد کی پیروی کرے۔

غرض اس نسخہ کے استعمال سے ان ملکوں کی عملی پاکیزگی پر جو زلزلہ آیا ہے اور جو کچھ تباہی قوم میں پھیلی ہے اس کے ذکر کرنے سے بھی بدن کانپتا ہے۔ افسوس کہ شراب اور کفارہ دونوں ملکر ایک ایسا تیز اور جلد مشتعل ہونے والا بارود ہو گیا ہے جس کے آگے تقویٰ اور طہارت باطنی یوں اُڑ جاتی ہے جیسے سخت آندھی کے آگے خس و خاشاک اور اسمیں اندرونی پاکیزگی کے اُڑانے کے لئے اُس توپ سے بھی زیادہ قوت ہے جو دس میل سے مار کر سکتی ہے کیونکہ توپیں تو اکثر دو تین میل تک فیر کر سکتے ہیں مگر ان توپوں کی زد تو دس ہزار میل سے بھی زیادہ تک پہنچ گئی ہے

یورپ کی شراب کی گرم بازاری نے اس ملک کو بھی شریک کر لیا ہے۔ زیادہ بیان کی حاجت نہیں۔ پھر علاوہ اس کے عورتوں کی عام بے پردگی نے اس توپ کا زن و مرد کو نشانہ بنا دیا ہے یہ تو ظاہر ہے کہ پاک دل رکھنے والے اور خدا سے ڈرنے والے دنیا میں بہت کم لوگ ہوتے ہیں۔ اور اکثر انسان اُس کتے سے مشابہ ہیں جو دودھ یا کسی اور عمدہ چیز کو دیکھ کر اُس میں مُنہ ڈالنے سے صبر نہیں کر سکتا نفس غالب اور شہوت طالب اور آنکھیں اندھی ہوتی ہیں اور شراب ایسے جذبات کو اور بھی بانس پر چڑھا دیتی ہے۔ تب خدا تعالیٰ کا خوف دل میں سے جاتا رہتا ہے اور جوانی کے دن اور جذبات کے ایام اور نیز شرابوں کے جام اندھا کر دیتے ہیں۔ اس صورت میں جوان مردوں اور جوان عورتوں کا اس طور سے بلا تکلف ملاپ ہونا گویا کہ وہ میاں بیوی ہیں ایسی قابلِ شرم خرابیاں پیدا کرتا ہے جن سے اب یورپ بھی دن بدن واقف ہوتا جاتا ہے آخر جیسے بہت سی تجاریب کے بعد طلاق کا قانون پاس ہو گیا ہے اسی طرح کسی دن دیکھ لوگے کہ تنگ آکر اسلامی پردہ کے مشابہ یورپ میں بھی کوئی قانون شائع ہو گا ورنہ انجام یہ ہو گا کہ چارپایوں کی طرح عورتیں اور مرد ہو جائینگے۔ اور مشکل ہو گا کہ یہ شناخت کیا جائے کہ فلاں شخص کس کا بیٹا ہے اور وہ لوگ کیونکر پاک دل ہوں۔ پاک دل تو وہ ہوتے ہیں جن کی آنکھوں کے آگے ہر وقت خدا رہتا ہے اور نہ صرف ایک موت ان کو یاد ہوتی ہے بلکہ وہ ہر وقت عظمت الٰہی کے اثر سے مرتے رہتے ہیں مگر یہ حالت شراب خوری میں کیونکر پیدا ہو۔ شراب اور خدا ترسی ایک وجود میں اکٹھی نہیں ہو سکتی۔ خون مسیح کی دلیری اور شراب کا جوش تقوٰی کی بیخکنی میں کامیاب ہو گیا ہے۔ ہم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ آیا کفارہ کے مسئلہ نے یہ خرابیاں زیادہ پیدا کی ہیں یا شراب نے۔ اگر اسلام کی طرح پردہ کی رسم ہوتی تو پھر بھی کچھ پردہ رہتا مگر یورپ تو پردہ کی رسم کا دشمن ہے۔ ہم یورپ کے اس فلسفہ کو سمجھ نہیں سکتے اگر وہ اس اصرار سے باز نہیں آتے تو شوق سے شراب پیا کریں کہ اُس کے ذریعہ سے کفارہ کے فوائد بہت ظاہر ہوتے ہیں۔ کیونکہ مسیح کے خون کے سہارے پر جو لوگ گناہ کرتے ہیں شراب کے وسیلہ سے اُن کی میزان بڑھتی ہے۔ ہم اس بحث کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتے کیونکہ فطرت

کا تقاضا الگ الگ ہے ہمیں تو ناپاک چیزوں کے استعمال سے کسی سخت مرض کے وقت بھی ڈر لگتا ہے۔ چہ جائکہ پانی کی جگہ بھی شراب پی جائے۔ مجھے اسوقت ایک اپنا سرگذشت قصہ یاد آیا ہے اور وہ یہ کہ مجھے کئی سال سے ذیابیطس کی بیماری ہے۔ پندرہ بیس مرتبہ روز پیشاب آتا ہے اور بعض وقت سَو سَو دفعہ دن میں پیشاب آتا ہے اور بوجہ اس کے کہ پیشاب میں شکّر ہے۔ کبھی کبھی خارش کا عارضہ بھی ہوجاتا ہے۔ اور کثرت پیشاب سے بہت ضعف تک نوبت پہنچتی ہے ایک دفعہ مجھے ایک دوست نے یہ صلاح دی کہ ذیابیطس کے لئے افیون مفید ہوتی ہے پس علاج کی غرض سے مضائقہ نہیں کہ افیون شروع کر دیجائے۔ میں نے جواب دیا کہ یہ آپ نے بڑی مہربانی کی کہ ہمدردی فرمائی لیکن اگر میں ذیابیطس کے لئے افیون کھانے کی عادت کروں تو میں ڈرتا ہوں کہ لوگ ٹھٹھا کر کے یہ نکہیں کہ پہلا مسیح تو شرابی تھا اور دوسرا افیونی۔

پس اس طرح جب میں نے خدا پر توکّل کی تو خدا نے مجھے ان خبیث چیزوں کا محتاج نہیں کیا۔ اور بارہا جب مجھے غلبہ مرض کا ہوا تو خدا نے فرمایا کہ دیکھ میں نے تجھے شفا دے دی۔ تب اُسی وقت مجھے آرام ہوگیا۔ انہیں باتوں سے میں جانتا ہوں کہ ہمارا خدا ہر ایک چیز پر قادر ہے* جھوٹے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ نہ اُس نے روح پیدا کی اور نہ ذرات اجسام۔ وہ خدا سے غافل ہیں۔ ہم ہر روز اُس کی نئی پیدائش دیکھتے ہیں۔ اور ترقیات سے نئی نئی روح وہ ہم میں پھونکتا ہے۔ اگر وہ نیست سے ہست کرنے والا نہ ہوتا تو ہم تو زندہ ہی مرجاتے۔ عجیب ہے وہ خدا جو ہمارا خدا ہے۔ کون ہے جو اس کی مانند ہے۔ اور عجیب ہیں اُس کے کام۔ کون ہے جس کے کام اس کی مانند ہیں۔ وہ قادر مطلق ہے ہاں بعض وقت حکمت اُس کی ایک کام کرنے سے اُسے روکتی ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر ظاہر کرتا ہوں کہ مجھے دو مرض دامنگیر ہیں۔ ایک جسم

* انسان جب تک خود خدا کی تجلّی سے اور خدا کے وسیلہ سے اُسکے وجود پر اطلاع نہ پاوے تب تک وہ خدا کی پرستش نہیں کرتا بلکہ اپنے خیال کی پرستش کرتا ہے محض خیال کی پرستش کرنا اندرونی گندگی کو صاف نہیں کرتا۔ ایسے لوگ تو پرمیشر کے خود پرمیشر بنتے ہیں کہ خود اُس کا پتہ آپ لگاتے ہیں۔ منہ
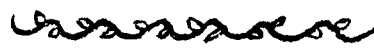
کے اوپر کے حصہ میں کہ سر درد اور دوران سر اور دوران خون کم ہو کر ہاتھ پیر سرد ہو جانا نبض کم ہو جانا دوسرے جسم کے نیچے کے حصہ میں کہ پیشاب کثرت سے آنا اور اکثر دست آتے رہنا یہ دونوں بیماریاں قریباً بیس برس سے ہیں۔ کبھی دعا سے ایسی رخصت ہو جاتی ہے۔ کہ گویا دور ہو گئیں۔ مگر پھر شروع ہو جاتی ہیں۔ ایک دفعہ میں نے دعا کی کہ یہ بیماریاں بالکل دور کر دیجائیں تو جواب ملا کہ ایسا نہیں ہوگا۔ تب میرے دل میں خدا تعالےٰ کی طرف سے ڈالا گیا کہ مسیح موعود کے لئے یہ بھی ایک علامت ہے۔ کیونکہ لکھا ہے کہ وہ دو زرد چادروں میں اُترے گا۔ سو یہ وہی دو زرد رنگ کی چادریں ہیں ایک اوپر کے حصۂ بدن پر اور ایک نیچے کے حصۂ بدن پر۔ کیونکہ تمام اہل تعبیر اس پر متفق ہیں کہ عالم کشف یا عالم رویا میں جو نبوت کا عالم ہے اگر زرد چادریں دیکھی جائیں تو اُن سے بیماری مراد ہوتی ہے۔ پس خدا نے نہ چاہا کہ یہ علامت مسیح موعود کی مجھ سے علیحدہ ہو۔

کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ہم نے اس جگہ انجیل کی تعلیم کا ذکر نہیں کیا کیونکہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ مسیح صرف اپنے خون کا فائدہ پہنچانے کے لئے آیا تھا یعنی اس لئے کہ تا گناہ کرنے والے اس کے مرنے سے نجات پاتے رہیں ورنہ انجیل کی تعلیم ایک معمولی بات ہے جو پہلے سے بائیبل میں موجود ہے۔ گویا دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہیئے کہ یہ صرف دکھانے کے دانت ہیں۔ اس پر عمل کرنا مقصود ہی نہیں۔ اور یہی سچ ہے کیا عدالتیں اسپر عمل کرتی ہیں؟ کیا خود پادری صاحبان اس پر عمل کرتے ہیں؟ کیا عوام عیسائی اس کے پابند ہیں؟ ہاں کفارہ اور خون مسیح کے موافق ضرور عمل ہو رہا ہے۔ اور اس سے یورپ امریکہ دونوں فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

علاوہ اس کے یہ بھی سخت غلطی ہے کہ انجیل کی تعلیم کو کامل کہا جائے۔ وہ انسانی فطرت کے درخت کی پورے طور پر آب پاشی نہیں کر سکتی اور صرف ایک شاخ کو غیر موزوں طور پر لمبی کرتی ہے اور باقی کو کاٹتی ہے۔ اور جن جن قوتوں کے ساتھ انسان اس مسافرخانہ میں آیا ہے انجیل ان سب قوتوں سے مُربی نہیں ہے۔ انسان کی فطرت پر نظر کر کے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مختلف قویٰ اس غرض سے دئے گئے ہیں کہ تا وہ مختلف وقتوں میں

حسب تقاضا محل اور موقعہ کے ان قویٰ کو استعمال کرے مثلاً انسان میں منجملہ اور خلقوں کے ایک خلق بکری کی فطرت سے مشابہ ہے۔ اور دوسرا خلق شیر کی صفت سے مشابہت رکھتا ہے۔ پس خدائے تعالےٰ انسان سے یہ چاہتا ہے کہ وہ بکری بننے کے محل میں بکری بن جائے۔ اور شیر بننے کے محل میں وہ شیر بن جائے۔ اور خدا تعالیٰ ہرگز نہیں چاہتا کہ وہ ہر وقت اور ہر محل میں بکری ہی بنا رہے۔ اور نہ یہ کہ ہر جگہ وہ شیر ہی بنا رہے۔ اور جیسا کہ وہ نہیں چاہتا کہ ہر وقت انسان سوتا ہی رہے یا ہر وقت جاگتا ہی رہے یا ہر دم کھاتا ہی رہے یا ہمیشہ کھانے سے مونہہ بند رکھے۔ اسی طرح وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ انسان اپنی اندرونی قوتوں میں سے صرف ایک قوت پر زور ڈال دے۔ اور دوسری قوتیں جو خدا کی طرف سے اس کو ملی ہیں ان کو لغو سمجھے۔ اگر انسان میں خدا نے ایک قوت حلم اور نرمی اور درگذر اور صبر کی رکھی ہے تو اسی خدا نے اسمیں ایک قوت غضب اور خواہش انتقام کی بھی رکھی ہے پس کیا مناسب ہے کہ ایک خداداد قوت کو تو حد سے زیادہ استعمال کیا جائے اور دوسری قوت کو اپنی فطرت میں سے بکلی کاٹ کر پھینک دیا جائے۔ اس سے تو خدا پر اعتراض آتا ہے کہ گویا اس نے بعض قوتیں انسان کو ایسی دی ہیں جو استعمال کے لایق نہیں۔ کیونکہ یہ مختلف قوتیں اسی نے تو انسان میں پیدا کیں۔ پس یاد رہے کہ انسان میں کوئی بھی قوت بری نہیں ہے۔ بلکہ ان کی بد استعمالی بری ہے۔ سو انجیل کی تعلیم نہایت ناقص ہے۔ جس میں ایک ہی پہلو پر زور ڈالدیا گیا ہے۔ علاوہ اس کے دعوی تو ایسی تعلیم کا ہے کہ ایک طرف طمانچہ کھا کر دوسری بھی پھیر دیں۔ مگر اس دعوے کے موافق عمل نہیں ہے مثلاً ایک پادری صاحب کو کوئی طمانچہ مار کر دیکھ لے کہ پھر عدالت کے ذریعہ سے وہ کیا کارروائی کراتے ہیں پس یہ تعلیم کس کام کی ہے۔ جس پر نہ عدالتیں چل سکتی ہیں نہ پادری چل سکتے ہیں۔ اصل تعلیم قرآن شریف کی ہے جو حکمت اور موقعہ شناسی پر مبنی ہے مثلاً انجیل نے تو یہ کہا کہ ہر وقت تم لوگوں کے طمانچے کھاؤ اور کسی حالت میں شر کا مقابلہ نہ کرو۔ مگر قرآن شریف اس کے مقابل پر یہ کہتا ہے۔ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفی واصلح فاجرہ علی اللہ یعنی اگر کوئی تمہیں دکھ پہنچاوے مثلاً دانت توڑ دے یا آنکھ پھوڑ دے تو اس کی سزا اسیقدر

بدی ہے جو اُس نے کی لیکن اگر تم ایسی صورت میں گناہ معاف کردو کہ اُس معافی کا کوئی نیک نتیجہ پیدا ہو اور اس سے کوئی اصلاح ہو سکے یعنی مثلاً مجرم آئندہ اس عادت سے باز آجائے تو اس صورت میں معاف کرنا ہی بہتر ہے اور اس معاف کرنے کا خدا سے اجر ملیگا۔

اب دیکھو اس آیت میں دونوں پہلو کی رعایت رکھی گئی ہے۔ اور عفو اور انتقام کو مصلحت وقت سے وابستہ کر دیا گیا ہے۔ سو یہی حکیمانہ مسلک ہے جس پر نظام عالم کا چل رہا ہے رعایت محل اور وقت سے گرم اور سرد دونوں کا استعمال کرنا یہی عقلمندی ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ہم ایک ہی قسم کی غذا پر ہمیشہ زور نہیں ڈال سکتے۔ بلکہ حسب موقعہ گرم اور سرد غذائیں بدلتے رہتے ہیں۔ اور جاڑے اور گرمی کے وقتوں میں کپڑے بھی مناسب حال بدلتے رہتے ہیں۔ پس اسی طرح ہماری اخلاقی حالت بھی حسب موقع تبدیلی کو چاہتی ہے ایک وقت رعب دکھلانے کا مقام ہوتا ہے وہاں نرمی اور درگذر سے کام بگڑتا ہے اور دوسرے وقت نرمی اور تواضع کا موقع ہوتا ہے اور وہاں رعب دکھلانا سفلہ پن سمجھا جاتا ہے۔ غرض ہر ایک وقت اور ہر ایک مقام ایک بات کو چاہتا ہے۔ پس جو شخص رعایت مصالح اوقات نہیں کرتا وہ حیوان ہے نہ انسان اور وہ وحشی ہے نہ مُہذّب۔

اب ہم آریہ مذہب میں کلام کرتے ہیں کہ اس میں انسانی پاکیزگی اور انسانی نیک چلنی کے لئے کیا تعلیم ہے۔ پس واضح ہو کہ آریہ سماج کے اصولوں میں سے نہایت قبیح اور قابل شرم نیوگ کا مسئلہ ہے۔ جس کو پنڈت دیانند صاحب نے بڑی جرأت کے ساتھ اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں درج کیا ہے۔ اور وید کی قابل فخر تعلیم اس کو ٹھہرایا ہے اور اگر وہ اس مسئلہ کو صرف بیوہ عورتوں تک محدود رکھتے۔ تب بھی ہمیں کچھ غرض نہیں تھی کہ ہم اس میں کلام کرتے مگر اُنہوں نے تو اس اصول انسانی فطرت کے دشمن کو انتہا تک پہنچا دیا اور حیا اور شرم کے جامہ سے بالکل علیحدہ ہو کر یہ بھی لکھ دیا۔ کہ ایک عورت جو خاوند زندہ رکھتی ہے۔ اور وہ کسی بدنی عارضہ کی وجہ سے اولاد نرینہ پیدا نہیں کر سکتا مثلاً

لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہیں یا بباعث رقت منی کے اولاد ہی نہیں ہوتی یا وہ شخص کو جماع پر قادر ہے۔ مگر بانجھ عورتوں کی طرح ہے یا کسی اور سبب سے اولاد نرینہ ہونے میں توقف ہوگئی ہے تو ان تمام صورتوں میں اس کو چاہیئے کہ اپنی عورت کو کسی دوسرے سے ہم بستر کراوے اور اس طرح پر وہ غیر کے نطفہ سے گیارہ* بچے حاصل کر سکتا ہے گویا قریباً بیس برس تک اس کی عورت دوسرے سے ہم بستر ہوتی رہیگی جیسا کہ ہم نے مفصل کتاب کے حوالہ سے یہ تمام ذکر اپنے رسالہ آریہ دھرم میں کر دیا ہے اور حیا مانع ہے کہ ہم اس جگہ وہ تمام تفصیلیں لکھیں۔ غرض اس عمل کا نام نیوگ ہے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ اصول انسانی پاکیزگی کی بیخکنی کرتا ہے۔ اور اولاد پر ناجائز ولادت کا داغ لگاتا ہے۔ اور انسانی فطرت اس بیحیائی کو کسی طرح قبول نہیں کر سکتی کہ ایک انسان کی ایک عورت منکوحہ ہو جس کے بیاہنے کے لئے وہ گیا تھا۔ اور والدین نے صدہا یا ہزارہا روپیہ خرچ کر کے اس کی شادی کی تھی جو اس کے ننگ و ناموس کی جگہ تھی اور اُس کی عزت و آبرو کا مدار تھا وہ باوجودیکہ اس کی بیوی ہے اور وہ خود زندہ موجود ہے۔ اس کے سامنے رات کو دوسرے سے ہم بستر ہووے اور غیر انسان اس کے ہوتے ہوئے اُسی کے مکان میں اُس کی بیوی سے مونہہ کالا کرے اور وہ آوازیں سُنے اور خوش ہو کہ اچھا کر رہا ہے اور یہ تمام ناجائز حرکات اس کی آنکھوں کے سامنے ہوں۔ اور اس کو کچھ بھی جوش نہ آوے۔ اب بتلاؤ کہ کیا ایسا شخص جس کی منکوحہ اور سہروں کے ساتھ بیاہی ہوئی بیوی اس کی آنکھوں کے سامنے دوسرے کے ساتھ خراب ہو۔ کیا اس کی انسانی غیرت اس بیحیائی کو قبول کریگی دیکھو راجہ رام چندر نے اپنی بیوی سیتا کے لئے کسقدر

* مجھے ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں کہ نیوگ میں یعنی اپنی بیوی کو دوسرے سے ہمبستر کرو اگر صرف گیارہ بچوں تک لینے کا حکم ہے یا زیادہ۔ مُدت ہوئی کہ میں نے ستیارتھ پرکاش میں پڑھا تو تھا۔ مگر حافظہ اچھا نہیں۔ یاد نہیں رہا۔ آریہ صاحبان خود مطلع فرماویں کیونکہ بوجہ روز کی مشق کرانے کے اُن کو خوب یاد ہوگا۔

غیرت دکھلائی۔ حالانکہ راون ایک برہمن تھا اور سیتا کی ابھی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ اور بموجب اس قاعدہ کے برہمن سے نیوگ جائز تھا۔ تاہم رام چندر کی غیرت نے اپنی پاکدامن بیوی کے لئے راون کو قتل کیا اور لنکا کو جلا دیا۔ وہ شخص انسان کہلانے کا مستحق نہیں جس کو اپنی بیوی کے لئے بھی غیرت نہیں۔ اور کیا وجہ کہ اس کا نام دیّوث نہ رکھا جائے حیوانوں میں بھی یہ غیرت مشاہدہ کی گئی ہے پرندوں میں بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک پرند روا نہیں رکھتا کہ دوسرا پرند اس کی مادہ سے تعلق پیدا کرے پھر انسان ہوکر یہ حیا سے دور حرکت کیا کوئی پاک فطرت اس کو قبول کریگی۔ اور دیانند کا یہ لکھنا کہ وید کی شرتی ہے ہم نہیں قبول کر سکتے کہ ایسی کوئی شرتی وید میں ہوگی۔ نادانوں میں پنڈت دیانند نے جسقدر چاہا لافیں ماریں ورنہ کامل علمی فضیلت حاصل کرنا جو انسان کے دل کو روشن کرتی ہے۔ ہر ایک کا کام نہیں۔ بعض الفاظ کے بہت سے معنے ہوتے ہیں اور ایک جاہل اپنی جلد بازی اور اپنی جہالت سے ایک معنے کو پسند کر لیتا ہے۔ پس ایسا شخص جس میں مادہ حیا کا کم ہو اُسے محسوس نہیں ہوتا کہ یہ میرا قول شرافت اور طہارت سے بعید ہے۔ مگر اس جگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے قابل شرم امر پر دیانند نے کیوں زور دیا۔ اور کیوں دلیری کرکے یہ گندی تعلیم اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں لکھدی۔ پس جہاں تک میں نے سوچا ہے میرے خیال میں اس کا یہ جواب ہے کہ چونکہ پنڈت دیانند تمام عمر مجرد رہا ہے اور بیوی نہیں کی لہذا اُس کو اُس غیرت کی خبر نہیں تھی کہ جو ایک شریف اور غیور انسان کو اپنی بیوی کی نسبت ہوا کرتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کی ناتجربہ کار فطرت نے محسوس نہ کیا کہ میں کیا لکھ رہا ہوں۔ دیانند کو معلوم نہیں تھا کہ اپنی بیویوں کی نسبت تو کنجروں کو بھی غیرت ہوتی ہے۔ بلکہ بہت سے لوگ جو بازاری عورتوں سے ناجائز تعلق رکھتے ہیں جب کسی آشنا کنجری کی نسبت ان کو شک پڑتا ہے کہ وہ دوسرے کے پاس گئی تو بسا اوقات غصہ میں آکر اُسکا ناک کاٹ دیتے ہیں یا قتل کر دیتے ہیں تو پھر کیا عقل قبول کرسکتی ہے کہ ایک غیرتمند آریہ کی عورت ایسے کام کرے تو وہ لوگوں کو منہ دکھانے کے قابل

رہے۔ اسی اصول سے تو دنیا میں صریح بدکاری پھیلتی ہے اور آخر حکام کو بھی ان گندے اصولوں کے روکنے کے لئے دخل دینا پڑتا ہے جیسا گورنمنٹ انگریزی نے ابتداء حکومت میں ہی جل پروا اور ستی کے رواج کو جبراً ہٹا دیا تھا۔

اسی طرح تناسخ کا مسئلہ بھی اگر صحیح فرض کیا جاوے تو اسی خرابی کا موجب ہوگا جیسا کہ نیوگ کیونکہ اس صورت میں کروڑہا دفعہ یہ واقعہ پیش آ جائیگا کہ ایک شخص ایک ایسی عورت سے نکاح کرے کہ جو دراصل اس کی ماں تھی یا دادی تھی یا لڑکی تھی جو مر چکی تھی اور پھر وہ دوبارہ جنم لے کر دنیا میں آئی۔ پس اگر آواگون کا مسئلہ صحیح تھا تو اتنا تو پرمیشر کو کرنا چاہئے تھا کہ نئے پیدا ہونے والی کو اس بات کا علم دیدیتا کہ وہ فلاں فلاں شخص سے پہلے جنم میں یہ رشتہ رکھتا تھا تا بدکاری تک نوبت نہ آتی۔

حاشیہ تناسخ کے مسئلہ جیسا اور کوئی جھوٹا مسئلہ نہیں کیونکہ اس کی بنیاد بھی غلط ہے اور آزمائش کے طور پر بھی یہ غلط ثابت ہوتا ہے اور انسانی پاکیزگی کے لحاظ سے بھی غلط ٹھہرتا ہے اور خدا کی قدرت میں رخنہ انداز ہونے کی وجہ سے بھی ہر ایک عارف کا فرض ہے جو اس کو غلط سمجھے۔

اس کی بنیاد اس طرح پر غلط ہے کہ ستیارتھ پرکاش میں بتلایا گیا ہے کہ روح عورت کے پیٹ میں اس طرح آتی ہے کہ شبنم کے ساتھ کسی ساگ پات پر پڑتی ہے اور اس ساگ پات کے کھانے سے روح بھی ساتھ کھائی جاتی ہے پس اس سے تو لازم آتا ہے کہ روح دو ٹکڑے ہو کر زمین پر پڑتی ہے ایک ٹکڑے کو اتفاقاً مرد کھا لیتا ہے اور دوسرے ٹکڑے کو عورت کھاتی ہے کیونکہ یہ ثابت شدہ مسئلہ ہے کہ بچہ کو روحانی قوتیں اور روحانی اخلاق مرد اور عورت دونوں سے ملتے ہیں نہ کہ صرف ایک سے پس دونوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ

+ نیوگ کی کثرت عورتوں کے لئے اس وجہ سے بھی مضر ہے کہ اس سے حجاب اُٹھ جائیگا اور چند سال بیگانہ کے پاس جا کر پھر ہمیشہ کے لئے یہی عادت رہیگی۔ منہ

اس جگہ یاد رہے کہ تناسخ کا مسئلہ اپنی جڑھ سے باطل ہے وہ تب صحیح ہو سکتا ہے۔ جب یہ بات سچ ہو کہ روح دو ٹکڑے ہو کر کسی ساگ پات پر گرتی ہے اور پھر غذا کی طرح کھائی جاتی ہے مگر بیشی کمی مراتب کی تناسخ پر دلیل نہیں یہ اختلاف مراتب تو بیجان چیزوں میں بھی پایا جاتا ہے اس وسوسہ کا جواب یہی ہے کہ قیامت کے دن کم حصہ والے کو پورا حصہ دیا جائیگا اور زیادہ حصہ والے سے حساب کیا جائیگا پس چند روزہ دنیا کی کمی بیشی تناسخ پر کیونکر دلیل ہو سکتی ہے۔

اور نیوگ کے جواب میں یہ کہنا کہ مسلمانوں میں بھی متعہ ہے یہ عجیب جواب ہے میں نہیں جانتا کہ آریہ صاحبوں نے متعہ کس چیز کو سمجھا ہوا ہے پس واضح ہو کہ خدا نے قرآن شریف میں بجز نکاح کے ہمیں کوئی اور ہدایت نہیں دی ہاں شیعہ مذہب میں سے ایک فرقہ ہے کہ وہ مُوقت طور پر نکاح کر لیتے ہیں یعنے فلاں وقت تک نکاح اور پھر طلاق ہوگی اور اس کا نام متعہ رکھتے

بقیہ حاشیہ ایسے ساگ پات کو کھاویں جس میں روح ہو اور صرف ایک کا کھانا کافی نہیں پس بداہت یہ امر مستلزم تقسیم روح ہے۔ اور تقسیم روح باطل ہے اس لئے **تناسخ باطل** ہے۔

اور آزمائش کے طور پر یہ مسئلہ اس طرح پر غلط ٹھہرتا ہے کہ جس طرح ہر قسم کی روحیں پیدا ہوتی رہی ہیں ان تمام صورتوں میں ممکن ہی نہیں کہ شبنم کے ساتھ وہ روحین پیدا ہوتی ہوں مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ بالوں میں جوئیں پڑ جاتی ہیں وہ روحین کس شبنم کے ساتھ کھائی جاتی ہیں۔ ایسا ہی **گنک** کے کھاتوں میں **سُسری** پڑ جاتی ہے وہ کروڑہا روحین جو کہاتہ کے اندر پیدا ہو جاتی ہیں وہ کس شبنم کے ساتھ کہاتہ کے اندر اُترتی ہیں اور کون اُن کو کہاتہ ہے۔ ایسا ہی ہم دیکھتے ہیں کہ پیٹ میں کدو دانے پیدا ہوتے ہیں اور کبھی کبھی دماغ میں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں اور طبعی علم کے تجربہ سے پانی کے ہر ایک قطرے میں ہزارہا کیڑے ثابت ہوتے ہیں یہ کس شبنم سے پڑتے ہیں۔ تجربہ بتلا رہا ہے کہ ہر ایک چیز میں ایک قسم کے کیڑہ کا مادہ موجود ہے پشمینہ میں بھی ایک قسم کا کیڑہ لگ جاتا ہے لکڑی میں بھی اناج میں بھی۔ پھلوں میں بھی اور بعض پھلوں میں پھل کی پیدایش کے ساتھ ساتھ

ہیں مگر خدا تعالیٰ کے کلام سے اُن کے پاس کوئی سند نہیں بہر حال وہ تو ایک نکاح ہے جس کی طلاق کا زمانہ معلوم ہے اور نیوگ کو طلاق کے مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں طلاق کے بعد تمام تعلقات میاں بیوی کے قطعاً ٹوٹ جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی نسبت یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ مرگیا اور یہ طلاق کا مسئلہ بوجہ انسانی ضرورتوں کے ہر ایک مذہب میں پایا جاتا ہے چنانچہ ولایت میں بھی قانون طلاق پاس ہوگیا ہے اور یہ اعتراض کہ مسلمان کئی بیویاں کر لیتے ہیں۔ اس کو بھی نیوگ سے کچھ تعلق نہیں۔ ہندو دھرم کے راجے اور بڑے بڑے آدمی قدیم سے کئی بیویاں کرتے رہے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں۔ اور یہ اعتراض کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی بیوی زینب کا آسمان پر نکاح ہوا تھا اس سے بھی معترض کی صرف نادانی ثابت ہوتی ہے خدا کے نبیوں اور رسولوں کے آسمان پر ہی نکاح ہوتے ہیں کیونکہ

بقیہ حاشیہ ہی کیڑا پیدا ہوتا ہے جیسا کہ گولر کا درخت وہ کس شبنم سے کیڑے آتے ہیں۔ اور اہل تجربہ نے ثابت کیا ہے کہ بعض ترکیبوں سے ہزارہا بچھو پیدا کر سکتے ہیں وُہ کس شبنم سے آتے ہیں۔ افسوس پنڈت دیانند صاحب کی موٹی عقل نے بہت کچھ خفتیں اور ندامتیں آریہ صاحبوں کو پہنچائی ہیں۔ آپ تو ایسی غلط اور بیہودہ باتیں بیان کر کے جلد اس دنیا سے گذر گئے اور دوسروں کو جنہوں نے انہیں کا مت اختیار کیا تھا ندامتوں کا نشانہ بنا گئے۔

دیکھو پاکیزگی کے لحاظ سے بھی تناسخ کا مسئلہ کیسا خراب ہے کیا جب کوئی لڑکی پیدا ہوتی ہے اس کے ساتھ کوئی فہرست بھی اندر سے نکلتی ہے جس سے معلوم ہو کہ یہ لڑکی فلاں مرد کی ماں یا دادی یا ہمشیرہ ہے اس سے وہ شادی کرنے سے پرہیز کرے۔

اور یہ **تناسخ** کا مسئلہ پرمیشر کی قدرت میں بھی سخت رخنہ انداز ہے خدا وہ خُدا ہے کہ چاہے تو ایک لکڑی میں جان ڈالدے جیسا کہ حضرت موسیٰ کا عصا ایک دم میں لکڑی اور ایک دم میں سانپ بن جاتا تھا مگر روحوں کی انادی ہونے کی حالت میں ہندوؤں کا پرمیشر ہرگز پرمیشر نہیں رہ سکتا کیونکہ جو محض دوسروں کے سہارے سے اپنی خدائی

خدا ان کو قبل از وقت نکاح کا حکم دیتا ہے اور اپنی رضامندی ظاہر کرتا ہے جب کہ آپ لوگوں کا ایک برہمن درمیان میں آکر نکاح کراجاتا ہے تو کیا خدا کو اختیار نہیں۔ اعتراض تو اس صورت میں تھا کہ خدا کسی غیر کی عورت سے جو اس کے نکاح میں ہے اور اس نے طلاق نہیں دی جبراً کسی پیغمبر کو دیدے مگر طلاق کے بعد اگر خدا کے حکم سے طرفین کی رضامندی سے نکاح ہو تو اسپر کیا اعتراض ہے۔

اور اگر آریہ صاحبوں کے نزدیک اپنی عین حیات میں اپنی بیوی کو کسی دوسرے سے ہم بستر کرانا اس صورت سے برابر ہے کہ جب انسان اپنی عورت کو بوجہ اس کی ناپاکی یا بدکاری یا کسی اور وجہ سے طلاق دیتا ہے تو اس کا فیصلہ بہت سہل ہے کیونکہ اس ملک میں ایسے مسلمان اور دوسرے لوگ بکثرت پائے جاتے ہیں جو اپنی عورتوں سے بوجہ ناموافقت عاجز آکر ان کو طلاق دیدیتے ہیں اور پھر وہ عورتیں اس عضو کی طرح ہو جاتی ہیں جو کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے اور ان سے کچھ تعلق نہیں رہتا اور اگر آریہ صاحبان چاہیں تو ہم ایسے مسلمانوں بلکہ ہندؤں کے ناموں کی بھی بہت سی فہرستیں دے سکتے ہیں جنہوں نے ان مشکلات کی وجہ سے ناپاک وضع عورتوں کو طلاق دیکر ان سے تمام تعلقات زندگی کے قطع کر لئے ہیں۔ ایسا ہی

بقیہ حاشیہ چلا رہا ہے اس کی خدائی کی خیر نہیں وہ آج بھی نہیں اور کل بھی نہیں اور یہ کہنا۔ کہ تناسخ کا چکر جو کئی ارب سے بموجب آریہ صاحبوں کے عقیدہ کے جاری ہے۔ اس کا باعث گذشتہ پیدائشوں کے گناہ ہیں یہ خیال طبعی علم کے تجربہ کے ذریعہ سے نہایت فضول اور لچر اور باطل ثابت ہوتا ہے یہ ظاہر ہے کہ روحوں کی پیدائش میں بھی خدا تعالے کا ایک نظام ہے جو کبھی پیش و پس نہیں ہوتا مثلاً برسات کے دنوں ہزارہا کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں اور گرمی کے دنوں میں بکثرت مکھیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو کیا انہیں دنوں میں ہمیشہ دنیا میں پاپ زیادہ ہوتے ہیں اور نہایت سخت گناہ کی وجہ سے انسانوں کو مکھیاں اور برسات کے کیڑے بنایا جاتا ہے اس طرح کے ہزارہا دلایل ہیں جنسے تناسخ باطل ہوتا ہے چاہیئے کہ آریہ صاحبان بغور ان تمام باتوں کو سوچیں۔ منہ

آریہ صاحبوں کو چاہیئے کہ ہمیں اُن شریف اور جنٹلمین اور معزز آریہ صاحبوں کی فہرست دکھلاویں* جنہوں نے اپنی زندگی میں اپنی عورتوں سے نیوگ کرائے ہیں اور غیر مردوں سے ہم بستر کرا کر اُن سے اولاد حاصل کی ہے۔ مگر چاہیئے کہ اس فہرست کے ساتھ نیوگ کی اولاد کی ایک فہرست بھی نام بنام پیش کر دیں ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ خاص قادیاں میں جو آریہ صاحبان رہتے ہیں کتنوں نے اب تک اُن میں سے اپنی بیویوں سے نیوگ کرایا ہے۔ اور کسقدر انہوں نے اس مقدس عمل سے حصہ لیا ہے اور کتنے نامحرم مردوں سے اپنی جوروں کو ہم بستر کرا کر اُن سے اولاد حاصل کی ہے کیونکہ اگر درحقیقت یہ عمل عمدہ اور قابل فخر اور وید مقدس کی ہدایت ہے تو ضرور ہر ایک آریہ صاحب نے اس ہدایت سے حصہ لیا ہوگا۔ اور لینا چاہیئے۔

یاد رہے کہ بمقابل نیوگ کی ہدایت کے قرآن شریف میں بیویوں کے لئے پردہ کی ہدایت ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے قل للمومنين يغضوا من ابصارهم ويحفظوا فروجهم ذالك ازكى لهم - وقل للمومنٰت يغضضن من ابصارهن ويحفظن فروجهن یعنے مومنوں کو کہدے مرد ہوں یا عورتیں ہوں کہ اپنی آنکھوں کو غیر عورتوں اور مردوں کی طرف دیکھنے سے روکو اور کانوں کو غیر مردوں کی ناجائز آواز اور غیر کی آواز سُننے سے روکو اور اپنے ستر گاہوں کی حفاظت کرو کہ اس طریق سے تم پاک ہو جاؤ گے۔

اب اے آریہ صاحبان انصاف سے سوچو کہ قرآن شریف تو اسقدر سے بھی منع کرتا ہے کہ کوئی مرد غیر عورت پر نظر ڈالے اور یا عورت غیر مرد پر نظر ڈالے یا اُس کی آواز ناجائز طور پر سُنے مگر آپ لوگ خوشی سے اپنی بیویوں کو غیر مردوں سے ہم بستر کراتے ہیں اسکا نام نیوگ رکھتے ہیں کس قدر ان دونوں تعلیموں میں فرق ہے خود سوچ لیں اور سخت افسوس ہے کہ اگر آپ پر ہمدردی کی راہ سے اعتراض کیا جائے کہ ایسا گندہ کام عورتوں سے کیوں کراتے ہو تو آپ طلاق کا مسئلہ پیش کر دیتے ہیں اور نہیں جانتے کہ طلاق کی ضرورتیں تو تمام دنیا میں مشترک ہیں جس عورت سے باہمی زوجیت کا علاقہ توڑ دیا گیا وہ تو گویا طلاق دہندہ کے حساب میں مرگئی اگر آپ لوگ

*: کچھ مدت ہوئی ہے کہ ایک آریہ صاحب نے بذریعہ ایک اخبار کے غالباً فیروزپور سے اس مضمون کا ایک خط شائع کیا تھا کہ اگر کوئی آریہ صاحبوں میں سے اپنی بیوی کی نیوگ کرانا چاہتے ہیں یا خود بیوی ہی اس مقدس کام کی شایق ہے تو وہ بذریعہ خط و کتابت کے اُس سے تصفیہ کرلیں۔ ہمیں معلوم نہیں کہ قادیاں سے بھی اس درخواست کا کوئی جواب بھیجا گیا تھا۔ یا نہیں۔ منہ

پھر اُس حد تک رہتے کہ ضرورتوں کے وقتوں میں آپ لوگ اپنی اُن عورتوں کو طلاق دیتے جو آپ لوگوں کی نافرمان یا ناموافق یا بدچلن ہوتیں یا دشمن جانی ہوتیں تو کوئی بھی آپ پر اعتراض نہ کرتا کیونکہ عورت مرد کا جوڑ تقوے طہارت کے محفوظ رکھنے کے لئے ہے اور عورت مرد ایک دوسرے کے دین اور پاکیزگی کے مددگار ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے سچے دوست اور وفادار مخلص ہوتے ہیں۔ اور جب انہیں وہ پاک تعلق باقی نہ رہے جو اصل مدعا نکاح کا ہے تو پھر بجز طلاق کے اور کیا علاج ہے جب ایک دانت میں کیڑا پڑ جائے اور درد پہنچائے تو اب وہ دانت نہیں ہے بلکہ ایک خبیث چیز ہے اُسکو باہر نکالنا چاہئے تا زندگی تلخ نہ ہو۔

چون بدندان تو کرمے او فتاد + نیست آن دندان بکن اے اوستاد

سیوم

جس خدا کی طرف عیسائی مذہب ہدایت کرتا ہے یا وید یا قرآن شریف ان تینوں مذاہب میں سے کونسا ایسا مذہب ہے جو سچے خدا کو دکھلاتا ہے صرف قصے پیش نہیں کرتا

واضح رہے کہ مذہب کے اختیار کرنے سے اصل غرض یہ ہے کہ تا وہ خدا جو سرچشمہ نجات کا ہے اسپر ایسا کامل یقین آجائے کہ گویا اُسکو آنکھ سے دیکھ لیا جائے کیونکہ گناہ کی خبیث روح انسان کو ہلاک کرنا چاہتی ہے اور انسان گناہ کی مہلک زہر سے کسی طرح بچ نہیں سکتا جب تک اسکو اس کامل اور زندہ خدا پر پورا یقین نہ ہو اور جب تک معلوم نہ ہو کہ وہ خدا ہے جو مجرم کو سزا دیتا ہے اور راستباز کو ہمیشہ کی خوشی پہنچاتا ہے یہ عام طور پر ہر روز دیکھا جاتا ہے کہ جب تک کسی چیز کے مہلک ہونے پر کسی کو یقین آجائے تو پھر وہ شخص اُس چیز کے نزدیک نہیں جاتا۔ مثلاً کوئی شخص عمداً زہر نہیں کھاتا۔ کوئی شخص شیر خونخوار کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی شخص عمداً سانپ کے سوراخ میں ہاتھ نہیں ڈالتا پھر عمداً گناہ کیوں کرتا ہے۔ اس کا یہی باعث ہے کہ وہ یقین اُس کو حاصل نہیں جو اُن دوسری چیزوں پر حاصل ہے۔ پس سب سے مقدم انسان کا یہ فرض ہے کہ خدا پر یقین حاصل کرے اور اُس مذہب کو اختیار کرے جس کے ذریعہ سے یقین حاصل ہو سکتا ہے تا وہ خدا سے

+ درحقیقت اسلامی پاکیزگی نے ہی طلاق کی ضرورت کو محسوس کیا ہے ورنہ جو لوگ دیوثوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں اُن کے نزدیک گو اُن کی عورت کچھ کرتی پھرے طلاق کی ضرورت نہیں۔ منہ

ڈرے اور گناہ سے بچے مگر ایسا یقین حاصل کیونکر ہو کیا یہ صرف قصوں کہانیوں سے حاصل ہو سکتا ہے ہرگز نہیں ۔کیا یہ محض عقل کے ظنی دلائل سے میسّر آ سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں پس واضح ہو کہ یقین کے حاصل ہونیکی صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے مکالمہ کے ذریعہ سے اُسکی خارق عادت نشان+ دیکھے اور بار بار کے تجربہ سے اُسکی جبروت اور قدرت پر یقین کرے یا ایسے شخص کی صحبت میں رہے جو اس درجہ تک پہنچگیا ہے۔

اب میں کہتا ہوں کہ یہ درجہ معرفت کا نہ کسی عیسائی صاحب کو نصیب ہے اور نہ کسی آریہ صاحب کو اور ان کے ہاتھ میں محض قصے ہیں اور زندہ خدا کی زندہ تجلی کے نظارہ سے وہ سب بے نصیب ہیں ۔ہمارا زندہ حی و قیوم خدا ہم سے انسان کی طرح باتیں کرتا ہے ہم ایکبات پوچھتے اور دعا کرتے ہیں تو وہ قدرت کے بھرے ہوئے الفاظ کے ساتھ جواب دیتا ہے اگر یہ سلسلہ ہزار مرتبہ تک بھی جاری رہے تب بھی وہ جواب دینے سے اعراض نہیں کرتا وہ اپنے کلام میں عجیب در عجیب غیب کی باتیں ظاہر کرتا ہے اور خارق عادت قدرتوں کے نظارے دکھلاتا ہے یہاں تک کہ وہ یقین کرا دیتا ہے کہ وہ وہی ہے جسکو خدا کہنا چاہئے ۔دعائیں قبول کرتا ہے اور قبول کرنے کی اطلاع دیتا ہے وہ بڑی بڑی مشکلات حل کرتا ہے اور جو مُردوں کی طرح بیمار ہوں ان کو بھی کثرت دعا سے زندہ کر دیتا ہے اور یہ سب ارادے اپنے قبل از وقت اپنے کلام سے بتلا دیتا ہے ۔خدا وہی خدا ہے جو ہمارا خدا ہے وہ اپنے کلام سے جو آیندہ کے واقعات پر مشتمل ہوتا ہے ہمپر ثابت کرتا ہے کہ زمین و آسمان کا وہی خدا ہے وہی ہے جس نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تجھے طاعون کی موت سے بچاؤنگا اور نیز اُن سب کو جو تیرے گھر میں نیکی اور پرہیزگاری کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں بچاؤنگا اس زمانہ میں کون ہے جسنے میرے سوا ایسا الہام شائع کیا اور اپنے نفس اور اپنی بیوی اور اپنے بچوں اور دوسرے نیک انسانوں کے لئے جو اس کی چار دیوار کے اندر رہتے ہیں خدا کی ذمہ واری ظاہر کی ایک لاکھ تک ابتک میرے نشان ظاہر ہو چکے ہیں اور ایک بڑے حصّہ کے گواہ اسجگہ کے آریہ صاحبان لالہ شرمپت اور لالہ ملاوامل

+ نبوت کے زمانہ کے بعد کچھ مدت تک پیشگوئیاں اُسی نبی کی جو دنیا سے گزر گیا بطور معجزات کے دلوں کو تسلی دیتی رہتی ہیں جو دوسری نسل کے سامنے پوری ہوتی رہتی ہیں مگر یہ نظارہ بہت مدت تک نہیں رہتا اور نرے قصے انسان کو سچا پرہیزگار [illegible]

بھی ہیں اگر وہ انکار کرینگے تو ہم ایک اور رسالہ کے ذریعہ سے دکھائینگے کہ انکا رو دھرم* ہٹ یا ہٹ دھرمی قوم کے ڈر سے جھوٹھ بولنا نجاست کھانے سے بدتر ہے پھر قوم بھی کب اُس گواہی سے باہر ہے ان کے بہادر پنڈت نے اپنی موت سے سب کو گواہ بنا دیا غریب شرمپت اور ملاوامل کس حساب میں ہیں۔

یاد رہے کہ طاعون کے متعلق اور ایک پیشگوئی عظیم الشان ظہور میں آئی اور وہ یہ کہ آج سے چھ سات سال پہلے مینے اپنی ایک کتاب میں خدا تعالیٰ سے الہام پاکر شایع کیا تھا کہ طاعون کے ذریعہ سے بہت سے لوگ میری جماعۃ میں داخل ہونگے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اب تک دس ہزار سے زیادہ ایسے لوگ میری جماعۃ میں داخل ہوئے ہیں جو طاعون سے ڈر کر اسطرف آئے ہیں خدا تعالیٰ نے میرے سلسلہ کو نوح کی کشتی سے تشبیہ دی تھی سو اس کشتی میں لوگ بیٹھتے جاتے ہیں نوح کی کشتی میں ہر ایک درندچرند ڈر کر بیٹھ گیا تھا یہ نہیں کہ نوح شکاریونکی طرح اُن کو جنگلوں سے پکڑ لایا تھا بلکہ وہ جان کے خوف سے آپ ہی کشتی میں بیٹھ گئے تھے اب بھی اس کشتی میں ہر قسم کے ڈرنے والے لوگ بیٹھ رہے ہیں۔

سنو اے سب زمین پر رہنے والو آپ آریہ صاحبان اور عیسائی صاحبان سے پوچھ کر انصافاً کہیں کہ انکے ہاتھ میں بجز پُرانے اور بوسیدہ قصّوں کے کچھ اور بھی ہے یہی تو وجہ ہے کہ ایک فرقہ نے انہیں سے ایک انسان کو خدا بنا رکھا ہے جو درحقیقت مجھ سے زیادہ نہیں اگر وہ مجھے دیکھتا تو خدا کی نعمتوں کو اسجگہ زیادہ پاتا یہ تو عیسائیوں کا جعلی خدا ہے مگر آریوں نے ایک فرضی خدا انسان کی طرح کمزور اپنی طرف سے تراش لیا ہے جو روحوں اور ذرات اجسام کے پیدا کرنے پر قادر نہیں اگر انکو خدا تعالیٰ کی تازہ قدرتوں سے حصہ ہوتا تو وہ جانتے کہ وہ انسان ہونے سے پاک اور ہر ایک بات پر قدرت رکھتا ہے روح کیا حقیقت ہے جو اسکو پیدا نہ کرسکے اور پرمانو کیا چیز ہیں جو اُن کی پیدایش پر قادر نہو روحوں کے اندر ایک اور روحیں ہیں اور ذرات کے اندر ایک اور ذرات ہیں سبکا وہی پیدا کرنے والا ہے وہ کبھی اپنی مرضی سے اور کبھی اپنے مقبول بندوں کی دعا سُنکر

*میں دیکھتا ہوں کہ آریہ صاحبوں کی اب بدزبانی بڑھتی جاتی ہے اور انہوں نے اب علاوہ وید کے دیوتاؤں کے اپنی قوم کو بھی ایک دیوتا بنا لیا ہے میں جانتا ہوں کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ وہ زندہ اور حیّ و قیوم خدا سچائی کی تائید میں آسمان سے م

م اپنی کوئی قدرت دکھلاوے۔ وید کے خدا کی کمزوری تو انہیں ۹۔ مارچ کو معلوم ہو چکی تھی۔ مگر اس سے دیوتا نے وہ [illegible] فراموش کر دیا۔ اب وہ مجھ سے کیا نشان طلب کرتے ہیں [illegible] چیلنج [illegible] جس طور سے خدا چاہے وہ قادر ہے کہ ان کے چیلنج کا جواب دے [illegible] منہ

تازہ بتازہ ایجاد کرتا رہتا ہے جس نے اُس کو اس طرح پر نہیں دیکھا وہ اندھا ہی جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔

مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى

یعنے جس کو اس جہان میں اُس کا درشن نہیں ہوا اس کو اس جہان میں اُسکا درشن نہیں ہوگا۔ اور وہ دونوں جہانوں میں اندھا رہے گا۔ خدا کے دیکھنے کے لئے اسی جہان میں آنکھیں طیار ہوتی ہیں اور بہشتی زندگی اسی جہان سے شروع ہوتی ہے۔

ان اشتہارات میں جو میرے پر حملہ کرنے کے لئے آریہ صاحبوں نے شائع کئے ہیں۔ میرے بعض پیشگوئیوں پر ناسمجھی سے بعض اعتراض بھی کر دئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حال میں یا پہلے لڑکا ہونے کی پیشگوئی کی تھی اور لڑکی پیدا ہوئی۔ پس اس قدر جواب کافی ہے کہ اگر کتابوں کو دیکھ کر دیانت کے طریق کو اختیار کرتے تو ایسا اعتراض کبھی نہ کرتے مجھے تو ایسا الہام کوئی یاد نہیں کہ جس کا یہ مضمون ہو کہ اب ضرور بلا فاصلہ لڑکا پیدا ہوگا۔ اگر اُن کو یاد ہے تو وہ پیش کریں ورنہ لعنت اللہ علی الکاذبین ہماری طرف سے جواب کافی ہے۔ خدا تعالے نے تمام کتابوں میں قیامت کی پیشگوئی شائع کر رکھی ہے۔ آریہ صاحبان بھی مہاپرلو کے قائل ہیں مگر وہ پیشگوئی اب تک پوری نہیں ہوئی بلکہ دُنیا پہلے سے زیادہ آباد ہوتی جاتی ہے جو پہلے جنگل تھی اب وہاں آبادیاں اور شہر ہیں مگر کیا کہہ سکتے ہیں کہ وہ پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ خدا کی باتوں میں ایک وقت ہوتا ہے وہ اپنے وقتوں میں پوری ہوتی ہیں۔ اور وعید کی پیشگوئی میں توبہ اور رجوع سے کبھی تاخیر بھی ہو جاتی ہے۔ انسان کی بدذاتی کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت نہیں کہ اعتراض کے وقت جھوٹ بولے۔ ایسا ہی آتھم کی موت کی پیشگوئی پر تب اعتراض ہوتا کہ میں اُس سے پہلے مر جاتا اور وہ اب تک زندہ ہوتا۔ کیونکہ الہام کا خلاصہ یہ ہے کہ جو مذہب میں جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا۔ الہامی شرط کے موافق اُس نے عین مجلس میں قریباً ستر آدمی کے روبرو جن میں نصف کے قریب عیسائی تھے اپنی شوخیوں سے رجوع کیا اور پھر آخر میعاد تک ڈرتا اور روتا رہا۔ اس کو کچھ مہلت دی گئی۔ اور یہ مہلت خدا کی شرط کے موافق اور الہام میں درج تھی اور آخر قبر نے اُس کو بلا لیا۔ مگر تعجب کہ آریہ

صاحبان کیوں خواہ مخواہ دوسروں کے قصے پیش کرتے ہیں۔آپ بیتی کو کیوں اس قدر جلدی بھول گئے۔اور کیوں وہ پنڈت لیکھرام کی پیش گوئی سے فایدہ نہیں اُٹھاتے۔ ذرہ پنڈت لیکھرام کی کتاب کو کھول کر دیکھیں کہ اُس نے میری نسبت اشتہار شائع کیا تھا کہ مجھے پرمیشر نے خبر دی ہے کہ یہ شخص تین برس تک ہیضہ سے مرجائے گا۔اور میں نے بھی خدا تعالےٰ سے الہام پاکر کئی کتابوں میں شائع کردیا تھا کہ پنڈت لیکھرام چھ برس کے عرصہ تک قتل کے ذریعہ مارا جائے گا۔اور وہ دن عید کے دن سے ملا ہوا ہوگا۔ اور کچھ عرصہ بعد اس ملک میں طاعون پھیلے گی۔چنانچہ وہ سب باتیں پوری ہوگئیں اور آپ لوگوں کا بہادر پنڈت لیکھرام آپ کو نادم کرنے والا چھ مارچ کو اس دُنیا سے رخصت ہوگیا۔دیکھو! اسلام کا خدا کیسا سچّا اور غالب نکلا۔اگر یہ انسان کا کام تھا تو کیوں لیکھرام کی پیشگوئی پوری نہ ہوئی۔میں آریہ صاحبوں سے بادب پوچھتا ہوں کہ یہ پیش گوئی پنڈت لیکھرام صاحب کی جو میرے نسبت تھی کہ یہ شخص تین برس کے عرصہ میں ہیضہ سے مرجائے گا کیا یہ درحقیقت پرمیشر کے طرف سے تھی۔پھر ایسے مقابلہ کے وقت لیکھرام کا پرمیشر کیوں عاجز رہ گیا۔اور اگر پنڈت جی نے جھوٹ بولا تھا اور پرمیشر پر افترا کیا تھا تو کیا ایسے مفتری کی یادگاریں قایم کرنا روا ہے جس نے پرمیشر پر جھوٹ بولا۔دیکھو اس مقابلہ میں ہمارے خدا کی کیسی صفائی سے پیش گوئی پوری ہوئی۔اور میں نے لکھ دیا تھا کہ تمام آریہ صاحبان اب مل کر لیکھرام کے بچانے کے لئے اپنے پرمیشر سے دعا کریں۔مگر پرمیشر بچا نہ سکا۔اب بالفعل ہم اسی پر ختم کرتے ہیں۔

والسلام علیٰ من اتبع الہدےٰ ۞
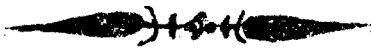
خاتمہ آریہ صاحبوں کے بعض اعتراضات کے جواب میں

انسان جب بغیر سوچنے سمجھنے کے محض نکتہ چینی کے ارادہ سے مخالفت کی نظر سے دیکھے تو گو کیسا ہی کوئی امر سیدھا اور صاف ہو اُس کی نظر میں جائے اعتراض ٹھہر جاتا ہے۔ ایسا ہی آریہ صاحبوں کا حال ہے وہ اُس ندامت کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے جو ایک اعتراض کے غلط اور بے جا ثابت ہونے میں ایک باحیا انسان کے دل پر صدمہ پہنچاتی ہے۔ اب سُنئے اعتراضات یہ ہیں جو ہمیشہ اسلام جیسے پاک اور کامل مذہب پر نادانی سے کرتے ہیں۔ اور ہم اس وقت وہ اعتراض لکھتے ہیں جو اُنہوں نے ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء کو قادیان میں جلسہ کر کے اسلام پر کئے اور اس طرح پر ثابت کر دیا کہ اُن کے تعصب اور نافہمی اور ناحق کے کینہ کی کہاں تک نوبت پہنچی ہے ۰

اعتراضات

(۱) مسلمان خدا کی نندیا کرتے ہیں کیونکہ اُن کا عقیدہ ہے کہ خدا عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور چار فرشتوں نے اُس تخت کو اُٹھایا ہوا ہے اس طرح پر ثابت ہوتا ہے کہ خدا محدود ہے اور قایم بالذات نہیں اور جب محدود ہے تو اُسکا علم بھی محدود ہوگا اور حاضر ناظر نہ ہوگا۔

الجواب

اے حضرات! مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ عرش کوئی جسمانی اور مخلوق چیز ہے جس پر خدا بیٹھا ہوا ہے۔ تمام قرآن شریف کو اوّل سے آخر تک پڑھو اس میں ہرگز نہیں پاؤ گے کہ عرش بھی کوئی چیز محدود اور مخلوق ہے۔ خدا نے بار بار قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ ہر ایک چیز جو وجود رکھتی ہے اس کا میں ہی پیدا کرنے والا ہوں۔ میں ہی زمین آسمان اور روحوں

اور اُن کی تمام قوتوں کا خالق ہوں - میں اپنی ذات میں آپ قایم ہوں اور ہر ایک چیز میرے ساتھ قایم ہے - ہر ایک ذرّہ اور ہر ایک چیز جو موجود ہے وہ میری ہی پیدایش ہے مگر کہیں نہیں فرمایا کہ عرش بھی کوئی جسمانی چیز ہے جس کا میں پیدا کرنے والا ہوں - اگر کوئی آریہ قرآن شریف میں سے نکال دے کہ عرش کوئی جسمانی اور مخلوق چیز ہے تو میں اُس کو قبل اس کے جو قادیان سے باہر جائے **ایک ہزار روپیہ انعام دونگا**- میں اُس خدا کی قسم کھاتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتی کا کام ہے کہ میں قرآن شریف کی وہ آیۃ دکھاتے ہی ہزار روپیہ حوالہ کروں گا - ورنہ میں بادب کہتا ہوں کہ ایسا شخص خود لعنت کا محل ہوگا جو خدا پر جھوٹ بولتا ہے +

اب ظاہر ہے کہ اس اعتراض کی بُنیاد تو محض اس بات پر ہے کہ عرش کوئی علیحدہ چیز ہے جس پر خدا بیٹھا ہوا ہے اور جب یہ امر ثابت نہ ہو سکا تو کچھ اعتراض نہ رہا - خدا صاف فرماتا ہے کہ وہ زمین پر بھی ہے اور آسمان پر بھی اور کسی چیز پر نہیں بلکہ اپنے وجود سے آپ قائم ہے اور ہر ایک چیز کو اُٹھائے ہوئے ہے اور ہر ایک چیز پر محیط ہے جہاں تین ہوں تو چوتھا ان کا خدا ہے - جہاں پانچ ہوں تو چھٹا اُن کے ساتھ خدا ہے اور کوئی جگہ نہیں جہاں خدا نہیں - اور پھر فرماتا ہے اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ جس طرف تم مُنہ کرو اُسی طرف خدا کا مُنہ پاؤ گے - وہ تم سے تمہاری رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے - وہی ہے جو پہلے ہے اور وہی ہے جو آخر ہے اور وہ سب چیزوں سے زیادہ ظاہر ہے اور وہ نہاں در نہاں ہے - اور پھر فرماتا ہے

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ

یعنے جب میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں کہ وہ کہاں ہے پس جواب یہ ہے کہ ایسا نزدیک ہوں کہ مجھ سے زیادہ کوئی نزدیک نہیں جو شخص مجھ پر ایمان لاکر مجھے پکارتا ہے تو میں اُسکا جواب دیتا ہوں - ہر ایک چیز کی کَل میرے ہاتھ میں ہے اور میرا علم سب پر محیط ہے

حاشیہ ریویو آف ریلیجنز متعلقہ صفحہ ۱۶۹

خداتعالےٰ کی چار صفتیں ہیں جن سے ربوبیّت کی پوری شوکت نظر آتی ہے اور کامل طور پر چہرہ اُس ذات ابدی ازلی کا دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ خداتعالےٰ نے اُن ہرچہار صفتوں کو سورہ فاتحہ میں بیان کرکے اپنی ذات کو معبود قرار دینے کے لئے ان لفظوں سے لوگوں کو اقرار کرنے کی ہدایت دی ہے کہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ یعنی اے وہ خدا جو ان چار صفتوں سے موصوف ہے ہم خاص تیری ہی پرستش کرتے ہیں کیونکہ تیری ربوبیّت تمام عالموں پر محیط ہے اور تیری رحمانیّت بھی تمام عالموں پر محیط ہے اور تیری رحیمیّت بھی تمام عالموں پر محیط ہے اور تیری صفت مالکانہ جزاوسزا کی بھی تمام عالموں پر محیط ہے اور تیرے اس حسن اور احسان میں بھی کوئی شریک نہیں اسلئے ہم تیری عبادت میں بھی کوئی شریک نہیں کرتے۔

اب واضح ہو کہ خداتعالےٰ نے اس سورۃ میں ان چار صفتوں کو اپنی الوہیت کا مظہر اتم قرار دیا ہے اور اسی لئے صرف اس قدر ذکر پر مترتّب کیا ہے کہ ایسا خدا کہ یہ چار صفتیں اپنے اندر رکھتا ہے وہی لائق پرستش ہے اور حقیقت یہ صفتیں بہر وجہ کامل ہیں اور ایک دائرہ کے طور پر الوہیّت کے تمام لوازم اور شرائط پر محیط ہیں کیونکہ ان صفتوں میں خدا کی ابتدائی صفات کا بھی ذکر ہے اور درمیانی زمانہ کی رحمانیّت اور رحیمیّت کا بھی ذکر ہے اور پھر آخری زمانہ کی صفت مجازات کا بھی ذکر ہے اور اصولی طور پر کوئی فعل اللہ تعالیٰ کا ان چار صفتوں سے باہر نہیں پس یہ چار صفتیں خداتعالیٰ کی پوری صورت دکھلاتی ہیں۔ سو درحقیقت استوا علی العرش کے یہی معنی ہیں کہ خداتعالیٰ کی یہ صفات جب دنیا کو پیدا کرکے ظہور میں آگئیں۔ تو خداتعالیٰ ان معنوں سے اپنے عرش پر پوری وضع استقامت سے بیٹھ گیا کہ کوئی صفۃ صفات لازمہ الوہیّت سے باہر نہیں رہی اور تمام صفات کی پورے طور پر تجلّی ہو گئی جیسا کہ جب اپنے تخت پر بادشاہ بیٹھتا ہے تو تخت نشینی کے وقت اس کی ساری شوکت ظاہر ہوتی ہے ایک طرف شاہی ضرورتوں کے لئے طرح طرح کے سامان طیار ہونے کا حکم ہوتا ہے اور وہ فی الفور ہو جاتے ہیں اور وہی حقیقۃً ربوبیّت عامہ ہیں۔ دوسری طرف خسروانہ فیض سے بغیر کسی عمل کے حاضرین کو جود و سخاوت سے مالامال کیا جاتا ہے تیسری طرف جو لوگ خدمت کر رہے ہیں اُن کو مناسب چیزوں سے اپنی خدمات کے انجام کے لئے مدد دیجاتی ہے۔ چوتھی طرف جزاوسزا کا دروازہ کھولا جاتا ہے کسی کی گردن ماری جاتی ہے اور کوئی آزاد کیا جاتا ہے۔ یہ چار صفتیں تخت نشینی کے ہمیشہ لازم حال ہوتی ہیں پس خداتعالیٰ کا ان ہرچہار صفتوں کو دنیا پر نافذ کرنا گویا تخت پر بیٹھنا ہے۔ جس کا نام عرش ہے۔

اب رہی یہ بات کہ اسکے کیا معنی کیا ہیں کہ اس تخت کو چار فرشتے اُٹھا رہے ہیں پس اسکا یہی جواب ہے کہ ان چار صفتوں پر چار فرشتے موکل ہیں جو دنیا پر یہ صفات خداتعالیٰ کی ظاہر کرتے ہیں اور اُن کے ماتحت چار ستارے ہیں جو چار ربّ النوع کہلاتے ہیں جنکو وید میں دیوتا کے نام سے پکارا گیا ہے پس وہ ان چاروں صفتوں کی حقیقت کو دنیا میں پھیلاتے ہیں۔ گویا اُس روحانی تخت کو اُٹھا رہے ہیں۔ بت پرستوں کا جیسا کہ وید سے ظاہر ہے صاف طور پر یہ خیال تھا کہ یہ چار صفتیں مستقل طور پر دیوتاؤں کو حاصل ہیں اسی وجہ سے وید میں جا بجا اُن کی اُستت اور مہما کی گئی اور اُن سے مرادیں مانگی گئیں پس خداتعالےٰ نے

استعارہ کیطور پر سمجھایا کہ یہ چار دیوتا جن کو بُت پرست اپنا معبود قرار دیتے ہیں یہ مخدوم نہیں ہیں بلکہ یہ چاروں خادم ہیں اور خدا تعالےٰ کے عرش کو اُٹھا رہے ہیں یعنی خادموں کیطرح ان الٰہی صفات کو اپنے آئینوں میں ظاہر کر رہے ہیں اور عرش سے مراد لوازم صفات تخت نشینی ہیں جیساکہ ابھی میں نے بیان کردیا ہے۔ ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ رب کے معنی دیوتا ہے پس قرآن شریف پہلے اسی سورۃ سے شروع ہوا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی وہ تمام مہما او ستت اُس خدا کی چاہئے جو تمام عالموں کا دیوتا ہے وہی ہے جو رَبّ الْعٰلَمِیْنَ ہے اور رَحْمٰنُ الْعٰلَمِیْنَ ہے اور رَحِیْمُ الْعٰلَمِیْنَ ہے اور مالک جزاء العلمین ہے اُسکی برابر اور کوئی دیوتا نہیں کیونکہ قرآن شریف کے زمانہ میں دیوتا پرستی بہت شائع تھی اور یونانی ہر ایک دیوتے کا نام ربّ النوع رکھتے تھے اور ربّ النوع کا لفظ آریہ ورت میں دیوتا کے نام سے موسوم تھا اسلئے پہلے خدا کا کلام ان جھوٹے دیوتاؤں کیطرف ہی متوجہ ہوا جیساکہ اُس نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی وہ سب عالموں کا دیوتا ہے نہ صرف ایک یا دو عالم کا اسی کی پرستش اور حمد وثنا چاہئے۔ دوسروں کی مہما اور اُستت کرنا غلطی ہے اس صورت میں جو صفتیں بُت پرستوں نے چار دیوتوں کے لئے مقرر کر رکھی تھیں خدا تعالیٰ نے اُن سب کو اپنی ذات میں جمع کردیا ہے اور صرف اپنی ذات کو ان صفات کا منبع ظاہر فرمایا۔ بُت پرست قدیم سے یہ بھی خیال کرتے تھے کہ خدا کی اصولی صفات یعنی جو اصل جڑھ تمام صفات کی ہیں وہ صرف چار ہیں۔ پیدا کرنا۔ پھر مناسب حال سامان عطا کرنا۔ پھر ترقی کے لئے عمل کرنے والوں کی مدد کرنا پھر آخر میں جزا سزا دینا اور وہ ان چار صفات کو چار دیوتاؤں کیطرف منسوب کرتے تھے اسی بنا پر نوح کی قوم کے بھی چار ہی دیوتا تھے اور انہیں صفات کے لحاظ سے عرب کے بُت پرستوں نے بھی لات منات وعزّٰی اور ہبل بنا رکھے تھے ان لوگوں کا خیال تھا کہ یہ چار دیوتا بالاراد دنیا میں اپنے اپنے رنگوں میں پرورش کر رہے ہیں اور ہمارے شفیع بھی ہیں اور ہمیں خدا تک بھی یہی پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ یہ مطلب آیت لیقربونا الی اللہ زُلفیٰ سے ظاہر ہے۔

اور جیساکہ ہم لکھ چکے ہیں وید بھی ان چاروں دیوتاؤں کی مہما اور اُستت کی ترغیب دیتا ہے اور وید میں اگرچہ اور دیوتاؤں کا بھی ذکر ہے لیکن اصولی دیوتے جن سے اور سب دیوتے پیدا ہوئے ہیں یا یوں کہو کہ اُن کی شاخ ہیں وہ چار ہی ہیں کیونکہ کام بھی چار ہی ہیں پس قرآن شریف کی پہلی غرض یہی تھی کہ وید وغیرہ مذاہب کے دیوتاؤں کو نیست ونابود کرے اور ظاہر کرے کہ یہ لوگوں کی غلطیاں ہیں کہ اور اور چیزوں کو دیوتا یعنی ربّ النوع بنا رکھا تھا بلکہ یہ چار صفتیں خاص خدا تعالیٰ کی ہیں اور ان چار صفتوں کے عرش کو خادموں اور نوکروں کی طرح یہ بے جان دیوتے اُٹھا رہے ہیں۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے ؎ حمد را با تو نسبتے است درست ۔ بر در ہر کہ رفت بر در تُست ۔ پس یہ اعتراض کہ آریہ صاحبان ہمیشہ سے کرتے ہیں یہ تو درحقیقت اُن کے ویدوں پر اعتراض ہے کیونکہ مسلمان تو اُس خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ جو مخدوم ہے مگر آریہ صاحبان اُن جھوٹے دیوتاؤں کو خدا سمجھ رہے ہیں جو خادموں اور نوکروں چاکروں کی طرح خدا تعالےٰ کی صفات اربعہ کا عرش اپنے سر پر اُٹھا رہے ہیں بلکہ وہ تو چاکروں کے بھی چاکر ہیں کیونکہ اُن پر اور طاقتیں بھی مسلط ہیں جو ملائک کے نام سے موسوم ہیں جو ان دیوتاؤں کی طاقتوں کو قائم رکھتے ہیں جن میں سے زبان شرع میں کسی کو جبرئیل کہتے ہیں اور کسی کو میکائیل اور کسی کو عزرائیل اور کسی کو اسرافیل اور سناتن دھرم والے اس قسم کے ملائک کے بھی قائل ہیں اور ان کا نام جم رکھتے ہیں۔ منہ

میں ہی ہوں جو زمین و آسمان کو اُٹھا رہا ہوں۔ میں ہی ہوں جو تمہیں خشکی تری میں اُٹھا رہا ہوں ✤

یہ تمام آیات قرآن شریف میں موجود ہیں بچہ بچہ مسلمانوں کا ان کو جانتا اور پڑھتا ہے جس کا جی چاہے وہ ہم سے آکر پوچھ لے۔ پھر ان آیات کو ظاہر نہ کرنا اور ایک استعارہ کو لے کر اُس پر اعتراض کر دینا کیا یہی **دیانت** آریہ سماج کی ہے۔ ایسا دُنیا میں کون مسلمان ہے جو خدا کو محدود جانتا ہے یا اس کے وسیع اور غیر محدود علم سے منکر ہے۔ اب یاد رکھو کہ قرآن شریف میں یہ تو کہیں بھی نہیں کہ خدا تعالےٰ کو کوئی فرشتہ اُٹھا رہا ہے بلکہ جا بجا یہ لکھا ہے کہ خدا ہر ایک چیز کو اُٹھا رہا ہے۔ ہاں بعض جگہ یہ استعارہ مذکور ہے کہ خدا کے عرش کو جو دراصل کوئی جسمانی اور مخلوق چیز نہیں فرشتے اُٹھا رہے ہیں۔ دانشمند اس جگہ سے سمجھ سکتا تھا کہ جب کہ عرش کوئی مجسم چیز ہی نہیں تو فرشتے کس چیز کو اُٹھاتے ہیں ضرور یہ کوئی استعارہ ہوگا۔ مگر آریوں صاحبوں نے اس بات کو نہیں سمجھا۔ کیونکہ انسان خود غرضی اور تعصّب کے وقت اندھا ہو جاتا ہے۔ اب اصل حقیقت سنو کہ قرآن شریف میں لفظ عرش کا جہاں جہاں استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد خدا کی عظمت اور جبروت اور بلندی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو مخلوق چیزوں میں داخل نہیں کیا۔ اور خدا تعالےٰ کی عظمت اور جبروت کے **مظہر چار ہیں** جو وید کے رُو سے چار دیوتے کہلاتے ہیں مگر قرآنی اصطلاح کی رُو سے اُن کے نام **فرشتے** بھی ہے اور وہ یہ ہیں۔ **اکاش** جس کا نام اندر بھی ہے۔ سورج دیوتا جس کو عربی میں شمس کہتے ہیں **چاند** جس کو عربی میں قمر کہتے ہیں **دھرتی** جس کو عربی میں ارض کہتے ہیں یہ چاروں دیوتا جیسا کہ ہم اس رسالہ میں بیان کر چکے ہیں۔ خدا کی چار صفتوں کو جو اُس کے جبروت اور عظمت کا اتم مظہر ہیں جن کو دوسرے لفظوں میں عرش کہا جاتا ہے اُٹھا رہے ہیں یعنے عالم پر یہ ظاہر کر رہے ہیں تصریح کی حاجت نہیں۔ اس بیان کو ہم مفصّل لکھ آئے ہیں اور قرآن شریف میں تین قسم کے فرشتے لکھے ہیں ✤

(۱) ذرات اجسام ارضی اور روحوں کی قوتیں۔

(۲) آکاش۔سورج۔ چاند۔زمین کی قوتیں جو کام کر رہی ہیں۔

(۳) اُن سب پر اعلیٰ طاقتیں جو جبرئیل ومیکائیل وعزرائیل وغیرہ نام رکھتی ہیں جن کو وید میں جم لکھا ہے مگر اس جگہ فرشتوں سے یہ چار دیوتے مراد ہیں۔ یعنے آکاش اور سورج وغیرہ جو خدا تعالےٰ کی چار صفتوں کو اُٹھا رہے ہیں۔یہ وہی صفتیں ہیں جنکو دوسرے لفظوں میں عرش کہا گیا ہے۔اس فلسفہ کا وید کو بھی اقرار ہے۔مگر یہ لوگ خوب وید دان ہیں جو اپنے گھر کے مسئلہ سے بھی انکار کر رہے ہیں۔

غرض وید کے چار دیوتے یعنی آکاش۔سورج۔چاند۔دھرتی۔خدا کے عرش کو جو صفت ربوبیت اور رحمانیت اور رحیمیت اور مالک یوم الدین ہی اُٹھا رہے ہیں۔اور فرشتہ کا لفظ قرآن شریف میں عام ہے ہر ایک چیز جو اُس کی آواز سُنتی ہے وہ اُس کا فرشتہ ہے پس دُنیا کا ذرّہ ذرّہ خدا کا فرشتہ ہے۔کیونکہ وہ اُس کی آواز سنتے ہیں اور اُس کی فرمان برداری کرتے ہیں اور اگر ذرّہ ذرّہ اُس کی آواز سُنتا نہیں تو خدا نے زمین آسمان کے اجرام کو کس طرح پیدا کر لیا۔اور یہ استعارہ جو ہم نے بیان کیا ہے اس طرح خدا کے کلام میں بہت سے استعارات ہیں جو نہایت لطیف علم اور حکمت پر مشتمل ہیں۔اگر اب بھی کوئی شخص اپنی ناسمجھی سے باز نہ آوے تو وہ کوئی اعتراض منتخب کر کے اسلام پر پیش کرے اور پھر انسانیت اور تحمل سے اس کا جواب سُنے ورنہ ایسے اعتراضات سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو بس یہی کہ معترض حقیقت سے بے خبر اور دل اس کا تعصب سے پُر اور غرض اُس کی محض تحقیر ہے۔دین ایک علم ہے اور اپنے اندر اسرار رکھتا ہے۔ کیا لازم ہے کہ اس طرح پر افترا کے طور پر اعتراض کئے جائیں ورنہ مسلمان بوجہ اولے کہہ سکتے ہیں کہ جن خداؤں کو وید نے پیش کیا ہے وہ تو یہی ہیں کہ سورج چاند آگ پانی زمین وغیرہ مخلوق چیزیں یہ سب محدود اور مخلوق اور بے جان ہیں

اس لئے آریہ صاحبوں کا پرمیشر نہ صرف محدود بلکہ بے جان چیز ہے اسی لئے اُن کی آواز نہیں سُن سکتا اور نہ جواب دے سکتا ہے ۔

پھر جس پرمیشر نے کچھ پیدا ہی نہیں کیا اُس کا محدود ہونا تو بہر حال ماننا پڑے گا کیونکہ اس طرح پر سمجھ لو کہ روحوں اور پرماتو اور پرمیشر سے گویا ایک شہر آباد ہے ۔ جسکے ایک محلہ میں تو ارواح یعنے جیو رہتے ہیں اور دوسرے محلہ میں پرماتو یعنے ذرات اجسام رہتے ہیں اور تیسرے محلہ کے کونہ میں پرمیشر رہتا ہے کیونکہ جو چیزیں انادی اور اپنا اپنا وجود مستقل رکھتی ہیں اُن میں پرمیشر دھنس نہیں سکتا کیا تم سرب بیاپک ہو سکتے ہو پس سوچ کر دیکھو کہ انادی اور غیر مخلوق ہونے کی حیثیت سے تم میں اور پرمیشر میں فرق کیا ہے پس وہ کیوں کر غیر میں دھنس جائے گا ۔ پس خواہ مخواہ تمہارا پرمیشر محدود ہو گیا اور بوجہ محدود ہونے کے علم بھی محدود ہو گیا ۔ مگر اُس خدا کو کون محدود کہہ سکتا ہے جس کو قرآن شریف نے پیش کیا ہے ۔ جس کی نسبت وہ کہتا ہے کہ ہر ایک جان کی وہی جان ہے جس کے ساتھ وہ زندہ ہے اور ذرہ ذرہ اس کے ہاتھ سے نکلا اور اسی کے سہارے سے موجود ہے اور سب چیزوں پر وہ محیط ہے کیونکہ ہر ایک چیز اُسی سے نکلی ہے ۔

نادان انسان جو تعصب سے بھرا ہوا ہوتا ہے ایک بات اپنے مونہہ سے نکالتا ہے اور کبھی ارادہ نہیں رکھتا کہ اُس کا فیصلہ کرے یہی آریہ صاحبوں کا حال ہے ۔ گویا وہ اس دنیا میں ہمیشہ رہیں گے ورنہ ہم کہتے ہیں کہ اگر تم قرآن شریف کی ایک بات کو بھی رد کر سکو تو جو تاوان چاہو ہم پر لگا لو ۔ خواہ تم تمام جائداد ہماری لے لو مگر کیا کسی کی نیت ہے کہ آرام سے اور آہستگی سے جیسا کہ عدالت میں مقدمات فیصلہ پاتے ہیں کسی چیز کا فیصلہ کرے ہرگز نہیں پس صبر کرو جتبک خدا ہمارا تمہارا فیصلہ کرے ۔

(۲) ایک یہ بھی اعتراض ہے کہ فرشتے خدا تعالے کو جا کر نیکی بدی کی خبر دیتے ہیں اور

اس وقت تک وہ بے خبر ہوتا ہے۔

الجواب اس کا جواب یہ ہے کہ لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْن۔ ورنہ کھول کر دکھلاؤ کہ کہاں قرآن شریف میں لکھا ہے کہ میں مخلوق کے حال سے بیخبر ہوں جب تک کوئی فرشتہ مجھے خبر نہ دے۔ وہ بار بار قرآن شریف میں کہتا ہے کہ ذرہ ذرہ کی مجھے خبر ہے ایک پتّہ بھی میرے حکم کے بغیر نہیں گرتا۔ میں تعجب کرتا ہوں کہ یہ کس قسم کی روحیں ہیں کہ دلیری سے اسقدر افتراء کرتے ہیں سارا قرآن شریف اس بات سے بھرا ہوا ہے کہ خدا ہر ایک چیز کا بالذات علم رکھتا ہے پس ہم اس افترا کا کیا نام رکھیں کہ گویا مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا کو کچھ بھی اپنی مخلوق کی خبر نہیں جب تک فرشتے جا کر رپورٹ نہ دیں۔

(۳) ایک یہ بھی اعتراض ہے کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خدا کچھ مدت تک بیکار رہا ہے کیونکہ دنیا ہمیشہ سے نہیں۔

الجواب یہ مسلمانوں کا عقیدہ ہرگز نہیں ہے کہ انسان کے پیدا کرنے سے پہلے خدا بیکار تھا بلکہ وہ بار بار قرآن شریف میں کہتا ہے کہ میں قدیم سے خالق ہوں مگر اسباب کی تفصیل کہ وہ کس کس مخلوق کو پیدا کرتا رہا ہے یہ امر انسان کے احاطہ اقتدار سے باہر ہے ہم قرآن کی رُو سے ایمان رکھتے ہیں کہ وہ کبھی معطل نہیں رہا مگر اسکی تفصیل کو ہم نہیں جانتے ہمیں معلوم نہیں کہ اُسنے کتنی مرتبہ اس دُنیا کو بنایا اور کتنی مرتبہ ہلاک کیا۔ یہ لمبا اور غیر متناہی علم خدا کو ہے کسی دفتر میں یہ سما نہیں سکتا۔ ہاں عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ صرف چند مدّت سے خدا نے دنیا کو پیدا کیا ہے پہلے کچھ نہ تھا اور قدیم سے وہ خالق نہیں ہے۔ سو یہ اعتراض اُن پر کرو۔ اور پھر آپ لوگوں کو شرم کرنا چاہئے کہ ہم تو مانتے ہیں کہ ہمارا خدا قدیم سے ذرّات اجسام پیدا کرتا رہا اور قدیم سے روحیں بھی پیدا کرتا رہا۔ مگر آپ لوگ تو قطع نظر قدیم کے ایک مرتبہ کے لئے بھی خدا تعالےٰ کی ان صفات کو نہیں مانتے۔ پھر کیوں اپنے گھر سے بے خبر رہ کر اسلام پر محض افترا کے طور پر اعتراض کر دیتے ہیں ورنہ حیا اور شرم کر کے قرآن شریف سے ہمیں دکھلا دو کہ کہاں لکھا ہے کہ میں قدیم سے خالق نہیں ہوں مگر آپ کا پرمیشر تو بجز معمار یا نجار کی حیثیت سے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتا اور کیونکر معلوم

ہوا کہ وہ عالم الغیب ہے اس کا وید میں کیا ثبوت ہے ذرہ ہوش سے جواب دو۔

(۴) ایک یہ بھی اعتراض ہے کہ مسلمانوں کا خدا متغیر ہے کبھی کوئی حکم دیتا ہے کبھی کوئی۔

الجواب - خدا آپ کو ہدایت دے قرآن شریف میں کہیں نہیں لکھا کہ خدا متغیّر ہے۔ بلکہ یہ لکھا ہے کہ انسان متغیّر ہے اس لئے اس کے مناسب حال خدا اسکے لئے تبدیلیاں کرتا ہے۔ جب بچہ پیٹ میں ہوتا ہے تو صرف اُسکو خون کی غذا ملتی ہے اور جب پیدا ہوتا ہے تو ایک مدّت تک صرف دودھ پیتا ہے اور پھر بعد اس کے اناج کھاتا ہے اور خدا تعالیٰ تینوں سامان اس کے لئے وقتاً فوقتاً پیدا کرتا ہے۔ پیٹ میں ہونے کی حالت میں پیٹ کے فرشتوں کو جو اندرونی ذرّات ہیں حکم کر دیتا ہے کہ اس کی غذا کے لئے خون بنا دیں اور پھر جب پیدا ہوتا ہے تو اس حکم کو منسوخ کر دیتا ہے۔ تو پھر پستان کے فرشتوں کو جو اُس کے ذرات ہیں حکم کرتا ہے جو اُس کیلئے دودھ بنا دیں۔ اور جب وہ دودھ سے پرورش پا چکتا ہے۔ تو پھر اس حکم کو بھی منسوخ کر دیتا ہے تو پھر زمین کے فرشتوں کو جو اُس کے ذرات ہیں حکم کرتا ہے جو اُس کیلئے اخیر مدّت تک اناج اور پانی پیدا کرتے رہیں۔ پس ہم مانتے ہیں کہ ایسے تغیر خدا کے احکام میں ہیں خواہ بذریعہ قانون قدرت اور خواہ بذریعہ شریعت۔ مگر اُس سے خدا میں تغیّر کون سا لازم آیا۔ شرم !! شرم !! شرم !!!

مگر افسوس کہ وید کی رُو سے خدا ان تغیرات کا مالک نہیں بن سکتا۔ کیونکہ وید تو خدا کے فرشتوں کا منکر ہے پس کیونکر دُنیا کے ذرّات اور روحوں کی قوتیں اُس کی آواز سُن سکتی ہیں۔ علم طبعی اور ہیئت کا سلسلہ تب ہی خدا کیطرف منسوب ہو سکتا ہے کہ جب طبعی طور پر ہر ایک ذرّہ مخلوقات کا خُدا کا فرشتہ مان لیا جائے ورنہ فرشتوں کے انکار سے دہریہ بننا پڑے گا کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے پرمیشر کو اُسکا کچھ بھی علم نہیں اور نہ اُسکی مرضی اور ارادہ سے ہو رہا ہے۔ مثلاً کانوں میں سونا اور چاندی اور پیتل اور تانبا اور لوہا طیار ہوتا ہے اور بعض کانوں میں سے ہیرے نکلتے ہیں اور نیلم پیدا ہوتا ہے اور بعض جگہ یاقوت کی کانیں ہیں۔ اور بعض دریاؤں میں سے موتی پیدا ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک جانور کے پیٹ سے

بچہ یا انڈہ پیدا ہوتا ہے۔ اب خدا نے تو قرآن شریف میں ہمیں یہ سکھلایا ہے کہ یہ طبعی سلسلہ خود بخود نہیں بلکہ ان چیزوں کے تمام ذرات خدا کی آواز سنتے ہیں اور اس کے فرشتے ہیں یعنی اُس کی طرف سے ایک کام کے لئے مقرر شدہ ہیں۔ پس وہ کام اسکی مرضی کے موافق وہ کرتے رہتے ہیں سونے کے ذرات سونا بناتے رہتے ہیں۔ اور چاندی کے ذرات چاندی بناتے رہتے ہیں اور موتی کے ذرات موتی بناتے ہیں اور انسانی وجود کے ذرات ماؤں کے پیٹ میں انسانی بچہ طیار کرتے ہیں اور یہ ذرات خود بخود کچھ بھی کام نہیں کرتے بلکہ خدا کی آواز سُنتے ہیں اور اس کی مرضی کے موافق کام کرتے ہیں اسلئے وہ اس کے فرشتے کہلاتے ہیں اور کئی قسم کے فرشتے ہوتے ہیں یہ تو زمین کے فرشتے ہیں مگر آسمان کے فرشتے آسمان سے اپنا اثر ڈالتے ہیں جیساکہ سورج کی گرمی بھی خدا کا ایک فرشتہ ہے جو پھلوں کو پکانا اور دوسرے کام کرتا ہے اور ہوائیں بھی خدا کے فرشتے ہیں جو بادلوں کو اکٹھے کرتے اور کھیتوں کو مختلف اثر اپنے پہنچاتے رہتے ہیں اور پھر اُن کے اوپر اَور بھی فرشتے ہیں جو اُن میں تاثیر ڈالتے ہیں۔ علوم طبعی اسبات کے گواہ ہیں کہ فرشتوں کا وجود ضروری ہے اور ان فرشتوں کو ہم بچشم خود دیکھ رہے ہیں۔ اب بقول آریہ صاحبان وید ان فرشتوں کا منکر ہے پس اس طور سے وہ اُس طبعی سلسلہ سے انکاری اور دہریہ مذہب کی بنیاد ڈالتا ہے۔ کیا یہ امر بدیہی اور مشہود و محسوس نہیں کہ ہر ایک ذرہ ذرات اجسام میں سے ایک کام میں مشغول ہے یہانتک کہ شہد کی مکھیاں بھی خدا کے وحی سے ایک کام کر رہی ہیں۔ پس وید اگر اس سلسلہ سے منکر ہے تو پھر اُس کی خیر نہیں۔ اس صورت میں وہ تو دہریہ مذہب کا حامی ہوگا۔ اگر یہی وید ودیا کا نمونہ ہے تو شاباش خوب نمونہ پیش کیا +

(۵) ایک یہ بھی اعتراض ہے کہ شفاعت پر بھروسہ شرک ہے۔

الجواب قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے من ذا الذی یشفع عندہٗ الا باذنہٖ یعنی خدا کے اذن کے سوا کوئی شفاعت نہیں ہوسکتی۔ قرآن شریف کی رُو سے شفاعت کے معنے یہ ہیں کہ ایک شخص اپنے بھائی کیلئے دعا کرے کہ وہ مطلب اسکو حاصل ہوجائے یا کوئی بلا ٹل جائے

پس قرآن شریف کا حکم ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کے حضور میں زیادہ جھکا ہوا ہے وہ اپنے کمزور بھائی کیلئے دعا کرے کہ اُسکو وہ مرتبہ حاصل ہو یہی حقیقت شفاعت کی ہے۔ سو ہم اپنے بھائیوں کے لئے بے شک دُعا کرتے ہیں کہ خدا اُن کو قوت دے اور اُن کی بلا دور کرے۔ اور یہ ایک ہمدردی کی قسم ہے۔ پس اگر وید نے اس ہمدردی کو نہیں سکھلایا اور وید کی رُو سے ایک بھائی دوسرے کے لئے دُعا نہیں کر سکتا تو یہ بات وید کے لئے قابل تعریف نہیں بلکہ ایک سخت عیب ہے۔ چونکہ تمام انسان ایک جسم کیطرح ہیں اس لئے خدا نے ہمیں بار بار سکھلایا ہے کہ اگرچہ شفاعت کو قبول کرنا اس کا کام ہے مگر تم اپنے بھائیوں کی شفاعت میں یعنے اُن کے لئے دُعا کرنے میں لگے رہو اور شفاعت سے یعنی ہمدردی کی دُعا سے باز نہ رہو کہ تمہارا ایک دوسرے پر حق ہے۔ اصل میں شفاعت کا لفظ شفع سے لیا گیا ہے شفع جفت کو کہتے ہیں جو طاق کی ضد ہے۔ پس انسان کو اس وقت شفیع کہا جاتا ہے جبکہ وہ کمال ہمدردی سے دوسرے کا جفت ہو کر اس میں فنا ہو جاتا ہے اور دوسرے کے لئے ایسی ہی عافیت مانگتا ہے جیسا کہ اپنے نفس کے لئے۔ اور یاد رہے کہ کسی شخص کا دین کامل نہیں ہو سکتا جبتک کہ شفاعت کے رنگ میں ہمدردی اس میں پیدا نہ ہو۔ بلکہ دین کے دو ہی کامل حصے ہیں ایک خدا سے محبت کرنا اور ایک بنی نوع سے اس قدر محبت کرنا کہ اُن کی مصیبت کو اپنی مصیبت سمجھ لینا اور اُن کے لئے دُعا کرنا جس کو دوسرے لفظوں میں شفاعت کہتے ہیں۔

(۶) خدا کی کوئی آواز دنیا میں سنائی نہیں دیتی۔

الجواب تعجب کہ باوجودیکہ پنڈت لیکھرام کی موت سے تمام آریہ صاحبوں نے ۶ مارچ کے دن میں خدا تعالیٰ کی آواز سُن لی اور خدا نے دنیا میں اشتہار دیدیا کہ لیکھرام بوجہ اپنی بدزبانیوں کے چھ برس تک کسی کے ہاتھ سے مارا جائیگا۔ وہ آواز نہ صرف ہم نے سُنی بلکہ ہمارے ذریعہ سے سب آریہ صاحبوں نے سُنی مگر کیا اب بھی ثابت نہ ہوا کہ خدا کی آواز دُنیا کو سنائی دیتی ہے۔ آپ صاحبوں میں سے پکے آریہ لالہ شرم پت اور لالہ ملاوامل ساکن قادیان بہت سے خدا کی آوازوں کے گواہ ہیں۔ اگر وہ انکار کرینگے اور قوم کو خدا پر مقدم رکھیں گے اور جھوٹ بولینگے تو شاید کوئی اور آواز آسمانی سُن لیں گے ÷ المشتہر خاکسار میرزا غلام احمد قادیانی۔

رجسٹرڈ ایل ۳۰۳

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✦ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ بابت مئی سنہ ۱۹۰۳ء نمبر ۵

فہرست مضامین

انجمن اشاعۃ اسلام قادیان دار الامان نے

انوار احمد یہ پریس قادیان میں باہتمام شیخ یعقوب علی احمدی تراب چھپوا کر ۲۰ مئی سنہ ۱۹۰۳ء کو شائع کیا

چندہ سالانہ معمولی کاغذ پر عار اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر سے ر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ضرورتِ قرآن

عیسائی اور دیگر مخالفین مذہب اسلام کی طرف سے اکثر اوقات یہ سوال ہوتا ہے کہ جس صورت میں توحید کا مسئلہ توریت کے ذریعہ دنیا پر روشن ہو چکا تھا تو پھر قرآن شریف کی کیا ضرورت تھی یا مثلاً یہودیوں کیلئے جنکی کتاب توحید سکھلاتی ہے کیا ضرورت تھی کہ وہ قرآن شریف کی پیروی کریں جبکہ اسلام کا مقصد بھی سوائے توحید کیطرف آدمیوں کو بلانے کے اور کچھ نہیں تھا اس سوال کے جواب میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیوقت میں یہودی توریت کی ہدایتوں سے بہت دور جا پڑے تھے۔ اگر یہ سچ ہے کہ اُنکی کتابوں میں توحید باری تعالیٰ تھی مگر وہ اس توحید سے منتفع نہیں ہوتے تھے۔ اور وہ علت غائی جس کیلئے انسان پیدا کیا گیا اور کتابیں نازل ہوئیں اس کو کھو بیٹھے تھے حقیقی توحید یہ ہے کہ خدا کی ہستی کو مانکر اور اُس کی وحدانیت کو قبول کر کے پھر اس کامل اور محسن خدا کی اطاعت اور رضا جوئی میں مشغول ہونا اور اُسکی محبت میں کھوئے جانا۔ سو عملی طور پر یہ توحید ان میں باقی نہیں رہی تھی۔ اور خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال اُنکے دونوں سے اُٹھ گئی تھی وہ لبوں سے خدا خدا پکارتے تھے مگر دل اُنکے شیطان کے پرستار ہو گئے تھے اور اُنکے سینے دنیا پرستی اور دنیا طلبی اور مکر اور فریب میں حد سے زیادہ بڑھ گئے تھے۔ اُن میں درویشوں اور راہبوں کی پوجا ہوتی تھی۔ اور سخت قابل شرم اور بے حیائی کے کام ان میں ہوتے تھے۔ ریاکاریاں بڑھ گئی تھیں۔ مکاریاں زیادہ ہو گئی تھیں۔ اور ظاہر ہے کہ توحید صرف اس بات کا نام نہیں کہ مونہہ

سے لا الٰہ الا اللہ تکہین اور دل مین ہزاروں بت جمع ہوں بلکہ جو شخص کسی اپنے کام اور مکر فریب اور تدبیر کو خدا کی سی عظمت دیتا ہے یا کسی انسان پر ایسا بھروسہ رکھتا ہے جو خدا تعالےٰ پر رکھنا چاہیے یا اپنے نفس کو وہ عظمت دیتا ہے جو خدا کو دینی چاہئے ان سب صورتوں مین وہ خدا تعالےٰ کے نزدیک بت پرست ہے۔ بُت وہی نہین ہین جو سونے چاندی یا پیتل یا پتھر وغیرہ سے بنائے جاتے اور اُن پر بھروسہ کیا جاتا ہے بلکہ ہر ایک چیز یا قول یا فعل جس کو وہ عظمت دی جائے جو خدا تعالےٰ کا حق ہے وہ خدا تعالےٰ کی نگہ مین بت ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ توریت میں اس باریک بت پرستی کی تصریح نہین ہے مگر قرآن شریف ان تصریحات سے بھرا پڑا ہے۔ سو قرآن شریف کو نازل کرکے خدا تعالےٰ کا ایک یہ بھی منشاء تھا کہ یہ بت پرستی بھی جو دق کی بیماری کی طرح لگی ہوئی تھی لوگوں کے دلوں سے دور کرے۔ اور اس زمانہ مین یہودی اِس قسم کی بت پرستی مین غرق تھے اور توریت ان کو چھوڑا نہین سکتی تھی اس لئے کہ توریت میں یہ باریک تعلیم نہین تھی۔ اور نیز اس لئے کہ یہ بیماری جو تمام یہودیوں مین پھیل گئی تھی ایک پاک توحید کے نمونہ کو چاہتی تھی جو زندہ طور پر ایک کامل انسان میں نمودار ہو۔

یاد رہے کہ حقیقی توحید جسکا اقرار خدا ہم سے چاہتا ہے اور جسکے اقرار سے نجات وابستہ ہے یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کو اپنی ذات مین ہر ایک شریک سے خواہ بت ہو خواہ انسان ہو خواہ سورج ہو یا چاند ہو یا اپنا نفس یا اپنی تدبیر اور مکر اور فریب ہو منزہ سمجھنا اور اس کے مقابل پر کوئی قادر تجویز نہ کرنا کوئی رازق نہ ماننا کوئی مُعِزّ اور مُذِلّ خیال نہ کرنا کوئی ناصر اور مددگار قرار نہ دینا اور دوسرے یہ کہ اپنی محبت اسی سے خاص کرنا۔ اپنی عبادت اُسی سے خاص کرنا۔ اپنا تذلل اسی سے خاص کرنا اپنی امیدین اسی سے خاص کرنا۔ اپنا خوف اسی سے خاص کرنا۔ پس کوئی توحید بغیر ان تین قسم کی تخصیص کے کامل نہین ہو سکتی۔ اوّل ذات کے لحاظ سے توحید یعنی یہ کہ اس کے وجود کے مقابل پر تمام موجودات کو معدوم کیطرح سمجھنا۔ اور تمام کو ہالکۃ الذات اور باطلۃ الحقیقت خیال کرنا۔ دوم صفات کے لحاظ سے توحید یعنے یہ کہ ربوبیت اور الوہیت کی صفات بجز ذات باری کسی مین قرار نہ دینا۔ اور جو بظاہر رب الانواع یا فیض رساں نظر آتے ہین یہ اسی کے ہاتھ کا ایک نظام یقین کرنا تیسرے اپنی

محبت اور صدق اور صفا کے لحاظ سے توحید- یعنے محبت وغیرہ شعار عبودیت میں دوسرے کو خدا تعالیٰ کا شریک گردانناـ اور اسی میں کھوئے جانا- سو اس توحید کو جو تینوں شعبوں پر مشتمل اور اصل مدار نجات ہے یہودی لوگ کھو بیٹھے تھے- چنانچہ انکی بدچلنیاں اس بات پر صاف گواہی دیتی تھیں کہ اُن کے لبوں پر خدا کے ماننے کا دعوٰے ہے مگر دل میں نہیں- جیساکہ قرآن خود یہود و نصارے کو ملزم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر یہ لوگ توریت اور انجیل کو قایم کرتے تو آسمانی رزق بھی انھیں ملتا اور زمینی بھی- یعنے آسمانی خوارق عادت اور قبولیت دعا اور کشوف اور الہامات جو مومن کی نشانیاں ہیں اُن میں پائی جاتیں جو آسمانی رزق ہے- اور زمینی رزق بھی ملتا مگر اب وہ آسمانی رزق سے بکلی بے نصیب ہیں اور زمین کا رزق بھی رو بحق ہو کر نہیں بلکہ رو بہ دنیا ہو کر حاصل کرتے ہیں- سو دونوں رزقوں سے محروم ہیں-

رہا یہ سوال کہ یہودیوں کو مسلمان ہونے کی کیا ضرورت تھی وہ تو پہلے سے موحّد تھے؟ اس کا جواب ہم ابھی دے چکے ہیں کہ توحید یہودیوں کے دلوں میں قایم نہ تھی صرف کتابوں میں تھی اور وہ بھی ناقص- سو توحید کی زندہ روح حاصل کرنے کی ضرورت تھی- کیونکہ جب تک توحید کی روح انسان کے دل میں قائم نہ ہو تب تک نجات نہیں ہو سکتی- یہودی مُردوں کیطرح تھے اور بباعث سخت دلی اور طرح طرح کی نافرمانیوں کے وہ زندہ روح اُن میں سے نکل چکی تھی اُنکو خدا کے ساتھ کچھ بھی میلان باقی نہیں رہا تھا اور توریت بباعث نقصان تعلیم اور نیز بوجہ لفظی اور معنوی تحریف کے اس لایق نہیں رہی تھی جو کامل طور پر رہبر ہو سکے اِس لئے خدا نے زندہ کلام تازہ بارش کیطرح اُتارا اور اس زندہ کلام کیطرف اُنکو بلایا تا وہ طرح طرح کے دہوکوں اور غلطیوں سے نجات پا کر حقیقی نجات کو حاصل کریں- سو قرآن کے نزول کی ضرورتوں میں سے ایک یہ تھی کہ تا مردہ طبع یہودیوں کو زندہ توحید سکھائے اور دوسرے یہ کہ تا اُنکی غلطیوں پر اُنکو متنبہ کرے- اور تیسرے یہ کہ تا وہ مسائل کہ جو توریت میں محض اشارہ کیطرح بیان ہوئے تھے جیساکہ مسئلہ حشر اجساد اور مسئلہ بقاء روح اور مسئلہ بہشت اور دوزخ اُن کے مفصل حالات سے آگاہی بخشے-

یہ بات سچ ہے کہ سچائی کی تخم ریزی توریت سے ہوئی اور انجیل سے اس تخم نے ایک آیندہ کی بشارت دینے والے کیطرح مُنہ دکھلایا اور جیسے ایک کھیت کا سبزہ پوری صحت اور عمدگی سے نکلتا ہے اور بزبان حال خوش خبری

دیتا ہے کہ اس کے بعد اچھی پھل اور اچھے خوشے ظہور کرینوالے ہیں ایسا ہی انجیل کامل شریعت اور کامل رہبر کیلئے خوشخبری کیطور پر آئی اور قرآن ہی وہ تخم اپنے کمال کو پہونچا جو اپنے ساتھ اس کامل نعمت کو لایا جسنے حق اور باطل میں بکلی فرق کر کے دکھلایا اور معارف دینیہ کو اپنے کمال تک پہونچایا جیساکہ توریت میں پہلے سے لکھا تھا کہ "خدا سینا سے آیا اور سعیر سے طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے انپر چمکا" !!!

یہ بات بالکل ثابت شدہ امر ہے کہ شریعت کے ہر ایک پہلو کو کمال کیصورت میں صرف قرآن نے ہی دکھلایا ہے۔ شریعت کے بڑے حصے دو ہیں۔ حق اللہ۔ اور حق العباد۔ یہہ دونوں حصے صرف قرآن شریف نے ہی پورے کئے ہیں۔ قرآن کا یہ منصب تھا کہ وحشیوں کو انسان بنادے اور انسان سے بااخلاق انسان بنادے اور بااخلاق انسان سے باخدا انسان بنائے۔ سو اس منصب کو اُس نے ایسے طور سے پورا کیا کہ جس کے مقابل پر توریت ایک گونگے کیطرح ہے۔

اور منجملہ قرآن کیضرورتوں کے ایک یہ امر بھی تھا کہ جو اختلاف حضرت مسیح کی نسبت یہود اور نصاریٰ میں واقع تھا اُسکو دور کرے۔ سو قرآن شریف نے ان سب جھگڑوں کا فیصلہ کیا۔ جیسا کہ قرآن شریف کی یہ آیت یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ الخ۔ اسی جھگڑے کے فیصلے کے لئے ہے۔ کیونکہ یہودی لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ نصارے کا نبی یعنے مسیح صلیب پر کھینچا گیا۔ اس لئے موافق حکم توریت کے وہ لعنتی ہوا اور اس کا رفع نہیں ہوا۔ اور یہ دلیل اس کے کاذب ہونے کی ہے۔" اور عیسائیوں کا یہ خیال تھا کہ لعنتی تو ہوا مگر ہمارے لئے اور بعد اُس کے لعنت جاتی رہی اور رفع ہوگیا۔ اور خدا نے اپنے دہنے ہاتھ اس کو بٹھا لیا۔ اب اس آیت نے یہ فیصلہ کیا کہ رفع بلا توقف ہوا نہ یہودیوں کے زعم پر دائمی لعنت ہوئی جو ہمیشہ کے لئے رفع الی اللہ سے مانع ہے اور نہ نصارے کے زعم پر چند روز لعنت رہی اور پھر رفع الی اللہ ہوا بلکہ وفات کے ساتھ ہی رفع الی اللہ ہوگیا۔ اور انہی آیات میں خدا تعالیٰ نے یہ بھی سمجھا دیا کہ یہ رفع توریت کے احکام کے مخالف نہیں۔ کیونکہ توریت کا حکم عدم رفع اور لعنت اُس حالت میں ہے کہ جب کوئی صلیب پر مارا جائے۔ مگر صرف صلیب کے چھونے یا صلیب پر کچھ ایسی تکلیف اٹھانے سے جو موت کی حد تک نہیں پہونچتی لعنت لازم نہیں آتی اور نہ عدم رفع لازم آتا ہے۔ کیونکہ توریت کا منشا یہی ہے کہ صلیب خدا تعالے کیطرف سے

جرائم پیشہ کی موت کا ذریعہ ہے ۔ پس جو شخص صلیب پر مر گیا وہ مجرمانہ موت مرا جو لعنتی موت ہے لیکن مسیح صلیب پر نہیں مرا اور اس کو خدا نے صلیب کی موت سے بچا لیا بلکہ جیسا کہ اس نے کہا تھا کہ میری حالت یونس سے مشابہ ہے ایسا ہی ہوا نہ یونس مچھلی کے پیٹ میں مرا نہ یسوع صلیب کے پیٹھ پر ۔ اور اُس کی دُعا "ایلی ایلی لما سبقتانی" سُنی گئی ۔ اگر مرتا تو پیلاطوس پر بھی ضرور وبال آتا ۔ کیونکہ فرشتہ نے پیلاطوس کی جورو کو یہ خبر دی تھی کہ اگر یسوع مر گیا تو یاد رکھ کہ تم پر وبال آئے گا مگر پیلاطوس پر وبال نہ آیا ۔ اور یہ بھی یسوع کے زندہ رہنے کی ایک نشانی ہے کہ اُس کی ہڈیاں صلیب کے وقت نہیں توڑی گئیں ۔ اور صلیب پر سے اتارنے کے بعد چھیدنے سے خون بھی نکلا ۔ اور اُس نے حواریوں کو صلیب کے بعد اپنے زخم دکھلائے ۔ اور ظاہر ہے کہ نئی زندگی کے ساتھ زخموں کا ہونا ممکن نہ تھا ۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا اس لئے لعنتی بھی نہیں ہوا ۔ اور بلاشبہ اس نے پاک وفات پائی اور خدا کے تمام پاک رسولوں کی طرح موت کے بعد وہ بھی خدا کی طرف اٹھایا گیا ۔ اور بموجب وعدہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ اُس کا خدا کی طرف رفع ہوا ۔ اگر وہ صلیب پر مرتا تو اپنے قول سے خود جھوٹا ٹھہرتا کیونکہ اس صورت میں یونس کے ساتھ اس کی کچھ بھی مشابہت نہ ہوتی ۔

سو یہی جھگڑا مسیح کے بارے میں یہود اور نصاریٰ میں چلا آتا تھا جس کو آخر قرآن شریف نے فیصلہ کیا ۔ پھر ابھی تک نصاریٰ کہتے ہیں کہ قرآن کے اترنے کی کیا ضرورت تھی ۔ اے نادانو! اور دلوں کے اندھو! قرآن کامل توحید لایا ۔ قرآن نے عقل اور نقل کو ملا کر دکھلایا ۔ قرآن نے توحید کو کمال تک پہونچایا ۔ قرآن نے توحید اور صفات باری پر دلائل قائم کئے ۔ اور خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت عقلی نقلی دلائل سے دیا ۔ اور کشفی طور پر بھی دلائل قائم کئے ۔ اور وہ مذہب جو پہلے قصہ کہانی کے رنگ میں چلا آتا تھا اُس کو علمی رنگ میں دکھلایا ۔ اور ہر ایک عقیدہ کو حکمت کا جامہ پہنایا ۔ اور وہ سلسلہ معارف دینیہ کا جو غیر مکمل تھا اُسکو کمال تک پہونچایا ۔ اور یسوع کی گردن پر سے لعنت کا طوق اتارا ۔ اور اُسکے مرفوع اور سچا نبی ہونیکی شہادت دی ۔ تو کیا اسقدر فیض رسانی کے ساتھ ابھی قرآن کی ضرورت ثابت نہ ہوئی ؟

یہ یاد رہے کہ قرآن نے بڑی صفائی سے اپنی ضرورت ثابت کی ہے ۔ قرآن صاف کہتا ہے اِعْلَمُوْا اَنَّ

اللہ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا سے بنے اس بات کو جان لو کہ زمین مرگئی تھی اور اب خدا نئے سر سے
اُسکو زندہ کرنے لگا ہے۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ قرآن کے زمانہ قرب نزول میں ہر ایک قوم نے اپنا
چال چلن بگاڑا ہوا تھا۔ پادری فنڈل مصنف میزان الحق باوجود اسقدر تعصب کے جو اسکے رگ و ریشہ میں بھرا
ہوا تھا میزان الحق میں صاف گواہی دیتا ہے کہ قرآن کے نزول کے زمانہ میں یہود و نصاریٰ کا چال چلن
بگڑا ہوا تھا اور انکی حالتیں خراب ہو رہی تھیں اور قرآن کا آنا اُنکے لئے ایک تنبیہ تھی۔ مگر اس نادان
نے باوجودیکہ یہ تو اقرار کیا کہ قرآن اُسوقت آیا جبکہ یہود و نصاریٰ کا چال چلن بہت خراب ہو رہا تھا لیکن
پھر بھی یہ جھوٹا عذر پیش کر دیا کہ خدا تعالےٰ کو ایک جھوٹا نبی بھیجکر یہود و نصاریٰ کو متنبہ کرنا منظور تھا
مگر یہ اللہ تعالیٰ پر تہمت ہے کیا ہم اللہ جلشانہ کیطرف یہ خراب عادت منسوب کرسکتے ہیں کہ اس نے لوگوں
کو گمراہی اور بدچلنی میں پاکر یہ تدبیر سوچی کہ اور بھی گمراہی کے سامان اُنکے لئے میسر کرے اور کروڑہا بندگان
خدا کو اپنے ہاتھ سے تباہی میں ڈالے۔ کیا غلبہ شدائد اور مصائب کیوقت خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں
بھی عادت اُسکی ثابت ہوتی ہے؟ افسوس کہ یہ لوگ دنیا سے محبت کرکے کیسے آفتاب پر تھوک رہے ہیں
ایک ناچیز انسان کو خدا بھی کہتے ہیں اور پھر ملعون بھی۔ اور اس عظیم الشان نبی کے وجود سے انکار کر رہے ہیں
کہ جو ایسے وقت میں آیا جبکہ نوع انسان مردہ کیطرح ہو رہے تھے اور کہتے ہیں کہ قرآن کی ضرورت
کیا تھی۔ اے غافلو! اور دلوں کے اندھو! قرآن جیسے ضلالت کے اور طوفان کے وقت میں
آیا ہے کوئی نبی ایسے وقت میں نہیں آیا۔ اُس نے دنیا کو اندھا پایا اور روشنی بخشی۔ اور گمراہ پایا
اور ہدایت دی۔ اور مُردہ پایا اور جان عطا فرمائی۔ تو کیا ابھی ضرورت ثابت ہونے میں کچھہ
کسر رہ گئی؟ اور اگر یہ کہو کہ توحید تو پہلے بھی موجود تھی۔ قرآن نے نئی چیز کونسی دی؟ تو
اس سے اور بھی تمہاری عقل پر رونا آتا ہے میں ابھی لکھہ چکا ہوں کہ توحید پہلی کتابوں میں ناقص
طور پر تھی اور تم ہرگز ثابت نہیں کرسکتے کہ کامل تھی۔ ماسوا اس کے توحید دلوں سے بکلی کم ہو
گئی تھی قرآن نے اس توحید کو پھر یاد دلایا اور اس کو کمال تک پہونچایا۔ قرآن کا نام اسی
لئے ذِکر ہے کہ وہ یاد دلانیوالا ہے۔ ذرہ آنکھہ کھول کر سوچو کہ کیا توریت نے جو کچھہ توحید کے بارے
میں بیان کیا تھا وہ ایک ایسی نئی بات تھی جو پہلے نبیوں کو اُس کی خبر نہیں تھی۔ کیا یہ سچ نہیں
کہ سب سے پہلے آدم کو اور پھر شیث اور نوح اور ابراہیم اور دیگر رسولوں کو جو موسیٰ سے پہلے

آئے توحید کی تعلیم ملی تھی ؟ پس یہ توریت پر بھی اعتراض ہے کہ اُس نے نئی چیز کونسی پیش کی - اے کج دل قوم! خدا روز روز نیا نہیں ہو سکتا - موسیٰ کے وقت میں وہی خدا تھا جو آدم اور شیث اور نوح اور ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب اور یوسف کے وقت میں تھا - اور توریت نے وہی توحید کے بارے میں بیان کیا جو پہلے نبی کرتے آئے -

اب اگر یہ سوال ہو کہ کیوں توریت نے اسی پرانی توحید کا ذکر کیا تو اس کا جواب یہی ہے کہ خدا کی ہستی اور وحدانیت کا مسئلہ توریت سے شروع نہیں ہوا بلکہ قدیم سے چلا آتا ہے - ہاں بعض زمانوں میں ترک عمل کی وجہ سے اکثر لوگوں کی نظر میں حقیر اور ذلیل ضرور ہوتا رہا ہے - پس خدا کی کتابوں اور خدا کے نبیوں کا یہ کام تھا کہ وہ ایسے وقتوں میں آتے رہے ہیں کہ جب اس مسئلہ توحید پر لوگوں کی توجہ کم رہ گئی ہو - اور طرح طرح کے شرکوں میں وہ مبتلا ہو گئے ہوں یہی مسئلہ دنیا میں ہزاروں دفعہ صیقل ہوا - اور ہزاروں دفعہ پھر زنگ خوردہ کی طرح ہو کر لوگوں کی نظروں سے چھپ گیا - اور جب چھپ گیا تو پھر خدا نے اپنے کسی بندہ کو بھیجا تا نئے سرے اسکو روشن کر کے دکھلاوے اسیطرح دنیا میں کبھی ظلمت کبھی نور غالب آتا رہا - اور ہر ایک نبی کی شناخت کا یہ نہایت اعلیٰ درجہ کا معیار ہے کہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ کسوقت آیا اور کسقدر اصلاح اُس کے ہاتھ سے ظہور میں آئی - چاہیئے کہ حق طلبی کی راہ سے اسی بات کو سوچیں اور شریروں اور متعصب لوگوں کے پُرخیانت اقوال کیطرف توجہ نہ کریں اور ایک صاف نظر لیکر کسی نبی کے حالات کو دیکھیں کہ اُسنے ظہور فرما کر اس زمانہ کے لوگوں کو کس حالت میں پایا اور پھر اُسنے اُن لوگوں کے عقائد اور چال چلن میں کیا تبدیلی کر کے دکھلائی تو اس سے ضرور پتہ لگ جائیگا کہ کون نبی اشد ضرورت کیوقت آیا اور کون اس سے کمتر - نبی کی ضرورت گنہگاروں کیلئے بعینہٖ ایسی ہی ہوتی ہے جیسا کہ طبیب کی ضرورت بیماروں کیلئے - اور جیسا کہ بیماروں کی کثرت ایک طبیب کو چاہتی ہے ایسا ہی گنہگاروں کی کثرت ایک مصلح کو -

اب اگر کوئی اس قاعدہ کو ذہن میں رکھکر عرب کی تاریخ پر نظر ڈالے کہ عرب کے باشندے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے کیا تھے اور پھر کیا ہو گئے تو بلا شبہ وہ اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو قوت قدسی اور تاثیر قوی اور افاضہ برکات میں سب نبیوں سے اوّل درجہ سمجھے گا - اور اسی بنا پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی ضرورت کو دوسری تمام کتابوں

اور نبیوں کی ضرورت سے بدیہی الثبوت یقین کرے گا - مثلاً یسوع نے دنیا مین آکر دنیا کی کس ضرورت کو پورا کیا؟ اور اُسکا ثبوت کیا ہے کہ اُس نے کوئی ضرورت پوری کی؟ کیا یہودیون کے اخلاق اور عادات اور ایمان مین کوئی بھاری تبدیلی کردی یا اپنے حواریوں کو تزکیہ نفس مین کمال تک پہونچا دیا؟ بلکہ ان پاک اصلاحوں مین سے کچھ بھی ثابت نہین - اور اگر کچھ ثابت ہے تو صرف یہی کہ چند آدمی طمع اور لالچ سے بھرے ہوئے اس کے ساتھ ہو گئے - اور انجام کار انہون نے بڑی قابل شرم بے وفائیاں دکھلائیں - اور اگر یسوع نے خودکشی کی تو مین اس سے زیادہ ہرگز تسلیم نہین کرونگا کہ ایک ایسی بیوقوفی کی حرکت اُس سے صادر ہوئی جس سے اُسکی انسانیت اور عقل پر ہمیشہ کیلئے داغ لگ گیا ایسی حرکت جسکو انسانی قوانین بھی ہمیشہ جرائم کے نیچے داخل کرتے ہین کیا کسی عقلمند سے صادر ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہین - پس ہم پوچھتے ہین کہ یسوع نے کیا سکھلایا اور کیا دیا؟ کیا وہ لعنتی قربانی جسکا عقل اور انصاف کے نزدیک کوئی بھی نتیجہ معلوم نہین ہوتا -

یاد رہے کہ انجیل کی تعلیم مین کوئی نئی خوبی نہین بلکہ یہ سب تعلیم توریت مین پائی جاتی ہے اور اُسکا ایک بڑا حصہ یہودیوں کی کتاب طالمود مین اب تک موجود ہے - اور یہودی فاضل اب تک کہتے ہین کہ ہماری پاک کتابون سے یہ فقرے چورائے گئے ہین - چنانچہ حال مین جو ایک فاضل یہودی کی کتاب میرے پاس آئی ہے اُس نے اسی بات کا ثبوت دینے کیلئے کئی ورق لکھے ہین اور بڑے زور سے اسناد پیش کئے ہین کہ یہ فقرات کہان کہان سے چورائے گئے ہین مینے یہ کتابین صرف میان سراج الدین کے لئے منگوائی تھین مگر اُن کی بدقسمتی ہے کہ وہ دیکھنے سے پہلے چلے گئے محقق عیسائی اس بات کو قبول کرتے ہین کہ درحقیقت انجیل یہودیوں کی کتابونکے ان مضامین کا ایک خلاصہ ہے جو حضرت مسیح کو پسند آئے لیکن بالآخر یہ کہتے ہین کہ مسیح کے دنیا مین آنیسے یہ غرض نہین تھی کہ کوئی تعلیم لائے بلکہ اصل مطلب تو اپنے وجود کی قربانی دینا تھا یعنی وہی لعنتی قربانی جسکے بار بار ذکر سے مین اس رسالہ کو پاک رکھنا چاہتا ہون غرض عیسائیونکو یہ دھوکہ لگا ہوا ہے کہ شریعت توریت تک مکمل ہو چکی اس لئے یسوع کوئی شریعت لیکر نہین آیا بلکہ نجات دینے کی سامان لیکر آیا اور قرآن نے ناحق پھر ایسی شریعت کی بنیاد ڈالدی جو پہلے مکمل ہو چکی تھی یہی دھوکہ عیسائیونکی ایمانکو کھا گیا مگر یاد رہے کہ یہ بات بالکل صحیح نہین ہے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ چونکہ انسان سہو و نسیان سے مرکب ہے اور نوع انسان مین خدا کے

احکام عملی طور پر ہمیشہ قایم نہین رہ سکتے۔ اس لئے ہمیشہ نئے یاد دلانے والے اور قوت دینے والے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن قرآن شریف صرف انہی دو ضرورتوں کی وجہ سے نازل نہین ہوا بلکہ وہ پہلی تعلیموں کا درحقیقت متمم اور مکمل ہے۔ مثلاً توریت کا زور حالات موجودہ کے لحاظ سے زیادہ تر قصاص پر ہے اور انجیل کا زور حالات موجودہ کے لحاظ سے عفو اور صبر اور درگذر پر ہے اور قرآن ان دونوں صورتوں مین محل شناسی کی تعلیم دیتا ہے۔ ایسا ہی ہر ایک باب مین توریت افراط کیطرف گئی ہے اور انجیل تفریط کیطرف اور قرآن شریف وسط کی تعلیم کرتا اور محل و موقعہ کا سبق دیتا ہے۔ گو نفس تعلیم تینوں کتابوں کا ایک ہی ہے مگر کسی نے کسی پہلو کو کثرت و شدت کے ساتھ بیان کیا اور کسی نے کسی پہلو کو۔ اور کسی نے فطرت انسانی کے لحاظ سے درمیانہ راہ لیا جو طریق تعلیم قرآن ہے اور چونکہ محل اور موقعہ کا لحاظ رکھنا ہی حکمت ہے سو اس حکمت کو صرف قرآن شریف نے سکھلایا ہے۔ توریت ایک بیہودہ سختی کیطرف کھینچ رہی ہے* اور انجیل ایک بیہودہ عفو پر زور دے رہی ہے اور قرآن شریف وقت شناسی کی تاکید کرتا ہے۔ پس جسطرح پستان مین آکر خون دودھ بنجاتا ہے اسیطرح توریت اور انجیل کے احکام قرآن مین آکر حکمت بنگئے ہین۔ اگر قرآن شریف نہ آیا ہوتا تو توریت اور انجیل اُس اندھے کے تیر کیطرح ہوتین کہ کبھی ایک آدھ دفعہ نشانہ پر لگ گیا اور سو دفعہ خطا گیا غرض شریعت قصوں کے طور پر توریت سے آئی اور مثالوں کیطرح انجیل سے ظاہر ہوئی اور حکمت کے پیرایہ مین قرآن شریف سے حق اور حقیقت کے طالبوں کو ملی۔

سو توریت اور انجیل قرآن کا کیا مقابلہ کرینگی۔ اگر صرف قرآن شریف کی پہلی سورت کے ساتھ ہی مقابلہ کرنا چاہین یعنی سورہ فاتحہ کے ساتھ جو فقط سات آیتین ہین اور جس ترتیب انسب اور ترتیب محکم اور نظام فطرتی سے اس سورت مین صدہا حقایق اور معارف دینیہ اور روحانی حکمتین درج ہین اُن کو موسےٰ کی کتاب یا یسوع کے چند ورق انجیل مین سے نکالنا چاہین تو گو ساری عمر کوشش کرین تب بھی یہ کوشش لاحاصل ہوگی۔ اور یہ بات لاف و گزاف نہین بلکہ واقعی اور حقیقی یہی بات ہے کہ توریت اور انجیل کو علوم حکمیہ مین سورہ فاتحہ کیساتھ بھی مقابلہ کرنے کی طاقت نہین۔ خدا کا کلام خدا کی طاقتوں سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ اُس کی مصنوعات عجائب قدرت سے ثابت ہوتی ہیں۔ مثلاً آسمان پر ہزاروں ستارے

* یہ سختی اور نرمی اپنے اپنے زمانہ اور قوم کی موجودہ حالت کے لحاظ سے مناسب تعلیم تھی مگر حقیقی تعلیم نہین تھی جو قابل ترک نہ ہوتی

ہیں۔ اب اگر کوئی بیوقوف چند ستاروں کیطرف اشارہ کرکے کہدے کہ ان کی کیا ضرورت ہے لہٰذا یہ خدا تعالےٰ کی طرف سے نہیں ہیں یا چند بوٹیوں یا پتھروں یا جانوروں کا نام لیکر کہدے کہ انکے وجود کے بغیر دوسری بوٹیوں وغیرہ سے کام چلسکتا ہے۔ اس لئے یہ خدا تعالےٰ کیطرف سے نہیں ہیں تو ایسا قائل بجز دیوانہ یا احمق کے کون ہوسکتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ قرآن اُن تمام کمالات کا جامع ہے جنکی انسانکو تکمیل نفس کیلئے حاجت ہے۔ اور توریت کی قرآن کے ساتھ یہ مثال ہے کہ جیسے ایک مسافر خانہ تھا وہ بڑی بڑی آندھیوں اور زلزلوں کے باعث سے گر پڑا اور بجائے اس مسافر خانہ کے ایک اینٹوں کا ڈھیر لگ گیا اور پاخانہ کی اینٹیں باورچی خانہ میں اور باورچی خانہ کی پاخانہ میں جا پڑیں اور سب مکان زیر و زبر ہوگیا پس اس سرائے کے مالک کو مسافروں کے حال پر رحم آیا سو اُس نے الفور بجائے اس مسافر خانہ کے ایک ایسا عمدہ اور آرام بخش مسافر خانہ طیار کیا جو اُس پہلے سے بہتر اور مسافروں کے لئے نہایت آرام بخش مکانات اپنے اپنے قرینہ سے اُس میں موجود تھے اور کسی ضرورت کے مکان کی کمی نہیں تھی اور مالک نے اس آخر الذکر مسافر خانہ کی تعمیر میں کچھ تو وہی اینٹیں پہلے مسافر خانہ کی لےلیں اور کچھ یاد اینٹیں اور لکڑی وغیرہ مصالح بہم پہونچایا جو عمارت کو کامل طور پر کافی ہوسکتا تھا سو قرآن شریف وہی دوسرا مسافر خانہ ہے جسکی آنکھیں ہوں دیکھے !!!

اس جگہ یہ اعتراض بھی دور کردینے کے قابل ہے کہ جس حالت میں حقیقی اور کامل تعلیم یہی ہے جس میں محل اور موقعہ کی رعایت اور ہر ایک نکتہ معرفت کا استیفاء کے ساتھ بیان ہو تو کیا سبب ہے کہ توریت اور انجیل اس سے خالی رہیں اور قرآن نے ان دونو باتوں کو کمال تک پہونچایا تو اس کا جواب یہی ہے کہ یہ توریت اور انجیل کا قصور نہیں ہے بلکہ قوموں کی استعداد کا قصور ہے یہودی لوگ جنسے پہلے حضرت موسیٰ کو واسطہ پڑا وہ چار سو برس تک فرعون کی غلامی میں رہے تھے اور ایک مدت دراز تک ظلم کے تختہ مشق رہکر عدل اور انصاف کی حقیقت سے بے خبر ہو گئے تھے یہ ایک فطرتی قاعدہ ہے کہ اگر بادشاہ وقت جو مؤدب اور آموزگار کے حکم میں ہوتا ہے عادل ہو تو رعایا کے دل پر عدل کا پرتو اپڑتا ہے اور طبعاً وہ بھی خلق عدل کیطرف مائل ہوجاتے ہیں اور تہذیب اور شایستگی ان میں پیدا ہوکر عادلانہ صفات اپنا جلوہ دکھاتے ہیں لیکن اگر بادشاہ ظالم ہو تو رعایا بھی اس سے ظلم اور تعدی کا سبق

سکتی ہے اور اکثر ان کی صفت عدل سے محروم ہوتی ہے۔ پس یہی حال بنی اسرائیل کا ہوا۔ کہ وہ لوگ ایک مدت دراز تک فرعون جیسے ظالم بادشاہ کی رعایا رہکر اور طرح طرح کے ظلم اٹھا کر عدل کی کیفیت سے بالکل غافل ہو گئے۔ سو حضرت موسیٰ کا فرض یہ تھا کہ ان کو سب سے پہلے عدل کا سبق دیں اس لئے توریت مین عدل کی حفاظت کے لئے بڑے تشدد مد سے آیات پائی جاتی ہین۔ ہاں رحم کی آیات کا بھی توریت مین پتہ ملتا ہے لیکن اگر غور سے دیکھو تو ایسی آئتین بھی عدل کے حدود کی نگہداشت کے لئے اور ناجائز جذبات اور بیجا کینون کے روکنے کے لئے بیان فرمائی گئی ہین۔ اور ہر جگہ اصل مدعا قوانین عدل اور انصاف کی نگہداشت ہے لیکن انجیل پڑھنے سے یہ مدعا معلوم نہین ہوتا بلکہ انجیل مین عفو اور ترک انتقام پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اور جب ہم انجیل کو تدبر اور عمیق نگاہ سے دیکھتے ہین تو اس کے سلسلہ عبارت سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ اس کتاب کا لکھنے والا اپنے مخاطبین کی نسبت یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ لوگ طریق مروت اور صبر اور ترک انتقام سے بالکل دور اور مہجور ہین اور چاہتا ہے کہ انکے ایسے دل ہو جائین کہ انتقام لینے کے حریص نہ ہوں اور صبر اور برداشت اور عفو اور درگذر اپنی عادت کرین۔ اس کا یہی سبب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت مین یہودیوں کی اخلاقی حالت مین بہت فتور آ گیا تھا اور مقدمہ بازی اور کینہ کشی مین انتہا تک پہونچ گئے تھے۔ اور اس بہانہ سے کہ ہم قانون عدل کے حامی ہین رحم اور درگذر کی خصلتین بالکل ان مین سے دور ہو گئی تھین۔ سو انجیل کی نصیحتین قانون مختص الزمان کیطرح یا مختص القوم کیطرح ان کو سنائی گئی تھین۔ مگر یہ واقعی قانون کی تصویر نہ تھی اس لئے قرآن نے آکر اُس کو دور کر دیا۔

جس وقت ہم قرآن کو غور سے دیکھتے ہین اور صاف دل سے اس کے مقصد کے گہراؤ تک چلے جاتے ہین تو ہمین صاف دکھائی دیتا ہے کہ قرآن نے نہ توریت کیطرح انتقام اور سختی پر ایسا زور ڈالا ہے کہ جیسا کہ توریت کی لڑائیوں اور قانون قصاص سے ثابت ہوتا ہے۔ اور نہ انجیل کی طرح یکدفعہ عفو اور صبر اور درگذر کی تعلیم پر گر پڑا ہے بلکہ بار بار امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیتا ہے۔ یعنی یہ حکم دیتا ہے کہ جو امر عقل اور شرع کے رو سے بہتر اور محل پر ہو اس کو بجا لاؤ اور جس پر عقل اور شرع کا اعتراض ہو اور منکرات مین سے ہو اس سے دست بردار ہو جاؤ سو قرآن کے دیکھنے سے ایسا پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے قوانین اور حدود اور اوامر کو علم کے رنگ مین ہمارے دلوں مین جمانا چاہتا ہے

کیونکہ وہ شخصی امر اور نہی کے زندان میں ہمیں محبوس کرنا نہیں چاہتا بلکہ اپنی پاک شریعت کو قواعد کلیہ کیطور پر بیان کر دیتا ہے۔ مثلاً وہ ایک کلام کلی کیطور پر حکم فرماتا ہے کہ تم معروف کو بجا لاؤ اور منکر سے دستکش ہو جاؤ۔ سو یہ دو کلمے یعنی معروف اور منکر ایسے جامع کلمے ہیں جو شریعت کے قوانین کو علمی رنگ میں لے آتے ہیں اور اس تعلیم سے ہر ایک عمل میں یہ سوچنا پڑتا ہے کہ حقیقی نیکی کیا ہے۔ مثلاً اس وقت جو زید نے ہمارا ایک گناہ کیا ہے تو اسکو مارنا بہتر ہے یا عفو کرنا۔ اور ایک سائل جو ہم سے مثلاً ہزار روپیہ اس غرض سے مانگتا ہے کہ وہ اس روپیہ سے اپنے لڑکے کی دھوم دھام سے شادی کرے اور آتشبازی اور رنگا رنگ ناچ اور دوسرے باجوں کے ساتھ اپنے خاندان کے رسوم کے موافق اس رسم کو ادا کرے۔ تو ہم ہزار روپیہ اسکو دے سکتے ہیں مگر ہمیں امر معروف اور نہی منکر کے قاعدہ کے لحاظ سے سوچ لینا چاہیے کہ کیا یہ سخاوت ہے ہم کس شخص کی مدد کرتے ہیں غرض اسیطرح قرآن نے ہمارے دین اور دنیا کی بہبودی کے لئے ہمارے ہر ایک کار خیر میں محل اور موقعہ کی قید لگا دی ہے۔

اسجگہ ایک اور اعتراض کا دفع کرنا بھی ضروری ہے کہ اسلام نے توحید کے منوانے کے لئے بہود وغیرہ اقوام کے ساتھ لڑائیاں کی ہیں۔

سو واضح ہو کہ اسلام نے توحید منوانے کے لئے لڑائیاں ہرگز نہیں کیں بلکہ اسلام کے مخالف خود اپنی شرارتوں سے لڑائیوں کے محرک ہوئے بعض نے مسلمانوں کے قتل کرنے کے لئے خود پہلے تلوار اٹھائی بعض نے اُن کی مدد کی۔ بعض نے اسلام کی تبلیغ روکنے کے لئے بے جا مزاحمت کی۔ سو ان تمام موجبات کی وجہ سے مفسدین کی سرکوبی اور سزا اور شر کی مدافعت کے لئے خدا تعالیٰ نے اُن ہی مفسدوں کے مقابل پر لڑائیوں کا حکم کیا۔ اور یہ کہنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تیرہ برس تک اس وجہ سے مخالفوں سے لڑائی نہیں کی کہ اس وقت تک پوری جمعیت حاصل نہیں ہوئی تھی یہ محض ظالمانہ اور مفسدانہ خیال ہے۔ اگر صورت حال یہ ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تیرہ برس تک ان ظلموں اور خونریزیوں سے باز رہتے جو مکہ میں ان سے ظہور پذیر ہوئے اور پھر آپ مشورہ کر کے یہ تجویز نہ کرتے کہ یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینا چاہیئے اور یا وطن سے نکال دینا چاہیئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی بغیر حملہ مخالفین کے مدینہ کیطرف چلے جاتے تو ایسی بدظنیوں کی کوئی جگہ بھی ہوتی۔ لیکن یہ واقعہ تو ہمارے مخالفوں

کو بھی معلوم ہے کہ تیرہ برس کے عرصہ مین ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم دشمنوں کی ہر ایک سختی پر صبر
کرتے رہے اور صحابہ کو سخت تاکید تھی کہ بدی کا مقابلہ نہ کیا جائے چنانچہ مخالفون نے بہت سے خون بھی
کئے اور غریب مسلمانوں کو زدوکوب کرنے اور خطرناک زخم پہونچانے کا تو کچھ شمار نہ رہا۔ آخر آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کے لئے حملہ کیا۔ سو ایسے حملہ کے وقت خدا نے اپنے نبی کو شر اعدا سے
محفوظ رکھکر مدینہ مین پہونچا دیا اور یہ خوشخبری دی کہ جنہوں نے تلوار اٹھائی وہ تلوار ہی سے ہلاک کئے جائینگے
پس ذرا عقل اور انصاف سے سوچو کہ کیا اس روئداد سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے پاس کچھ جمعیت لوگوں کی ہوگئی تو پھر لڑائی کی نیت جو پہلے سے دل مین پوشیدہ تھی ظہور مین
آئی افسوس ہزار افسوس کہ تعصب مذہبی کے رو سے عیسائی دین کے حامیوں کی کہاں تک نوبت
پہونچ گئی ہے۔ یہ بھی نہین سوچتے کہ مدینہ مین جاکر جب مکہ والوں کے تعاقب کے وقت بدر کی لڑائی ہوئی جو اسلام
کی پہلی لڑائی ہے تو کونسی جمعیت پیدا ہوگئی تھی۔ اس وقت تو کل تین سو تیرہ آدمی مسلمان تھے اور وہ بھی
اکثر نوعمر ناتجربہ کار جو میدان بدر مین حاضر ہوئے تھے۔ پس سوچنے کا مقام ہے کہ کیا اس قدر آدمیوں پر
بھروسہ کرکے عرب کے تمام بہادروں اور یہود اور نصاریٰ اور لاکھوں انسانوں کی سرکوبی کے لئے
میدان مین کسی کا نکلنا عقل فتوے دے سکتی ہے ؟ !!! اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ
نکلنا اُن تدبیروں اور ارادوں کا نتیجہ نہین تھا۔ جو انسان دشمنوں کے
ہلاک کرنے اور اپنی فتحیابی کے لئے سوچتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کم سے
کم تیس چالیس ہزار فوج کی جمعیت حاصل کرلینا ضرور تھا
اور پھر اس کے بعد لاکھوں انسانوں کا مقابلہ کرنا۔ لہذا
صاف ظاہر ہے کہ یہ لڑائی مجبوری کیوقت
خدا تعالے کے حکم سے ہوئی تھی
نہ ظاہری سامان کے
بھروسہ پر

حضرت مسیح کا دس گم شدہ اسرائیلی

قوموں کیطرف جانا

انجیلی شہادتین نمبر ۳

اس عنوان کے نیچے گزشتہ دو نمبروں مین انجیل کے قصص کی بنا پر ہمنے یہ ثابت کیا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کی لعنتی موت سے بچائے گئے۔ اگرچہ ان مضامین کو شایع ہوئے دو ماہ کا عرصہ گذر چکا ہے لیکن عیسائیوں کی طرف سے ان کی تردید مین ہم نے سوائے اس ریمارک کے اور کچھ نہین دیکھا کہ اس قسم کے استنباط انجیلوں کے اصلی اور یکساں مفہوم اور منشاء کے خلاف ہین لیکن اصل بات یہ ہی کہ اناجیل کا یہ فرضی اصلی منشاء سوائے اس کے کوئی حقیقت نہین رکھتا کہ یہ عیسائیوں کا دلی اعتقاد ہے۔ بجائے خود قصص اناجیل اسقدر متضاد بیانات کا مجموعہ ہین کہ ان کا ایک ہی مفہوم ہونا تو الگ رہا۔ انکے پڑھنے سے یہ بھی معلوم نہین ہوتا کہ وہ ایک ہی شخص کے قصہ کو بیان کر رہی ہین یا مختلف اشخاص کے۔ جسقدر رکیک تاویلوں سے چاہو الفاظ کے معنے کرنے مین مدد لو لیکن پھر بھی تمام انجیلوں کے قصوں کو ایک ہی شخص کا مکمل قصہ ثابت کرنا محال ہے۔ ایسی صورت مین عقلمند کا فرض ہے کہ بیہودگیوں کو رد کرکے یسوع کی زندگی کی بنا ان واقعات کو ٹھیرائے جو تاریخی طور پر صحیح معلوم ہوں اور اگر وہ یہ نہ کرے گا تو پھر اُسے سارے قصہ کو ہی غلط اور بے بنیاد ٹھیرا کر رد کرنا پڑے گا۔ اس سے پہلے ہم دکھلا چکے ہین کہ انجیل مین ایسے واقعات اور بیانات ایک دو نہین بلکہ بکثرت ہین جن سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یسوع صلیب پر نہین مرا اب ہم عیسائیوں ہی سے پوچھتے ہین کہ ان تمام انجیلی فقروں کو کیا کرین جھوٹے کہین یا وضعی ٹھہرائین یا تحریف کا نام دین۔ مثلاً انجیل کی اس پیشگوئی کی نسبت عیسائیوں کا کیا اعتقاد ہے جس مین حضرت مسیح کہتے ہین کہ یونس نبی کے نشان کے سوائے کوئی نشان یہودیوں کو نہین دیا جاوے گا۔ اگر اس پیشگوئی کو جھوٹا نہ ٹھیرایا جائے تو اس نتیجہ سے کسی طرح گریز ہی نہین ہوسکتی کہ جسطرح یونس زندہ مچھلی کے پیٹ مین ڈالا گیا اُسیطرح مسیح زندہ قبر کے اندر رکھا گیا۔

عیسائی مذہب کے حامیوں نے بہت ساری کوششیں کی ہیں کہ اس مشکل سے بچنے کی کوئی راہ نکل آوے مگر ان کی کوششیں لاحاصل ثابت ہوئی ہیں۔ پھر مثلاً پیلاطوس کی بیوی کے اس خواب کی نسبت کیا رائے لگائی جاوے جو متی ۲۷ باب میں مذکور ہے۔ کیا اس کو شیطانی سمجھا جاوے یا اس سارے قصے کو ہی جھوٹا مانا جاوے۔ ان دونوں باتوں کو تو کوئی عیسائی تسلیم نہیں کرے گا۔ لیکن اگر یہ دونوں باتیں ٹھیک نہیں تو پھر اس خواب کی غرض اور مقصد کیا ہے کیا یہ بدیہی بات نہیں کہ اس خواب کا مقصد مسیح کو صلیب سے نجات دینا ہے؟ اگر خدا تعالیٰ کا یہ منشا نہیں تھا کہ مسیح صلیب کی لعنتی موت سے نجات پائے تو کیوں اس نے پیلاطوس کو متنبہ کرنے کے لئے اس کی عورت کے پاس فرشتہ بھیجا اور اس طرح پر نعوذ باللہ ایک لغو حرکت کی؟ اور اگر اس کا مقصد واقعی یسوع کو چھوڑ انا ہی تھا جیسا کہ خواب سے صاف طور پر پایا جاتا ہے تو کیا خدا کے علاوہ اور اس سے مقتدر بھی ہستی موجود ہے جس نے خدا تعالےٰ کے اس ارادے کو پورا نہ ہونے دیا مسیح کی پیدائش کے متعلق جو قصہ انجیل میں مذکور ہے وہاں بھی ایک خواب کے ذریعہ ہی متنبہ کر کے خدا تعالےٰ نے مسیح کو قتل کئے جانے سے بچایا تھا اب ان دونوں خوابوں کا مقابلہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جیسا کہ پہلی خواب میں منشاء ایزدی یہ تھا کہ مسیح کی جو اسوقت بچہ تھا جان بچ جائے ایسا ہی دوسری خواب میں بھی الٰہی منشاء اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ مسیح صلیب کی لعنتی موت سے بچایا جاوے۔ اگر اس خواب کا یہ منشاء نہیں تو بہتر ہے کہ عیسائی صاحبان اس خواب کے ذکر کو ایک جھوٹا قصہ ٹھہرا کر انجیل سے خارج کر دیں پھر تیسرا امر یہ ہے کہ باغ میں جو یسوع کی دردناک دعا کا قصہ انجیل میں مذکور ہے اس کو کیونکر رد کیا جاتا ہے شدت غم کی حالت میں جو اسے موت کے برابر معلوم ہوتا تھا حضرت مسیح بڑی عاجزی سے خدا تعالےٰ کے آستانہ پر گرے اور سچے خضوع و خشوع سے رو رو کر یہ دعائیں مانگیں کہ اے میرے قادر خدا اگر ممکن ہی تو تو یہ موت کا پیالہ مجھ سے ٹالدے کون جانتا ہے کہ اسوقت اسکے دل کی کیا حالت تھی جب وہ غموں کے بوجھ کے نیچے دبا ہوا نہایت درد کے ساتھ ساری رات چلاتا رہا سوتے ہوئے حواری اسکی دردناک چیخوں سے کبھی کبھی چونک پڑتے اسکا دل اس غم کے نیچے پھوٹ پھوٹ کر بہ نکلتا اور اس کی چیخیں اس دردناک حالت میں دعا کرتے وقت ایسے زور سے نکلتی تھیں کہ حواری جو بہت دور سوئے پڑے تھے۔ وہ بھی کبھی کبھی ان سے چونک اٹھتے* اس سے قیاس ہو سکتا

* نوٹ صفحہ ۱۹۲ پر ملاحظہ ہو۔

ہے کہ کسقدر امن کو غم تہا اور کیسا سچا جوش اس کے دل مین تہا کہ خدا تعالے اسے صلیب کی لعنتی
موت سے بچالے۔ عقلمند انسان ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہین کر سکتا کہ خدا کا ایک مقبول
نبی بڑے لمبے درد کی حالت مین ساری رات ایک لعنتی موت سے بچنے کے لئے چیختا چلاتا
رہے اور خدائے کریم و رحیم اس پر کچھ بھی رحم نہ کرے اور اسکی دعا کو نہ سنے اور اگر حضرت مسیح کی دعا ایسی
دردناک حالت مین بھی قبول نہین کی تو عیسائیوں کو اپنی دعاؤں کی قبولیت سے بالکل مایوس رہنا
چاہیئے بلکہ خود حضرت مسیح کا دعا پر اسقدر زور دینا بالکل لغو تہا اگر اس کی اپنی دعا سب سے بہاری
مصیبت کے وقت مردود ہوئی تھی ان امور کے علاوہ عبرانیوں ۵ مین یہ صاف طور پر لکھا ہے کہ
حضرت مسیح کی یہ دعا قبول ہو گئی تھی لیکن اگر مسیح صلیب پر مرا تہا تو دعا کے متعلق یہ تمام نتیجے
جھوٹے ہونے چاہئیں۔

یہ چند باتین مثال کے طور پر ہم نے بیان کی ہین ان کے علاوہ مسیح کا صلیب پر نہایت تھوڑا عرصہ
رہنا اور صلیب کے بعد کے واقعات جو انجیلوں مین مذکور ہین ان سے سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ
نکالا ہی نہین جا سکتا کہ مسیح صلیب پر ہرگز نہین مرا اور عیسائیت کے عذر خواہ جو اپنے نزدیک
اناجیل کا اصلی مفہوم اس نتیجہ کے مخالف سمجھے بیٹھے ہین وہ دراصل ایک جھوٹا عقیدہ ہے جو بچپن
سے انکے دل مین جاپذیر ہو گیا ہے۔

ساری تاریخ مین ایک بھی ایسی مثال نہین ملتی جس مین ایک شخص دو یا تین گھنٹے صلیب
پر لٹکائے جانے سے مرگیا ہو اور برعکس اس کے ایسی مثالین بکثرت موجود ہین کہ ایک یا دو دن

* انجیل مین اس دعا کا لکھا جانا اسی صورت مین ٹھیک ہو سکتا ہے کیونکہ اس موقعہ پر حضرت مسیح
اپنے سارے مریدوں کو چھوڑ کر دور چلا گیا تہا (متی ۲۶/۳۶) اور تین حواری جنکو ساتھ لے گیا تہا۔
وہ بھی گولی کی مار پر سوئے پڑے تھے (لوقا ۲۶/۳۶) لیکن اناجیل مین حضرت مسیح کی اس دعا کا
لکھے جانا صاف اس امر پر شاہد ہے کہ حضرت مسیح کی دردناک آہوں سے جو دعا کے وقت وہ کرتے
ہوں گے کبھی کبھی حواری جاگ اٹھتے ہونگے اور اس طرح پر اسکی دعا کے الفاظ سن لئے ہوں گے
جو بعد ازان انکی روایت پر انجیل مین درج ہوئے۔ منہ

تک بھی صلیب پر لٹکا رہنے کے بعد بعض اشخاص جانبر ہو گئے فاضل مورخ جوزیفس نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے جس میں اس نے قیصر سے تین شخصوں کے جو صلیب پر (کم از کم ایک دن سے زیادہ عرصہ سے جیسا کہ واقعات سے شہادت ملتی ہے) لٹکے ہوئے تھے چھوڑے جانے کیلئے درخواست کی اور وہ درخواست قبول ہو کر مناسب علاج سے تینوں میں سے ایک کی جان بچ گئی۔ درحقیقت صلیب سے موت اسقدر آہستہ واقع ہوتی ہے کہ عقلمند انسان صرف اسی ایک واقعہ پر جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح صلیب پر دو یا تین گھنٹے سے زیادہ نہیں رہا غور کرنے سے اس نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے کہ مسیح کے صلیب پر مرنے کا مقدمہ ایک بالکل بے بنیاد اور غلط اعتقاد ہے۔ اس خیال کا بے بنیاد ہونا خود اناجیل سے بھی ثابت ہے کیونکہ لکھا ہے کہ یسوع اور دونوں چوروں کے لئے صلیب کی سزا کے بعد ٹانگیں توڑنے کی سزا کا بھی حکم ہوا تھا جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس تھوڑے سے عرصہ کو جو وہ صلیب پر رہے تھے موت کے لئے بالکل ناکافی خیال کیا گیا اور اس لئے ایک دوسری تجویز ایسی سزا کی کی گئی جس سے سچ مچ موت واقعہ ہو جاوے کیونکہ ٹانگوں کے توڑنے کی سزا اکثر اوقات مجرموں کے مارنے کے لئے ایک علیحدہ سزا کے طور پر دی جاتی تھی اور مسیح اور چوروں پر صلیب کے بعد بھی اس سزا کے وارد کئے جانے کا حکم صاف بتاتا ہے کہ صلیب کو بسبب تھوڑا وقت ہونے کے ناکافی خیال کیا گیا اور ایک اور تکلیف دہ صورت موت کی تجویز کی گئی۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ٹانگوں کا توڑنا اس طور پر ہوا کرتا تھا کہ چوٹے سے لیکر پاؤں تک کی تمام ہڈیاں ہتھوڑے کے ساتھ توڑی جاتی تھیں۔ اب جہاں انجیلوں سے یہ ثابت ہے کہ ٹانگیں توڑنے کا حکم دیا گیا تھا کیونکہ صلیب پر اسقدر تھوڑے عرصہ کے لئے مسیح اور دونوں چور رکھے گئے تھے کہ اس سے موت واقعہ نہ ہو سکتی تھی۔ اس جگہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ چوروں کی ٹانگیں توڑی گئیں مگر مسیح کی نہیں توڑی گئیں اور یہ بہانہ کر دیا گیا کہ مسیح مر چکا ہے اس لئے اس کی ٹانگیں توڑنے کی حاجت نہیں ہے مگر جب کہ مسیح چوروں سے زیادہ عرصہ صلیب پر نہیں رہا اور صلیب کا اثر اس قدر کم مانا گیا کہ ایک اور ایسی سخت سزا ان کے لئے تجویز کرنی پڑی جو بغیر صلیب کے بھی موت کا ذریعہ ہو سکتی تھی تو کس طرح پر ہم اس کو تسلیم کر سکتے ہیں کہ مسیح صلیب پر ہی مر چکا تھا۔ بھالے کے زخم کا قصہ رہا سہا بھی اس امر کا فیصلہ کرتا ہے کہ مسیح میں جب وہ صلیب سے اتارا گیا جان باقی تھی کیونکہ لکھا ہے کہ زخم سے پانی اور لہو بہا۔ پانی بہنے سے اگر یہ منشاء ہے کہ واقعی

لہو اور پانی دو الگ الگ سیال نکلے تھے تو اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ پانی صرف معجزہ بنانے کی خاطر بہایا گیا ہے اگر زخم اسقدر بھی گہرا ہوتا کہ دل تک پہنچ جاتا تو بھی پانی کا نکلنا ممکن نہ تھا سوائے اس کے کہ مرض استسقا ہوتا مگر ہم خیال نہیں کرتے کہ انجیل نویس کا یہ مطلب ہو۔ البتہ لہو کا نکلنا صاف اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مسیح ابھی زندہ تھا کیونکہ مرنے کے بعد معاً خون جم جاتا ہے مگر خون کا سیال ہونا اس امر کا یقینی ثبوت ہے کہ جب مسیح صلیب پر سے اتار لیا گیا تو وہ بھی چوروں کی طرح زندہ ہی تھا۔

اس مشکل سے نجات ڈہونڈنے کے لئے عذر خواہان مذہب عیسائی نے بہت سے حیلے تراشے ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ بھی ہے کہ جسطرح چوروں کی زندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے ان کی ٹانگیں توڑی گئیں اسی طرح مسیح کی زندگی کا بہالے سے خاتمہ کیا گیا۔ یہ اصل واقعات کی خلاف بیانی ہے۔ سپاہیوں کو اس قدر وسیع اختیارات حاصل نہ تھے کہ جسطرح چاہتے کسی کو مار ڈالتے اور اگر اُن کو ایک طریق سے مارنے کا حکم ہوتا تو اس کی بجائے وہ خود ایک اور طریق اختیار کر لیتے۔ اُن کو تو یہ ہدایت تھی کہ صلیب پر موت کے نہ واقعہ ہونے کے سبب سے تینوں کی ٹانگیں توڑیں اور اس قانونی حکم کی بجائے وہ خود بخود کوئی دوسرا تجویز نہ کر سکتے تھے۔ ہاں انجیل کے قصہ سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ چوروں کی ٹانگیں توڑی گئیں مگر مسیح کی نہ توڑی گئیں اور اس کے لئے ایک جھوٹا عذر کر دیا گیا۔ یہ بیان نہیں کیا گیا کہ سپاہیوں کو کیونکر معلوم ہو گیا کہ مسیح مر چکا ہے۔ سکتہ یا غشی کیحالت اور حقیقی موت میں امتیاز کرنا اس قدر مشکل امر ہے کہ اس زمانہ کا ایک ڈاکٹر بھی غلطی کھا سکتا تھا کیونکہ اُس وقت کی ڈاکٹری معلومات اس قدر وسیع نہ تھے لیکن انجیل نویس یہہ چاہتے ہیں کہ بغیر چون و چرا کے ہم ایک جاہل پولیس کے آدمی کی رائے کو تسلیم کر لیں خواہ کیسی ہی مضبوط شہادت اس کی تردید کر رہی ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ بے شک صلیب پر تو موت واقعہ نہ ہوئی تھی لیکن بہالے کا زخم ایسا کاری لگا تھا کہ دل تک پہونچگیا تھا اور اسی سے حضرت مسیح مر گئے تو اس کے لئے اناجیل سے کوئی شہادت نہیں ملتی علاوہ ازیں انجیل میں تو یہ لکھا ہے کہ پہلو میں نیزہ چبھویا گیا تھا نہ یہ کہ عین دل کے مقام پر مارا گیا تھا اور نہ ہی یہ کہیں لکھا ہے کہ وہ زخم بڑا گہرا تھا دراصل اس طرح پر نیزہ کو عین دل کے مقام پر مارنا کہ اس سے خون باہر کو نکلے بڑے ہنر کو چاہتا ہے اور محض ایک جاہل سپاہی سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ انسانی بدن کی تشریح سے ایسا واقف ہوتا

جیسے پہلی صورت میں یہ بہانہ کر دیا گیا تہا کہ مسیح صلیب پر مر چکا ہے اس لئے ٹانگیں توڑنے کی ضرورت نہیں اسی قسم کا یہ دوسرا عذر ہے کہ نیزہ کا زخم ایسا کاری تہا کہ مسیح کی ہلاکت کا باعث ہو گیا لیکن جیسا کہ خون کے بہنے میں پہلے عذر کو جھوٹا ثابت کر دیا اور دکھا دیا کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا تہا اسی طرح مابعد کے واقعات نے اور کوئی ایسا یقینی طریق اختیار نہ کئے جانے نے جو واقعی موت کا باعث ہوسکتا یہ ثابت کر دیا کہ زخم محض کوئی چھوٹا سا خراش تہا اور اس سے بھی موت واقع نہیں ہوئی۔

اس طرح پر ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جو واقعات اناجیل میں مذکور ہیں ان سے مسیح کی موت کی کوئی بھی شہادت نہیں ملتی۔ باقی رہے دوسرے تاریخی ذرایع جن پر ہم آگے چلکر غور کرینگے سو ان سے صاف اور یقینی شہادت مسیح کے صلیب سے بچ نکلنے کی ملتی ہے۔ کسی نامعلوم آدمی کا یہ بیان کہ مسیح صلیب پر مر گیا کسی دوسری تردید کا محتاج نہیں کیونکہ انجیل نے ہی خون نکلنے کا قصہ بیان کرکے اس کا جھوٹا ہونا ثابت کر دیا اس طرح پر یوحنا کی انجیل اُن تمام لوگوں کے بیان کو جھوٹا ٹھیراتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مسیح صلیب پر مر گیا تھا اور یقینی طور پر اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ وہ زندہ ہی اتارا گیا۔

اس امر کو عیسائی بھی تسلیم کرنے سے چارہ نہیں دیکھتے کیونکہ دوسری صورت میں یوحنا کی انجیل کو ایک افترائے عظیم ٹھیرانا پڑتا ہے۔ اس طرح پر وہ تمام بیانات انجیل کی رو سے اور تاریخ کی رو سے جھوٹے ٹہرے جن میں یہ مذکور ہے کہ مسیح صلیب پر مر گیا تھا اور جب یہ بیانات جھوٹے ثابت ہو گئے تو اب مسیح کی موت کی کوئی شہادت باقی نہ رہی۔ مردوں میں سے مسیح کا جی اٹھنا ایک ایسا امر ہے جو انسانی روزمرّہ مشاہدہ کے خلاف ہے اور اس لئے اس کے ثابت کرنے کے لئے شہادت بھی ایسی ہی وزنی اور مضبوط ہونی چاہیے۔ لیکن اگر کسی ایسے آدمی کے زندہ دیکھے جانے کا ثبوت ملے جس کی موت کی کوئی معتبر اور یقینی شہادت ہمارے پاس نہیں ہے تو ایسا ثبوت اُس کے مردوں میں سے جی اٹھنے کی کوئی دلیل نہیں ہاں اگر وہ کسی خطرناک حالت میں سے ہو گذرا ہو تو اس کی شفایابی کی یہ دلیل ٹھہر سکتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ بہت لوگ جو مسیح سے بہت زیادہ عرصہ صلیب پر لٹکائے گئے وہ بھی جانبر ہو گئے تو کیا پھر ان سب کو مردوں میں سے اٹھے ہوئے مان لینگے۔ ایسا محاورہ اگر استعارہ کے طور پر ان کے حق میں بولا جاوے تو اس میں تو چنداں حرج نہیں کیونکہ دنیا کے نزدیک وہ مر ہی چکے ہوتے ہیں انہیں معنوں

کے رو سے مسیح نے بھی اپنے شاگردوں کو کہا تھا کہ جی اٹھنے کے بعد میں تم سے آگے گلیل کو جاؤں گا۔ اس لئے اگر ان بیانات کو جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسیح صلیب کے بعد بھی چلتا پھرتا دیکھا گیا صحیح تسلیم کیا جاوے تو اس کے حقیقی طور پر مردوں میں سے جی اٹھنے کے لئے اس کی موت کی اعلیٰ درجہ کی مضبوط شہادت اور قوی دلیل چاہیے کیونکہ صرف اس طرح پر دیکھا جانا اس نتیجہ تک نہیں پہونچاتا کہ وہ جی اُٹھا تھا بلکہ اس نتیجہ تک پہونچاتا ہے کہ وہ مرا ہی نہیں تھا لیکن مسیح کی موت کی ایسی مضبوط شہادت جو یقین کے درجہ تک ثبوت کو پہونچا سکے اناجیل میں نہیں پائی جاتی۔ اس لئے اناجیل کی شہادت بجائے جی اٹھنے کے اس کی شفا پانے پر شاہد ہے اس قسم کی شہادت کے نہ پائے جانے سے ہر زمانہ میں مسیح کی موت کے متعلق شکوک پیدا ہوتے رہے ہیں بلکہ خود اسی وقت یعنی عین صلیب کے وقت پیلاطوس نے اپنی رائے کا یہ اظہار کیا کہ اتنی جلدی مسیح کیونکر مرگیا اس وقت سے لے کر اس زمانہ تک دوستوں اور دشمنوں کے دلوں میں یہ شکوک پیدا ہوتے رہے کہ مسیح واقعہ میں مرا نہیں اگرچہ ابتدا ہی سے حامیان مذہب عیسائی نے یہ عذر گھڑ لیا تھا کہ مسیح کا اس قدر جلدی مرجانا اس کا معجزہ ہے ورنہ واقعات کے رو سے وہ اس قدر جلدی مر نہ سکتا تھا۔

اناجیل متضاد بیانات کا ایک عجیب نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کرتی ہیں یعنی پہلے تو ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ مسیح صلیب پر مرگیا تھا پھر اس کے بعد خون نکلنے کا واقعہ بیان کرکے یہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ صلیب پر مرا نہیں تھا یہ اختلاف بیان دور نہیں ہوسکتا جب تک یہ تسلیم نہ کیا جاوے کہ پہلا بیان جو صلیب پر موت کے متعلق ہے وہ اگر مسیح کو بچانے کی غرض سے نہیں تو کم از کم ناواقفیت کے سبب سے ہے کیونکہ ایسی صورت میں موت کے متعلق قطعی رائے دینا کسی لائق ڈاکٹر کا کام ہوسکتا ہے جو ہرگز بلایا نہیں گیا اور اگر اس کو ہم تسلیم نہ کریں تو پھر انجیلوں کو مختلف اور متضاد بیانات کا ایک مجموعہ ٹھہرا کر ردی میں پھینکنا پڑے گا۔ اگر انجیلوں میں کوئی اس قسم کا بیان بھی ہوتا کہ خون بہنے کے بعد مسیح مرا تھا تو ایسا بیان البتہ بحث اور غور کے لائق ہوتا اگرچہ پھر بھی یہ شبہ باقی رہتا اور اس اعتراض کی گنجایش ہوتی کہ جیسے مسیح کے صلیب پر مرنے کا بیان خود انجیلوں سے ہی غلط ثابت ہوتا ہے ایسے ہی یہ دوسرا بیان بھی پہلے کی طرح جھوٹا ہے لیکن عیسائیت کے حامیوں کے مشکلات اس سے اور بھی بڑھ گئے

ہین کہ کوئی بیان یا واقع خون نکلنے کے قصّے کے بعد ایسا مذکور نہین جس سے مسیح کی موت کی شہادت ملے اس لئے اس امر کا بار ثبوت کہ مسیح یقینی طور پر مر چکا تھا عیسائی صاحبان کے ذمہ ہے اور جب تک اس کی موت کا قطعی ثبوت پیش نہ کیا جاوے اس کے جی اٹھنے کے قصّے بیان کرنا ایک بے معنی اور لغو حرکت ہے۔

واقعہ صلیب کے بعد یسوع کا دیکھے جانا جیسا کہ ہم مفصل پہلے نمبروں مین بیان کر چکے ہین۔ صاف طور پر دکھاتا ہے کہ مسیح کو کوئی نیا جسم نہین ملا تھا بلکہ یہی انسانی جسم اسی ترکیب سے تھا۔ ہر ایک واقع جو اس کے دیکھا جانے یا ملاقات کرنے کے متعلق واقعہ صلیب کے بعد بیان کیا جاتا ہے۔ اس سے اس کے جسم کا انسانی ترکیب اور انسانی احتیاجات کا پابند ثابت ہونے کے علاوہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اُس کی صحت مین اسیطرح بتدریج ترقی ہوئی جیسے کسی خطرناک مرض سے شفا یافتہ انسان کے صحت پانے کی حالت میں ہوتی ہے سب سے پہلے تو یہی امر قابل غور ہے کہ جب تک دو تین دن گذر نہین جاتے وہ قبر سے باہر نہین نکل سکتا یہ خیال کرنا کہ جی اٹھنے کے لئے اُسے اسقدر وقت درکار تھا اور اس سے پہلے وہ جی نہ سکتا تھا پرلے درجکی بیہودگی ہے ہاں سخت کمزوری اور بے ہوشی کے بعد بے شک انسان اس قابل نہیں ہو سکتا کہ جلدی ہی چل پھر سکے سو اس لحاظ سے یہ بالکل صاف بات ہے کہ دو تین دن کے سوائے وہ چلنے پھرنے کے قابل نہ ہو سکتا تھا۔ پھر ہم دیکھتے ہین کہ اُس کے بعد بھی یعنی قبر سے باہر نکلنے کے بعد وہ معاً کوئی بڑا سفر اختیار نہین کر سکا بلکہ پہلے باغ مین چلتا پھرتا رہا پھر آہستہ آہستہ باہر نکلنا شروع کیا اور آخر کار جب کافی طاقت جسم مین دیکھی تو جلیل کا راستہ اختیار کیا جو یہود کے شور و شر اور فتنوں سے امن مین تھا اور جو پہلے سے ہی حواریوں کے ساتھ ملاقات کا مقام قرار پا چکا تھا۔ اور پھر ان تمام صورتوں میں بھیس بدل کر رہا اور ہمیشہ یہ احتیاط کرتا رہا کہ اس کے دشمنوں کو اُس کا پتہ نہ ملجائے۔ علاوہ ازین جسوقت سے یوسف نے اپنے ذمہ اُس کی خبر گیری لی اسی وقت سے وہ تجربہ کار طبیبوں کے زیر علاج رہا یہ محض خیال ہی نہین بلکہ مرہم عیسیٰ کی نہایت مضبوط شہادت سے ایک ثابت شدہ امر ہے لیکن اس کا ذکر ہم آگے اس کے اپنے مقام پر چلکر کرینگے۔

اور منجملہ اُن شہادتوں کے جو انجیل سے ہم کو ملی ہین انجیل متی کی وہ عبارت ہے جو ہم ذیل مین لکھتے ہین۔ "اور قبرین کھل گئین اور بہت لاشین پاک لوگوں کی جو آرام مین تھین اٹھین اور اس کے

اٹھنے کے بعد (یعنی مسیح کے اٹھنے بعد) قبروں سے نکلکر اور مقدس شہر مین جاکر بہتون کو نظر آئین"۔
دیکھو انجیل متی باب ۲۷ آیت ۵۲-اس مین کچھہ شک نہین کہ یہ قصہ جو انجیل مین بیان کیا گیا ہے
کہ مسیح کے اٹھنے کے بعد پاک لوگ قبروں مین سے باہر نکل آئے اور زندہ ہوکر بہتون کو نظر آئے
یہ کسی تاریخی واقعہ کا بیان نہین ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر گویا اسی دنیا مین قیامت نمودار ہو جاتی
اور وہ امر جو صدق اور ایمان دیکھنے کے لئے دنیا پر مخفی رکھا گیا تھا وہ سب پر کھل جاتا اور ایمان
ایمان نہ رہتا اور ہر ایک مومن اور کافر کی نظر مین آنے والے عالم کی حقیقت ایک بدیہی چیز
ہو جاتی جیسا کہ چاند اور سورج اور دن رات کا وجود بدیہی ہے تب ایمان ایسی قیمتی اور قابل قدر
چیز نہ ہوتی جس پر اجر پانے کی کچھہ امید ہو سکتی اگر مقدس لوگ اور بنی اسرائیل کے گذشتہ نبی جن
کی تعداد لاکھوں تک پہونچتی ہے سچ مچ واقعہ صلیب کے وقت زندہ ہو گئے تھے اور زندہ ہو
کر شہر مین آ گئے تھے اور حقیقت مین مسیح کی سچائی اور خدائی ثابت کرنے کے لئے یہ معجزہ دکھایا
گیا تھا جو صدہا نبیوں اور لاکھوں راستبازوں کو ایک دم مین زندہ کر دیا گیا تو اس صورت
مین یہودیوں کو یہ ایک عمدہ موقعہ ملا تھا کہ وہ زندہ شدہ نبیوں اور دوسرے راستبازوں اور
اپنے فوت شدہ باپ دادوں سے مسیح کی نسبت دریافت کرتے کہ کیا یہ شخص جو خدائی کا دعویٰ
کرتا ہے درحقیقت خدا ہے یا کہ اپنے اس دعوے مین جھوٹا ہے اور قرین قیاس ہے کہ اس موقعہ
کو انھوں نے ہاتھہ سے نہ دیا ہوگا اور ضرور دریافت کیا ہوگا کہ یہ شخص کیسا ہے کیونکہ یہودی ان باتون
کے بہت حریص تھے کہ اگر مردے دنیا مین دوبارہ آ جائین تو ان سے دریافت کرین تو پھر جس حالتین
لاکھوں مردے زندہ ہو کر شہر مین آ گئے اور ہر ایک محلہ مین ہزاروں مردے چلے گئے تو ایسے موقعہ کو یہودی
کیونکر چھوڑ سکتے تھے ضرور انھوں نے نہ ایک نہ دو سے بلکہ ہزاروں سے پوچھا ہوگا اور جب یہ مردے
اپنے اپنے گھروں مین داخل ہوئے ہونگے تو ان لاکھوں انسانوں کے دنیا مین دوبارہ آنے سے
گھر گھر مین شور پڑ گیا ہوگا اور ہر ایک گھر مین یہی شغل اور یہی ذکر اور یہی تذکرہ شروع ہو گیا ہو گا کہ مردوں سے
پوچھتے ہونگے کہ کیا آپ لوگ اس شخص کو جو یسوع مسیح کہلاتا ہے حقیقت مین خدا جانتے ہین- مگر چونکہ
مردوں کی اس گواہی کے بعد جیسا کہ امید تھی یہودی حضرت مسیح پر ایمان نہین لائے اور نہ کچھہ نرم دل ہوئے
بلکہ اور بھی سخت دل ہو گئے تو غالباً معلوم ہوتا ہے کہ مردوں نے کوئی اچھی گواہی نہین دی بلکہ بلاتوقف یہ جواب

دیا ہوگا کہ یہ شخص اپنے اس دعوے خدائی میں بالکل جھوٹا ہے اور خدا پر بہتان باندھتا ہے ۔ تبھی تو لاکھوں انسانوں بلکہ پیغمبروں اور رسولوں کے زندہ ہونے کے بعد بھی یہودی اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے اور حضرت مسیح کو مار کر پھر دوسروں کے قتل کیطرف متوجہ ہوئے ۔ بھلا یہ بات سمجھ آسکتی ہو کہ لاکھوں راستباز کہ جو حضرت آدم سے لیکر حضرت یحیٰی تک اس زمین پاک کی قبروں میں سوئے ہوئے تھے وہ سب کے سب زندہ ہو جائیں اور پھر وعظ کرنے کے لئے شہر میں آئیں اور ہر ایک کھڑا ہو کر ہزارہا انسانوں کے سامنے یہ گواہی دے کہ درحقیقت یسوع مسیح خدا کا بیٹا بلکہ خود خدا ہے اسی کی پوجا کیا کرو اور پہلے خیالات چھوڑ دو ورنہ تمہارے لئے جہنم ہے جسکو خود ہم دیکھکر آئے ہیں ۔ اور پھر باوجود اس اعلیٰ درجہ کی گواہی اور شہادت رویت کے جو لاکھوں راستباز مردوں کے مُنہ سے نکلی یہودی اپنے انکار سے باز نہ آئیں ۔ ہمارا کانشنس تو اس بات کو نہیں مانتا ۔ پس اگر فی الحقیقت لاکھوں راستباز فوت شدہ پیغمبر اور رسول وغیرہ زندہ ہو کر گواہی کے لئے شہر میں آئے تھے تو کچھ شک نہیں کہ انہوں نے کچھ اُلٹی ہی گواہی دی ہوگی اور ہرگز حضرت مسیح کی خدائی کو تصدیق نہیں کیا ہوگا ۔ تبھی تو یہودی لوگ مردوں کی گواہیوں کو سنکر اپنے کفر پر پکے ہوگئے اور حضرت مسیح تو اُن سے خدائی منوانا چاہتے تھے مگر وہ تو اس گواہی کے بعد نبوت سے بھی منکر ہو بیٹھے ۔

غرض ایسے عقیدے نہایت مضر اور بد اثر ڈالنے والے ہیں کہ ایسا یقین کیا جائے کہ یہ لاکھوں مردے یا اس سے پہلے کوئی مردہ حضرت مسیح نے زندہ کیا تھا کیونکہ ان مردوں کے زندہ ہونے کے بعد کوئی نیک نتیجہ پیدا نہیں ہوا ۔ یہ انسان کی فطرت میں ہے کہ اگر مثلاً کوئی شخص کسی دور دراز ملک میں جاتا ہے اور چند برس کے بعد اپنے شہر میں واپس آتا ہے تو طبعاً اس کے دل میں یہ جوش ہوتا ہے کہ اس ملک کے عجائب غرائب لوگوں کے پاس بیان کرے اور اس ولایت کے عجیب در عجیب واقعات سے ان لوگوں کو اطلاع دے نہ یہ کہ اتنی مدت کی جدائی کے بعد جب اپنے لوگوں کو ملے تو زبان بند رکھے اور گنگوں کی طرح بیٹھا رہے بلکہ ایسے موقعہ میں دوسرے لوگوں میں بھی فطرتاً یہ جوش پیدا ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے پاس دوڑے آتے ہیں اور اس ملک کے حالات اس سے پوچھتے ہیں اور اگر ایسا اتفاق ہو کہ ان لوگوں کے ملک میں کوئی غریب شکستہ حال وارد ہو جسکی ظاہری حیثیت غریبانہ ہو اور وہ دعویٰ کرتا ہو کہ میں اس ملک کا بادشاہ ہوں جس کے پایہ تخت کا سیر کر کے یہ لوگ آئے ہیں ۔ اور میں فلان فلان بادشاہ سے بھی اپنے شاہانہ مرتبہ میں

اول درجہ پر ہوں تو لوگ ایسے سیاحوں سے ضرور پوچھا کرتے ہیں کہ بھلا یہ تو بتلائے کہ فلاں شخص جو ان دنوں میں ہمارے ملک میں اُس ملک سے آیا ہوا ہے کیا یہ سچ مچ اس ملک کا بادشاہ ہے اور پھر وہ لوگ جیسا کہ واقعہ ہو بتلا دیا کرتے ہیں تو اس صورت میں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے حضرت مسیح کے ہاتھ سے مردوں کا زندہ ہونا فقط اس حالت میں قابل پذیرائی ہوتا جبکہ وہ گواہی جو ان سے پوچھی گئی ہو گی جس کا پوچھنا ایک طبعی امر ہے کوئی مفید نتیجہ بخشتی۔ لیکن اس جگہ ایسا نہیں ہے پس ناچار اسبات کے فرض کرنے سے کہ مردہ زندہ ہوئے تھے اس بات کو بھی ساتھ ہی فرض کرنا پڑتا ہے کہ اُن مردوں نے حضرت مسیح کے حق میں کوئی مفید گواہی نہیں دی ہو گی جس سے اُن کی سچائی تسلیم کیجاتی۔ بلکہ ایسی گواہی دی ہو گی جس سے اور بھی فتنہ بڑھگیا ہو گا۔ کاش اگر انسانوں کی جگہ دوسرے چارپائیوں کا زندہ کرنا بیان کیا جاتا تو اس میں بہت کچھ پردہ پوشی متصور تھی مثلاً یہ کہا جاتا کہ حضرت مسیح نے کئی ہزار بیل زندہ کئے تھے تو یہ بات بہت معقول ہوتی اور کسی کے اعتراض کیوقت جب کہ مذکورہ بالا اعتراض کیا جاتا یعنی یہ کہا جاتا کہ ان مردوں کی گواہی کا نتیجہ کیا ہوا تو ہم فی الفور کہہ سکتے کہ وہ تو بیل تھے ان کی زبان کہاں تھی جو بھلی یا بری گواہی دیتے بھلا وہ تو لاکھوں مردہ تھے جو حضرت مسیح نے زندہ کئے آج مثلاً چند ہندؤں کو بلاکر پوچھو کہ اگر تمہارے فوت شدہ باپ دادے دس بیس زندہ ہو کر دنیا میں واپس آجائیں اور گواہی دیں کہ فلاں مذہب سچا ہے تو کیا پھر بھی تم کو اس مذہب کی سچائی میں شک باقی رہ جائے گا۔ تو ہرگز نفی کا جواب نہیں دیں گے۔ پس یقیناً سمجھو کہ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں کہ اس قدر انکشاف کے بعد پھر بھی اپنے کفر اور انکار پر اڑا رہے افسوس ہے کہ ایسی کہانیوں کی بندش میں ہمارے ملک کے سکھ خالصہ عیسائیوں سے اچھے رہے اور انہوں نے ایسی کہانیوں کے بنانے میں خوب ہوشیاری کی۔ کیونکہ وہ بیان کرتے ہیں کہ اُن کے گرو باوا نانک نے ایک دفعہ ایک ہاتھی مردہ زندہ کیا تھا۔ اب یہ اس قسم کا معجزہ ہے کہ نتائج مذکورہ کا اعتراض اُس پر وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ سکھ کہہ سکتے ہیں کہ کیا ہاتھی کی کوئی بولنے والی زبان ہے کہ تا باوا نانک کی تصدیق یا تکذیب کرتا غرض عوام تو اپنی چھوٹی سی عقل کی وجہ سے ایسے معجزات پر بہت خوش ہوتے ہیں مگر عقلمند غیر قوموں کے اعتراضوں کا نشانہ بن کر کوفتہ خاطر ہوتے ہیں اور جس مجلس میں ایسی بیہودہ کہانیاں کی جائیں وہ بہت شرمندہ ہوتے ہیں

اب چونکہ ہم کو حضرت مسیح علیہ السلام سے ایسا ہی محبت اور اخلاص کا تعلق ہے جیسا کہ عیسائیوں کو تعلق ہے بلکہ ہم کو بہت بڑھ کر تعلق ہے کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ وہ کس کی تعریف کرتے ہیں مگر ہم جانتے ہیں کہ ہم کس کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ ہم نے اُن کو دیکھا ہے لہٰذا ہم اس عقیدہ کی اصل حقیقت کو کھولتے ہیں کہ جو انجیلوں میں لکھا ہے کہ صلیب کے واقعہ کے وقت تمام راستباز فوت شدہ زندہ ہوکر شہر میں آگئے تھے۔

میں واضح ہو کہ یہ ایک کشفی امر تھا جو صلیب کے واقعہ کے بعد بعض پاک دل لوگوں نے خواب کی طرح دیکھا تھا کہ گویا مقدس مردے زندہ ہو کر شہر میں آگئے ہیں اور لوگوں سے ملاقاتیں کرتے ہیں اور جیسا کہ خوابوں کی تعبیر خدا کی پاک کتابوں میں کیگئی ہے مثلاً جیسا کہ حضرت یوسف کی خواب کی تعبیر کی گئی ہے ایسا ہی اس خواب کی بھی ایک تعبیر تھی۔ اور وہ یہ تعبیر تھی کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا اور خدا نے اس کو صلیب کی موت سے نجات دے دی۔ اور اگر ہم سے یہ سوال کیا جائے کہ یہ تعبیر نہیں کہاں سے معلوم ہوئی تو اسکا یہ جواب ہے کہ فن تعبیر کے اماموں نے ایسا ہی لکھا ہے اور تمام معبرین نے اپنے تجربہ سے اس پر گواہی دی ہے چنانچہ ہم قدیم زمانہ کے ایک امام فن تعبیر یعنی صاحب کتاب تعطیر الانام کی تعبیر کو اس کی اصل عبارت کے ساتھ ذیل میں لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے۔ من رائے ان الموتیٰ و ثبوا من قبورھم و رجعوا الی دورھم فانہ یُطلق من فی السجن۔ دیکھو کتاب تعطیر الانام فی تعبیر المنام مصنفہ کنب الزمان شیخ عبدالغنی النابلسی صفحہ ۲۸۹۔ ترجمہ۔ اگر کوئی یہ خواب دیکھے یا کشفی طور پر مشاہدہ کرے کہ مردے قبروں سے نکل آئے اور اپنے گھروں کیطرف رجوع کیا تو اس کی یہ تعبیر ہے کہ ایک قیدی قید سے رہائی پائے گا اور ظالموں کے ہاتھ سے اس کو مخلصی حاصل ہوگی۔ طرز بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا قیدی ہوگا کہ ایک شان اور عظمت رکھتا ہوگا۔ اب دیکھو یہ تعبیر کیسی معقولی طور پر حضرت مسیح علیہ السلام پر صادق آتی ہے اور فی الفور سمجھ آجاتا ہے کہ اسی اشارہ کے ظاہر کرنے کے لئے فوت شدہ راستباز زندہ ہو کر شہر میں داخل ہوتے نظر آئے تا اہل فراست معلوم کریں کہ حضرت مسیح صلیبی موت سے بچائے گئے

اور منجملہ ان انجیلی شہادتوں کے جو ہمکو ملی ہیں انجیل متی کی وہ عبارت ہے جو ذیل میں لکھی جاتی ہے "میں تمسے سچ کہتا ہوں کہ ان میں سے جو یہاں کھڑے ہیں بعضے ہیں کہ جبتک ابن آدم کو اپنی بادشاہت میں آتے دیکھ نہ لیں موت کا مزہ نہ

چکھیں گے"۔ دیکھو انجیل متی باب ۱۶ آیت ۲۸ ۔ ایسا ہی انجیل یوحنا کی یہ عبارت ہے یسوع نے اُسے کہا کہ اگر میں چاہوں کہ جب تک میں آؤں وہ (یعنی یوحنا حواری) یہیں ٹھہرے یعنی یروشلم میں ۔ دیکھو یوحنا باب ۲۱ آیت ۲۲ ۔ یعنے اگر میں چاہوں تو یوحنا نہ مرے جب تک میں دوبارہ آؤں ۔ ان آیات سے بکمال صفائی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے وعدہ کیا تھا کہ بعض لوگ اسوقت زندہ رہیں گے جب تک کہ وہ پھر واپس آوے اور اُن زندہ رہنے والوں میں سے یوحنا کو بھی قرار دیا تھا ۔ سو ضرور تھا کہ یہ وعدہ پورا ہوتا ۔ چنانچہ عیسائیوں نے بھی اسبات کمان لیا ہے کہ یسوع کا اس زمانہ میں جبکہ بعض اہل زمانہ زندہ ہوں پیشگوئی کے پورا کرنے کیلئے آنا نہایت ضروری تھا تا وعدہ کیموافق پیشگوئی ظہور میں آوے ۔ اسی بنا پر پادری صاحبوں کو اس بات کا اقرار ہے کہ یسوع اپنے وعدہ کیموافق یروشلم کی بربادی کیوقت آیا تھا اور یوحنا نے اسکو دیکھا تھا کیونکہ وہ اسوقت تک زندہ تھا مگر یاد رہے کہ عیسائی اس بات کو نہیں مانتے کہ مسیح اسوقت حقیقی طور پر اپنے قرارداد نشانوں کیموافق آسمان سے نازل ہوا تھا بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ایک کشفی رنگ میں یوحنا کو نظر آگیا تا اپنی اس پیشگوئی کو پورا کرے جو متی باب ۱۶ آیت ۲۸ میں ہے مگر میں کہتا ہوں کہ اس قسم کے آنیسے پیشگوئی پوری نہیں ہو سکتی یہ تو نہایت ضعیف تاویل ہے ۔ گویا نکتہ چینیوں سے نہایت تکلف کیساتھ پیچھا چھڑانا ہے ۔ اور یہ معنے اسقدر غلط اور بدیہی البطلان ہیں کہ رد کرنیکی بھی حاجت نہیں کیونکہ اگر مسیح نے خواب یا کشف کے ذریعہ سے کسی پر ظاہر ہونا تھا تو پھر ایسی پیشگوئی گویا ایک ہنسی کی بات ہے ✤ اسطرح تو ایک مدت اس سے پہلے حضرت مسیح پولوس پر ظاہر ہو چکے تھے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئی جو متی باب ۱۶ آیت ۲۸ میں ہے اسنے پادری صاحبوں کو نہایت گھبراہٹ میں ڈال رکھا ہے اور وہ اپنے عقیدہ کیموافق کوئی معقول معنے اسکے نہیں کر سکتے ۔ کیونکہ یہ کہنا انکے لئے مشکل ہے کہ مسیح یروشلم کی بربادی کیوقت اپنے جلال کیساتھ آسمان سے نازل ہوا تھا اور جسطرح آسمان پر ایک چمکنے والی بجلی سبکو نظر آجاتی ہے سب نے اُسکو دیکھا تھا اور انجیل کے اس فقرہ کو بھی نظر انداز کرنا اُن کے لئے آسان نہ تھا کہ اُن میں سے جو یہاں کھڑے ہیں بعضے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اپنی بادشاہت

✤ میں نے بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ اس زمانہ کے مولوی عیسائیوں سے بھی زیادہ متی باب ۱۶ آیت ۲۴ کے پُر تکلف معنی کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جبکہ مسیح نے اپنے آنیکے لئے یہ شرط لگادی تھی کہ بعض شخص اس زمانہ کے زندہ ہونگے اور ایک حواری بھی زندہ ہوگا جب مسیح آئے گا تو اس صورت میں ضروری ہے کہ وہ حواری اب تک زندہ ہو کیونکہ مسیح ابتک نہیں آیا اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ حواری کسی پہاڑ میں پوشیدہ طور پر مسیح کے انتظار میں چھپ کر بیٹھا ہوا ہے ۔ منہ

مین آتے دیکھ نہ لین موت کا مزہ نہ چکھین گے لہذا نہایت تکلف سے اس پیشگوئی کو کشفی رنگ مین مانا گیا مگر یہ نادرست ہے کشفی طور پر تو ہمیشہ خدا کے برگزیدہ بندے خاص لوگوں کو نظر آجایا کرتے ہین۔ اور کشفی طور مین خواب کی بھی شرط نہیں بلکہ بیداری مین ہی نظر آجاتے ہین چنانچہ مین خود اس بات صاحب تجربہ ہوں مین نے کئی دفعہ کشفی طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کو دیکھا ہے۔ اور اور بعض نبیوں سے بھی مین نے عین بیداری مین ملاقات کی ہے اور مین نے اپنے سید و مولے اپنے امام نبی محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی کئی دفعہ عین بیداری مین دیکھا ہے اور باتین کی ہین اور ایسی صاف بیداری سے دیکھا ہے جس کے ساتھ خواب یا غفلت کا نام و نشان نہ تھا اور مین نے بعض اور وفات یافتہ لوگوں سے بھی اُن کی قبر پر یا اور موقعہ پر عین بیداری مین ملاقات کی ہے اور ان سے باتین بھی کی ہین مین خوب جانتا ہوں کہ اس طرح پر عین بیداری مین گذشتہ لوگوں کی ملاقات ہو جاتی ہے اور نہ صرف ملاقات بلکہ گفتگو ہوتی ہے اور مصافحہ بھی ہوتا ہے اور اس بیداری اور روز مرہ کی بیداری مین لوازم حواس مین کچھ بھی فرق نہیں ہوتا۔ دیکھا جاتا ہے کہ ہم اسی عالم مین ہین اور یہی کان ہین اور یہی آنکھین ہین اور یہی زبان ہے مگر غور سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عالم اور ہے اور دنیا اس قسم کی بیداری کو نہین جانتی کیونکہ دنیا غفلت کی زندگی میں پڑی ہے یہ بیداری آسمان سے ملتی ہے یہ ان کو دی جاتی ہے جن کو نئے حواس ملتے ہیں یہ ایک صحیح بات ہے اور واقعات حقہ مین سے ہے بس اگر مسیح اسی طرح یروشلم کی بربادی کے وقت یوحنا کو نظر آیا تھا تو گو وہ بیداری مین نظر آیا ہو اور گو اس سے باتین بھی کی ہوں اور مصافحہ کیا ہو تاہم وہ واقعہ اس پیشگوئی سے کچھ بھی تعلق نہین رکھتا بلکہ یہ وہ امور ہین جو ہمیشہ دنیا مین ظاہر ہوتے رہتے ہین اور اب بھی اگر ہم توجہ کرین تو خدا کے فضل سے مسیح کو یا اور کسی مقدس نبی کو عین بیداری مین دیکھ سکتے ہین لیکن ایسی ملاقات سے متی باب ۱۶ آیت ۲۸ کی پیشگوئی ہرگز پوری نہین ہو سکتی سو اصل حقیقت یہ ہے کہ چونکہ مسیح جانتا تھا کہ مین صلیب سے بچ کر دوسرے ملک مین چلا جاؤنگا اور خدا نہ مجھے ہلاک کرے گا اور نہ دنیا سے اُٹھائے گا جب تک کہ مین یہودیوں کی بربادی اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں اور جب وہ بادشاہت جو برگزیدوں کے لئے آسمان مین مقرر ہوتی ہے اپنے نتائج نہ دکھادے بس ہرگز وفات نہین پاؤنگا اس لئے مسیح نے

یہ پیشگوئی کی تا اپنے شاگردوں کو اطمینان دے کہ عنقریب تم میرا یہ نشان دیکھو گے کہ جنہوں نے مجھپر تلوار اُٹھائی وہ میری زندگی اور مشاہدہ مین تلواروں سے ہی قتل کئے جائینگے سو اگر ثبوت کچھہ چیز ہے تو اس سے بڑھ کر عیسائیوں کے لئے اور کوئی ثبوت نہین کہ مسیح اپنے منہ سے پیشگوئی کرتا ہے کہ ابھی تم مین سے بعض زندہ ہوں گے کہ میں پھر آؤں گا۔

یاد رہے کہ انجیلوں میں دو قسم کی پیشگویاں ہین جو حضرت مسیح کے آنے کے متعلق ہین۔ (۱) ایک وہ جو آخری زمانہ مین آنے کا وعدہ ہے وہ وعدہ روحانی طور پر ہے اور وہ آنا اسی قسم کا آنا ہے جیساکہ ایلیا نبی مسیح کے وقت دوبارہ آیا تھا سو وہ ہمارے اس زمانہ میں ایلیا کی طرح آچکا اور وہ یہی راقم ہے جو خادم نوع انسان ہے جو مسیح موعود ہوکر مسیح علیہ السلام کے نام پر آیا ہے۔ اور مسیح نے میری نسبت انجیل مین خبر دی ہے۔ سو مبارک وہ جو مسیح کی تعظیم کے لئے میرے باب میں دیانت اور انصاف سے غور کرے۔ اور جھوٹا کرنہ کہاوے۔ (۲) دوسری قسم کی پیشگویاں جو مسیح کے دوبارہ آنے کے متعلق انجیلوں میں پائی جاتی ہین وہ درحقیقت مسیح کی اس زندگی کے ثبوت کے لئے بیان کی گئی ہین جو صلیب کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے قایم اور بحال رہی اور صلیبی موت سے خدا نے اپنے برگزیدہ کو بچا لیا جیساکہ یہ پیشگوئی جو ابھی بیان کی گئی۔ عیسائیوں کی یہ غلطی ہے کہ ان دونوں مقاموں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیتے ہین۔ اور اسی وجہ سے بڑی گھبراہٹ اور طرح طرح کے مشکلات اُن کو پیش آتے ہین۔ غرض مسیح کے صلیب سے بچ جانے کے لئے یہ آیت جو متی ۱۶ باب میں پائی جاتی ہے بڑا ثبوت ہے۔
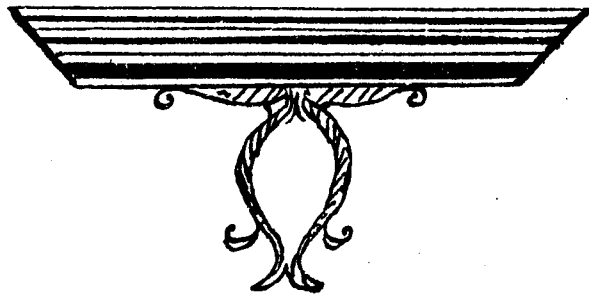
نوٹ اور ریویو

اعلیٰ طبقہ کے عیسائی محققین اور پادری - ایک لیکچر کے متعلق جو ڈاکٹر راؤس نے کلکتہ میں عیسائی کانفرنس کے موقعہ پر "بائیبل کی اعلیٰ درجہ کی تحقیقات" کے مضمون پر دیا + ایک پادریوں کا میگزین ہاروسٹ فیلڈ یوں لکھتا ہے -

"ہم یقین رکھتے ہیں کہ سچائی اور ہندوستان میں کلیسیا کی بہبودی کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ بائیبل کے کلام الٰہی ہونے کے متعلق جو اعتقاد کلیسیا کے عالم فاضل محقق رکھتے ہیں اسپر زیادہ توجہ کیجاوے - ہم خود اخبار انڈین وٹنس کی دانشمندانہ رائے سے بکلی اتفاق رکھتے ہیں جو لکھتا ہے کہ بہت مدت سے ہم اس امر کو محسوس کر رہے ہیں کہ یہ بڑی بیوقوفی ہوگی اور ہندوستانی کلیسیا اور خصوصاً ان تعلیم یافتہ نوجوانوں کے حق میں جو بکثرت آگے بڑھ رہے ہیں پرلے درجہ کی بے انصافی ہوگی کہ ان سے اُس انقلاب عظیم کا علم عمداً چھپایا جاوے جو مغرب میں بائیبل کیمتعلق شروع ہو گیا ہے یہ یقینی بات ہے کہ اگر سازش کیطور پر اس معاملہ میں خاموشی اختیار کیگئی تو پھر آخرکار خودبخود طبیعتیں ایسی طور پر اس انقلاب کو قبول کرنیکے لئے تیار ہو جاوینگی کہ جسکا نتیجہ عیسائیت کے لئے بہت مضر ہوگا - کلیسیا ہندوستانی عہدہ داروں کا بڑا حصہ بائیبل کیمتعلق ان نئے اعتقادات سے بالکل بیخبر ہے جو یورپ اور امریکہ میں کثرت سے مشنری لوگ رکھتے ہیں - جیساکہ کانفرنس کے موقعہ پر ایک لیکچرار نے بیان کیا کہ بہت سارے نوجوان کلیسیا کیلئے اسوقت طیار کئے جارہے ہیں جنکو بائیبل کیمتعلق یہ تعلیم دیجاتی ہے کہ اس کے الفاظ الہامی ہیں اور یہ غلطیوں سے بالکل پاک ہے اس قسم کی تعلیم دینا بڑی بیوقوفی کے ساتھ دشمن کیمقابل میں بازی ہار دینا ہے اور صداقت کے برخلاف یہ ایک بڑی بغاوت ہے کہ بائیبل کو غلطیوں سے پاک اور اس کے الفاظ کو خدا کا کلام کہا جائے -"

اس طرح پر بائیبل موجودہ تحقیقات کے زبردست رو کے سامنے ایک تنکے کیطرح بہ گئی ہے اور اسی قابل یہ تھی - موجودہ اعتقاد عیسائی مذہب کا اس کے متعلق یہ ہے کہ نہ تو یہ خدا کا کلام ہے اور نہ ہی غلطیوں سے پاک ہے اور ہمیں اس سے بھی خوشی ہے کہ پادری صاحبان نے بھی اس اعتقاد کی

سچائی کو تسلیم کر لیا ہے مگر یہ ابھی تک ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی کتاب کو پھر مدار نجات کیوں ٹھہرا رکھا ہے جو خود غلطیوں سے پاک نہیں وہ دوسرے کو کیونکر پاک کر سکتا ہے۔ اور خود تجربہ اس پر شاہد ہے کہ بائیبل انسانوں کو غلطیوں اور گناہوں سے پاک کرنے میں ناکام ثابت ہوئی ہے علاوہ ازیں اگر بائیبل کے بعض حصوں میں غلطیاں ہیں اور بعض میں سچائیاں۔ تو عیسائیوں کے ہاتھ میں کونسی کسوٹی ہے جس سے وہ غلطیوں کو سچائیوں سے الگ کر سکتے ہیں۔ اگر عقل کو ایسی کسوٹی مانا جائے تو پھر عیسائیوں کو صاف طور پر تسلیم کرنا چاہیئے کہ انکے مذہب کی بنا وحی الہی پر نہیں ہے بلکہ عقل پر ہے۔ لیکن اگر ایسی کسوٹی وحی الہی کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتی تو یقیناً کسی سچی پاکیزہ اور قابل اعتبار وحی الہی کی جو تمام غلطیوں سے پاک ہو ضرورت ہے تاکہ وہ بائیبل کی غلطیوں کو الگ کر کے پھینکدے اور سچائیوں کو لیلے ایسی وحی الہی صرف ایک ہی کتاب میں پائی جاتی ہے کیونکہ قرآن شریف ہی صرف ایک ایسی کتاب ہے جسے یہ دعوے ہے کہ وہ خدا کا سچا اور خالص کلام ہے جس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں ہے اور ہر ایک کھوٹ سے اور باطل سے پاک ہے قرآن کریم ہی ہے جس نے پہلے دنیا پر یہ امر واضح کیا کہ بائیبل ایک محرف مبدل کتاب ہے اور اس طرح پر اپنی ضرورت کو ثابت کیا جو خالص اور سچا کلام الہی ہے۔ یہ امر بڑا خوشی دینے والا ہے کہ بائیبل کے متعلق جو دعوے قرآن کریم نے لیا تھا اسی کو آخر عیسائیوں نے سنتے کہ پادریوں نے بھی تسلیم کر لیا۔ ہاں ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ایسی کتاب کو جو بموجب اعتقاد عیسائی صاحبان غلطیوں سے پاک نہیں دنیا میں پھیلانے کے لئے اس قدر جوش کیوں دکھایا جاتا ہے۔ کیا یہ ٹھیک ہے کہ غلطیوں کو دنیا میں پھیلا کر وہ دنیا کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں محققین مذہب عیسائی کی رائے کو اور بائیبل کی غلطیوں کو تسلیم کر کے عیسائی مذہب ایک دم کے لئے بھی قایم نہیں رہ سکتا۔ سب سے بڑی معتبر کتاب میں جس میں بائیبل کے متعلق موجودہ خیالات اور اعتقادات کو ظاہر کیا گیا ہے یعنی انسکلوپیڈیا ببلیکا یا مخزن العلوم بائیبل جو ولایت میں عیسائیوں کے اہتمام میں چھپ رہی ہے۔ کالم ۱۸۸۱ جلد ۲ میں یہ لکھا ہے کہ تمام انجیلوں میں صرف پانچ فقرے یسوع کے متعلق ایسے ہیں جو بالکل قابل اعتبار مانے جا سکتے ہیں اور وہ پانچ فقرے حسب ذیل ہیں اول مرقس ۱۰/۱۷ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں سوائے خدا کے۔ دوئم متی ۱۲/۳۱ کا بیان کہ ابن آدم کے متعلق گناہ بخشا جا سکتا ہے۔ سویم مرقس ۳/۲۱ کا

بیان کہ یسوع کے رشتہ دار اسے پاگل سمجھتے تھے چہارم مرقس ۱۳ باب ۳۲ اس دن اور اس گھڑی کو کوئی نہیں جانتا (یعنی قیامت کو) نہ آسمان کے فرشتے اور نہ بیٹا ہی - بلکہ صرف باپ پنجم مرقس ۱۵ باب ۳۴ اور متی ۲۷ باب ۴۶ میرے خدا میرے خدا تونے کیوں مجھے چھوڑ دیا ہے - اس کے بعد پروفیسر شمیڈل جو کہ زیورچ کی یونیورسٹی میں تفسیر انجیل کا پروفیسر ہے لکھتا ہے کیونکہ اس سارے مضمون کا لکھنے والا ایسی کلیسیا کا عظیم الشان عہدہ دار ہے کہ یہ فقرے "جنکو یسوع کی علمی زندگی کے بنیادی پتھر کہا جا سکتا ہے قطعی طور پر اس امر کو ثابت کرتے ہیں کہ یسوع کی ذات میں ہمارا معاملہ ایک خالص انسان کے ساتھ ہے اور یہ کہ اگر کوئی الوہیت اس میں ہے تو وہ اسی رنگ میں ہے جسمیں کہ وہ انسانوں میں پائی جاتی ہے"۔ یعنی یسوع میں کوئی نرالی الوہیت نہیں بلکہ اسی قسم کی ہے - جیسے دوسرے برگزیدوں میں پائی جاتی ہے ہم امید رکھتے ہیں کہ پادری صاحبان ان عظیم الشان سچائیوں کا صاف صاف اقرار کرکے مشتہر کر دینگے اور یسوع کی خدائی کے جھوٹے عقیدے پر لعنت ڈالینگے -

روح اللہ - عیسائی اخبار ایپی فینی کا ایک نامہ نگار جو اپنے آپ کو ہندو ظاہر کرتا ہے ۱۸ - اپریل ۱۹۰۳ء کے اخبار میں لکھتا ہے کہ مسلمانوں کے قرآن میں چار پیغمبروں " یعنی ابراہیم - موسیٰ - عیسیٰ اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم " کے ناموں کے بعد خاص خطاب خلیل اللہ - کلیم اللہ - روح اللہ - اور حبیب اللہ استعمال کئے گئے ہیں" اور ایڈیٹر اخبار مذکور بھی اس تحریر کو بغیر کسی نوٹ کے چھاپنے سے اسی کی تائید کرتا ہے - قرآن کریم سے ایسی جہالت اور ناواقفیت خصوصاً جبکہ ان تحریروں کو مخالفت کے رنگ میں ہزارہا انسانوں میں شایع کیا جاتا ہے نہایت ہی قابل افسوس ہے امر واقعہ یہ ہے کہ ان کلمات میں سے کوئی کلمہ بھی نہ ان نبیوں کے نام کے بعد اور نہ ہی کسی اور نبی کے نام کے بعد استعمال کیا گیا ہے اسمیں شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ کی پیدایش کا ذکر کرتے ہوئے قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے روح منہ فرمایا ہے مگر یہ بالکل الگ بات ہے ان الفاظ کا منشا تو صرف اس اعتراض کو دور کرنا ہے جو یسوع کی پیدایش کو ناپاک اور ناجائز قرار دیتا ہے - یسوع کی پیدایش کے متعلق یہودیوں کا یہ نہایت ہی ناپاک اعتراض چلا آتا تھا - کہ اسکی ولادت ناجائز ہے اور اسلئے قرآن شریف کے لئے ضروری تھا کہ قبل اسکو پیغمبر منوانے کے اس ناپاک اعتراض کا دفعیہ کرتا - ہر ایک انسان سمجھ سکتا ہے کہ جو روح ناجائز تعلق کیوجہ جو خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون نکاح کے خلاف ہو دنیا میں آوے اسکو استعارہ کے رنگ میں شیطانی روح کہا جائیگا - چنانچہ یہودی حضرت مسیح کی نسبت بعینہ یہ الفاظ استعمال کرتے تھے - اور اس ناپاک حملے کو دور کرنیکے لئے قرآن شریف نے یہ فرمایا کہ اسکی روح شیطانی نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہے

یعنی پاک روح ہے۔ ناپاک روح کو دوسرے موقعہ پر قرآن شریف نے شیطانی روح ٹھیرایا ہے اس سے ظاہر ہے کہ کیوں اسی قسم کے الفاظ دوسرے انبیا کی نسبت استعمال نہیں کئے گئے۔ کسی نبی کی پیدایش کے متعلق ناجائز ولادت کی ناپاک تہمت نہیں لگائی گئی سوائے حضرت مسیح کے اور اس لئے صرف مسیح کی صورت میں ہی قرآن شریف کو یہ کہنے کی ضرورت پیش آئی کہ اس کی ولادت پاک ہے اور اس کی روح خدا کی طرف سے ہے نہ شیطانی۔ دوسرے انبیاء کی روح کو کبھی کسی نے شیطانی نہیں کہا اس لئے قرآن شریف کو ضرورت نہ تھی کہ انکی نسبت کسی ایسے اعتراض کا ذب کرنے کے لئے وہ الفاظ استعمال کرتا۔ جو حضرت مسیح کے لئے کئے۔ غرض کہ حضرت عیسیٰ کی نسبت لفظ روح منہ کے استعمال سے قرآن کریم کی غرض صرف دفع اعتراض ولادت ناجائز ہے اور کچھ نہیں۔ قرآن کریم کے الفاظ ضرورت کے مطابق نازل ہوئے ہیں اور یہ لفظ جو حضرت مسیح کی نسبت بیان فرمائے تو ضرورت ہی پیش آئی تھی کہ ان کی ولادت کو ناپاک کہا گیا تھا۔ اس اعتراض کو دفع کر کے قرآن شریف نے حضرت مسیح کی ولادت کو ایسا ہی پاک قرار دیا ہے جیسے کہ دوسرے انبیا کی ولادت اس کے نزدیک پاک ہے اسی کی تائید میں ہم یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت مریم کو قرآن شریف کا صدیقہ کہنا بھی اسی بات کیطرف اشارہ ہے۔ ایسا لفظ حضرت مریم کی نسبت استعمال کرنے سے یہ غرض نہیں کہ مریم کے سوائے کوئی عورت صدیقہ نہیں ہوئی بلکہ غرض صرف یہی ہے کہ چونکہ حضرت مریم پر زنا کی تہمت لگائی گئی تھی اس لئے اُن کی تطہیر قرآن شریف نے اس بیان سے کی ہے اور اس تہمت کو جھوٹا ٹھیرا کر حضرت مریم کو صدیقہ کے لقب سے یاد فرمایا۔ حضرت مریم کی پاکدامنی پر الزام لگایا گیا جیسا کہ اس کے بیٹے کی ولادت پر لگایا گیا تھا اس لئے قرآن شریف نے اسکا ذب کر دیا ایسا ہی اس حدیث کا منشا ہے جسمیں لکھا ہے کہ مریم اور اسکا بیٹا مس شیطان سے پاک ہیں کیونکہ یہودی ماں اور بیٹے دونوں کیطرف شیطانی کام اور شیطانی صفات بہ سبب عداوت کے منسوب کرتے تھے اس لئے ضروری تھا کہ نبی علیہ السلام دونو برگزیدوں کو مس شیطان سے یعنی شیطانی تعلقات سے پاک بیان فرماتے اس حدیث کا منشا بھی صرف دفع اعتراض ہی ہے ورنہ گناہ کرنے یا نہ کرنے سے اسکو کوئی تعلق نہیں ہے۔

گذشتہ دس سال میں مسلمانونکی ہند میں ترقی

۱۹۱۱ء کی مردم شماری سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ مسلمانوں نے اپنے مذہب کے پھیلانے کے ذرایع بہت ہی کم ہیں پھر بھی جو ترقی ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد میں ہوئی ہے وہ ان سب ترقیوں کے مجموعہ سے بہت بڑھکر ہے جو دیگر تمام مذاہب میں ہوئی ہیں مفصلہ ذیل اعداد اُسکی تفصیل کرتے ہیں۔ ۱۸۹۱ء سے لیکر ۱۹۰۱ء تک ہندؤوں کی تعداد میں پانچ لاکھ پچاسی ہزار کی کمی ہوئی ہے عیسائیوں

کی تعداد میں چھ لاکھ انتالیس ہزار کی زیادتی ہوئی۔ بدھ مذہب والوں کی تعداد میں تئیس لاکھ
بینتالیس ہزار کی زیادتی ہوئی ہے۔ اور سکھوں کی تعداد میں ایک لاکھ نناسی ہزار چار سو
کی ترقی ہوئی ہے اس طرح پر ان تمام مذاہب میں جو زیادتیاں ہوئی ہیں ان کو اگر جمع کیا جاوے
تو دس سال میں تمام مذاہب کی ترقی ملک ہندوستان میں بحیثیت مجموعی پچیس لاکھ چھیاسی
ہزار چار سو ہوتی ہے جس میں سے مسلمان صرف الگ ہیں اسی عرصہ میں مسلمانوں کی ترقی پچاس
لاکھ سے بھی زیادہ ہوئی ہے جو دیگر تمام مذاہب کے مجموعہ ترقی سے دوگنی ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے
کہ ہندوستان کی کل آبادی جو انتیس کروڑ چالیس لاکھ کے قریب ہے اس میں مسلمان صرف چھ
کروڑ ساڑھے باراں لاکھ ہیں یعنی کل مردم شماری میں صرف اکیس فیصدی کے قریب۔ یہ حیرت
انگیز ترقی مذہب اسلام کی ملک ہند میں بمقابلہ طرح طرح کی رکاوٹوں اور کم سامانیوں کے صرف اسکے
اصول کی سادگی اور کشش کے باعث ہے تاہم یہ افسوس کا مقام ہے کہ چھ لاکھ انتالیس ہزار کی ترقی کا
جو مذہب عیسائی میں ہوئی ہے کثیر حصہ دوسرے مذاہب سے لیا گیا ہے اور ان میں بہت سے ایسے ہیں جو اسلام
کو چھوڑ کر نصرانیت کیطرف گئے ہیں۔ یہ نتیجہ سچے اصول میں ان اصولوں کے ملا لینے کا ہے جو عیسائیت
کے جھوٹے اعتقاد سے جاہل انسانوں کو فریب کر دیتے ہیں کیا یہ سچ نہیں کہ جس زمانہ میں خالص اور
سچے اصول مذہب اسلام کے تھے تو کبھی کبھا عیسائی اپنے مذہب کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوتے تھے
حالانکہ برعکس اس کے اب یہ حالت ہے کہ مسلمان اپنے سچے مذہب کو چھوڑ کر عیسائیت کے بطلان کیطرف جاتے ہیں

حضرت مسیح کی قبر

جناب اڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ از راہ مہربانی میری اس چٹھی کو اپنے
رسالہ میں جگہ دیکر ممنون فرماویں۔

کلکتہ کے عیسائی اخبار ایپی فینی مورخہ ۱۱۔ اپریل ۱۹۰۳ء میں ایک گمنام چٹھی چھپی ہے جس میں یہ کوشش کی گئی ہے
کہ جو امور حضرت میرزا غلام احمد صاحب نے سرینگر کی قبر کی نسبت شائع کئے ہیں ان کی تردید کیجاوے چٹھی کے لکھنے
والا اکثر امور کو جو میرزا صاحب نے شائع کئے ہیں قبول کرتا ہے اور جہاں وہ حضرت میرزا صاحب سے اختلاف کرتا ہے۔ وہاں

وہ اپنے اختلاف کے لئے کوئی دلیل پیش نہیں کرتا۔ وہ مانتا ہے کہ یہ قبر نبی یوز آسف کی قبر کے نام سے مشہور ہے۔ اس بات کو مانکر پھر بھی وہ یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ یوز آسف کوئی اسلامی ولی تھا۔ جسکو مرے دوسو برس سے زیادہ نہیں ہوئے۔ اسکا یہ نتیجہ صرف طرز عمارت پر مبنی ہے۔ وہ لکھتا ہے "اس قبر کے مسالح اور طرز تعمیر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ عمارت دوسو برس کی ہوگی۔ لیکن اغلب تو یہ ہے کہ اس سے بھی بہت پیچھے کی ہے"۔ اگر ہم مان بھی لیں۔ کہ یہ عمارت دوسو برس سے زیادہ کی نہیں ہے۔ تو کیا اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ کہ یوز آسف کو گذرے صرف دوسو برس ہوئے ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتا۔ کہ قدیمی عمارتوں کی اکثر مرمت کیجاتی ہے اور جب ایک پورا مکان زمانی کے ہاتھوں سے تباہ ہو جاتا ہے تو اس کی بجائے نئی عمارتیں بنانی پڑتی ہیں۔ صرف یہی امر کہ کشمیر کے مسلمانوں میں یہ شخص نبی کے نام سے مشہور ہے۔ اس خیال کی تردید کیلئے کافی ہے کہ وہ ایک اسلام کا ولی تھا۔ کوئی سمجھدار آدمی یہ خیال نہیں کرے گا۔ کہ جو شخص مسلمانوں میں نبی کے نام سے مشہور ہے۔ وہ ایک مسلمانوں کا ولی تھا۔ اگر ایک مسلمان ولی معجزات بھی دکھائے مسلمان اس کو کبھی نبی کا خطاب نہیں دینگے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ اس لئے یوز آسف کا کشمیر کے مسلمانوں میں نبی کے نام سے مشہور ہونا صاف طور پر ظاہر کرتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ وسلم کے زمانے سے پہلے کا ہے اور جو شخص اس کو ایک مسلمان ولی سمجھتا ہے۔ وہ عام مسلمانوں کے مشہور اعتقادات سے اپنی جہالت کا ثبوت دیتا ہے۔ اس نامہ نگار کی تردید کیلئے خود اس کی چٹھی کی شہادت کافی ہے۔

اوّل۔ وہ بیان کرتا ہے۔ کہ اس مقام کے لوگ یوز آسف کو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا میں سے سمجھتے ہیں۔ یہ شہادت ظاہر کرتی ہے کہ یوز آسف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا جن میں یوز آسف کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ یہ سب ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذرے ہیں۔ اور کوئی بھی بعد کا نہیں ہے۔

دوم۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ یوز آسف کا نبی کے نام مشہور ہونا ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذرا ہے۔ ہم کسی ایسے کشمیری نبی کو نہیں جانتے۔ جو دوسو سال کے اندر گذرا ہو۔

سوم۔ یہ نامہ نگار ہمیں خبر دیتا ہے کہ یہ قبر یوز آسف کے مقبرے کے نام سے مشہور ہے یہ شہادت بھی ظاہر کرتی ہے کہ یہ ایک قدیم زمانے کا نبی ہے۔ یہی یوز آسف ہے جو یورپ میں سینٹ جوآزف یا سینٹ جوزافٹ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے متعلق ایک قصہ بھی بنا ہوا ہے۔ سینٹ جوآزف کا قصہ یورپ کو پہلے پہل سینٹ جوہن دمشقی کی ایک یونانی کتاب کے ذریعہ سے پہنچا۔ جو آٹھویں صدی میں لکھی گئی۔ اس قصہ کے اس سے بھی پیشتر کے نسخے ہیں۔ اور یہ بات بڑی قوی ہے۔ کہ یوز آسف پہلی صدی عیسوی میں گذرا ہے یوز آسف کو عیسائیوں نے اپنا ایک ولی مقرر کیا۔ اور اس کے نام کا ایک گرجا شہر پلرمو جزیرہ سسلی میں اب تک موجود ہے۔ اس کے ولی مقرر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی تعلیم اور مثالیں مسیح کی تعلیم اور مثالوں سے نہایت ہی مشابہ تھیں۔ اور بعض تو بعینہ وہی تھیں۔ اس لئے غلطی سے اس کو مسیح کا شاگرد سمجھا گیا۔ یوز آسف کے قصے کے بعض نسخے بصراحت بیان کرتے ہیں کہ وہ کشمیر میں فوت ہوا۔ یوز آسف کے قصوں میں ممکن ہے کہ بہت سا جھوٹ ملا ہوا ہو مگر ان سے اتنی بات یقیناً ثابت ہوتی ہے کہ یوز آسف کوئی حال کا اسلامی ولی نہیں ہے۔

یہ بے نام نامہ نگار حضرت میرزا صاحب کو بڑی جرأت سے بناوٹ اور جعل کا الزام لگاتا ہے۔ حضرت میرزا صاحب نے اس قبر کی نسبت بعض ایسے امور شائع کئے جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ شخص مسیح ابن مریم تھا جو کشمیر میں آکر فوت ہوا۔ ان کی بعض باتیں تو یہ نامہ نگار مانتا ہے مگر باقی کو یہ محض جھوٹ قرار دیتا ہے۔ یہ شخص بظاہر ایک دیسی عیسائی ہے جو پنجاب کا رہنے والا ہے۔ اس نے بہت ہی ناقص اور نامکمل تحقیقات کی ہے۔ خود اس کی چٹھی سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کی تحقیقات صرف چند ایک آدمیوں تک محدود رہی۔ جو اتفاقاً قبر کے پاس اس وقت موجود تھے۔ اگر یہ حضرت میرزا صاحب کے بیانات کی تردید کرنا چاہتا تھا۔ جو آپ نے بڑی شجاعت کے ساتھ دنیا میں بھی شائع کئے ہیں تو اس کو چاہیے تھا کہ اپنی تحقیقات کے دائرہ کو بہت وسیع کرتا۔ اور اس اہم کام کے لئے بہت سا وقت خرچ کرتا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس دیسی عیسائی نے عمداً اپنی تحقیقات کو وسیع نہیں کیا تا ایسا نہ ہو کہ

پیچ کھلجائے۔ اس نے چند مبہم جوابات پر قناعت کر لی۔ جو اسکو اُن لوگوں سے ملے جو اتفاقاً وہاں موجود تھے اگر وہ اپنی تحقیقات کے دائرہ کو وسیع کرتا۔ تو یقیناً اسکو کئی ایسے آدمی ملتے جو اسکو وہ تمام باتیں بتلاتے۔ جو حضرت میرزا صاحب کی تحریروں میں پائی جاتی ہیں۔

اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت میرزا صاحب کا اعلان ایسی نکمی تحقیقات پر مبنی نہیں ہے۔ جیسا کہ اس نے سری نگر میں جاکر کی ہے۔ حضرت میرزا صاحب نے صرف اسی غرض کے واسطے چند آدمی کشمیر بھیجے۔ یہ لوگ اچھے تعلیم یافتہ اور کشمیری زبان سے خوب واقف تھے اُنھوں نے ایک لمبے عرصہ تک وہاں رہ کر بڑے اطمینان کے ساتھ تحقیقات کی۔ ناخواندہ لوگوں کی بے شمار زبانی شہادتوں کے علاوہ اُنھوں نے پانسو آدمیوں کے تحریری بیانات اور دستخط حاصل کئے جنھوں نے ان تمام امور کی شہادت دی۔ جو حضرت میرزا صاحب نے بعد میں عام لوگوں کی واقفیت کے لئے شائع کئے۔ حضرت میرزا صاحب کی اس کامل تحقیقات کے مقابل میں ایک ایسے دیسی عیسائی کی سرسری اور متعصبانہ تحقیقات کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ جس میں اتنی بھی جرأت نہیں کہ اپنے نام کو ہی ظاہر کرے +

سچ تو یہ ہے۔ کہ جتنے امور اس بے نام نامہ نگار نے واقعی طور پر تحقیقات کئے ہیں۔ وہ حضرت میرزا صاحب کے بیانات کے بالکل مطابق ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے۔ کہ حضرت میرزا صاحب نے اس عیسائی نامہ نگار کی نسبت زیادہ امور دریافت کئے ہیں۔ اور زیادہ محنت اٹھائی ہے۔ اس گمنام شخص کی یہ حرکت بہت ہی قابل نفرین ہے۔ کہ اس نے حضرت میرزا صاحب کو جعل اور بناوٹ کا الزام لگایا ہے۔ جن لوگوں سے اس نے دریافت کیا۔ اُنہوں نے صاف شہادت دی کہ یہ یوز آسف کی قبر ہے۔ پھر بھی یہ شخص ایسا نادان ہے کہ حضرت میرزا صاحب کو جعل کا الزام لگاتا ہے۔ اس نے کسی کو ان امور کا انکار کرتے ہوئے نہیں سُنا۔ جو حضرت میرزا صاحب نے اس قبر کے متعلق شائع کئے ہیں۔ اور اگر وہ اُن سے بالصراحت سوال کرتا۔ تو ممکن تھا۔ کہ وہی لوگ حضرت میرزا صاحب کے

بیانات کی تصدیق کرتے۔ اگر یہ اُنھون نے بالصراحت بیان نہیں کیا۔ کہ یوز آسف ایک شہزادہ تھا۔ جو انیس سو برس ہوئے ایک غیر ملک سے یہان آیا تھا۔ مگر ان کے بیانات میں کافی شہادت ہے۔ جس سے ان سب امور کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً خود یوز آسف کا نام اس بات کی شہادت ہے کہ وہ شہزادہ تھا۔ یہ نام بہت سی پُرانی کتابوں اور تاریخوں میں مذکور ہے۔ جس میں اسکو بلا اختلاف شہزادہ بیان کیا گیا ہے۔ اسکا غیر ملک سے آنا بھی بدلائل ذیل واضح ہو۔

اوّل۔ یوز آسف ایک ہندی نام نہیں ہے اس لئے جس شخص کا نام ہے وہ ضرور کسی غیر ملک کا باشندہ ہوگا۔

دوم۔ لفظ نبی بھی ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہندوستان کا باشندہ نہیں کیونکہ اس صورت مین وہ اوتار یا بُدھ کے نام سے مشہور ہونا چاہیے تھا۔ لفظ نبی سے اس کا اسرائیلی نبی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ نام کسی اور قوم کے بزرگوں پر اطلاق نہیں پاتا۔

اِن باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نامہ نگار کی چٹھی میں کوئی ایسی بات نہیں جو کہ مرزا صاحب کے بیانات کے مخالف ہو۔ بلکہ اس کی چٹھی حضرت مرزا صاحب کی رائے کی تائید کرتی ہے۔ اور اس لئے اُس نے نہایت ہی بُری حرکت کی ہو کہ میرزا صاحب کو جھوٹا الزام لگایا ہے۔ وہ اپنی چٹھی کے عنوان پر لکھتا ہے یوز آسف کی قبر کی اصلیت۔ مگر ہم تعجب سے دیکھتے ہیں کہ اس چٹھی میں کوئی بھی نئی بات نہیں اُس کی یہ رائے یوز آسف ایک اسلامی ولی تھا۔ جس کو گذرے ہوئے دو سو برس بھی نہیں ہوئے۔ یہ اس کی ایک ذاتی رائے ہے جس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ جو واقعات وہ پیش کرتا ہے وہ میرزا صاحب کی رائے کی تائید کرتے ہیں +

حضرت میرزا صاحب نے اپنے اشتہار میں ایک کتبے کا بھی ذکر کیا ہے یہ شخص اس کے وجود سے ہی انکار کرتا ہے۔ اور بیان کرتا ہے کہ یہ میرزا صاحب کی اپنی ایجاد ہے۔ اس بیچارے نے سری نگر جانے میں بے فائدہ تکلف اُٹھائی اور وہ پوری تحقیقات کرتا تو کبھی ایسی بیہودگی کا مرتکب نہ ہوتا۔ اس کو معلوم

ہونا چاہیئے کہ یہہ کتبہ مسیح کی قبر سے ایک میل کے فاصلہ پر کوہ سلیمان کی چوٹی پر ایک قلعہ کے اندر پڑا ہے۔

وہ بیان کرتا ہے کہ یہ قبر عام طور پر زنگا صاحب کے نام سے مشہور ہے مگر سری نگر میں کوئی قبر اس نام کی موجود نہیں معلوم ہوتا ہے کہ چھپنے میں غلطی ہوئی ہے روضہ کی جگہ رنگہ لکھا گیا (کیونکہ انگریزی حروف میں یہ دونوں لفظ بہت متشابہ ہیں) اس قبر کا نام روضہ بل مشہور ہے۔ روضہ کا لفظ عام طور پر قبروں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بل کشمیری میں اجتماع کی جگہ کو کہتے ہیں اور بھی بہت سے مقامات ہیں جن میں بل کا لفظ آتا ہے مثلاً یا ربل۔ تاربل۔ جہابل۔

یہ نامہ نگار بڑی سادگی سے بیان کرتا ہے کہ مسیح کی موت صلیب پر ایک تاریخی واقعہ ہے۔ اگر مسیح علیہ السلام صلیب پر مر گئے تھے تو جب آپکے پہلو کو برچھی سے چھیدا گیا تو کیوں خون نکل آیا۔ صلیب پر صرف تین گھنٹے لٹکنا موت کا باعث نہیں ہوسکتا تھا۔ جو دو آدمی حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ صلیب پر چڑھائے گئے تھے وہ بالکل زندہ اور پورے ہوش و حواس کے ساتھ اُترے۔ حضرت مسیح علیہ السلام قبر سے نکلے۔ قریباً ایک سو میل کا سفر پیادہ پا کیا۔ لوگوں کی انگلیاں میخوں کے زخموں میں ڈلوا کر اپنے خاکی جسم کا ثبوت دیا۔ حواریوں کے ساتھ ملکر کھایا اور پیا۔ اور مرہم حوارین کے استعمال سے اپنے صلیبی زخموں کا علاج کیا۔ اور اس طرح اپنی اس پیشگوئی کو پورا کیا کہ بجز یونس ع نبی کے معجزہ کے سوائے اور کوئی معجزہ نہیں دکھاؤں گا۔ جس طرح یونس ع زندہ ہی مچھلی کے پیٹ میں داخل ہوئے اور زندہ ہی نکلے۔ ایسا ہی حضرت مسیح علیہ السلام زندہ قبر میں داخل ہوئے اور زندہ نکلے۔ مگر باوجود اتنی شہادتوں کے یہ سادہ لوح عیسائی کہتا ہے کہ مسیح ع کی موت صلیب پر ایک تاریخی واقعہ ہے۔

یہ شخص مرہم حوارین کا بڑی حقارت کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔ یہہ مرہم جسکو مرہم عیسیٰ اور مرہم رسل بھی کہتے ہیں۔ کوئی ایسی چیز نہیں جسکا نام آج سنا گیا ہو بلکہ کثیر التعداد قدیمی طبی کتابوں میں مذکور ہے جن میں بالاتفاق بیان

کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں نے آپ کے زخموں کے لئے تیار کی تھی۔ اور ایسی کتابوں کی تعداد ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں تک پہونچی ہوئی ہے صرف تمسخر اور استہزا سے وہ ان طبی کتابوں کی متفق علیہ شہادت کو رد نہیں کر سکتا۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام کے زخم مرہم حوارین کے استعمال سے اچھے ہوگئے تو آپ نے افغانستان اور کشمیر کی طرف رُخ کیا تا بنی اسرائیل کے دس فرقے جو جلاوطن ہوکر ان ملکوں میں آباد ہوگئے تھے آپکی رسالت سے محروم نہ رہیں۔ آخر وفات پائی اور سری نگر کے محلہ خان یار میں آپ مدفون ہوئے۔

جب میں یہ چٹھی لکھ چکا تو اس گمنام نامہ نگار کی بدقسمتی سے مجھے الھلال کا اپریل کا پرچہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہہ ایک عیسائی پرچہ ہے جو بیروت ملک شام سے نکلتا ہے۔ اس کا ایڈیٹر کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے یوزآسف کی قبر کی نسبت یوں لکھتا ہے۔ وفی حارۃ تسمی الخانہ یار فی ھذہ المدینۃ قبر یسمیہ القشامرۃ قبر النبی یوزاسف یزورہ العوام والخواص وفی بعض کتب التاریخ عندھم ان یوزاسف ھذا کان نبیا من الانبیاء جاء من اقصی البلاد فمات ودفن فی ھذہ المدینۃ فزعم رجل فنجابی ان ھذا النبی ھو المسیح۔ یعنے اس شہر (سری نگر) کے محلہ خانہ یار میں ایک قبر ہے جس کو کشمیر کے لوگ نبی یوزآسف کی قبر کہتے ہیں۔ عوام اور خواص اس قبر کی زیارت کرنے کیلئے آتے ہیں۔ اور بعض کشمیر کی تاریخی کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ یہہ یوزآسف ایک نبی تھا جو دور و دراز ملک سے آیا۔ یہاں وفات پائی اور اس شہر میں مدفون ہوا۔ اس لئے ایک پنجابی آدمی نے یہہ خیال کیا ہے کہ یہ نبی مسیح ہی تھا۔

ایک فاضل عیسائی ایڈیٹر کی یہ شہادت ہمارے عیسائی

نامہ نگار کی چٹھی کی تردید کے لئے کافی ہے۔

شیر علی۔ یکم مئی ۱۹۰۳ء۔

از قادیان دارالامان۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ بابت ماہ جون سنہ ۱۹۰۳ء نمبر ۶

فہرست مضامین

انجمن اشاعتِ اسلام قادیان دارالامان نے

انوار احمدیہ پریس قادیان میں باہتمام شیخ یعقوب علی تراب احمدی چھپوا کر

۲۰ جون سنہ ۱۹۰۳ء کو شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

معرفت الٰہی کے ذرائع

اس سوال کے جواب میں واضح ہو کہ اس بارے میں جس قدر قرآن شریف نے مبسوط طور پر ذکر فرمایا ہے اسکے ذکر کرنے کی تو اس جگہ کسی طرح گنجائش نہیں لیکن بطور نمونہ کسی قدر بیان کیا جاتا ہے سو جاننا چاہئے کہ قرآن شریف نے علم تین قسم پر قرار دیا ہے۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔ جیسا کہ ہم پہلے اس سے سورہ الہکم التکاثر کی تفسیر میں ذکر کر چکے ہیں اور بیان کر چکے ہیں کہ علم الیقین وُہ ہے کہ شے مقصود کا کسی واسطہ کے ذریعہ سے نہ بلا واسطہ پتہ لگایا جائے جیسا کہ ہم دھوئیں سے آگ کے وجود پر استدلال کرتے ہیں۔ ہم نے آگ کو دیکھا نہیں مگر دھوئیں کو دیکھا ہے کہ جس سے ہمیں آگ کے وجود یقین آیا۔ سو یہ علم الیقین ہے۔ اور اگر ہمنے آگ کو ہی دیکھ لیا ہے تو یہ بموجب بیان قرآن شریف یعنے سورہ الہکم التکاثر کے علم کے مراتب میں سے عین الیقین کے نام سے موسوم ہے اور اگر ہم اُس آگ میں داخل بھی ہو گئے ہیں تو اس علم کے مرتبہ کا نام قرآن شریف کے بیان کی رُو سے حق الیقین ہے۔ سورۃ الہکم التکاثر کے اب دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں ناظرین اُس موقع سے اس تفسیر کو دیکھ لیں۔ اب جاننا چاہئے کہ پہلی قسم کا جو علم ہے یعنے علم الیقین اس کا ذریعہ عقل اور منقولات ہیں اللہ تعالےٰ دوزخیوں سے حکایت کر کے فرماتا ہے قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ یعنے دوزخی کہیں گے کہ اگر ہم عقلمند ہوتے اور مذہب اور عقیدہ کو معقول طریقوں سے آزماتے۔ یا کامل عقلمندوں اور محققوں کی تحریروں اور تقریروں کو توجہ سے سُنتے تو آج دوزخ میں نہ پڑتے۔ یہ آیت اس دُوسری آیت کے مُوافق ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا یعنے خدا تعالےٰ اِنسانی نفوس کو انکی وسعت علمی سے زیادہ کسی بات کو قبول کرنے کے لئے تکلیف نہیں دیتا اور وہی عقیدے پیش کرتا ہے جنکا سمجھنا

انسان کے حد استعداد میں داخل ہے تا اُسکے حکم تکلیف مالایُطاق میں داخل نہ ہوں اور ان آیات میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان کانوں کے ذریعہ سے بھی علم الیقین حاصل کرسکتا ہے۔ مثلاً ہمنے لنڈن تو نہیں دیکھا صرف دیکھنے والوں سے اِس شہر کا وجود سُنا ہے مگر کیا ہم شک کرسکتے ہیں کہ شائد ان سب نے جھوٹ بول دیا ہوگا یا مثلاً ہمنے عالمگیر کا زمانہ نہیں پایا اور نہ عالمگیر کی شکل دیکھی ہے مگر کیا ہمیں اس بات میں کچھ بھی شبہ ہے کہ عالمگیر چغتائی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا۔ پس ایسا یقین کیوں حاصل ہُوا۔ اس کا جواب یہی ہے کہ صرف سماع کے تواتر سے۔ پس اس میں کچھ شک نہیں کہ سماع بھی علم الیقین کے مرتبہ تک پہنچا تا ہے۔ نبیوں کی کتابیں اگر سلسلہ سماع میں کچھ خلل نہ رکھتی ہوں وُہ بھی ایک سماعی علم کا ذریعہ ہیں لیکن اگر ایک کتاب آسمانی کتاب کہلاکر پھر مثلاً پچاس ساٹھ نسخہ اسکے پائے جائیں اور بعض بعض کے مخالف ہوں تو گو کسی فریق نے یقین بھی کرلیا ہو کہ ان میں سے صرف دو چار صحیح ہیں اور باقی جعلی اور وضعی لیکن محقق کے لئے ایسا یقین جو کسی کامل تحقیقات پر مبنی نہیں بیہودہ ہوگا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ سب کتابیں اپنے تناقض کی وجہ سے ردی اور ناقابل اعتبار قرار دیجائینگی اور ہرگز جائز نہیں ہوگا کہ ایسے متناقض بیانات کو کسی علم کا ذریعہ ٹھیرایا جائے کیونکہ علم کی یہ تعریف ہے کہ ایک یقینی معرفت عطا کرے اور مجموعہ تناقضات میں یقینی معرفت کا پایا جانا ممکن نہیں۔ اس جگہ یاد رہے کہ قرآن شریف صرف سماع کی حد تک محدُود نہیں ہے کیونکہ اس میں انسانوں کے سمجھانے کے لئے بڑے بڑے معقول دلائل ہیں۔ اور جس قدر عقائد اور اصول اور احکام اُس نے پیش کئے ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا امر نہیں جس میں زبردستی اور تحکّم ہو۔ جیساکہ اس نے خود فرمادیا ہے کہ یہ سب عقائد وغیرہ انسان کی فطرت میں پہلے سے منقوش ہیں اور قرآن شریف کا نام ذکر رکھا ہے جیساکہ فرماتا ہے هٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ یعنے یہ قرآن بابرکت کوئی نئی چیز نہیں لایا بلکہ جو کچھ انسان کی فطرت اور صحیفۂ قدرت میں بھرا پڑا ہے اس کو یاد دلاتا ہے اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ یعنے یہ دین کوئی بات جبر سے منوانا نہیں چاہتا بلکہ ہر ایک بات کے دلائل پیش کرتا ہے ماسوا اس کے قرآن میں دلوں کو روشن کرنے کے لئے ایک رُوحانی خاصیت بھی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ یعنے قرآن اپنی خاصیت سے تمام بیماریوں کو دُور کرتا ہے۔ اس لئے اس کو منقولی کتاب نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ اعلےٰ درجہ کے معقول دلائل اپنے ساتھ رکھتا ہے اور ایک چمکتا ہُوا نور اسمیں پایا جاتا ہے ایسا ہی عقلی دلائل جو صحیح مقدمات سے مستنبط ہوئے ہوں بلاشبہ علم الیقین تک

پہنچاتے ہیں۔ اسی کی طرف اللہ جلشانہٗ آیات مندرجہ ذیل میں اشارہ فرماتا ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے
اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ یعنے جب دانشمند اور اہل عقل انسان زمین اور آسمان کے اجرام کی بناوٹ میں غور کرتے اور رات دن کی کمی بیشی کے موجبات اور علل کو نظر عمیق سے دیکھتے ہیں انہیں اس نظام پر نظر ڈالنے سے خدا تعالیٰ کے وجود پر دلیل ملتی ہے پس وہ زیادہ انکشاف کے لئے خدا سے مدد چاہتے ہیں اور اُس کو کھڑے ہو کر اور بیٹھکر اور کروٹ پر لیٹ کر یاد کرتے ہیں جس سے اُن کی عقلیں بہت صاف ہوجاتی ہیں۔ پس جب وہ ان عقلوں کے ذریعہ سے اجرام فلکی اور زمین کی بناوٹ احسن اور اولیٰ میں فکر کرتے ہیں تو بے اختیار بول اُٹھتے ہیں کہ ایسا نظام ابلغ اور محکم ہرگز باطل اور بے سود نہیں بلکہ صانع حقیقی کا چہرہ دکھلا رہا ہے پس وہ الوہیت صانع عالم کا اقرار کرکے یہ مناجات کرتے ہیں کہ یا الٰہی تو اس سے پاک ہے کہ کوئی تیرے وجود سے انکار کرکے نالائق صفتوں سے تجھے موصوف کرے سو تو ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا یعنی تجھ سے انکار کرنا عین دوزخ ہے اور تمام آرام اور راحت تجھ میں اور تیری شناخت میں ہے جو شخص کہ تیری سچی شناخت سے محروم رہا وہ درحقیقت اسی دُنیا میں آگ میں ہے۔

ایسا ہی ایک علم کا ذریعہ انسانی کانشنس بھی ہے جس کا نام خدا کی کتاب میں انسانی فطرت رکھا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا یعنے خدا کی فطرت جس پر لوگ پیدا کئے گئے ہیں۔ اور وہ نقش فطرت کیا ہے یہی کہ خدا کو واحد لاشریک خالق الکل مرنے اور پیدا ہونے سے پاک سمجھنا اور ہم کانشنس کو علم الیقین کے مرتبہ پر اس لئے کہتے ہیں کہ گو بظاہر اس میں ایک علم سے دوسرے علم کی طرف انتقال نہیں پایا جاتا جیسا کہ دھوئیں کے علم سے آگ کے علم کی طرف انتقال پایا جاتا ہے لیکن ایک قسم کے باریک انتقال سے یہ مرتبہ خالی نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک چیز میں خدا نے ایک نامعلوم خصوصیت رکھی ہے جو بیان اور تقریر میں نہیں آسکتی لیکن اُس چیز پر نظر ڈالنے اور اُس کا تصور کرنیسے بلا توقف اس خاصیت کیطرف ذہن منتقل ہوجاتا ہے غرض وہ خاصیت اس وجود کو ایسی لازم پڑی ہوتی ہے جیسا کہ آگ کو دھواں لازم ہے مثلاً جب ہم خدا تعالیٰ کی ذات کی طرف توجہ کرتے ہیں کہ کیسی ہونی چاہئے۔ آیا خدا ایسا ہونا چاہئے کہ ہماری طرح پیدا ہو اور ہماری طرح دکھ اُٹھاوے اور ہماری طرح

مرے تو معاً اِس تصوّر سے ہمارا دل دُکھتا اور کانشنس کانپتا ہے اور اس قدر جوش دکھلاتا ہے کہ گویا
اِس خیال کو دھکّے دیتا ہے اور بول اُٹھتا ہے کہ وہ خُدا جس کی طاقتوں پر تمام اُمیدوں کا مدار ہے وُہ
تمام نقصانوں سے پاک اور کامل اور قوی چاہئے۔ اور جب ہی کہ خُدا کا خیال ہمارے دل میں آتا ہے معاً توحید اور
خُدا میں دُھوئیں اور آگ کیطرح بلکہ اس سے بہت زیادہ ملازمت تامہ کا احساس ہوتا ہے۔ لہٰذا جو علم ہمیں ہمارے
کانشنس کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے وُہ علم الیقین کے مرتبہ میں داخل ہے۔ لیکن اسپر ایک اور مرتبہ ہے
جو عین الیقین کہلاتا ہے اور اس مرتبہ سے اس طور کا علم مُراد ہے کہ جب ہمارے یقین اور اُس چیز میں جس کی
نوع کا یقین کیا گیا ہے کوئی درمیانی واسطہ نہ ہو۔ مثلاً جب ہم قوّتِ شامہ کے ذریعہ سے ایک خوشبو یا بدبو
کو معلوم کرتے ہیں اور یا ہم قوّتِ ذائقہ کے ذریعہ سے شیریں یا نمکین پر اطلاع پاتے ہیں یا قوّتِ حاسہ کے ذریعہ سے
گرم یا سرد کو معلوم کرتے ہیں تو یہ تمام معلومات عین الیقین کی قسم میں داخل ہیں مگر عالم ثانی کے بارے میں
ہمارا علم الٰہیات تب عین الیقین کی حد تک پہنچتا ہے کہ جب خود بلا واسطہ ہم الہام پاویں خُدا کی آواز کو اپنے
کانوں سے سُنیں اور خُدا کے صاف اور صحیح کشفوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں ہم بیشک کامل معرفت کے حاصل کرنے
کے لئے بلا واسطہ الہام کے محتاج ہیں اور اس کامل معرفت کی ہم اپنے دل میں بھوک اور پیاس بھی پاتے ہیں
اگر خُدا تعالیٰ نے ہمارے لئے پہلے سے اس معرفت کا سامان مُہیا نہیں کیا تو یہ پیاس اور بھوک ہمیں کیوں لگا
دی ہے۔ کیا ہم اس زندگی میں جو ہمارے آخرت کے ذخیرہ کے لئے یہی ایک پیمانہ ہے اس بات پر راضی ہو سکتے
ہیں کہ ہم اُس سچے اور کامل اور قادر اور زندہ خُدا پر صرف قصّوں اور کہانیوں کے رنگ میں ایمان
لاویں یا محض عقلی معرفت پر کفایت کریں جو اب تک ناقص اور ناتمام معرفت ہے کیا خُدا کے
سچے عاشقوں اور حقیقی دلدادوں کا دل نہیں چاہتا کہ اس محبوب کے کلام سے لذّت حاصل کریں۔
کیا جنہوں نے خُدا کے لئے تمام دُنیا کو برباد کیا۔ دل کو دیا جان کو دیا وہ اس بات پر راضی ہو سکتے ہیں
کہ صرف ایک دُھندلی سی روشنی میں کھڑے رہ کر مرتے رہیں۔ اور اُس آفتابِ صداقت کا مُنہ نہ دیکھیں۔ کیا یہ
سچ نہیں ہے کہ اُس زندہ خُدا کا اَنَا الموجود کہنا وُہ معرفت کا مرتبہ عطا کرتا ہے کہ اگر دُنیا کے تمام فلاسفروں
کی خود تراشیدہ کتابیں ایک طرف رکھیں اور ایک طرف انا الموجود خُدا کا کہنا تو اسکے مقابل وہ تمام فر
ہیچ ہیں جو فلاسفر کہلا کر آپ اندھے رہے وُہ ہمیں کیا سکھائیں گے۔ غرض اگر خُدا تعالےٰ نے حق
کے طالبوں کو کامل معرفت دینے کا ارادہ فرمایا ہے تو ضرور اُس نے اپنے مکالمہ اور مخاطبہ کا طریق

کھول کر کہا ہے۔ اِس بارے میں اللہ جلشانہٗ قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ یعنے اے خدا ہمیں وہ استقامت کی راہ بتلا جو راہ اُن لوگوں کی ہے جنپر تیرا انعام ہوا ہے۔ اِس جگہ انعام سے مُراد الہام اور کشف وغیرہ آسمانی علوم ہیں جو انسان کو براہِ راست ملتے ہیں ایسا ہی ایک دُوسری جگہ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ یعنی جو لوگ خدا پر ایمان لاکر پُوری پُوری استقامت اختیار کرتے ہیں اُنپر خدا تعالےٰ کے فرشتے اُترتے ہیں اور یہ الہام ان کو کرتے ہیں کہ تم کچھ خوف اور غم مت کرو تمہارے لئے وہ بہشت ہے جس کے بارے میں تمہیں وعدہ دیا گیا ہے سو اس آیت میں بھی صاف لفظوں میں فرمایا ہے کہ خدا تعالےٰ کے نیک بندے غم اور خوف کیوقت خدا سے الہام پاتے ہیں اور فرشتے اُتر کر انکی تسلی کرتے ہیں اور پھر ایک اور آیت میں فرمایا ہے لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ یعنے خدا کے دوستوں کو الہام اور خدا کے مکالمہ کے ذریعہ سے اِس دُنیا میں خوشخبری ملتی ہے اور آئندہ زندگی میں بھی ملیگی۔ لیکن اس جگہ یاد رہے کہ الہام کے لفظ سے اِس جگہ یہ مُراد نہیں ہے کہ سوچ اور فکر کی کوئی بات دل میں پڑ جائے جیسا کہ جب شاعر شعر کے بنانے میں کوشش کرتا ہے ایک مصرع بناکر دُوسرا سوچتا رہتا ہے تو دُوسرا مصرع دل میں پڑ جاتا ہے سو یہ دلمیں پڑ جانا الہام نہیں ہے بلکہ یہ خدا کے قانُون قدرت کے مُوافق اپنے فکر اور سوچ کا ایک نتیجہ ہے۔ جو شخص اچھی باتیں سوچتا ہے یا بُری باتوں کیلئے فکر کرتا ہے اُس کی تلاش کے موافق کوئی بات ضرور اس کے دلمیں پڑ جاتی ہے۔ ایک شخص مثلاً نیک اور راستباز آدمی ہے جو سچائی کی حمایت میں چند شعر بناتا ہے اور دُوسرا شخص جو ایک گندہ اور پلید آدمی ہے اپنے شعروں میں جھوٹ کی حمایت کرتا ہے اور راستبازوں کو گالیاں نکالتا ہے تو بلاشبہ یہ دونوں کچھ نہ کچھ شعر بنالیں گے۔ بلکہ کچھ تعجب نہیں کہ وہ راستبازوں کا دُشمن جو جھوٹ کی حمایت کرتا ہے بباعث دائمی مشق کے اسکا شعر عمدہ ہو۔ سو اگر صرف دل میں پڑ جانیکا نام الہام ہے تو پھر ایک بد معاش شاعر جو راستبازی اور راستبازوں کا دشمن اور ہمیشہ حق کی مخالفت کے لئے قلم اُٹھاتا اور افتراؤں سے کام لیتا ہے خدا کا ملہم کہلائیگا دُنیا میں ناولوں وغیرہ میں جادو بیانیاں پائی جاتی ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ اسی طرح سراسر باطل مگر مسلسل مضمون لوگوں کے دِلوں میں پڑتے ہیں۔ پس کیا ہم ان کو الہام کہہ سکتے ہیں بلکہ اگر الہام صرف دل میں بعض باتیں پڑنیکا نام ہے تو ایک چور بھی مُلہم کہلا سکتا ہے کیونکہ وہ بسا اوقات فکر کرکے اچھے اچھے طریق نقب زنی کے نکال لیتا ہے اور عمدہ عمدہ تدبیریں ڈاکہ مارنے اور خُون

ناحق کرنے کی اس کے دل میں گذر جاتی ہیں تو کیا لائق ہے کہ ہم ان تمام ناپاک طریقوں کا نام الہام رکھدیں
ہرگز نہیں بلکہ یہ اُن لوگوں کا خیال ہے جنکو اب تک اُس سچے خدا کی خبر نہیں جو آپ خاص مکالمہ سے دلوں کو تسلی
دیتا اور ناواقفوں کو رُوحانی علوم سے معرفت بخشتا ہے۔ الہام کیا چیز ہے وہ پاک اور قادر خدا کا ایک برگزیدہ
بندہ کے ساتھ یا اُسکے ساتھ جسکو برگزیدہ کرنا چاہتا ہے ایک زندہ اور باقدرت کلام کے ساتھ **مکالمہ** اور
مخاطبہ ہے۔ سو جب یہ مکالمہ اور مخاطبہ کافی اور تسلی بخش سلسلہ کے ساتھ شروع ہو جائے اور اس میں خیالات
فاسد کی تاریکی نہ ہو اور غیر مکتفی اور چند بے سروپا لفظ ہوں اور کلام لذیذ اور پُرحکمت اور پُرشوکت ہو تو وہ
خدا کا کلام ہے جس سے وہ اپنے بندے کو تسلی دینا چاہتا ہے اور اپنے تئیں اُسپر ظاہر کرتا ہے۔ ہاں
کبھی ایک کلام محض امتحان کے طور پر ہوتا ہے اور پورا اور بابرکت سامان ساتھ نہیں رکھتا اس میں خدا تعالےٰ
کے بندہ کو اسکی ابتدائی حالت میں آزمایا جاتا ہے تا وہ ایک ذرہ الہام کا مزہ چکھ کر پھر واقعی طور پر اپنا حال و
قال سچے ملہموں کیطرح بناوے یا ٹھوکر کھاوے۔ پس اگر وہ حقیقی راستبازی صدیقوں کیطرح اختیار نہیں کرتا تو اس
نعمت کے کمال سے محروم رہ جاتا ہے اور صرف بیہودہ لاف زنی اسکے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ کروڑہا نیک بندوں کو
الہام ہوتا رہا ہے مگر انکا مرتبہ خدا کے نزدیک ایک درجہ کا نہیں بلکہ خدا کے پاک نبی جو پہلے درجہ پر کمال صفائی سے
خدا کا الہام پانیوالے ہیں وہ بھی مرتبہ میں برابر نہیں خدا تعالیٰ فرماتا ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ
یعنی بعض نبیوں کو بعض نبیوں پر فضیلت ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ الہام محض فضل ہے اور فضیلت کے وجود
میں اُسکو دخل نہیں بلکہ فضیلت اس صدق اور اخلاص اور وفاداری کے قدر پر ہے۔ جس کو خدا
جانتا ہے ہاں الہام بھی اگر اپنی بابرکت شرائط کے ساتھ ہو تو وہ بھی ان کا ایک پھل ہے اسمیں کچھ
شک نہیں کہ اگر اس رنگ میں الہام ہو کہ بندہ سوال کرتا ہے اور خدا اُس کا جواب دیتا ہے اسی طرح
ایک ترتیب کے ساتھ سوال و جواب ہو اور الٰہی شوکت اور نور الہام میں پایا جاوے اور علوم غیب یا معارف
صحیحہ پر مشتمل ہو تو وہ خدا کا الہام ہے خدا کے الہام میں یہ ضروری ہے کہ جس طرح ایک دوست دوسرے دوست
سے ملکر باہم ہمکلام ہوتا ہے اسی طرح رب اور اُس کے بندہ میں ہمکلامی واقع ہو اور جب یہ کسی امر میں سوال
کرے تو اس کے جواب میں ایک کلام لذیذ فصیح خدا تعالےٰ کی طرف سے سُنے جس میں اپنے نفس اور فکر
اور غور کا کچھ بھی دخل نہ ہو اور وہ مکالمہ اور مخاطبہ اُسکے لئے موہبت ہو جائے تو وہ خدا کا کلام ہے اور
ایسا بندہ خدا کی جناب میں عزیز ہے مگر یہ درجہ کہ الہام بطور موہبت ہو اور زندہ اور پاک الہام کا سلسلہ

ایسے بندہ کو خدا سے حاصل ہوا صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ ہو کسی کو نہیں ملتا بجز اُن لوگوں کے جو ایمان اور اخلاص اور اعمال صالح میں ترقی کریں اور نیز اُس چیز میں جسکو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ سچا اور پاک الہام الوہیت کے بڑے بڑے کرشمے دکھلاتا ہے بارہا ایک نہایت چمکدار نُور پیدا ہوتا ہے اور ساتھ اسکے پُرشوکت اور چمکدار الہام آتا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ ملہم اس ذات سے باتیں کرتا ہے جو زمین و آسمان کا پیدا کرنیوالا ہے۔ دُنیا میں خدا کا دیدار یہی ہے کہ خدا سے باتیں کرے مگر اس ہمارے بیان میں انسان کی وُہ حالت داخل نہیں ہے جو کسی کی زبان پر بے ٹھکانہ کوئی لفظ یا فقرہ یا شعر جاری ہو اور ساتھ اس کے کوئی مکالمہ اور مخاطبہ ہو بلکہ ایسا شخص خدا کے امتحان میں گرفتار ہے کیونکہ خدا اس طریق سے بھی سُست اور غافل بندوں کو آزماتا ہے کہ کبھی کوئی فقرہ یا عبارت کسی کے دل پر یا زبان جاری کی جاتی ہے اور وہ شخص اندھے کیطرح ہوجاتا ہے نہیں جانتا کہ وُہ عبارت کہاں سے آئی خدا سے یا شیطان سے سو ایسے فقرات سے استغفار لازم ہے لیکن اگر ایک صالح اور نیک بندہ کو بیحجاب مکالمہ الٰہی شروع ہوجائے اور مخاطبہ اور مکالمہ کیطور پر ایک کلام روشن لذیذ پُرمعنے پُرحکمت پُوری شوکت کیساتھ اُسکو سُنائی دے اور کم سے کم بارہا اسکو ایسا اتفاق ہُوا ہو کہ خدا میں اور اُسمیں عین بیداری میں دس مرتبہ سوال و جواب ہُوا ہو اُس نے سوال کیا خدا نے جواب دیا پھر اُسی وقت عین بیداری میں اُسنے کوئی اور عرض کی اور خدا نے اسکا بھی جواب دیا پھر گذارش عاجزانہ کی خدا نے اُسکا بھی جواب عطا فرمایا ایسا ہی دس مرتبہ تک خدا میں اور اُسمیں باتیں ہوتی رہیں اور خدا نے بارہا ان مکالمات میں اُسکی دعائیں منظور کی ہوں عمدہ عمدہ معارف پر اُسکو اطلاع دی ہو آنیوالے واقعات کی اُسکو خبر دی ہو اور اپنے برہنہ مکالمہ سے بار بار کے سوال و جواب میں اسکو مشرف کیا ہو تو ایسے شخص کو خدا تعالےٰ کا بہت شکر کرنا چاہیئے اور سب سے زیادہ خدا کی راہ میں فدا ہونا چاہیئے کیونکہ خدا نے محض اپنے کرم سے اپنے تمام بندوں میں سے اسے چُن لیا اور اُن صدیقوں کا اُسکو وارث بنا دیا جو اس سے پہلے گذر چکے ہیں۔ یہ نعمت نہایت ہی نادر الوقوع اور خوش قسمتی کی بات ہے جسکو ملی اس کے بعد جو کچھ ہے وُہ ہیچ ہے۔ اس مرتبہ اور اس مقام کے لوگ اسلام میں ہمیشہ ہوتے رہے ہیں اور ایک اسلام ہی ہے جس میں خدا بندہ سے قریب ہوکر اس سے باتیں کرتا اور اس کے اندر بولتا ہے وُہ اُسکے دل میں اپنا تخت بناتا اور اس کے اندر سے اُسے آسمان کیطرف کھینچتا ہے اور اُسکو وہ سب نعمتیں عطا فرماتا ہے جو پہلوں کو دی گئیں۔ افسوس

اندھی دُنیا نہیں جانتی کہ انسان نزدیک ہوتا ہوتا کہاں تک پہنچ جاتا ہے وہ آپ تو قدم نہیں اُٹھاتے اور جو قدم اُٹھاتے تو یا تو اُسکو کافر ٹھیرایا جاتا ہے اور یا اسکو معبود ٹھیرا کر خدا کی جگہ دیجاتی ہے یہ دونوں ظلم ہیں ایک افراط سے ایک تفریط سے پیدا ہوئے مگر عقلمند کو چاہئے کہ وہ کم ہمت نہ ہو اور اس مقام اور اس مرتبہ کا انکاری نہ رہے اور صاحب اس مرتبہ کی کسر شان نہ کرے اور نہ اسکی پوجا شروع کرے اس مرتبہ پر خدا تعالیٰ وہ تعلقات اس بندہ سے ظاہر کرتا ہے کہ گویا اپنی الوہیت کی چادر اسپر ڈالدیتا ہے اور ایسا شخص خدا کے دیکھنے کا آئینہ بنجاتا ہے یہی بھید ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مجھے دیکھا اُسنے خدا کو دیکھ لیا غرض یہ بندوں کے لئے انتہائی ترقیہ ہے اور اسپر تمام سلوک ختم ہو جاتے ہیں اور پوری تسلی ملتی ہے میں بنی نوع پر ظلم کرونگا اگر میں اسوقت ظاہر کروں کہ وہ مقام جس کی میں نے یہ تعریفیں رکیں ہیں اور وہ مرتبہ مکالمہ اور مخاطبہ کا جسکی میں نے اسوقت تفصیل بیان کی وہ خدا کی عنایت نے مجھے عنایت فرمایا ہے تا میں اندھوں کو بینائی بخشوں اور ڈھونڈھنے والوں کو اُس گمگشتہ کا پتہ دوں اور سچائی قبول کرنیوالوں کو اُس پاک چشمہ کی خوشخبری سُناؤں جسکا تذکرہ بہتوں میں ہے اور پانیوالے بھوڑے ہیں۔ میں سامعین کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ خدا جس کے ملنے میں انسان کی نجات اور دائمی خوشحالی ہے وہ بجز قرآن شریف کی پیروی کے ہرگز نہیں ملسکتا کاش جو میں نے دیکھا ہے لوگ دیکھیں جو میں نے سُنا ہے وہ سُنیں اور قصوں کو چھوڑیں اور حقیقت کیطرف دوڑیں وہ کامل علم کا ذریعہ جس سے خدا نظر آتا ہے وہ میل اُتارنیوالا پانی جس سے تمام شکوک دور ہو جاتے ہیں وہ آئینہ جس سے اس برتر ہستی کا درشن ہو جاتا ہے خدا کا وہ مکالمہ اور مخاطبہ ہے جسکا میں ابھی ذکر کر چکا ہوں جس کی رُوح میں سچائی کی طلب ہے وہ اُٹھے اور تلاش کرے میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر روحوں میں سچی تلاش پیدا ہو اور دلوں میں سچی پیاس لگ جائے تو لوگ اس طریق کو ڈھونڈھیں اور اس راہ کی تلاش میں لگیں مگر یہ راہ کس طریق سے کھلیگی اور حجاب کس دوا سے اُٹھیگا میں سب طالبوں کو یقین دلاتا ہوں کہ صرف اسلام ہی ہے جو اس راہ کی خوشخبری دیتا ہے اور دوسری قومیں تو خدا کے الہام پر مدت سے مُہر لگا چکی ہیں سو یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کی طرف سے مُہر نہیں بلکہ محرومی کی وجہ سے انسان ایک حیلہ پیدا کر لیتا ہے اور یقیناً سمجھو کہ جس طرح یہ ممکن نہیں کہ ہم بغیر آنکھوں کے دیکھ سکیں یا بغیر کانوں کے سُن سکیں یا بغیر زبان کے بول سکیں اسیطرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ بغیر قرآن کے اس پیارے محبوب کا مُنہ دیکھ سکیں۔

میں جوان تھا اب بوڑھا ہوا مگر میں نے کوئی نہ پایا جس نے بغیر اس پاک چشمہ کے اس کھلی کھلی معرفت کا پیالہ پیا ہو۔ اسے عزیزو! اے پیارو! کوئی انسان خدا کے ارادوں میں اس سے لڑائی نہیں کرسکتا یقیناً سمجھو کہ کامل علم کا ذریعہ خدا تعالےٰ کا الہام ہے جو خدا تعالےٰ کے پاک نبیوں کو ملا پھر بعد اس کے اس خدا نے جو دریائے فیض ہے یہ ہرگز نہ چاہا کہ آئندہ اس الہام کو مُہر لگا دے اور اس طرح پر دُنیا کو تباہ کرے بلکہ اس کے الہام اور مکالمہ اور مخاطبہ کے ہمیشہ دروازے کھلے ہیں۔ ہاں ان کو انکی راہوں سے ڈھونڈو تب وہ آسانی سے تمہیں ملیں گے وہ زندگی کا پانی آسمان سے آیا اور مناسب مقام پر ٹھیرا اب تمہیں کیا کرنا چاہئے تا تم اُس پانی کو پی سکو یہی کرنا چاہئے کہ اُفتاں وخیزاں اس چشمہ تک پہنچو پھر اپنا مُنہ اس چشمہ کے آگے رکھدو تا اس زندگی کے پانی سے سیراب ہوجاؤ۔ انسان کی تمام سعادت اسی میں ہے کہ جہاں روشنی کا پتہ ملے اُسی طرف دوڑے اور جہاں اس گمگشتہ دوست کا نشان پیدا ہو اُسی راہ کو اختیار کرے دیکھتے ہو کہ ہمیشہ آسمان سے روشنی اُترتی اور زمین پر پڑتی ہے اسیطرح ہدایت کا سچا نور آسمان سے ہی اُترتا ہے۔ انسان کی اپنی ہی باتیں اور اپنی ہی اٹکلیں سچا گیان اسکو بخش نہیں سکتیں کیا تم خدا کو بغیر خدا کی تجلی کے پاسکتے ہو کیا تم بغیر اس آسمانی روشنی کے اندھیرے میں دیکھ سکتے ہو اگر دیکھ سکتے ہو تو شائد اس جگہ بھی دیکھ لو مگر ہماری آنکھیں گو بینا ہوں تاہم آسمانی روشنی کی محتاج ہیں اور ہمارے کان گو شنوا ہوں تاہم اس ہوا کے حاجتمند ہیں جو خدا کی طرف سے چلتی ہیں وہ خدا سچا خدا نہیں ہے جو خاموش ہے اور سارا مدار ہماری اٹکلوں پر ہے بلکہ کامل اور زندہ خدا وہ ہے جو اپنے وجود کا آپ پتہ دیتا رہا ہے اور اب بھی اُس نے یہی چاہا ہے کہ آپ اپنے وجود کا پتہ دیوے آسمانی کھڑکیاں کھلنے کو ہیں عنقریب صبح صادق ہونیوالی ہے مبارک وہ جو اٹھ بیٹھیں اور اب سچے خدا کو ڈھونڈھیں وہی خدا جسپر کوئی گردش یا مصیبت نہیں آتی جس کے جلال کی چمک پر کبھی حادثہ نہیں پڑتا قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی خدا ہی ہے جو ہر دم آسمان کا نور اور زمین کا نور ہے اُسی سے ہر ایک جگہ روشنی پڑتی ہے آفتاب کا وہی آفتاب ہے زمین کے تمام جانداروں کی وہی جان ہے سچا زندہ خدا وہی ہے مبارک وہ جو اسکو قبول کرے۔

تیسرا علم کا ذریعہ وہ اُمور ہیں جو حق الیقین کے مرتبہ پر ہیں اور وہ تمام شدائد اور مصائب اور تکالیف ہیں جو خدا کے نبیوں اور راستبازوں کو مخالفوں کے ہاتھ سے یا آسمانی قضاو قدر سے

پہنچتی ہیں اور اس قسم کے دُکھوں اور تکلیفوں سے وُہ تمام شرعی ہدایتیں جو محض علمی طور پر انسان کے دل میں تھیں اسپر وارد ہو کر عملی رنگ میں آجاتی ہیں اور پھر عمل کی زمین سے نشوونما پاکر کمال تام تک پہنچ جاتی ہیں اور عملکرنیوالوں کا اپنا ہی وجود ایک نسخہ مکمل خدا کی ہدایتوں کا ہو جاتا ہے اور وہ تمام اخلاق عفو اور انتقام اور صبر اور رحم وغیرہ جو صرف دماغ اور دل میں بھرے ہُوئے تھے اب تمام اعضا کو عملی مزاولت کی برکت سے اُنسے حصہ ملتا ہے اور وہ تمام جسم پر وارد ہو کر اپنے نقش ونگار اُسپر جما دیتے ہیں جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ط أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ط وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ یعنی ہم تمہیں خوف اور فاقہ اور مال کے نقصان اور جان کے نقصان اور کوشش ضائع جانے اور اولاد کے فوت ہونے سے آزمائینگے یعنی یہ تمام تکلیفیں قضا وقدر کے طور پر یا دُشمن کے ہاتھ سے تمہیں پہنچینگی سو اُن لوگوں کو خوشخبری ہو جو مُصیبت کے وقت صرف یہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے ہیں اور خدا کی طرف رجوع کریں گے ان لوگوں پر خدا کا درُود اور رحمت ہے اور یہی وُہ لوگ ہیں جو ہدایت کے کمال تک پہنچ گئے ہیں یعنی محض اس علم میں کچھ شرف اور بزرگی نہیں جو صرف دماغ اور دل میں بھرا ہُوا ہو بلکہ حقیقت میں علم وُہ ہے کہ دماغ سے اُتر کر تمام اعضاء اسکے متادب اور رنگین ہو جائیں اور حافظہ کی یادداشتیں عملی رنگ میں دکھائی دیں سو علم کے مستحکم کرنے اور اس کے ترقی دینے کا یہ بڑا ذریعہ ہے کہ عملی طور پر اس کے نقوش اپنے اعضا میں جمالیں کوئی ادنےٰ علم بھی عملی مزاولت کے بغیر اپنے کمال کو نہیں پہنچتا مثلاً مدت دراز سے ہمارے علم میں یہ بات ہے کہ روٹی پکانا نہایت ہی سہل بات ہے اور اسمیں کوئی زیادہ باریکی نہیں صرف اتنا ہے کہ آٹا گوندھ کر اور بقدر ایک ایک روٹی کے اس آٹے کے پیڑے بناویں اور اُنکو دونوں ہاتھوں کے باہم ملانے سے چوڑے کر کے توے پر ڈالدیں اور ادھر اُدھر پھیر کر اور آگ پر سینک کر رکھ لیں روٹی پک جائیگی یہ تو ہماری صرف علمی لاف وگزاف ہے لیکن جب ہم ناتجربہ کاری کی حالت میں پکانے لگیں گے تو اول تو ہمپر یہی مُصیبت پڑے گی کہ آٹے کو اسکے مناسب قوام پر

رکھ سکیں بلکہ یا تو پتھر سا رہیگا یا پتلا ہو کر گلگلوں کے لائق ہو جائیگا اور اگر مر کر اور تھک تھکا کر گوندھ بھی لیا تو روٹی کا یہ حال ہو گا کہ کچھ جلیگی اور کچھ کچی رہیگی۔ بیچ میں ٹکیا رہیگی اور کئی طرف سے کان نکلے ہوئے ہونگے حالانکہ پچاس برس تک ہم پکتی ہوئی دیکھتے رہے غرض مجرد علم کی شامت سے جو عملی مشق کے نیچے نہیں آیا کئی سیر آٹے کا نقصان کرینگے۔ پھر جبکہ ادنےٰ ادنےٰ سی بات میں ہمارے علم کا یہ حال ہے تو بڑے بڑے امور میں بجز عملی مزاولت اور مشق کے صرف علم پر کیونکر بھروسہ رکھیں سو خدا تعالیٰ ان آیتوں میں یہ سکھاتا ہے کہ جو مصیبتیں میں تم پر ڈالتا ہوں وہ بھی علم اور تجربہ کا ذریعہ ہیں یعنی اُن سے تمہارا علم کامل ہوتا ہے اور پھر آگے فرماتا ہے کہ تم اپنے مالوں اور جانوں میں بھی آزمائے جاؤ گے لوگ تمہارے مال لوٹیں گے تمہیں قتل کرینگے اور تم یہودیوں اور عیسائیوں اور مشرکوں کے ہاتھ سے بہت ہی ستائے جاؤ گے وہ بہت کچھ ایذا کی باتیں تمہارے حق میں کہینگے پس اگر تم صبر کرو گے اور بیجا باتوں سے بچو گے تو یہ ہمت اور بہادری کا کام ہو گا۔ ان تمام آیات کا مطلب یہ ہے کہ بابرکت علم وہی ہوتا ہے جو عمل کے مرتبہ میں اپنی چمک دکھاوے اور منحوس علم وہ ہے جو صرف علم کی حد تک ہی رہے کبھی عمل تک نوبت نہ پہنچے۔

جاننا چاہئے کہ جس طرح مال تجارت سے بڑھتا ہے اور پھولتا ہے ایسا ہی علم عملی مزاولت سے اپنے روحانی کمال کو پہنچتا ہے۔ سو علم کو کمال تک پہنچانیکا بڑا ذریعہ عملی مزاولت ہے مزاولت سے علم میں نور آجاتا ہے اور یہ بھی سمجھو کہ علم کا حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچنا اور کیا ہوتا ہے یہی تو ہے کہ عملی طور پر ہر ایک گوشہ اُسکا آزمایا جائے چنانچہ اسلام میں ایسا ہی ہوا جو کچھ خدا تعالےٰ نے قرآن کے ذریعہ سے لوگوں کو سکھایا انکو یہ موقعہ دیا کہ عملی طور پر اس تعلیم کو چمکا دیں اور اُسکے نور سے پُر ہو جاویں۔ اسی غرض سے خدا تعالےٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح کو دو حصہ پر منقسم کر دیا ایک حصہ دکھوں اور مصیبتوں اور تکلیفوں کا اور دوسرا حصہ فتحیابی کا تا مصیبتوں کے وقت میں وہ خلق ظاہر ہوں جو مصیبتوں کے وقت ظاہر ہوتے ہیں اور فتح اور اقتدار کے وقت میں وہ خلق ثابت ہوں جو بغیر اقتدار کے ثابت نہیں ہوتے سو ایسا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دونوں قسم کے اخلاق دونوں زمانوں اور دونوں حالتوں کے وارد ہونے سے کمال وضاحت سے ثابت ہو گئے چنانچہ وہ مصیبتوں کا زمانہ جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر تیرہ برس تک مکہ معظمہ میں شامل حال رہا اس زمانہ کی سوانح پڑھنے سے نہایت واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

وہ اخلاق جو مصیبتوں کے وقت کامل راستباز کو دکھلانے چاہئیں یعنی خدا پر توکل رکھنا اور جزع فزع سے کنارہ کرنا اور اپنے کام میں سست نہ ہونا اور کسی کے رعب سے نہ ڈرنا ایسے طور پر دکھلائے جو کفار ایسی استقامت کو دیکھ کر ایمان لائے اور شہادت دی کہ جبتک کسی کا پورا بھروسہ خدا پر نہ ہو تو اس استقامت اور اس طور سے دکھوں کی برداشت نہیں کر سکتا اور پھر جب دوسرا زمانہ آیا یعنی فتح اور اقتدار اور ثروت کا زمانہ تو اس زمانہ میں بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اعلےٰ اخلاق عفو اور سخاوت اور شجاعت کے ایسے کمال کے ساتھ صادر ہوئے جو ایک گروہ کثیر کفار کا انہیں اخلاق کو دیکھ کر ایمان لایا۔ دکھ دینے والوں کو بخشا اور شہر سے نکالنے والوں کو امن دیا۔ انکے محتاجوں کو مال سے مالا مال کر دیا۔ اور قابو پا کر اپنے بڑے بڑے دشمنوں کو بخش دیا۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے آپکے اخلاق کو دیکھ کر گواہی دی کہ جب تک کوئی خدا کی طرف سے اور حقیقۃً راستباز نہ ہو یہ اخلاق ہرگز دکھا نہیں سکتا یہی وجہ ہے کہ آپ کے دشمنوں کے پرانے کینے یک لخت دور ہو گئے آپ کا بڑا بھاری خلق جسکو آپنے ثابت کر کے دکھلا دیا وہ خلق تھا جو قرآن شریف میں ذکر فرمایا گیا ہے اور وہ یہ ہے قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی انکو کہدے کہ میری عبادت اور میری قربانی اور میرا مرنا اور میرا جینا خدا کی راہ میں ہے یعنے اسکا جلال ظاہر کرنے کے لئے اور نیز اسکے بندوں کے آرام دینے کے لئے ہے تا میرے مرنے سے اُن کو زندگی حاصل ہو۔ اس جگہ جو خدا کی راہ میں اور بندوں کی بھلائی کے لئے مرنیکا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ آپنے نعوذباللہ جاہلوں یا دیوانوں کی طرح درحقیقت خودکشی کا ارادہ کر لیا تھا اس وہم سے کہ اپنے تئیں کسی آلہ قتل کے ذریعہ سے ہلاک کر دینا اوروں کو فائدہ پہنچائیگا بلکہ آپ ان بیہودہ باتوں کے سخت مخالف تھے اور قرآن ایسی خودکشی کے مرتکب کو سخت مجرم اور قابل سزا ٹھیراتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ یعنے خودکشی نہ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنی موت کے باعث نہ ٹھیرو اور یہ ظاہر ہے کہ اگر مثلاً خالد کے پیٹ میں درد ہو اور زید اُسپر رحم کر کے اپنا سر پھوڑے تو زید نے خالد کے حق میں کوئی نیکی کا کام نہیں کیا بلکہ اپنے سر کو احمقانہ حرکت سے ناحق پھوڑا نیکی کا کام تب ہوتا کہ جب یہ خالد کی خدمت میں مناسب اور مفید طریق کے ساتھ سرگرم رہتا اور اسکے لئے عمدہ دوائیں میسر کرتا اور طبابت کے قواعد کے موافق اسکا علاج کرتا مگر اس کے سر کے پھوڑنے سے زید کو تو کوئی فائدہ نہ پہنچا ناحق اس نے اپنے وجود کے ایک شریف عضو کو دکھ پہنچایا۔ غرض اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

نے واقعی ہمدردی اور محنت اُٹھانے سے بنی نوع کی رہائی کے لئے جان کو وقف کر دیا تھا اور دُعا کے
ساتھ اور تبلیغ کے ساتھ اور ان کے جور وجفا اُٹھانے کے ساتھ اور ہر ایک مناسب اور حکیمانہ طریق کے
ساتھ اپنی جان اور اپنے آرام کو اس راہ میں فدا کر دیا تھا جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ
أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ کیا تو اس غم اور سخت محنت میں جو
لوگوں کے لئے اُٹھا رہا ہے اپنے تئیں ہلاک کر دیگا اور کیا اُن لوگوں کے لئے جو حق کو قبول نہیں کرتے
تو حسرتیں کھا کھا کر اپنی جان دیگا سو قوم کی راہ میں جان دینے کا حکیمانہ طریق یہی ہے کہ قوم کی بھلائی کیلئے
قانونِ قدرت کی مُفید راہوں کے موافق اپنی جان پر سختی اُٹھاویں اور مُناسب تدبیریں کے بجالانے سے اپنی جان
انپر فدا کردیں نہ یہ کہ قوم کو سخت بلا یا گمراہی میں دیکھ کر اور خطرناک حالت میں پاکر اپنے سر پر پتھر ماریں یا
دو تین رتی اسٹر کینا کھا کر اس جہان سے رخصت ہو جائیں اور پھر گمان کریں کہ ہمنے اپنی اس حرکت بیجا سے قوم
کو نجات دیدی ہے یہ مردوں کا کام نہیں ہے زنانہ خصلتیں ہیں اور بیحوصلہ لوگوں کا ہمیشہ سے یہی طریق ہے کہ مصیبت
کو قابلِ برداشت نہ پاکر جھٹ پٹ خودکشی کیطرف دوڑتے ہیں ایسی خودکشی کی بعد میں کتنی ہی تاویلیں کیجائیں مگر یہ
حرکت بلاشبہ عقل اور عقلمندوں کا ننگ ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ ایسے شخص کا صبر اور دُشمن کا مُقابلہ نہ کرنا معتبر
نہیں ہے جسکو انتقام کا موقع ہی نہ ملا کیونکہ کیا معلوم ہے کہ اگر وہ انتقام پر قدرت پاتا تو کیا کچھ کرتا جب
تک انسان پر وہ زمانہ نہ آوے جو ایک مُصیبتوں کا زمانہ اور ایک مقدرت اور حکومت اور ثروت کا
کا زمانہ ہو اس وقت تک اس کے سچے اخلاق ہرگز ظاہر نہیں ہو سکتے۔ صاف ظاہر ہے کہ جو شخص
صرف کمزوری اور ناداری اور بے اقتداری کی حالت میں لوگوں کی ماریں کھاتا مر جاوے اور اقتدار
اور حکومت اور ثروت کا زمانہ نہ پاوے اسکے اخلاق میں سے کچھ بھی ثابت نہ ہوگا اور اگر کسی میدان
جنگ میں حاضر نہیں ہوا تو یہ بھی ثابت نہیں ہوگا کہ وہ دل کا بہادر تھا یا بزدل ہوگا۔ اس کے اخلاق
کی نسبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہم نہیں جانتے ہیں کیا معلوم ہے کہ اگر وہ اپنے دشمنوں پر قدرت
پاتا تو ان سے کیا سلوک بجالاتا اور اگر وہ دولتمند ہو جاتا تو اس دولت کو جمع کرتا یا لوگوں کو دیتا اور اگر
وہ کسی میدان جنگ میں آتا تو دُم دبا کر بھاگ جاتا یا بہادروں کیطرح ہاتھ دکھاتا مگر خدا کی عنایت اور
فضل نے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ان اخلاق کے ظاہر کرنیکا موقع دیا چنانچہ سخاوت اور شجاعت
اور حلم اور عفو اور عدل اپنے اپنے موقع پر ایسے کمال سے ظہور میں آئے کہ صفحۂ دُنیا میں اس کی نظیر

ڈھونڈھنا لاحاصل ہے اپنے دونوں زمانوں ضعف اور قدرت اور ناداری اور ثروت میں تمام جہان کو دکھلا دیا کہ وہ ذات پاک کیسی اعلےٰ درجہ کے اخلاق کی جامع تھی اور کوئی انسانی خلق اخلاق فاضلہ میں سے ایسا نہیں ہے جو اس کے ظاہر ہونے کیلئے آپ کو خدا تعالےٰ نے ایک موقع نہ دیا شجاعت۔ سخاوت۔ استقلال۔ عفو۔ حلم۔ وغیرہ وغیرہ تمام اخلاق فاضلہ ایسے طور پر ثابت ہو گئے کہ دُنیا میں اسکی نظیر کا تلاش کرنا طلب محال ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ جنہوں نے ظلم کو انتہا تک پہنچا دیا اور اسلام کو نابود کرنا چاہا خُدا نے اُن کو بھی بے سزا نہیں چھوڑا کیونکہ انکو بے سزا چھوڑنا گویا راستبازوں کو اُنکے پیروں کے نیچے ہلاک کرنا تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی لڑائیوں کی ہرگز یہ غرض نہ تھی کہ خواہ نخواہ لوگوں کو قتل کیا جائے وہ اپنے باپ دادا کے مُلک سے نکالے گئے تھے اور بہت سے مسلمان مرد اور عورتیں بے گناہ شہید کئے گئے تھے اور ابھی ظالم ظلم سے باز نہیں آتے تھے اور اسلام کی تعلیم کو روکتے تھے لہذا خُدا کے قانُون حفاظت نے یہ چاہا کہ مظلوموں کو بالکل نابود ہونے سے بچالے جنہوں نے تلوار اٹھائی تھی انہیں کیساتھ تلوار کا مقابلہ ہوا۔ غرض قتل کرنیوالوں کا فتنہ فرو کرنے کے لئے بطور مدافعت شر کے وہ لڑائیاں تھیں اور اُسوقت ہوئیں جبکہ ظالم طبع لوگ اہل حق کو نابود کرنا چاہتے تھے اس حالت میں اگر اسلام اس حفاظت اختیاری کو عمل میں نہ لاتا تو ہزاروں بچے اور عورتیں بے گناہ قتل ہو کر آخر اسلام نابود ہو جاتا۔ یاد رہے کہ ہمارے مخالفین کی یہ بڑی زبردستی ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ الہامی ہدایت ایسی ہونی چاہئے جس کے کسی مقام اور کسی محل میں دُشمنوں کے مُقابلہ کی تعلیم نہ ہو اور ہمیشہ حلم اور نرمی کے پیرایہ میں اپنی محبت اور رحمت کو ظاہر کرے ایسے لوگ اپنی دانست میں خُدائے عزّ وجلّ کی بڑی تعظیم کر رہے ہیں کہ جو اسکی صفات کاملہ کو صرف نرمی اور ملائمت پر ہی ختم کرتے ہیں لیکن اس معاملے میں فکر اور غور کرنے والوں پر باسانی کھُل سکتا ہے کہ یہ لوگ بڑی موٹی موٹی اور فاش غلطی میں مُبتلا ہیں۔ خُدا کے قانون قدرت پر نظر ڈالنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دُنیا کے لئے وہ رحمت محض تو ضرور ہے مگر وہ رحمت ہمیشہ اور ہر حال میں نرمی اور مُلائمت کے رنگ میں ظہور پذیر نہیں ہوتی بلکہ وہ سراسر رحمت کے تقاضا سے طبیب حاذق کی طرح کبھی شربت شیریں ہمیں پلاتا ہے اور کبھی دوائی تلخ دیتا ہے اس کی رحمت نوع انسان پر اس طرح وارد ہوتی ہے جیسے ہم میں سے ایک شخص اپنے تمام وجود پر رحمت رکھتا ہے اس بات میں

کسی کو شک نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک فرد ہم میں سے اپنے سارے وجود سے پیار رکھتا ہے اور اگر کوئی ہمارے ایک بال کو اکھاڑنا چاہے تو ہم اُس پر سخت ناراض ہوتے ہیں لیکن باوصف اس کے کہ ہماری محبت جو ہم اپنے وجود سے رکھتے ہیں ہمارے تمام وجود میں بٹی ہوئی ہے اور تمام اعضا ہمارے لئے پیارے ہیں ہم کسی کا نقصان نہیں چاہتے مگر پھر بھی یہ بات بہداہت ثابت ہے کہ ہم اپنے تمام اعضا سے ایک ہی درجہ کی اور یکساں محبت نہیں رکھتے بلکہ اعضا رئیسہ و شریفہ کی محبت جن پر ہمارے مقاصد کا بہت کچھ مدار ہے ہمارے دلوں پر غالب ہوتی ہے۔ ایسا ہی ہماری نظر میں ایک ہی عضو کی محبت کی نسبت مجموعہ اعضا کی محبت...... بہت بڑھ کر ہوتی ہے پس جب کبھی ہمارے لئے کوئی ایسا موقع آپڑتا ہے کہ ایک عضو کا بچاؤ ادنےٰ درجہ کے عضو کے زخمی کرنے یا کاٹنے یا توڑنے پر موقوف ہوتا ہے تو ہم جان کے بچانے کیلئے بلاتامل اُسی عضو کے زخمی کرنے یا کاٹنے پر مستعد ہو جاتے ہیں اور گو اس وقت ہمارے دل میں رنج بھی ہوتا ہے کہ ہم اپنے ایک پیارے عضو کو زخمی کرتے یا کاٹتے ہیں مگر اس خیال سے کہ اس عضو کا فساد کسی دوسرے شریف عضو کو بھی ساتھ ہی تباہ نہ کرے ہم کاٹنے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں پس اسی مثال سے سمجھ لینا چاہئے کہ خدا بھی جب دیکھتا ہے کہ اسکے راستباز باطل پرستوں کے ہاتھ سے ہلاک ہوتے ہیں اور فساد پھیلتا ہے تو راستبازوں کی جان کے بچاؤ اور فساد کے فرو کرنے کے لئے مناسب تدبیر ظہور میں لاتا ہے خواہ آسمان سے خواہ زمین سے اسلئے کہ وہ جیسا کہ رحیم ہے ویسا ہی حکیم ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

حضرت مسیحؑ کا دس گمشدہ اسرائیلی قوموں کی طرف جانا

قرآن شریف اور حدیث کی شہادت

اگرچہ عیسائی کہہ سکتے ہیں کہ وہ قرآن شریف کی کسی آیت یا کسی حدیث کو اپنے لئے حجت

نہیں سمجھ سکتے لیکن ہم نے محض اس غرض سے ان کو لکھا ہے کہ تا عیسائیوں کو قرآن شریف اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ معلوم ہو اور اُنپر یہ حقیقت کھلے کہ کیونکر وہ سچائیاں جو صدہا برس کے بعد اب معلوم ہوئی ہیں وہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم نے پہلے سے بیان کر دی ہیں۔ چنانچہ اُنہیں سے کسی قدر ذیل میں لکھتا ہوں:۔

اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ الآیۃ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا الآیۃ یعنی یہودیوں نے نہ حضرت مسیح کو درحقیقت قتل کیا اور نہ بذریعہ صلیب ہلاک کیا بلکہ انکو محض ایک شبہ پیدا ہوا کہ گویا حضرت عیسیٰ صلیب پر فوت ہو گئے ہیں اور اُن کے پاس وہ دلائل نہیں ہیں جنکی وجہ سے اُن کے دل اس بات پر مطمئن ہو سکیں کہ یقیناً حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیب پر جان نکل گئی تھی۔

اِن آیات میں اللہ تعالےٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگرچہ یہ سچ ہے کہ بظاہر مسیح صلیب پر کھینچا گیا اور اُسکے مارنیکا ارادہ کیا گیا مگر یہ محض ایک دھوکا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے ایسا خیال کر لیا کہ درحقیقت حضرت مسیح علیہ السلام کی جان صلیب پر نکل گئی تھی بلکہ خدا نے ایسے اسباب پیدا کر دئیے جن کی وجہ سے وہ صلیبی موت سے بچ رہا۔ اب انصاف کرنیکا مقام ہے کہ جو کچھ قرآن کریم نے یہود اور نصاریٰ کے برخلاف فرمایا تھا آخر کار وہی بات سچی نکلی اور اس زمانہ کی اعلیٰ درجہ کی تحقیقات سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیح درحقیقت صلیبی موت سے بچائے گئے تھے۔ کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ یہودی اس بات کا جواب دینے سے قاصر رہے کہ کیونکر حضرت مسیح علیہ السلام کی جان بغیر ہڈیاں توڑنے کے صرف دو تین گھنٹہ میں نکل گئی اسی وجہ سے بعض یہودیوں نے ایک اور بات بنائی ہے کہ ہمنے مسیح کو تلوار سے قتل کر دیا تھا۔ حالانکہ یہودیوں کی پرانی تاریخ کے رُو سے مسیح کو تلوار کے ذریعہ سے قتل کرنا ثابت نہیں۔ یہ اللہ تعالےٰ کی شان ہے کہ مسیح کے بچانے کے لئے اندھیرا ہوا بھونچال آیا پلاطوس کی بیوی کو خواب آئی سبت کے دن کی رات قریب آگئی جس میں مصلوبوں کو صلیب پر رکھنا روا نہ تھا۔ حاکم کا دل بوجہ ہولناک خواب کے مسیح کے چھوڑانے کے لئے متوجہ ہوا۔ یہ تمام واقعات خدا نے اسلئے ایک ہی دفعہ پیدا کر دئیے کہ تا مسیح کی جان بچ جائے اس کے علاوہ مسیح کو غشی کی حالت میں کر دیا کہ تا ہر ایک کو مُردہ معلوم ہو۔ اور یہودیوں پر اُس وقت ہیبت ناک نشان بھونچال وغیرہ کے دکھلا کر بزدلی اور خوف اور عذاب کا

اندیشہ طاری کر دیا - اور یہ دھڑکا اسکے علاوہ تھا کہ سبت کی رات میں لاشیں صلیب پر نہ رہ جائیں - پھر یہ بھی ہؤا کہ یہودیوں نے مسیح کو غشی میں دیکھکر سمجھ لیا کہ فوت ہو گیا - اندھیرے اور بھونچال اور گھبراہٹ کا وقت تھا گھروں کا بھی اِن کو فکر پڑا کہ شائد اس بھونچال اور اندھیرے سے بچوں پر کیا گذرتی ہوگی اور یہ دہشت بھی دلوں پر غالب ہوئی کہ اگر یہ شخص کاذب اور کافر تھا جیسا کہ ہم نے سمجھا ہے تو اسکے اس دکھ دینے کے وقت ایسے ہولناک آثار کیوں ظاہر ہوئے ہیں جو اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئے - لہذا انکے دل بیقرار ہو کر اس لائق نہ رہے کہ وہ مسیح کو اچھی طرح دیکھتے کہ آیا مر گیا یا کیا حال ہے - مگر درحقیقت یہ سب امور مسیح کے بچانے کے لئے خدائی تدبیریں تھیں - اسی کیطرف اس آیت میں اشارہ ہے ولکن شبہ لھم یعنی یہود نے مسیح کو جان سے مارا نہیں ہے لیکن خدا نے اُن کو شبہ میں ڈال دیا کہ گویا جان سے مار دیا ہے اس سے راستبازوں کو خدا تعالیٰ کے فضل پر بڑی امید بڑھتی ہے کہ جس طرح اپنے بندوں کو چاہے بچالے -

اور قرآن شریف میں ایک یہ بھی آیت حضرت مسیح کے حق میں ہے وجیھا فی الدنیا والاخرۃ و من المقربین - اسکا ترجمہ یہ ہے کہ دنیا میں بھی مسیح کو اس کی زندگی میں وجاہت یعنے عزت اور مرتبہ اور عام لوگوں کی نظر میں عظمت اور بزرگی ملیگی اور آخرت میں بھی - اب ظاہر ہے کہ حضرت مسیح نے ہیرودوس اور پلاطوس کے علاقہ میں کوئی عزت نہیں پائی بلکہ غایت درجہ کی تحقیر کی گئی - اور یہ خیال کہ دُنیا میں پھر آکر عزت اور بزرگی پائینگے یہ ایک بے اصل وہم ہے جو نہ صرف خدا تعالیٰ کی کتابوں کے منشاء کے مخالف بلکہ اس کے قدیم قانون قدرت سے بھی مغائر اور مباین اور پھر ایک بے ثبوت امر ہے مگر واقعی اور سچی بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اُس بدبخت قوم کے ہاتھ سے نجات پا کر جب مُلک پنجاب کو اپنی تشریف آوری سے فخر بخشا تو اِس مُلک میں خدا تعالےٰ نے اُن کو بہت عزت اور بنی اسرائیل کی وہ دس قومیں جو گم تھیں اس جگہ آکر اُن کو مل گئیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل اس مُلک میں آکر اکثر اُنمیں سے بدھ مذہب میں داخل ہو گئے تھے اور بعض ذلیل قسم کی بت پرستی میں پھنس گئے تھے - سو اکثر ان کے حضرت مسیح کے اس ملک میں آنے سے راہِ راست پر آگئے - اور چونکہ حضرت مسیح کی دعوت میں آنیوالے نبی کے قبول کرنے کے لئے وصیت تھی اسلئے وہ دس فرقے جو اس مُلک میں آکر افغان اور کشمیری کہلائے آخرکار سب کے سب مسلمان ہو گئے - غرض اس مُلک میں حضرت مسیح کو بڑی وجاہت پیدا ہوئی - قرآن شریف

ہیں ایک یہ بھی آیت ہے وجعلنی مبارکا اینما کنت کہ مسیح کو خدا نے ایسی برکت دی ہے کہ جہاں جائیگا وُہ مُبارک ہوگا۔ اس سے ثابت ہے کہ اُسنے خدا سے بڑی برکت پائی اور وُہ فوت نہ ہوا جبتک اُس کو ایک شاہانہ عزت نہ دیگئی۔ اسیطرح قرآن شریف میں ایک یہ بھی آیت ہے، ومطھرک من الذین کفروا یعنے اے عیسیٰ میں اُن الزاموں سے تجھے بری کرونگا۔ اور تیرا پاک دامن ہونا ثابت کردونگا اور اُن تہمتوں کو دُور کردونگا جو تیرے پر یہود اور نصاریٰ نے لگائیں۔ یہ ایک بڑی پیشگوئی تھی اور اسکا ماحصل یہی ہے کہ یہود نے یہ تہمت لگائی تھی کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح مصلوب ہوکر ملعون ہوگئے اور خدا کی محبت انکے دل میں سے جاتی رہی اور جیساکہ لعنت کے مفہوم کے لئے شرط ہے اُن کا دل خدا سے برگشتہ اور خدا سے بیزار ہوگیا اور تاریکی کے بے انتہا طوفان میں پڑ گیا اور بدیوں سے محبت کرنے لگا اور کل نیکیوں کا مخالف ہوگیا اور خدا سے تعلق توڑ کر شیطان کی بادشاہت کے ماتحت ہوگیا اور اُسمیں اور خدا میں حقیقی دشمنی پیدا ہوگئی۔ اور یہی تہمت ملعون ہونے کی نصاریٰ نے بھی لگائی تھی مگر نصاریٰ نے اپنی نادانی سے دو ضدوں کو ایک ہی جگہ جمع کردیا۔ اُنہوں نے ایکطرف تو حضرت مسیح کو خدا کا فرزند قرار دیا اور دُوسری طرف ملعون بھی قرار دیا ہے اور خُود مانتے ہیں کہ ملعون تاریکی اور شیطان کا فرزند ہوتا ہے یا خُود شیطان ہوتا ہے۔ سو حضرت مسیح پر یہ سخت ناپاک تہمتیں لگائی گئی تھیں۔ اور "مطہرک" کی پیشگوئی میں یہ اشارہ ہے کہ ایک زمانہ وہ آتا ہے کہ خدا تعالےٰ ان الزاموں سے حضرت مسیح کو پاک کریگا اور یہی وُہ زمانہ ہے۔

اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تطہیر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی گواہی کی گواہی سے بھی عقلمندوں کی نظروں میں بخُوبی ہوگئی کیونکہ آنجناب نے اور قرآن شریف نے گواہی دی کہ وُہ الزام سب جھوٹے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر لگائے گئے تھے۔ لیکن یہ گواہی عوام کی نظر میں نظری اور باریک تھی اس لئے اللہ تعالےٰ کے انصاف نے یہی چاہا کہ جیساکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو مصلوب کرنا ایک مشہور امر تھا اور اُمور بدیہیہ مشہودہ محسُوسہ میں سے تھا اسی طرح تطہیر اور بریت بھی امور مشہودہ محسُوسہ میں سے ہونی چاہئے۔ سو اب اسی کے موافق ظہور میں آیا یعنے تطہیر بھی صرف نظری نہیں بلکہ محسُوس طور پر ہوگئی اور لاکھوں انسانوں نے اس جسم کی آنکھ سے دیکھ لیا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی قبر سری نگر کشمیر میں موجُود ہے اور جیساکہ گلگتہ یعنے سری کے مکان پر حضرت مسیح کو صلیب پر کھینچا گیا تھا ایسا ہی سری کے مکان پر یعنے سری نگر میں اُنکی قبر کا ہونا ثابت ہُوا۔ یہ عجیب بات ہے کہ دونوں موقعوں میں

سری کا لفظ موجود ہے یعنے جہاں حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر کھینچے گئے اس مقام کا نام بھی گلگت یعنی سری ہے اور جہاں انیسویں صدی کے اخیر میں حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر ثابت ہوئی اُس مقام کا نام بھی گلگت یعنی سری ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ گلگت جو کشمیر کے علاقہ میں ہے یہ بھی سری کی طرف ایک اشارہ ہے۔

اور احادیث میں معتبر روایتوں سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسیح کی عمر ایکسو پچیس ۱۲۵ برس کی ہوئی ہے۔ اور اس بات کو اسلام کے تمام فرقے مانتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام میں دو ایسی باتیں جمع ہوئی تھیں کہ کسی نبی میں وہ دونوں جمع نہیں ہوئیں۔ (۱) ایک یہ کہ انہوں نے کامل عمر پائی یعنی ایکسو پچیس برس زندہ رہے۔ (۲) دوم یہ کہ انہوں نے اکثر حصوں کی سیاحت کی اس لئے نبی سیاح کہلائے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر وہ تینتیس برس کی عمر میں آسمان کیطرف اُٹھائے جاتے تو اس صورت میں ایکسو پچیس ۱۲۵ برس کی روایت صحیح نہیں ٹھیر سکتی۔ اور نہ وہ اس چھوٹی سی عمر میں یعنی تینتیس برس میں سیاحت کر سکتے تھے۔ اور یہ روایتیں نہ صرف حدیث کی معتبر اور قدیم کتابوں میں لکھی ہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے فرقوں میں اس تواتر سے مشہور ہیں کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں۔ کنز العمال جو احادیث کی ایک جامع کتاب ہے اُس کے صفحہ ۳۴ میں ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث لکھی ہے اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسیٰ ان یٰعیسی انتقل من مکان الی مکان لئلا تعرف فتوذی یعنے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیطرف وحی بھیجی کہ اے عیسیٰ ایک مکان سے دوسرے مکان کیطرف نقل کرتا رہ یعنے ایک ملک سے دوسرے ملک کیطرف جا تا کہ کوئی تجھے پہچان کر دُکھ نہ دے۔ اور پھر اسی کتاب میں جابرؓ سے روایت کر کے یہ حدیث لکھی ہے۔ کان عیسیٰ ابن مریم یسیح فاذا امسی اکل بقل الصحراء ویشرب الماء القراح یعنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ سیاحت کیا کرتے تھے اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف سیر کرتے تھے اور جہاں شام پڑتی تھی تو جنگل کے بقولات میں سے کچھ کھاتے تھے اور خالص پانی پیتے تھے۔ اور پھر اسی کتاب میں عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے جس کے یہ لفظ ہیں قال احبّ شئ الی اللہ الغرباء قیل ای شئ الغرباء۔ قال الذین یفرّون بدینھم ویجتمعون الی عیسیٰ ابن مریم۔ یعنے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پیارے خدا کی جناب میں وہ لوگ ہیں جو غریب ہیں۔ پوچھا گیا کہ غریب کے کیا معنے ہیں کہا وہ لوگ ہیں جو عیسیٰ مسیح کی طرح دین لیکر اپنے ملک سے بھاگتے ہیں۔

عصمتِ انبیاء پر بحث

جناب ایڈیٹر صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ عصمت انبیاء پر جو مضمون سال گذشتہ میں آپکے رسالے میں نکلا تھا اُسپر کچھ عرصہ بعد عیسائیوں کے ایک اخبار ایپی فینی میں بحث شروع ہوگئی مگر افسوس کہ ایڈیٹر اخبار نے اِس بحث کو انصاف کے ساتھ جاری نہیں کیا بلکہ قبل اسکے کہ ہماری طرف سے اِسے مفصل جواب پہنچے بحث کو بند کر دیا۔ گویا ایڈیٹر کے نزدیک مذہبی سچائیاں بھی دو تین مہینہ میں زائد المیعاد ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا میں یہ مضمون آپکے رسالے میں بھیجکر اُمید کرتا ہوں کہ آپ اسکو چھاپ دیں گے۔

اوّل یسوع کی حمایت سے عیسائیوں کا گریز

ایپی فینی میں عصمت انبیاء پر جو خط وکتابت شائع ہوئی ہے اُس میں سب سے عجیب بات یہ ہے کہ عیسائی نامہ نگاروں نے ریویو آف ریلیجنز کے مضامین کے اُس حصہ پر توجہ کرنے سے قطعی طور پر گریز کیا ہے جسمیں انجیلی یسوع کی عصمت پر نکتہ چینی کی گئی تھی۔ اُنھوں نے آپکے عصمت انبیاء کے مضمون کی تردید میں سارا زور لگایا ہے اور انبیاء کو گنہگار ثابت کرنے میں ہر ایک کوشش سے کام لیا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ اُنھوں اس امر کیلئے ذرا بھی کوشش نہیں کی کہ یسوع کو ان الزاموں سے بری ثابت کریں جو انجیل کے رُو سے اُسپر وارد ہوتے ہیں اُنکا اوّل غرض تو یسوع کی حمایت تھی مگر بجائے اس کے کہ اسکی حمایت میں کچھ کہیں اُنھوں نے دُوسرے انبیاء پر حملہ کرنے میں اپنی قوت تمام خرچ کیا ہے۔ خود عیسائی نوشتوں کی بناء پر جو آپنے نکتہ چینی کی ہے اُسپر جو ان کو طیش آتا ہے اسکے لئے مخرج یہ اختیار کیا ہے کہ انبیاء کو جہانتک ممکن ہے بُرا کہا۔ ذنب کے معنوں پر تو اُنھوں نے بڑے پُر جوش مضامین لکھے ہیں مگر یسوع کی نکتہ چینیوں پر جو انجیل کی بناء پر کیگئی ہیں وہ خاموشی سے گذر گئے ہیں۔ اُنکی یہ عمداً خاموشی ظاہر کرتی ہے کہ وہ یسوع کی حمایت میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اور اُنھوں نے اپنے خداوند کی حمایت میں کافی دلائل دینے کی بجائے یہی مناسب سمجھا ہے کہ اس امر میں بکلی خاموشی اختیار کی جاوے۔ اگر وہ حقیقت یسوع کی حمایت کر سکتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ میدان میں نہیں آتے اور اُن اعتراضوں کا جواب نہیں دیتے جو یسوع پر اناجیل کی بناء پر کئے گئے ہیں۔

دوم ۔ زبان عربی سے عیسائیوں کی جہالت کا ایک ثبوت

آپ نے لکھا تھا کہ انبیاء علیہم السلام کی نسبت قرآن شریف میں جُرم کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا اسکے متعلق عیسائی نامہ نگاروں کیطرف سے یہ احمقانہ جواب دیا گیا ہے کہ انبیاء کی نسبت جُرم کا لفظ اسلئے استعمال نہیں کیا گیا کہ یہ لفظ قرآن شریف میں بالکل آتا ہی نہیں۔ اگر یہ بیہودہ جواب صرف ہندوستان کے عیسائیوں کیطرف سے ہوتا تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی کیونکہ عربی زبان سے ان لوگوں کی ناواقفیت کس شخص کو معلوم نہیں بیشک ایسا بیہودہ جواب اس ملک کے عیسائیوں کے حال کے بالکل شایاں تھا جو باوجود اپنی جہالت کے اپنے آپ عربی کا عالم ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نادانی سے عربی زبان کے باریک مسئلوں پر بحث کر کے اپنے آپ کو ہنسی کا نشانہ بناتے ہیں۔ ہم اس ملک کے پادریوں سے تو ایسے بیہودہ بیانات سُننے کے عادی ہی تھے مگر ہمیں یہ کبھی خیال نہیں گذرا تھا کہ دوسرے اسلامی ممالک کے پادری بھی اپنے ہندوستانی بھائیوں کیطرح عربی سے محض نابلد ہیں۔ ہم خیال کرتے تھے کہ دوسرے اسلامی ممالک کے پادری اپنے ہندی بھائیوں کی نسبت عربی زیادہ جانتے ہونگے مگر مصر کے ایک پادری مسٹر اوپسن نے ہمارے اس خیال کو غلط ثابت کیا ہے۔ اس شخص نے مصر میں بیٹھکر اس مباحثہ میں حصہ لیا ہے اور ناظرین یہ سُنکر تعجب کرینگے کہ یہی پہلے صاحب ہیں جنہوں نے یہ پیش کیا کہ جُرم کا لفظ قرآن شریف میں کسی شخص کے حق میں بھی استعمال نہیں ہُوا چونکہ یہ بات ایک مصری پادری کے مُنہ سے نکلی تھی اسلئے ہندوستان کے پادریوں نے بڑے شوق سے اسکو لیلیا اور اس کی بڑی قدر کی ہمیں تعجب آتا ہے کہ مسٹر اوپسن کو اس معاملہ میں دخل دینے کی کیا ضرورت تھی کیا ہندوستان میں پہلے ہی عیسائی جہالت کافی موجود نہ تھی۔ مسٹر اوپسن عربی سے ایسا ہی ناواقف معلوم ہوتا ہے جیسا کہ یہاں کے انگریز اکثر ہندوستان کی بولیوں سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اگر وہ عربی سے خوب واقف ہوتا تو یہ بیہودہ بات کبھی پیش نہ کرتا کہ قرآن شریف میں لفظ جُرم کا استعمال نہ نبی پر آیا ہے نہ غیر نبی پر۔ مگر اُسکے ہندوستانی بھائیوں نے اس کے بیان کو خیر مقدم کہا صرف اسلئے کہ یہ بات مصر سے آئی ہے۔ انکو یہ خبر تھی کہ اس امر میں وہ بھی انکی طرح نابینا ہے۔ اس امر میں رانا گھاٹ کے ایک پادری مسٹر بارزو نے جو حصہ لیا ہو اُس سے نہایت ہی ہنسی آتی ہے۔ چونکہ یہ شخص عربی سے ناواقف تھا اسلئے اسکو اوپسن کے بیان کی لغویت نظر نہ آئی جس طرح جاہل لوگ دوسرے کی بات پر اعتبار کر لیا کرتے ہیں اسی سادگی سے اُس نے بھی مسٹر اوپسن کے بیان پر یقین کر لیا۔ اور

چاہا کہ اس نکتہ سے بڑا فائدہ اُٹھائے۔ اِس نے سمجھا کہ اب ریویو آف ریلیجنز کا ایڈیٹر خوب قابُو میں آگیا ہے۔ کیونکہ وُہ عمداً ایک بڑی سخت غلط بیانی کا مرتکب ہؤا ہے۔ اس نے مناسب نہ سمجھا کہ ایڈیٹر پر حملہ کرنے کے موقع کو ہاتھ سے جانے دے۔ اس بیچارے کو اپنی آنکھوں کا شہتیر نظر نہ آیا۔ وہ یہ نہیں دیکھ سکا کہ مَیں مسٹر اوپسن کے لغو بیان کی تصدیق کرنے میں خود اپنی جہالت کا ثبوت دے رہا ہُوں۔ ہمیں اس سے تو تعجب نہیں آتا کہ وہ مسٹر اوپسن کی غلطی کو دیکھ نہ سکا کیونکہ اس سے اس بات کی اُمید ہی نہ تھی اسکی جہالت باوجود اپنی حماقت کے اسکو معذور ٹھیراتی ہے۔ اسکا جُرم تو یہ ہے کہ اُسنے شوخی سے ایڈیٹر پر کیوں حملہ کیا مگر میرے خیال میں اسکو اس امر کی کافی سزا مل چکی ہے۔ اس کا حملہ ہی اس کے لئے کافی سزا ہے کیونکہ اس حملہ سے اُسنے اپنی پردہ دری کرائی اسکو اپنی جہالت اور مسٹر اوپسن کی بات پر حد سے زیادہ اعتبار کر لینے سے ذِلّت نصیب ہوئی اور اُسے اس منحوس وقت پر لعنت بھیجنی چاہئے۔ جبکہ اُسے اس مباحثہ میں حصہ لینے کا خیال آیا جس کے وہ بالکل ناقابل تھا اور جو انجام کار اس کی پردہ دری کا باعث ہُؤا۔ میں اسکو ہمدردی سے مشورہ دیتا ہُوں کہ آئندہ وُہ ایسے مباحثات میں شامل ہونیکا کبھی خیال بھی نہ کرے۔ جنمیں عربی دانی کی ضرورت ہو۔ مَیں اُمید کرتا ہوں کہ وہ اس سبق سے فائدہ اُٹھائیگا اور پھر کبھی ایسے مباحثات میں دخل نہ دیگا اگر وُہ بیکار نہیں بیٹھ سکتا اور ضرور اُسکے لئے کوئی شغل چاہئے تو مَیں اُسکے لئے ایک اَور قسم کا مباحثہ تجویز کرتا ہُوں جسمیں اسکی ذات کے لئے کسی پردہ دری کا خطرہ نہیں۔ انجیل کی بنا پر ریویو آف ریلیجنز میں یسُوع پر نکتہ چینی کیگئی ہے۔ اور عیسائی نوشتوں کی شہادت پر یسُوع کی عصمت پر بڑے سخت اعتراض کئے گئے ہیں اسلئے مسٹر مازو کے لئے بہت بہتر ہوگا کہ اِس ضروری مسئلہ کو بحث کے نیچے لائے اور اس مضمون پر پُرزور مضامین لکھے۔ یہ اسکے لئے زیادہ سلامتی کی راہ ہے کیونکہ اسمیں اُسکے لئے کسی اپنی پردہ دری کا خطرہ نہیں۔ اگرچہ ممکن ہی کہ اس سے اُس شخص کی پردہ دری ہو جائے جسکو جہالت سے وہ اپنا خُدا سمجھ کے پُوجتا ہے۔

مگر باوجُود اسکے کہ یہ مسٹر مازو کے لئے نہایت ہی مقدس اور اعلےٰ درجہ کا فرض ہے کہ اپنے خُدا کی خدائی کو اسکی معصومیت ثابت کرکے نبھائے۔ مَیں وثوق سے کہتا ہوں کہ وہ اس کام کے لئے کبھی جرأت نہیں کریگا۔ اسکے اپی فینی میں بہُت دفعہ خطوط چھپے ہیں جسمیں اُسنے ریویو آف ریلیجنز کے بعض بیانات پر اعتراض کیا ہے مگر تعجب کی بات ہے کہ باوجود اسقدر مذہبی جوش اور تعصب کے یسُوع کی عصمت پر جو اعتراض کئے گئے ہیں انکا کوئی دفعیہ نہیں کیا۔ وہ خُوب جانتا ہے کہ ایسی کوشش کرنا مُفید نہیں

جرم کی صورت میں عیسائیوں کا جواب اس سے کچھ کم لغو نہیں ہے اگرچہ قریبًا تمام الفاظ جو جرم کے لفظ سے نکل سکتے ہیں قرآن شریف میں آئے ہیں مگر وہ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ جرم کا مادہ اپنی اصل صورت میں قرآن شریف میں کہیں نہیں آیا۔ اس لئے ریویو آف ریلیجنز کے ایڈیٹر نے بڑی غلط بیانی کی جبکہ اُس نے کہا کہ جرم اگرچہ اکثر قرآن شریف میں دُوسرے لوگوں پر آیا ہے مگر انبیاء کی نسبت ایک دفعہ بھی نہیں آیا۔ گویا کہ ایڈیٹر صاحب کی یہ مُراد تھی کہ جرم سے نکلے ہوئے لفظ ممکن ہے کہ انبیاء کی نسبت آئے ہوں مگر جرم کا مادہ قرآن شریف میں انبیاء کی نسبت استعمال نہیں ہُوا۔

سوم۔ ذنب کے معنے

(۱) عیسائی بیان کرتے ہیں کہ قرآن شریف انبیاء کو ایسا ہی گنہگار ٹھیراتا ہے جیسا کہ معمولی آدمیوں کو۔ یہ صریحًا غلط ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو قرآن شریف ایسے الفاظ کو مثلًا جرم۔ فسق۔ جناح۔ اثم وغیرہ انبیاء کے متعلق کیوں استعمال نہیں کرتا۔ حالانکہ یہ الفاظ اکثر دُوسرے لوگوں کی نسبت استعمال ہُوئے ہیں۔ اگر قرآن شریف اُنکو ایسا ہی گنہگار سمجھتا ہے جیسا کہ دُوسرے آدمیوں کو۔ تو کیوں وہ اُنکے متعلق ایسے الفاظ استعمال کرنیسے پرہیز کرتا ہے جو دوسرے گنہگاروں کے متعلق اکثر استعمال کرتا ہے۔ لفظ فسق۔ جرم۔ اثم۔ جناح وغیرہ قرآن کریم میں قریبًا دو سو دفعہ آئے ہیں لیکن باوجود ان کی اسقدر کثرت استعمال کے کسی نبی کی نسبت وہ ایک دفعہ بھی استعمال نہیں کئے گئے۔ اگر لفظ ذنب اور جرم وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہے تو کیا وجہ ہے کہ قرآن شریف نے انبیاء کے لئے صرف ذنب کا لفظ چُن لیا ہے۔ اور ہمیشہ جرم وغیرہ الفاظ کے استعمال سے پرہیز کی ہے۔ اگرچہ قرآن شریف میں جرم۔ فسق۔ اثم وغیرہ کی نسبت ذنب کا استعمال بہت کم ہے لیکن باوجود اسکے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن شریف دُوسرے لفظوں کو چھوڑ کر انبیاء کی نسبت صرف ذنب کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ قرآن شریف نے صریحًا انبیاء کے متعلق جرم اور ذنب کے لفظ کے استعمال میں تمیز رکھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کبھی انبیاء کی نسبت ذنب کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو وہ جرم وغیرہ کا مترادف نہیں ہوتا۔

(ب) ایک اور دلیل کہ ذنب ہمیشہ گناہ سرزد شدہ کے معنے نہیں رکھتا۔ یہ ہے کہ خُدا تعالےٰ ذنب کی ایسے فعل کے طور پر تعریف نہیں کرتا جو ہمیشہ قابل سزا ہو۔ حالانکہ دُوسرے الفاظ جرم۔ وغیرہ کی ایسی تعریف کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ ذنب کو تمام صورتوں میں قابل سزا فعل نہیں ٹھیراتا۔ ہمیں قرآن شریف میں کہیں نہیں بتلایا گیا کہ جس شخص میں صرف ذنب پایا جائے وہ ہمیشہ مستحق سزا ء کا

بلکہ مضر ہوگا کیونکہ ان اعتراضات کی بناء اناجیل کے کھلے کھلے اور صریح الفاظ پر ہے۔
یہ آسانی سے سمجھ آسکتا ہے کہ عیسائیوں کو یہ غلطی کیونکر لگی کہ جُرم کا استعمال قرآن شریف میں ہُوا ہی نہیں۔ آپ نے جو مضمون عصمت انبیاء پر شائع کیا تھا اس میں آپ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ قرآن شریف انبیاء کو گنہگار نہیں ٹھیراتا اور اس بات کے ثبوت میں آپ نے بیان کیا کہ قرآن شریف میں انبیاء کی نسبت جُرم کا لفظ جو گناہ کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ ہے۔ کبھی نہیں آیا۔ اگرچہ یہ لفظ قرآن شریف میں دُوسرے لوگوں کی نسبت بہت دفعہ آیا ہے آپ کا یہ مطلب نہ تھا کہ ایسے لفظ مثلاً مجرم۔ یجرمون۔ اجرموا۔ وغیرہ جو جرم کے مادہ سے نکلے ہیں ممکن ہے کہ انبیاء کی نسبت استعمال کئے گئے ہوں مگر جرم اپنی مصدری صورت میں انبیاء کی نسبت استعمال نہیں ہُوا۔ ایسا کہنا انبیاء کی عصمت کی کوئی دلیل نہیں ہوسکتی تھی۔ اگر دُوسرے لفظ جو جرم کے مادے سے نکلے ہوئے ہیں انبیاء کی نسبت استعمال کئے جاتے اور صرف جرم کی مصدری صورت استعمال نہ ہوتی تو یہ کوئی اُنکی عصمت کی دلیل نہ ہوتی۔ جرم ایک جزء ہونیکی وجہ سے اِن تمام الفاظ پر حاوی ہے جو اس سے نکل سکتے ہیں۔ اور جب آپ نے کہا کہ جُرم کا استعمال انبیاء کے متعلق قرآن شریف میں نہیں آیا اگرچہ اکثر دُوسرے لوگوں کی نسبت آیا ہے تو صریحًا جُرم سے آپکی مراد وہ سارے الفاظ تھے جو اس لفظ سے نکلتے ہیں اور جنپر یہ لفظ حاوی ہے مگر عیسائیوں کو اتنا علم نہ تھا کہ وُہ اس بات کو سمجھیں۔ اُنہوں نے کسی نجوم الفرآن میں لفظ جرم کا دیکھا اور جب ان کو اس لفظ کا پتہ نہ مِلا تو اُنہوں نے دلیری سے کہدیا کہ جُرم کا استعمال قرآن شریف میں ہُوا ہی نہیں۔ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ اس طرح وہ اپنی جہالت کا ثبوت دے رہے ہیں۔ چُونکہ عربی سے ناواقف تھے اُنکو یہ خیال نہ آیا کہ اُن الفاظ کو ڈھونڈھیں جو جُرم کے مادے سے نکلے ہُوئے ہیں۔ اگر قرآن شریف میں دُوسرے الفاظ جو جرم کے مادے سے نکلے ہُوئے ہیں انبیاء کی نسبت آئے ہوتے تو صرف نہ آنا اُن کی معصومیت کو ثابت نہیں کرسکتا تھا۔ فرض کرو کہ زید بیان کرتا ہے کہ گناہ کا لفظ یسوع کی نسبت انجیل میں استعمال نہیں ہُوا اِسلئے اُسے معصوم سمجھنا چاہئے۔ مگر عمرو ایسے فقرے انجیل سے پیش کرتا ہے جنمیں یسوع کی نسبت یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ گنہ گار۔ گناہ کرنے والا۔ گناہ کُنندہ وغیرہ۔ تو کیا زید کے لئے یہ کہنا عقلمندی ہوگی کہ اگرچہ یہ الفاظ یسوع کی نسبت بیان کئے گئے ہیں۔ مگر چُونکہ لفظ گناہ اپنی سادہ اور غیر مرکب صُورت میں یسوع کی نسبت نہیں آیا اِسلئے یسوع کو بیگناہ سمجھنا چاہئے۔ زید کا ایسا جواب موجب تمسخر ہوگا۔ لیکن لفظ

ہوتا ہے۔ مگر گناہ ایک قابل سزا فعل ہے۔ اور ہر ایک شخص جو گناہ کا مرتکب ہو سزا کا مستحق ہوتا ہے اس سے ہم نتیجہ نکالتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ذنب کو تمام صورتوں میں گناہ کا مترادف نہیں قرار دیتا کیونکہ وہ کہیں بیان نہیں کرتا کہ جس شخص میں ذنب پایا جائے وہ ہمیشہ قابل سزا فعل کا مرتکب ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں ایک بھی آیت نہیں ہے جس سے یہ نتیجہ نکلے کہ خدا تعالیٰ ذنب کی تمام صورتوں کو قابل سزا ٹھیراتا ہے بجائے اسکے کہ عیسائی قرآن شریف سے کوئی ایسی آیت پیش کرتے جس سے پایا جاتا کہ جس شخص میں ذنب پایا جائے وہ سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔ انہوں نے ایسی آیتیں پیش کی ہیں جنمیں ذنب گناہ کے لئے آیا ہے۔ گویا ہمارا یہ دعوے تھا کہ ذنب گناہ کے معنوں میں آتا ہی نہیں۔ قرآن شریف سے ایسی آیتیں پیش کیگئیں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجرم لوگ اپنے ذنوب کی سزا پائیں گے۔ لیکن کیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس میں ذنب پایا جائے وہ سزا پائیگا۔ ان آیتوں سے تو اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ جو مجرم ہونگے وہ اپنے ذنوب کی سزا پائیں گے۔ ہم عیسائی صاحبان سے ایسی آیت طلب کرتے ہیں جس کے یہ معنی ہوں کہ ہر ایک مذنب سزا پائیگا۔ قرآن شریف میں ایسی کئی آیتیں ہیں کہ جو کوئی جرم۔ فسق۔ اثم۔ کفر کرے وہ سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہ آیت ہے۔ ومن یات ربہ مجرما فان لہ جہنم۔ ترجمہ۔ اور جو کوئی خدا کے پاس مجرم کے طور پر آئیگا دوزخ میں ڈالدیا جائیگا۔ لیکن ہمیں کہیں نہیں بتلایا گیا کہ جو کوئی رب کے پاس مذنب ہو کر جائیگا دوزخ میں سزا پاویگا۔ ایسا ہی قرآن شریف میں کئی آیتیں ہیں جنمیں فسق۔ اثم کفر وغیرہ تمام صورتوں میں قابل سزا فعل بیان کئے گئے ہیں۔ مگر ذنب کی کہیں ایسی تعریف نہیں کیگئی۔

مجرم۔ کافر۔ فاسق وغیرہ کا ذنب خالص ذنب نہیں ہے کیونکہ ان صورتوں میں ان لوگوں کیطرف صرف ذنب ہی منسوب نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان لوگوں کے ذنب کیساتھ جرم۔ کفر۔ فسق وغیرہ بھی ملائے گئے ہیں۔ اسلئے ہم نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ ذنب جس کے ساتھ کفر۔ جرم۔ فسق وغیرہ نہ ملا ہوا ہو وہ بھی ہمیشہ قابل سزا ہوتا ہے۔ اگر مجرم کافر۔ فاسق وغیرہ کو اس کے ذنب کی سزا میں دوزخ کا وعید سنایا گیا ہے تو اس سے ہم یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ انبیاء بھی جنکی طرف جرم۔ کفر۔ فسق منسوب نہیں کئے گئے۔ اپنے ذنب کے لئے مستحق سزا ہوتے ہیں۔ عیسائیوں کو قرآن شریف کی رو سے ثابت کرنا چاہئے کہ جس شخص کیطرف صرف ذنب منسوب کیا گیا ہو۔ اور جرم۔ فسق۔ اثم وغیرہ اس کی طرف منسوب نہ کئے گئے ہوں وہ بھی سزا کا ایسا ہی مستحق ہو جاتا ہے جیسا کہ مجرم یا اثیم وغیرہ۔ اب قرآن شریف میں

خدا تعالیٰ انبیاء کی نسبت صرف ذنب کا لفظ استعمال کرتا ہے اور ذنب کو وہ کہیں ایسے فعل کے طور پر بیان نہیں کرتا جو کہ تمام صورتوں میں سزا کا مستحق بنا وے اور وہ جرم - فسق - اثم - کفر وغیرہ الفاظ انبیاء کی نسبت استعمال نہیں کرتا - اور وہ اُن فعلوں کو ان کی تمام صورتوں میں قابل سزا بیان کرتا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ انبیاء کو ایسے لوگوں میں شامل نہیں کرتا جو کہ سزا پانے کے خطرہ میں ہوتے ہیں جیسا کہ وہ دوسرے لوگوں کو سمجھتا ہے -

(ج) عیسائی بیان کرتے ہیں کہ انبیاء بھی اسیطرح گناہ کر سکتے ہیں جیسا کہ دوسرے لوگ - اور کہ انبیاء اور دوسرے لوگوں میں اس بارہ میں کوئی فرق نہیں - قرآن شریف اس کی تردید کرتا ہے وہ اس بارے میں انبیاء اور دوسرے لوگوں میں صاف تمیز کرتا ہے جب بعض لوگوں نے شک کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے زیادہ حصہ لے لیا ہے تو خدا تعالےٰ نے انکے شبہات کا اس طرح جواب دیا ماکان لنبی ان یغل - (ترجمہ) - نبی کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ مال غنیمت میں خیانت کرے جس طرز میں خداوند تعالیٰ نے جواب دیا ہے - اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ گناہ کے بارے میں خدا تعالےٰ انبیاء کو اور دوسرے لوگوں کو مساوات کی نظر سے نہیں دیکھتا - خدا تعالےٰ اُنکے شبہوں کا یوں جواب دیسکتا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں کوئی خیانت نہیں کی - برخلاف اسکے خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی نبی ایسا کام کرے - اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک انبیاء اور دوسرے لوگ گناہ کے معاملہ میں مساوی نہیں جیسا کہ عیسائیوں کا خیال ہے خدا یہاں ایک قسم کے گناہ کا ذکر اسلئے کرتا ہے کہ موجودہ صورت میں اسی قسم کا الزام لگایا گیا تھا اور یہی الزام تھا جس سے خدا تعالےٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بری کرنا چاہتا تھا -

(د) عیسائی لوگ بیان کرتے ہیں کہ استغفار اپنے گناہوں کی معافی کے لئے ایک دعا ہے جو سرزد ہو چکے ہیں - اور جب تک کہ کوئی گناہ سرزد نہ ہو کوئی استغفار نہیں ہو سکتا - یہ بیان کئی وجوہات کے رُو سے غلط ہے -

(۱) استغفار کے لفظی معنے اس بیان کی تردید کرتے ہیں - اسکے معنے ہیں حفاظت مانگنا گناہوں سے حفاظت مانگنا دو قسم کا ہوتا ہے - ایک سرزد شدہ گناہوں کے بد نتائج سے حفاظت طلب کرنا - دوسرا خود گناہوں کے وقوع سے حفاظت طلب کرنا - ہم طبعی طور پر صرف یہی خواہش نہیں کرتے کہ ہمارے

گزشتہ گناہ معاف ہوں بلکہ یہ بھی خواہش کرتے ہیں کہ آئندہ ہم سے گناہ سرزد ہی نہ ہوں۔ اور استغفار ایک ایسی دُعا ہے جس میں ہم اپنی طبعی خواہشوں کو ظاہر کرتے ہیں اُس کو صرف ایک خواہش پر ہی محدود کرنا بے انصافی ہے۔

(۲) قرآن شریف میں کئی آیات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ استغفار صرف سرزد شدہ گناہوں کے لئے ایک دُعا نہیں ہے بلکہ ہم بغیر کسی گناہ کے وقوع کے بھی استغفار کر سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہمیں تاکید کرتا ہے کہ صبح کے وقت استغفار کیا کرو۔ اگر استغفار ضرور گناہوں کے بعد ہوتا ہے تو کیوں خداوند تعالےٰ نے صبح کا وقت خاص کیا۔ ہم سے جس وقت گناہ سرزد ہو اسی وقت استغفار کرنا چاہئے تھا۔ مگر خدا ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ تم ہر روز صبح کے وقت استغفار کیا کرو۔ وہ فرماتا ہے الصابرین والصادقین والقانتین والمنفقین والمستغفرین بالاسحار پھر فرماتا ہے انھم کانوا قبل ذلک محسنین کانوا قلیلاً من اللیل ما یھجعون و بالاسحار ھم یستغفرون۔ ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیں یہی حکم نہیں کرتا کہ جس وقت تم سے کوئی گناہ سرزد ہو اُسوقت استغفار کیا کرو۔ بلکہ یہ بھی چاہتا ہے کہ بغیر گناہوں کے ارتکاب کے بھی ہم استغفار کیا کریں۔

(۳) ایک اور آیت جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ استغفار گنہگار ہونیکا کوئی ثبوت نہیں ہے اسطرح پر ہے نُورُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْہِمْ وَبِاَیْمَانِہِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۔ (سورۃ التحریم) اس آیت میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ بہشتی لوگ بھی استغفار کیا کرینگے۔ ان کا استغفار گناہوں کے لئے نہیں ہو سکتا کیونکہ بہشت میں کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اور نہ وہ اپنی دُنیاوی زندگی کے گناہوں کے لئے استغفار کریں گے کیونکہ ہمیں اس سے پہلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ بہشت میں داخل ہونے سے پہلے اُن کے گناہ معاف کئے جائیں گے۔ آیت اس طرح ہے عسیٰ ربکم ان یکفر عنکم سیئاتکم و یدخلکم جنٰت تجری من تحتھا الانھار۔ پس اُن کا استغفار گزشتہ گناہوں کے لئے نہیں خود اس آیت سے ہمیں پتہ ملتا ہے کہ اُن کا استغفار کس غرض کے لئے ہوگا۔ چونکہ خداوند تعالےٰ کے نور کی کوئی حد نہیں ہے اس لئے جو نور اہل جنت کو ملیگا وہ انکو اس نور کے مقابل پر ناقص نظر آئیگا جو ابھی ان کو نہیں ملا۔ اس نقص کو محسوس کر کے وہ خدا سے دعا کرینگے کہ ہمارا نور پورا کر۔ اور ہماری اس

ناقص حالت کو ڈھانپ دے - مگر وہ کبھی نور سے سیر نہیں ہونگے - کیونکہ خدا کے نور کی کوئی حد نہیں اسلئے وہ ہمیشہ زیادہ اور زیادہ نور مانگتے رہینگے - اس سے معلوم ہوا کہ استغفار روحانی ترقی کے لئے ایک دُعا ہے - چونکہ روحانی ترقی کی کوئی حد نہیں - اسلئے انبیاء علیہم السلام ہمیشہ دُعا میں لگے رہتے ہیں اور ہمیشہ زیادہ نور مانگتے رہتے ہیں وہ کبھی اپنی روحانی ترقی پر سیر نہیں ہوتے اسلئے ہمیشہ استغفار میں لگے رہتے ہیں کہ خدا اُنکی ناقص حالت کو ڈھانپے - اور پورا روشنی کا پیمانہ دے - اسی وجہ سے خدا تعالیٰ اپنے نبی کو فرماتا ہے قُلْ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا یعنی ہمیشہ علم کے لئے دُعا کرتا رہ - کیونکہ جیسا خدا ابجد ہے ایسا ہی اُسکا علم بھی ابجد ہے - القصہ اہل جنت کا استغفار صاف طور پر ثابت کرتا ہے کہ استغفار اور گناہ لازم ملزوم نہیں ہیں اور یہ کہ ہمارا استغفار اسلئے بھی ہو سکتا ہے کہ خدا ہماری کمزوریوں کو ڈھانپے اور روحانی ترقی کیلئے طاقت دے - عیسائی بڑے ظالم ٹھہرینگے اگر وہ اب بھی اصرار کرینگے کہ استغفار ہمیشہ گزشتہ گناہوں کی معافی کے لئے ایک دُعا ہوتی ہے -

(۴) ایک اور آیت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ استغفار ہمیشہ گزشتہ گناہوں کے لئے نہیں ہوتا - یہ ہے فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا - اس آیت میں خداوند تعالےٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کی تاکید کرتا ہے - یہ آیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تھوڑے ہی دن پہلے اُتری - اب اس آیت کے ساتھ یہ آیت ملاؤ - انا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر - یہ آیت فتح مکہ کے وقت اُتری اسلئے یہ آیت اول الذکر آیت سے بہت پہلے کی ہے عیسائی اس آیت کا اسطرح ترجمہ کرتے ہیں " ہمنے تجھے ایک صریح فتح دی تاکہ ہم تیرے پہلے اور پچھلے گناہ معاف کریں"* - یہ عیسائیوں کا ترجمہ ہے - اسلئے عیسائیوں کو ماننا چاہئے کہ خدا تعالےٰ نے فتح مکہ کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کُل اگلے پچھلے گناہ معاف کر دئے تھے اب جب خداوند تعالےٰ

*یہ معنے بالصراحت غلط ہیں کیونکہ اس آیت کا ربط ہی بگڑ جاتا ہے - ایک فتح کو گناہ کی معافی سے کیا تعلق ہے گناہوں کی معافی فتح کا کوئی نتیجہ نہیں ہو سکتا - یہاں لفظ ذنب سے وہ عیب مراد ہیں جو کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب کیا کرتے تھے کہ یہ شخص مفتری اور جھوٹا ہے - خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح دی - جو کہ آپکی صداقت کی علامت تھی - اور اسطرح خداوند تعالیٰ نے آنحضرت کو فتح دیکر ان تمام الزاموں کو دُور کر دیا جو کفار آنحضرت صلعم کیطرف منسوب کیا کرتے تھے - خدا تعالےٰ نے آپ کے سلسلہ کو پوری کامیابی دی - اور آپکے دشمنوں کو ہلاک کیا اور اسطرح آپ کی سچائی کی شہادت دی - ربط کلام ان معنوں کی تائید کرتا ہے -

نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دئے تو پھر خداوند تعالیٰ نے آنحضرت کو کیوں استغفار کی تاکید کی۔ اگر ہم عیسائیوں کے ترجمہ کو بھی ان لیں تو یہی نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ جب خداوند تعالیٰ نے گناہ معاف کرنے کے بعد استغفار کی تاکید کی تو وہ استغفار گزشتہ سرزد شدہ گناہوں کے لئے نہیں تھا کیونکہ آپ کے گناہ تو سارے معاف ہو چکے تھے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ خداوند تعالیٰ اول سارے گناہ آپ کو معاف کرے اور پھر بعد اسکے گناہوں کی معافی منگوائے۔ پس عیسائیوں کو ماننا چاہئے کہ یہاں واستغفرہ کے معنے یہ نہیں کہ گناہوں کے لئے معافی مانگ۔ بلکہ یہاں استغفار کے معنے خداوند تعالیٰ سے قوت طلب کرنا ہیں تاکہ وہ روحانی منزل کے طے کرتے ہیں طاقت بخشے۔ سیاق کلام بھی اس معنے کی تائید کرتا ہے۔ اس سورۃ میں (یعنی النصر) میں خداوند تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی کامل کامیابی کا ذکر کرتا ہے۔ اور آپ کے قرب موت کیطرف اشارہ کرتا ہے۔ اور تاکید کرتا ہے کہ زندگی کے باقی دنوں میں صرف دعامیں لگ جاؤ۔

(۵) عیسائی بیان کرتے ہیں کہ استغفار نہیں ہو سکتا جب تک کہ گناہوں کا ارتکاب ہوا ہو اور یہ کہ جتنا زیادہ کوئی استغفار کرے اتنا ہی زیادہ وہ گنہگار ہوتا ہے۔ اس خیال کی قرآن شریف تردید کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریبًا ایک دن میں سو دفعہ استغفار کیا کرتے تھے۔ اور آپ ساری عمر ایسا ہی کرتے رہے۔ اب عیسائیوں کے نزدیک یہ بار بار کا استغفار گناہوں کی زیادتی کو ظاہر کرتا ہے۔ مگر قرآن شریف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت بڑے تعریف والے کلمے بیان کرتا ہے مثلاً انک لعلی خلق عظیم نیز یہ آیت قل ان صلوتی ونسکی و محیای ومماتی للہ رب العلمین پھر خداوند تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کو سراج منیر فرماتا ہے۔ اب ان تمام آیتوں سے اس نتیجہ کی تردید ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار کا استغفار کثرت گناہوں کی وجہ سے تھا اگر ایسا ہوتا تو خداوند تعالیٰ ایسے الفاظ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یاد نہ فرماتا جنکا اوپر ذکر ہوا ہے۔

(۶) خداوند تعالیٰ مسلمانوں کو حکم کرتا ہے کہ وہ آنحضرت کے نمونے پر چلیں اور آپ کے ہر قول اور فعل کی پیروی کریں چنانچہ فرماتا ہے۔ قد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ پھر فرماتا ہے ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ سلم کے اقوال اور افعال عیب سے خالی نہ تھے تو کیوں یہ واجب کیا کہ ہم آپ کے نمونے پر چلیں جب خدا نے ابراہیم علیہ السلام کے نمونے پر چلنے کی تاکید فرمائی تو ساتھ ایک استثنا لگا دیا* مگر آنحضرت کی صورت میں

* دیکھو آیت قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم....... الا قول ابراھیم لابیہ لاستغفرن لک (الممتحنہ) اور آیت وما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ فلما تبین لہ انہ عدو للہ تبرا منہ۔ ان ابراھیم لاواہ حلیم (توبہ)

کوئی استثنا نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال غلطی سے پاک تھے۔

چہارم۔ کیا عیسائی قرآن شریف سے حضرت مسیح کی عصمت ثابت کر سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر استغفار اور گناہ لازم ملزوم ہیں تو اس سے ماننا پڑتا ہے کہ قرآن شریف کے رُو سے حضرت مسیح بھی بیگناہ نہیں ہیں۔

(الف) قرآن شریف میں ہے یستغفرون لمن فی الارض یعنی خدا کے فرشتے کُل اہلِ زمین کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ اب اگر استغفار کے لئے گناہ کا ہونا ضروری ہے۔ تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ حضرت مسیح بھی بیگناہ نہ تھے کیونکہ وہ بھی اہلِ زمین میں شامل ہیں جنکے لئے فرشتے استغفار کرتے ہیں۔

(ب) قرآن شریف ایک اور جگہ فرماتا ہے کہ فرشتوں کا استغفار خاصکر مومنوں کے لئے ہوتا ہے وہ آیت اس طرح ہے یستغفرون للذین امنوا۔ قرآن شریف کی رُو سے تمام لوگ دو اقسام میں منقسم ہیں ایک مومن دوسرے غیر مومن۔ اور حضرت مسیح مومنوں میں شامل ہیں اور اسلئے فرشتے اُن کے لئے بھی استغفار کرتے ہیں۔ پس اگر استغفار سے گناہ کا ہونا لازم ہوتا ہے تو پھر حضرت مسیح بیگناہ نہیں ہو سکتے۔

(ج) قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام گزشتہ انبیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے واذ اخذ اللہ میثاق النبیّین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمننّ بہ الخ (آل عمران رکوع ۹)

مسٹر اے۔ ایم۔ اذ اخذ اللہ میثاق النبیّین کا عجیب ترجمہ کرتا ہے۔ اس کا ترجمہ کرنے کیواسطے وہ قرآن شریف کی ایک اور آیت کیطرف رُخ کرتا ہے۔ یعنی ولقد اخذنا میثاق بنی اسرائیل الخ۔ ان دونوں آیتوں کو ملانے کی کوشش کرتا ہے۔ پچھلی آیت کا یہ معنے ہے کہ خدا نے بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ اور پہلی آیت اپنی ترکیب کے لحاظ سے بالکل پچھلی آیت کے مشابہ ہے۔ اسلئے اسکے معنے یُوں کرنے چاہئیے کہ خدا نے انبیاء سے عہد لیا۔ دونوں ترکیبیں بالکل مشابہ ہیں۔ اور اگر لقد اخذنا میثاق بنی اسرائیل کے یہ معنے ہیں کہ خدا نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تو دوسری آیت کے یہ معنے ہونے چاہئیے کہ خدا نے انبیأ سے عہد لیا۔ صرف ہم نے ایک آیت میں انبیاء کا لفظ رکھنا ہے۔ اور دوسری آیت میں بنی اسرائیل کا لفظ۔ باقی حالتوں میں دونوں عبارتیں بالکل ایک ہی

ہیں لیکن بجائے اسکے کہ مسٹر اے ایم اذا اخذ اللہ میثاق النبیین کا اسی طرز سے ترجمہ کرے جس طرح وہ دوسری عبارت کا ترجمہ کرتا ہے۔ وہ اذ اخذ اللہ میثاق النبیین کا بہت ہی خلاف محاورہ ترجمہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اسکے معنے یہ ہیں کہ خدا نے انبیاء کے بارے میں بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ بنی اسرائیل کا لفظ وہ اپنی طرف سے ملاتا ہے۔ ایک طرف تو وہ میثاق بنی اسرائیل کے یہ معنے کرتا ہے کہ بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ دوسری طرف میثاق النبیین کا یوں ترجمہ کرتا ہے کہ انبیاء کے بارے میں بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ دونوں عبارتیں بالکل مشابہ ہیں۔ اسلئے اگر میثاق بنی اسرائیل کے یہ معنی ہیں کہ بنی اسرائیل سے عہد لیا تو میثاق النبیین کے یہ معنے ہونے چاہئیں کہ نبیوں سے عہد لیا۔

اسکا یہ اعتراض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی نبی زندہ نہ تھا جو آپ پر ایمان لاتا اور آپکی نصرت کرتا۔ لغو ہے۔ خدا نے یہ عہد ہر ایک نبی سے کیا جو آنحضرت سے پہلے گذرا اور خدا کی وحی انبیاء پر اُترتی تھی نہ کہ عام لوگوں پر۔ لیکن انبیاء کا فرض تھا کہ خدا کا یہ حکم اپنی اپنی اُمتوں کو پہنچاتے اور اُن کو تاکید کرتے کہ جب موعود نبی ظاہر ہو تو اُسپر ایمان لانا اور اُسکی امداد کرنا مگر وہ اس حکم کو نہیں پہنچا سکتے تھے جبتک وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لاتے جب انہوں نے آنحضرت کی آمد کی پیشگوئی کی تو لازم تھا کہ وہ خود بھی آپکی نبوت پر ایمان لاتے۔ اگر مسٹر اے ایم کا اعتراض ہمپر پڑتا ہے تو وہ اسکے معنوں پر بھی ایسا ہی پڑتا ہے۔ اگر عہد بنی اسرائیل سے کیا گیا تھا تو وہ بنی اسرائیل کی کوئی خاص نسل ہوگی۔ اگر انبیاء آنحضرت کے زمانے تک نہ زندہ رہ سکتے تھے۔ تو بنی اسرائیل بھی زندہ نہ رہ سکتے تھے۔ وہ نسل اپنے نبی کے ساتھ ہی گذر گئی ہوگی تو پھر وہ کسطرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے کو دیکھ سکتی تھی۔ اسلئے دونوں صورتوں میں جن لوگوں سے عہد کیا گیا وہ نہ تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اسلئے دونوں صورتوں میں خدا کے حکم کی تعمیل کرنیوالے وہی لوگ ٹھیرتے ہیں جو آنحضرت کی بعثت کے وقت موجود تھے۔ اور اپنے انبیاء کے قائم مقام تھے۔ پس ہمیں صرف یہی دیکھنا چاہئے کہ عہد کن سے کیا گیا۔ آیت کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عہد انبیاء سے کیا گیا۔ خدا سے الہام پاکر انبیاء کا فرض تھا کہ خدا کے اس حکم کو اپنی اُمتوں تک پہنچاویں اور انکو تاکید کریں کہ موعود نبی پر ایمان لانا اور اُسکی مدد کرنا۔ لیکن وہ کس طرح اوروں کو تاکید کرسکتے تھے جبتک کہ وہ خود پہلے آنحضرت کی نبوت پر ایمان نہ لاتے۔ انبیاء کی نصرت تو یہی تھی کہ وہ اپنی اپنی

اُمتوں کو تاکید کرجاویں کہ موعود نبی پر ایمان لانا - اور اُسکی نصرت کرنا -

اب چونکہ حضرت مسیح بھی انہی انبیاء میں سے ہیں جنکا اس آیت میں ذکر ہے اسلئے ثابت ہوا کہ وہ بھی آنحضرت صلعم کی نبوت پر ایمان لاتے تھے اور اسلئے مومنین میں شامل تھے - اب خدا تعالےٰ آنحضرت کو فرماتا ہے استغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات - اب اگر استغفار کیلئے گناہ لازم ہے تو ثابت ہوا کہ حضرت مسیح بھی بیگناہ نہیں تھے کیونکہ آپ بھی تو حسب بالا آیت کے مطابق مومنین میں شامل تھے جن کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کا حکم ہے -

پنجم - کیا یہودیوں کی نسبت جُرم کا لفظ قرآن شریف میں نہیں آیا ؟

عیسائی نامہ نگاروں نے بیان کیا ہے کہ اگر انبیاء کی نسبت جُرم کا لفظ نہیں آیا تو یہودیوں کی نسبت بھی نہیں آیا یہ ان کی جہالت کا دُوسرا ثبوت ہے - یہودیوں کی نسبت کئی جگہ جُرم کا لفظ قرآن شریف میں آیا ہے نمونہ کیلئے صرف تین آیتیں لکھنی کافی ہونگی - ایک آیت یہ ہے - وعلى الذين هادوا حرمنا كل ذى ظفر - و من البقر والغنم حرمنا عليهم شحومهما الّا ما حملت ظهورها او الحوايا او ما اختلط بعظم ذلك جزيناهم ببغيهم وانا لصادقون - فان كذبوك فقل ربكم ذو رحمة واسعة ولا يرد باسه عن القوم المجرمين (الانعام رکوع ۱۸) اس آیت میں یہودیوں کا ذکر ہے - جنکی نسبت لفظ مجرمین آیا ہے دُوسری آیت یہ ہے ولقد ارسلنا من قبلك رسلًا الى قومهم فجاؤهم بالبيّنات فانتقمنا من الذين اجرموا - وكان حقًّا علينا نصر المؤمنين (الروم رکوع ۵) اس آیت میں گزشتہ انبیاء کے دُشمنوں کو مجرم بیان کیا ہے - حضرت مسیح بھی انہیں نبیوں میں شامل ہیں اسلئے انکے دُشمن قرآن شریف کی رُو سے مجرم ٹھیرتے ہیں اب ہم عیسائی صاحبان سے پوچھتے ہیں کہ آیا یہودی حضرت مسیح کے دشمن تھے یا دوست - اگر وہ آپکے دوست تھے تو بیشک وہ مجرم نہیں ہیں لیکن اگر وہ آپکے دشمن تھے تو پھر قرآن شریف کی رُو سے وہ مجرم ٹھیرتے ہیں - تیسری آیت یہ ہے - وكذلك جعلنا لكل نبى عدوًّا من المجرمين (پارہ ۱۹ - رکوع ۱) اس آیت سے بھی انبیاء کے دشمن مجرمین کے لفظ سے پکارے گئے ہیں - اور اسلئے یہودی بھی مجرم ٹھیرتے ہیں - کیونکہ وہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے جانی دُشمن تھے - اور آنحضرت صلعم کے بھی دشمن تھے -

عیسائی نامہ نگاروں کو اپنے اس بیہودہ قول سے شرم کرنی چاہئے کہ قرآن شریف میں جُرم کا لفظ یہودیوں کی طرف منسوب نہیں کیا گیا - انکا یہ قول بھی ایسا ہی بیہودہ ہے جیسا کہ انکا پہلا قول - کہ جرم کا لفظ قرآن شریف میں آیا ہی نہیں

اس سے عیسائی نامہ نگاروں نے صرف اپنی کم علمی کا ہی ثبوت نہیں دیا بلکہ اپنی کم فہمی کا بھی ثبوت دیا ہے۔ اگر قرآن شریف میں یہودیوں کی نسبت جرم کا لفظ نہ بھی آتا تو کیا پھر وہ انبیاء سے مساوی ٹھہر سکتے تھے۔ خدا ان کی نسبت انکی بدعملی اور بدی بیان کرتے ہوئے ہر ایک لفظ سے کام لیتا ہے جو خیال میں آسکتا ہے۔ ان کو فاسق۔ ملعون کافر معتدین شیاطین ظالم بندر۔ مغضوب علیہم وغیرہ بیان کرتا ہے۔ ان الفاظ کے مقابل اگر قرآن شریف یہودیوں کی نسبت جرم کا لفظ نہ بھی بیان کرتا تو کیا وہ انبیاء کی طرح بیگناہ ثابت ہو سکتے تھے جنکے متعلق ان الفاظ میں سے کوئی بھی استعمال نہیں ہوا۔

ششم۔ احادیث اور عصمت انبیاء

عیسائیوں کی کوشش کہ احادیث کے الفاظ کی بناء پر کوئی نتیجہ نکالیں عبث ہے۔ پہلے انہیں ثابت کرنا چاہئے کہ یہ ہو بہو وہی الفاظ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلے۔ اور پھر ان سے نتیجہ نکالنا چاہئے وہ نتائج جو صرف احادیث کے الفاظ پر مبنی ہوں پختہ نہیں ہو سکتے کیونکہ بناء انکی پختہ نہیں۔ قرآن شریف کے الفاظ کی بناء پر ہم نتائج قائم کرسکتے ہیں مگر احادیث کے الفاظ پر کوئی نتیجہ قائم نہیں کرسکتے۔ احادیث میں جو دعائیں مذکور ہیں اُنسے عیسائی عدم عصمت کا نتیجہ نکالتے ہیں مگر وہ ان دوسری احادیث کیطرف توجہ نہیں کرتے جن سے عصمت ثابت ہوتی ہے۔ صرف دُعاؤں کے الفاظ کی بناء پر نتیجہ نکالنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ پیشتر اس کے کہ ہم ان الفاظ سے کوئی نتیجہ نکالیں ہمیں پہلے یقینی طور پر ثابت کرنا چاہئے کہ ہو بہو یہی الفاظ بلا کم وکاست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلے۔ احادیث میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں انسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ اور کوئی بھی صحیح حدیث ایسی نہیں ملتی جس سے اسکے برخلاف نتیجہ نکال سکیں۔ ہم یہاں نمونہ کے طور پر ایک حدیث مسلم سے درج کرتا ہوں جس سے صاف طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت ثابت ہوتی ہے

وعن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما منکم من احد الا وقد وکل بہ قرینہ من الجن وقرینہ من الملٰئکۃ قالوا وایاک یارسول اللہ قال وایای ولکن اللہ اعانی علیہ فاسلم فلا یامرنی الا بخیر۔ ترجمہ۔ ابن مسعود روایت کرتا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے ایسا کوئی نہیں کہ جس کے ساتھ ایک جن اور ایک فرشتہ نہ ہو پھر لوگوں نے کہا یا رسول اللہ آپ کے ساتھ بھی ہیں فرمایا میرے ساتھ بھی ہیں لیکن اللہ نے مجھے اُسپر مدد دی ہے پس وہ مسلمان ہو گیا ہے اور مجھے سوائے بھلائی کے اور کسی چیز کا حکم نہیں دیتا۔

ہفتم۔ قرآن شریف میں کسی نبی کے گناہ کا ذکر نہیں ہے

میں یہاں اُن انبیاء کا ذکر کرتا ہوں جنکی نسبت عیسائی بیان کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں انکے گناہوں کا ذکر ہے اور دیکھتا ہوں کہ انکا یہ قول کہانتک صحیح ہے۔

حضرت آدمؑ کی نسبت تو خدا خود فرماتا ہے ولم نجد له عزما۔ یعنی آدم نے یہ کام ارادۃً نہیں کیا۔ اب گناہ تو ارادہ پر منحصر ہے۔ اگر ایک شخص زہر پی لے اور اُسکو علم ہو کہ یہ زہر ہے اور اسکا نتیجہ موت ہوگا۔ تو ایسی صورت میں وہ ایک گناہ کا مرتکب ہوتا ہے لیکن اگر وہ اسکو بغیر علم کے پی لے تو اگرچہ اسکو نتیجہ بھگتنا پڑیگا مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے گناہ کیا۔ یہی حال حضرت آدم علیہ السلام کا ہے۔ ہمیں بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ حوا نے انکو یہ پھل دیا تھا۔ انکو یہ علم نہ تھا کہ یہ وہی ممنوع پھل ہے۔ انکا یہ کام بیشک خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف تھا۔ مگر انہوں نے اس حکم کو عمداً نہیں توڑا۔ اسلئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُنہوں نے گناہ کیا۔ اس پھل کے کھانیکا وہی نتیجہ نکلا جو زہر کھانے سے نکلتا ہے۔ کیونکہ قدرت اپنا کام کرنے سے نہیں رک سکتی مگر اسکو ہم کوئی گناہ نہیں کہتے کیونکہ ارادہ نہیں تھا۔

حضرت آدمؑ کبھی شرک کے مرتکب نہیں ہوئے۔ شرک ایک ناقابل عفو گناہ ہے اور خدا کے پاک لوگ ایسا گناہ نہیں کر سکتے جس آیت کا عیسائی حوالہ دیتے ہیں اسمیں حضرت آدم کا نام نہیں ہے اسمیں صرف عام انسانوں کے میلان کا ذکر ہے جو شرک کیطرف اُنمیں پایا جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو مُکا مارا تھا وہ ناجائز محل پر نہیں تھا۔ اُنہوں نے اپنی جماعت کے ایک آدمی کی ایک دشمن کے مقابل حمایت کی۔ موت کا واقع اتفاقی تھا۔ انکا ارادہ قتل کا نہیں تھا۔ خدا تعالیٰ کوئی گناہ انکی طرف منسوب نہیں کرتا۔

حضرت ہارون علیہ السلام کو عیسائیوں نے یہ الزام لگایا ہے کہ اُنہوں نے بت پرستوں کی امداد کی اور اُسمیں شریک ہوئے۔ یہ خالص جھوٹ ہے۔ قرآن شریف سے ہمیں اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰؑ کی غیر حاضری میں قوم کو گوسالہ پرستی سے روک نہ سکے اور یہ قصہ قرآن شریف میں نہیں ہے۔ اگر دوسرے لوگ بائیبل کی جھوٹی کہانیاں درج کر دیں تو قرآن شریف ایسی افسانوں کا ذمہ وار نہیں ہے۔

حضرت مسیح نے کہا کہ میں یونس نبی کا نشان دکھاؤنگا۔ کیا اُن کا یہ مطلب تھا کہ میں بھی یونس کیطرح ایک گناہ کا ارتکاب کرونگا۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ جسکو حضرت مسیح یونسؑ کا معجزہ قرار دیتے ہیں۔ اسکو آجکل کے عیسائی گناہ یا گناہ کی سزا بیان کرتے ہیں۔

بالآخر کیا عیسائیوں کے لئے یہ مناسب نہیں کہ پہلے یسوع کو اُن گناہوں سے بری کرکے دکھائیں جنکا ذکر

انجیل میں ہے۔ بجائے اس کے کہ دوسرے انبیاء کو گنہگار ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

لاہور کے بشپ کی رائے ہندوستان کی اخلاقی حالت پر

لاہور کا بشپ ایسٹ اینڈ ویسٹ ایک نئے مشنری رسالے میں مضمون نویسی کرتا ہوا ہندوستان کی گری ہوئی اخلاقی حالت پر یوں رقمطراز ہے "اصول زندگی میں ایمان کا بالکل معدوم ہونا۔ ایک نہایت ہی گری ہوئی اخلاقی حالت اور گناہ کے احساس کا بالکل جاتے رہنا۔ یہانتک کہ انسان اسکے ارتکاب میں بالکل بیحیا ہو جائے اور سچی توبہ کے قابل ہی نہ رہے۔ سوائے اسکے کہ اس گناہ کی سزا سے بچنے کی بڑی خواہش ہو۔ یہ ہے ہندوستان کی حالت اور یہ ہیں اسکے لوگوں کی زندگی میں قابل توجہ باتیں۔ اور جب یہ غور کیا جائے کہ یہ رذیل حالتیں صدیوں سے ان لوگوں کے خون میں رچ گئی ہیں اور انکی زندگی کو تباہ کر چکی ہیں تو آسانی سے سمجھ آسکتا ہے کہ پادریوں کی کوششیں کیوں اس جلدی اور اس کثرت سے بارآور نہیں ہوتیں جیساکہ ہم چاہتے ہیں" یہ گری ہوئی اخلاقی حالت جسکو بشپ صاحب پادریوں کی کوششوں کے آگے ایک روک سمجھتے ہیں ایک استثناء کی محتاج ہے کیونکہ بعض قوموں کے درمیان جیسے مثلاً چوہڑے یا چمار یا پاریا یا بعض دوسری پنچ ہندو قومیں پادری صاحبوں کی کوششیں بہت بارآور ہوئی ہیں جس سے لاہور کے بشپ صاحب کی منطق کی رو سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ چوہڑوں اور چماروں کی اخلاقی حالت اور گناہ کا احساس مسلمانوں اور ہندوؤں سے بہت بڑھ کر ہے پس کم از کم بشپ صاحب کو یہ چاہیئے تھا کہ ہندوستان کے باشندوں کی اخلاقی حالت پر حملہ کرتے وقت چوہڑوں اور چماروں کو مستثنےٰ کر دیتے پھر شائد اُن کی اس غلط بیانی سے مسلمانوں اور ہندوؤں کو اتنا رنج بھی نہ ہوتا۔ جہاں تک مسلمانوں پر بشپ صاحب کا حملہ ہے ہمارا ارادہ ہے کہ کسی دوسرے نمبر میں اسپر مفصل بحث کریں اور پردہ پر جو نہایت ہی بیہودہ حملہ بشپ صاحب نے اپنی فضیلت کو ثابت کرنے کیلئے کیا ہے اُسکی بھی تردید کریں لیکن قبل ایسی بحث کے ہمارے بعض سوالات ہیں جنپر اُمید ہے بشپ صاحب جواب دیکر کچھ روشنی ڈالیں گے۔ بشپ صاحب کہتے ہیں کہ ہندوستان میں گناہ کا احساس ہی نہیں ہا۔ لیکن ہم باادب بشپ صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ اُنکے نزدیک شراب خوری بھی گناہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا یہ سچ نہیں کہ شراب خوری عیسائی ممالک میں اسلامی ممالک سے بہت ہی بڑھکر رائج ہے؟ کیا شراب خوری نے عیسائی اقوام کو تباہ کیا ہے یا مسلمانوں کو؟ کیا عیسائی قومیں دوسرے

ممالک میں جا کر شراب خوری کو رائج کر رہی ہیں یا مسلمان؟ کیا شراب خوری ایک ایسی بدی نہیں جو تمام دوسری بدیوں کی جڑھ ہے؟ کیا یہ سچ نہیں کہ شراب خوری ہی ایک ایسی چیز ہے جو گناہ پر دلیر کرتی اور اسکے احساس کو کم کرتی ہے؟ کیا شراب خور اندھوں کی طرح تمام تمدنی اور اخلاقی اصولوں کو توڑنے والا نہیں ہوتا؟ اور بالآخر کیا شراب خوری کی عام کثرت اور رواج نے عیسائی ممالک میں بدکرداری کے درخت کی پرورش سب سے زیادہ نہیں کی؟ ہم بشپ صاحب کے منہ سے ہی یہ فیصلہ بھی سُننا چاہتے ہیں کہ اُنکے نزدیک زنا بھی کوئی گناہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا یہ سچ نہیں کہ زنا اسلامی ممالک کے مقابلہ میں عیسائی ممالک میں بہت ہی بڑھ کر کثرت سے ہو رہا ہے۔ بشپ صاحب سے بڑے بڑے کلیسیا کے عہدہ داروں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے اور بشپ صاحب کو ان نہایت ضروری سوالات کا جواب دیتے وقت اس بات کو کبھی نہیں بھولنا چاہئیے۔ کہ شراب سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں جو شہوات کو اُبھارتی اور حیوانی خواہشوں کو جوش دیتی ہو۔ اور پھر کیا بشپ صاحب کے نزدیک قماربازی بھی کوئی گناہ ہے؟ اور اگر ہے تو سب سے بڑھ کر کونسے ممالک میں یہ رائج ہے۔ لیکن اگر بشپ صاحب کی یہ رائے ہے کہ شراب خوری اور زنا اور قماربازی گناہ ہی نہیں تو ہم اُمید کرتے ہیں کہ وہ گناہ کی تعریف کر کے اس معاملہ پر کچھ روشنی ڈالیں گے۔ ہاں ایک صورت میں ان کا جواب ایسا ہو سکتا ہے کہ ہمیں خاموشی اختیار کرنی پڑے۔ وہ کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ شراب خوری زنا اور قماربازی دوسرے لوگوں کے لئے گناہ ہیں لیکن عیسائیوں کیلئے کوئی گناہ نہیں کیونکہ مسیح کے خون نے اُنکے کسی گناہ کو گناہ رہنے ہی نہیں دیا۔ اس صورت میں ہم مجبور ہونگے کہ اُنکے جواب میں اسی طرح خاموشی اختیار کریں جس طرح شاکت مت والوں کے اس اصول کے جواب میں ہمیں خاموش ہونا پڑتا ہے کہ اُنکے منتروں میں اس قدر بڑی طاقت ہے کہ ماں یا بہن سے زنا کو جائز کر دیتی ہے۔

رجسٹرڈ ایل ۳۰۲

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤگے ✦ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ | بابت جولائی سنہ ۱۹۰۲ء | نمبر ۷

فہرست مضامین

انجمن اشاعت اسلام قادیان دارالامان نے
انوار احمدیہ پریس قادیان میں باہتمام شیخ یعقوب علی احمدی تراب چھپواکر ۲-جولائی سنہ ۱۹۰۳ء کو شائع کیا

عصمت انبیا پر پادری مانرو کے رسالے

پادری مانرو رانا گھاٹ میڈیکل مشن کے پادری نے اخبار "ایپی فینی" کے ایڈیٹر کی مہربانی سے ایک رسالہ عصمت انبیا پر نکالا ہی جو کہ اس کے ایک پہلے شایع شدہ رسالے کا دوسرا حصہ ہے جو اسی مضمون پر مشتمل تہا۔ ہم خود بھی منتظر تھے کہ پادری صاحب کے قلم سے عصمت انبیا کا دوسرا حصہ نکلنا چاہئے لیکن ہمین بڑی امید تھی کہ اس دفعہ پادری صاحب اس انسان کی عصمت کے مسئلہ کیطرف توجہ کرین گے جسکو وہ خوش اعتقادی سے خدا سمجھے بیٹھے ہین اس مضمون پر پادری صاحب کی مضمون نگاری کے دیکھنے کا ہمین شوق تھا لیکن اسمین ہمین مایوس ہی ہونا پڑا ہے لیکن چونکہ پادری مانرو صاحب ہندوستان مین یسوع کی انجیل کے واعظ بنکر آئے ہوئے ہین اس لئے امید ہے کہ وہ بہت جلد ایک تیسرا حصہ شائع کر کے یہ ثابت کرینگے کہ جو اقوال و افعال یسوع کے انجیل مین لکھے گئے ہین اُن سے اس کی معصومیت ثابت ہوتی ہے۔

عصمت انبیا کا مسئلہ مسلمانون مین عام طور پر مانا جاتا ہے جن لوگوں نے عصمت مین طعن کیا ہے اُنکی ذاتی رائین ساری مسلمان دنیا کے مضبوط اعتقاد کے خلاف کچھ بھی وقعت نہین رکھتین۔ اغلب یہ ہے کہ اس قسم کے بیہودہ خیالات اسلام مین ان لوگوں کے ذریعہ سے آئے ہیں۔ جو دوسرے مذاہب کو چھوڑ کر اسلام

مین داخل ہوے تھے اور اس لیے بعض مسائل مین اپنے پہلے خیالات پر ہی جمے رہے۔ لیکن پادری صاحبان کی یہ کسقدر بڑی بے ایمانی ہے کہ وہ پبلک کے سامنے یہ ظاہر کرتے ہین کہ قرآن شریف اور اسکی تمام معتبر تفسیرین عصمت انبیا کا انکار کرتی ہین حالانکہ اصل بات یہ ہی کہ وہ قصے جنکو پادری صاحبان انبیا کے گنہگار ہونے کا قطعی ثبوت خیال کرتا ہے اور جنکا قرآن کریم مین کوئی ذکر نہیں ہی انکو بڑے معتبر اور محقق مفسرین نے جھوٹے اور وضعی ٹھیرا کر رد کیا ہے۔ جو جو الزامات اس رانا گھاٹ کے پادری نے انبیا علیہم السلام پر لگائے ہین اور جنکی بنا وہ قرآن شریف کو ٹھیراتا ہے قرآن کریم کے الفاظ اُن کے ایک شوشہ کی بھی تائید نہین کرتے۔ اس سی بڑھ کر کونسی بے ایمانی ہو سکتی ہی کہ عوام کو یہ دھوکا دیا جائے کہ فاضل اور محقق مفسّرین کی رائے ایسی اور ایسی ہے حالانکہ اس رائے کو محقق مفسّرین رد کر چکے ہین علاوہ ازین کسی مفسر کی رائے ہر ایک حالت مین قابل تسلیم نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں کے نزدیک قرآن کریم کی تفسیرین خدا کا کلام نہین ہین جنکی ہر ایک لفظ کا وہ اپنے آپ کو پابند خیال کرتے ہوں ہاں اگر کسی لفظ یا آیت کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلی ہوئی ثابت ہو تو اس کو بیشک یقینی طور پر صحیح اور قابل اتباع مانا جائے گا۔ لیکن جن قصوں کی بنا پر عصمت انبیا مین طعن کیا جاتا ہے ان مین سی کوئی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف یقینی طور سی منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن کریم کے الفاظ مع تمام حرکات و سکنات و وقفوں کے آج اسی طرح محفوظ ہمارے پاس موجود ہین جیسی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے وہ نکلے تھے اور اکثر حالتوں مین آسانی سی سمجھ مین آسکتا ہے کہ کسی فقرہ پر بلحاظ سیاق و سباق کے کونسے معنے چسپان ہین اور کونسے وہ معنے ہین جو قرآن شریف کے عام مفہوم کیمطابق ہین قرآن شریف خود اپنی تفسیر آپ کرتا ہے اور اس کے بعض حصے دوسروں کے معنوں پر روشنی ڈالتے ہین۔ اس لئے جو جو سوالات پادری صاحب نے پیش کئے ہین ان کا جواب دیتے وقت ہم صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی کو پیش کرینگے اور معنی کرنے مین انھین معنوں کو صحیح سمجھیں گے۔ جو قرآن شریف کے دوسرے حصوں کے مخالف نہوں اور جنکا موید خود قرآن شریف ہو۔ اگر کبھی کہین کہین کسی تفسیر کا حوالہ ہوگا تو وہ صرف تائیدی رنگ مین ہوگا لیکن ہماری تحقیقات کی بنیاد صرف قرآن شریف کے الفاظ پر ہی ہوگی۔ اگر پادری صاحبان کا یہ منشا ہی کہ مباحثہ کو نیک نیتی اور ایمانداری سی جاری رکھیں تو ان کا فرض ہی کہ وہ بھی قرآن شریف کے الفاظ کی بنیاد پر ہمارے بیانات کی تردید کرین اور بجائے اس کے کہ معتبر اور محقق مفسرین کی رائے کا اخفا کر کے جھوٹے قصوں کو تمام

مسلمان مفسرین کیطرف منسوب کریں صاف لفظوں میں اس بات کا اقرار کریں کہ معتبر اور محقق مفسرین جیسے مثلاً امام رازی صاحب تفسیر کبیر ان جھوٹے قصوں کو مردود ٹھیرانے ہیں جو پادری اپنے الزامات کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ اگر ضروری ہوا تو ہم آئندہ یہ بھی ثابت کر کے دکھا سکینگے کہ اگر ان مردود قصوں کو جھیں پادری صاحبوں نے انبیا علیہم السلام پر الزام لگاتے وقت پیش کیا ہے تمام محقق مسلمان مفسرین نے سیاہ جھوٹ ٹھیرایا ہے۔

اس وقت ہم سب سے پہلے ان افعال کی حقیقت پر بحث کرتے ہیں جنکو انبیا کیطرف گناہ ٹھیرا کر منسوب کیا جاتا ہے اور اس کے بعد ہم اس مسئلہ کے دوسرے پہلو پر نظر غور کرینگے جیسے الفاظ ذنب وغیرہ کے معنے استغفار کے متعلق ہم مفصل بحث اس رسالے کے فروری کے نمبر میں چھاپ چکے ہیں اور اس لئے بجائے اس کا اعادہ کرنے کے ناظرین کو اسی کا حوالہ دیتے ہیں۔

جیسا کہ اس سے پہلے مفصل بیان کیا جا چکا ہے **گناہ** کی تعریف یہ ہے کہ گناہ ایک فعل کو اس وقت کہا جائے گا جب کہ ایک انسان اس فعل کے ذریعہ سے خدا کے حکم کو توڑ کر سزا کے لائق ٹھیرے۔ اس صورت میں ضروری ہے کہ گناہ کے صادر ہونے سے پہلے خدا کا حکم موجود ہو اور نیز اس گناہ کے مرتکب کو وہ حکم پہونچ بھی گیا ہو اور نیز اس فعل کے مرتکب کی نسبت عقل تجویز کر سکتی ہو کہ اس فعل کے ارتکاب سے وہ درحقیقت سزا کے لائق ٹھیر گیا ہے لیکن قبل اس کے کہ ہم ان افعال پر بحث کریں جنکو انبیا کے گناہ کہا جاتا ہے اس امر کی طرف ناظرین کو توجہ دلانا ضروری ہے کہ انبیا علیہم السلام کو خدا نے ہر ایک قسم کی سزا سے ہمیشہ کیلئے بری ٹھیرایا ہے چنانچہ قرآن شریف سورہ انبیا میں صاف الفاظ میں فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ (الانبیاء - رکوع ۷) **ترجمہ** جنکے لئے ہم نے پہلے سے ہی نیک بدلا مقرر کر رکھا ہے وہ دوزخ سے بہت دور رہیں گے اس کی آہٹ تک بھی نہیں سنیں گے اور ہمیشہ کیلئے ایسی زندگی بسر کرینگے جو ان کے دل چاہتے تھے۔ اس بڑی گھبراہٹ کیوقت ان کو کوئی غم نہ ہوگا اور فرشتے آگے سے انکی ملاقات کریں گے آج وہ دن ہے جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا جاتا تھا + مگر افسوس ہے کہ پادریوں کا منشا حق کی تلاش نہیں ہے بلکہ وہ صرف اعتراض ہی تلاش کرتے ہیں اور اس لئے قرآن کریم کے ایک

حصہ کو دوسرے سے ملا کر نہیں پڑھتے بلکہ ایک ایک لفظ کو الگ کرکے اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں خواہ کوئی دلیل ہاتھ میں ہو یا نہ ہو اور اسی کو اپنا اہم فرض اور اپنے خداوند کی عمدہ خدمت سمجھتے ہیں کہ خدا کے پاک نبیوں کی شان میں بہتان باندھیں اور ان کو گالیاں دیں اور اُن پر طعن کریں۔

حضرت آدم کا ممنوع پھل کو کھانا

سورۂ طٰہٰ میں حضرت آدم کے قصے کے ابتدا میں **ایک** ہی آیت اس فیصلہ کے لئے کافی ہے کہ کس طرح پر حضرت آدم اس عصیان کے مرتکب ہوئے۔ وہ آیت یہ ہے وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا **ترجمہ** اس سے پہلے ہم نے آدم کو ایک حکم دیا تھا سو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا گناہ پر عزم نہیں پایا۔ اس سے حضرت آدم کی صاف صاف بریت ہوتی ہے کہ اُنھوں نے عمداً حکم الٰہی کو نہیں توڑا۔ یہ آیت صرف یہی بیان نہیں کرتی کہ حضرت آدم بھول گئے بلکہ اُن کے ارادہ کی بھی صاف نفی کرتی ہے اور یوں دوہرے طور پر اُن کو اس جھوٹے الزام سے بری ٹھیراتی ہے۔ چونکہ ارادہ گناہ کے لئے ضروری ہے جیسا کہ ابھی گناہ کی تعریف میں ہم نے دکھایا ہے۔ اس لئے آدم کا ممنوع پھل کو کھانا گناہ نہیں تھا۔ اس آیۃ کے بعد ہی حضرت آدم کا مشہور قصہ شروع ہو جاتا ہے کہ کیونکر شیطان نے اُنھیں دھوکا دیا اور کیونکر اُنھوں نے ممنوع پھل کو کھایا۔ اس لئے اس سے انکار کی کوئی گنجایش نہیں کہ یہ بھول جانا اور بغیر ارادہ کے کام کرنا صرف اسی حکم کے متعلق ہیں نہ کسی اور کے۔ اس میں شک نہیں کہ آدم حکم الٰہی کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا مگر اس کا ارادہ نہ تھا کہ خلاف ورزی کرے بلکہ بھول کر ایک ایسا فعل اس سے ہو گیا جس کا نتیجہ ایک حکم الٰہی کی خلاف ورزی تھا۔ اس لئے خواہ ہم نتیجہ کو عصیان ہی کہیں مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ آدم اس میں بے قصور تھا اور آدم کا گناہ اس کو نہیں کہا جا سکتا۔ اس میں ارادہ کی جزو جو گناہ کے لئے نہایت ضروری ہے بالکل مفقود ہے اور خود خدا تعالےٰ اس معاملہ میں آدم کے گناہ کی نفی کرتا ہے۔ بھول جانا ایک فطرتی انسانی کمزوری ہے اسی لئے جبھی کہ پھل کھا چکنے کے بعد آدم کو معلوم ہوا کہ اس سے بے ارادہ خدا کے حکم کی خلاف ورزی

ہو گئی اور ضعف بشریت غالب آگیا تو اس نے خدا تعالےٰ سے دعا مانگی کہ اے خدا اگر تو ہی ہمارا حافظ نہ ہو اور تو ہی اپنی طاقت کے ساتھ ہمیں سہارا نہ دے اور ہماری انسانی کمزوری کو دبائے نہ رکھے تو ہم گھاٹا پانے والے ہونگے۔ استغفار کے مضمون پر مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے اور اس لئے ہم اسکا اعادہ اس جگہ پسند نہیں کرتے آیۃ عصٰی اٰدم ربّہٗ فغویٰ میں عصیان یا خلاف ورزی حکم الٰہی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حکم الٰہی کے بھول جانے کا نتیجہ تھا۔ اور اس لئے ایسا عصیان گناہ نہیں کہلا سکتا۔ اور غویٰ کے معنے لسان العرب نے صاف طور پر بیان کئے ہیں کہ فسد علیہ عیشہ یعنی اُس کے آرام میں خلل آگیا۔ پس ان دونوں لفظوں سے بھی آدم کے گنہگار ہونیکا نتیجہ نہیں نکلتا

حضرت آدم پر شرک کا الزام

مانرو صاحب۔ حضرت آدم پر شرک کا الزام لگاتے ہیں ایسی جرأت کے ساتھ جو پادریوں کے ہی موزون حال ہے۔ وہ کہتا ہے "سورۃ الاعراف آیت ۱۹۰ میں صریح کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ آدم شرک جیسے قبیح گناہ کا مرتکب ہوا۔" ہم پوچھتے ہیں کہ آیا ان پادریوں میں کوئی ایمان داری باقی بھی رہ گئی ہے۔ کیا پادری صاحب بتا سکتے ہیں کہ اس آیت میں جس سے وہ شرک کا الزام حضرت آدم پر لگاتے ہیں حضرت آدم کا نام بھی آیا ہے۔ اور اگر وہاں آدم کا نام ہی نہیں تو کیا یہ ایمانداری تھی کہ وہ شرک جیسا قبیح الزام انبیا کیطرف منسوب کرتا حالانکہ اس کو یہ بھی علم ہے کہ قرآن شریف اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ انبیا علیہم السلام کو خدا تعالےٰ نے شرک کی ہی بیخکنی کے لئے بھیجا تھا۔ کیا شرک کے متعلق اس نے قرآن شریف میں یہ سخت وعید نہیں پڑھا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ترجمہ۔ خدا اس بات کو معاف نہیں کرتا ہے کہ اس سے شرک کیا جاوے اور اس کے سوا جو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ بہت امور ایسے تھے جنپر غور کر کے وہ اس الزام کی بیہودگی کو

خود ہی سمجھہ سکتا تھا اگر اس کا ارادہ نیک نیتی سے حل اعتراض کا ہوتا۔
قبل اس کے جو ہم اس آیت کے الفاظ پر بحث کرین جسکی بنا پر الزام لگایا گیا ہے پہلے ہم سورۂ اعراف کے مضامین اور ان کی ترتیب کو دیکھتے ہین۔ قرآن کریم کی وحی کا ذکر شروع کرکے سب سے پہلے حضرت آدم کا ہی قصہ بسط کے ساتھہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی پیدائش۔ فرشتوں کو حکم کہ اُسے سجدہ کرین۔ درخت کے قریب جانے سے منع کرنا۔ ابلیس کا آدم اور حوا کو دہوکا دینا اور ان کا ہبوط۔ اس کے بعد عام طور پر نیکوں اور بدوں کے اعمال اور ان کی جزا و سزا کا ذکر ہے۔ اور اس کے بعد دوسرے انبیا کے قصص بیان کئے گئے ہین جن کے دشمنوں کو اس واسطے ہلاک کیا گیا کہ جب پیغمبر نے اُن کو توحید اور عبادت الٰہی کی طرف بلایا تو اُنھون نے اس کو قبول نہ کیا۔ ہر ایک نبی کے متعلق اس کا یہ خطاب اپنی قوم کو بیان کیا گیا ہے یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔ ترجمہ اے میری قوم خدا کی عبادت کرو جس کے سوائے اور کوئی معبود نہین۔ اس طرح پر گویا یہ ساری کی ساری سورۃ شرک کی بیخکنی پر ہی زور دے رہی ہے اور اس کی ساری تعلیم شرک کے ہی خلاف ہے پہلے نوحؑ کا ذکر ہے پھر ہودؑ کا پھر صالحؑ کا پھر لوطؑ کا پھر شعیبؑ کا اور بالآخر حضرت موسےٰؑ کا قصہ۔ اُن کا فرعون کو حق کی طرف بلانا اور پھر اسرائیلیوں کو تعلیم دینا بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ کبھی اُن کو یہ سمجھایا گیا ہے۔ کہ انسانی فطرت پر نقش توحید الٰہی کا ہے۔ نہ کہ شرک کا۔ کبھی اُن کو دھمکایا گیا ہے کہ اگر وہ شرک سے باز نہ آئینگے اور خدا کے نشانون کا انکار ہی کرتے جائین گے تو اُن پر سخت عذاب الٰہی اور ہلاکت نازل ہوں گے تب وہ پوچھتے ہین۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ یہہ عذاب کی گھڑی جسکا وعید ہم کو سنایا جاتا ہے کب آئے گی تو ان کو جواب دیا جاتا ہے کہ یقیناً تم پر آئے گی مگر لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً جب آئیگی تو ناگہان ہی آئے گی اور میں نہین قبل از وقت اطلاع دیتا ہون اور اس آنے والے عذاب سے ڈراتا ہون

اِس کے بعد یوں خطاب الٰہی اُن کو ہوتا ہے هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْکُنَ اِلَیْهَا ج فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ج فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَکَآءَ فِیْمَآ اٰتٰهُمَا ج فَتَعٰلَی اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝ ترجمہ وہی خدا ہے جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا (یاد رکھنا چاہیے کہ اُنھیں لوگوں کو یہ خطاب ہے جنکو پہلے خطاب تہا اور اس مین کوئی تبدیلی نہیں ہوئی - اور تم سے مراد وہی مشرکین عرب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہین) اور اس سے اس کے جوڑہ کو پیدا کیا - تاکہ وہ اس کے ساتھ آرام پکڑے پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا تو عورت کو ہلکا سا حمل رہا بس اس سے چلتی رہی - پھر جب وہ بوجھل ہوئی تو دونوں نے اللہ اپنے ربّ کو پکارا کہ اگر تو ہمین صحیح سالم لڑکا دے تو ہم تیرے شکر گذار ہون - لیکن جب خدا نے ان کو چنگی بھلی اولاد عطا کی تو وہ دونوں خدا کے شریک ٹھیرانے لگے اس مین جو خدا نے ان دونوں کو دیا تھا بزرگ ہے خدا بلند تر اس سے جو یہ لوگ (یعنی مشرکین عرب) اس کے ساتھ شریک ٹھیراتے ہین * آیت کے آخری الفاظ صاف بتا رہے ہین کہ ان آیات مین آدم اور حوا کا ذکر نہیں ہے کیونکہ اگر یہ انھین کے شرک کا ذکر ہوتا تو اخیری الفاظ یوں ہونے چاہیے تھے کہ بلند تر ہے خدا اس سے جو ان دونوں نے اس سے شریک ٹھیرائے - لیکن کلام الٰہی مین اس موقعہ پر نہ تو صیغہ تثنیہ کا ہی استعمال کیا گیا ہے اور نہ ہی ماضی کا - اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر ان تمام مشرکین عرب کا ہے جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مخاطب ہین نہ کسی دو ایسے شخاص کا جنکے ساتھ کوئی تیسرا انسان نہ تھا جس کی وجہ سے جمع کے صیغہ یشرکون کی ضرورت پڑتی -

مختلف باتوں پر غور کر کے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آدم اور حوا کا اس جگہ ذکر نہیں ہے - **اوّل** حضرت آدم کا قصہ بڑی تفصیل کے ساتھ اسی سورة کے شروع مین بیان ہو چکا ہے اور اس لئے اگر یہ واقعہ اوس کے متعلق ہوتا تو ابتدائے صورت مین ہی آدم کے قصہ کے ساتھ اس کا ذکر ہونا چاہیے تھا - **دوم** سورت کے مضامین کی ترتیب صاف

اس بات پر شاہد ہے کہ اس سورۃ مین انبیاء علیہم السلام کا ذکر بالترتیب ہے اور آدم سے شروع کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم کیا گیا ہے اور اس لئے آیت مذکورہ بالا مین خطاب بھی آنحضرت صلعم کے دشمنوں کو ہے جیسا کہ اس سے پہلی آیتوں مین بھی ذکر انھین مشرکین کا ہے۔ سوم آدم کا نام ان آیات مین ہرگز مذکور نہین اور مضامین کی ترتیب ہمین یہ اجازت نہیں دیتی کہ اس قصہ کو آدم کا قصہ ہی سمجھ لین چہارم حضرت آدم کے ممنوع پھل کھانے سے قصہ بار بار قرآن شریف مین بیان کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس مین خود ہی خدا تعالے نے یہ کہکر آدم کی بریت بھی کردی تھی کہ وہ بھول گیا تھا اور عمداً اس نے حکم کی خلاف ورزی نہین کی۔ پس اگر آدم شرک جیسے گناہ کا مرتکب ہوا ہوتا تو زیادہ نہین تو کم از کم اتنی دفعہ ہی یہ قصہ قرآن شریف مین بیان کیا جاتا جتنی دفعہ کہ دانہ کھانے کے قصہ کا ذکر ہی جو کوئی گناہ بھی نہین تھا۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ اتنا بڑا گناہ ہو اور ایک دفعہ بھی اس کا ذکر قرآن شریف مین نہ ہو اور آیت زیر بحث جس کو اس واقعہ کا مصداق بنایا جاتا ہے اس مین آدم کا نام تک بھی نہ ہو۔ ایک چھوٹی سی لغزش کو جو نسیان کی وجہ سے ہو گئی اتنی وقعت دی جائے کہ بار بار اس کا ذکر قرآن شریف مین کیا جاوے اور اتنے بڑے جرم کو جیسا کہ شرک ہے ایک دفعہ بھی نام لیکر بیان نہ کیا جاوے یہ بات ہماری سمجھ مین تو نہین آتی۔ پنجم دانہ کھانے کی کمزوری کے بعد حضرت آدم خدا تعالے سے حفاظت اور مدد طلب کرتے ہین اور بار بار یہ کہتے ہین کہ اے خدا اگر تیری مدد میرے شامل حال نہ ہو گی تو مین زیاں کاروں مین ہوں گا لیکن اتنے بڑے گناہ کے ارتکاب کے بعد جس سے زیادہ خدا تعالے کو ناراض کرنے والی کوئی چیز ہی نہین وہ ایک لفظ بھی منہ پر نہ لایا لیکن یہ کسطرح ہو سکتا ہے۔ کیا انکی فطرت ایسی جلدی اس قدر بدل گئی تھی کہ گناہ کا احساس ہی جاتا رہا۔ اور وہ ایک سخت دل گنہگار کی طرح ہو گئے نعوذ باللہ من ذالک۔ ششم ممنوع پھل کہانے کے بعد حضرت آدم نے الفور خدا کی حفاظت اور مدد طلب کرتے ہین اور خدا تعالے کی طرف سے حفاظت اور مدد کا وعدہ بھی اُن کو

دیا جاتا ہے تا آیندہ ایسی کمزوری ان سے ظاہر نہو جسپر انسان خود بخود قادر نہین ہو سکتا۔ پھر یہ کسطرح ممکن ہے کہ خدا کی حفاظت اور مدد حسب وعدہ الٰہی حضرۃ آدم کے شامل حال ہو کر وہ ایسے سیاہ گناہ کا مرتکب ہو سکے کیا خدا کی حفاظت اور مدد اپنے نیک بندون کی اسی طرح دستگیری کیا کرتی ہے ؟ اس قسم کی بیہودگیان خدا کے پاک کلام کیطرف منسوب کرنیسے پادریون کو شرم کرنی چاہیے۔ **ہفتم** سورہ طٰہٰ مین حضرۃ آدم کے قصہ کے بعد خدا تعالٰی فرماتا ہے ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ **ترجمہ** پھر اسکے خداوند نے اسے چن لیا اور برگزیدہ کیا اور اس پر رجوع برحمت کیا اور اسکو سیدھی راہ پر چلایا۔ اب یہ آیت صاف طور پر اس بات کی نفی کرتی ہے کہ اسکے بعد پھر آدم سے کوئی اسی قسم کی کمزوری ظاہر ہو جیسی کہ پہلی ہوئی تھی شرک جیسے بڑے گناہ کا تو کچھ ذکر ہی نہین۔ علاوہ ازین اگر آدم نے شرک کا ارتکاب کیا تو پھر ہمیں نعوذ باللہ یہ ماننا پڑیگا کہ خدا تعالےٰ نے ایسے شخص کو اپنے لئے چن لینے مین سخت غلطی کھائی جسکو بسبب اپنے شرک کے ہمیشہ کے جہنم مین ڈالا جاتا تھا کیونکہ اس کی معافی کا بھی ذکر کہین نہین۔ **ہشتم** قرآن کریم نے صاف فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ **ترجمہ** خدا تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتا اور اسکے علاوہ جس گناہ کو چاہے بخشدیتا ہے۔ اسلئے اگر آدم نے شرک کیا تو اُسے بھی نعوذ باللہ دوزخ مین اسکی سزا بھگتنی ہوگی حالانکہ اس خیال کو قرآن کریم اور مسلمانون کے عقاید سخت مردود اور لعنتی خیال ٹھہراتے ہین **نہم** اس سورت مین ہر ایک نبی کو یہی حکم ہے کہ شرک کی دنیا سے بیخکنی کرے اور یہی اس کی رسالت کی علت غائی ٹھہرائی گئی ہے پھر اگر انبیاء خود ہی شرک مین گرفتار ہو رہے تھے تو اُن کے ذریعہ جو احکام پہنچائے گئے تھے وہ سب بے معنے ہو جاتے ہین **دہم** آیت زیر بحث کی مابعد کی آیتین بھی یہی ثابت کرتی ہین چنانچہ فرماتا ہے اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ **ترجمہ** کیا یہ مشرک لوگ انکو خدا کا شریک ٹھیراتے ہین جو کچھ پیدا نہین کرتے بلکہ خود پیدا کئے گئے ہین اور نہ وہ یہ ہی طاقت رکھتے ہین کہ اپنے پرستارونکو کچھ مدد دے سکیں اور نہ ہی وہ اپنے آپکی مدد کر سکتے ہین۔ کہہ جنکو تم خدا کا شریک ٹھیراتے ہو ان سب کو بلاؤ اور میرے ساتھ جنگ کرو اور مجھکو ایک دم کی بھی مہلت نہ دو * یہ آیتیں صاف دکھاتی ہین کہ جن مشرکون کا پہلی آیت میں ذکر ہے وہ ہی عرب کے مشرک ہین اور انھین کو یہ خطاب کیا گیا ہے نہ کہ آدم اور حوا کو کہ اپنے معبودونکو اپنی مدد کے لئے بلا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرلین۔ یہ آیتیں قطعی طور پر یہ فیصلہ کرتی ہیں کہ جن مشرکین کا

پہلی آیت مین ذکر ہے وہ یہی مشرک ہین جو آنحضرت کے دشمن ہین نہ کہ آدم وحوا۔

اگر یہ کہا جاوے کہ اس آیت مین دعا جناب الہی سے مانگی گئی ہے اس لئے اس مین بت پرست مخاطب نہین ہو سکتے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتراض صحیح نہین عرب کے بت پرست دوسرے ممالک کے بت پرستوں کیطرح اپنے بتوں سے برتر ایک ہستی کو مانتے تھے لیکن ان کا یہ خیال تھا کہ ان کے بت بھی چھوٹے چھوٹے خدا ہین اور دنیا کے کاروبار کے انتظام مین خدا تعالے کے ساتھ شریک ہین۔ اسی مضمون کی آیت جسمین بت پرستون کا ذکر ہے۔ سورہ یونس مین مذکور ہے وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ۝ هُوَ الَّذِى يُسَيِّرُكُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا كُنتُمْ فِى الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا۟ بِهَا جَآءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوٓا۟ أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا۟ اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِۦ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّٰكِرِينَ ۝ فَلَمَّآ أَنجَىٰهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِى الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ **ترجمہ** اور جب ہم ان مشرک لوگوں کو کسی دکھ کے پیچھے جو ان کو پہنچ چکتا ہے اپنی رحمت چکھاتے ہین تو وہ ہمارے نشانون کے خلاف مکر کرتے ہیں۔ انکو کہدے کہ اللہ کی تدبیر سریع الاثر ہے ہمارے رسول جو کچھ تم مکر کرتے ہو لکھتے جاتے ہین۔ وہی خدا ہے جو تم کو خشکی اور تری مین سیر کراتا ہے یہانتک کہ جب تم کشتی مین سوار ہوتے ہو اور وہ کشتیان ان کو خوشگوار ہواؤں کے ساتھ لے چلتی ہین اور وہ خوش ہوتے ہین تو ایک سخت ہوا آتی ہے اور ہر ایک طرف سے ان پر موجین آتی ہین اور وہ جان لیتے ہین کہ وہ انسے گھیرے گئے۔ تو پھر وہ خدا تعالے کو خالص کر کے پکارتے ہین کہ اگر تو ہم کو اس سے نجاۃ دے تو ہم تیرے بڑے شکر گذار ہون لیکن جب ان کو خدا تعالیٰ نجاۃ دیدیتا ہے تو پھر وہ زمین مین بغیر حق کے فساد کرتے ہین + اس آیت مین بھی یہی بیان کیا گیا ہے کہ مشرک لوگ مصیبت کیوقت خالص خدا کو پکارتے ہین جیسا کہ آیت زیر بحث مین بتایا گیا تھا اور اسی آیت کیطرح یہان بھی یہی وعدہ کرتے ہین کہ اگر انکو مصیبت سے نجات ملجائے تو وہ خدا تعالے کے شکر گذار ہونگے لیکن جب خدا تعالیٰ انکو نجاۃ دیدیتا ہے تو پھر شرک کرنے لگتے ہین +

اب صرف یہ دیکھنا باقی رہتا ہے کہ هُوَ الَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا سے کیا مراد ہے۔ اس آیت کا مدعا یہ ہے کہ مشرکین کو بتایا جاوے کہ خدا تعالیٰ ہی تم انکا اور انکی بیویوں کا پیدا کرنے والا ہے نہ وہ کہ جن کو وہ خدا کے شریک ٹھیرلتے ہین اور انکو اس غلطی کا جتانا مقصود ہے کہ خدا تعالیٰ

کو خالق مانکر وہ پھر دوسروں کو عبادت مین شریک ٹھیراتے ہیں - اب یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک قوم ہر ایک خاندان ہر ایک فرقہ ایک ہی جان سے پیدا کیا گیا ہے خواہ وہ نسل قریب سے ملی ہو یا دور سے چلی آتی ہو - اگر خَلَقَكُمْ مین ضمیر کو مجموعی طور پر لیا جاوے یعنی کل مشرکین عرب تو وہ ایک جان یعنی نفس واحدہ عربوں کا جد مشترک ہوگا جس سے ان سب کی نسل چلتی ہے لیکن اگر ضمیر مین مشرکین کا ہر ایک فرد مراد لیا جاوے تو اس حالت مین نفس واحدہ یعنی ایک جان سے ہر ایک مشرک کا جو مخاطب ہے جد مراد ہوگا اس صورت مین معنی یہ ہونگے کہ خدا ہی ہے جسنے اے مشرکو تم مین سے ہر ایک کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے دونوں صورتون مین لفظ نفس واحدہ یعنی ایک جان سے مشرکین عرب کے کسی ایک جد یا اجداد سے مراد ہوگی - الفاظ کے معنی دونو صورتون مین درست ہین اگرچہ سیاق اور سباق آیت پہلی معنوں کو ترجیح دیتا ہے - الفاظ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ سے جو اسی آیۃ کے آخر مین آئے ہین یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ آیت مین ایک جوڑہ کا ذکر ہے مگر اس سے کوئی خاص جوڑہ مراد نہین بلکہ مشرک والدین کا ہر ایک جوڑہ مراد ہے کیونکہ خطاب عام طور پر سب کو کیا گیا ہے اور يُشْرِكُوْنَ جو کہ جمع کے صیغہ مین آیا ہے صاف ثابت کرتا ہے کہ اصل مراد دو سے زیادہ کی ہے - اس طرح پر ہر ایک جد ایک نفس واحدہ ہوا اور ہمارا اختیار ہے کہ خواہ اس سے مراد ہر ایک موجود مشرک کے والدین کو لین یا کل مشرکین کے جد مشترک کو مراد لین باقی رہے الفاظ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا سو ان کے متعلق یہ کہنا درست نہین کہ چونکہ یہان عورت کا مرد سے پیدا ہونا بیان کیا گیا ہے اسلئے اس کا مصداق سوائے آدم اور حوا کے اور کوئی نہین ہو سکتا - یہ خیال غلط ہے - سورہ روم مین قرآن شریف مین آیا ہے وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ترجمہ اور خدا کے نشانون مین یہ بھی ہے کہ اسنے تمہارے لئے تم سے ہی تمہاری بیویان پیدا کین پس قرآن شریف کی رو سے صرف حوا ہی آدم سے پیدا نہین ہوئی بلکہ ہر ایک آدمی کے لئے عورت اسی سے پیدا کی گئی ہے اور جیسا کہ وہان لفظ مِنْ آیا ہے جس کے معنی ہین اس نفس سے ایسا ہی یہان پر لفظ مِنْ اَنْفُسِكُمْ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنے ہین تمہاری جانون سے - دونوں جگہ مراد یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے عورۃ کو اسی قسم سے بنایا ہے جس سے مرد کو - اسی طرح پر قرآن شریف مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ آیتین آئی ہین لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اور بَعَثَ فِی الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ جنکے معنے یہ ہین کہ تم مین سے ہی ایک رسول تمہارے پاس آیا ہے اور خدا نے امیون مین ایک رسول ان مین سے ہی بھیجا - اور یہان الفاظ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اور مِنْ اَنْفُسِهِمْ جو استعمال ہوئے ہین وہ بعینہ اسی قسم کے الفاظ ہین جو کہ مرد سے عورت کی پیدائش

کے متعلق استعمال ہوئے ہین +

اس طرح پر یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت مین جسکی متعلق پادری مانزد یہ بیان کرتا ہے کہ اس مین کھلے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ آدم شرک جیسی گناہ کا مرتکب ہوا وہان نہ تو آدم کا نام ہے اور نہ ان الفاظ سے آدم مراد ہی لیا جا سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پادری لوگ اعتراض کرنے مین کسطرح دیانت کو چھوڑ بیٹھے ہین۔ قرآن شریف کے الفاظ کیطرف کوئی توجہ نہین کرتے حالانکہ وہی الفاظ ایسے ہین جنکو مسلمان سند مانتے ہین۔ اور بجائے ان الفاظ کے یہ لوگ کسی ایک مفسر کی مردود رائے کو ہاتھ مین لیکر اسکو اسلام جیسے پاک مذہب پر حملہ کرنے کے لئے قیمتی ہتھیار سمجھتے ہین اور ایسے مفسر کو عالم و فاضل بیان کرتے ہین خواہ اسکی ایسی رائے کو سینکڑون فاضل اور معتبر مفسر رد کر چکے ہوں۔

یہ کسقدر دیانت داری سے بعید ہے کہ ظاہر تو یہ کیا جاتا ہے کہ ہم قرآن شریف کی بنا پر اعتراض کرتے ہین لیکن اعتراض کی بنیاد صرف کسی مفسر کی مردود رائے پر یا کسی مردود قول پر ہوتی ہی جسکو نہ صرف دوسرے معتبر مفسر ہی رد کر چکے ہیں بلکہ جس کی خود قرآن شریف بڑے زور سے تردید کرتا ہے۔

ہم تعجب کرتے ہین کہ پادری صاحبان انبیا کیطرف گناہ منسوب کرنے مین کسقدر جرأت سی کام لیتے ہین حالانکہ ان کے ہاتھ مین کوئی دلیل بھی نہین ہی لیکن انجیلون مین جو یسوع کے متعلق اس قسم کا ذکر ہوتا ہے جس سے گناہ کا نتیجہ نکل سکی اسپر خاموشی سی گذر جاتے ہین۔ آدم پر تو یہ جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ اسنے خدا کے ساتھ شریک ٹھیرایا لیکن ایسے مقابلہ کیوقت یسوع کا نام بھی نہیں لیتے جس نے انکی کتابونکے موافق خدائی کا دعویٰ کیا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ معمولی طور پر پیدا ہوا ہے اور کمزور سے کمزور انسان کیساتھ اس مین مقابلہ کی طاقت نہ تھی آدم کسی عورتکے پیٹ سی پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ خود خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اپنی شکل پر اسکو پیدا کیا تھا لیکن پھر بھی اسنے ایسے کفر کا دعویٰ نہ کیا جو عیسائیوں کے اعتقاد کیمطابق ایک عورتکے بچے نے کیا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ آدم کی خدائی ایک دانہ کے کھانے سے جاتی رہی تو پھر یسوع پر تو اس سے بھی بڑھکر اعتراض ہی کہ اسنے ایک ایسے کھیت سی جو دوسرے کا مال تھا خوشے توڑے اور اپنے مریدوں کو توڑنے دیے۔ حالانکہ یہ خوشے اس کے لئے ایسی ہی ممنوع تھے جیساکہ آدم کے لئے دانہ علاوہ اس کے آدم نے تو بھولکر دانہ کھایا تھا مگر یسوع نے عمداً حکم الٰہی کو توڑا اور علاوہ اسکے اس ناجائز فعل سی سبت کو جسکی تعظیم کا حکم تھا ناپاک کیا۔ اب مقابلہ سی آسانی سی یہ سمجھ مین آسکتا ہی کہ واقعی گنہگار کون شخص ہی آیا وہ جسکی متعلق یہ بیان کیا گیا کہ اسنے بھولکر ایک دانہ کھا لیا جسکی وہ

منع کیا گیا تھا اور اس طرح پر بغیر ارادہ کے اس سے حکم الہی کے متعلق چوک ہو گئی- یا وہ شخص جسکی متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اسنے ارادۃً نہ ابتدائً بلکہ کئی خوشے توڑے جو اس کیلئے ممنوع تھے- اور اس طرح پر بڑی جرأت کے ساتھ حکم الہی کی عمداً خلاف ورزی کی- ہم امید کرتے ہیں کہ پادری مانزو صاحب اس میں فیصلہ دیں گے-

حضرت نوحؑ کی دعا

اس عنوان کے نیچے صرف چند ہی لفظ کافی ہونگے- پادری مانزو کا مجرم کانشنس ہر ایک نبی پر کوئی نہ کوئی تہمت لگائے بغیر نہیں رہ سکتا- اسنے بڑی جرأت کیساتھ یہ لکھا ہے کہ نوح اپنے بیٹے کیلئے دعا کرنے میں گناہ کا مرتکب ہوا- اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ خدا کا حکم جس میں نوح کو اپنے بیٹے کیلئے دعا کرنے سے منع کیا گیا ہو- قرآن شریف میں کہاں مذکور ہے اور اگر وہ کوئی ایسا حکم الہی نہیں دکھا سکتا تو یہ کیسا قابل نفرین جھوٹ ہے قرآن شریف میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جسمیں یہ ذکر ہو کہ نوح کو اپنے بیٹے کے بچانے کے لئے دعا کرنیسے منع کیا گیا تھا- یاد رکھنا چاہیے کہ آیت وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا یعنی ظالموں کے بارہ میں مجھسے خطاب نکرو- پادری صاحب کے لئے مفید نہیں ہو سکتی کیونکہ خدا تعالیٰ کا نوح کے ساتھ یہ بھی وعدہ تھا کہ اس کے اہل کو بچا لیا جاویگا- اسلئے پادری مانزو کو کوئی ایسی آیۃ پیش کرنی چاہیئے جس میں نوح کو اپنی بیٹے کے لئے جو اس کے اہل میں سے تھا دعا کرنیسے منع کیا گیا ہو- سورۂ ھود میں جہاں سے پادری صاحب نے اپنا اعتراض لیا ہے یہ آیتیں ہیں وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُن مِّنَ الْخَاسِرِينَ- ترجمہ اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا اے میرے رب میرا بیٹا میری اہل سے ہے اور بلاشک تیرا وعدہ (میری اہل کو بچانے کا) سچ ہے اور تو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے خدا تعالیٰ نے فرمایا اے نوح یہ تیرا بیٹا تیرے اہل سے نہیں ہے کیونکہ وہ عمل غیر صالح ہے- اسلئے ایسا سوال مجھسے مت کر جسکا تجھے علم نہیں دیا گیا یا میں اس لئے تجھے سمجھاتا ہوں کہ تو جاہلوں سے نہ ہو جاوے- نوح نے عرض کیا اے میرے رب میں تیری ہی پناہ مانگتا ہوں کہ ایسا سوال تجھسے کروں جس کا مجھ علم نہیں- اور اگر تو میری حفاظت

تجھے اور مجھپر رحم نکرے تو بیشک مین زیان کارون مین ہون گا۔

ان آیتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح کو یہ خیال تھا کہ چونکہ خدا تعالیٰ کا وعدہ اسکے اہل کو بچانیکا ہے اسلئے شاید اس کا بیٹا بھی وعدہ کے الفاظ کے اندر آجاتا ہے لیکن جب حضرت نوح نے بیٹے کو ڈوبتے ہوئے دیکھا تو خدا تعالیٰ کے سامنے نہایت عاجزی سے یہ عرض کی کہ جناب الٰہی کا وعدہ اسکے اہل کو بچانے کا تھا اور اس کا بیٹا بھی اسکے اہل مین سے ہی ہے۔ اور ساتھ یہ بھی عرض کی کہ خدا کے وعدے بالکل حق ہین اور ہر ایک حکم جو اسکی جناب سے صادر ہوتا ہے وہ نہایت ٹھیک ہی اسکے جواب مین خداوند تعالیٰ نے اسے بتایا کہ اس کا بیٹا اسکے اہل مین سے نہیں لیکن چونکہ صرف اسی قدر بیان سے حضرت نوح کے سوال کا جواب پورا نہ ہوتا تھا۔ اسلئے اس کی وجہ ساتھ یہ بیان فرمائی کہ وہ عمل غیر صالح ہے اس آخری فقرہ کو پادری مانز و حضرت نوح کی دعا کے متعلق سمجھتا ہی۔ کئی وجوہات ہین جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ ضمیر کے لئے پہلے کوئی اسم ہونا چاہیے جس کی بجائے وہ ضمیر آئے لیکن پہلی فقرہ مین کوئی ایسا اسم جیسا مثلاً نوح کی دعا یا نوح کا سوال یا نوح کا فعل واقعہ نہین ہوا۔ اور اسلئے اِنَّہٗ مین جو ضمیر ہے اس کو حضرت نوح کی دعا یا سوال کے متعلق نہین سمجھا جا سکتا۔ دوم اِنَّہٗ جو پہلے واقعہ ہوا ہے اس سے اور بھی صفائی سے معلوم ہوتا ہے جملہ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ معًا اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ کے بعد آتا ہے لیکن اس آخری جملہ کی ضمیر صاف طور پر بیٹے کیطرف ہے جسکا ذکر پہلی آیۃ مین ہے۔ اور اسلئے اِنَّہٗ جو پہلے جملہ مین واقعہ ہوا ہے یعنی اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ مین اس کی ضمیر بھی اسی اسم کیطرف پھرتی ہے دونو ضمیرین ایک ہی طرز سے واقعہ ہوئی ہین اور ان کا تعلق صاف بتاتا ہے کہ وہ ایک ہی اسم کیطرف پھرتی ہین۔ لیکن چونکہ پہلی ضمیر بغیر کسی شک کے نوح کے بیٹے کیطرف پھرتی ہے دوسری ضمیر بھی سوائے اسکے اور کسیکی طرف نہین پھر سکتی۔

سوم نوح نے ان الفاظ مین دعا کی تھی کہ میرا بیٹا میرے اہل مین سے ہے اور اسلئے صرف اسی قدر جواب کہ تیرا بیٹا تیرے اہل مین سے نہین ہے کافی نہین ہو سکتا تھا جب تک کہ ساتھ کوئی وجہ نہ بتائی جاتی کہ کیونکر اس کا بیٹا اسکے اہل مین سے خارج ہوگیا۔ خدا تعالیٰ کا وعدہ نوح کیساتھ ان کے اہل کو بچانے کا تھا۔ اس لئے جب انھون نے اپنے بیٹے کو غرق ہوتے دیکھا تو فطرتاً وہ خدا تعالیٰ کے آگے چلا اٹھے کہ ان کا بیٹا بسبب انکے اہل مین سے ہونے کے وعدہ کے اندر آجانا چاہیے تھا لیکن خدا تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا کہ تیرا بیٹا تیرے اہل مین سے نہین ہے یہ جواب نوح کی عرضداشت کا کافی جواب کسی صورت مین خیال نہین کیا جا سکتا ہے جب تک کہ کوئی وجہ ساتھ نہ بتائی جاوے کہ کیون بیٹا اہل مین سے نہین سمجھا جاتا چاہیے کیونکہ لفظ کے عام معنون مین

بیٹا اہل مین تھا۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے الفاظ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ کے بعد یہ وجہ بیان فرمادی کہ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ کہ اس کے عمل اچھے نہین۔ اور اس وجہ کے بیان کئے جانے کے بغیر فقرہ بالکل نامکمل رہتا ہے۔

پادری مانرو کو الفاظ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ سے جو کہ نوح کے بیٹے کے متعلق استعمال ہوئے ہین یہ دھوکا لگا ہے کہ انسان کو عمل غیر صالح نہین کہا جا سکتا اس لئے یہ الفاظ نوح کے بیٹے کے متعلق نہین بلکہ نوح کی دعا کے متعلق ہونے چاہیے۔ لیکن ایسا اعتراض صرف عربی زبان سے ناواقفیت کے باعث پیدا ہو سکتا ہے۔ زبان عربی مین ایسے الفاظ عام طور پر مستعمل ہوتے ہین جیسا کہ کسی شخص کے متعلق مثلاً یہ کہا جاوے اِنَّهٗ عِلْمٌ وَكَرَمٌ وَجُوْدٌ یعنی وہ شخص علم ہے۔ کرم ہے۔ اور سخاوت ہے۔ جب کہ مراد یہ ہو کہ اس کا علم اور کرم اور سخاوت بہت بڑا ہے قرآن شریف مین بھی اس کی مثال موجود ہے جیسا کہ فرمایا لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ آہ ترجمہ نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے مُنہ مشرق اور مغرب کیطرف پھیرو لیکن نیکی ہے۔ وہ شخص جو ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخر پر یہاں اس شخصکو جو اللہ تعالےٰ پر الآیۃ ایمان لائے صاحب نیکی کہنے کے بجائے نیکی کہا گیا ہے۔ اس لئے ایک ایسی شخص کو جو صاحب عمل غیر صالح ہو عمل غیر صالح کہنے مین کوئی اعتراض نہین بلکہ یہ ایک عام محاورہ اہل عرب کا ہے۔ ایک اور امر پر غور کرنے سے بھی ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہین اسی فقرہ کی ایک قرأۃ عَمِلَ غَيْرَ صَالِحٍ ہے۔ اور یہان ماضی کا صیغہ عَمِلَ بجائے مصدری صورۃ عَمَلٌ کے استعمال کیا گیا ہے۔ اب اگرچہ ہم ایسی قرأتون سے اور کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکین لیکن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اصل جو الفاظ قرآن شریف مین استعمال ہوئے ہین ان کے معنون پر دوسری قرأۃ سے روشنی پڑتی ہے۔ اب دوسری قرأۃ کے مطابق معنی یہ ہین کہ اس نے عمل کئے عمل غیر صالح۔ اور یہ معنی ہم کو اصل الفاظ کے معنی کرنے مین مدد دیتے ہین۔ کیونکہ اس سے پایا جاتا ہے کہ اصل الفاظ یعنی اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ کے یہی معنے سمجھے گئے تھے۔ اس لئے جس پہلو سے غور کیا جاوے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل معنی ان الفاظ کے وہی ہین جو ہم نے اوپر کئے ہین۔

حضرت ابراہیم نے جو دعا لوط کی قوم کے لئے کی اس سے بھی نوح کی دعا کے معاملہ پر روشنی پڑتی ہے حضرت ابراہیم کے متعلق یہ الفاظ آئے ہین يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ یعنی لوط کی قوم کے بارہ مین

ہم سے جھگڑا کیا اب اگر نوح کی دعا اپنے بیٹے کے لئے اس خیال پر کہ انہوں نے اس کو وعدہ مین
شامل سمجھا گناہ ہوسکتی ہے تو ابراہیم کی سفارش لوط کی قوم کے لئے زیادہ سخت گناہ قرار دیا جانا چاہئے
تھا کیونکہ علم کے معاملہ مین تو بہرحال حضرۃ ابراہیم کی حالت حضرت نوح کی حالت سے کم نہین اور عذاب
الٰہی بھی ضروری آنے والا تھا اور اس لئے ان کی سفارش بھی قضاء وقدر الٰہی کے اسی طرح برخلاف
تھی بلکہ حضرت ابراہیم کا معاملہ حضرت نوح سے بعد ہوا ہے اور اس واسطے اُن کو حضرت نوح کے
قصہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے تھا اگر وہ نوح کا گناہ ہوتا۔ ابراہیم کا گنہگار قوم کے لئے یہ سفارش
کا قصہ اسی سورت مین حضرت نوح کے قصہ کے بعد مذکور ہے اس لئے ان دونو قصون کے بیان
کئے جانے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت نوح کی دعا خدا تعالےٰ کی ناراضگی کا کچھ بھی موجب
ہوتی تو ابراہیم کی سفارش اس سے بڑھ کر ناراضگی کا موجب ہونی چاہیے تھی۔ درحقیقت حضرت
ابراہیم کا قصہ حضرت نوح کی دعا کے قصہ کی تشریح کرتا ہے اس لئے ہم دیکھتے ہین کہ ابراہیم کی دعا
پر اللہ تعالےٰ کیا فرماتا ہے وہ آیت اس طرح پر ہے یُجَادِلُنَا فِی قَوْمِ لُوطٍ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ
لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ ۔ یَٰٓاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۔ ترجمہ ابراہیم ہمارے ساتھ لوط
کی قوم کے بارہ مین جھگڑنے لگا کیونکہ ابراہیم بڑا نرم دل اور بہت خدا تعالےٰ کیطرف رجوع کرنے والا
تھا اے ابراہیم اس سے رک جاؤ۔ جیسا نوح کو اپنے بیٹے کے لئے دعا کرنے سے روکا گیا اسی طرح پر ابراہیم کو
قوم لوط کے لئے دعا کرنے سے روکا گیا۔ چونکہ قرآن بعض بعض کی تفسیر ہے۔ اور ابراہیم کا قصہ بعینہ نوح
کے قصہ کیطرح اسجگہ پر واقعہ ہوا ہے اس لئے ہم ان دونو قصون کی صورت کو ایک ہی سمجھین گے۔ کوئی وجہ نہین
کہ نوح کو اسی فعل کیلئے عمل غیر صالح کا مرتکب کہا جائے جس کے لئے ابراہیم کی جو نوح سے بعد آیا اسقدر
تعریف کیگئی ہے اگر ایسی دعا سے ابراہیم نرم دل ثابت ہوتا ہے جیسا کہ خدا تعالےٰ نے فرمایا تو نوح بھی
اس دعا سے نرم دل ثابت ہونا چاہیے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ دونو صورتون مین صرف الفاظ مختلف ہین
اور معانی ایک ہی ہین۔ جسطرح پر نوح کو حکم ہوا کہ دعا نہ کرے اسی طرح پر ابراہیم کو حکم ہوا کہ دعا نہ کرے
کیونکہ وہ لوگ جنکے لئے وہ دعا کرتے تھے اپنی بدعملیوں کے سبب سے خدا تعالیٰ کے رحم کے مستحق نہ تھے۔ پھر
جسطرح ابراہیم منیب یعنی خدا کیطرف رجوع کرنے والا بیان کیا گیا اسی طرح پر نوح کیمتعلق یہ بیان
کیا گیا ہے کہ انہوں نے خدا کی حفاظت اور مدد طلب کی اور اس طرح پر خدا کیطرف اسکا رجوع کرنا ثابت کیا

گیا ہے پس کوئی لفظ ہمیں ایسا معلوم نہیں ہوتا جس سے یہ نتیجہ نکال سکیں۔ کہ اپنے بیٹے کے واسطے دعا کرنے کے لئے حضرت نوح کو خدا نے گناہ گار ٹھیرایا۔ یہ الفاظ کہ "اے میرے خدا میں تیری حفاظت طلب کرتا ہوں کہ ایسا سوال کروں جسکا مجھ علم نہیں کیونکہ اگر تو میرا محافظ نہ ہو اور مجھپر رحم نکرے تو میں زیانکاروں سے ہوں گا" پادری مانزو کے بیان کی تائید نہیں کرتے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ کیا نبی اور کیا غیر نبی سب خدا تعالے کی حفاظت کے محتاج ہیں اور جو شخص خدا تعالیٰ کی حفاظت طلب نہیں کرتا یا جسکو خدا تعالیٰ کی حفاظت نہیں دیجاتی وہ بیشک زیانکاروں میں سے ہے۔ چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعا کی اور فرمایا رَبِّ لَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ یعنی اے میرے خدا مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے نفس کیطرف مت چھوڑ یعنی تو ہی میرا ہر وقت محافظ اور مددگار رہ۔ لیکن چونکہ حفاظت الٰہی حضرت نوح کے شامل حال تھی اسی واسطے بچائے گئے اور اگلی آیت میں خدا تعالیٰ انکی نسبت فرماتا ہے یٰنُوْحُ اھْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَکٰتٍ عَلَیْکَ یعنی اے نوح اتر ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں لیکر۔ کیا یہ بھی کبھی دیکھا میں ہوا ہے کہ گناہ کا بدلہ خدا کی طرف سے سلامتی اور برکتیں دیجاویں۔

مگر یہ ایک ہی امر نہیں جو پادریوں کیطرف سے ہمیں تعجب میں ڈالتا ہے۔ کہ وہ ناحق خدا کے نبیوں کی شان میں ہتک لگاتے ہیں بلکہ زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ انکی انجیلوں کی بنا پر وہ انسان جسکو وہ اپنا خدا سمجھتے ہیں زیادہ سخت گناہوں کا مرتکب ٹھیرتا ہے۔ مثلاً حضرت نوح پر تو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کے لئے دعا کر کے خدا کی نافرمانی کی اور اس کو ہم جھوٹ ثابت کر چکے ہیں کیونکہ نہ تو حضرت نوح کو یہ حکم ہی دیا گیا تھا کہ تو اپنے بیٹے کیلئے دعا نہ کرنا اور نہ ہی حضرۃ نوح کے دعا کرنے کو کہیں گناہ کہا ہے۔ لیکن ایک دعا کے ہی معاملہ میں اگر ہم انجیلوں کا اعتبار کریں تو یسوع گنہگار ٹھیرتا ہے۔ انجیلوں کے مطابق خدا نے یسوع کو اس لئے دنیا میں بھیجا تھا کہ تا وہ صلیب پر جان دے اور اس حکم الٰہی کا اسکو بخوبی علم تھا۔ اس لئے صلیب پر مرنے سے بچنے کیلئے دعا کرنے سے بڑھ کر یسوع اور کوئی گناہ ہی نہ کر سکتا تھا۔ لیکن انجیلوں میں لکھا ہے کہ اس نے بچنے کے لئے رو رو کر دعا کی اور ساری رات حکم الٰہی کی خلاف درزی میں صرف کی اور غم سے اسکی موت تک نوبت پہونچ گئی۔ پس کوئی شک نہیں کہ یسوع کی یہ دعا کہ موت کا پیالہ ٹل جائے خدا کے اس حکم کی نافرمانی تھی جسکا منشا یہ تھا کہ وہ صلیب پر لعنتی موت سے مرے۔ درحقیقت پادریوں نے یسوع کی اس دعا کے گناہ کو چھپانے کے لئے اسکا گناہ حضرۃ نوح پر تھوپ دیا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ پادری مانزو قلم اٹھانے وقت ضرور وضاحت کے ساتھ بیان کریگا۔

کرکیون حکم الہی کی خلاف ورزی مین اپنے بچاؤ کے لئے دعا کرتے کے واسطے یسوع گناہ گار نہین اور نوح قرآن شریف کے مطابق کیونکر کسی گناہ کا مرتکب ہوا +

حضرت یونس کا بھاگنا

حضرت یونس کیمتعلق پادری مانزو نے اپنی معمولی جرأت کیساتھ یہ جھوٹ بیان کیا ہی کہ وہ نعوذ باللہ خدا سے بھاگ گئے اور خدا کے حکم کی خلاف ورزی کی اور حوالہ کے لئے قرآن کریم کو پیش کرتا ہے جن آیتوں کا اُسنے حوالہ دیا ہے اُنکو مفصل نقل کرکے ہم آگے دکھائینگے کہ پادری مذکور نے کیسی سفید جھوٹ بولکر ناحق اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کیا ہے۔ قرآن کریم کا ایک لفظ بھی اُسکی اس جھوٹ کی تائید نہین کرتا۔ پہلے ہم ان آیتوں کو لیتے ہین جو سورہ انبیاء میں اس قصہ کیمتعلق آئی ہین اور جنکا حوالہ پادریصاحب نے دیا ہی۔ اس سورۃ کے مضامین جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام کے متعلق بالخصوص نہایت ضروری ہین۔ پہلے بیان کیا گیا ہی کہ کیونکر انبیاء سے استہزا کیا جاتا ہے اور اُنکی تحقیر اور توہین کیجاتی ہی اور اُنکو گالیاں دیجاتی ہین اسکے بعد انبیاء کے مکذبین کا انجام بیان کیا گیا ہے اور پھر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ انبیاء حکم الہی کی خلاف ورزی کا ارادہ ہی نہین کرسکتے چنانچہ فرمایا عباد مکرمون لایسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون انبیاء خدا کے مکرم بندے ہین جو خدا کے حکم سے آگے بڑھ کر بات نہین کرتے اور اسی کے ارشاد کیمطابق کام کرتے ہین کوئی سمجھدار آدمی ایک لمحہ کیلئے بھی خیال نہین کرسکتا کہ ان الفاظ کے بعد انبیاء کی نافرمانیوں کا ذکر بھی ہوسکتا ہی بلکہ یہاں تو نافرمانی کے امکان کو ہی توڑا گیا ہی اور اُنکی فطرۃ کو ہی ایسا بیان کیا گیا ہی کہ نافرمانی کا ارادہ بھی وہ نہین کرسکتے اس عام بیان کے بعد ضروری تھا کہ تشریح کیطور پر کچھ الگ الگ ذکر انبیاء کا بھی ہوتا جو انبیاء کے اس وصف کو ظاہر کرنیوالا ہوتا۔ اور قرآن شریف کی یہ عادت بھی ہی کہ عام بیان کے بعد وضاحت کے لئے خاص مثالین بیان فرماتا ہی۔ اس بیان کی تصدیق کیلئے اسی سورۃ کا مطالعہ کافی ہی کہ کسطرح انبیاء کے متعلق خدا تعالی اپنے انعامات و اکرامات کا بیان کرتا ہی اور دکھاتا ہی کہ جو کچھ اسکا منشا تھا انبیاء کرتے رہے اور اس لئے خدا بھی ہمیشہ اُنکے ساتھ رہا۔ چنانچہ چند انبیاء کا نام لیکر ذکر کیا گیا ہی۔ ہر ایک نبی کی فضیلت کو بیان کرکے بتایا گیا ہی کہ اس مستحکم تعلق اور قرب کے باعث جو خدا کے ساتھ اُنکو تھا کیونکر اللہ تعالی ہر ایک مصیبت کیوقت جو دشمنوں کے ہاتھ سے یا قضاء و قدر الہی سے اُنپر وارد ہوئی اُنکو بچاتا رہا۔ پہلے حضرت ابراہیم کا ذکر ہے

ولقد اتینا ابراھیم رشدہ من قبل (اور اس سے پہلے ہمنے ابراہیم کو رشد عطا فرمایا) پھر بیان کیا کہ کیونکر لوگ اس سبب سے اس کے دشمن ہو گئے کہ اسنے منشاء الہی کیمطابق بتونکو توڑا اور بالآخر یہ بیان ہی کہ کسطرح ہر ایک مصیبت اور تنگی کے وقت مین خدا تعالی اسے نجات دیتا رہا حضرۃ ابراہیم کی اولاد مین سے اسحق اور یعقوب کا نام لیا گیا ہی اور پھر یہ آیت آتی ہی وکلا جعلنا صالحین وجعلنھم ائمۃ یھدون بامرنا واوحینا الیھم فعل الخیرات اور ہر ایک کو ہمنے راستباز بنایا اور انکو امام بنایا جو ہمارے احکام کی لوگونکو ہدایت کرتے اور ہمنے انکی طرف نیک کامونکی وحی کی پھر حضرۃ **لوط** کا ذکر فرمایا کہ ہمنے اسکو حکمۃ اور علم سکھایا اور اسکو اس گاؤن سے نجاۃ دی جو بد عملیان کرتے تھے۔ پھر حضرت **نوح** کا ذکر ہے کہ ہمنے اسکی دعا کو قبول کیا اور اسکو اور اسکے اہل کو بڑی مصیبت سے نجاۃ دی۔ پھر حضرت **داؤد** اور **سلیمان** کا ذکر ہے کہ ہمنے انہیں حکمۃ اور علم عطا فرمایا۔ پھر **ایوب** علیہ السلام کا ذکر ہے کہ ہمنے اسکی دعا کو قبول کیا اور اسکے دکھ کو دور کیا۔ پھر حضرۃ **اسمعیل ادریس** اور **ذوالکفل** کا ذکر ہے جو بڑے صابر تھے اور ہمنے انکو اپنی رحمت مین داخل کیا کیونکہ وہ بڑے راستباز تھے۔ یہان سے حضرۃ **یونس** کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ وذاالنون اذذھب مغاضبا فظن ان لن نقدر علیہ فنادی فی الظلمت ان لا الہ الا انت سبحنک انی کنت من الظلمین فاستجبنالہ ونجینہ من الغم وکذلک ننجی المؤمنین **ترجمہ**۔ اور ہمنے ذوالنون کو بھی رشد عطا فرمایا جبکہ وہ غضب کیحالت مین چلا گیا اور اسنے خیال کیا کہ ہم اس پر تنگی نہین کرینگے یا اسپر مصیبت نہین ڈالینگے (لیکن جب وہ مصیبت مین گرفتار ہو گیا) تو پھر اسنے اس تاریکی مین (جسکے اندر وہ مچھلی کے پیٹ مین پڑا ہوا تھا) ہمین پکارا اور دعا کی کہ اے خدا تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری ذات ہر ایک عیب اور نقص سے پاک ہی اور مین کمزور اور مصیبتون مین پھنسا ہوا ہون۔ پس ہمنے اسکی دعا کو قبول کیا اور اسکو مصیبت سے نجات دی اور ہر ایک ایماندار کو ہم اسی طرح نجاۃ دیتے ہین۔ یہان ذوالنون منصوب واقع ہوا ہے اور واو عاطفہ ظاہر کرتی ہے کہ اسکا عطف کسی پہلی فعل پر ہے جیسا کہ حضرۃ ابراہیم کے بعد جتنے نام آئے ہین وہ واو عاطفہ کے ساتھ سب منصوب آئے ہین اس لئے ان سب مین وہی فعل مقدر ہی جو حضرۃ ابراہیم کیمتعلق بولا گیا۔ اسی لئے ہمنے وذاالنون کا ترجمہ فعل مقدر کو ظاہر کرکے کیا ہے۔ آخری آیۃ سے یہ بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس مصیبت مین حضرۃ یونس گرفتار ہوئے وہ اسی قسم کی تھی جیسی پہلے انبیاء پر وارد ہوئی تھی اور ان کا نجاۃ پانا اسی طرز کا تھا جیسا پہلے انبیاء کا جنکا ذکر اسی سورۃ مین حضرت یونس سے پہلے ہو چکا ہی۔ نیز جو خلاصہ مضمون اس سورۃ کا ہمنے اوپر دیا ہی اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ اس سورۃ میں جسقدر انبیاء کا ذکر ہے ان میں سے اکثر کا ذکر اسی طرح پر واقع ہوا ہی کہ وہ بڑی بڑی مصیبتون

گرفتار ہوئے لیکن جب انھوں نے خدا سے دعا کی تو خدا نے اُنکی دعا کو قبول کیا اور اُنکی مصیبت کو دور کر دیا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ مصائب جو انبیاء پر آتے رہے ہیں وہ اُنکے گناہوں کے سبب سے نہیں تھے۔ بار بار اس امر پر اس سورۃ مین زور دیا گیا ہے کہ کسطرح صبر کے ساتھ انبیاء نے ان مصیبتوں کی برداشت کی جو قضا و قدر سے یا انکے دشمنوں کے ہاتھ سے انھیں پہنچتی رہین۔ اور کسطرح انھوں نے ہر ایک بھروسہ کو چھوڑ کر صرف خدا کو ہی پکارا اور اسی کی مدد طلب کی جب ساری دنیا انکو چھوڑ چکی تھی اور بالآخر کسطرح پر خدا کے فضل اور تائید غیبی نے انھیں اُن مشکلات سے نجاۃ دی۔ جو پہاڑ کیطرح نظر آتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورۃ مین قریباً ہر ایک نبی کے متعلق ان الفاظ کا بار بار اعادہ کیا گیا ہے کہ **نجینٰہ** کہ ہمنے اسکو نجاۃ دی۔ یہی الفاظ حضرۃ یونس کے متعلق استعمال کئے گئے ہین اور اسجگہ اسکے ساتھ یہ بھی بڑھا دیا گیا ہے **کذٰلک ننجی المؤمنین** کہ ہر ایک شخص کو جو مصائب کے وقت خدا پر پورا ایمان رکھے ہم اسی طرح نجاۃ دیتے ہین اور ان الفاظ سے یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ جن مشکلات مین حضرت یونس مبتلا ہوئے تھے اور جسطرح انکو نجات دیگئی۔ وہ بعینہٖ اسی طرز کی تھی جیسا کہ پہلے انبیاء کی مشکلات اور انکا نجات پانا تھا۔

اب ہم ان آیات کے الفاظ پر غور کرتے ہین جو حضرۃ یونس کے متعلق ہمنے اوپر لکھی ہین سب سے پہلے الفاظ قابل غور ہین کہ ہمنے یونس کو رشد عطا کیا۔ جب کہ وہ غضب مین چلا گیا۔ قرآن شریف مین یہ نہین لکھا کہ یہ انکا غضب کسکے متعلق تھا۔ لیکن اتنی بات ظاہر ہے کہ یہ غضب انکا خدا تعالےٰ کے متعلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اول تو اسی غضب مین چلے جانے کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ہمنے اسکو رشد عطا فرمایا اگر انکا غضب خدا تعالےٰ کے بر خلاف ہوتا تو اس طرح پر بیان کیا جانا چاہیے تھا کہ یونس سخت غلطی مین تھا اور خدا کے غضب کے نیچے تھا۔ جب کہ وہ غضب مین چلا گیا۔ نہ یہ کہ ہمنے اُسکو رشد عطا فرمایا جبکہ وہ غضب مین چلا گیا۔ علاوہ ازین ایک نبی کے متعلق یہ کہنا کہ وہ خدا کے خلاف غضب مین تھا اگر بے ایمانی نہین تو بیوقوفی ضرور ہے خصوصاً جبکہ اسی سورۃ مین یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ خدا کے نبی وہ مکرم بندے ہین جو نہین بولتے جب تک خدا انکو نہ بلاوے اور کوئی کام نہین کرتے جب تک خدا انکو کرنے کا حکم نہ دے۔ ہمارے لئے یہ ضروری نہین کہ ان تفصیلات کو دیکھین کہ یونس کا غضب کس پر تھا کیونکہ قرآن شریف نے اسکو مجمل رکھا ہے اور اسکی تفصیل کو ضروری نہین سمجھا۔ ہان اتنا بیان کر دینا ضروری ہے کہ ابن عباس کی ایک روایت کے مطابق وہ اس ملک کا بادشاہ تھا جسکے برخلاف یونس غضبناک ہوا اور بعض لوگوں کا مذہب ہے کہ وہ اسکی اپنی قوم تھی جسکو وہ وعظ کیا کرتے تھے۔ اور جنھون نے اسکو قبول نکیا ان دونو باتوں مین سے کوئی سی مان لین تو حضرۃ یونس کا قصہ دوسرے انبیا کے قصص کے مطابق ہو جاتا ہے

جو اس سورۃ میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور نیز انبیاء کی اس خصوصیت کے مطابق ہو جاتا ہے جو اوپر بیان
کی گئی ہے۔

اس کے بعد یہ الفاظ آتے ہیں فَظَنَّ اَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَیْہِ اور وہ یہ موقعہ ہے جہاں یا تو پادری مانرو
اور اُسکے دوستوں کو غلطی لگی ہے یا انھوں نے عمداً غلط معنے کئے ہیں۔ صحیح معنے وہی ہیں جو ہم نے اوپر کئے ہیں جن لوگوں
نے اسکے معنے یہ سمجھے ہیں کہ "اُس نے خیال کیا کہ ہم اس پر کوئی قدرت نہیں رکھتے" ان کے متعلق صاحب .....
لسان العرب کہتا ہے دیکھو جلد ۶ صفحہ ۳۹۶ ولا یتاول مثلہ الا الجاھل بکلام العرب و لغاتھا
یعنی ایسے معنے کوئی نہیں کرتا سوائے ایسے شخص کے جو عربوں کے کلام اور انکے لغات سے بالکل جاہل ہو پھر اس
فقرے کے معنے کرتے ہوئے اسی کتاب میں لکھا ہے کہ اُسکے صحیح معنے یہ ہیں کہ ہم اس کیلئے کوئی مصیبت مقدر نہیں
کرینگے یا ہم اس پر تنگی نہیں کرینگے اور یہ دونوں معنے عربی زبان میں مشہور ہیں" ان معنوں کی مثالیں قرآن شریف
میں اور جگہ بھی موجود ہیں۔ چنانچہ اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ اور مَنْ قُدِرَ عَلَیْہِ
رِزْقُہٗ اگر بالفرض کسی نے غلطی سے یا عربی زبان کی ناواقفیت کے سبب سے یہ معنے کئے بھی ہوں تو وہ سند نہیں
ہو سکتے کیونکہ تمام مفسرین اور اہل لغت نے اس غلطی کو بیان کرکے اسکے صحیح معنے کر دیئے ہیں۔ یہ پادریوں کی
محض بیوقوفی ہے کہ غلط ترجمہ پر زور دیے جاتے ہیں۔ جب کہ اس غلطی کی اس قدر زور سے تردید بھی کر دی
گئی ہے۔

ان الفاظ پر غور کرنا باقی ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ لفظ ظلم پر الگ
مفصل بحث کیجاویگی۔ یہاں اتنا بیان کرنا ضروری ہے کہ حضرت یونس یہاں انسانی کمزوری اور نقص کا خدا تعالی
کے کمال اور قدرت کے سامنے اقرار کرتے ہیں۔ لفظ سبحانک کے یہی معنے ہیں کہ اے خدا تو ہر ایک عیب اور نقص سے
پاک ہے اور اپنی ذات میں کامل ہے۔ خدا تعالی کی طاقت اور کمال کے سامنے وہ اپنی انسانی حالت کو عاجز طور پر
بیان کرتے ہیں اور اپنے مصائب اور تکالیف کو اُسکے سامنے پیش کرتے ہیں وہ تمام قوۃ خدا تعالی کیطرف منسوب
کرتے ہیں اور کمزوری اپنی طرف اور التجا کرتے ہیں کہ خدا تعالی اپنی طاقت کے ساتھ ان کو ان مصائب سے نجاۃ دے
جنمیں وہ مبتلا ہیں کیونکہ وہ خود باہر نکلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ایسا ہی وہ بے عیبی کو خدا تعالے کی طرف
منسوب کرتے ہیں اور اس کے بالمقابل انسانی نقص کو پیش کرتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اس کا کمال
انکے تمام فطرتی نقصوں کو پورا کرے۔ اسطرح خدا تعالی کے کمال مطلق اور انسانی کمزوری اور عجز کو بالمقابل رکھا گیا

ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ معتبر روایتوں میں آیا ہے فرمایا کہ جو شخص بڑی مصیبتوں کے نیچے دبا ہوا حضرۃ یونس کے الفاظ میں دعا کرے گا یعنی ان الفاظ میں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اس کے مصائب دور کئے جائیں گے۔ تو گویا اس دعا کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ مصائب سے نجاۃ طلب کرنے کے لئے ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ یہ گناہ سے معافی مانگنے کے لئے ہے۔ اس حدیث سے اس دعا کے معنی بالکل صاف ہو جاتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ظلم جو یہاں استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد وہ مصائب ہیں جو حضرۃ یونس کو پیش آئے تھے نہ کہ گناہ کیسی گناہ کا آگے یا پیچھے ذکر نہیں۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ یہ دعا مصائب سے نجاۃ مانگنے کے لئے ہے چنانچہ فرمایا مَا دَعَا بِهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ قَطُّ وَهُوَ مَكْرُوبٌ إِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ دُعَاءَهُ یعنی جو کوئی مسلمان جو مصائب کے نیچے دبا ہوا ہو یہ دعا کرے گا۔ ضرور ضرور خدا تعالے اسکی دعا کو منظور کر لیگا۔ اس لئے اس دعا میں لفظ ظالم کے معنے یہ ہیں کہ مصائب کے نیچے دبا ہوا۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو حضرت یونس کی حالت میں ایک شخص کی مناسبت حال بالکل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اس دعا کو مصائب اور مشکلات سے نجاۃ پانے سے کچھ تعلق ہونا چاہیے۔

آخری الفاظ ان آیات کے فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ان معنوں پر اور زیادہ روشنی ڈالتی ہیں یہاں ایک دعا کا ذکر ہے جو خدا تعالے نے قبول کی اور اس قبولیت کا نتیجہ مصیبت سے نجاۃ دینا ہے اور ساتھ ہی ایسی نجاۃ کا ہر ایک مومن سے وعدہ ہے جو دعا کرے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یونس کی دعا مصیبت سے نجاۃ کیلئے تھی جسکو قبول کر کے خدا تعالیٰ نے اُسکو نجات دی۔ لیکن قرآن شریف میں جس دعا کا ذکر ہے وہ صرف یہی دعا ہے جسکا ذکر اوپر ہو چکا۔ یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اور اس دعا میں حضرۃ یونس کے متعلق جو لفظ ہے وہ ظالم کا لفظ ہے۔ اس لئے حضرۃ یونس کی دعا بھی اسی حالت ظلم سے نجات پانے کے لئے تھی۔ لیکن دعا کی قبولیت ہمیں بتاتی ہے کہ یہ حالت سخت مصیبت اور تکلیف کی حالت تھی اس لئے ہم لفظ ظالم کے معنی اسی کے مطابق کر سکتے ہیں یعنی مصیبتوں کے نیچے دبا ہوا اس لئے جہانتک ان آیات کا ہم کوئی مفہوم لے سکتے ہیں۔ نہ تو حضرت یونس کے خدا سے بھاگنے کا ذکر ہے خدا کے کسی حکم کو توڑنے کا ذکر ہے اور نہ کسی گناہ کا اقرار ہے۔

اب ہم سورۃ الصّٰٓفّٰت میں جو حضرۃ یونس کے متعلق آیتیں آئی ہیں اُنکو لیتے ہیں۔ وہ آیتیں اسطرح پر ہیں۔

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ۝ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۝ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ الخ اور یونس ہمارے مرسلوں

میں سے ایک تھا۔ یاد کرو جبکہ وہ بھرے ہوئے جہاز کیطرف بھاگ گیا اور قرعہ اندازی کی گئی اور قرعہ اسی پر پڑا
پھر مچھلی اسکو نگل گئی اور وہ مستحق ملامۃ سمجھا گیا تھا لیکن اگر وہ ہماری تسبیح و تقدیس کرنیوالوں میں سے نہ ہوتا
تو اُسی کے پیٹ میں رہتا" اس سورۃ میں بھی یہی ذکر ہے کہ کسطرح خداتعالےٰ نے اپنے برگزیدہ نبیوں کو انکے دشمنوں
کے ہاتھ سے نجات دی کسطرحپر نوح پھر ابراہیم پھر موسٰے اور ہارون پھر الیاس پھر لوط کو عین ضرورۃ کیوقت خداتعالےٰ نے
مدد دی کیونکہ اُن کا بھروسہ خدا ہی پر تھا اور وہ بڑے بڑے مصائب اور ابتلاؤں کے وقت ثابت قدم رہے۔ اور
راستبازی کے کام کرتے رہے چنانچہ قریباً ہر ایک نبی کے متعلق یہ الفاظ آئے ہیں اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ
اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ۔ یعنی اسی طرح پر ہم راستبازوں کو انعام دیتے ہیں کیونکہ وہ (یعنی جس نبی کا ذکر ہے)
مصائب کے وقت ہمارا ثابت قدم بندوں میں سے تھا۔ اسکے بعد حضرۃ یونس کا ذکر ان تعریفی الفاظ میں شروع ہوتا ہے
یونس بھی ان لوگوں میں سے تھا جنکو ہمنے نبی کرکے چن لیا۔ اسکے بعد اس مصیبت کا بیان ہے۔ جو حضرۃ یونس پر اسی
طرح پڑی جسطرح حضرۃ ابراہیم ۔ نوح ۔ موسیٰ ۔ لوط ۔ وغیرہ دوسرے انبیاء پر مصیبتیں آئیں۔ اس مصیبت کا آغاز یہ
ہے کہ حضرۃ یونس کو ایک جہاز کیطرف بھاگنا پڑا۔ یہ فرض کرنا کہ وہ خدا سے بھاگے تھے پرلے درجہ کی حماقت ہے اگر خدا
کا یہی منشاء ہوتا تو ماقبل کی آیت میں بجائے یہ کہنے کے کہ یونس بھی ہمارے برگزیدہ رسولوں میں سے تھا یہ کہنا چاہیے تھا کہ
یونس بھی گنہگاروں یا مجرموں میں سے ایک تھا کیونکہ وہ خدا سے بھاگ گیا۔ سورۂ انبیاء کی آیۃ پر بحث کرتے وقت ہم
یہ بیان کرچکے ہیں کہ حضرۃ یونس کا بھاگنا اُس ملک کے بادشاہ سے تھا یا اپنی قوم سے۔ اسکے بعد جب حضرۃ یونس جہاز میں
چڑھ بیٹھے تو اور بھی زیادہ مصائب نے انکو آگھیرا۔ قرعہ ڈالکر انکو دریا میں پھینکا گیا اور اہل جہاز نے خیال کیا کہ وہ واقعی
ملامۃ کے قابل ہیں لیکن چونکہ وہ خداتعالےٰ کے نزدیک قابل ملامت نہیں تھے اس لئے خداتعالےٰ نے انکو بچا لیا۔ اگر وہ
خداتعالےٰ کے نزدیک ایسے ہی ملزم ہوتے جیسا کہ لوگوں نے انکو خیال کرلیا تھا جب وہ دریا میں پھینکے گئے تھے تو وہ ضرور غرق
ہوجاتے کیونکہ خداتعالیٰ انکی مدد نکرتا۔ لیکن خداتعالےٰ خود ان کے ملزم ہونیکا انکار ان الفاظ میں کرتا ہے
فَلَوْلَا اَنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ اور فرماتا ہے کہ اگر واقعی وہ خدا کی تسبیح کرنے والا نہ ہوتا اور ملزم ہی ہوتا جیسا
کہ لوگوں نے اسے خیال کرلیا تھا تو ضرور غرق کیا جاتا لیکن خداتعالیٰ اسکی نسبت یہ بیان کرکے کہ وہ خدا
کی تسبیح اور تقدیس کرنے والوں میں سے تھا اور اس لئے بچا لیا گیا اسکے ملزم ہونے سے صاف انکار کرتا ہے کیونکہ
اگر وہ خدا کو ناراض کرکے اور خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرکے بھاگا ہوتا تو وہ مسیح نہ ٹھیرتا لیکن چونکہ وہ
ہر وقت خدا پر خالص اور سچا ایمان رکھتا تھا۔ جیسا کہ دوسرے انبیاء رکھتے تھے اس واسطے خدا نے اسکو

عین اُس وقت بچا لیا جبکہ اُسکے بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔

ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ حضرۃ یونس خدا تعالےٰ سے کبھی نہیں بھاگے ہاں یسوع کے متعلق ایک واقعہ کا انجیل مین ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا کہ یسوع خدا سے بھاگ گیا کیونکہ انجیل مین لکھا ہی کہ جب اس مقصد کے پورا ہونے کا وقت آیا جسکے لئے عیسائیوں کے اعتقاد کے بموجب خدا نے یسوع کو بھیجا تھا تو یسوع ایک باغ مین چھپ گیا۔ اب یہودیوں سے اپنے آپ کو چھپانا خدا تعالےٰ سے بھاگنا تھا کیونکہ یہودی اس وقت عیسائیوں کے اعتقاد کے رو سے خدا تعالےٰ کے حکم کو پورا کرنا چاہتے تھے لیکن یسوع اسقدر دلیری نہ کر سکا کہ اس حکم الٰہی کے مطابق وہ خود ہی یہودیوں کے پاس چلا جاتا اور صلیب پر چڑھنے کی درخواست کرتا اور اسی لئے بیچارے یہودیونکو اُسکے منتخب شاگردوں مین سے ایک کو رشوت دینی پڑی تاکہ اس کا پتہ ملجاوے۔ ہم دیکھنا چاہتے ہین کہ پادری یسوع کے اس طرح پر خدا سے بھاگنے کی کیا تشریح کرتے ہین۔

حضرت موسیٰ کا قتل کرنا

پادری مانرو حضرت موسیٰ پر یہ الزام لگاتا ہے کہ وہ ایک خون ناحق کرکے خدا کے گنہگار ہوئے۔ اور سورۃ قصص کی بنا پر وہ یہ الزام پیش کرتا ہے۔ سورۃ قصص مین یہ قصہ اس طرح پر مذکور ہے۔ "اور جب موسیٰ عین بلوغت پر پہونچا اور اسکے انسانی قوے پوری طرح نشو و نما پا گئے تو ہمنے اُسکو علم اور حکمت دیا کیونکہ راستبازونکو ہم اسی طرح پر انعام دیا کرتے ہین اور وہ ایسے وقت شہر میں داخل ہوا جبکہ لوگ غفلت کی حالت میں تھے اور اسنے دو آدمی لڑتے پائے ایک اُسکی اپنے گروہ مین سے اور دوسرا اسکے دشمنوں میں سے۔ جو شخص اسکی اپنی گروہ میں سے تھا۔ اسنے موسیٰ کے پاس فریاد کی اور دشمن پر مدد چاہی تو موسیٰ نے اسکے ایک مُکّا مارا تو وہ مرگیا۔ موسیٰ نے کہا یہ شیطانی اعمال کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ شیطان دشمن صریح بہکانیوالا ہے۔ پھر حضرت موسیٰ نے دعا کی کہ اے میرے رب مینے اپنی جان کو خسارہ میں ڈالدیا پس تو میری حفاظت کر پس خدا نے اس کی حفاظت کی کیونکہ خدا بڑا حفاظت کرنے والا مہربان ہے حضرۃ موسیٰ نے کہا اے میرے رب جیسا تو نے مجھپر فضل کیا میں بھی کبھی گنہگاروں کا مددگار نہین ہونگا لیکن شہر مین وہ صبح کو ڈرتا ہوا اٹھا اس انتظار مین کہ کوئی اُسکو پکڑ نہ لے تو پھر وہی آدمی جس نے پہلے دن اس سے مدد مانگی تھی فریاد کرتا ہوا نظر آیا موسےٰ نے اسکو کہا تو بڑا جھگڑالو ہے پھر جب ارادہ کیا کہ اس شخص پر ہاتھ ڈالے جو ان دونوں کا دشمن تھا تو وہ دوسرا شخص بول اٹھا کہ اے موسےٰ کیا تو ارادہ کرتا ہے کہ جیسا کل ایک آدمی کو قتل کیا ویسا ہی آج مجھے قتل کرے"۔ اس قصہ

ہیں کئی امور قابل غور ہیں۔ اول تو قصہ کو شروع کرنے سے پہلے ایسے الفاظ میں حضرۃ موسٰی کی تعریف کی گئی ہے جو اس کے خلاف گناہ کا نتیجہ نکالنے سے سخت مانع ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ موسیٰ کو علم و حکمۃ اسواسطے دیا گیا کہ وہ بڑا راستباز تھا۔ اب قصہ کو بیان کرتے ہوئے پادری اس نکتہ کو کبھی بیان نہیں کرینگے۔ چنانچہ پادری ماتروؔ نے ایسا ہی کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ الفاظ سارے قصہ کی جان ہیں اور اس کے اصل منشا کو ظاہر کرتے ہیں۔ موسیٰ کی راستبازی خدا تعالےٰ کو ایسی پسند آئی کہ اس نے بڑے بڑے انعامات حکمت اور علم کے اُسے عطا فرمائے۔ اب خیال کرو کہ ایسے بیان کے بعد یہ قصہ مذکور ہوا کہ ایک دن تو حضرت موسےٰ نے خون ناحق کیا اور رات کو توبہ کرکے پھر دوسری صبح ایک اور خون ناحق کرنے کی کوشش کی اور اس میں بھی کامیاب ہوجاتا اگر شور نہ پڑجاتا۔ کیا اس سے زیادہ بھی بیہودہ تعلق عبارۃ کا قیاس میں آسکتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ مثلاً ایک شخص شراب کی ممانعت پر لکچر دینے کھڑا ہوا اور سامعین کی تقلید کیلئے ایک ایسی شخص کو بطور نمونہ پیش کرے جسکی ہر جگہ پرہیزگاری اور شراب نہ پینے کی تعریف اور شہرت ہورہی ہو اور پھر ساتھ اس کے یہ قصہ بھی بیان کرے کہ یہی شخص جسکو وہ نمونہ کیطور پر پیش کرتا ہے ایک شام کو بازار میں شراب سے مدہوش پڑا ہوا پایا گیا۔ اور پھر رات کو اسکے سامنے اُس نے توبہ کی اور دوسری شام کو پھر ایک شراب کی دوکان میں جاتا ہوا دیکھا گیا۔ اس مثال کی بیہودگی پر غور کرو اور پھر سوچو کہ آیا پادری قرآن شریف کے معنے کرنے میں اس سے بھی بڑھ کر حماقت نہیں دکھلاتے۔ موسےٰ ایک شخص ہے جسکو پہلے مومنین کے سامنے راستبازی کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے اور پھر اُس کی راستبازی کی یہانتک تعریف کی جاتی ہے کہ خدا تعالےٰ اُس سے خوش ہوکر اس کو بڑے بڑے انعام دیتا ہے اور علم و حکمت عطا کرتا ہے۔ اور پھر اگلی آیت میں اُس کی متعلق یہ بیان کیا جادے کہ وہ بڑا سفاک اور خونریز تھا جو ناحق لوگوں کے خون کیا کرتا تھا۔

پھر ایک اور امر قابل غور یہ ہے کہ خدا تعالےٰ سے حفاظت مانگنے کے بعد اور جب خدا تعالےٰ سے حفاظت کا وعدہ انکو دیا جاتا ہے تو حضرۃ موسیٰ بارگاہ الہی میں عرض کرتے ہیں رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَکُوْنَ ظَہِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ اے میرے رب تیرے انعاموں کے سبب سے جو تو نے مجھ پر کئے ہیں میں کبھی مجرموں کا مددگار نہیں ہونگا۔ اس لئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسرائیلی کی مدد کرنے میں حضرت موسیٰ گناہ کے مرتکب ہوئے کیونکہ یا تو اس فعل میں وہ حق پر تھے یا ناحق پر۔ اگر حق پر تھے تو پھر تو کوئی اعتراض ہی باقی نہیں رہتا لیکن اگر ناحق پر تھے تو پھر وہ مجرم کے مددگار ٹھہرے۔ لیکن خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ وہ کبھی بھی مجرموں کے مددگار نہیں ہوئے بفرض محال اگر یہی مان لیا جاوے کہ یہ وعدہ حضرت موسیٰ کا

قبطی کے قتل کے بعد کا تھا۔ تب بھی یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ اسرائیلی کی مدد کرنے مین حضرۃ موسیٰ ناحق پر تھے کم سے کم اتنا تو ماننا پڑیگا۔ کہ وعدہ کے بعد حضرۃ موسے اس قسم کے ارتکاب کی پھر کوشش نکرتے اگر وہ اپنے فعل کو گناہ یا مجرم کی مدد سمجھتے۔ لیکن ایک دن بھی اس وعدہ پر نہ گذرنے پایا تھا کہ اسی قسم کا واقعہ حضرت موسیٰ کو پھر پیش آیا کہ آپ نے اسی اسرائیلی کو ایک اور قبطی سے لڑتے دیکھا اور پھر اسرائیلی نے اسیطرح موسےٰ کے پاس فریاد کی اور اسیطرح موسےٰ نے اسکی مدد کرنی چاہی اور دشمن کو ہلاک کرنا چاہا مگر ایک ایسا واقعہ پیش آگیا کہ انکو رکنا پڑا۔ اگر حضرۃ موسیٰ پہلی دفعہ اسرائیلی کی مدد کو گناہ خیال کرتے تو ممکن نہ تھا کہ انھین واقعات کے ماتحت اسی اسرائیلی کی مدد کو پھر تیار ہو جاتے جو پہلی دفعہ انکے گناہ کا موجب ہو چکا تھا درآنحالیکہ وہ وعدہ بھی کر چکے تھے کہ وہ کبھی کسی مجرم کی مدد نہین کرینگے۔ آیۃ فَلَنۡ اَکُوۡنَ ظَہِیۡرًا لِّلۡمُجۡرِمِیۡنَ صاف اس امر پر شاہد ہے کہ دوسرے موقعہ پر حضرت موسیٰ کا فعل ظالمانہ فعل نہ تھا مگر چونکہ حضرت موسےٰ نے دوسرے موقعہ پر بعینہ اسی فعل کا ارادہ کیا تھا جو وہ پہلے موقعہ پر کر چکے تھے اسلئے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہین کہ پہلے موقعہ پر بھی وہ کسی برے فعل کے مرتکب نہین ہوئے یعنی کسی ایسے فعل کے کہ جسکو وہ خود برا سمجھتے ہون یا جو خدا کی نزدیک برا ہو۔

ایک اور امر جسپر غور کرنے سے حضرۃ موسیٰ کی معصومیت ثابت ہوتی ہے انکی وہ دعا ہے جو کہ مدین کو بھاگتے وقت انھون نے اللہ تعالےٰ سے مانگی۔ یہ دعا ان الفاظ مین ہے رَبِّ نَجِّنِیۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ۔ یہان موسیٰ اپنے دشمنونکو ظالم بیان کرتے ہین۔ حالانکہ وہ اگر اپنے فعل کو ظلم سمجھتے تو ممکن نہ تھا کہ اسی معاملہ مین وہ اپنے دشمنونکو بھی ظالم کہتے۔ اگر حضرت موسیٰ یہ جانتے تھے کہ ایک آدمی کے مار ڈالنے مین انھون نے کسی ظالمانہ فعل کا ارتکاب کیا ہے۔ تو پھر وہ اُن لوگون کو جو ایک مجرم شخص کو قرار واقعی سزا دینا چاہتے تھے۔ کیون ظالم کہتے۔ خود انکی یہ تعلیم تھی کہ جان کی بدلے جان۔ تو پھر اُن لوگونکو جو اسی قانون کے مطابق انھین پکڑنا چاہتے تھے جسکو وہ عدل اور انصاف کا قانون سمجھتے تھے کیونکر ظالم کہہ سکتے تھے ان کا اپنے مخالفونکو ظالم بیان کرنا اس لئے کہ وہ قبطی کو مارنیکی وجہ سے انکی جان کے درپے ہوگئے تھے صاف ثابت کرتا ہے کہ وہ اپنے آپکو اس معاملہ مین بیگناہ سمجھتے تھے اور یقیناً جانتے تھے کہ انھون نے کوئی خون ناحق نہین کیا جسکے بدلے انھین سزا ملنی چاہیے۔ اگر وہ خون ناحق کے مرتکب ہوئے ہوتے تو ایک عدل اور انصاف کی سزا کو ظلم نہین کہہ سکتے تھے۔ پھر جب موسےٰ مدین مین پہنچتے ہین اور شیخ کبیر کے سامنے اپنا قصہ بیان کرتے ہین کہ کیونکر انھون نے ایک قبطی کو مارا اور پھر کیونکر وہان سے بھاگے تو وہ شیخ کبیر بھی قبطیون کو ہی ظالم ٹھیراتا ہے اور اس معاملہ مین انھین کیطرف ظلم کو منسوب کرتا ہے اور کہتا ہے لَا تَخَفۡ نَجَوۡتَ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ تو مت ڈر کہ ان لوگون سے جو تجھپر ظلم کا ارادہ رکھتے تھے تو نجات پا گیا۔ اسی طرح پر

قصہ میں حضرت موسےٰ کے دشمنوں کے اس فعل کو کہ وہ قبطی کے بدلے انکو مارنا چاہتے تھے - خدا تعالےٰ نے ظلم اور ناحق قرار دیا ہے اور اس لئے وہ فعل جس پر یہ سزا تجویز کرتے تھے خدا تعالےٰ کے نزدیک ظالمانہ اور ناحق نہیں ہو سکتا - ایسا ہی خدا تعالےٰ سے ہمکلام ہوتے ہوئے موسےٰ کہتے ہیں وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ کہ ان مصریوں کا مجھپر گناہ ہے اور یہ نہیں کہا کہ خدا کا گناہ ہے - جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قتل کے معاملہ میں وہ خدا تعالےٰ کے نزدیک قطعاً اپنے آپ کو گنہگار نہیں سمجھتے تھے کیونکہ وہ خدا کو یہ کہتے ہیں کہ میں ان مصریوں کے نزدیک گنہگار ہوں نہ یہ کہ تیرے نزدیک بھی گنہگار ہوں -

حضرت موسےٰ کے یہ الفاظ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ کہ یہ تیرے شیطانی فعلوں کی سزا ہے جو اُنھوں نے قبطی کے متعلق کہے اسی نتیجہ کے موید ہیں - جب حضرت موسیٰ نے دیکھا کہ قبطی انکے مُکّہ سے موت تک پہنچ گیا ہے تو فی الفور بول اُٹھے کہ یہ تیرے شیطانی فعلوں کے سبب سے ہے - جس سے انکا یہ مطلب تھا کہ تو نے ناحق ایک اسرائیلی پر ظلم کرنا چاہا اس لئے اپنی سزا کو پہونچگیا - ان الفاظ کو حضرت موسیٰ کے متعلق سمجھنا ایسی بیہودگی ہے کہ اُسکی تردید کی حاجت معلوم نہیں ہوتی - جتنے پہلوؤں پر ہم اب تک غور کر چکے ہیں وہ سب اس بیہودہ خیال کی تردید کرتے ہیں اور قرآن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسےٰ اس مصری کے شیطانی فعلوں کا ذکر کرتے ہیں - الفاظ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ سے بھی یہ مراد نہیں لی جا سکتی کہ حضرت موسیٰ اپنی طرف کسی ظالمانہ فعل کو منسوب کر رہے ہیں کیونکہ جیسا کہ ہم اوپر دکھا چکے ہیں وہ اپنے دشمنوں کے فعل کو جو اس قتل کا بدلہ حضرت موسےٰ سے لینا چاہتے تھے ظالم کہتے اور سمجھتے تھے - اور اس لئے ایک لمحہ کے لئے بھی وہ اپنی طرف اس معاملہ میں ظلم کو منسوب نہ کر سکتے تھے - ان الفاظ سے مراد فقط یہ ہے کہ میں نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالدیا ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مصری جو انکے پہلے سے دشمن تھے انکے قتل کیلئے کوئی بہانہ چاہتے تھے - اسی خطرہ کے احساس کے سبب سے وہ فی الفور خدا تعالےٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس سے حفاظت طلب کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں فَاغْفِرْ لِيْ کیونکہ وہ ایک راستباز آدمی تھے - اور کسی دوسرے کو خدا کے سوا اپنا مددگار اور محافظ نہ سمجھتے تھے سو خدا تعالےٰ نے انکی دعا کو منظور کیا اور فرمایا کہ تم مصریوں کے ہاتھ سے بچائے جاؤگے چنانچہ اسی وعدہ الہی کے مطابق عین موقعہ پر اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ کو اطلاع دیدی کہ تمہارے پکڑنے کیلئے دشمن تجویزیں کر رہے ہیں سو تم اس شہر سے بھاگ جاؤ اور اس طرح پر جس حفاظت کا حضرت موسیٰ کیساتھ وعدہ کیا تھا اسکو پورا کیا - آیۃ کے ان معنوں کی صحت پر صرف امور متذکرہ بالا ہی شاہد نہیں ہیں بلکہ دوسرے مقامات پر جہاں قرآن کریم میں اس قصہ کا ذکر آیا ہے وہاں سے بھی انہیں معنوں کی تائید ہوتی ہے - مثلاً سورہ طٰہٰ

مین اللہ تعالےٰ حضرۃ موسےٰ پر اپنے انعامات کو بیان کرتا ہوا فرماتا ہے کہ کسطرح کئی موقعوں پر ہمنے تیری جان بچائی چنانچہ پہلا واقعہ بچپن کا بیان فرماکر پھر فرماتا ہے وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ یعنی تو نے ایک آدمی کو قتل کردیا اور ہم نے تجھے اس غم سے نجات دی۔ اس مین ذرا شک نہین ہوسکتا کہ اس غم سے مراد وہی غم ہے جو بعد قتل کے حضرت موسیٰ کو اپنی جان کیلئے ہوا جسکے لئے انھون نے یہ دعا مانگی کہ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ۔ اگر خداتعالےٰ کے نزدیک اس قبطی کا قتل گناہ ہوتا اور اسی کیمطابق سورۃ قصص کے ان الفاظ کے معنے ہونے جو ہمنے اوپر نقل کئے ہین تو ضرور تھا کہ خداوندتعالےٰ موسیٰ کو یہ بھی فرماتا کہ کسطرح وہ قبطی کے قتل مین گناہ کا مرتکب ہوا اور کیونکر اس کا گناہ معاف کردیا گیا جبکہ اُس نے توبہ کی برخلاف اس کے خداتعالیٰ اسی انعام کو بیان کرتا ہے کہ کیونکر جب وہ قبطی کو قتل کرچکا خداتعالےٰ نے اُس کی جان بچائی اور قرآن مین کہین یہ بھی ذکر ہونا چاہیے تھا کہ کس طرح موسیٰ اپنے اس گناہ کے لئے نادم ہوتا رہا اور فکر کرتا رہا کیونکہ حضرۃ موسےٰ کا قصہ کئی بار قرآن شریف مین بیان ہوا ہے۔ مگر قرآن شریف مین اسی غم کا ذکر ہے جو حضرت موسیٰ کو اپنی جان کیلئے ہوا تھا اور اسی انعام کا ذکر ہے جو خداتعالےٰ نے اس غم کے وقت مین اسکو سہارا دیا اور اُسکی جان بچائی چنانچہ جبوقت اس کو فرعون کی طرف جانے کا حکم ہوا تو حضرۃ موسیٰ نے یہی عرض کی اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ کہ ان مین سے مین نے ایک آدمی کو ماردیا ہے اور مین ڈرتا ہون کہ وہ مجھے مار نہ ڈالین۔ پس اس مین کوئی شک نہین کہ جس غم کا الفاظ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ مین اظہار کیا گیا ہے وہ اُنکو انکی جان کے خطرہ کیمتعلق تھا جس کا ذکر قرآن شریف مین بار بار آیا ہے اور جس حفاظت کا ان کو وعدہ دیا گیا ہے۔ وہ حفاظت اسکے دشمنون کے منصوبون سے تھی نہ کہ خدا کی سزا سے چنانچہ اس واقعہ کے بعد جو کچھ ہوا وہ بھی اسی نتیجہ کا موید ہے کیونکہ اپنے سخت ترین دشمنون کے درمیان سے حضرۃ موسیٰ کی زندگی معجزانہ طور پر بچائی گئی۔

جہانتک یہ قصہ قرآن شریف مین موجود ہے اس سے حضرۃ موسیٰ کے گنہگار ہونے کا نتیجہ ہرگز نہین نکل سکتا اب ہم دیکھتے ہین کہ حضرت موسیٰ کا فعل قبطی کے مارنے کا کس قسم کا تھا۔ اور کیا وجہ تھی کہ وہ قتل مین اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے اور ان لوگون کو جو قصاص مین اُن کی جان لینا چاہتے تھے ناحق پر خیال کرتے تھے۔ یہ امر واقعہ ہے جس کی شہادت تاریخ سے ملتی ہے کہ اسرائیلی مصریون کے ماتحت ایک سخت غلامی کی زندگی بسر کرتے تھے انکے ساتھ صرف معمولی غلامون کا ہی سلوک نہ ہوتا تھا بلکہ بہت سختی اور ظلم انپر کئے جاتے تھے اور ذلیل سے ذلیل کام ان سے لئے جاتے تھے قرآن شریف اور توریت دونو گواہ ہین۔ آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہے

کہ اس ذلت کیحالت مین انکے ظالم آقا کس کس قسم کی بے رحمیاں انپر کرتے ہوں گے اور کسطرح بیدردی سے انکو مار ڈالتے ہونگے۔ تمدن انکے پرانے قوانین کی رو سے غلام کے قتل کیوقت مناسب چارہ جوئی نہین ہو سکتی تھی۔ اور جب اس کے ساتھ ہم اس سختی کو بھی مدنظر رکھین جو مصری اسرائیلوں پر کرتے تھے اور اس ذلیل حالت پر غور کرین کہ جسطرح اسیر اسرائیلی رکھے جاتے تھے تو آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہے کہ کسطرح یہ قبطی اسرائیلیونکو قانون کی گرفت سے بیخوف ہو مار ڈالتے ہوں گے۔ جبکہ حکام بھی ان بیچارے غیر اینوں کی جانوں کی چنداں پروا نہ کرتے تھے۔ اب سوچنا چاہیئے کہ اگر ایک اسرائیلی اور قبطی لڑ رہے ہوں تو بیچارے اسرائیلی غلام کی جان کسقدر خوف کیحالت مین ہوگی۔ کیونکہ اسرائیلی تو اپنے آقا کے خلاف ہاتھ بھی نہیں اُٹھا سکتا اور قبطی کو نہ اس کی جان کی پرواہ ہے اور نہ قانون کا خوف ہے۔ اب اگر حضرۃ موسیٰ اسرائیلی کی مدد کے لئے وقت پر نہ پہونچگئے ہوتے تو وہ یقیناً جانبر نہ ہوسکتا جب اس نے ظالم دشمن کے پنجہ مین اپنے آپ کو بے بس پایا تو ناگہاں حضرت موسیٰ پر اس کی نظر جا پڑی اور ان کو اُس نے مدد طلب کی۔ لفظ استغاثہ جو یہاں استعمال کیا گیا ہے وہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ مظلوم اسرائیلی تھا۔ اور اگر حضرت موسیٰ اس کی جان نہ بچاتے تو وہ خود بخود قبطی کے پنجہ سے نجات نہ پاسکتا یہ حالت دیکھکر حضرت موسےٰ نے اُس ظالم کے مُکّا مارا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا منشا اسکو قتل کرنے کا نہین تھا بلکہ صرف مظلوم کو چھوڑانے کا تھا۔ مُکّے سے مرجانا یہ ایک اتفاقی امر تھا ورنہ ضرب اس قسم کی نہ تھی جس سے معمولی طور پر نتیجہ موت کا پیدا ہوسکے۔ لیکن اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ حضرت موسیٰ کا ارادہ ہی اس کو قتل کرنے کا تھا تب بھی حضرت موسیٰ حق پر ہی تھے۔ کیونکہ اگر وہ مظلوم کی مدد نہ کرتے تو معاً اس کی جان کا خاتمہ ہوجاتا اس لئے حضرت موسیٰ نے جو کچھ فعل کیا وہ ایک جان بچانے کے لئے تھا اور اس لئے اس کو گناہ یا جرم کیصورت مین کہا نہین جاسکتا۔ حضرۃ موسیٰ کا قتل کے واقعہ کے بعد ہی معاً یہ کہنا کہ مین مجرموں کا مددگار ہرگز نہین ہوں گا اسی امر پر دال ہے کہ وہ خوب جانتے تھے کہ اسرائیلی کی مدد کرنے مین انھوں نے ظالم کی مدد نہین کی بلکہ مظلوم کی کی ہے یہی وجہ تھی کہ دوسرے دن جب انہوں نے اسی اسرائیلی کو ایک اور قبطی کے پنجہ مین گرفتار پایا اور مدد کے لئے چلاتے ہوئے دیکھا تو پھر وہ اسی طرح مدد کے لئے طیار ہوگئے۔ یہ کہ اُس کو حضرت موسےٰ نے غوی کہا اس سے مراد اُن کی یہ نہ تھی کہ وہ ظالم ہے کیونکہ غوی کو اگر ان معنوں مین استعمال کرتے تو کبھی اس کی مدد کے لئے آگے نہ بڑھتے غوی سے مراد اُن کی یہ تھی کہ تو جھگڑالو ہے۔ اور اس کو یہ اطلاع دینا مقصود تھا کہ اسکو ایسے آدمیوں کے ساتھ جھگڑنے سے پرہیز کرنا چاہیئے جو بڑی بے دردی سے اس کی جان کا خاتمہ کر دینے کو طیار تھے۔ پس صاف

معلوم ہوتا ہے کہ حضرۃ موسیٰ ایک غلام کی جان بچانے لگے تھے کہ اتفاقاً ظالم اپنی سزا کو پہونچگیا - اور حضرت موسیٰ کا یہ فعل صرف جائز ہی نہ تھا بلکہ ایک بیگناہ آدمی کی جان بچانے کے لئے ضروری ہوگیا تھا -

حضرت ہارون پر شرک کا الزام

پادری مانرو حضرت ہارون پر شرک کا الزام لگاتا ہے اور سند کے لئے سورۃ اعراف کی آیت ۱۵۰ کا حوالہ دیتا ہے - اس آیت کو معہ ترجمہ ہم نیچے لکھتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ کسقدر دیانت داری سے پادری صاحبان کام لیتے ہیں - وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن بَعْدِي أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ ترجمہ اور جب پھر آیا موسےٰ اپنی قوم کیطرف غضب اور رنج سے بھرا ہوا - کہا بُرا ہے جو کچھہ تم نے میرے بعد کیا - کیا تم نے اپنے رب کے حکم میں شتابی کی - اور تختیاں ڈالدیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اسکو اپنی طرف کھینچنے لگا - اس نے کہا اے میری ماں کے بیٹے - قوم نے مجھے ضعیف سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالتے پس میرے ساتھ دشمنوں کو خوش مت کر اور ان ظالم لوگوں کے ساتھ مجھکو نہ ملا" ہم تعجب کرتے ہیں کہ اس ساری آیت میں کونسا لفظ ہے جو پادری مانرو کے الزام شرک کی تائید کرتا ہے - حضرۃ موسیٰ کا غضب اور رنج جیسا کہ آیت میں صاف بتایا گیا ہے قوم کے خلاف تھا کیونکہ انھوں نے اُن کی غیر حاضری میں گوسالہ پرستی اختیار کی اور ان الفاظ کی مخاطب بھی وہی قوم ہے کہ "برا ہے جو کچھہ تم نے میرے پیچھے کیا" پھر اسی قوم کی نسبت ہی حضرت ہارون کہتے ہیں کہ قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے اس سے ہی صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہارون خود اس قوم میں شامل نہ تھے بلکہ اُن کے گوسالہ پرستی کی مخالفت کرنے کی ہی وجہ سے اُن کی جان خود خطرہ میں پڑی ہوئی تھی - یہ آیت صاف شاہد ہے کہ حضرت ہارون اُن لوگوں میں سے نہ تھے جنھوں نے گوسالہ کی پرستش کی تھی بلکہ برعکس اس کے انھوں نے گوسالہ پرستی کی مخالفت یہانتک کی کہ لوگ ان کے دشمن اور مار دینے کے درپے ہوگئے حضرۃ ہارون کا توحید پر قایم رہنا اور توحید کا وعظ بنی اسرائیل کو سنانا سورۂ طٰہٰ میں صاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِن قَبْلُ يَا قَوْمِ إِنَّمَا فُتِنتُم بِهِ ۖ وَإِنَّ

رَبُّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ۔ "اور ہارون نے اس سے پہلے انکو کہا تھا اے میری قوم تم اس گوسالہ سے آزمائے گئے ہو۔ اور تمہارا رب بڑا رحم کرنے والا ہی ہے پس تم میرے پیچھے چلو اور میرے امر کی پیروی کرو"۔ کیا ان صاف الفاظ کے باوجود ایک نبی پر شرک کا الزام لگانا ایمانداری ہے۔ پھر حضرۃ ہارون سورۂ اعراف کی اس آیت میں جو اوپر نقل کی گئی ہے صاف حضرۃ موسیٰ کو کہتے ہیں کہ مجھے ان ظالموں کے ساتھ مت ملا اور اس طرح پر اپنے اس فعل میں شامل ہونیکا صریح انکار کرتے ہیں کوئی لفظ اس آیت میں ایسا نہیں جس سے ہارون کا گوسالہ پرستی میں شامل ہونا ثابت ہو۔ بلکہ صاف صاف الفاظ اس جرم میں انکی شمولیت کی تردید کرتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ وہ گوسالہ پرستی کے برخلاف وعظ کرتے رہے۔ اس سے پہلے حضرۃ آدم کے متعلق لکھتے ہوئے ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ شرک جیسی سخت گناہ کو انبیاء کیطرف منسوب کرنا قرآن شریف کے صریح اور صاف الفاظ کو رد کرنا ہے اسلیئے اس مضمون پر دوبارہ بحث کرنیکی ضرورت نہیں حضرۃ ہارون کی شرکت کا نتیجہ حضرۃ موسیٰ کی اس دعا سے نکالنا کہ اُنہوں نے کہا تھا رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ سخت بیہودگی ہے۔ استغفار کے معنوں پر پہلے بحث ہو چکی ہے اور استغفار کرنے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ جس کیلئے استغفار کیا گیا ہے وہ کوئی گناہ بھی کر چکا ہے۔ بلکہ استغفار کے معنے خدا کی حفاظت اور مدد کو طلب کرنیکے ہیں علاوہ اس کے حضرۃ موسیٰ کا اس دعا میں اپنے آپ کو اپنے بھائی کے ساتھ شامل کرنا اور یہ کہنا کہ اے خدا مجھے اور میرے بھائی کو مغفرۃ عطا کر اس بات پر شاہد ہے کہ وہ گناہوں کی معافی کی دعا نہ کر رہے تھے کیونکہ اتنا تو ہر ایک کو ماننا پڑے گا کہ حضرۃ موسیٰ کسی طرح سے اس گوسالہ پرستی میں شامل نہ تھے بلکہ اسکا حال سنکر انکو سخت رنج پہونچا تھا۔ انکا استغفار جیسا اپنے لئے ہے ویسا ہی اپنے بھائی کیلئے ہے اور اس سے غرض صرف حفاظت الٰہی کا طلب کرنا ہے۔ کیا یہ ایک اور حیرت انگیز امر نہیں کہ اگر استغفار کے معنے گناہوں کی معافی کی درخواست کے سوا کچھ نہیں تو استغفار کی ضرورۃ حضرۃ موسیٰ اور ہارون کیلئے تو ہو جو گوسالہ پرستی میں شامل نہیں ہوئے تھے اور اس ساری قوم کیلئے اس کی ضرورت نہ ہو۔ جو گوسالہ پرستی میں مبتلا ہوئی تھی۔

حضرۃ ابراہیم پر جھوٹ کا الزام

پادری مانرو کہتا ہے کہ حضرۃ ابراہیم علیہ السلام تین مرتبہ جھوٹ بولنیکے گناہ کے مرتکب ہوئے مگر یہ پادری صاحب جھوٹ بول رہے ہیں کیونکہ قرآن شریف میں کہیں ذکر نہیں کہ حضرۃ ابراہیم نے جھوٹ بولا۔ اس بیان کی تائید میں

وہ قرآن شریف کو پیش نہیں کرتا بلکہ حدیث کیطرف رجوع کرتا ہے - ہم خیال نہیں کرتے کہ اس کو یہ علم نہ ہو کہ مسلمان حدیث کیمتعلق کیا اعتقاد رکھتے ہیں - اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کوئی حدیث اہل اسلام کے نزدیک معتبر نہیں ہو سکتی جو قرآن شریف کے خلاف ہو - اب قرآن شریف تو حضرۃ ابراہیم کو صِدِّيقًا نَّبِيًّا کا خطاب دیتا ہے - یعنی نہایت ہی صادق نبی - اسکے مقابلہ میں کسی حدیث کو کسطرح معتبر مان سکتے ہیں جس میں ایسے صادق کیطرف کذب منسوب کیا گیا ہو - کیونکہ حدیثوں میں بہت سا موضوعات کا بھی مجموعہ ہے اور اس لئے کوئی حدیث قابل سند نہیں جو قرآن کریم کے خلاف ہو - یہ کتنی صاف بات ہے کہ قرآن کریم جو خدا کا پاک کلام ہے جھوٹا نہیں ہو سکتا لیکن حدیث کو صحیح مانکر اُسکے راوی کو سچا اور حضرت ابراہیم کو جھوٹا ماننا پڑتا ہے حالانکہ حدیث کو جھوٹا مانکر صرف راوی کو جھوٹا ماننا پڑے گا - اب کون مسلمان ہے جو قرآن کریم کے الفاظ صِدِّيقًا نَّبِيًّا کے باوجود بھی حضرۃ ابراہیم کو اسلئے جھوٹا مانے گا تا کہ حدیث کا ایک راوی سچا ثابت ہو حضرۃ ابراہیم کے استغفار سے یہ معنی نکالنا جیسا کہ بہت دفعہ ثابت کیا جا چکا ہے محض بے وقوفی ہے - علاوہ اسکے عیسائیوں کو کوئی عذر تلاش کرنا پڑے گا جس سے حضرۃ عیسیٰ مومنین کی جماعت میں سے خارج ہو جائیں کیونکہ حضرۃ ابراہیم نے اپنے لئے ہی استغفار طلب نہیں کیا بلکہ کل مومنین کی جماعت کے لئے جو دنیا میں ہو گئے یا ہونیوالی تھی -

اگر چہ ایسی ضرورت تو نہیں مگر ہم یہاں ان امور پر بھی غور کرتے ہیں جنکی نسبت حضرۃ ابراہیم کیطرف کذب منسوب کیا جاتا ہے - سب سے اول کہا جاتا ہے کہ حضرۃ ابراہیم نے یہ کہنے میں کہ إِنِّي سَقِيمٌ جھوٹ بولا - ہم حیران ہیں کہ اس میں کیا جھوٹ ہے کس معتبر ڈاکٹر نے حضرۃ ابراہیم کی اسوقت کیحالت کو دیکھکر یہ کہا تھا کہ حضرت ابراہیم اپنے آپکو بیمار کہنے میں سچے نہیں ہیں اگر کوئی آدمی کہے کہ میں بیمار ہوں تو کون شخص اس میں شک کر سکتا ہے پھر حضرۃ ابراہیم پر کیوں ان الفاظ کی بنا پر ایک جھوٹی تہمت لگائی جاتی ہے دوسرا موقعہ جسکے متعلق حضرت ابراہیم پر جھوٹ کی تہمت لگائی جاتی ہے حضرت ابراہیم کا یہ قول ہے بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَٰذَا اصل بات یہ تھی کہ بت پرستوں نے حضرت ابراہیم کو پوچھا کہ تو نے ہمارے بت توڑے ہیں جس کے جواب میں آپ نے یہ فرمایا - ان الفاظ کے مختلف معنی مفسرین نے کئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک حضرۃ ابراہیم کو جھوٹ کی تہمت سے بری ٹھیراتا ہے - علاوہ ازیں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ فَعَلَهُ کے بعد وقف ہے اس لئے اس فعل کا فاعل اسی میں مقدر ماننا پڑے گا اور معنی یہ کرینگے کہ کیا جسنے کیا اور كَبِيرُهُمْ هَٰذَا الگ جملہ ہوگا کہ یہ ان میں کا بڑا موجود ہے - چونکہ فعل اور فاعل کے درمیان کسی طرح وقفہ نہیں آیا کرتا

اس لئے یہ معنے نہایت صحیح اور اقرب الی الفہم ہیں - اگر کَبِیْرُھُمْ کو فعلہٗ کا فاعل بھی مان لیا جاوے - تب بھی حرج لازم نہیں آتا کیونکہ اس سے حضرت ابراہیم کا منشا کسی امر کو چھپانیکا نہ تہا بلکہ صرف بت پرستوں کو اُنکی بیوقوفی کیطرف توجہ دلانے کا تھا - کہ ایکطرف تو وہ اس بات کو مانتے تھے کہ انکے بتوں میں وہ طاقتیں ہیں جن سے زمین و آسمان کے کاروبار چل رہے ہیں اور دوسری طرف سب سے بڑے بت میں اس قدر طاقت بھی تسلیم نہ کر سکتے تہے کہ وہ چھوٹوں کو توڑ سکے اگر اس کو جھوٹ کہا جاوے تو اس کی غرض صرف اپنے قصور کا اخفا ہو سکتی تھی - لیکن حضرت ابراہیم نے کبھی اپنے اس فعل کو چھپانا نہیں چاہا بلکہ وہ عام مجلس میں تمام مشرکین کو مخاطب کر کے علانیہ کہہ چکے تھے تَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ کہ خدا کی قسم میں ان تمہارے بتوں سے جنگ کروں گا جس سے صاف اُن کا منشا یہ تھا کہ میں اُنکو توڑ ڈالونگا - اُنکے اسی علانیہ اظہار کیوجہ سے بت پرستونکو فوراً بھی لگ گیا تھا کہ اِن کا توڑنے والا سوائے ابراہیم کے اور کوئی نہیں پھر اخفا کے کیا معنے ہو سکتے ہیں تیسرا موقعہ جس کی نسبت اس صادق پر جھوٹ کی تہمت لگائی جاتی ہے اس کا ذکر قرآن شریف میں نہیں یہ حضرت ابراہیم کے اس بیان کے متعلق ہے کہ سائرہ میری بہن ہے جس کا ذکر کتاب پیدایش میں ہے - مگر اسی کتاب کے باب ۲۰ آیت ۱۲ میں صاف لکھا ہے کہ " وہ یعنی سائرہ میری بہن بھی ہے کیونکہ وہ میری ماں کی لڑکی تو نہیں مگر باپ کی لڑکی ہے " پھر اسکو بہن کہنے میں جھوٹ ہی کیا ہو سکتا ہے -

اس سے معلوم ہوگا کہ حضرت ابراہیم تو کبھی جھوٹ کے مرتکب نہیں ہوئے اور قرآن کریم ایسے عقیدہ کو رد کرتا ہے لیکن جب ہم انجیلوں کو پڑھتے ہیں تو انمیں کئی موقعہ پر یسوع کے جھوٹ بولنے کا ذکر ہے اب مشکل یہ ہے کہ اگر اناجیل کو سچی تسلیم کیا جاوے تو یسوع کو جھوٹا ماننا پڑتا ہے لیکن اگر یسوع کو سچا مانا جائے تو انجیلونکو جھوٹا ماننا پڑتا ہے - شاید پادری مانرو صاحب اس مشکل کو دور کر سکیں اور امید ہے کہ وہ ضرور اس معاملہ پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کرینگے - مثلاً متی ۲۳/۴۲ میں یسوع چور کو کہتا ہے کہ " آج تو میرے ساتھ بہشت میں ہوگا " لیکن اسے علم تھا کہ وہ خود دوزخ کو جائیگا اور چور کو اپنے ساتھ بہشت میں لیجانا محض جھوٹ تھا یوحنا ۲۰/۱۷ میں قبر سے نکلنے کے بعد مسیح کہتا ہے کہ میں ابھی اپنے باپ پاس نہیں چڑھا ہوں اور عیسائی اعتقاد کے مطابق وہ چالیس روز تک دوزخ میں رہا یا زمین پر رہا بہشت میں نہیں گیا - ایک اور مثال جسمیں یا یسوع کو جھوٹا ماننا پڑتا ہے یا انجیلونکو متی ۱۶/۲۸ میں درج ہے جہاں لکھا ہے کہ ان میں سے جو یہاں کھڑے ہیں بعض موت کا مزہ نہ چکھیں گے یہانتک کہ وہ ابن آدم کو اپنی سلطنت میں آتے نہ دیکھلیں " - اب تمام دنیا مانتی ہے کہ یہ جھوٹ ہے اور پادریوں کا اختیار ہے کہ جسکی طرف چاہیں اس

جھوٹ کو منسوب کریں اسمیں جلدی جواب دینے کی ضرورۃ نہیں کیونکہ سخت زد یا یسوع پر دافع ہوتی ہے یا انجیل نویس پر اسلئے پادری صاحبان غور کے بعد جواب دیں۔ پھر ایک موقعہ پر یسوع نے اپنے حواریوں کو یہ کہا کہ وہ باراں کے باراں ہی باراں تختوں پر بیٹھیں گے اور انہیں باراں میں یہودا اسکریوطی بھی شامل تھا۔ اب انجیلوں سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یسوع کو یہ علم بھی تھا کہ یہودا اسکو پکڑوا کر لعنتی اور شیطان کا فرزند ہو جائیگا اسلئے ایسے آدمی کو تخت کا وعدہ دینا جھوٹ تھا جو یسوع نے بولا۔ اور بھی کئی مثالیں پیش کیجا سکتی ہیں۔ لیکن پہلے ان کے متعلق پادری صاحبوں کا جواب سنکر پھر ہم اور پیش کرینگے ہم امید کرتے ہیں کہ پادری صاحب ان کے جواب میں تساہل سے کام نہ لینگے۔ (باقی آئندہ)

کیا سب مذاہب خدا تعالے کیطرف سے ہو سکتے ہیں

مندرجہ ذیل چٹھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک پرانے ہندو دوست کے خط کے جواب میں لکھی جس نے اپنے خط میں اپنا یہ مذہب ظاہر کیا تھا کہ سب مذہب خدا کیطرف سے ہی ہیں اس لئے ہر ایک مذہب پر چلکر انسان خدا کو پا سکتا ہے۔ چٹھی یہ ہے۔

آپنے اپنے خط میں کچھ مذہبی رنگ میں بھی نصائح تحریر فرمائے تھے مجھکو اس بات سے بہت خوشی ہوئی کہ آپکو اس عظیم الشان پہلو سے بھی دلچسپی ہے۔ درحقیقت چونکہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے اور تھوڑی دیر کے بعد ہم سب اصلی گھر کی طرف واپس کئے جائینگے اس لئے ہر ایک کا یہی فرض ہونا چاہیے کہ دین اور مذہب اور عقائد کے معاملہ میں پورے غور سے سوچے پھر جس طریق کو خدا تعالیٰ کی رضامندی کے مطابق پاوے اسکے اختیار کرنے میں کسی ذلت اور بدنامی سے نہ ڈرے اور نہ اہل و عیال اور خویشوں اور فرزندوں کی پروا رکھے۔ ہمیشہ صادقوں نے ایسا ہی کیا ہے اور سچائی کے اختیار کرنے میں اُنھوں نے بڑے بڑے دُکھ اٹھائے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ خواہ عقائد ہوں یا اعمال دو حال سے خالی نہیں یا سچے ہوتے ہیں یا جھوٹے۔ پھر جھوٹے کو اختیار کرنا دھرم نہیں ہے۔ مثلاً وید کیطرف یہ ہدایت منسوب کیجاتی ہے کہ اگر کسی عورت کے چند سال تک بیٹا نہ ہو یا بیٹیاں ہی ہوں تو اسکا خاوند اپنی اس عورت کو دوسرے سے ہمبستر کرا سکتا ہے اور ایسا سلسلہ اُسوقت تک جاری رہ سکتا ہے جب تک ایک بیگانہ مرد کے نطفہ سے گیاراں فرزند نرینہ پیدا ہو جائیں۔ اور شاکت مت میں جو وید کیطرف ہی اپنے تئیں منسوب کرتے ہیں یہ ہدایت ہے کہ ان کے خاص مذہبی میلوں میں ماں اور بہن سے بھی جماع درست ہے اور ایک شخص دوسرے شخص کی عورت سے

زنا کر سکتا ہے اسی طرح دنیا مین ہزار ہا ایسے مذہب ہین کہ اگر ان کا ذکر کیا جائے تو آپ انگشت بدندان رہین گے
پھر کیونکر ممکن ہی کہ انسان صلحکاری اختیار کر کے ان لوگونکی ہان سے ہان ملاوے۔ ایسا ہی عقاید کا حال ہی بعض لوگ
دریاؤں کی پوجا کرتے ہین بعض لوگ آگ کی بعض سورج کی بعض چاند کی بعض درختوں کی بعض سانپوں اور
بلیوں کی اور بعض انسانونکو درحقیقت خدا سمجھتے ہین تو کیا ممکن ہی کہ ان سبکو راستباز سمجھا جاوے۔

جو لوگ دنیا کی اصلاح کے لیئے آتے ہین اُن کا فرض ہوتا ہی کہ سچائی کو زمین پر پھیلاوین اور جھوٹ کی بیخکنی
کرین۔ وہ سچائی کے دوست اور جھوٹ کے دشمن ہوتے ہین مثلاً اگر کسی راستباز کو چند ڈاکو یا اُچکے یا چور یہ ترغیب
دین کہ بذریعہ ڈاکہ یا کیسہ بُری یا نقب زنی کے کوئی مال حاصل کرنا چاہیئے تو کیا جائز ہوگا کہ وہ راستباز انکے ساتھ
ہوکر ایسے جرائم کا ارتکاب کرے۔ پس مذہب کس چیز کا نام ہے اسی بات کا نام تو مذہب ہی کہ جو عقاید یا اعمال بُرے
اور گندے اور ناپاک ہوں اُنسے پرہیز کیا جاوے اور ایسی کتابین جو ناپاک عقاید یا اعمال سکھلاتی ہیں انکو اپنا
پیشوا اور رہبر نہ بنایا جاوے۔ مین اس بات کو کسیطرح سمجھ نہین سکتا کہ ہر ایک مذہب سے صلح رکھی جاوے اور انکی ہاں مین
ہاں ملائی جائے کیونکہ اگر ایسا کیا جاوے تو دنیا مین کوئی بدی بدی نہین رہیگی اور ہر ایک قسم کے بدعقائد اور بداعمالیان
نیکیوں مین داخل ہو جائینگی حالانکہ جو شخص ایک نظر دنیا کے مذاہب پر ڈالے تو اسکو معلوم ہو جائیگا کہ خداشناسی کی
بابت مین ہی کئی عقائد ہین بعض ناستک مت یعنی دہریہ ہین وہ خدا کے قائل نہیں ہین اور بعض انسانوں یا حیوانوں
یا اجرام سماوی یا عناصر کو خدا بناتے ہین خاص آریہ سماجی جو اپنے تئین ویدوں کے وارث ٹھیراتے ہیں وہ کہتے
ہین کہ خدا نے ایک ذرہ بھی پیدا نہین کیا۔ اور نہ ارواح پیدا کئے بلکہ یہ تمام چیزین اور انکی تمام قوتین خود بخود
ہین پرمیشر کا انمین کچھ بھی دخل نہیں۔ مگر مجھے اس جگہ ان باتوں کے بیان کرنے سے صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ
ایک راستباز کے لئے ممکن نہین کہ ان تمام تناقض امور کو مان لے اور ان پر ایمان لے آوے جن لوگوں نے خداتعالی
کی عظمت اور توحید اور قدرۃ کاملہ پر داغ لگایا ہی یا بدکاریکو جائز رکھا ہی مین اس جگہ نہ انکی نسبت اور نہ اُن کی
کتاب کی نسبت کچھ نہین کہتا صرف آپکو یاد دلاتا ہوں کہ انسان کیلئے ممکن نہین کہ ناپاک کو بھی ایسا ہی تسلیم کرے
جیسا کہ پاک کو کرتا ہے یہ سچ ہے کہ پاک ہونیسے خدا ملتا ہے لیکن ایسے طریقوں سے جو ناپاک عقاید اور ناپاک اعمال پر
مشتمل ہین کیونکر خدا مل سکتا ہے یہ سچ ہی کہ خداتعالی سے محبت کرنا بہشتی زندگی تک پہنچاتا ہی۔ لیکن جو شخص راجہ
رامچندر یا راجہ کرشن یا حضرۃ عیسیٰ کو خدا سمجھتا ہی یا خدائے قیوم کو ایسا عاجز اور ناقص خیال کرتا ہی کہ ایک ذرہ یا
ایک روح کے پیدا کرنے پر بھی قادر نہیں وہ کیونکر اس پاک ذوالجلال کی حقیقی محبت سے حصہ لے سکتا ہے۔ حقیقی

اور سچے خدا کو اس کی پاک اور کامل صفات کیساتھ جاننا اور اُسکی پاک راہوں کے مطابق چلنا یہی حقیقی نجات ہی اور اس حقیقی نجات کے مخالف جو طریق ہیں وہ سب گمراہی کے طریق ہیں پھر کیونکر ان طریقوں میں پھنسے رہنے سے انسان حقیقی نجات پا سکتا ہی۔

دنیا میں اکثر یہ واقعہ مشہود ہی کہ ہر ایک شخص ان خیالات پر بہت بھروسہ رکھتا ہی جن خیالات میں اُس نے پرورش پائی ہی۔ یا جنکے سُننے کا اسکو بہت موقعہ ملا ہے چنانچہ ایک عیسائی بے تکلف کہدیتا ہی کہ عیسیٰ ہی خدا ہی اور ایک ہندو اسبات کے بیان کرنے سے کچھ شرم نہیں کرتا کہ رام چندر اور کرشن درحقیقت خدا ہیں یا دریائے گنگ ایسی پرستاروں کو مرادیں دیتا ہے یا انکا ایک ایسا خدا ہے جس نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا صرف موجودہ اجسام اور ارواح کو جو کسی اتفاق سے خود بخود اور قدیم سے چلی آتے ہیں جوڑنا اس کا کام ہے لیکن یہ تمام بھروسے بے اصل ہیں۔ انکے ساتھ کوئی دلیل نہیں زندہ خدا کو تلاش کرنا نجات کے طالب کا اصول ہونا چاہیے۔ دنیا رسوم اور عادات کی قید میں ہی ہر ایک شخص جو کسی مذہب میں پیدا ہوتا ہے اکثر بہر حال اسی کی حمایت کرتا ہی لیکن یہ طریق صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ بات ہی کہ جس مذہب کے رو سے زندہ خدا کا پتہ مل سکے اور بڑے بڑے نشانوں اور معجزات سے ثابت ہو کہ وہی خدا ہے اس مذہب کو اختیار کرنا چاہیے۔ کیونکہ اگر درحقیقت خدا موجود ہے۔ اور اسکی ذات کی قسم کہ درحقیقت موجود ہے۔ تو یہ اس کا کام ہی کہ بندوں پر اپنے تئیں ظاہر کرے۔ اور انسان جو محض اپنی اٹکلوں سے خیال کرتا ہی کہ اس جہان کا ایک خدا ہے وہ اٹکلیں سچی تسلی دینے کے لئے کافی نہیں اور جیساکہ ایک محجوب ان روپیوں پر بھروسہ کرتا ہی جو اُسکے صندوق میں بند ہیں اور اس زمین پر جو اسکے قبضہ میں ہی اور ان باغات پر جو ہمیشہ صدہا روپیہ کی آمدنی نکالتے ہیں اور ان لائق بیٹوں پر جو بڑے بڑے عہدوں پر سرافراز ہیں اور ماہ بماہ اپنے باپ کو ہزارہا روپیہ سے مدد کرتے ہیں وہ محجوب ایسا بھروسہ خدا تعالیٰ پر ہرگز نہیں کر سکتا۔ اسکا کیا سبب ہے یہی سبب ہے کہ اُسپر حقیقی ایمان نہیں ایسا ہی ایک غافل جیساکہ طاعون سے ڈرتا ہی اور اس گاؤں میں داخل نہیں ہوتا جو طاعون سے ہلاک ہو رہا ہی اور جیساکہ وہ سانپ سے ڈرتا ہی اور اس سوراخ میں ہاتھ نہیں ڈالتا جس میں سانپ ہو یا سانپ ہونیکا گمان ہو اور جیساکہ وہ شیر سے ڈرتا ہی اور اس بن میں داخل نہیں ہوتا جس میں شیر ہو۔ ایسا وہ خدا سے نہیں ڈرتا اور دلیری سے گناہ کرتا ہی اسکا سبب یہی ہی کہ وہ اگرچہ زبان سے کہتا ہی مگر دراصل خدا تعالیٰ سے غافل اور بہت دور ہے۔ خدا تعالےٰ پر ایمان لانا کوئی امر سہل نہیں ہی بلکہ جب تک خدا تعالےٰ کے کھُلے کھُلے نشان ظاہر نہ ہوں اسوقت تک انسان سمجھ بھی نہیں سکتا کہ خدا بھی ہی گو تمام دنیا اپنی زبان سے کہتی ہی کہ ہم خدا پر ایمان لائے مگر ان کے اعمال گواہی دے رہے

ہیں کہ وہ ایمان نہیں لائے ۔ سچا ایمان تجربہ کے بعد حاصل ہوتا ہے مثلاً جب انسان بار بار کے تجربہ سے معلوم کر لیتا ہے کہ سم الفار ایک زہر ہے جو نہایت قلیل مقدار اس کی قاتل ہے تو وہ سم الفار کھانے سے پرہیز کرتا ہے تب اس وقت کہہ سکتے ہیں کہ وہ سم الفار کے قاتل ہونے پر ایمان لایا ۔ سو جو شخص کسی پہلو سے گناہ میں گرفتار ہے وہ ہنوز خدا پر ایمان ہرگز نہیں لایا اور نہ اُسکو شناخت کیا ۔

دنیا بہت سی فضولیوں سے بھری ہوئی ہے اور اکثر لوگ ایک جھوٹی منطق پر راضی ہو رہے ہیں ۔ مذہب وہی ہے جو خدا تعالے کو دکھلاتا ہے اور خدا سے ایسا قریب کر دیتا ہے کہ گویا انسان خدا کو دیکھتا ہے اور جب یقین سے بھر جاتا ہے تو خدا تعالے سے اُس کا ایک خاص تعلق ہو جاتا ہے وہ گناہ سے اور ہر ایک ناپاکی سے خلاصی پاتا ہے اور اس کا سہارا صرف خدا ہو جاتا ہے اور خدا تعالے اپنے خاص نشانوں سے اور اپنی خاص تجلی سے اور اپنے خاص کلام سے اس پر ظاہر کر دیتا ہے کہ میں موجود ہوں ۔ تب اس روز سے وہ جانتا ہے کہ خدا ہے اور اسی روز سے وہ پاک کیا جاتا ہے اور اندرونی آلائشیں دور کیجاتی ہیں یہی معرفت ہے جو بہشت کی کنجی ہے مگر یہ بغیر اسلام کے اور کسیکو بھی میسر نہیں آتی ۔ یہی خدا تعالے کا ابتدا سے وعدہ ہے جو وہ اُنھیں پر ظاہر ہوتا ہے جو اسکے پاک کلام کی پیروی کرتے ہیں تجربہ سے زیادہ کوئی گواہ نہیں پس جب کہ تجربہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ خدا اپنے تئیں بجز اسلام کے کسی پر ظاہر نہیں کرتا اور کسی سے ہمکلام نہیں ہوتا اور کسیکی اپنے زبردست معجزات سے مدد نہیں کرتا تو ہم کیونکر مان لیں کہ دوسرے مذاہب میں ایسا ہو سکتا ہے ۔

ابھی تھوڑے دن کی بات ہے کہ لیکھرام نامی ایک برہمن جو آریہ تھا قادیان میں میرے پاس آیا اور کہا کہ وید خدا کا کلام ہے اور قرآن شریف خدا کا کلام نہیں ہے ۔ میں نے اسکو کہا کہ چونکہ تمہارا دعوےٰ ہے کہ وید خدا کا کلام ہے مگر میں اسکو اُسکی موجودہ حیثیت کے لحاظ سے خدا کا کلام نہیں جانتا کیونکہ اس میں شرک کی تعلیم ہے اور کئی اور ناپاک تعلیمیں ہیں ۔ مگر میں قرآن شریف کو خدا کا کلام جانتا ہوں کیونکہ اس میں نہ شرک کی تعلیم ہے اور نہ کوئی اور ناپاک تعلیم ہے اور اس کی پیروی سے زندہ خدا کا چہرہ نظر آجاتا ہے اور معجزات ظاہر ہوتے ہیں پس بہت سہل طریق یہ ہے کہ تم وید والے خدا سے میری نسبت کوئی پیشگوئی کرو اور میں قرآن شریف والے خدا سے وحی پاکر کوئی پیشگوئی کروں گا ۔ پس اس نے میری نسبت یہ پیشگوئی کی کہ یہ شخص تین برس تک ہیضہ کی بیماری سے مر جائیگا اور میرے خدا نے یہ ظاہر کیا کہ چھ برس تک لیکھرام بذریعہ قتل نابود ہو جائے گا کیونکہ وہ خدا کے پاک نبی کی بے ادبی میں حد سے گذر گیا ۔ اور میرے پر ظاہر کیا گیا کہ وہ جسدن مرے گا اس کے ساتھ مسلمانوں کی عید کا دن ہوگا

اور میرے پر ظاہر کیا گیا کہ اسکے مرنے کے تھوڑی مدت بعد پنجاب مین طاعون پھیل جائے گی یہ تمام پیشگوئی مین نے اپنی کتابوں مین بار بار شائع کردی اور یہ بھی شائع کردیا کہ اگر وید درحقیقت خدا تعالے کیطرف سے ہے تو اب آریہ سماج والونکو چاہیے کہ لیکھرام کی نسبت اپنی پرمیشر سے بہت دعا کرین تا وہ اُسکو بچالے کیونکہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے کہ ان کا پرمیشر اس کو بچا نہین سکیگا اور ایسا ہی لیکھرام نے بھی میری نسبت اپنی کتاب مین شائع کردیا کہ یہ شخص تین برس مین ہیضہ کی بیماری سے فوت ہو جائیگا۔ آخر لیکھرام اپنے قتل ہو جانیسے گواہی دیگیا کہ وید خدا کیطرف سے نہیں ہے۔

اسی طرح نہ ایک نشان بلکہ ہزارہا نشان ظاہر ہوئے جو انسان کی طاقت سے بالاتر ہین جنسے روز روشن کیطرح کھلگیا کہ دین اسلام ہی دنیا مین سچا مذہب ہے اور سب انسانوں کے اختراع ہین اور یا کسیوقت سچے تھے اور بعد مین وہ کتابین بگڑ گئین۔ اے عزیز ہم آپ کی باتونکو جو کوئی روشن دلیل ساتھ نہین رکھتین کیونکر مان لین آپنے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف دعوے ہی جسکے ساتھ کوئی دلیل نہین۔ دنیا مین ایک ادنےٰ مقدمہ بھی جب کسی عدالت مین پیش ہوتا ہے تو ثبوت کے سوائے کسی حاکم کے نزدیک قابل سماعت نہین ہوتا اور ایسا مدعی ڈگری حاصل نہین کرسکتا تو پھر نہ معلوم آپ ان خیالات پر کیونکر بھروسہ رکھتے ہین جو بے ثبوت ہین خدا ایک ہی اور اسکی مرضی ایک ہی پھر وہ کیونکر متناقض امور کا مصداق ہوسکتا ہے اور کیونکر ہم ان سب باتوں کو سچی مان سکتے ہین کہ عیسی خدا ہی اور رامچندر خدا ہے اور کرشن خدا ہے اور یا کہ خدا ایسا عاجز ہے کہ ایک ذرہ بھی اسنے پیدا نہین کیا۔ وہ مذہب قبول کے لائق ہے جو ثبوت کا روشن چراغ اپنے ساتھ رکھتا ہے اور وہ اسلام ہے اگر آپ یہ کہین کہ جو زبردست نشان اور معجزات اسلام مین ظاہر ہوتے ہین وہ کسی دوسرے مذہب مین بھی ہوتے ہین تو ہم آپ کی اس بات کو بشوق سنین گے بشرطیکہ آپ اس کا ثبوت دین مگر یاد رکھین کہ یہ آپ کے لئے ہرگز ممکن نہین ہوگا کہ اس زمانہ مین کوئی ایسا زندہ شخص بھی دکھلا سکین کہ وہ برکات اور آسمانی نشان جو مجھے ملے ہین ان مین وہ مقابلہ کرکے دکھلا دے

اب مین آپکے بعض خیالات کی غلطی کو رفع کرتا ہوں۔

قول العزیز - خدا نے کافر اور مومن کو اس دنیا مین یکسان حصہ بخشا ہے **اقول** چونکہ خدا نے ہر ایک کو اپنی طرف بلایا ہے اس لیے سب کو ایسی توفیق بخشی ہین کہ اگر وہ ان قوتونکو ٹھیک طور پر استعمال کرین تو منزل مقصود تک پہنچ جائیں مگر تجربہ سے ثابت ہی کہ بجز اسکے کہ کوئی اسلام پر قدم مارے ہر ایک شخص ان قوتونکو بے اعتدالی سے استعمال مین لاتا ہے اور منزل مقصود تک نہین پہونچتا۔

قول آنعزیز۔ بہت مشکل ہے کہ تمام لوگ ایک ہی مذہب پر چلیں ۔ **اقول** سچے طالب کے لئے ہر ایک مشکل سہل کی جاتی ہے۔

قول آنعزیز۔ اگرچہ ریل پر چلنے والے بہت آرام پاتے ہیں لیکن اگر کوئی پیادہ پا سفر اختیار کرے تو ریل والے اس کو کافر نہیں کہتے ۔ **اقول** ۔ یہ قول دینی معاملہ پر چسپاں نہیں ہے اور قیاس مع الفارق ہے۔ خدا کے ملنے کی ایک خاص راہ ہے یعنی معجزات اور نشانوں سے یقین حاصل ہونا اسی پر تزکیہ نفس اور سچا ایمان موقوف ہے جسکو خدا پر یقین ہی نہیں وہ کیونکر اُس تک پہنچ سکے اور کیونکر سچا ایمان حاصل ہو پس اس جگہ دنیا کی راہوں کی طرح دوسرا کوئی راہ نہیں ہے صرف ایک ہی راہ ہے کہ خدا پر یقین حاصل ہو اسی پر تزکیہ نفس موقوف ہے اور یقین کے اسباب بجز اسلام کے کسی مذہب میں نہیں۔

قول آنعزیز۔ خدا بے انت ہے سو ہم بے انت کو اسی وقت محسوس کر سکتے ہیں جب پابندی شرع سے باہر ہو جائیں **اقول** شرع عربی لفظ ہے جسکے معنی ہیں راہ یعنی خدا کے پانے کی راہ پس آپکے کلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ جب ہم خدا کے پانے کی راہ چھوڑ دیں تب ہمیں خدا ملے گا ۔ اب آپ خود سمجھ لیں کہ یہ کیسا مقولہ ہے۔

قول آنعزیز۔ ذات پات پوچھے نہ کو + ہر کو بھجے سو ہر کا ہو + **اقول** یہ سچ بات ہے اس سے اسلام بحث نہیں کرتا کہ کس قوم اور کس ذات کا آدمی ہے جو شخص راہ راست طلب کرے گا۔ خواہ وہ کسی قوم کا ہو خدا اُسے ملے گا مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ خواہ کسی مذہب کا پابند ہو خدا کو مل سکتا ہے کیونکہ جب تک پاک مذہب اختیار نہیں کرے گا تب تک خدا ہرگز نہیں پائے گا ۔ مذہب اور چیز ہے اور قوم اور چیز۔

قول آنعزیز۔ یہی وجہ ہے کہ پیروان وید نے کسی شخص کی پیروی نجات کیلئے محصور نہیں رکھی۔ **اقول** جس شخص کے نزدیک وید کے مؤلف کی پیروی نجات کے لئے محصور نہیں وہ وید کا مکذب ہے۔ آپ خود بتلائیں کہ اگر مثلاً ایک شخص وید کے اصولوں اور تعلیموں کو نہیں مانتا نہ نیوگ کو مانتا ہے نہ اسبات پر راضی ہوتا ہے کہ اولاد کی خواہش کے لئے اپنی زندگی میں اپنی جورو کو دوسرے سے ہمبستر کراوے اور نہ یہ اسبات کو نہیں مانتا کہ پرمیشر نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا اور تمام روحیں اپنے اپنے وجود کی آپ ہی خدا ہیں اور نیز وہ اگنی وایو سورج وغیرہ کی پرستش کو نہیں مانتا غرض وہ ہر طرح وید کو ردی کیطرح خیال کرتا ہے۔ یہانتک کہ جس پرمیشر کو وید نے پیش کیا ہے اس کو پرمیشر ہی نہیں جانتا تو کیا ایسے آدمی کیلئے نجات ہے یا نہیں ۔ اگر نجات ہے تو آپ وید سے ایسی شرتی پیش کریں جو ان مضمونوں پر مشتمل ہو اور اگر نجات نہیں تو پھر آپ کا یہ قول صحیح نہ ہوا کیونکہ ہم لوگ بھی تو صرف

اس قدر کہتی ہین کہ جو شخص قران شریف کی تعلیموں کو نہین مانتا اسکو ہرگز نجات نہیں اور اس جہان مین وہ اندھو کیطرح بسر کرے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ یعنی قرآن نے جو دین اسلام پیش کیا ہے جو شخص قرآنی تعلیم کو قبول نہین کرے گا وہ مقبول خدا ہرگز نہین ہوگا اور مرنے کے بعد وہ زیانکارون مین سے ہوگا یہ کہنا کہ کسی شخص کی پیروی وید کی روسے درست نہین یہ غلط ہے جب اس کی کتاب کی پیروی کی تو خود اس کی پیروی ہوگئی اگر ہندو صاحبان وید کی پیروی نہین کرتے تو پھر وید کو پیش کیوں کرتے ہین۔

قول آنعزیز۔ ہر ملت اور مذہب مین صاحب کمال گذرے ہین **اقول**۔ زمانہ موجودہ مین بطور ثبوت کے کسی صاحب کمال کو پیش کرنا چاہیے کیا آپ کے نزدیک پنڈت لیکھرام صاحب کمال تھا یا نہین جسکو آج تک آریہ سماجی لوگ روتے ہیں۔

مین نے آنحب کی دلجوئی کیلئے باوجود کم فرصتی کے یہ چند سطرین لکھی ہین امید ہے کہ اس پر غور فرمائینگے +

خاکسار غلام احمد از قادیان

۱۴ جون سنہ ۱۹۰۳ء

انجام مقدمات کی نسبت پیشگوئی از حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۲۹ جون سنہ ۱۹۰۳ - إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ - فِيهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ

تفصیل کے لئے دیکھو ٹائیٹل پیج کے اندر کا صفحہ

انجام مقدمات کی نسبت پیشگوئی

از حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

رات کے وقت جو ۲۸ جون ۱۹۰۳ء کے دن کے بعد رات تھی یعنی وہ رات جس کے بعد پیر کا دن تھا اور ۲۹ جون ۱۹۰۳ء میں خیال کی کشش غالب ہوئی کہ یہ مقدمات جو کرم الدین کی طرف سے میرے پر ہیں۔ یا بعض میری جماعت کے لوگوں کی طرف سے کرم الدین پر ہیں۔ ان کا انجام کیا ہوگا سو اس غلبہ کشش کے وقت میں حالت وحی الٰہی کی طرف منتقل کی گئی اور خدا تعالیٰ کا یہ کلام میرے پر نازل ہوا۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ فِیْہِ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ

اس کے معنی یہ مجھے سمجھائے گئے کہ ان دونوں فریقوں میں سے خدا اس کے ساتھ ہوگا اور اُسکو فتح اور نصرۃ نصیب کرے گا کہ جو پرہیز گار ہیں یعنی جھوٹ نہیں بولتے ظلم نہیں کرتے تہمت نہیں لگاتے اور دغا اور فریب اور خیانت سے ناحق خدا کے بندوں کو نہیں ستاتے اور ہر ایک بدی سے بچتے اور راست بازی اور انصاف کو اختیار کرتے ہیں اور خدا سے ڈر کر اُس کے بندوں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی اور نیکی کے ساتھ پیش آتے ہیں اور بنی نوع کے وہ سچے خیر خواہ ہیں ان میں درندگی اور ظلم اور بدی کا جوش نہیں بلکہ عام طور پر ہر ایک کے ساتھ وہ نیکی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ سو انجام یہ ہے کہ اُن کے حق میں فیصلہ ہوگا تب وہ لوگ جو پوچھا کرتے ہیں جو اُن دونوں گروہوں میں سے حق پر کون ہے ان کے لئے نہ ایک نشان بلکہ کئی نشان ظاہر ہوں گے۔ **وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی**

۲۹۔ جون ۱۹۰۳ء

رجسٹرڈ ایل ۳۰۳

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۰۳ء نمبر ۸

فہرست مضامین

انجمن اشاعتہ اسلام قادیان نے انوار الاسلام پریس قادیان دار الامان میں باہتمام منشی محمد افضل احمدی

۲۰- اگست سنہ ۱۹۰۳ء کو چھپوا کر شائع کیا

چندہ سالانہ .... معمولی کاغذ پر ۲ .... اعلیٰ کاغذ پر ۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

عصمت انبیاء پر پادری مانرو کے رسالے

گذشتہ اشاعت سے آگے

حضرت داؤد پر تہمت

پادریوں نے حضرت داؤد علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگائی ہے اس کی اصلیت بائیبل کے جھوٹے قصوں میں ہو تو ہو لیکن قرآن کا ایک لفظ بھی اس بے بنیاد الزام کی تائید نہیں کرتا بلکہ صاف الفاظ میں اس جھوٹ کی تردید کرتا ہے اور محقق مفسرین اور محدثین بھی اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ محض جھوٹ ہے۔ چنانچہ فخر الدین رازی جو مفسرین میں سب سے بڑھکر مانے گئے ہیں تفسیر کبیر میں اس قصہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "مفسرون میں سے اکثر محققین نے اس قصہ کو مردود ٹھہرایا ہے اور اس پر کذب اور فساد کا حکم لگایا ہے"۔ حضرت علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ ایسا جھوٹا الزام خدا کے ایک پاک نبی پر لگایا جاتا ہے تو انہوں نے خطبہ میں یہ فرمایا۔ من حدثکم بحدیث داؤد علی ما یرویہ القصاص جلدتہ مائۃ وستین وھو حد الفریۃ علی الانبیاء یعنی جو شخص حضرت داؤد کا قصہ اس طرح بیان کرے گا جس طرح قصہ گو لوگ بیان کرتے ہیں (یعنی ان پر زنا کی تہمت لگائیگا) میں اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے لگاؤنگا اور یہ انبیاء پر جھوٹی تہمت کی حد ہے"۔ یہاں حضرت علی نے نہ صرف اس قصہ کو جھوٹا ٹھہرایا ہے بلکہ اس کی حد عام مومنین پر تہمت کی حد سے دوگنی کردی ہے۔ چنانچہ خطبہ میں آپ نے یہی بیان فرمایا کہ جب عام مومن پر تہمت کی حد اسی کوڑے ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ نبی پر تہمت کے لئے دوگنی سزا نہ دیجاوے۔ حضرت علی کے اس خطبہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے قصے مسلمان محققین کے ذریعے اسلام میں نہیں آئے بلکہ جھوٹے قصہ گو ہی ان کے اصل مشتہر کرنے

والے تھے۔ اس لئے جو الزام حضرت داؤد پر لگایا جاتا ہے اس کی تردید کافی طور پر حضرت علی کے اس خطبہ اور مسلمان محقق مفسرین کی رائے سے ہی ہو جاتی ہے لیکن اس کے جھوٹ کو اور بھی واضح کرنے کے لئے ہم قرآن کریم کے اصل الفاظ پر بحث کرینگے اور دکھائینگے کہ یہ قصہ گھڑنے مین کہان تک جھوٹ سے کام لیا گیا ہے۔ جن آیات کی بنا پر اعتراض کیا جاتا ہے وہ سورہ ص مین آتی ہین۔ اس قصہ کو سمجھنے کیلئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس کے اول آخر پر غور کیا جاوے۔ چنانچہ آغاز مین اور آخر پر حضرت داؤد کی بہت ہی تعریف کی گئی ہے اور یہ خیال کرنا کہ ایسے تعریف کے الفاظ کے درمیان کسی ایسے سخت جرم کا ذکر ہے جس کے متعلق تہمت لگائی گئی ہے بڑے درجہ کی حماقت ہے؛ چنانچہ شروع مین پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے اللہ تعالے فرماتا ہے۔ اصبر علی ما یقولون واذکر عبدنا داؤد ذا الاید انہ اواب وشددنا ملکہ واتینٰہ الحکمۃ وفصل الخطاب "دان اذیتون پر جو کفار کی طرف سے تجھے پہونچ رہی ہین) صبر کرو اور ہمارے بندہ داؤد کو یاد کرو جسکو ہم نے طاقت دی ہوئی تھی کیونکہ وہ ہماری طرف رجوع کرنے والا تھا۔ اور ہم نے اس کے ملک کو مضبوط کیا اور اس کو حکمت اور فصل خطاب عطا فرمایا"۔ اس جگہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت ہے کہ جس طرح حضرت داؤد دکھون اور تکلیفون پر صبر کرتے رہے اسی طرح آپ بھی صبر کرتے رہین +اس سورہ کا مکی ہونا اس امر پر شاہد ہے کہ یہ زمانہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بڑے بڑے مصائب کا زمانہ تھا اور کفار کی طرف سے آپ کو اس وقت طرح طرح کے دکھ اور تکلیفین پہونچ رہی تھین ان تکالیف کے وقت آنحضرت کو حکم ہوتا ہے کہ اسی طرح صبر سے ان کی برداشت کر جس طرح حضرت داؤد نے صبر سے مصائب کی برداشت کی +

ہم اس بات پر زور نہین دینگے کہ پادری صاحبان ضرور پہلے رائی کے دانہ کے برابر ایمان حاصل کرین تو ہی ان کی سمجھ مین یہ بات آسکے گی کیونکہ انجیل کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ رائی کے دانہ کے برابر ایمان ان مین بالکل نہین لیکن اگر ان کے دماغ مین رائی کے دانہ کے برابر عقل ہو تو اس بات کا سمجھنا ان کے لئے چندان مشکل نہ ہوگا کہ اگر نعوذ باللہ حضرت داؤد کے کسی فسق کا ذکر آیت مذکور مین ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کس بات مین ان کی پیروی کرنے کے لئے حکم دیا گیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو یہ فرماتے ہین کہ زانی زناہ نہین کرتا در آنحالیکہ وہ مومن ہو اور نیز یہ کہ جو شخص کسی مسلمان کا ناحق خون کرنے مین کچھ بھی حصہ لیگا۔ وہ قیامت کے دن خدائے تعالے کے سامنے اس حالت مین حاضر ہوگا کہ اس کی پیشانی پر خدا کی رحمت سے ناامید لکھا ہوا ہوگا۔ اور خدائے تعالے آپ کو اس شخص کی پیروی کا حکم دیتا ہے جس کے متعلق ساتھ ہی یہ ذکر ہے کہ

اس نے نعوذ باللہ زنا کیا اور ایک مومن کو اس کی عورت چھیننے کے لئے ناحق قتل کرایا۔ پھر علاوہ ازین آنحضرت کے سامنے کس طرح وہ شخص صبر کے لئے نمونہ پیش کیا جا سکتا ہے جو اپنی شہوانی خواہشات کو بھی نہین روک سکتا۔ ایسے شخص سے صبر کی امید کیا ہو سکتی ہے۔ پھر ایک اور امر قابل غور ہے کہ حضرت داؤد کو اللہ تعالیٰ ان الفاظ مین یاد فرماتا ہے کہ وہ ہمارا خاص بندہ ہے اور اس کو **عبدنا** کے عزت کے خطاب سے پکارتا ہے۔ گویا اس لفظ مین حضرت داؤد ع کی کمال عبودیت کا اظہار فرماتا ہے اور اس پاک اور خالص تعلق کو ظاہر کرتا ہے جو حضرت داؤد کو جناب الٰہی سے حاصل ہے ایسی تعریف کے ذکر کے ساتھ زنا اور قتل جیسے قبیح جرایم کا ذکر ایک احمقانہ خیال ہے۔ خدا کا پاک کلام ایسی بیہودگیون سے پاک ہے۔ سورہ فرقان مین اللہ تعالیٰ عباد الرحمٰن کی صفات بیان فرماتا ہے اور دوسری صفات کے ساتھ یہ بھی بیان فرماتا ہے کہ وہ زنا نہین کرتے اور نہ ناحق خون ہی کرتے ہین۔ پھر غور کرو کہ حضرت داؤد ع کو خدا تعالےٰ ذوالاید بیان فرماتا ہے۔ یعنی صاحب طاقت۔ طاقت سے مراد صرف جسمانی یا دنیوی طاقت ہی نہین۔ کیونکہ حضرت داؤد ع کی دنیوی طاقت کو آگے الگ ان الفاظ مین بھی بیان فرمایا ہے **وشددنا ملکہ** یعنی ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کیا اور علاوہ ازین دنیوی طاقت مومنین کے ساتھ مخصوص نہین بلکہ کفار کو بھی دی جاتی ہے۔ اس لئے اس جگہ صاحب طاقت بیان کرنے سے بالخصوص ان کی روحانی طاقت کا ذکر مقصود ہے۔ یعنی وہ طاقت جو انسان کو بدی کی کشش کے مقابلہ کے لئے دی جاتی ہے اور یہی وہ روحانی طاقت ہے جس کی وجہ سے حضرت داؤد ع کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے صبر کا نمونہ بیان فرمایا۔ اس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے مطابق حضرت داؤد کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طاقت دی گئی تھی کہ وہ اس احکام کے مطابق چلین اور اس کی راہ سے باہر ایک قدم بھی نہ رکھین انہیں معنون کی تائید لفظ **اَوَّاب** سے بھی ہوتی ہے جو ساتھ ہی واقع ہوا ہے۔ کیونکہ **اَوَّاب** مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی بہت ہی خدا کی طرف رجوع کرنے والا۔ اس لئے جہان ایک طرف اللہ تعالےٰ نے یہ بیان فرمایا کہ حضرت داؤد کو عظیم الشان روحانی طاقت دی گئی تھی۔ ساتھ ہی یہ بھی بیان فرماتا ہے کہ وہ ہمیشہ خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے یعنی ہر معاملہ مین خدا کی فرمانبرداری کو اختیار کرتے تھے۔ ایسے آدمی کی طرف زنا اور قتل کو منسوب کرنا اور پھر یہ کہنا کہ یہ قصہ مذکور بھی اسی آیت مین ہے جس مین اس کی یہ تعریف کی گئی ہے۔ پرلے درجہ کی بیہودگی نہین تو کیا ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ یہ بھی بیان فرماتا ہے کہ ہم نے حضرت داؤد ع کو حکمت عطا فرمائی تھی اور خود ہی قرآن شریف مین حکمت کے معنے بیان فرماتا ہے کہ **ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا**

یعنی جس کو حکمت دیجاوے اس کو خیر کثیر دیا جاتا ہے ۔

یہ اعلےٰ درجہ کے اوصاف اس شخص کے بیان کئے گئے ہین جس کے متعلق پادری صاحبان یہ کہتے ہین۔ کہ اس سے اگلی ہی آیت مین اس کے سیاہ کبائر کا ذکر ہے قبل اس کے جو ہم ان آیات کے الفاظ پر غور کرین جن کی بنا پر یہ بہتان حضرت داؤد پر باندھا جاتا ہے ۔ ہم یہ بھی دیکھنا چاہتے ہین کہ ان آیات کے بعد اللہ تعالیٰ حضرت داؤد ع کا ذکر کن الفاظ مین کرتا ہے ۔ قصہ کو ختم کرنے کے بعد سب سے پہلے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ان لہ عندنا لزلفٰے وحسن مآب "اور داؤد ع کو ہمارے حضور قرب حاصل تھا اور اچھا رجوع کرنا" اب کیونکر ممکن ہے کہ ایک طرف تو ابھی ایک شخص کے زنا اور خونریزی کا قصہ ختم نہین ہوا اور دوسری طرف اس کی تعریف ان الفاظ مین شروع ہو جائے کہ اس کو جناب الٰہی مین بڑا قرب حاصل تھا۔ قصہ کے عین اختتام پر ان الفاظ کا آنا صاف بتاتا ہے کہ قصہ مین کوئی ایسا ہی امر مذکور ہے جس سے حضرت داؤد ع کی استقامت اور اسکا قرب بارگاہ الٰہی مین ثابت ہوتا ہے ۔ ورنہ کوئی اور نظیر بھی قرآن شریف مین ہونی چاہئے کہ جہان فاسقوں کے کبائر کا ذکر کرتے ہوئے خدائے تعالےٰ نے یہ بھی فرمایا ہو کہ ان کو ہماری جناب مین قرب حاصل تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ دونون خیال ایک دوسرے کے متضاد ہین اور ایک کے ساتھ دوسرا جمع ہی نہین ہو سکتا۔ پھر قرآن شریف جیسی فصیح بلیغ کتاب کی طرف ایسے متضاد خیالات کو منسوب کرنا پادریوں کی اپنی حماقت ہی۔ جو شخص زنا جیسے شیطانی فعل کا مرتکب ہو کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اس کو خدا کے حضور قرب حاصل ہی۔ ایسے فعل سے وہ شیطان کی طرف پھرتا اور شیطان کے نزدیک ہوتا اور خدائے تعالےٰ سے دور ہوتا ہے اور پھر اور بھی تعجب کی بات یہ ہے کہ اس کے بعد ہی خدائے تعالےٰ حضرت داؤد ع کو کہتا ہے کہ اے داؤد ہم تجھے زمین پر اپنا خلیفہ بناتے ہین۔ اگر نعوذ باللہ حضرت داؤد پر یہ تہمت سچی ہے تو یہ خوب بدلہ ہے کہ ادہر تو ایک شخص نفسانی خواہشون کے تابع تمام انسانی حقوق سے اندھا ہو کر زنا اور خون ناحق کا مرتکب ہوتا ہے اور ادہر اسے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ لو اب ہم تمہین اپنا خلیفہ بنا کر انسانی حقوق کا محافظ ٹھہراتے ہین۔ کیا خدائے تعالےٰ کو حضرت داؤد ع کا یہ فعل بہت ہی پسند آیا تھا یا اس کے سوائے زمین پر اور کوئی خلافت کے قابل ہی معلوم نہ ہوا۔ اس قسم کی بیہودگیوں سے معترضین کو شرم کرنی چاہئے ۔ اگر ایک عیسائی کے اندر بھی یہ سچی خواہش ہو کہ وہ سچائی کو معلوم کرے اور اسی کو اختیار کرے تو اس قدر مضبوط دلائل موجود ہین کہ جن سے انکار کی گنجایش ہی نہین۔ لیکن ان لوگون کے مدنظر صرف دنیا ہی دنیا ہے اور اس سچے اور زندہ خدا کو چھوڑ کر جھوٹ سے پیار کرتے ہین۔ ہم نے صفائی سے ثابت

کر دیا ہے کہ جس آیت کی بنا پر حضرت داؤد ؑ پر جھوٹا الزام لگایا جاتا ہے اس سے پہلی اور پچھلی آیات اس قصہ کی سخت تردید کرتی اور اس کو جھوٹا ٹھہراتی ہیں اب اصل الفاظ پر غور کرنا باقی ہے +

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَهَلْ أَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝ إِذْ دَخَلُوا عَلٰى دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمَانِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلٰى سَوَاءِ الصِّرَاطِ ۝ إِنَّ هٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ۝ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلٰى نِعَاجِهِ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيلٌ مَا هُمْ ط وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۝ فَغَفَرْنَا لَهُ ذٰلِكَ ط وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝ يٰدَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ۔

ترجمہ۔ اور کیا پہونچی ہے تیرے پاس (داؤد کے) دشمنوں کی خبر جب وہ دیوار پھاند کر عبادتخانے میں آ گئے۔ جب وہ داؤد کے پاس آئے تو وہ ان سے ڈر گیا۔ وہ کہنے لگے مت ڈر ہم تو صرف دو فریق مقدمہ ہیں اور ہم میں سے بعض نے بعض پر زیادتی کی ہے سو ہم میں.... انصاف کا فیصلہ کر دے اور بات کو دور نہ ڈال اور ہم کو سیدھی راہ (اس معاملہ میں) بتا دے۔ (پھر ایک بولا) یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے پھر بھی یہ کہتا ہے کہ وہ ایک بھی میرے ہی حوالے کر دے اور اس بات کے کرنے میں مجھ سے زبردستی کرتا ہے۔ حضرت داؤد ؑ نے کہا کہ اس طرح جو تیری دُنبی کو بھی اپنی دنبیوں میں ملا لینے کے واسطے مانگتے ہیں یہ ناانصافی کرتا ہے اور حق بات یہ ہے کہ اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں سوائے ان لوگوں کے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کئے مگر ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں اور داؤد ؑ نے سمجھ لیا کہ ہم نے اس کو فتنہ میں ڈالا ہے۔ سو اس نے خدا کی حفاظت طلب کی اور خدا کے آگے جھک کر گر گیا۔ اور خدا کی طرف رجوع کیا۔ سو ہم نے اس کو حفاظت دی اور اس کے لئے ہمارے حضور میں قرب ہے۔ اور اچھا ٹھکانہ۔ اے داؤد ہم تجھ کو اس ملک میں خلیفہ بناتے ہیں!!! اب اس سارے قصے میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے صراحتاً یا کنایۃً یہ نتیجہ نکل سکے کہ حضرت داؤد ؑ نے نعوذ باللہ اوریا کو قتل کیا اور اس کی جورو سے زنا کیا۔ کسقدر افسوس کی بات ہے کہ کفارہ کی من گھڑت کو قائم رکھنے کے لئے عیسائی لوگ اپنے خداوند کے دادا کی بے ادبی سے بھی باز نہیں آتے۔ یہ ایک جھوٹے عقیدے

سے کے گندے لوازم ہین - قرآن شریف کے الفاظ کا لفظی ترجمہ جو اوپر دیا گیا ہے پادریون کو جو خدا کے ایک پاک نبی پر کمینہ تہمتین لگاتے ہین جھوٹے ٹھہراتا ہے - قرآن شریف جس قصہ کو بیان کرتا ہے وہ صرف اسقدر ہے کہ حضرت داؤد کے دشمن کسی بدارادہ کے ساتھہ دیوارین پھاند کر آگئے تھے لیکن حضرت داؤدؑ کو جاگتا پاکر وہ اپنے بدارادہ کو پورا نہ کرسکے اور اپنے بچاؤ کے لئے یہ بہانہ پیش کردیا کہ ہم ایک مقدمہ لیکر آئے ہین جس کا فیصلہ آپ اسی وقت کردین - حضرت داؤد نے جب دیکھا کہ اس کے دشمن اس طرح اس کی جان کے درپے ہین تو آپ نے سمجھہ لیا کہ سوائے حفاظت الہی کے اور کسی طرح ان کے ہاتھہ سے بچنا مشکل ہے اور اسی لئے خدا سے دعا کی کہ تو ہی میری حفاظت کر - اور چونکہ وہ خدا کے نزدیک بڑے مقرب اور بہت اس کی طرف رجوع کرنیوالے تھے اس لئے اللہ تعالےٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا اور تمام خطرات کو دور کردیا اور اس ملک مین انہین خلیفہ بنادیا - محقق مفسرین نے اسی روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے - چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر مین اس آیت کے نیچے لکھتے ہین - "یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد کے دشمنون کی ایک جماعت آپ کے قتل کے درپے تھی اور آپ نے تنہائی مین عبادت کے لئے ایک دن علیحدہ کیا ہوا تھا - دشمنون نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور ایک شرارت کا منصوبہ پورا کرنے کے لئے دیوارین پھاند کر عین اس جگہ پر پہونچ گئے جہان حضرت داؤد تنہا تھے لیکن وہان پہونچنے پر انہون نے پہرے والونکو موجود پایا اور اس لئے اس خوف سے کہ وہ گرفتار کرلئے جاوینگے ایک جھوٹ بناکر حضرت داؤد کے سامنے پیش کردیا" آیت کا سیاق و سباق اور دوسرے تمام واقعات انہین معنون کی سچائی پر دلالت کرتے ہین +

یہ قصہ کہ جو لوگ دیوار پھاند کر آئے تھے وہ حضرت داؤد کے دشمن نہین تھے بلکہ فرشتے تھے جو حضرت داؤد کو اوریاہ کی جورو کے معاملہ مین تنبیہ کرنے آئے تھے - قرآن شریف کے الفاظ کو مدنظر رکھکر صحیح تسلیم نہین کیا جا سکتا - ایک لفظ بھی ایسا نہین جس سے معلوم ہوسکے کہ وہ فرشتے تھے - برعکس اس کے ان کا دیوار پھاند کر آنا اور دروازون مین سے گذر کر نہ آنا یا کسی اور خلاف عادت طریق سے ظاہر نہ ہونا یقینی طور سے اس نتیجہ پر پہونچاتا ہے - کہ نہ تو وہ درحقیقت فریق مقدمہ تھے جیسا انہون نے بیان کیا ہے اور نہ فرشتے تھے - بلکہ داؤد کو قتل کرنیکا منصوبہ کرکے آئے تھے اور یہ سمجھکر کہ اس وقت وہ اکیلا اپنی عبادت گاہ مین ہوگا - دیوار پھاند کر اندر آگئے کیونکہ سیدھے راستے سے آنے مین باہر کے دروازون کے پہرے والے ان کو روک دیتے - علاوہ ازین اگر وہ فرشتے ہوتے تو وہ جھوٹ نہ بولتے اور یہ نہ کہتے کہ ہم دو فریق مقدمہ ہین - اگر حضرت داؤد کا

کسی گناہ کے مرتکب ہوئے تھے تو کیا خدا کسی اور طریق سے ان کو اسکا احساس نہ دلا سکتا تھا اور کیا حضرت داؤد کا اپنا احساس گناہ کا اس قدر جاتا رہا تھا۔ اور وہ ایسا سخت دل ہو گیا تھا کہ ایسے قبیح جرائم کا مرتکب ہو کر جیسے کہ زنا اور قتل ہیں پھر بھی اسے پتہ نہ لگا کہ میں نے خدا کی مرضی کے خلاف کوئی کام کیا ہے اور جب تک دو فرشتے جھوٹ نہ بولتے اس کو پتہ ہی نہ لگ سکتا تھا کہ میں نے کوئی گناہ کیا ہے۔ اس لئے ایسا خیال کرنے میں صرف خدا کے ایک پاک نبی پر ہی جھوٹی تہمت نہیں لگائی جاتی۔ بلکہ اللہ تعالے کے فرشتوں کو بھی جھوٹے ماننا پڑتا ہے۔ علاوہ ازین اگر حضرت داؤد واقعی ایسے گناہ کے مرتکب ہوئے ہوتے جس سے وہ خدائی اور انسانی حقوق کو توڑ چکے تھے تو فیصلہ دیتے وقت یہ الفاظ ان کے منہ سے کیونکر نکل سکتے تھے کہ بہت سارے شریک ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں۔ سوائے ان لوگون کے جو ایمان لائے اور جو عمل نیک کرتے ہین۔ بظاہر وہ اپنے آپ کو مومن اور عمل صالح کرنے والے سمجھتے ہین اور اس لئے وہ ان لوگون مین سے نہین ہو سکتے جو اپنے قریبیون پر یا ہمسائیون پر یا دوسرے لوگون پر کسی قسم کا ظلم روا رکھتے ہون۔ اب جب حضرت داؤد اپنے آپ کو ان لوگون مین سے بھی نہین سمجھتے جو دوسرون پر چھوٹے سے چھوٹا ظلم بھی کر سکین۔ تو یہ کس قدر بیہودگی ہے کہ یہ کہا جائے کہ وہ خود نہ صرف مال پر ہی ظلم کر چکے تھو بلکہ پاکدامنی پر اور جان پر بھی حملہ کر چکے تھے کیا کوئی شخص ایسی جرأت کر سکتا ہے کہ دوسرے کو تو اتنے ظلم پر بھی سخت تنبیہ کرے کہ کہ اس نے کسی کی بکری کیون لی۔ اور خود ایک آدمی کو جان سے مار کر اس کی عورت کو چھین لے۔ اگر واقعی حضرت داؤد ایسا کر چکے ہوتے تو بجائے اس کے کہ اپنے آپ کو ان لوگون سے مستثنیٰ کرتے جو لوگون کے حقوق چھین لیتے ہین ان کو چاہیئے تھا کہ اپنے آپ کو ایسے ظالمون مین سے سب سے بڑھکر سمجھتے۔ علاوہ ازین اللہ تعالے کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرمانا کہ دشمن جو دکھ دیتے ہین ان پر اسی طرح صبر کر جس طرح داؤد نے اپنے دشمنون کی تکلیفون پر صبر کیا بےمعنی ہو جاتا ہے۔ اگر بجائے صبر کے حضرت داؤد کے کامون مین سے نمونہ وہ پیش کیا جاوے جو ایک سخت گناہ ہے۔ صبر کا نمونہ اسی صورت مین ہو سکتا ہے کہ وہ معنے لئے جاوین جو اوپر بیان کئے گئے ہین کیونکہ اس صورت مین حضرت داؤد اپنے ان دشمنون کو بھی معاف کرتے ہین جو قتل کا منصوبہ کر کے اچانک ان پر آن پڑے تھے۔ باوجود صاحب طاقت اور ملک ہونے کے آپنے ان سے وہ سلوک نہ کیا جس کے وہ مستحق تھو بلکہ ان کو معاف کیا اور خود جناب الہی سے پناہ مانگی۔ وہ چاہتے تو ان کو مار ڈالتے لیکن انہون نے اپنی طاقت پر بھروسہ نکر کے جناب الہی سے حفاظت طلب کی

کیونکہ سچی حفاظت وہی ہے جو خدا کی طرف سے ملتی ہے یہ فقرات کہ ظن داؤد انما فتنٰہ اور فاستغفر ربہ کسی سمجھدار آدمی کو اس نتیجہ پر نہیں پہونچا سکتے کہ حضرت داؤد کسی ایسے گناہ کے مرتکب ہوئے تھے جیسا ان پر الزام لگایا جاتا ہے۔ پہلے فقرہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ حضرت داؤد سمجھ گئے کہ ان کی زندگی بڑے خطرے کی حالت میں پڑ گئی تھی۔ اور دوسرے کے معنے یہ ہیں کہ انہوں نے اپنے رب سے حفاظت طلب کی۔ حضرت داؤد کے متعلق یہ جھوٹی کہانیاں کیونکر مشہور ہو گئیں اس کے متعلق چند الفاظ کافی ہوں گے۔ طاقت اور سلطنت جو حضرت داؤد اور سلیمان کو حاصل تھی سلیمان کے بیٹے کے نیچے اس میں سخت ضعف آگیا۔ جو یہودی اس کی حکومت سے آزاد ہو گئے ان کے دلوں میں پہلے اس کے متعلق اور پھر حضرت سلیمان اور داؤد کے متعلق نفرت بڑھتی گئی۔ مرور زمانہ سے یہ نفرت دل میں جمتی گئی اور زیادہ مضبوط ہوتی گئی اور اس لئے جھوٹے قصّے ان کی نسبت مشہور ہونے شروع ہو گئے اور بالآخر ایسے ایسے قصّے مشہور کئے گئے جو ان کی نبوت کے منافی تھے۔ چنانچہ حضرت سلیمان پر کفر اور بت پرستی کا الزام لگایا گیا اور اس لئے قرآن شریف کو اس الزام کی تردید کے لئے یہ ضرورت پڑی کہ بیان کرے کہ سلیمان نے کفر نہیں کیا ورنہ اس بات کے کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ وما کفر سلیمٰن۔ حضرت مسیح کے متعلق بھی ایک الزام کی ہی تردید کے لئے قرآن شریف کو یہ کہنا پڑا کہ اس کی روح شیطانی نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح اور ان کی والدہ پر بھی یہودنے بڑے ناپاک الزام لگائے تھے ایسے ہی جیسے کہ آج کل کے عیسائی دوسرے انبیاء پر لگاتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے ان الزامات کی تردید کی۔ اور جیسا کہ سلیمان کے متعلق کہا کہ وہ کافر نہیں تھا اسی طرح پر مسیح کے متعلق فرمایا کہ اس کی روح شیطانی نہیں۔ بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ ہر دو نبیوں کی صورت میں اس قسم کے بیان کی ضرورت نہ پڑتی۔ اگر دشمنوں کے ان ناپاک حملوں کا جواب مقصود نہ ہوتا کیونکہ جب سلیمان کے متعلق کفر کی نفی کی تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ باقی نبیوں نے کفر کیا تھا۔ ایسا ہی جب مسیح کے متعلق یہ کہا کہ اس کی روح خدا کی طرف سے ہے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ باقی نبیوں کی روح خدا کی طرف سے نہیں۔ بلکہ دونوں صورتوں میں ردالزام مقصود ہے غرض حضرت داؤد اور سلیمان کے متعلق ایسی ایسی جھوٹی کہانیاں شائع ہوتی شروع ہو گئیں۔ اور آخرکار قومی اعتقاد کا جزو ہو گئیں جب اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو یہودی بھی بکثرت اسلام میں داخل ہوئے اور جس طرح یہ کہانیاں ان میں علی العموم مشہور تھیں اسی طرح بعد اسلام کے بھی چلی آئیں۔ ان قصّوں کے

زیادہ اسلام میں پھیل جانے پر حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو یہ ضرورت پڑی کہ وہ صاف طور پر اس امر کا اعلان کر دیں کہ جو شخص حضرت داؤد کی نسبت ایسا جھوٹا قصہ بیان کرے گا اس پر جھوٹی تہمت کی دوگنی حد لگائی جاوے گی۔ لیکن جوں جوں یہودی اسلام میں زیادہ داخل ہوتے گئے اور مرور زمانہ کے سبب سے اسلام کے پاک اصولوں پر اس مضبوطی سے قیام نہ رہا۔ جیسا کہ ابتدائی زمانہ اسلام میں تھا۔ یہ قصے بھی زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھے جانے لگے۔ یہانتک کہ کسی مفسر نے بے احتیاطی سے ان کو تفسیروں میں بھی داخل کر دیا لیکن ہم ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن کریم کے الفاظ ان کا سیاق و سباق محقق مفسرین کی رائے اور حضرت علی کا اعلان حضرت داؤد کے متعلق اس الزام کو سیاہ جھوٹ ٹھہراتے ہیں +

یہ تو حضرت داؤد کا قصہ ہے لیکن انجیلوں میں حضرت مسیح کے متعلق ایک فاحشہ عورت کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ اور ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ پادری صاحبان انجیل کے حرف حرف کو سچا اور الہامی مان کر حضرت مسیح کی عصمت کو کیونکر ثابت کر سکتے ہیں۔ حضرت مسیح نے ایک کنجری سے تیل ملوایا اور تیل بھی وہ جو اس کی زنا کی کمائی کا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ باوجود شباب کے اور بن بیاہا ہونے کے یسوع ایسی عورتوں کے ساتھ کھلے طور سے ملتا جلتا تھا جن کا چال چلن نہ صرف مشتبہ تھا بلکہ جو شہرت یافتہ بدکار عورتیں تھیں اور اس کا تعلق اس قسم کا تھا کہ وہ ایک موقعہ پر ان بدکار عورتوں کی تعریف بھی کرتا ہے دیکھو لوقا ۷ باب اور متی ۲۱ باب۔ اگر اس قسم کا کوئی واقعہ حضرت داؤد کے متعلق یا دوسرے کسی نبی کے متعلق قرآن شریف میں ہوتا تو پادری بہت ہی خوش ہوتے لیکن یہ اپنی آنکھ کا شہتیر ان کی نظر سے پنہاں ہے۔ اگر یہ واقعات جو انجیلوں میں یسوع کی نسبت مذکور ہیں کسی دوسرے نبی کے متعلق ہوتے تو کئی ماتم اور فلندر مضمون پر مضمون لکھتے کہ فلاں نبی فلاں گناہ کا مرتکب ہے لیکن جب یسوع کے متعلق اس قسم کے واقعات پائیں تو پھر تاویل کا دروازہ کھل جاتا ہے اور انہیں واقعات سے جو دوسرے نبیوں کی صورت میں گناہ بتائے جاتے ہیں مسیح کی صورت میں بڑے بڑے نصائح اور اخلاقی سبق عیسائیوں کے لئے نکالے جاتے ہیں۔ پادریوں کی یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ ایک طرف تو یہی کہا جاتا ہے کہ چونکہ حضرت داؤد نے بذریعہ استغفار حفاظت الٰہی طلب کی اس لئے وہ نعوذ باللہ زنا کا مرتکب ہوا تھا اور دوسری طرف یہ کہ چونکہ مسیح کنجریوں اور بدکار عورتوں کے ساتھ ملا جلا رہتا تھا اس واسطے وہ پاکباز ہے۔ راستبازی کے دشمن اور نبیوں کو گالیاں دینے والے ان پادریوں سے بڑھکر دنیا

مین کبھی پیدا نہین ہوئے۔ وہ اپنے دلون کو پاک کرنا تو جانتے ہی نہین مگر راستبازون کے دلون کی پاکیزگی کو بھی وہ ناپاکی سمجھتے ہین +

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر حملے

پادری مانرو قرآن شریف کے* دو مقامات پیش کرتا ہے جہان اس کے نزدیک آنحضرت کے کسی ایسے فعل کی طرف اشارہ ہے جس کو گناہ کہا جاسکتا ہے ان مین سے پہلا مقام سورہ احزاب مین ہے۔ چنانچہ اس سورت مین سے ایک آیت کے ایک حصہ کا ترجمہ نقل کرکے پادری مانرو بڑی جرأت سے کہتا ہے "کیا اس کا یہ مطلب نہین کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالے نے اس گناہ کے لئے سرزنش کی کہ وہ کیون لوگون سے ڈرے"۔ لیکن اس آیت مین جس کا وہ حوالہ دیتا ہے وہ ایک لفظ بھی ایسا نہین دکھا سکتا جس سے معلوم ہو کہ آنحضرت لوگون سے ان معنون مین ڈرتے تھے جن معنون مین خدا سے ڈرنا چاہیئے۔ یا یہ کہ وہ خدا سے نہین ڈرتے تھے۔ یا یہ کہ وہ اس طرح پر ڈرنے مین کسی گناہ کے مرتکب ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ آیت ہم یہان نقل کرتے ہین۔ واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ امسك علیك زوجك واتق اللہ وتخفی فی نفسك ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشٰہ فلما قضی زید منہا وطرا زوجنکہا لکیلا یکون علے المومنین حرج فی ازواج ادعیاءہم اذا قضوا منہن وطرا وکان امر اللہ مفعولا ۝

ترجمہ۔ اور جب تو نے کہا اس شخص کو جس پر اللہ نے احسان کیا اور جس پر تو نے بھی احسان کیا اپنی بیوی کو طلاق مت دے اور خدا سے ڈر اور تو اپنے دل مین ایک چیز کو چھپاتا تھا جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا اور تو لوگون سے ڈرتا تھا اور اللہ زیادہ حقدار ہے اس بات کا کہ تو اس ہی سے ڈرے۔ پھر جب زید

\+ اسکے علاوہ جن چار مقامات کا ذکر پادری مانرو کرتا ہی انپر علیحدہ استغفار اور ذنب کے نیچے بحث کیگئی ہی کیونکہ انسے پادری صاحب عام طور پر گنہگار ہونا نکالتے ہین اور ان دو مقامات کیطرح وہان کسی خاص گناہ کا ذکر نہین بتاتے +

اس عورت سے اپنی غرض پوری کرچکا تو ہم نے اسے تیرے نکاح مین دیدیا تاکہ مسلمانون کے لئے اپنے
لے پالکون کی جورؤون سے جب وہ انہین طلاق دیدین نکاح کر لینا کوئی گناہ نرہے اور خدا کا امر اسی
طرح پر ہونا تھا" اب کسی پہلو سے سوچا جاوے خدا کے سوائے کسی اور چیز سے ڈرنا کسبصورت مین گناہ
نہین کہلاسکتا - پادری مانزو کو چاہئے تھا کہ اپنے دعوے کی تائید مین قرآن شریف کی کوئی آیت پیش
کرتا - حضرت موسے مصریون سے ڈر کر مدین کو بھاگ گئے مگر کیا کہین سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایسا
کرنے مین وہ خدا کے گنہگار تھے - پھر جب اللہ تعالےٰ کے حکم کے مطابق حضرت موسےٰ نے اپنا عصا
پھینکا اور وہ سانپ بن گیا تو اس وقت بھی موسےٰ ڈرے - لیکن یہ کہین نہین لکھا کہ وہ ایسا کرنے مین
کسی گناہ کے مرتکب ہوئے تھے - پھر ایک اور امر قابل غور ہے کہ جب حضرت موسےٰ اور ساحرین کا
مقابلہ ہوا - اور ان کی رسیان وغیرہ لوگون کی نظر مین سانپ دکھائی دینے لگین - تو حضرت موسےٰ کی
نسبت خدا تعالےٰ فرماتا ہے - فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُوسَىٰ یعنی موسےٰ
اپنے دل مین ڈرے - لیکن باوجود اس کے کہین خدا نے حضرت موسےٰ کو سرزنش نہین کی کہ وہ کیون
ڈرا یا کہین یہ نہین کہا کہ اس نے گناہ کیا - اسی طرح اور بہت سی مثالین بائیبل سے پیش کی جاسکتی
ہین جن سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس قسم کا ڈرنا کوئی گناہ نہین ہے - اگر عقل کے رو سے دیکھا جائے
تو بھی اس طرح پر ڈرنا گناہ نہین ہے - ڈر انسان کی فطرت مین رکھا ہوا ہے اور کسی خوفناک نظارہ
کو دیکھکر فطرتاً انسان ڈر جاتا ہے - لیکن اس طرح پر ڈرنے سے یہ نہین کہ انسان کو خدا کا ڈر نہین رہتا
خدا کا ڈر ایک الگ چیز ہے - جس کے سبب سے انسان اس کی مرضی کی راہون مین چلتا ہے - اور
اس کی فرمانبرداری کے طریق کو اختیار کرتا ہے اور اس کی نافرمانی کو ایک بھسم کرنیوالی آگ سمجھ لیتا ہی
ان معنون مین خدا کے پاک نبی اللہ تعالےٰ سے ڈرتے ہین اور ان معنون مین سوائے خدا کے اور کسی
چیز سے نہین ڈرتے - چنانچہ سورہ احزاب کی اس آیت سے مابعد کی آیت جسپر پادری مانزو اعتراض کرتا
ہے اس طرح پر ہے + الذین یبلغون رسلٰت اللہ ویخشونہ ولا یخشون احداً الا اللہ یعنی جو
لوگ خدا کے پیغام پہونچاتے ہین اور خدا سے ہی ڈرتے ہین اور سوائے خدا کے کسی سے نہین ڈرتے + یہان
تمام انبیاء کی نسبت صاف صاف بیان کیا گیا ہے کہ ان سب کو خدا نے ایسا بنایا ہی کہ وہ سوائے
خدا کے کبھی کسی سے نہین ڈرتے - اور اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس وجہ سے کہ وہ بھی انبیاء

ہیں سے ہیں بلکہ بموجب قرآن شریف کے سب سے افضل ہیں لوگوں سے ڈرنے میں خدا کے گنہگار نہیں ہو سکتے کیونکہ جن معنوں میں خدا سے ڈرنا چاہیئے۔ ان معنوں میں تمام انبیاء خدا کے سوائے کسی سے ڈرتے ہی نہیں۔ اب پادری ناروصاحب اگر چاہتے تو ان الفاظ کو قرآن شریف میں عین اسی موقعہ پر پڑھ سکتے تھے جہاں ان کو چند الفاظ اعتراض کرنے کے لئے نظر آ گئے تھے۔ لیکن تعصب کا پردہ ان کی آنکھ پر پڑا رہا اور اس لئے ان کو یہ لفظ نظر نہ آئے۔ انبیاء کی یہ تعریف بتاتی ہے۔ کہ حضرت موسےٰ کا ڈرنا یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ڈرنا یا کسی دوسرے نبی کا ڈرنا ان کے خدا کے ڈر کے کسی طرح متضاد نہیں ہے کیونکہ ایسے موقعہ پر دراصل یہ لفظ الگ معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ نہ صرف انبیاء کی نسبت ہی قرآن شریف یہ کہتا ہے کہ وہ سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتے بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی نسبت بھی فرماتا ہے کہ لا یخافون لومۃ لائم کہ وہ کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہیں ڈرتے پس جب آنحضرتؐ کے صحابہ کا یہ حال ہے کہ وہ خدا کی راہ میں خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تو آنحضرتؐ جو ان کے لئے رہبر تھے کسطرح پر خدا کی راہ میں لوگوں سے ڈر سکتے تھے ؛

اس فقرہ یعنی تخشی الناس کے اصلی معنے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ زید اور زینب کے نکاح اور طلاق کے متعلق تمام واقعات پر غور کر کے نظر کی جاوے۔ سب سے پہلی آیت جس سے یہ ذکر شروع ہوتا ہے سورہ احزاب میں اس طرح پر آئی ہے وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لہم الخیرۃ من امرہم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً ؀ ترجمہ۔ اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو نہیں چاہیے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ایک امر کا فیصلہ کر دیں تو پھر ان کو اس امر (کے کرنے یا نہ کرنے) میں اختیار رہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریگا وہ سخت گمراہی میں پڑ گیا۔ اس آیت کے شان نزول میں علامہ سیوطی **لباب النقول فی شان النزول** میں کہتے ہیں کہ طبرانی نے سند صحیح سے قتادہ سے یہ روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش کے نکاح کے لئے درخواست کی اور آپ کا ارادہ زید کے ساتھ نکاح کرنے کا تھا۔ زینب نے سمجھا کہ آپ کا منشاء اپنے واسطے ہے لیکن جب اس کو پتہ لگا کہ آپ کا ارادہ زید کے ساتھ اس کا نکاح کرنے کا ہے تو اس نے انکار کیا پس آنحضرت پر یہ وحی نازل ہوئی وما کان لمومن الآیہ پس وہ راضی ہو گئی اور

آنحضرت کا حکم مان لیا - پھر اسی کتاب مین علامہ موصوف لکھتے ہین کہ ابن جریر نے عکرمہ کے طریق سے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش کی زید بن حارثہ کے کے ساتھ شادی کے لئے درخواست کی - زینب نے اس سے کنارہ کیا اور کہا کہ مین اس سے اچھی ہون ازروئے حسب کے - تب خدا تعالے کی طرف سے وحی نازل ہوئی وَمَا کَانَ لِمُومِنٍ الایہ اور ابن جریر نے عوفی کے طریق سے ابن عباس سے اسی طرح پر روایت کی ہے +

ان متفق روایات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے زینب کے زید کے ساتھ نکاح کے لئے درخواست کی تھی مگر زینب اور اس کا بھائی اگرچہ اس بات کے لئے تو بخوشی تیار تھے - کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہو جاوے مگر زید سے نکاح کے لئے انہون نے انکار کر دیا اس وجہ پر کہ زید ایک غلام آزاد شدہ تھا حالانکہ زینب قریش کے شریف خاندان کی ایک معزز عورت تھی لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود اس سے نکاح کرنا پسند نہ کرتے تھے اور یہی چاہتے تھے کہ وہ زید پر ہی راضی ہو جاوین - جب زینب اور اس کے بھائی کی طرف سے انکار پر اصرار ہوا - تو خدائے تعالے نے ان کو اس معاملہ مین متنبہ کیا اور تمام مومن مردون اور مومن عورتون کے لئے ایک عام حکم کے ذریعہ ان کو مطلع فرمایا کہ جب خدا اور اس کا رسول ایک معاملہ مین فیصلہ کر چکے ہین تو پھر کسی مومن مرد یا مومن عورت کے یہ لائق نہین کہ وہ انکار کرے اور یہ بھی بتا دیا کہ اگر وہ خدا اور اس کے رسول کے حکم سے انکار کرین گے تو سخت گمراہی مین پڑین گے - اس آیت کے آنے پر زینب اور اس کا بھائی راضی ہو گئے اور خدا تعالے کے حکم کو خوشی سے قبول کیا - اور زید کا زینب کے ساتھ نکاح ہو گیا +

یہانتک تو اس نکاح کا قصہ ہے - اور ناظرین اسے پڑھکر خود دیکھ لین گے کہ جو الزام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ کس قدر جھوٹا ہے اب یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ زینب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بہت قریبیون مین سے تھی - زینب کی مان امیمہ عبد المطلب کی بیٹی تھی (دیکھو اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد پنجم صفحہ ۴۶۳) اس قدر قریب کی تو رشتہ دار تھی مگر ساتھ ہی یہ بات بھی تھی کہ زینب ان لوگون مین سے تھی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ابتدا ہی مین ایمان لے آئے تھے اور وہ مہاجرہ بھی تھی ان تمام باتون سے

معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زینب کو بڑی اچھی طرح سے جانتے تھے تمام واقعات یعنی آپ کا اور زینب کا رشتہ داری کا اس قدر قریب تعلق اور زینب کا ابتدا مین ہی مسلمان ہو جانا اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مدینہ کو بھاگنا یقینی طور پر ثابت کرتے ہین۔ کہ زینب کوئی اجنبی عورت نہین تھی بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس کو بچپن سے ہی بخوبی جانتے تھے اور بارہا بچپن مین اور جوانی مین اس کو دیکھا ہوا تھا۔ علاوہ ازین اسلام سے پہلے عرب مین پردہ کی رسم نہ تھی۔ اور اس لئے مرد اور عورتین تمدنی زندگی مین باہم ملتے جلتے تھے۔ بلکہ اسلام مین بھی پردہ کا حکم آنحضرت کے زینب سے نکاح کے بعد ہوا ہے اور چونکہ تمام عیسائی مورخین اس بات کو تسلیم کرتے ہین اس لئے اس پر زیادہ بحث کی ضرورت نہین۔ اب ان تمام واقعات پر غور کرو کہ اول تو زینب آنحضرت کی پھوپھی کی لڑکی ہے اور پھر ابتدائی مسلمانون کی چھوٹی سی جماعت مین بھی داخل ہے پھر وہ آنحضرت کے ساتھ ہی مدینہ کو بھاگ کر چلی آتی ہے اور پردہ کا ملک مین کوئی رواج بھی نہین اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم زینب سے درخواست کرتے ہین کہ وہ زید کے ساتھ نکاح منظور کرے۔ اور پھر سوچو کہ یہ کسقدر بڑا سیاہ جھوٹ ہی کہ آنحضرت صلعم نے نیم کشادہ دروازہ مین سے اتفاقاً زینب کو دیکھ لیا تھا۔ اور اس کی خوبصورتی کے سبب سے اس پر فریفتہ ہو گئے تھے اس کمینہ اور گندے جھوٹ کو پیش کرنے والے خدا کی لعنت کے نیچے ہین۔ ہم تو دیکھتے ہین کہ جب زینب آنحضرت کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے تو وہ خود اس کو منظور نہین کرتے اور باوجود اس کے اصرار کے کہ وہ اپنے نکاح مین اسے لے لین آپ زید کے لئے ہی زور دیتے ہین۔ اگر نفسانی خواہش ہی آنحضرت کے اس نکاح کی محرک تھی تو پھر کونسی وجہ تھی جو آپ نے اسوقت اسے منظور نہ کیا جب وہ جوان تھی بات یہ ہے کہ تعصب کا پردہ جو عیسائیون کی آنکھ کے آگے پڑا ہوا ہے وہ انہین واقعات کو اصل صورت مین دیکھنے نہین دیتا +

اب اس بیان سے جسے مسلمان محققین نے سچا اور صحیح بیان تسلیم کیا ہی اور جسے انہون نے قابل اعتبار قرار دیا ہی یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہی اس بات پر زور دیا تھا کہ زینب کا زید کے ساتھ نکاح کر دیا جاوے اور خود زینب اور اس کے رشتہ دار اس کے مخالف تھے لیکن اللہ تعالیٰ کیطرف سے جو وحی نازل ہوئی اس مین یہی حکم تھا کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے وہی ٹھیک ہی

اور زینب اور اس کے رشتہ دارون کو اس معاملہ مین کوئی اختیار نہین - اس لئے اس نکاح کے
متعلق یہ ایک شہرت یافتہ امر ہوگیا تھا کہ یہ نکاح خدا تعالے کے حکم کے مطابق ہوا ہے یہ بات بہت
قابل توجہ ہے کیونکہ اس کی طرف پھر بھی ہم توجہ دلائینگے جب تک وحی نازل نہین ہوئی تب تک زینب
زید کے ساتھ نکاح پر راضی نہین ہوئی - اور اس امر سے مسلمان اور غیر مسلمان سب آگاہ تھے سب
جانتے تھے کہ زینب نے انکار کیا تھا مگر آنحضرت کے فیصلہ کے مطابق وحی الہی نے فیصلہ کیا اس
لئے ایک ایسی نکاح کے متعلق جو خدا کے حکم سے ہوا تھا لوگ ہر وقت منتظر تھے کہ آیندہ کیا ہوتا ہے +

اب ہم نکاح کے بعد کے واقعات پر غور کرتے ہین سب سے پہلے قرآن کریم کے ان الفاظ مین ہمین
اس مضمون کی طرف توجہ دلائی گئی ہے واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت
علیہ امسك علیك زوجك واتق اللہ - اور جب تو کہتا تھا اس شخص کو جس پر اللہ تعالے
نے احسان کیا اور تو نے احسان کیا کہ اپنی بیوی کو طلاق مت دے اور خدا سے ڈر" اس سے معلوم ہوتا
ہے کہ زید اپنی بیوی کو طلاق دینی چاہتا تھا - لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طلاق سے روکا
اس کے متعلق حاکم انسؓ سے روایت کرتا ہے کہ زید بن حارثہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا
اور زینب بنت جحش کی شکایت کی (یعنی اس امر کی کہ وہ اس سے متکبرانہ طریق سے پیش آتی ہے)
اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طلاق مت دو اور خدا سے ڈرو - دیکھو لباب النقول فی
اسباب النزول - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد زینب جو نہایت معزز خاندان قریش کی عورت
تھی اپنے حسب کی بڑائی کے سبب ایسے طریق سے زید سے پیش آتی تھی جو اسکو ناگوار گذرتا تھا سلئے
آخر اس کو بالکل ناقابل برداشت پاکر زید نے آنحضرتؐ کے پاس شکایت کی اور طلاق دینا چاہا لیکن آنحضرت
نے اسے منع کیا اور فرمایا کہ اس سختی کی برداشت کرکے اپنی بیوی کو رکھو اور خدا سے ڈرو - یہ کہنا کہ یہ الفاظ
دل سے نہ تھے نہایت کمینہ درجہ کی بے ایمانی ہے خواہ اس کا کہنے والا میور ہو یا مانرو ہو یا یسوع کی انجیل کا
کوئی اور حلیم واعظ - اگر آنحضرت کی نسبت یہ کہنا درست ہے تو کیون جائز نہین کہ یسوع کو بھی بھیڑ کی
صورت مین ایک بھیڑیا بلکہ بھیڑیے سے بھی بدتر مانا جاوے - وہ وقت کب آئے گا کہ پادری صاحبان
بھی ایمانداری سے اعتراض کرنا سیکھین گے - کب ان کو یہ سمجھ آئے گی کہ خدا کے پاک اور معصوم
نبیون کو گالیان دینے سے وہ اپنے موہوم خداوندگی کوئی خدمت نہین کر سکتے - اگر تمام برگزیدون

کو گنہگار کہا جائے گا تو اس ہی ایک ضعیف انسان ایک عاجز مخلوق جو نو ماہ تک عورت کے پیٹ
مین خون حیض سے پرورش پاتا رہا خدا اور خالق ارض و سما ہنین بن جائے گا زید آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کے پاس آتا ہے اور اپنی بیوی کے متکبرانہ سلوک کی جو شرافت خاندان کے احساس
کی وجہ سے تھا۔ آپ کے پاس شکایت کرتا ہے اور طلاق کا ارادہ ظاہر کرتا ہے آنحضرت نہایت
سختی سے اسے روکتے ہین مگر یہ سچائی کے دشمن کہتے ہین کہ یہ نعوذ باللہ منافقانہ الفاظ تھے اگر آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہین جانتے تھے کہ زید آپ کے ارادے سے جو اس کی بیوی کے
متعلق آپ رکھتے تھے آگاہ ہے اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ آپ کی خاطر طلاق دے رہا ہے تو اس
فقرے کے کیا معنے تھے کہ اتق اللہ خدا سے ڈرو کسطرح آپ زید کو ان الفاظ مین روک
سکتے تھے کہ اے زید خدا سے ڈر اور اپنی بیوی کو طلاق مت دے۔ کیا یہ لفظ منافقانہ ہو سکتے
ہین۔ ہنین بلکہ یہ لفظ ہی ایسے ہین کہ دل کے اندر سے نکلے ہوئے ہین۔ خدا سے ڈر ایک ایسا
فقرہ ہنین ہے جو ایک مجرم دل زبان پر لا سکے اور پھر ایسے شخص کے سامنے جسے وہ جانتا ہے کہ
کہ اس کے فاسد خیال سے وہ آگاہ ہے کیا انسانی فطرت ایک لمحہ کے لئے بھی اس خیال کی برداشت
کر سکتی ہے اور پھر زید جس کو یہ لفظ بولے جاتے ہین کون ہے اور اس کا آنحضرت سے تعلق کیا ہے
یہ وہ نازک تعلق ہے جو مرید اور مرشد کے درمیان ہوتا ہے۔ مرید ایمان رکھتا ہے اور یقیناً جانتا
ہے کہ میرا آقا خدا کا بھیجا ہوا ہے تا لوگون کو راستبازی کی طرف بلائے وہ خدا سے ہمکلام ہوتا
ہے اور خدا اس سے ہمکلام ہوتا ہے وہ اپنی راستبازی مین ایک کامل انسان ہے اور نیکی کا ایک
نمونہ ہے جس کے ہر ایک قول اور فعل کی اسے پیروی کرنی چاہیئے۔ اب اس نازک تعلق کو
جس کی بنیاد راستبازی اور پاکیزگی پر تھی سامنے رکھو اور ان الفاظ پر غور کرو جو ایسے آقا کے منہ
سے اس مرید کے لئے نکل رہے ہین کہ خدا کے سامنے تقوے اختیار کرو اور اپنی بیوی کو طلاق مت
دو۔ کسقدر ظلم اور بے ایمانی ہے کہ کہا جائے کہ یہ الفاظ منافقانہ اور ظاہرداری کے رنگ مین تھے
اور دلی منشا یہ نہ تھا کیا منافقانہ الفاظ ایسا ہی اثر کیا کرتے ہین۔ جیسا کہ آنحضرت کے الفاظ نے
صحابہ کے دل پر اثر کیا۔ جنہون نے ان الفاظ کو سنکر اپنا سب کچھ اسی کی راہ مین کھو دیا اگر آپ کے الفاظ
دل سے نہ تھے تو انہون نے دلون پر کیون اثر کیا۔ کیا یہ سچ ہنین کہ دل پر وہی اثر کرتا ہے جو دل سے نکلے

پھر ہم اصل مضمون کیطرف توجہ کرتے ہین جب زید نے خانگی مشکلات کیوجہ سے زینب کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو آنحضرت نے اسے بہت ناپسند کیا اور اس کو اس فعل سے روکا۔ آپ نے کیون روکا اس کے کئی وجوہات تھے اول تو زینب کا آپ کے ساتھ نہایت ہی قریب کا تعلق تھا اور زید سے بھی آپ کو بڑی محبت تھی اور آپ پسند نہین کرتے تھے کہ دو شخص جن سے آپ کو اس قدر تعلق اور محبت تھی ان مین ناچاقی ہو۔ علاوہ برین خود ہی آنحضرت اس شادی کے محرک ہوئے تھے اور زینب کے منشار کے خلاف آپ نے اسپر زور دیا تھا حالانکہ زینب کے دوسرے رشتہ دار بھی اسے پسند نہ کرتے تھے اس لئے ضرور تھا کہ زینب کے وارث بھی قومی اور رسمی خیال کے لحاظ سے اس طلاق سے ناخوش ہون اور یہ بات بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دل کا مضطر کرنے کا باعث ہوسکتی تھی اگر نکاح کے وقت وہ لوگ تھوڑے بھی ناخوش تھے تو اب طلاق سے ان کو بہت ہی رنج کا اندیشہ تھا لیکن سب سے بڑی بات یہ تھی کہ زینب کا نکاح حکم الٰہی کے مطابق ہوا تھا اب آنحضرت کو یہ فکر تھا کہ جاہل اور سطحی خیال کے لوگ اپنے نزدیک اسے بھی ایک اعتراض سمجھ لین گے کہ ایک نکاح جو وحی الٰہی کے حکم کے نیچے ہوا تھا اتنی جلدی اس کا نتیجہ ایسی ناچاقی اور طلاق ثابت ہوا۔ آپ یہ بھی سوچتے تھے کہ مخالف منکر جو ہر وقت اسلام پر اعتراض کرنے کے لئے حیلے سوچتے رہتے تھے انھیں بھی طلاق پر زبان درازی اور طنز کا موقعہ ملے گا اور وہ لوگون کو سچائی کے قبول کرنے سے روکین گے یہی وجہ تھی کہ آپ نے زید کو طلاق سے روکا تاکہ مخالفون کو زبان درازی اور طنز کا موقعہ نہ ملے چنانچہ اس کے بعد جو الفاظ قرآن کریم مین استعمال ہوئے ہین وہ آنحضرت کے دل کی اس مضطربانہ حالت کو ظاہر کرتے ہین "وتخفی فی نفسك ما الله مبدیه وتخشى الناس والله احق ان تخشٰه اور تو اپنے دل مین چھپاتا تھا۔ اس بات کو جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تو لوگوں سے ڈرتا تھا اور اللہ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرے" ان الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر آنحضرت کے دل کی کیا حالت تھی۔ آپ نہین چاہتے تھے کہ طلاق ہوکر اس ناچاقی کا افشا ہو اور معاندین اسلام کو زبان درازی کا موقعہ ملے۔ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ اس قسم کی نکتہ چینیان نادانون کی ٹھوکر کا باعث ہوجاتی ہین اس لئے آپ کی دلی خواہش یہی تھی کہ زید طلاق نہ دے اور اس جھگڑے پر پردہ پڑ جائے یہی وہ بات تھی جسکو آنحضرت چھپانا چاہتے تھے مگر اللہ تعالےٰ کا منشار یہ نہ تھا کیونکہ جیسے آگے چلکر اسی آیت کے اخیر پر بیان کیا گیا ہے اس نکاح اور طلاق مین خدائے تعالےٰ ایک خاص منشار الٰہی کو پورا کرنا چاہتا تھا جیسا کہ فرمایا وکان امر الله مفعولا آنحضرت اسی بات سے ڈرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ یہ نکتہ چینیان کفار کیطرف سے سچائی کے قبول کرنے مین لوگون

سکے لئے روک ہو جاوین۔ وہ لوگون سے ڈرتے تھے مگر انھین کے فایٔدے کے لئے کہ ایسا نہ ہو یہ لوگ ہلاکت مین پڑ جاوین۔ آنحضرت کو یہ غم جو لوگون کے لئے تھا کہ وہ راہ ہدایت پر کیون نہین آتے اس کا اظہار قرآن شریف مین دوسرے موقع پر اس طرح پر کیا گیا ہے لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین ایک موٹی سمجھ کا آدمی تو یہ خیال کرے گا کہ اس جگہ آنحضرت کو سرزنش کی گئی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ خدائے تعالےٰ آنحضرت کی تعریف کرتا ہے اس غمگساری اور ہمدردی کے لئے جو آپ کو لوگون کے ساتھ تھی اسی طرح ان الفاظ تخشی الناس مین لوگون کی بہتری کی غم کی طرف اشارہ ہے۔ آنحضرت کے دل کی ایسی حالت کو دیکھکر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ان لوگون سے ڈرنا نہین چاہیئے۔ کیونکہ اس طلاق کے ذریعہ اللہ تعالےٰ اپنا ایک خاص منشا پورا کرنا چاہتا ہے اور اسی کی مصلحت نے یہ تقاضا کیا ہے کہ اسی طرح پر یہ نکاح اور پھر طلاق ہو پس جب اس ارادہ اور مصلحت یہی چاہتے ہین تو پھر اور کسی سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے اللہ ہی حقدار ہے کہ ہر وقت اسی سے ڈرنا چاہیئے گویا ان الفاظ سے یہ بتایا گیا ہے کہ تم اسباب سے مت ڈرو کہ ایسی طلاق سے کوئی مضرت پیدا ہوگی اور اس لئے جسطرح حکم الٰہی ہے اسی طرح ہونے دینا چاہیئے۔

اس وقت تک آنحضرت کا زینب سے نکاح کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا کیونکہ ابھی ایک دو سال پیشتر ہی وہ انکار کر چکے تھے جب زینب نے یہ خواہش ظاہر کی تھی۔ بالآخر زید نے طلاق دیدی اور آنحضرت نے بھی حکم الٰہی کے مطابق اسے روکنا چھوڑ دیا اور طلاق کے بعد عدت بھی گذر گئی جیسا کہ الفاظ فلما قضی زید منہا وطرا کا منشا ہے۔ اس کے بعد یعنی طلاق اور عدت کے گذر جانے کے بعد حکم الٰہی آتا ہے کہ آنحضرت خود زینب سے نکاح کر لین۔ چنانچہ الفاظ منقولہ بالا کے بعد خدا تعالےٰ فرماتا ہے زوجنکھا یعنے ہم نے اسے یعنی زینب کو تیری بیوی بنا دیا۔ یہان یہ نہین فرمایا کہ تو نے زینب سے نکاح کی خواہش ظاہر کی یا نکاح کر لیا تو ہم نے تجھے اجازت دیدی بلکہ یہ فرمایا کہ خود ہم نے ہی تیرا نکاح اس کے ساتھ کر دیا۔ یعنی ہمارے حکم سے تو نے نکاح کیا۔ اور جب تک ہم نے حکم نہین دیا نکاح نہین کیا۔ کیا ان الفاظ سے یہ صاف نتیجہ نہین نکلتا۔ کہ آنحضرت نے حکم الٰہی کے بغیر ارادہ نکاح کا نہین کیا اور یہ حکم اس وقت نازل ہوا۔ جب طلاق ہوکے بعد عدت بھی گذر چکی تھی۔ اگر یہ نکاح آنحضرت کی خواہش سے ہوتا تو قرآن شریف کو چاہیئے تھا کہ اسی طرح پر اس کو بیان کرتا۔ لیکن قرآن شریف ہمین یہی بتاتا ہے۔ کہ آنحضرت کی خواہش نہ تھی بلکہ خدا کا حکم تھا ؀

اب اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیون خدا تعالےٰ نے پہلے ہی موقعہ پر آنحضرت کو حکم نہین دیا کہ آپ ہی زینب سے نکاح کرلین بلکہ اس وقت تو زید کے نکاح کا حکم دیا اور اب جب ناچاقی کے بعد طلاق ہوگئی تو پھر آنحضرت کو حکم دیا کہ اب تم زینب سے نکاح کرو۔ خدا تعالےٰ جو عالم الغیب ہے وہ خوب جانتا ہوگا کہ زید اور زینب کا نکاح بالآخر فسخ ہونے والا ہے پھر پہلے اس نے کیون یہ حکم دیا کہ زینب کا نکاح زید کے ساتھ ہی ہو۔ اس کا جواب خود قرآن شریف نے دیا ہے اور جہان آنحضرت کو حکم ہوا ہے کہ تم زینب سے نکاح کرو وہان ہی اس سوال کا جواب اس طرح پر دیا گیا ہے۔ لکیلا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیائہم اذا قضوا منہن وطرا وکان امر اللہ مفعولا (ہم نے اس واسطے تیرا نکاح زینب سے کیا ہے) کہ مسلمانون کے لئے اپنے لے پالکون کی مطلقہ بیویون سے نکاح کرلینا گناہ نہ رہے اور یہ خدا کا حکم تھا جو اسی طرح پر پورا ہوتا تھا"۔ یہان نہایت صاف الفاظ مین اس حکم کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ کیون ہم نے بعد طلاق کے رسول کو حکم دیا۔ کہ زینب سے نکاح کرو۔ ان الفاظ کے معنون مین کسی قسم کے شک و شبہ کی بھی گنجایش نہین اگر یہ نکاح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اپنی خواہش کا نتیجہ مانا جاوے تو یہ وجہ نکاح کی جو قرآن شریف نے خود بیان فرمائی ہے بےمعنی ہوئی جاتی ہے۔ اب اس جگہ دو سوال ہین جن کا حل کرنا ضروری ہے۔ اول یہ کہ آیا تبنیت کی رسم فی الواقع مضر رسم ہے یا نہین اور آیا یہ ضرورت تھی کہ اس بری رسم کو دور کرنے کیلئے آنحضرت خود ایک نمونہ بنین اس جگہ ہم نہایت اختصار کے ساتھ ان سوالون کے جواب دینگے۔ اول تبنیت کی رسم کو لو۔ اس کے مضر ہونے مین کسیکو شک نہین ہوسکتا صرف کہدینے سے کوئی ایک انسان دوسرے کا باپ یا بیٹا نہین ہوسکتا علاوہ برین اس کی بنیاد جھوٹ پر ہے اور جو شخص جھوٹ بولتا ہے وہ راستبازی سے دور رہتا ہے۔ اس رسم کے بدنتائج ہندو مذہب مین سب سے بڑھکر ظاہر ہوئے ہین اور اسی بدرسم کی وجہ سے آخر نیوگ جیسا ناپاک اصول اس مذہب کے پیرؤن کو ماننا پڑا ہے اور اس طرح پر بےغیرتی سے ایک عورت خاوند کی موجودگی مین اجنبیون کے پاس صرف اولاد لینے کے لئے بھیجی جاتی ہے اس قسم کے ناپاک اصولون کی دنیا سے بیخ کنی کرنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بڑا مقصد تھا۔ اور اس لئے ضروری تھا کہ مذہب اسلام اس رسم کو بھی دنیا سے دور کرے۔ لیکن جن لوگون کو کسی قسم کی اصلاح سے کام پڑا ہے وہ خوب سمجھ سکتے ہین کہ بغیر نمونہ

سینئنے کے رسوم کا دور کرنا ناممکن ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی کامیابی کا یہی راز ہے کہ آپ نے جو کچھ اپنے پیرؤون کو کرنے کا حکم دیا پہلے خود اس پر عمل کر دکھایا۔ اس گہری فراست سے جو اللہ تعالےٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھی آپ دیکھتے تھے کہ فطرت انسانی ایسی واقع ہوئی ہے کہ جب تک واعظ خود نمونہ بن کر نہ دکھلاوے دوسرے لوگون کو ان نیک کامون کی طاقت نہین ملتی جن کا وعظ ان کو کیا جاتا ہے۔ یسوع نے کیون ناکامیابی کا منہ دیکھا کیونکہ انجیلون کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تعلیم وہ دیتے تھے وہ ناقابل عمل تھی اور خود بھی اسپر ان کا عمل نہ تھا۔ کیون آج عیسائی قومیں شراب خواری سے تباہ ہو رہی ہین؟ کیونکہ یسوع نے خود شراب سے پرہیز نہ کیا۔ اس جگہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نمونے پر غور کرو کہ آپ نے کس طرح شراب خواری کو خود پرہیزگاری کا ایک کامل نمونہ بنکر مسلمانون کے درمیان سے دور کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم زندگی کے ہر ایک پہلو مین کامل نمونہ تھے اور انہون نے خود راستبازی کے تمام طریقون پر چلکر اپنے پیرؤون کو دکھا دیا کہ کسطرح انسان ایک کامل انسان بن سکتا ہے بدرسوم کی بیخ کنی سچے مصلح کا عظیم الشان کام ہوتا ہے۔ پرانی رسوم آہستہ آہستہ عادت مین داخل ہو جاتی ہین کئی ہزار کتابین نصیحت کی ایک انسان سے بھی بدعادات کو نہین چھڑا سکتین یہ جائیکہ دنیا سے انہین نیست ونابود کر دین۔ صحابہ کو قرآن شریف مین یہی سکھایا گیا تھا لقد کان لکم فے رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کہ تمہارے لئے ہر ایک نیکی کا نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہین اس لئے جو وہ آپ کو کرتے دیکھتے وہی کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ تبنیت کی رسم کو دنیا سے دور کرنے کے لئے وہ خود زینب سے نکاح کرین جو عربون کی رسم کے مطابق سخت معیوب امر سمجھا جاتا تھا کیونکہ زید جو زینب کو طلاق دیچکا تھا اس کے ساتھ رسول خدا اس قدر محبت کرتے تھے کہ لوگ اسے آپ کا بیٹا کہنے لگے تھے۔ اس لئے سب سے پہلے آنحضرت ہی کو حکم ہوا کہ زینب کے ساتھ نکاح کر کے اس بدرسم کی جڑ کاٹین۔ اگر آنحضرت کی اپنی خواہش یہ ہوتی کہ زینب کو نکاح مین لادین تو اس سے پہلے کوئی روک ان کے لئے نہ تھی آپ اسے اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے اور آپ جسوقت چاہتے وہ اور اس کے وارث بخوشی راضی ہوتے کہ آپ اس سے نکاح کر لین۔ چنانچہ جب زید کے لئے آپ نے اسے مانگا تو اس وقت بھی زینب اور اس کے ورثاء دونون کی منشاء یہ تھی کہ آپ خود اس سے نکاح کر لین لیکن آپ نے پسند

نہیں کیا اور اس وقت زید کے ساتھ ہی زینب کا نکاح کرایا۔ اس میں مصلحت الہی یہی تھی کہ زید کے
طلاق دیدینے کے بعد آپ اس سے شادی کریں تا اسلام سے یہ رسم اٹھ جائے کہ صرف کہدینے
سے کوئی شخص حقیقی بیٹا بن سکتا ہے سو پہلی دفعہ خدائے تعالے نے یہی چاہا کہ زینب کا نکاح زید کے
ساتھ ہو اور پھر حالانکہ آنحضرت بظاہر طلاق کو پسند نہ کرتے تھے لیکن خدا کے حکم کے مطابق طلاق
ہی ہوئی اور آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح سے منشار الہی پورا ہوا۔ اس امر الہی کے پورا ہونے
کی طرف ان الفاظ میں اشارہ ہے جیسا کہ فرمایا: وکان امر اللہ مفعولا اور پھر فرمایا وکان امر اللہ
قدرا مقدورا۔ یعنی امر الہی ہو کر ہی رہنا تھا اور اس امر الہی کا ہونا پہلے سے ہی مقدر ہو چکا تھا۔ اور منشاء
الہی اس میں یہ تھا جیسا کہ خود اللہ تعالے نے بیان فرمادیا ہے کہ اسلام سے تبنیت کی رسم اٹھا دیجاوے
آیت مذکورہ بالا سے مابعد کی آیت اور بھی وضاحت کے ساتھ اس امر کو بیان کرتی ہے کہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کا زینب کے ساتھ نکاح کرنا حکم الہی ہی کی تعمیل میں ہوا تھا اور اپنی کسی خواہش کے پورا
کرنے کے لئے نہیں تھا۔ ماکان علی النبی من حرج فیما فرض اللہ لہ۔ ترجمہ "نبی پر اس کام کے کرنے
میں کوئی گناہ نہیں جو اللہ تعالے اس کے لئے فرض کردے"۔ پادری مانرو کو اپنے اعتراض پر شرم کرنی چاہئے
قرآن شریف تو صاف صاف کہتا ہے کہ آنحضرت کو خدا نے حکم دیا کہ نکاح کرلیں۔ اس لئے آپ پر کوئی
حرج نہیں۔ کیا سچ یہ ہے کہ آنحضرت کو کسی گناہ کے لئے سرزنش کی گئی ہے یا یہ کہ آپ کو ہر ایک الزام
اور گناہ سے جو آپ کے ناعاقبت اندیش دشمن آپ پر لگادیں بری اور پاک اور معصوم ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ
الفاظ کہ خدا نے پیغمبر کے لئے اس بات کو فرض کردیا تھا کہ وہ زینب سے نکاح کریں اس بات کی نفی کرتے
ہیں کہ آپ کا اپنا بھی کوئی ارادہ یا خواہش اس امر کا تھا۔ علاوہ ازیں یہاں سے صاف ثبوت ملتا ہے کہ آنحضرت
کی طرف اس معاملے میں کوئی گناہ منسوب نہیں کیا جاسکتا حالانکہ پادری مانرو بڑی جرات کے ساتھ یہ دعوے
کرتا ہے کہ نبی علیہ السلام اس معاملہ میں گنہگار تھے اگر پادری صاحب یہ کہیں کہ رسول کریم علیہ السلام لوگوں میں
ڈرنے سے گنہگار ہوئے تو اس کی بھی صاف نفی اسی آیت میں موجود ہے جہاں فرمایا ہے الذین یبلغون
رسلت اللہ ویخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ یعنی جو لوگ خدا کے پیغام پہنچاتے ہیں اور اسی
سے ڈرتے ہیں اور سوائے خدا کے اور کسی سے نہیں ڈرتے"۔ یہ لفظ عام ہیں یعنی کسی معاملہ میں بھی انبیاء سوائے
خدا کے کسی سے نہیں ڈرتے۔ یہ خیال کرلینا کہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ وہ تبلیغ پیغام الہی میں کسی

سے نہین ڈرتے اور باقی امور مین ڈر جاتے ہین محض بیوقوفی ہے علاوہ ازین جو الفاظ دیکھنا ہو دونون فقرات کے درمیان آئے ہین ان سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خشیت کا ذکر عام ہے۔ اور صرف تبلیغ پیغام تک محدود نہین ورنہ یہ الفاظ درمیان مین نہ آتے اصل مین ان مین سے ہر ایک جملہ الذین خلوا من قبل کا بیان ہے کیونکہ پہلی آیت مین یہ نہین بتایا گیا کہ الذین خلوا من قبل سے کیا مراد ہے سو اس جگہ اس امر کو کھولکر بیان کیا گیا ہے کہ وہ وہ لوگ ہین جو پیغام الٰہی مخلوق تک پہنچاتے ہین اور خدا سے ڈرتے ہین اور خدا کے سوا کسی چیز سے نہین ڈرتے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کافی ہے۔ یہ ایک مشہور ضرب المثل ہے اور شاید پادری مانرو صاحب کو بحیثیت ایک پادری کے اپنی شہرت قائم رکھنے کے لئے ایسے ایسے بے بنیاد حیلے سوچنے پڑین جیسے مثلاً یہ کہ اس مین صرف انبیاء سابق کا ذکر ہے اور آنحضرت اس مین شامل نہیں ہین۔ مگر اسے یاد رکھنا چاہیے کہ بحیثیت نبی ہونے کے آنحضرت ویسے ہی اس مین شامل ہین جیسے کہ دوسرے نبی بلکہ اگر آنحضرت کا ذکر بالخصوصیت اس مین مقصود نہ ہو تو ایسا بیان کرنے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے کہ انبیاء سابق یون کیا کرتے تھے اصل مقصود کتاب اللہ کا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو ہی بیان کرنا ہے۔ علاوہ ازین بہت ساری آیات اس مضمون کی ہین جن کو خود پادری صاحب کئی دفعہ ذکر کر چکے ہین کہ آنحضرت دوسرے انبیاء کی طرح نبی ہین پادری مانرو کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس کے نزدیک تو انبیائے سابق بھی معصوم نہین ہین پھر کیا وجہ ہے کہ وہ اس تعریف مین دوسرے انبیاء کو تو داخل سمجھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مین داخل نہ سمجھے۔ پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت موسےٰ کے ڈرنے کا تو خود قرآن شریف مین ذکر ہے اور حضرت موسیٰ الذین خلوا من قبل مین داخل ہین پس اگر حضرت موسیٰ اس تعریف مین داخل ہین۔ تو آنحضرت کیون نہین +

ہم یہ بھی بیان کر چکے ہین کہ جہان کہین کسی نبی کے سوائے خدا سے ڈرنے کا ذکر ہے اس جگہ یہ مراد نہین کہ وہ اس دوسری چیز سے اسی طرح ڈرا جیسے انسان کو خدا سے ڈرنا چاہیے یا یہ کہ وہ اس وقت خدا سے نہین ڈرتا تھا ہم یہ بھی بیان کر چکے ہین کہ قرآن شریف نے کہین اس طرح ڈرنے کو گناہ نہین کہا ہے اور اگر کہا ہے تو پادری مانرو کا فرض ہے کہ وہ آیت پیش کرے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ڈرنا اقتضائے بشریت اور انسانی کمزوری کا خاصہ ہے چونکہ نبی مین بھی بشریت ہوتی ہے اس لئے اس کا بمقتضائے بشریت ڈرنا گناہ نہین اور نہ

ہی قابل اعتراض ہے۔ ہاں انبیاء کے ساتھ یہ سنت اللہ ہے کہ جب کبھی بمقتضائے بشریت وہ ڈرین تو حفاظت الٰہی معاً ان کے شامل حال ہو جاتی ہے اور انسانی کمزوری کو دبا دیتی ہے۔ جو لفظ اس آیت مین بولے گئے ہین وتخشی الناس واللہ احق ان تخشٰہ ان سے بھی یہی قانون الٰہی معلوم ہوتا ہے یہ الفاظ آنحضرت کے دل کی کیفیت سے آگاہ کرتے ہین۔ اس مین شک نہین کہ وحی الٰہی دل کے اندر سے پیدا نہین ہوتی لیکن یہ انعام الٰہی دل کی حالت کے بموجب عطا ہوتا ہے اور جس دل پر وارد ہو اس کی حالت کا نقشہ دکھاتا ہے آنحضرت کے دل کی پہلی حالت بمقتضائے بشریت یہ ہے کہ آپ کے دل مین ایک لمحہ سے بھی کم کے لئے لوگون کے ڈر کا خیال آیا جن معنون مین اس ڈر کو چاہین لین۔ لیکن اس خیال نے آپ کے دل مین جگہ نہین پکڑی اور نہ اس کا کچھ اثر آپ کے دل پر ہوا بلکہ معاً دوسری حالت دل کی یہ ہو گئی کہ واللہ احق ان تخشٰہ کہ اللہ ہی سے ڈرنا چاہیے اور حقیقی ڈر اللہ ہی کا ڈر ہے نہ کہ غیر اللہ کا یہ بیچ نہین کہ پہلے خیال کا بھی آپ کے دل پر کوئی اثر ہوا تھا کیونکہ پیشتر اس کے کہ وہ دل مین جگہ لے دوسری حالت بدل گئی اور وہی آپ کے دل کی مستقل حالت ہے جس پر آپ قائم رہے۔ ایک خیال بمقتضائے بشریت تھا لیکن دوسرا خیال جو صحیح اور سچا تھا اور منصب رسالت کے لازم حال پڑا ہوا تھا وہ معاً اس پہلے خیال کو دل سے دور کرتا اور انسانی کمزوری کو دبا دیتا ہے کیونکہ یہ دوسرا خیال حفاظت الٰہی کا لازمی نتیجہ ہے۔ جو کسی انسانی کمزوری کو نبی کے دل پر غالب نہین ہونے دیتی۔ انبیاء مین بشریت کا حصہ بھی موجود ہوتا ہے اور اس لئے بلحاظ بشریت کے اگر کوئی خیال ان کے دل مین آئے تو خدا کا فضل اور حفاظت معاً اس کو دبا دیتے ہین۔ ہمارا یہ اعتقاد نہین کہ انبیاء مین بشریت نہیں ہوتی البتہ یہ اعتقاد ہم رکھتے ہین اور سچا مذہب یہی ہے کہ بشریت کی کوئی کمزوری انبیاء پر غالب نہیں ہوتی بلکہ ہر وقت خدا کی حفاظت اور مدد اس طرح پر ان کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ جو بشریت کی کمزوریون کو دبائے رکھتی ہے چنانچہ وتخشی الناس کے ساتھ ہی اللہ تعالے کا یہ ذکر کر دینا کہ واللہ احق ان تخشٰہ یہی بتاتا ہے کہ آنحضرت کے دل کی اصلی حالت جس پر آپ قائم تھے واللہ احق ان تخشٰہ کی مصداق ہے ایسا ہی جہان حضرت موسیٰ کا ڈرنا بیان کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسٰی یہ بھی بلحاظ تقاضائے بشریت ہے مگر حضرت موسیٰ اس پر قائم نہین رہے اللہ اس کا کوئی اثر ان کے دل پر ہوا بلکہ ساتھ ہی منصب رسالت کے لحاظ سے جو ان کے دل کی حالت ہونی چاہیے وہ بیان کر دی گئی ہے اور وہ یہ ہے قلنا لا تخف انک انت الاعلٰی یعنی اپنے مظفر و منصور ہونے

کا احساس۔ اور یہی ان کے دل کی اصلی حالت ہے جس پر وہ ہمیشہ قائم ہین بشری کمزوری دل پر تسلط نہین کرسکتی بلکہ اس کے آتے ہی معاً حفاظت الہی شامل حال ہوکر کمزوری کو دبا دیتی ہے اور خوف وغیرہ سب کچھ جاتا رہتا ہے (یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت موسیٰ کو خوف صرف یہ تھا کہ ایسا نہ ہو لوگ ساحرون کے دھوکہ مین آجائین) اس طرح پر اللہ تعالےٰ کا انبیاء کے ساتھ تعلق ہوتا ہے کہ ہر ایک بشریت کی کمزوری معاً حفاظت الہی کے ذریعہ دبا دی جاتی ہے اور اس کا اثر دل پر مستقل طور پر کچھ نہین ہوتا اور نہ وہ کمزوری ان پر غالب ہی آسکتی ہے۔

قرآن شریف کی ان آیات سے معلوم ہوگا کہ اس قصہ کے مختلف واقعات بالترتیب قرآن شریف مین بیان کئے گئے ہین۔ سب سے پہلے وہ وحی ہے جس کے آنے پر زینب زید کے ساتھ نکاح پر راضی ہوئی۔ پھر ایک جھگڑا پیدا ہوتا ہے اور زید آنحضرت کے پاس شکایت لے کر آتا ہے اور طلاق دینے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے آنحضرت اسے روکتے ہین اور آپ کو یہ بھی اندیشہ ہوتا ہے کہ اس ناچاقی کے افشا ہونے سے لوگون کو ابتلا نہ ہو۔ مگر آخرکار طلاق واقع ہو جاتی ہے اور عدت بھی گذر جاتی ہے اس کے بعد آنحضرت کو حکم ہوتا ہے کہ زینب سے نکاح کرین اور اس کی بڑی غرض یہ بتائی گئی ہے کہ تا متبنیت کی رسم دنیا سے دور ہو جائے اور مسلمانون کو اپنے لے پالکون کی مطلقہ بیویون سے نکاح کرنے مین مضایقہ نہ ہو۔ پھر یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہی وہ غرض تھی جس کے پورا کرنے کے لئے یہ سارے واقعات خدا تعالےٰ کے منشا کے مطابق ظہور مین آئے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بریت کی جاتی ہے تاکوتہ اندیش مخالف ٹھوکر سے بچین اور صاف لفظون مین کہا جاتا ہے کہ آنحضرت پر اس معاملے مین کسی قسم کا الزام نہین لگایا جاسکتا اور وجہ اس کی ساتھ ہی یہ بیان کی جاتی ہے کہ خدا نے حکم دیا تو آپ نے نکاح کیا۔ اور بالآخر یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ خیال نہین کرنا چاہیئے کہ لوگون سے ڈرنے مین آنحضرت نے کوئی گناہ کیا کیونکہ خدا کے رسول ۔۔ سوائے خدا کے کسی سے نہین ڈرتے۔ اور ہم یہ بھی دکھا چکے ہین کہ یہ آنحضرت کا لوگون سے ڈرنا محض طلاق کے معاملہ مین تھا چنانچہ بخاری بھی یہی روایت کرتا ہے کہ یہ آیت زید اور زینب کے معاملات کے متعلق ہے یعنی ناچاقی اور طلاق کے متعلق۔ اگر ہم اس ڈرنے کو ان معنون مین بھی لین کہ آنحضرت ڈرتے تھے کہ لوگ کہین گے اپنے لے پالک کی بیوی سے نکاح کرلیا تو بھی کوئی حرج نہین اور نہ ان معنون کے لینے سے ان دلائل مین سے کوئی دلیل کمزور ہوتی ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے ہین لیکن سیاق وسباق آیت انھین معنون کو چاہتا ہے جنھین ہم نے ترجیح دی ہے ۔

جو واقعات اس قصہ کے یہان بیان کئے گئے ہین یہی معتبر اور صحیح روایتون مین ملتے ہین۔ اور اس لئے انھین

کی صحت پر یقین کیا جا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ واقعات پادریوں کے مفید مطلب نہیں ہیں۔ اس لئے وہ
مردود قصوں اور روایتوں پر بھروسہ کرتے ہیں اور صحیح اور معتبر روایتوں کی طرف نہیں آتے کہا جاتا ہے
کہ جب زینب کا زید سے نکاح ہوگیا تو ایک آنحضرت زید کے گھر تشریف لے گئے اس وقت وہ تو گھر
میں موجود نہیں تھا لیکن اس کی بیوی موجود تھی اتفاقاً آنحضرت کی نظر اس پر دروازے کے شگاف میں
سے جا پڑی اور یہی باعث نکاح کا ہوگیا کیونکہ جب زید کو معلوم ہوا کہ یہ واقع ہوا ہے تو اس نے خود آنحضرت
کی خاطر اپنی بیوی کو طلاق دیدی تا آپ اس سے شادی کرلیوین چنانچہ ایسا ہی ہوا صرف یہی نہیں کہ
قرآن شریف اس جھوٹے قصہ کی تائید نہیں کرتا بلکہ صاف لفظوں میں اس کی تردید کرتا ہے اگر اس قصہ
کو سچا مانا جاوے تو اس سے قرآن شریف کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ اس کے رو سے تو آنحضرت
اس معاملہ میں قابل الزام ٹھہرتے ہیں حالانکہ قرآن شریف کہتا ہے کہ اس معاملہ میں آپ کسی طرح سے
قابل الزام نہیں۔ دوسرے اس قصے کے رو سے آنحضرت کا نکاح زینب کے ساتھ ان کی اپنی
خواہش کا نتیجہ ہوگا۔ حالانکہ قرآن شریف کہتا ہے کہ خدا نے آپ پر یہ فرض کر دیا تھا اور اس لئے نکاح
صرف خدا کے حکم سے ہی ہوا نہ کہ اور کسی طرح۔ اور نیز اس کو امر الٰہی بیان کیا گیا ہے۔ تیسرے اس قصہ کا
مطلب یہ ہے۔ کہ آنحضرت زینب سے نکاح چاہتے تھے لیکن قرآن شریف کہتا ہے کہ آپ نے زید
کو طلاق دینے سے روکا۔ اگر آپ کو نکاح کی کچھ بھی خواہش ہوتی تو آپ زید کو طلاق دینے سے کیوں
روکتے بلکہ خوش ہوتے۔ یہ کہنا کہ ممانعت کے لفظ اوپرے دل سے تھے اول کہنے والے کے اپنے
دل کی حالت کو ظاہر کرتا ہے کہ کیسا سیاہ اور گندہ دل ہے اور دوسرے بہر حال منع تو کیا خواہ اوپرے
دل سے ہی کیا۔ لیکن اگر نکاح کی خواہش ہوتی تو روکتے کیوں۔ علاوہ ازیں اس قسم کی نصیحت کہ خدا سے
ڈرو اور راستبازی اختیار کرو سچے دل کی نصیحت ہوسکتی ہے جھوٹے کے مناسب حال یہ الفاظ ہی نہیں
چہارم قصہ کی غرض یہ ہے کہ زینب کے ساتھ نکاح کرنے میں آنحضرت کا صرف اپنی خواہشات
کو پورا کرنے کا مقصد تھا۔ حالانکہ قرآن شریف کہتا ہے کہ اس نکاح سے خالص یہی غرض تھی کہ متبنیٰ
کی رسم کو دور کیا جاوے۔ پنجم جن الفاظ میں زید کو بیان کیا گیا ہے وہ بھی اس قصے کو جھوٹا ٹھہراتے ہیں
بجائے اس طرح کہنے کے کہ جس وقت تو زید کو کہتا تھا قرآن شریف فرماتا ہے وَاِذْ تَقُولُ لِلَّذِیْ اَنْعَمَ
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ جب تو کہتا تھا اس شخص کو جس پر خدا نے احسان کیا اور جس پر تو نے

احسان کیا۔ اس میں دو باتیں زید کے متعلق بیان کیگئی ہیں اول یہ کہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جن پر اللہ نے انعام کیا اس لئے وہ انعمت علیہم میں شامل ہوا اور یہی وہ مرتبہ ہے جس کے لئے تمام مسلمان خواہش رکھتے ہیں۔ اب اگر یہ مانا جائے کہ زید نے یہ جانکر زینب کو طلاق دی تھی کہ رسول خدا اس سے نکاح کی خواہش رکھتے ہیں اور ان تمام واقعات کو سچا مانا جائے جو میور صاحب نے اپنی کتاب میں لکھے ہیں تو زید انعمت علیہم میں سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس صورت میں یہ واقع اس کی بڑی بےعزتی اور گمراہی کا ثبوت ہوگا کہ ایسے شخص کے پیچھے وہ چلتا تھا جو اپنی نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے میں دن رات لگا رہتا تھا۔ پس زید کو ان لوگوں میں داخل کر کے جنکو قرآن شریف نے منعم علیہ مانا ہے خدا کے کلام نے اس جھوٹے قصہ کی تردید کر دی ہے۔ پھر زید کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ خود رسول خدا کے بھی اس پر بہت احسان ہیں لیکن اگر ایسا امر آنحضرت کی طرف سے ظہور میں آیا ہوتا تو آپ کے سارے احسان اور انعام باطل اور کالعدم ہو جاتے اور قابل ذکر نہ ہوتے چہ جائیکہ خصوصیت سے ان کا ذکر کیا جاتا پس جب قرآن شریف کا لفظ لفظ اس قصے کی تردید کرتا ہے تو اس کو صحیح ماننے کے لئے ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ ہر ایک روایت جو قرآن شریف کے مخالف ہو وہ رد کرنی چاہیئے +

جب یہ معلوم ہو گیا کہ قرآن شریف اس قصے کی تردید کرتا ہے تو اب ہم یہ دیکھیں گے کہ آیا واقعات اس کو کیسا ٹھہراتے ہیں سب سے پہلے یہ مسلم ہے کہ زینب آنحضرت کی حقیقی پھوپھی کی بیٹی تھی اور اس لئے آنحضرت اس کو بچپن ہی سے جانتے تھے۔ دوسرے وہ ابتدا میں ہی اسلام لے آئی تھی اور یہ ممکن ہی نہ تھا کہ آنحضرت نے اسے دیکھا نہ ہو تیسرے وہ مہاجرہ بھی تھی۔ چوتھے اسلام سے پہلے عرب میں پردہ کی رسم نہ تھی اور عورتیں اور مرد باہم ملتے جلتے تھے اور اسلام میں بھی پردہ کا حکم اس وقت آیا جب زینب کا نکاح آنحضرت سے ہو چکا تھا۔ یہ کسقدر جھوٹ ہے کہ اتفاقاً آنحضرت کی نظر زینب پر جا پڑی۔ زینب ہمیشہ آنحضرت کے سامنے رہی بلکہ آپ کے سامنے جوان ہوئی بیاہی گئی اور پھر خود آپ نے اس کا نکاح زید سے کرایا اور خود اس کے ساتھ نکاح کرنا منظور نہ کیا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ آنحضرت کے ساتھ نکاح کیوقت اس کی عمر تئیس سال کی تھی اور یہ عمر گرم ملکوں میں عورتوں کے لئے بڑھاپے کی عمر سمجھی جاتی ہے۔ پھر ایک اور امر قابل غور ہے اگر کوئی اس قسم کا واقعہ ہوا ہوتا جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے تو ضرور تھا کہ آپ کے پیروؤں کے دل میں سخت شبہات پیدا ہوتے۔ اگر آپ ایک ایسے قابل نفرت فعل کے مرتکب ہوتے تو آپ کا سلسلہ ایک لمحہ میں درہم برہم ہو جاتا۔

زید سب سے پہلے آپ کی صداقت کا منکر ہوتا کیونکہ اس کو ان تمام واقعات سے خبر تھی اور اس کی شہرت فوراً پھیل جاتی۔ ایسے واقعہ پر ایک آدمی بھی آپ کے ساتھ نہ رہ سکتا کیونکہ یہ فعل بظاہر صورت ایسا قبیح ہے کہ مرشد اور مرید کا نازک تعلق اس سے ایک دم میں ٹوٹ جاتا ہے آپ کے پیروؤں کا تعلق آپ کے ساتھ صرف راستبازی اور نیکی کا تعلق تھا اور آپ کو وہ قابل پیروی نمونہ جانتے تھے کونسی چیز تھی جسکو دیکھکر آپ کے صحابہ نے اپنے وطن اور جائدادیں چھوڑ دیں۔ دکھ اور تکالیف سہے اور جانوں کو بیدریغ قربان کر دیا۔ یہ صرف آپ کی کامل راستبازی اور صحابہ کے دلوں میں آپ کے نقش قدم پر چلنے کی سچی خواہش تھی۔ پھر کس طرح ایک قبیح فعل کو آپ کے اندر پاکر آپ کے ساتھ رہ سکتے لیکن ہمیں صاف شہادت ملتی ہے کہ ایک صحابی کے دل میں بھی کسی قسم کا شک یا شبہ پیدا نہیں ہوا۔ کیا اس سے قطعی اور یقینی ثبوت نہیں ملتا کہ یہ قصہ جیسے میور صاحب پیش کرتے ہیں ایک صریح جھوٹ ہے اور اس کی اصلیت آنحضرت کی زندگی کے واقعات میں کچھ بھی نہیں ان سب امور سے یعنی قرآن شریف اور معتبر احادیث اور واقعات کی شہادت سے اس قصے کا جھوٹا ہونا ثابت ہوتا ہے ❊

اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ خود اس قصے کی سند کیا ہے۔ میور صاحب طبری کا حوالہ دیتے ہیں طبری ایک ایسا مورخ ہے جس نے بغیر تنقید کے روایات کو اپنی کتاب میں داخل کیا ہے صرف ایک محدثین کا فرقہ ہی ایسا ہے جس نے احادیث کا جھوٹ اور سچ پرکھنے میں محنت شاقہ اٹھائی ہے۔ طبری ان لوگوں میں سے نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس نے اپنی تاریخ یا تفسیر میں جھوٹ اور سچ کو الگ کرنے کی کوئی کوشش کی ہے بلکہ ہر ایک روایت کو جو اسے مل گئی بلا تنقید درج کر دیا ہے۔ اس لئے کسی روایت کے معتبر یا غیر معتبر ہونیکو دیکھنے کے لئے ہمیں محدثین کیطرف رجوع کرنا چاہئے۔ طبری نے جو روایت لی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کسقدر سادگی سے بلا تحقیق اس نے اس قصہ کو درج کر دیا ہے۔ یہ قصہ دو بار طبری میں مذکور ہے اور روایت لفظی میں دونوں روایتوں میں تھوڑا سا اختلاف ہے راوی دونوں صورتوں میں ایک ہی بیان کئے گئے ہیں۔ طبری محمد بن عمر سے وہ عبداللہ بن عامر اسلمی سے اور وہ محمد بن یحیٰی بن حبان سے اس روایت کا ذکر کرتا ہے۔ طبری جو ایک چوتھی صدی کا مورخ ہے صرف تین راویوں کے ذریعہ ایک روایت کو آنحضرت تک پہنچاتا ہے اور اس کی روایت اسی سے مشکوک ہو جاتی ہے۔ اب ہم ہر سہ راویوں کو علیحدہ علیحدہ لیتے ہیں اخیر جس شخص تک روایت پہنچائی جاتی ہے وہ محمد بن یحیٰی بن حبان ہے لیکن چونکہ وہ صحابہ میں

سے نہین اس لئے ایک ایسی قصہ کو جو اس کے سامنے نہین ہوا صرف اسی کی سند پر کوئی وقعت نہین دیجا سکتی یہ روایت کسی صحابی تک نہین پہنچتی اور اس لئے ہم اسے رد کرنے پر مجبور ہین یہ محمد ۱۲۱ھ مین فوت ہوا۔ محمد سے عبد اللہ بن عامر اسلمی روایت کرتا ہے جو ۱۵۰ھ مین مرا اور اسکو اسماء الرجال کی کتابون مین احد من الضعفاء لکھا ہے اس لئے اس کی روایت بھی قابل اعتبار نہین ہتی۔ علاوہ ازین انھین کتابون مین یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ محمد بن یحیٰی سے کوئی روایت نہین کرتا اور نہ ہی محمد بن عمر اس سے کچھہ روایت کرتا ہے اس لئے اس کی روایت محمد بن یحیٰی سے اور اس سے محمد بن عمر کی روایت محدثین کے نزدیک بالکل ناقابل اعتبار ہے۔ محمد بن عمر کی نسبت جس سے ہی طبری کو روایت پہونچی ہے ابھی ہم کچھہ نہین کہہ سکتے کیونکہ اس کا پورا پتہ نہین دیا گیا۔ علاوہ ازین یہ روایت طبری نے صرف ایک ہی ذریعہ سے پہنچائی ہے۔ حالانکہ محدثین کے نزدیک اعلیٰ درجہ کی صحت روایت کیلئے ضروری ہے کہ وہ مختلف ذریعون سے مختلف آدمیون کو پہونچی ہو جس سے جھوٹ یا سازش کا شک جاتا رہے اس لئے ایک ایسی روایت کی بنا پر جو ہر طرح سے جھوٹی ثابت ہوتی ہے آنحضرت پر حملہ کرنا ایمانداری کا کام نہین ہے ؛

ان سب امور پر غور کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس قصہ کی بنا پر پادری مانرو نے آنحضرت پر گناہ کا الزام لگایا ہے وہ قصہ ہی جھوٹا ہے۔ اور قرآن شریف ایسے الزام کی تردید کرتا ہے ایک اور پہلو سے غور کرکے ہم اسی نتیجہ پر پہونچتے ہین۔ عرب ایک غیور قوم تھی اور بسبب اپنی شرافت کے احساس کے ان مین غیرت کا مادہ بہت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ چھوٹے یا دھوبی نہین تھے اور نہ ہی وہ عورتین جنہون نے آپ کی دعوت کو قبول کیا تھا کنجریان تھین بلکہ کیا مرد اور کیا عورت سب باغیرت اور پاکدامنی کی قدر کرنے والے تھے۔ ایک موقعہ پر جب آنحضرت اپنی کسی بیوی کے ہمراہ جا رہے تھے تو دو آدمی پاس سے گذرے آپ نے اسیوقت انکو بلاکر فرمایا کہ یہ میری بیوی ہے۔ یہ اس لئے نہین تھا کہ ان گذرنے والے کے دلون مین آپ کی نسبت کوئی شک پیدا ہوا تھا بلکہ آپ کی غیرت یہ نہین چاہتی تھی کہ امکانی طور پر بھی آپکے صحابہ مین سے کسی کے دل مین کوئی شک پیدا ہو اور کامل عصمت اور پاکدامنی کے لحاظ سے جو آپکو حاصل تھی آپ نے یہ فرمایا۔ اس جگہ یسوع مین اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مین ایک بین فرق ہے۔ انجیلون مین ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک موقعہ پر یسوع ایک کنجری کے ساتھ ایک ایسے مقام پر پایا گیا جہان اور کوئی انسان نہ تھا۔ اب اس باریک فرق پر غور کرو کہ آنحضرت اپنی بیوی کے ساتھ جا رہے تھے لیکن پھر بھی آپنے ضروری

سمجھا کہ اس پاک اور نازک تعلق کے مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کیلئے جو آپ کے مریدوں اور آپ کے درمیان تھا کسی کو امکانی طور پر بھی شک کی گنجایش نہیں ہونی چاہئیے ۔ برعکس اس کے یسوع باوجود اس کے کہ شادی بھی نہ ہوئی ہوئی تھی اور انجیلوں کے بیان کے مطابق شراب کے استعمال سے بھی پرہیز نہ کرتا تھا ایک مشہور بدچال چلن کی عورت کے ساتھ اکیلا گفتگو کرتا ہوا پایا گیا لیکن اس نے کچھ بھی خیال نہ کیا کہ ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے اسے اس حالت میں دیکھا ہوگا کیا خیالات گذرے ہونگے حالانکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس کے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ہی جارہے تھے اسقدر محتاط ثابت ہوئے ۔ ایک ایسی غیور آدمی کی نسبت جو اپنی عصمت کی حفاظت میں ہر وقت محتاط ہی ایسے الزام لگانا جیسا کہ زینب کے معاملے میں آنحضرت پر لگایا گیا ہے پادریوں کی شرارت ہی ۔ انہیں واقعات سی یہ بھی پتہ ملتا ہے کہ آپکے صحابہ کو کیوں آپکی کامل استبازی پر پورا یقین تھا ۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ اس کی راہ میں اپنی جان قربان کرنیکو کچھ بھی مشکل نہ سمجھتے تھے لیکن برخلاف اس کے یسوع کے مریدوں کو ایسا موقعہ ہی نہیں ملا کہ وہ اس کی کامل راستبازی پر پورا یقین حاصل کریں اور اسی لئے جب ذراسی تکلیف یسوع کو پہونچی تو بعض نے اسے پکڑوا دیا بعض نے لعنت بھیجی اور باقی سب بھاگ گئے اس سی صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو کامل یقین صحابہ کو آنحضرت کی راستبازی کی نسبت تھا ۔ اس کا عشر عشیر بھی یسوع کے مریدوں کو یسوع کی نسبت حاصل نہیں ہوا ان کی یہ کمزوریاں جنکا ذکر انجیل میں موجود ہے ان کی ایمانی کمزوریوں کی وجہ سے تھیں ۔ یہاں ہم پادری مانرو سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر یہی واقعات جو یسوع کی نسبت انجیلوں میں لکھے ہیں کسی اور نبی کی نسبت ہوتے تو اس کے حق میں وہ کیا کیا عیب جوئی کرتا اس جواب دینے وقت مانرو کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یسوع کے ہمعصروں کی رائے یسوع کی نسبت کیا تھی اور اس آیت کا بھی مطالعہ کرنا چاہئیے جہاں انجیل میں لکھا ہی کہ یسوع کے ہمعصر اسے شرابی اور گنہگاروں یعنی کنجریوں کا دوست کہتے تھے +

دوسرا موقعہ جہاں پادری مانرو کے نزدیک آنحضرت کا کوئی گناہ بیان کیا گیا ہی آیت ذیل ہی ۔ اِنَّآ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىکَ اللّٰہُ ؕ وَ لَا تَکُنۡ لِّلۡخَآئِنِیۡنَ خَصِیۡمًا ۙ (سورہ نساء) ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تیری طرف اتاری ہے تاکہ تو لوگوں کے درمیان اس طرح فیصلہ کرے جس طرح خدا تجھے دکھاتا ہے اور دغا بازوں کی طرف سی جھگڑنیوالا کبھی مت بنو + شاید ناظرین حیران ہوں کہ پادری مانرو اسی آیت سی آنحضرت کا کوئی گناہ ثابت کرنا چاہتے تھے ۔ مگر یہاں کسی گناہ کا ذکر نہیں ۔ پادری صاحب کی دلیل یہ ہی کہ چونکہ آنحضرت کو کہا گیا

ہے کہ دغابازون کیطرف سے جھگڑنیوالے مت بنو اس لئے ضرور ہے کہ پیغمبر صاحب کسی دغاباز کیلئے جھگڑے ہون مگر ایسی دلیل پادری مانرو کی بے سمجھی ظاہر کرتی ہے جب خدائے تعالے کسی نبی کو کوئی حکم دیتا ہے تو اس سے منشاء یہ نہین ہوتا کہ وہ اس کی خلاف ورزی کر چکا ہے شاید اس بیہودگی کو پادری صاحب دوبارہ غور کرکے خود ہی سمجھ لین۔ پادری مانرو نے اپنے نزدیک کوئی فاضل مفسر بھی مانا ہوا ہے جسکے پیچھے وہ بلا تحقیق چلتا ہے اور قرآن کے الفاظ پر کبھی غور نہین کرتا۔ اگر ان فاضل مفسرین نے جنکا حوالہ پادری مانرو دیتا ہے اپنی رائے بیان کی ہی تو جبتک اس کی معقولیت قرآن کے الفاظ سے نہ دکھائی جاوے وہ قابل تسلیم نہین ہو سکتی اور اگر وہ کسی روایت کی نقل کرتے ہین تو روایت کا صدق و کذب زیر بحث ہوگا۔ آیت مذکورہ بالا کی شان نزول کے متعلق ایک قصہ مختلف پیرایون مین بیان کیا گیا ہے اور اگرچہ ان مین سے کوئی روایت بھی حدیث کے اعلیٰ درجہ کے صحیح طبقہ مین سے نہین ہے لیکن وہ روایت جسے کسیقدر تسلیم کیا جا سکتا ہے وہی ہے جسے جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب لباب النقول فی اسباب النزول مین بیان کیا ہے اور وہ اس طرح پر ہے کہ ترمذی اور حاکم وغیرہما نے قتادہ بن نعمان سے روایت کی ہے کہ ہم مین سے کچھ لوگ تھے جنکو بنو ابیرق کہتے تھے۔ بشر بشیر مبشر۔ اور بشیر ایک منافق آدمی تھا جو صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتا تھا اور پھر ان شعرون کو دوسرون کیطرف منسوب کر دیتا تھا اور یہ لوگ اسقدر حاجتمند تھے کہ جاہلیت مین اور اسلام مین فاقہ تک ان کی نوبت پہونچی رہتی تھی۔ اور لوگون کا کھانا مدینہ مین کھجورین اور جو تھے۔ میرے چچا رفاعہ نے ایک بوجھہ درمک کا خریدا اور اسکو ایک مکان مین رکھدیا جہان اس کے سلاح اور تلوار وغیرہ بھی تھے اس مکان مین نقب لگی اور طعام اور سلاح دونون چرائے گئے۔ صبح کو میرا چچا آیا اور کہا کہ ہمارے مکان مین نقب لگی ہے اور ہمارا طعام اور سلاح دونون چوری چلے گئے ہین پس ہمنے گھر مین تلاش شروع کی اور پوچھنے لگے تو ہمکو کہا گیا کہ رات کو بنو ابیرق آگ جلاتے دیکھے گئے ہین اور ہمارا خیال ہے کہ وہ تمہارا ہی طعام تھا۔ بنو ابیرق نے کہا کہ ہمارے خیال مین چور لبید بن سہل ہے اور یہ شخص ہم مین سے تھا جسکے متعلق صلاحیت اور اسلام بیان کیا جاتا تھا۔ جب لبید نے سنا تو اس نے تلوار کھینچ لی کہ مین اور چوری کرون۔ خدا کی قسم مین تم کو تلوار سے ہلاک کر دونگا ورنہ اس چوری کو کھولو۔ بنو ابیرق نے کہا کہ ہمپر حملہ مت کرو ہم تمکو چور نہین کہتے پھر ہم گھر مین پوچھنے لگے۔ یہانتک کہ ہمین کوئی شک باقی نہ رہا کہ بنو ابیرق نے ہی یہ کام کیا ہے میرے چچا نے مجھے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور آپکے پاس یہ ذکر کرو سو مین آنحضرت کے پاس گیا اور عرض کیا کہ اس طرح سے ہم مین سے کچھ اہل بیت

ہیں جنہوں نے میرے چچا کے مکان میں نقب لگا کر طعام اور ہتھیار نکال لئے ہیں طعام کی تو اب ہمیں حاجت نہیں
لیکن ہمارے ہتھیار ہمیں واپس دیدیں آپنے فرمایا کہ میں غور کرونگا۔ جب بنو ابیرق نے یہ سنا تو ایک آدمی کے پاس آئے
جسکو اسیر بن عروہ کہتے تھے اور اس معاملہ میں اس کے ساتھ گفتگو کی پس چند آدمی اس مکان کے رہنے والوں
میں سے جمع ہو گئے اور کہا کہ یا رسول اللہ قتادہ بن نعمان اور اسکا چچا ہم میں سے چند آدمیوں کو جو اہل صلاح اور مسلمان
ہیں چوری کا الزام لگاتے ہیں اور انکے پاس کوئی دلیل یا ثبوت اس امر کا نہیں ہے۔ قتادہ کہتا ہے پھر میں رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپنے فرمایا کہ کیا تو ان لوگوں پر جنکو اہل صلاح اور مسلمان کہا جاتا ہے بغیر دلیل
اور ثبوت کے چوری کا الزام لگاتا ہے میں واپس آیا اور اپنے چچا کو خبر دی اسنے کہا اللہ ہی مددگار ہے ابھی عرصہ نہ گذرا
تھا کہ قرآن شریف کی یہ آیت نازل ہوئی۔ "انا انزلنا الیک الکتب الآیہ"

اب اس تمام قصہ میں سے پادری مانرو کو چاہیئے کہ وہ الفاظ پیش کرے جہاں رسول خدا کے کسی گناہ کا ذکر
ہے۔ جو کچھ آنحضرت نے کیا واقعات کے ماتحت وہ بالکل حق تھا۔ قتادہ نے اپنے دعوے پر کوئی دلیل پیش نہیں
کی اور نہ ہی وہ اپنے دعوے کو ثابت کر سکا کیونکہ جب آنحضرت نے اس سے ثبوت مانگا تو وہ خاموش ہو کر چلا گیا اور
اس کے چچا نے بھی ثبوت اور شہادت ضروری سے مایوس ہو کر یہی کہا کہ اب اللہ ہی ہماری مدد کریگا۔ بحیثیت
ایک جج کے آنحضرت قتادہ کا دعوے خارج کرنے میں بالکل حق پر تھے کیونکہ اسنے کوئی شہادت پیش نہیں
کی۔ جج کسی مقدمہ کا فیصلہ صرف شہادت کے رو سے ہی کر سکتا ہے اور اگر اس کے سامنے کوئی شہادت نہ ہو تو
وہ دعویٰ کو خارج کر کے انصاف اور حق کی کارروائی کرتا ہے اگر درحقیقت ایسا فیصلہ ٹھیک نہ ہو تو جج قابل
الزام نہیں بلکہ دعویٰ کرنیوالا قابل الزام ہے کہ کیوں اس نے ضروری شہادت پیش نہیں کی۔ اسلئے اگر آنحضرت
کا ارادہ قتادہ کے خلاف فیصلہ کرنے کا تھا بھی تو بھی آنحضرت پر اس میں کوئی الزام نہیں آسکتا۔ یہ کسقدر
بیوقوفی ہے کہ یہ کہا جائے کہ چونکہ ثبوت کے نہ ہونے کی وجہ سے آنحضرت ایک دعوے کو خارج کرنا چاہتے تھے اسلئے
آپ گنہگار ہیں۔ کیا کہیں آپکو خدا نے یہ حکم دیا تھا کہ جس دعوے کی شہادت مدعی پیش نہ کرے اسکا فیصلہ مدعی
کے حق میں دینا چاہیئے۔ انبیاء پر نکتہ چینی کی عادت نے پادری مانرو کو اس بیہودگی کیلئے مجبور کیا ہے ورنہ وہ منہ
سے نکالنے سے پہلے ضرور اس بات کو سوچ لیتا۔

اگر آنحضرت قتادہ کے خلاف فیصلہ کر بھی دیتے تو وہ بالکل حق بجانب ہوتے کیونکہ جج کا کام صرف شہادت
پیش کردہ پر غور کرنا ہے لیکن وحی الٰہی نے فی الفور آپ کو اطلاع دیدی کہ اگرچہ مدعی کے پاس ثبوت کوئی نہیں

لیکن حق پر رہی ہے اس لئے آپنے اسی کے مطابق فیصلہ دیا جو اللہ تعالیٰ نے آپکو دکھایا تھا اور آپ دغابازوں کی طرفدار کبھی نہیں بنے نہ کبھی ایسا ارادہ کیا بلکہ یہ الفاظ کہ لَاتَکُنْ لِّلْخَائِنِیْنَ خَصِیْمًا + آنحضرت کے دل کی اصلی حالت سے آگاہ کرتے ہیں کہ وہ پاکدل کبھی دغابازوں کا طرفدار ہو ہی نہیں سکتا۔ اس طرح پر آیت مذکورہ بالا آنحضرت کے منہ میں یوں ہوگی کہ خدا نے مجھ پر حق کیساتھ یہ کتاب اتاری ہے تا کہ لوگوں کے درمیان میں اسی طرح فیصلہ کروں جس طرح اللہ تعالیٰ مجھے دکھائے۔ اور میں کبھی بھی دغابازوں کا طرفدار نہیں ہونگا۔ ایک سمجھدار آدمی پادری ملر کی تفسیر پر تعجب کریگا کہ کہاں سے گناہ کا نتیجہ نکالا ہے + (باقی آئندہ)

اخبار ایپی فینی

اور

مسلمانوں کا اعتقاد دوزخ کے متعلق

مذہب عیسائی میں کفارہ کے بہانے سے جو آزادی دیگئی ہے وہ کبھی نہ کبھی کسی مسلمان کیلئے باعث ترغیب ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے تمام گناہوں کو خون مسیح میں ڈبو کر بالکل لاپروا ہو جاوے۔ ایک شخص اخبار ایپی فینی میں لکھتا ہوا۔ ۱۸ جولائی کے پرچے میں کہتا ہے کہ قرآن شریف کی یہ تعلیم ہے کہ تمام انسان خواہ نیک اور خواہ بد دوزخ کی آگ میں جلائے جائینگے اور اس سے کفارے کی ضرورت کا نتیجہ نکالا گیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قرآن شریف کی اسی تعلیم نے پادری عماد الدین کے دل پر یہ اثر کیا تھا کہ اسنے اسلام کو چھوڑ کر عیسائی مذہب کو قبول کیا۔ چونکہ پادری صاحب مر چکے ہیں اس لئے ہم اس وقت ان کی تبدیلی مذہب کے وجوہ کو ظاہر نہیں کرتے مگر ہم حیران ہیں کہ اگر بفرض محال یہ صحیح بھی ہو کہ مذہب اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ سب لوگ دوزخ کا مزہ چکھے بغیر نہ رہینگے تو کفارے کی سچائی اس سے کیونکر ثابت ہو سکتی ہے ان باتوں کی کہ "ایک مسیح بہتوں کے گناہ اٹھانے کیلئے بھیجا گیا" یا "خدا نے مسیح میں ہو کر دنیا سے صلح کی" عقلمندوں کے نزدیک ایک دیوانے کی بڑ سے بڑھکر کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ تعجب ہے کہ پادری صاحبان جب کفارے کی گفتگو شروع کرتے ہیں تو کیسی آسانی سے عقل کو لات مار دیتے ہیں اگر کسی مسلمان مفسر نے یہ بیان کیا ہے کہ ان سچے ایمان کی قوت سے آگ انکے لئے ٹھنڈی کر دیجاویگی تو ایپی فینی کا نامہ نگار ہنستا ہے لیکن کفارے کے بے سروپا مسئلہ پر اسے کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا مذہب میں اس قسم کے اصول کہ ایک شخص آکر سب کے گناہ لے گیا اور سب کو فارغ کر گیا سخت نقصان دہ ہیں اور بیقیدی کی زندگی کیطرف انسانوں کو مائل کرتے

ہاہین مگر افسوس تو یہ ہی کہ جب یہ لوگ اپنے آپ کو پاک نہین کر سکتے تو پھر اپنے مسیح مین خدا کو دوزخ مین بھیجنے سے دریغ نہین کرتے اگر یہ مان بھی لین کہ اسلامی تعلیم یہی ہے کہ سب لوگ دوزخ مین جاوینگے تو کیا یہ سچ نہین ہی کہ عیسائی تعلیم نے تمام آدمیون کے علاوہ اپنے خدا کو بھی دوزخ مین بھیجکر اسکو اور بھی بھیانک بنا دیا ہے۔ اگر پادری صاحبان یہ کہین کہ خدا گنہگار و نکے بچانیکے لئے دوزخ مین گیا تو کیون جائز نہین کہ کوئی نیک آدمی اپنے گنہگار بھائیون کو بچانے کے لئے دوزخ مین جائے +

اب ہم اس قرآنی تعلیم کو دیکھتے ہین۔ ابتدا سے ہی اسلام مین کسی کا مذہب یہ نہین ہوا کہ راستباز نار جہنم مین جائینگے آیت اِنْ مِنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا کو قرآن شریف کی اس دوسری آیت کے ساتھ ملاکر پڑھنا چاہئے جسمین لکھا ہی اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی اُولٰئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَھَا وَھُمْ فِیْ مَا اشْتَھَتْ اَنْفُسُھُمْ خٰلِدُوْنَ + لَا یَحْزُنُھُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ وَتَتَلَقّٰھُمُ الْمَلٰئِکَۃُ۔ جسکا ترجمہ یہ ہی کہ یقیناً وہ لوگ جن کیلئے پہلے سے ہی ہمنے نیک بدلہ مقرر کر چھوڑا ہی وہ دوزخ سے بہت دور رہین گے۔ اس کی آہٹ تک بھی نہین سنین گے۔ اور ہمیشہ کیلئے ایسی زندگی بسر کرینگے جو انکے دل چاہتے تھے۔ یہ بڑی گھبراہٹ انکو غم مین نہ ڈالے گی اور فرشتے آگے سے ان کی ملاقات کرینگے"۔ کیا اس سے زیادہ صاف اور واضح الفاظ کیضرورت ہی جن سے ثابت ہو کہ راستباز جہنم مین کبھی نہ جلائے جائینگے۔ اس آیت مین کئی باتین بیان کی گئی ہین۔ اول یہ کہ راستباز دوزخ سے بہت دور رہین گے اور اس لئے اسے دیکھین گے بھی نہین۔ دوسرے یہ کہ وہ اس کی آہٹ کو نہین سنین گے۔ تیسرے یہ کہ اسکے عذاب کو وہ محسوس نہین کرینگے پس جب یہ تینون باتین قرآن کریم کے صاف اور واضح الفاظ سے ثابت ہین تو پھر مفسرین کا اختیار ہے کہ اس آیت کو مدنظر رکھکر اس طرح پر آیت زیر بحث کی تفسیر کرین جو انکی رائے مین ٹھیک ہو۔ ان تفسیرون کو یہ کہنا کہ یہ ایک سخت مشکل کو ٹالنے کیلئے کوششین ہین۔ معترض کی اپنی حماقت ہی۔ قرآن کریم کے معنے کرنے مین مدنظر رکھنا اس امر کا ضروری ہے کہ وہ معنے کسی دوسرے مقام کے مخالف نہ ہون۔ اب جب قرآن شریف صاف صاف کہتا ہی کہ راستباز نہ دوزخ کو دیکھین گے نہ اس کی آواز سنین گے نہ اسکا عذاب چکھینگے تو نیک نیت معترض کو چاہئے کہ اس مقام پر ٹھہر کر پہلے غور کرے کہ اسکا اعتراض کہانتک صحیح ہی۔ لیکن پادری صاحبان اعتراض کرتے وقت کبھی ایمانداری اور نیک نیتی سے کام نہین لیتے۔ وہ اپنے مذہب کے ہر ایک عیب کو چھپانے اور دوسرے مذاہب کو ناحق اعتراضات کا نشانہ بناتے ہین۔ ہم یہ نہین کہتے کہ انھین مفسرین کی ہر ایک رائے کو تسلیم کر لینا چاہئے بلکہ قرآن شریف کے الفاظ پر پوری توجہ کرنی چاہئے اِنْ مِنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا کے معنون مین اگر کوئی مشکل اٹھین

نظر آتی تھی تو چاہئے تھا کہ قرآن شریف کو پڑھکر دیکھتے پھر انہیں معلوم ہو جاتا کہ اس آیت کے معنی کسی صورت میں یہ نہیں ہو سکتے کہ راستباز جہنم مین جلائے جاوینگے اگر معنے کرنیوالے کیلئے اس آیت مین ایک مشکل کا سامنا ہے تو یہ کونسی عجیب بات ہی کیا بائیبل ایسی مشکلات سی خالی ہی اگر نامہ نگار مذکور خیال کرتا ہی کہ واقعی بائیبل مین کوئی ایسی مشکل نہین تو جسقدر مثالین وہ چاہیگا ہم پیش کر دینگے لیکن یہ ہمنے بطریق تنزل مانا ہی کہ اس آیت مین کوئی خصوصیت سے مشکل ہی +

اب ہم اصل الفاظ آیت کو لیکر دکھاتے ہین کہ انکے معنوں مین کوئی بڑی مشکل درپیش نہین - اِنْ مِنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا یعنی تم مین سی کوئی نہین جو اس مین (یعنی دوزخ مین) نہ جائے پس سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہی کہ اس جگہ مخاطب کون لوگ ہین کیا اس سی مراد ساری دنیا ہی - یا صرف بدلوگ یا صرف راستباز اور مومنین - ایپی فینی کی نامہ نگار کا یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ اس سی صرف راستباز ہی مراد ہین - چنانچہ وہ کہتا ہی کہ "دوزخ کیلئے جو لفظ اس آیت مین استعمال کیا گیا ہے وہ جہنم ہی جو مسلمان متکلمین کے نزدیک دوزخ کا وہ طبقہ ہے جہان مسلمانوں کو انکے گناہوں کی سزا بھگتنی ہوگی قبل اسکے کہ وہ جنت مین داخل ہون" پھر اس سی آگے اسکا بیان ہی کہ قرآن سات درجہ دوزخ کے بیان کرتا ہی لیکن خود اُس نے صرف چھ کے نام لئے ہین - امر واقع یہ ہی کہ یہ چھ نام یعنی جہنم - لظی - حطمہ - سعیر - جحیم - اور ہاویہ دوزخ کے ہی الگ الگ نام ہین اور قرآن شریف مین کہین نہین لکھا کہ یہ دوزخ کے طبقوں کے نام ہین جہان الگ الگ قسم کے کافر رکھے جاوینگے - اس سے زیادہ چھ طبقوں کے متعلق (ساتوین کا تو پادری صاحب نام نہین لیتے شاید وہ انہون نے اپنے لئے مخصوص کر لیا ہی) ہم کچھ نہین کہنا چاہتے کیونکہ پادری صاحبان کبھی شرمندہ نہین ہونے خواہ کتنی دفعہ ثابت کیا جاوے کہ وہ قرآن شریف سی محض جاہل ہین اور نہ ہی سمجھ سوچکر اعتراض کرتے ہین - یہان ہماری غرض ناظرین کو اس امر کیطرف توجہ دلانیکی ہی کہ یہ عیسائی نامہ نگار بڑی چالاکی سی یہ بیان کرنا چاہتا ہی کہ اِنْ مِنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا مین جو جہنمی وعید ہے اسمین صرف مسلمان ہی شامل ہین کیونکہ نام صرف جہنم کا لیا گیا ہی جو اسکے نزدیک مسلمانوں کیلئے مخصوص ہے اور باقی حصے جنمین اسکے نزدیک عیسائی - بت پرست - مجوسی یہودی منافق ہونگے - انکا یہان ذکر نہین کیونکہ ان طبقات کے یہان نام بھی موجود نہین ہین اسطرح پر پادری صاحب قرآن شریف سی ثابت کرتے ہین کہ خدا نے اسے اپنے اوپر لازم کر لیا ہی کہ وہ ہر ایک مسلمان کو ضرور ضرور دوزخ مین بھیجیگا البتہ کافروں کو دوزخ مین بھیجنا اس موکد طور پر اس نے اپنے اوپر لازم نہین کیا اس لئے شاید وہ چھوڑ دئے جاوین تو چھوڑ ہی دیئے جاوین - گویا نتیجہ پادری صاحب کے نزدیک یہ ہی کہ ہر ایک مسلمان ضرور دوزخ مین جائیگا اگرچہ کافر ان

مین سے بعض کے بیچ جانیکا امکان ہے بھلا اس سے بڑھکر بھی کوئی کافرون کیلئے اسلام مین داخل ہونیکے واسطے تحریص ہوسکتی تھی۔ پادری ڈبلیو جی صاحب سب سے لائق پادری ہے جو کبھی ہندوستان مین آیا ہو۔ اگر آج یہ پادری صاحب جو اپنی قوم کیلئے جائے فخر ہین ہندوستان مین نہ ہوتے تو یہ عظیم الشان فتح عیسائی مذہب کو اسلام پر کسطرح حاصل ہوسکتی۔ پادری صاحبان کیلئے اس شخص کا وجود اس زمانہ مین غنیمت ہے اور اپنی اس خوش قسمتی پر کہ انکے درمیان ایسا آدمی موجود ہے وہ جتنا ناز کرین کم ہے +

یہ تو ہین ایپی فینی کے نامہ نگار کے توہمات۔ قرآن شریف کو دیکھتے ہین تو اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ اس آیت زیر بحث مین اسکے مخاطب کون لوگ ہین۔ چند آیتین پیچھے یہ آیت ہے۔ وَیَقُولُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا۔ ”اور انسان کہتا ہے کہ کیا جب مین مرجاؤنگا تو اسکے بعد پھر زندہ کرکے اٹھایا جاؤنگا“ مگر ہر ایک انسان تو یہ نہین کہتا۔ آنحضرت اور آپکے صحابہ تو یہ نہ کہتے تھے پس الانسان سے یہان مراد یوم البعث کا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہے۔ چنانچہ اسکے بعد فرماتا ہے ”قسم ہے تیرے رب کی کہ ہم ان (منکرین) کو اور شیطانونکو (جنہون نے انہین گمراہ کیا) اکٹھا کرینگے پھر انکو دوزخ کے گرد گھٹنونکے بل حاضر کرینگے۔ پھر ہم ہر فرقہ مین سے جدا کرینگے جونسا انمین سے سخت اکڑ رحمان سے رکھتا تھا پھر ہمکو خوب معلوم ہے وہ لوگ جو اس مین جلائے جانیکے زیادہ قابل ہین (یعنی جیسا جیسا کوئی رحمان سے زیادہ اکڑ بازی کریگا ویسی ہی سخت سزا اسکو دیجاویگی)“ اسکے بعد وہ آیت آتی ہے یعنی اِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا جو زیر بحث ہے اور پہلی آیتین صاف بتا رہی ہین کہ یہان مخاطب وہی لوگ کئے گئے ہین جن کا پہلے بطور غائب کے ذکر ہے۔ وہی لوگ جنکی نسبت قرآن شریف پہلی آیت مین کہہ چکا ہے کہ انکو گھٹنونکے بل دوزخ کے گرد اکٹھا کیا جاویگا اور یہ منکرین اور شیاطین کا گروہ ہے۔ انہین کو یہ کہا جاتا ہے کہ جسطرح وہ انکار پر سختی سے قائم ہین ویسا ہی یقینی اور مضبوط امر یہ ہے کہ وہ قیامت کو اٹھائے جاوینگے اور انکو انکے بداعمال کی سزا دیجاویگی۔ پس یہ حتمی وعید عذاب کا بھی انہین لوگون کیلئے ہے +

اب چند اعتراضونپر جو ان معنونپر کئے جاتے ہین غور کرنا باقی ہے ان معنونکی تردید مین کہا جاتا ہے کہ اسکے بعد یہ آیت ہے ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا جسکے معنی یہ کئے جاتے ہین کہ اسکے بعد ہم متقیونکو چھوڑ دینگے اور نتیجہ یہ نکالا جاتا ہے کہ اسلئے متقی بھی دوزخ مین رہ چکے ہونگے تو ہی یہ الفاظ انپر صادق آسکتے ہین مگر اسجگہ ثم کے معنی کرنے مین غلطی کیجاتی ہے۔ ثم کے معنی ہمیشہ یہی نہین ہوتے کہ ایک واقعہ جو دوسرے واقعہ سے بعد ہو اسی کیساتھ ثم لگایا جاتا ہے بلکہ ایک بالکل نیا ذکر بھی جو ترتیب مین پیچھے نہین ہوتا ثم سے شروع کردیا جاتا ہے اسکی مثال سورہ انعام مین موجود ہے

آنحضرت کا ذکر کرتے کرتے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ کوئی سمجھدار آدمی اسکے یہ معنی نہین کریگا کہ اسکے بعد (یعنی آنحضرت کے بعد) ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔ بلکہ یہان صاف معنے یہ ہین کہ اب ہم ایک نیا ذکر شروع کرتے ہین کہ ہمنے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی یا جیسا کہا جاتا ہے کہ اور سنو۔ ایسا ہی اس جگہ بھی ہے۔ لفظ نُنَجِّی سے بھی یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ وہ عذاب مین گرفتار ہو چکے ہونگے اور پھر انکو نجات دیجاویگی بلکہ اسکے معنی صرف یہ ہین کہ انکو دوزخ سے بچایا جاویگا۔ قرآن شریف مین اسکی مثالین موجود ہین جب فرشتے لوط کے پاس آئے ہین تو وہ کہتے ہین اِنَّا مُنَجُّوْکَ وَاَہْلَکَ اسکا یہ مطلب نہین کہ تھوڑے سے عذاب مین تمکو گرفتار کرکے اسکے بعد چھوڑ دینگے بلکہ یہ کہ ہم اس عذاب سے جو مجرمین پر آنیوالا ہے تمکو بالکل بچا لینگے ایسا ہی ان الفاظ سے کہ وَنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْہَا جِثِیًّا "اور ظالموں کو اسکے اندر ہم گھٹنوں کے بل چھوڑ دینگے"۔ یہ نتیجہ نکالنا کہ متقی گھٹنونکے بل دوزخ مین نہین چھوڑے جاوینگے اور پھر ان الفاظ سے یہ مطلب نکالنا کہ وہ دوزخ مین ڈالکر نکالے جاوینگے اور اس طرح پر چھوڑنے کا لفظ انپر صادق آئیگا۔ محض خیالات اور توہمات ہین۔ حق بات یہ ہے کہ اسجگہ متقیون اور ظالمون کا ذکر پہلو بہ پہلو کرکے انکی حالتون کا مقابلہ کیا گیا ہے کہ ایک گروہ متقیون کا ہے جو نجات پائیگا اور دوسرا گروہ ظالمونکا ہے جو گھٹنونکے بل دوزخ مین چھوڑا جاوے گا۔ اسکی مثالین بھی بکثرت قرآن شریف مین موجود ہین چنانچہ اسی سورت مین آگے چلکر فرماتا ہے۔ یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَہَنَّمَ وِرْدًا۔ "اسدن ہم متقیون کو رحمن کے پاس مہمانونکی طور پر اکٹھا کر لاوینگے اور مجرمونکو جہنم کیطرف پیاسے ہانک لیجاوینگے"۔ ایسا ہی سورہ زمر مین فرماتا ہے وَسِیْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی جَہَنَّمَ زُمَرًا... وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّہُمْ اِلَی الْجَنَّۃِ زُمَرًا۔ "اور کافر جہنم کیطرف گروہ کے گروہ کرکے ہانکے جاوینگے اور راستباز جنت کیطرف گروہ کے گروہ کرکے بلائے جاوینگے"۔ یہان بھی وہی مقابلہ متقیون اور کافرونکا دکھایا گیا ہے جو آیت زیر بحث کی مابعد کی آیت مین ہے۔ ان سب آیتون مین یہ صاف طور پر دکھایا گیا ہے کہ متقی اور کافر دو مختلف سمتون مین چلائے جائینگے ایک جنت کیطرف اور دوسرے جہنم کیطرف +

بالآخر ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہین کہ اگر خطاب اِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُہَا مین کل دنیا کو ہو تو وہ معنی جو محقق مسلمان مفسرین نے کئے ہین انپر کسی اعتراض کی گنجائش نہین۔ پادری صاحبانکو ہم یہ نصیحت کرتے ہین کہ وہ قرآن شریف پر ذرا زیادہ غور کرنیکی عادت ڈالین اندھا دھند اعتراض کرنیسے آخر انھین خود ہی شرم اٹھانی پڑتی ہے یہ بھی انھین سمجھ لینا چاہیے کہ ان ٹک بازیونسے کفارہ کا مسئلہ حل نہین ہو جاویگا۔ انکو چاہیے کہ اگر وہ واقعی سچائی کے طالبونکی طرح کفارہ کے مسئلہ کے سمجھنے کیلئے کوئی راہ کھولنا چاہتے ہین تو اسے عقلی دلائل کے ساتھ پیش کرین +

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۲

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۳ء نمبر ۹

فہرست مضامین

انجمن اشاعت اسلام قادیان نے انوار الاسلام پریس قادیان دار الامان میں باہتمام منشی محمد فضل احمدی

۲۰ ستمبر ۱۹۰۳ء کو چھپوا کر شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

عیسائی مذہب پر ایک خاص ریویو

از حضرت مسیح موعودؑ

ا۔ تثلیث
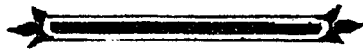
عیسائی مذہب کے حامی اس زمانہ میں عصمت مسیح اور کفارہ خون مسیح کا مسئلہ پیش کر کے یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ گویا تمام مدار نجات اسی پر ہے کہ مسیح ابن مریم کو خدا تعالیٰ کا بیٹا مان لیا جائے جو گناہوں سے پاک ہے اور انسانوں کی رہائی کیلئے مصلوب ہو چکا ہے۔ لیکن سچ بات یہ ہے کہ اب وہ زمانہ گذر گیا ہے کہ لوگ ان مصنوعی باتوں سے کچھ تسلی پا سکیں بلکہ سچائی کے پوشیدہ چشمے اب ایسے زور سے پھوٹ رہے ہیں کہ بند کرنا ان کا غیر ممکن ہے۔ بہتر تو یہ تھا کہ یہ لوگ اب تثلیث اور کفارہ کو الوداع کہتے اور ان سچائیوں کا مقابلہ نہ کرتے۔ جو ایک فوج کی طرح آسمان سے اتر رہی ہیں۔ تعجب تو یہ ہے کہ پادری صاحبان ان سخت نامعقول باتوں سے گھبراتے نہیں ہیں جنکو زمانہ دھکے دے رہا ہے۔ جن لوگوں کی قدیم کتابوں کی بنا پر یہ لوگ ایک عاجز انسان کو خدا بنانا چاہتے ہیں یعنی یہودی جو اصل وارث بائیبل کے ہیں وہ انکے عقیدہ سے بیزار دل بیزار ہیں اور یہ بات خود سمجھ نہیں آسکتی کہ اگر درحقیقت یہودیوں کو مسلسل طور پر نبیوں

اور خدا کی مقدس کتابوں کے وسیلہ سے یہی تعلیم ملتی آئی تھی کہ خدا درحقیقت تین ہیں جنمیں سے ایک مریم کا بیٹا ہے تو اس صاف اور صحیح تعلیم سے انہوں نے وقت پر انکار کیوں کیا اور کیوں انکار پر اتفاق ہو گیا۔ کیا یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ چودہ سو برس تک یہودی اس اعتقاد پر جمے رہے کہ خدا تین ہیں اور نجات خون مسیح پر موقوف ہے اور پھر حضرت مسیح کے ظاہر ہونے سے انہوں نے اس پورانے اعتقاد سے انکار کر دیا۔ اور اسقدر لمبے زمانہ تک جو تعلیم ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی تھی اس کو وہ یکلخت بھول گئے ہاں یہ ممکن تھا کہ وہ ابن مریم کو خدا نہ ٹھہراتے اور آئندہ کسی اور خدا کے منتظر رہتے جو تین میں سے ایک ہوتا اور کسی عورت کے پیٹ میں سے پیدا ہونیوالا ہوتا۔ مگر یہ ہرگز ممکن نہ تھا کہ وہ ایسی متوارث اور مسلسل تعلیم کو بھول جاتے جو ان کی نجات کا مدار تھی اور جو برابر نبیوں کے ذریعہ سے چودہ سو برس تک انکو دی گئی تھی اور بجائے اسکے ایک ایسی توحید پر جم جاتے جو قرآنی توحید کے موافق ہے۔ اس بات کو تو کوئی عقل قبول نہیں کریگی کہ درحقیقت یہ تعلیم تین خدا والی توریت اور دوسرے نبیوں کے صحیفوں میں موجود ہے کیونکہ اگر یہ سچ ہے کہ یہی تعلیم توریت کی ہے اور ہمیشہ اسرائیلی نبی یہی تعلیم اپنی اُمت کو ہر ایک زمانہ میں دیتے رہے تھے اور ان کے بچوں کو یہی تعلیم مدارس میں سکھلائی جاتی تھی کہ تمہارا خدا عیسےٰ ہے جو ایک عورت مریم نام کے پیٹ سے پیدا ہوگا تو پھر ہمیں ایک ایسے تواتر سے انکار کرنا پڑیگا جو اجلی بدیہیات کیطرح روشن ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ قدیم سے یہودی اپنی تالیفات اور تفسیرات کے ذریعہ سے یہی شہادت دیتے آئے ہیں کہ انکا خدا واحد لاشریک ہے۔ اور بیٹے سے پاک ہے۔ اور جو کوئی عورت سے پیدا ہوا ہو وہ خدا نہیں پھر جس حالت میں بقول عیسائیاں ہر ایک نبی انکو تثلیث کی تعلیم دیتا آیا ہے تو وہ کتابیں ان کی کہاں گئیں جنمیں انہوں نے گواہی دی کہ ہمیں یہی تعلیم ملی تھی اور ایسی کھلی کھلی تعلیم کیونکر چھپ گئی حالانکہ خدا نے نبیوں کے بھیجنے میں کچھ فرق نہیں کیا تھا اور موسےٰ سے یحییٰ یعنی یوحنا نبی تک متواتر نبی آئے اور ان کا اصل کام یہی تھا کہ وہ تعلیم جو مدار نجات ہے یہودیوں پر ظاہر کریں پس انہوں نے کیا ظاہر کیا۔ پس اس بات میں کچھ بھی کلام نہیں کہ جس تعلیم کو توارث کے طور پر یہودی پاتے آئے ہیں وہ توحید ہی ہے۔ جیسا کہ یہودی آجتک یہی کہتے ہیں اور ہمنے خود ان کے فاضل اور اہل علم اور بڑے بڑے نامی سرگروہوں سے دریافت کیا وہ بالاتفاق تثلیث کو کفر جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ درحقیقت ہمیشہ سے توحید کی تعلیم انکو ملتی رہی ہے۔ اور توریت اور دوسری کتابوں کے تعلیمی حصہ کے جس طور سے قدیم زمانہ سے یہودی معنے کرتے آئے ہیں وہی معنے درست ہیں ہاں ممکن بلکہ قریب قیاس ہے کہ وہ پیشگوئیاں جو آنیوالے زمانہ میں نبیوں کے حق میں تھیں کہ وہ ظاہر ہونگے

ان میں سے بعض کا مصداق مقرر کرنے میں غلطی ہو گئی ہو کیونکہ پیشگوئیوں کی تفہیم اکثر اجمالی ہوتی ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک نبی پیشگوئی کرنیوالا بھی اسکی تفصیل بیان کرنے سے عاجز ہوتا ہے کیونکہ وہ علم غیب ہے اور بجز خدا تعالی کے کسی کا اسپر احاطہ نہیں اور نہ خدا تعالی پر واجب ہے کہ قبل از وقت اسکی تفصیل بیان کردے ہر ایک چیز کا پورا ظہور خدا نے وقت پر رکھا ہوا ہے پس قبل از وقت کسی پیشگوئی کے معنے سمجھنے میں احتمال خطا کا رہتا ہے لیکن تعلیم جو مدار نجات ہے وہ اصل فرض نبی کا ہوتا ہے اسکو ہمیشہ خدا کے نبی کھولکر سمجھاتے ہیں اور اسی غرض سے بنی اسرائیل میں کثرت سے نبی آئے تا تعلیم کو بار بار بیان کرکے دلوں میں منقوش کر دیں۔

ہاں اگر موجودہ انجیلوں پر اعتبار کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح نے اپنے تئیں خدا کے بیٹوں میں شمار کیا ہے لیکن قطع نظر اس سے کہ یہ انجیلیں بباعث کثرت تحریف ایک ردی کی طرح ہیں اس قسم کے خطاب خدا تعالی کیطرف سے نبیوں کیلئے کوئی نئی بات نہیں تمام اسرائیلی نبی خدا کے بیٹے ہی کہلاتے رہے۔ مسیح ابن مریم میں کوئی ایسی بات نہیں کوئی ایسا معجزہ ہے جس سے اسکی خدائی ثابت ہو سکے۔ اور انسانیت کے لوازم اسمیں اسقدر ہیں جیسا کہ انسانوں میں ہوتے ہیں مخلوق کی سب سے بڑھکر علامت اسکی موت ہے سو مسیح مر بھی گیا مگر پھر بھی نادانوں نے اسکو خدا بنا لیا عقل اس بات کو کسطرح سمجھ نہیں سکتی کہ خدا ہو اور پھر مر جائے اور باوجودیکہ تینوں خدا ایک ہیں پھر اسکے کیا معنے ہیں کہ انمیں سے ایک خدا مر جائے اور باقی دو زندہ رہیں بلکہ تینوں میں سے ایک کا مرجانا باقی دو کی موت کو بھی مستلزم ہے اور پھر کس طرح ممکن ہے کہ خدا کا درحقیقت بیٹا ہو اور پھر کہے کہ میں جو ابن اللہ ہوں مجھے قیامت کی خبر نہیں عجب ہے کہ خدا ہو اور پھر جاہل اور بیعلم۔ علاوہ اسکے یہ بات بھی وجوہات مندرجہ ذیل سے غلط ثابت ہوتی ہے کہ مسیح ابن مریم مرکر زندہ ہو گیا تھا اور پھر آسمان پر چلا گیا تھا بلکہ وہ صلیب پر نہیں مرا +

۲- مسیح صلیب پر نہیں مرا

اول انجیل کے دو مقام پر غور کرنے سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح سولی پر ہرگز نہیں مرا چنانچہ ایک جگہ مسیح خود اپنے قصہ کو یونس بن متی کے قصہ سے مشابہت دیتا ہے بلکہ اس قصہ کو بطور نشان کے قرار دیتا ہے اب ظاہر ہے کہ یونس مچھلی کے پیٹ کے اندر نہیں مرا تھا اور نہ مردہ ہونے کی حالت میں شکم ماہی میں داخل ہوا تھا تو پھر اگر فرض کیا جائے کہ مسیح مردہ ہونیکی حالت میں قبر میں داخل ہوا تھا تو یونس کے قصہ سے اس کے قصہ کو کسی طرح مشابہت نہیں رہتی پس یہ مثال جو اپنے لئے مسیح نے پیش کی ہے ایک دانشمند کیلئے بشرطیکہ

اسکی عقل کسی تعصب یا عادت کے نیچے دبی ہوئی نہ ہو مسیح کیطرف سے ایک صاف گواہی ہے کہ وہ سولی پر نہیں مرا تھا اور قبر میں زندہ داخل ہؤا تھا جیسا کہ یونس بھی مچھلی کے پیٹ میں زندہ ہی داخل ہؤا تھا اور یونس نبی پر جو ابتلا آیا تھا اصل جڑھ اسکی وہ پیشگوئی تھی جو قوم کی نسبت اس نے کی تھی یعنی یہ کہ چالیس دن کے اندر اُن پر عذاب نازل ہوگا اور وہ عذاب اُن پر نازل نہ ہؤا اسلئے یونس کے دل پر اس سے بہت صدمہ پہنچا کہ اسکی پیشگوئی غلط نکلی اور وہ قوم سے ڈر کر کسی دوسرے ملک کیطرف بھاگ گیا۔ اسی طرح مسیح ابن مریم پر جو ابتلا آیا اسکی جڑھ بھی اسکی وہ پیشگوئی تھی جو قوم کی نسبت اس نے کی تھی یعنی یہ کہ وہ اس قوم پر حکمران اور بادشاہ ہو جائیگا اور داؤد کا تخت اسے ملیگا مگر وہ پیشگوئی ان معنوں کے رو سے جو مسیح نے سمجھی پوری نہ ہوئی اور غلط نکلی اسلئے مسیح کو اسکی وجہ سے بہت صدمہ پہنچا اور وہ جیسا کہ اس نے انجیل میں اشارہ کیا ہے ارادہ رکھتا تھا کہ یونس کی طرح کسی اور ملک کی طرف بھاگ جائے کیونکہ اس نے کہا کہ نبی بے عزت نہیں مگر اپنے وطن میں پس اسکے دل میں تھا کہ کسی اور جگہ ہجرت کرکے عزت پاوے اور ہجرت انبیاء علیہم السلام کی سنت میں سے بھی ہے لیکن چونکہ کسی قدر قوم کے ہاتھ سے دکھ اُٹھانا اسکی قسمت میں تھا اسلئے اس ارادہ کے پورا کرنیکے پہلے ہی پکڑا گیا اور سولی پر کھینچا گیا مگر جیسا کہ یونس کے قصہ خیال سے سمجھا جاتا ہے خدا نے اسکو اس موت سے بچالیا اور اسکی دُعا کو جو باغ میں کی تھی اسکے تقویٰ کی وجہ سے قبول کیا۔ تب اسنے اپنے اس ارادہ کو پورا کیا جو اسکے دل میں تھا اور دوسری گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں وہ دُور دراز ملکوں کیطرف نکل گیا اسی وجہ سے اسکا یسوع آسف نام ہؤا یعنی گمشدہ قوم کو تلاش کرنیوالا۔ پھر کثرت استعمال سے یہ لفظ یوز آسف کے نام سے مشہور ہوگیا۔ غرض یونس نبی سے مسیح کی یہی مماثلت تھی کہ وہ زندگی کی حالت میں ہی یونس کیطرح قبر میں داخل ہؤا اور نیز قوم کے ڈر سے دوسرے ملک کیطرف بھاگا۔ اگر اس مماثلت کو قبول نہ کیا جائے تو پھر مسیح کا بیان خلاف واقع ٹھہرتا ہے اور نیز بجائے مماثلت کے منافات ثابت ہوتی ہے اور مماثلت کے قبول کرنے سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا +

پھر دوسری دلیل اس بات پر کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ اسکی وہ دعا ہے جو اسنے باغ میں نہایت تضرع اور عاجزی سے کی تھی جس کا مفصل ذکر انجیلوں میں موجود ہے اور میں ہرگز سمجھ نہیں سکتا کہ اس قسم کی دُعا کہ مسیح جیسا ایک راستباز ساری رات کرے اور گریہ اور زاری اور تضرع کو انتہا تک پہنچا دے تب بھی وہ دعا قبول نہ ہو۔ دعا کا مطلب صرف تھا کہ وہ سُولی سے بچایا جائے کیونکہ یہودیوں نے یہ سوچا تھا کہ مسیح کو سُولی دیکر یہ امر لوگوں کے ذہن نشین کریں کہ وہ نعوذ باللہ صادق نہیں ہے اور ان کاذبوں میں سے ہے جن پر

خُدا کی لعنت ہے یہی غم تھا جس کی وجہ مسیح نے ساری رات دعا کی تھی ورنہ اسکو موت کا کوئی غم نہ تھا اور ایسی حالت میں ضروری تھا کہ خدا تعالےٰ مسیح کی بریت کے لئے اسکی دعا منظور فرماتا سو وہ دعا منظور کیگئی۔ چنانچہ انجیل میں صریح الفاظ میں اسکا ذکر ہے کہ مسیح رات کو روتا رہا اور وہ جناب الٰہی میں چیخیں مارتا رہا اور ساری رات اسکے آنسو جاری رہے پس اسکے تقوےٰ کی وجہ سے وہ دُعا قبول کیگئی دیکھو عبرانیوں ۵ اس مقام میں عیسائیوں کی عقل اور سمجھ پر بہت سخت تعجب ہے کہ جس حالت میں انجیل خود گواہی دیتی ہے کہ باغ والی دُعا قبول کیگئی تو پھر قبول ہونیکے بجز اسکے اور کیا معنے ہیں کہ وہ صلیبی مرنے سے بچایا گیا۔

پھر تیسری دلیل اس بات پر کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا اسکا زندہ دیکھا جانا ہے یعنی وہ بعد صلیب کے اپنے حواریوں کو ملا اور اپنے زخم دکھلائے اور ان کیساتھ گلیل کیطرف گیا اس جگہ عقل کو اس فتوے کیلئے کوئی راہ نہیں کہ وہ مر کر پھر زندہ ہو گیا کیونکہ یہ امر غیر معقول اور سخت بعید از قیاس ہے جو بودی اور کمزور شہادتوں سے ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ عقل کیلئے سہل طریق یہی ہے کہ صلیب پر اسکی جان نہیں نکلی تھی جیسا کہ اس سے پہلے بھی ایسے اتفاق کئی ہوئے تھے کہ بعض آدمی صلیب پر نہیں مرے تھے۔ پس طریق معقول کو چھوڑ کر طریق نامعقول کو اختیار کرنا سراسر سچائی سے دشمنی اور جہالت سے دوستی ہے اگر مسیح نئے سرے زندہ کیا جاتا تو اسکو توم کا کچھ خوف نہ ہوتا کیونکہ جس خُدا نے اسکو مار کر پھر زندہ کیا وہ خدا اسکو ضرور بچاتا اور اسکا یقین بڑھ جاتا۔ پھر اسکے کیا معنے ہیں کہ مسیح دوبارہ زندگی کے بعد بھی یہود سے ڈرتا رہا کہ مجھے پکڑ نہ لیں اور اپنے شاگردوں کو منع کرتا رہا کہ یہود کو میری اطلاع نہ ہو ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ پھر آ کر مجھے پکڑ لیں۔ پھر عجیب در عجیب یہ بات ہے کہ مسیح کو دوبارہ خدا نے زندہ تو کیا مگر اسکے زخموں کے اچھا کرنے پر وہ قادر نہ ہو سکا اور آخر اچھا کرنے کے لئے اس مرہم کی حاجت پڑی جو آجتک مرہم عیسےٰ کے نام سے مشہور چلی آتی ہے۔

پھر چوتھی دلیل اس بات پر کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا نسخہ مرہم عیسیٰ ہے جو طب کی کتابوں میں جو ہزار کے قریب ہیں بلکہ غالباً اس سے زیادہ ہونگی ابتک پایا جاتا ہے موجود ہے اور یہ کتابیں یونانی رومی عبرانی فارسی میں موجود ہیں اور اس زمانہ سے عیسوی تاریخ کی دوسری صدی تک ان کتابوں کا پتہ ملتا ہے۔ اس نسخہ مرہم عیسےٰ کی نسبت طبیب لوگ یہ لکھتے چلے آئے ہیں کہ یہ مرہم حواریوں نے عیسےٰ کیلئے تیار کی تھی اور چونکہ اس مرہم کے فوائد میں یہ لکھا ہے کہ وہ چوٹوں کے لئے بہت مفید ہے اور زخم کو اچھا کرتی ہے اور خون جاری کو بند کرتی ہے پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ مرہم حضرت مسیح کی اُن چوٹوں کیلئے تیار کیگئی تھی جو صلیب سے اسکو پہنچی تھیں یہ شہادت یعنی نسخہ مرہم عیسےٰ بڑی توجہ کے لائق ہے کیونکہ علمی کتابوں میں یہ درج ہے

اور ہزارہا طبیب اس کی تصدیق کرتے آئے ہیں۔

پھر پانچویں دلیل اس بات پر کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ نقودیموس کی انجیل ہے جو لنڈن میں بزبان انگریزی سنہ ۱۸۲۰ء میں چھپی تھی اس انجیل کے دسویں باب میں لکھا ہے کہ رومی سپاہیوں نے یہودیوں کو کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم نے یوسف کو جس نے یسوع کی نعش کو کفنایا تھا ایک کوٹھہ میں بند کیا ہے جس کی کلید مہر بند کر کے رکھی تھی اور جب تم نے اس کوٹھہ کو کھولا تو یوسف کو تم نے نہ پایا۔ ہمکو یوسف کو دو جس کو تم نے ایک کوٹھہ میں بند کیا تھا تو ہم تم کو یسوع کو (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو) دیدیں گے جس کی ہم نے قبر میں حفاظت کی تھی یہودیوں نے جواب دیا کہ ہم ہمکو یوسف کو دیدینگے تم ہمکو یسوع کو دو۔ یوسف اپنے شہر اری ماتھیا میں ہے۔ سپاہیوں نے جواب دیا کہ اگر یوسف اری ماتھیا میں ہے تو یسوع گلیل میں ہے۔ اس لفظ میں صریح اشارہ ہے کہ یسوع یعنی حضرت عیسیٰ صلیب سے بچکر اپنے شہر گلیل میں چلا گیا تھا۔ اور اس انجیل پر کچھ موقوف نہیں مروجہ چار انجیلوں پر غور کر کے بھی اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ مسیح قبر سے نکل کر گلیل کیطرف گیا تھا پس ایک امر قریب القیاس کو چھوڑ کر جو صاف اور سیدھے طور پر معلوم ہو رہا ہے ایک اعجوبہ بعید از قیاس بنانا اور مسیح کو مار کر پھر اسکو زندہ کرنا ایک ایسا بیہودہ خیال ہے کہ کوئی عقلمند اسکو قبول نہیں کریگا کیوں نہ یہ بات نہ مان لیجائے کہ یسوع مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ اور مرنے کے اسباب بھی پیدا نہیں ہوئے تھے نہ اسکی ٹانگیں توڑی گئیں اور نہ وہ بہت دیر تک صلیب پر رکھا گیا پھر کچھ تعجب کی بات نہیں تھی کہ وہ صلیب پر نہ مرتا بلکہ تعجب کی بات یہ تھی کہ باوجود ٹانگیں نہ توڑنے کے وہ صرف تین چار گھنٹہ کی مدت میں صلیب پر مرجاتا۔ اس واقعہ کی نظیر کسی مصلوب میں نہ پاؤگے کہ وہ باوجود ٹانگوں کے نہ توڑنے کے اس قدر جلد مر گیا۔ قیاس تو یہ چاہتا تھا کہ خدا کی جان بہ نسبت انسان کی جان کے بہت دیر کے بعد نکلتی۔ کیونکہ جس قدر خدا اور انسان میں فرق ہے اسیقدر ان کے مرنے میں بھی فرق ہونا چاہئے پس یہ کیا بات ہے کہ انسانوں کی تو صلیب پر چھ چھ سات سات دن کے بعد جان نکلے اور وہ جو خدا کہلاتا تھا جس نے اپنی قوی طاقتوں سے دنیا کو نجات دینا تھا وہ تین چار گھنٹہ میں مر جائے۔ اور یہ جواب صحیح نہیں ہے کہ کہ اگرچہ وہ خدا تھا لیکن تمام دنیا کے گناہ جو یکدفعہ اکٹھے ہو کر اسکی گردن پر پڑے اسلئے وہ کمزور ہو گیا اور ان گناہوں کے بوجھ کی برداشت نہ کر سکا۔ اسلئے وہ جلد تر مر گیا۔ کیونکہ اگر وہ گناہوں کے بوجھ کی برداشت نہیں کر سکتا تھا تو کیوں اس نے ایسی فضولی کی کہ میں برداشت کر لوں گا۔ اور کیوں اس نے کہا کہ میں تمام دنیا کے گناہ اپنے سر پر لے سکتا ہوں جس حالت میں گناہ غالب رہے

جنہوں نے بہت جلد اسکو ہلاک کر دیا اسلئے قوی طاقت کے لحاظ سے گناہ قابل تعریف ہیں کہ یسوع مسیح کہ جو ایسا جلد ان کے نیچے دب کر مر گیا جیسا کہ ایک کمزور بچہ تھوڑے سے صدمہ سے مر جاتا ہے۔ بہرحال یہ عجیب بات ہے کہ خدا پر گناہ غالب آ گئے یہانتک کہ ان گناہوں نے صرف تین گھنٹوں تک اسکا کام تمام کر دیا۔ ایسے کمزور خدا پر ایمان لانا جسکی موت کا باعث اسکی کمزوری ہے۔ اگر بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ تو پادری صاحبوں کا عجیب عقیدہ ہے مگر ان کی انسکلوپیڈیا جلد ۱۳ صفحہ ۶۶۹ میں لکھا ہے کہ مسیح نے واقعہ صلیب کے بعد دس دفعہ لوگوں سے ملاقات کی اور وہ صرف تین گھنٹہ تک صلیب پر رہا تھا اب اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ ضرور صلیب سے زندہ بچ گیا جیسا کہ اس سے پہلے بھی وہ یہودیوں کے حملوں سے بچتا رہا۔

پھر چھٹی دلیل اس بات پر کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا یہ ہے کہ عیسائی فرقوں میں سے بعض فرقے خود اس بات کے قائل ہیں کہ مسیح کی آمد ثانی الیاس نبی کیطرح بروزی رنگ میں ہوگی نہ کہ حقیقی یعنی اسکی خو اور صفت پر کوئی اور آجائیگا کیونکہ وہ مر چکا ہے۔ چنانچہ نیو لائف آف جیزس جلد اول صفحہ ۴۱۲ مصنفہ ڈی ایف سٹراس میں عبارت ہے جسکا ترجمہ ذیل میں لکھا جاتا ہے اور وہ یہ ہے:۔

(جرمن کے بعض عیسائی محققوں کی راے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا)

جرمن کے محقق عیسائی یہ دلائل دیتے ہیں کہ اگرچہ صلیب کے وقت ہاتھ اور پاؤں دونوں پر میخیں ماری جائیں پھر بھی بہت تھوڑا خون انسان کے بدن سے نکلتا ہے اس واسطے صلیب پر لوگ رفتہ رفتہ اعضاء پر زور پڑنے کے سبب تشنج میں گرفتار ہو کر مر جاتے ہیں یا بھوک سے مر جاتے ہیں پس اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ قریب چھ گھنٹے صلیب پر رہنے کے بعد یسوع جب اُتارا گیا تو وہ مرا ہوا تھا تب بھی نہایت ہی اغلب بات یہ ہے کہ وہ صرف ایک موت کی سی بیہوشی تھی اور جب شفا دینے والی مرہمیں اور نہایت ہی خوشبودار دوائیاں ملکر اسے غار کی ٹھنڈی جگہ میں رکھا گیا تو اسکی بیہوشی دور ہوئی۔ اس دعوے کی دلیل میں عموماً یوسفس کا واقعہ پیش کیا جاتا ہے جہاں یوسفس نے لکھا ہے کہ میں ایکدفعہ ایک فوجی کام سے واپس آرہا تھا تو راستہ میں میں نے دیکھا کہ کئی ایک یہودی قیدی صلیب پر لٹکے ہوئے ہیں انمیں سے میں نے پہچانا کہ تین میرے واقف تھے۔ پس میں نے ٹیٹس (حاکم وقت) سے انکے اُتار لینے کی اجازت حاصل کی اور انکو فوراً اُتار کر انکی خبر گیری کی تو ایک بالآخر تندرست ہو گیا

پر باقی دو مر گئے +

اور کتاب ماڈرن ڈوٹ اینڈ کرسچن بلیف کے صفحہ ۴۵۵ - ۴۵۷ میں یہ عبارت ہے جس کا ذیل میں ترجمہ لکھا جاتا ہے:-

شلیر میخر اور نیز قدیم محققین کا یہ مذہب تھا کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا بلکہ ایک ظاہرا موت کی سی حالت ہوگئی تھی اور قبر سے نکلنے کے بعد کچھ مدت تک اپنے حواریوں کے ساتھ پھرتا رہا اور پھر دوسری یعنی اصل موت کے واسطے کسی علیحدگی کے مقام کی طرف روانہ ہو گیا +

ایسا ہی کتاب سپر نیچرل ریلجن کے صفحہ ۵۷۰ پر لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ پہلی تفسیر جو بعض لائق محققین نے کی ہے وہ یہ ہے - کہ یسوع دراصل صلیب پر نہیں مرا بلکہ صلیب سے زندہ اُتار کر اسکا جسم اسکے دوستوں کے حوالہ کیا گیا اور وہ آخر بچ نکلا - اس عقیدہ کی تائید میں یہ دلائل پیش کئے جاتے ہیں کہ اناجیل کے بیان کے مطابق یسوع صلیب پر تین گھنٹے یا زیادہ سے زیادہ چھ گھنٹے رہ کر فوت ہوا - لیکن صلیب پر ایسی جلدی کی موت کبھی پہلے واقع نہیں ہوئی تھی - یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ صرف اسکے ہاتھوں پر میخیں لگائی گئی تھیں اور پاؤں پر نہیں تھیں چونکہ یہ عام قاعدہ نہ تھا کہ ہر ایک مصلوب کی ٹانگ توڑی جاوے اسواسطے تین انجیل نویسوں نے تو اسکا کچھ ذکر بھی نہیں کیا اور چوتھے نے صرف اپنی کسی خاص غرض کی تکمیل کیلئے اسکا ذکر کیا ہے اور جہاں ٹانگ توڑنیکا ذکر نہیں ہے تو ساتھ ہی برچھی کا واقعہ بھی کالعدم ہو جاتا ہے پس ظاہرا موت جو واقع ہوئی وہ ایک سخت بیہوشی تھی جو کہ چھ گھنٹے کے جسمانی اور دماغی صدموں کے بعد واقع ہوئی اور اسکے علاوہ گذشتہ شب بھی بیداری اور تکالیف میں گذری تھی - جب اسے کافی صحت پھر حاصل ہو گئی تو اپنے حواریوں کو پھر یقین دلانے کے واسطے کئی دفعہ ملا لیکن یہودیوں کے ڈر سے وہ بڑی احتیاط سے نکلتا تھا - حواریوں نے یہی سمجھا کہ وہ مر کر زندہ ہوا ہے اور چونکہ موت کی سی بیہوشی تک پہنچکر وہ پھر بحال ہوا* - اسلئے ممکن ہے کہ اس نے

*کفر ورجس نے شنٹوڈ کے اس مسئلہ کی نہایت قابلیت کے ساتھ تائید کی ہے لکھتا ہے کہ یہود کے حکام کے درمیان یسوع کے مرید تھے جو کہ اسکو اگرچہ عوام کی مخالفت سے بچا نہ سکتے تھے تاہم انکو امید تھی کہ ہم جیسے اسکو بچا لینگے - یوسف ایک دولتمند آدمی تھا اور اسکو مسیح کے بچانے کے وسائل ملگئے - نئی قبر بھی عین مقام صلیب کے قریب ہی اس نے بنا رکرالی اور جسم بھی پیلاطوس سے مانگ لیا - اور نقودیمس یہودیوں کی توجہ ہٹانے کیلئے بہت سارے مصالح خرید لایا اور یسوع کو جلدی سے قبر میں رکھا گیا اور ان لوگوں کی سعی وہ بچ گیا کفر ورنے یوحنا ۲۰ کی عجیب تفسیر کی ہے اور اس فقرے کی "میں ابھی باپ پاس نہیں گیا" صرف نامراد لیا ہے - (بقیہ دیکھو صفحہ ۳۴۷)

اس نے خود بھی یہی خیال ...ر کہ پھر زندہ ہُوا ہوں۔ اب جب اُستاد نے دیکھا کہ اس ظاہری موت نے میرے کام کی تکمیل کر دی ہے تو پھر وہ کسی نامعلوم تنہائی کی جگہ میں چلا گیا! ور مفقود الخبر ہو گیا +

ایسا ہی مشہور و معروف بٹن اپنی کتاب میں لکھتا ہے (لائف آف جیزس صفحہ ۲۶۹) یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یسوع کی موت کی اصلیت کی نسبت بہت شکوک پیدا ہو گئے تھے جو لوگ صلیب پر موت کو دیکھنے کے عادی تھے وہ کبھی اس بات کو تسلیم کر ہی نہ سکتے تھے کہ چند گھنٹے صلیب پر رہکر جیسا کہ یسوع رہا موت واقع ہو سکتی ہے وہ بہت ساری مثالیں مصلوب آدمیوں کی پیش کرتے تھے جنکو وقت پر صلیب سے اُتارا گیا تو آخر کار علاج کرنے سے وہ بالکل شفایاب ہو گئے۔ آری گن کا (ابتدائی زمانہ کا ایک مشہور عیسائی فاضل) کچھ عرصہ بعد یہ خیال تھا کہ اسقدر جلدی موت کا واقع ہونا مسیح کا معجزہ ہے۔ یہی حیرت مرقس کے بیان میں بھی پائی جاتی ہے +

حضرت مسیح کی قبر بمقام سری نگر

اب اسکے بعد ایک بھاری ثبوت اس بات کا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب سے مخلصی پاکر آسمان کی طرف نہیں اُٹھائے گئے بلکہ کسی اَور ملک کیطرف چلے گئے۔ ایک اَور ہے جو ہم ذیل میں لکھتے ہیں لیکن قبل تحریر اس واقعہ کے ناظرین پر ظاہر کرتے ہیں کہ یہ قصہ کہ گویا حضرت مسیح مصلوب ہونے کے بعد یا مصلوب ہونے سے پہلے آسمان پر چلے گئے تھے ایسا ایک بیہودہ قصہ ہے کہ ایک غور کرنے والی طبیعت اسکو بدیہی طور پر جھوٹا قرار دیگی۔ خدا تعالیٰ کا یہ عام قانون قدرت ہے کہ کوئی شخص مع جسم عنصری آسمان پر نہیں جا سکتا اور نہ نازل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس کی نظیر الیاس کا قصہ ہے کیونکہ الیاس کا قصہ جس کی دوبارہ آمد پر مسیح کی نبوت موقوف تھی۔ آخر مسیح کی زبان سے ہی قابل تاویل ٹھہرا اور دوبارہ آنا اُسکا محض ایک مجازی طور پر تصور کیا گیا پھر کیونکر اعتبار کیا جائے کہ مسیح کے صعود اور نزول سے مُراد حقیقی صعود اور نزول ہے جس امر کی دُنیا کی ابتدا سے کوئی بھی نظیر نہیں اس امر پر اصرار کرنا اپنے تئیں ہلاکت کے گڑھے میں ڈالنا ہے۔ ماسوا اسکے یہ امر سراسر غیر معقول ہو کہ ایک نبی اپنے فرض منصبی کو ناتمام چھوڑ کر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۶ + کیونکہ آسمان پر جانے سے مراد دراصل مرنا ہوتا ہے اور اسکے جواب کا مطلب صرف یہ ہے کہ مجھے مت چھوؤ کیونکہ میں ابھی تک گوشت اور خون ہوں میں ابھی مرا نہیں ہوں۔ اس واقعہ کے بعد یسوع پوشیدہ طور پر چند دفعہ اپنے حواریوں سے ملا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ ظاہری موت نے اسکے کام کی صداقت پر آخری مہر لگا دی ہے تو وہ پھر کسی تنہائی کی جگہ میں چلا گیا +

آسمان پر جا بیٹھے مسیح کو اس بات کا اقرار ہے کہ اس کی اور بھی بھیڑیں ہیں جن کو پیغام پہنچانا ضروری ہے اور یہ اس بات کیطرف اشارہ تھا کہ وہ یہودی جو دوسرے ملکوں میں منتشر ہو گئے تھے ابھی انکو ہدایت کرنا باقی ہے پس صلیب سے مخلصی پاکر مسیح کا یہ فرض تھا کہ ان بد قسمت یہودیوں کو اپنے آنے سے مطلع کرتا جنکو اس کے آنے کی خبر بھی نہیں تھی کیونکہ وہ لوگ ہندوستان کے بعض حصوں میں نا سکر کشمیر میں مدت سے سکونت پذیر ہو گئے تھے اور مسیح نے خود اس بات کو بیان کر دیا تھا کہ یہ اسکا فرض ہے کہ منتشر شدہ بنی اسرائیل کو بھی ان سے ملاقات کر کے انکو اپنی ہدایتوں سے فیضیاب کرے پس ایک راستباز کے بدن پر اس سے لرزہ پڑتا ہے کہ یہ گناہ عظیم مسیح کیطرف منسوب کی سکے کہ وہ منصبی کام کو ناتمام چھوڑ کر آسمان پر جا بیٹھا۔ اور نہ ہم اس لغو اور بیہودہ امر کو خدائے حکیم کیطرف منسوب کر سکتے ہیں کہ وہ ایک زندہ شخص کو جسمیں اچھے اچھے کام کرنے کی قوتیں موجود ہیں اور مخلوق کو اپنی ہدایتوں سے نفع پہنچا سکتا ہے تمام کاموں سے معطل کر کے آسمان پر بٹھاوے اور اس قیدی کیطرح جو قید محض میں ایام گذارتا ہے اور کوئی کام نہیں کرتا چھوڑ دے۔

کیا مسیح کے لئے یہ بہتر تھا کہ وہ اپنی اس لمبی عمر کو بنی نوع انسان کی خدمت میں صرف کرتا اور ہر ایک ملک میں سفر کر کے جیسا کہ خود اسکو ایک نبی سیاح سمجھا گیا ہے اپنی منتشر قوم کو فائدہ پہنچاتا یا یہ کہ اپنی تبلیغ کا کام ناتمام چھوڑ کر اور قوم کو طرح طرح کی گمراہیوں میں پاکر آسمان پر جا بیٹھتا۔ بالخصوص اُن بد قسمت لوگوں کا کیا گناہ تھا جنہوں نے ابھی اسکو دیکھا بھی نہیں تھا۔

اور یہ کہ وہ مختلف ملکوں کا سیر کرتا ہوا آخر کشمیر میں چلا گیا اور تمام عمر وہاں سیر کر کے آخر سری نگر محلہ یار خاں میں بعد وفات مدفون ہوا۔ اسکا ثبوت اسطرح پر ملتا ہے کہ عیسائی اور مسلمان اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ یوز آسف نام ایک نبی جسکا زمانہ وہی زمانہ ہے جو مسیح کا زمانہ تھا دور دراز سفر کر کے کشمیر میں پہنچا اور وہ نہ صرف نبی بلکہ شاہزادہ بھی کہلاتا تھا اور جس ملک میں یسوع مسیح رہتا تھا اسی ملک کا وہ باشندہ تھا اور اسکی تعلیم بہت سی باتوں میں مسیح کی تعلیم سے ملتی تھی بلکہ بعض مثالیں اور بعض فقرے اسکی تعلیم کے بعینہٖ مسیح کے ان تعلیمی فقرات سے ملتے ہیں جو اب تک انجیلوں میں پائے جاتے ہیں اور عیسائی نہایت مجبور اور حیرت زدہ ہو کر اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ یہ شخص جو یوز آسف اور شاہزادہ نبی کہلاتا ہے وہ مسیح کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد تھا اسی بناء پر اسکو بڑا مقدس سمجھا گیا ہے یہاں تک کہ سسلی میں اسکے نام کا ایک گرجا بھی بنایا ہوا ہے جو پورانا اور قدیم زمانہ سے بنے ہوئے

اسی تعلق کے قبول کرنے کے بعد یوزآسف کا قصہ یورپ کی تمام زبانوں میں ترجمہ کیا گیا ہے .....
.... جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس قدر
پُرجوش محبت سے یورپ کی تمام زبانوں میں یوزآسف کی تعلیم کا ترجمہ ہونا اس بات پر دلیل ہے کہ کم
سے کم یوزآسف کو ایک مقدس حواری سمجھا گیا ہے۔ پس اس صورت میں تمام عیسائی صاحبان اس
مطالبہ کے نیچے ہیں کہ انہوں نے بہرحال یوزآسف کا عیسائی مذہب سے ایک تعلق مان لیا ہے اور
اسکے ظہور کا بھی وہی زمانہ قرار دیا ہے جو مسیح کا زمانہ تھا اور اس کی سوانح کا بڑی محبت اور دلچسپی
سے ترجمہ بھی کیا اور اسکی یادگار کا ایک گرجا بھی بنایا اور یہ بھی اقرار کیا کہ اسکی تعلیم کا اخلاقی
حصہ انجیل کی تعلیم سے ملتا ہے اور اس نے بھی اپنی تعلیم کا نام انجیل ہی رکھا ہے۔ پس اس
صورت میں اگر یوزآسف یسوع نہیں ہے تو یہ بار ثبوت عیسائی صاحبوں کی گردن پر ہے
کہ وہ ثابت کر کے دکھلاویں کہ کبھی مسیح کا کوئی شاگرد شاہزادہ نبی بھی کہلاتا تھا اور کبھی اس نے
مسیح کی تعلیم کو اپنی تعلیم بھی قرار دیا اور اسکا نام انجیل رکھا اور میں بڑے دعوے اور ثبوت سے کہتا
ہوں کہ یہ ثبوت ہرگز انکے لئے ممکن نہیں کیونکہ ان کے نزدیک شاہزادہ نبی ایک ہی ہے یعنی
یسوع ابن مریم ۔

اور یوزآسف کے حالات کے بیان کرنے کے بارے میں مسلمانوں کی کتابوں میں بعض ہزار برس
سے زیادہ زمانہ کی تالیف میں جیساکہ کتاب اکمال الدین جس میں یہ تمام باتیں درج ہیں اور
اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ یوزآسف نے جو شاہزادہ نبی تھا اپنی کتاب کا نام انجیل رکھا تھا۔
ماسوا اس کتاب کے خاص سری نگر میں جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے ایسے پرانے نوشتے
اور تاریخی کتابیں پائی گئی ہیں جنمیں لکھا ہے کہ یہ نبی جسکا نام یوزآسف ہے اور اسے عیسیٰ نبی بھی کہتے
ہیں اور شاہزادہ نبی کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ یہ بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے ایک نبی
ہے جو اس پورانے زمانہ میں کشمیر میں آیا تھا۔ جس کو ان کتابوں کی تالیف کے وقت تک قریباً سولہ سو
برس گذر گئے تھے یعنی اس موجودہ زمانہ تک انیس سو برس گذرا ہے۔ اور اس قسم کی تحریریں کشمیر کے
باشندوں کے پاس کچھ تھوڑی نہیں بلکہ بہت سی کتابیں پائی جاتی ہیں اور میں نے سُنا ہے کہ اُس
جگہ کے ہندوؤں کے پاس بھی اپنی زبان میں ایک کتاب ہے جس میں اس شاہزادہ نبی کا ذکر ہے
پس ایک حق کے طالب کو یہ تمام ثبوت اس بات کے قبول کرنیکے لئے مجبور کرتے ہیں کہ درحقیقت

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے۔ بالخصوص جبکہ ان تمام باتوں کو یکجائی نظر سے دیکھا جائے کہ اوّل تو خود انجیل سے یہ پتہ لگتا ہے کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا بلکہ وہ صلیب پر غشی کی حالت میں ہو گیا تھا جیسا کہ اس نے خود کہا کہ یونس نبی کا معجزہ دکھایا جاویگا پس اگر صلیب پر مر گیا تھا اور مُردہ ہونے کی حالت میں قبر میں داخل ہوا تو اسکے اس واقعہ کو یونس کے واقعہ سے کیا مشابہت ہوئی۔ پھر یہ کہ انہیں انجیلوں میں یہ لکھا ہے کہ وہ قبر سے زندہ نکلا اور ابھی زخم اسکے اچھے نہیں ہوئے تھے اور وہ اپنے حواریوں کو ملا اور منع کیا کہ میرا حال کسی سے مت کہو اور ان کیساتھ اپنے وطن کی طرف چلا گیا اور انکے ساتھ ملکر کھانا کھایا اور پھر طب کی کتابوں سے متواتر طور پر ثابت ہوا ہے کہ یسوع کے زخموں کے لئے مرہم عیسیٰ بنائی گئی تھی جسکے استعمال سے اسکے زخم اچھے ہوئے اور چونکہ وہ یہود کے دوبارہ حملے سے ڈرتا تھا اسلئے وہ اس ملک سے نکل گیا اور یہ رائے کچھ ہماری خاص رائے نہیں ہے بلکہ بڑے بڑے محقق پادریوں نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے جیسا کہ جرمن کے پچاس پادریوں کی رائے ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں اور کئی پرانی تحریریں اور بھی ہیں جنسے ثابت ہوتا ہے کہ یسوع واقعہ صلیب کے بعد مدت تک مختلف ملکوں میں سیاحت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اسکا نام نبی سیاح ہو گیا اور ان باتوں کو مسلمانوں نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ مسیح نبوت پانیکے بعد ایک مدت تک مختلف بلاد میں سیاحت کرتا رہا ہے پس ان تمام باتوں کو ایک ہی جگہ جمع کرنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یسوع ہرگز آسمان پر نہیں چڑھا اور جیسا کہ یہ تمام واقعات ایسے قریب قیاس ہیں کہ بڑی سرعت سے عقل ان کو قبول کرتی ہے ایسا ہی آسمان پر چڑھنا ایسا بعید از قیاس ہے کہ عقل اسکو فی الفور رد کرتی ہے اور دھکے دیتی ہے پس کیا وجہ کہ جو واقعات ثابت شدہ اور قریب قیاس ہیں انکو تو قبول نہ کیا جائے اور جو خیالات ثابت نہیں ہو سکے اور نہ وہ قریب قیاس ہیں انکو قبول کیا جائے۔

بالآخر ہم پرچہ الہلال کے ایڈیٹر کو جو عیسائی ہے جس نے اپنے پرچہ شائع کردہ ماہ اپریل سنہ ۱۹ء میں ...... جلد ۱۱ میں یہ اشارہ کیا ہے کہ یسوع کا کشمیر سری نگر میں مدفون ہونا صحیح نہیں ہے مخاطب کرکے تنبیہ کرتے ہیں کہ عقلمند اور منصف آدمی کا یہ کام نہیں ہے کہ صرف مذہبی تعصب کی وجہ سے ثابت شدہ حقائق اور واقعات کو رد کرے۔ بالخصوص جبکہ صاحب ہلال اپنے رسالہ میں اس بات کو مانتا ہے کہ یوز آسف شاہزادہ نبی تھا اور پورے وثوق سے قبول کرتا ہے کہ پرانی کتابیں اسکا نام شاہزادہ نبی کہتی ہیں اور وہ کسی اور دور دراز ملک سے کشمیر میں آیا تھا تو تعجب کہ وہ قریب ہو کر

پھر کیوں دُور چلا جاتا ہے سچ تو یہ ہے کہ اگر ان واقعات اور دلائل میں سے جو ہمنے پیش کئے ہیں
ایک بھی پیش نہ کیا جاتا تب بھی عقل سلیم کا یہی فتویٰ تھا کہ یسوع ابن مریم آسمان پر ہرگز نہیں گیا
وہ ہمیشہ انسانوں کیطرح کمزوریاں دکھلاتا رہا اور پسپا ہوتا رہا اس نے ماریں کھائیں اور جب شیطان نے
اسے کہا کہ اُوپر سے اپنے تئیں نیچے گرا دے تو وہ اپنے تئیں نیچے نہ گرا سکا اور کوئی امر اس میں ایسا
نہ تھا کہ جو انسان سے بڑھ کر شمار کیا جائے۔ بلکہ بعض نبیوں نے اِس سے بڑھکر معجزات دکھلائے
پھر یہ امر بغیر عقلی دلائل اور یقینی براہین کے کیونکر مان لیا جائے کہ وہ درحقیقت آسمان پر چڑھ گیا تھا
اور ابتک زندہ موجود ہے اور اگر آسمان پر چڑھنا ممکن بھی ہو تب بھی اسکے لئے نا جائز بلکہ ایک جرم
کا ارتکاب تھا کیونکہ ابھی وہ اپنے فرض تبلیغ کو تمام نہیں کرچکا تھا اور یہود کے اور بہت سے فرقے
ہنوز اور اور ملکوں میں ایسے تھے جنہوں نے مسیح کا نام بھی نہیں سُنا تھا جنکو پیغام پہنچانا باقی تھا
اور آسمان پر تو یہود کی کوئی قوم آباد نہیں تھی تا یہ کہا جائے کہ آسمان پر بھی انکا جانا ضروری تھا
پس جیسے کہ یہ امر نامعقول ہے کہ یسوع نے صلیب کو اپنے لئے پسند کیا اور خودکشی کو روا رکھا ایسا ہی
یہ بھی نامعقول ہے کہ وہ ابتک ایک عمدہ زمانہ اپنی زندگی کا محض بیکاری سے گذار رہا ہے حالانکہ اسکو
چاہئے تھا کہ اپنے اس وقت عزیز کو اپنی قوم کی ہمدردی میں خرچ کرتا نہ یہ کہ ایسی بیہودہ حرکتیں کہ دوسروں
کے لئے خودکشی کرے اور پھر زندہ ہو کر آسمان پر جا بیٹھے۔ پس ایک عقلمند بجز اسکے کہ کیا کرے
ان قصوں کو جھوٹے قرار دے۔ سچائی ایک ایسی چیز ہے کہ وہ صرف واقعات سے ہی ثابت نہیں ہوتی
بلکہ دلائل عقلیہ بھی اسپر شہادت دیتے ہیں۔ لیکن جو جھوٹ ہے نہ اسکے لئے واقعات صحیحہ ثابت
شدہ ملتے ہیں اور نہ عقلی دلائل اسپر قائم ہو سکتے ہیں۔ افسوس کہ عیسائی کسی بات پر بھی غور نہیں
کرتے انہیں کے انسٹکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ تھوما رسول جس کا ذکر انجیلوں میں درج ہے ہندوستان میں
آیا تھا اور میلا پور میں شہید ہُوا۔ اور یہ بھی اسی میں لکھا تھا کہ یسوع کا ایک بھائی بھی اسکے ساتھ
تھا۔ اب جائے غور ہے کہ ایکطرف تو عیسائی صاحبان قبول کرتے ہیں کہ اسی بلاد شام سے ہندوستان میں
انہیں دنوں میں ایک شاہزادہ نبی آیا تھا جو آخر سری نگر کشمیر میں فوت ہُوا اور پھر انہیں ایام میں تھوما
حواری اور ایک یسوع کا بھائی بھی ہندوستان میں آیا تھا اور پھر دوسری طرف اس بات کو نہیں مانتے
کہ وُہ جو شاہزادہ نبی کہلاتا تھا اور بیان کرتا تھا کہ میرے پر انجیل نازل ہُوئی ہے وہی یسوع مسیح ہے
یہ واقعات بہت ہی صاف تھے اور ان کا نتیجہ بھی بہت ہی صاف تھا مگر ہائے افسوس کہ یا وجود

صاحبوں نے تاریکی سے پیار کیا اور نُور سے دشمنی۔ دُنیا اپنی انتہا تک پُہنچ گئی اور ساری علامتیں پُوری ہوگئیں مگر اُنکا فرضی مسیح اب تک آسمان سے نازل نہ ہُوا۔ آدم سے لیکر اسوقت تک چھٹا ہزار ختم ہو چُکا جو الٰہی شریعتوں کی اصطلاح میں چھٹا دن کہلاتا ہے جسمیں مسیح موعود نے آنا تھا مگر اُنکا یسُوع اب تک نہ آیا۔ شیطان کے رہا ہونے پر ایکہزار برس بھی گُذر گیا مگر اُنکا یسوع ابتک نہ آیا جو شیطان کو دائمی قید کے زِنداں میں روکتا جیساکہ نبیوں نے پیشگوئی کی تھی۔ ملک میں طاعون بھی پھیلگئی جیساکہ انجیل میں آنیوالے مسیح کا نشان لکھا تھا۔ مگر ابتک ان کا مسیح نہ آیا۔ مُدّت ہُوئی کہ آنیوالے مسیح کا ستارہ بھی نکل چکا مگر ابتک مسیح نہ آیا۔ پس اے یورپ اور ایشیا کے رہنے والے عیسائیو۔ اور اے حق کے طالبو یقیناً سمجھو کہ مسیح جو آنیوالا تھا وہ آچکا اور وُہ وہی ہے جو اب تُمسے باتیں کر رہا ہے۔ آسمان نے نشان ظاہر کئے اور زمین نے بھی اور خُدا کے پاک نبیوں کی پیشگوئیاں نشان کے طور پر آج پُوری ہوگئیں اور خُدا نے میرے ہاتھ پر نشان دکھلانے کی کچھ کمی نہیں رکھی۔ ہزارہا نشان ظاہر کئے ہر ایک پہلو سے اپنی حجت کو پُورا کیا اور مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ یہ نشان جو میرے ہاتھ پر دکھلائے گئے اگر یسُوع ابن مریم کے ہاتھ پر دکھلائے جاتے تو یہود ہلاکت سے بچائے جاتے مگر وہی جو ہلاکت کے فرزند تھے۔ یسُوع کے نشانوں کا جو یہُود پر اثر پڑا تھا کِسکو اسکی خبر نہیں خُود اسکا اپنا حواری یہودا اسکریوطی جِسکو بہشتی تخت کا وعدہ بھی دیا گیا تھا خود اِسکے دیکھتے دیکھتے مُرتد ہو گیا اور نہ خود وہ حواری تختِ موعُود سے محروم رہگیا بلکہ یسُوع کو بھی بڑی بلا میں ڈال گیا۔ سواے وُہ لوگو جو دائمی سعادت اور ابدی نجات کو چاہتے ہو میری طرف دَوڑو کہ اِسجگہ وہ چشمہ ہے جو تمہیں پُرانی میلوں سے پاک کر دیگا اور وُہ نجات جو یقین اور قوت ایمان اور پُورے عرفان سے ملتی ہے وہ تمہیں دیجائیگی اور یقیناً سمجھو کہ یسُوع ابن مریم کے خُون پر تمہارا بھروسہ غلط ہے اگر وہ ایک دفعہ نہیں ہزار دفعہ بھی صلیب پر چڑھایا جاتا تب بھی وہ تمہیں نجات نہ دے سکتا۔ نجات ایمان اور محبت اور یقین سے پیدا ہوتی ہے نہ کسی کے خُون سے۔ دیکھو زمانہ تمہیں بتلا رہا ہے کہ یہ تمام خیالات جھُوٹے تھے پس قبل اسکے جو تم خُدا کی طرف بُلائے جاؤ اِن خیالات سے توبہ کرو مجھے خُدا نے اِس گواہی کیلئے اس زمانہ میں کھڑا کیا ہے کہ سب دین بگڑ گئے اور باطل کا رنگ پکڑ لیا مگر **اسلام** اگر میری گواہی پر خُدا کی مُہر نہیں تو مَیں سچا نہیں لیکن اگر میری گواہی پر خُدا کی مُہر ہے تو تُم سچ کو رد کرکے قابل مؤاخذہ نہ بنو۔ ایک عاجز اِنسان مریم کا بیٹا ہرگز خُدا نہیں۔ مجھے وہ رُوح دیگئی ہے جس کے مُقابل پر کسی کو

تاب مقابلہ نہیں اگر تم میں کوئی اس لائق نہیں کہ روح سے علم پاکر اس روح القدس کا مقابلہ کرے جو مجھے عطا کیا گیا ہے تو تمہاری خاموشی تمہیں ملزم کریگی۔ والسلام علےٰ من اتبع الھدےٰ ؛

کیا ڈوئی اس مقابلہ میں نکلیگا

یہ سوال امریکہ کی اخباری دُنیا میں بڑی کثرت سے پُوچھا گیا ہے۔ ہمارے پاس اس قدر گنجائش تو نہیں کہ ہم ان سب اخباروں کی رائے کو نقل کر سکیں* لیکن نمونہ کے طور پر ہم تین اخباروں کی رائے نقل کرتے ہیں جس سے یہ اندازہ لگ سکیگا کہ امریکہ کے اخبارات کے اس چیلنج کے متعلق کیا خیالات ہیں جو گذشتہ ستمبر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیطرف سے امریکہ کے جھوٹے مُدعی نبوت کو دیا گیا تھا۔ لٹرری ڈائجسٹ جو نیویارک شہر کا مشہور اخبار ہے۔ ۲۰-جون ۱۹۰۳ء کے پرچے میں یوں لکھتا ہے

ایک مجوزہ دُعا کے مقابلہ میں دو حریف

میرزا غلام احمد صاحب ساکن قادیان (پنجاب ہندوستان) اپنی شائع شدہ تحریروں میں مسیح موعود ہونیکا دعوےٰ کرتے ہیں اُنہوں نے اس ملک کے ڈاکٹر ڈوئی کو ایک مُقابلہ کیلئے بلایا ہے جسمیں ہتھیار صرف دُعا ہوگی۔ اور ہر ایک فریق خُدائے تعالیٰ سے یہ دُعا کریگا کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے ہلاک ہو۔ ریویو آف ریلیجنز کے بیان کے مطابق اس چیلنج کا پیش کرنیوالا مسیح موعود ہے" جو عین اسوقت پر دُنیا کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہے جو بائیبل کی پیشگوئیوں کے حساب کے رُو سے مسیح کی آمد کا وقت ہے؛ اور اس کے پیرو ایک لاکھ آدمی ہیں جنکی تعداد بُہت جلد بڑھ رہی ہے اس مسیح کی تعلیم یہ ہے کہ یسوع مسیح محض ایک اِنسان تھا۔ ایک نیک انسان لیکن اسمیں الوہیت کوئی نہ تھی۔ مرزا غلام احمد صاحب اسی مذکورہ بالا رسالے میں یہ بھی لکھتے ہیں۔

یاد رہے کہ مَیں اس ملک میں معمولی اِنسان نہیں ہُوں مَیں وہی مسیح موعود ہوں جسکا ڈوئی

* اِن اخبارات میں سے کئی اخباروں میں حضرت مسیح موعود کی تصویر بھی شائع ہوئی ہے اور قریب ایک سو ایسے اخبارات کے ہمارے پاس پُہنچ گئے ہیں۔ بعض اخبارات میں قبر مسیح کی تصویر بھی چھپی ہے ؛

انتظار کر رہا ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ ڈوئی کہتا ہے کہ مسیح موعود پچیس برس کے اندر اندر پیدا ہو جائیگا۔ اور میں بشارت دیتا ہوں کہ وہ مسیح پیدا ہو گیا اور وہ میں ہی ہوں۔ صدہا نشان زمین سے اور آسمان سے میرے لئے ظاہر ہو چکے ایک لاکھ کے قریب میرے ساتھ جماعت ہے جو زور سے ترقی کر رہی ہے ڈوئی بیہودہ باتیں اپنے ثبوت میں لکھتا ہے کہ میں نے ہزارہا بیمار توجہ سے اچھے کئے ہیں۔ ہم اسکا جواب دیتے ہیں کہ کیوں پھر اپنی لڑکی کو اچھا نہ کرسکا اور وہ مر گئی اور اب تک اسکے فراق میں روتا ہے۔

پھر مسیح موعود لکھتا ہے کہ ڈوئی کا دعویٰ یہ ہے کہ یسوع مسیح نے بحیثیت خدائی دُنیا میں اسکو بھیجا ہے تا سب کو اس بات کیطرف کھینچے کہ بجز مسیح کے اور کوئی خدا نہیں۔ اسکے بعد یہ مدعی لکھتا ہے:۔

"ایک سہل طریق ہے جس سے اس بات کا فیصلہ ہو جائیگا کہ آیا ڈوئی کا خدا سچا خدا ہے یا ہمارا خدا۔ وہ بات یہ ہے کہ ڈوئی صاحب تمام مسلمانوں کو بار بار موت کی پیشگوئی نہ سُنادیں بلکہ ان میں سے صرف مجھے اپنے ذہن کے آگے رکھ کر یہ دُعا کریں کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مر جائے۔ کیونکہ ڈوئی یسوع مسیح کو خدا جانتا ہے مگر میں اُسکو ایک بندہ عاجز مگر نبی جانتا ہوں۔ اب فیصلہ طلب امر ہے کہ دونوں میں سے سچا کون ہے اگر ڈوئی کو یہ یقین ہے کہ ابن مریم ہی خدا ہے تو چاہئے کہ اس دُعا کو چھاپ دے اور کم سے کم ہزار آدمی کی اسپر گواہی لکھے۔ اور جب وہ اخبار شائع ہو کر میرے پاس پہنچیگی تب میں بھی بجواب اسکے یہی دُعا کرونگا اور انشاء اللہ ہزار آدمی کی گواہی لکھ دونگا۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ڈوئی کے اس مقابلہ سے اور تمام عیسائیوں کے لئے حق کی شناخت کے لئے ایک راہ نکل آئیگی۔ میں نے ایسی دُعا کے لئے سبقت نہیں کی بلکہ ڈوئی نے کی۔ اس سبقت کو دیکھ کر میرے اندر غیور خدا نے یہ جوش پیدا کیا"۔

اس چیلنج دینے والے مسیح کے پیرؤں نے "ایک عظیم الشان علمی تحقیقات یسوع مسیح کی نسبت" کی ہے جسکا پتہ ہمیں اسی رسالہ سے لگتا ہے۔ تحقیقات یہ ہے کہ یسوع مسیح صلیب پر نہیں مرا بلکہ زندہ بیہوشی کی حالت میں صلیب سے اُتارا گیا۔ تندرست ہو کر وہ مشرق کی طرف چلا گیا جہاں وہ بہت مدت تک چھپا رہا۔ اسکی قبر سری نگر کشمیر کے محلہ خان یار میں بتائی جاتی ہے"۔ پھر لکھتا ہے "اس سے زیادہ کیا ثبوت ہوگا کہ قبر موجود اور ساتھ اسکے تقریراً و تحریراً اس قدر شہادتیں جنکی کئی لاکھ انسان تک نوبت پہنچ چکی ہے"۔

اخبار برلنگٹن فری پریس ۲۷-جون ۱۹۰۳ء کے پرچے میں لکھتا ہے:-

ایک دعا کے مقابلہ کی تجویز

ملک کے مختلف حصوں میں یہ بحث بڑے زور و شور سے ہو رہی ہے کہ قحط کے دُور کرنے میں دُعا مؤثر ہے یا نہیں- اور اس بحث میں دو فریق ہو گئے ہیں...... دُعا کے اثر کے متعلق ایک طریق تحقیق ابھی پیش ہُوا ہے جسکا آخری نتیجہ ایسا قطعی ہوگا کہ اسمیں کسی بحث کی گنجائش نہیں ہوگی- الیاس ڈوئی شکاگو کے مفتری پیشوا کو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے ایک چیلنج دیا ہے کہ وہ ایک ایسی دُعا میں جسکا نتیجہ ایک فریق کے لئے موت ہوگا انکا مقابلہ کرے...... بلحاظ رواج کے ڈوئی کو یہ حق حاصل ہونا چاہئے تھا کہ وہ مقابلہ کے لئے خُود ہتھیار تجویز کرتا لیکن مسیح موعود نے بڑی ہوشیاری سے ایک ایسا ہتھیار تجویز کردیا ہے جس سے ڈوئی انکار نہیں کرسکتا- اب اگر ڈوئی اس تجویز کو نہ مانے تو دُوسرے الفاظ میں اسکا یہ مطلب ہوگا کہ وہ اپنے معاملہ کو اس بڑے مقتدر حاکم کے ہاتھ میں نہیں دینا چاہتا جس کی طرف سے وُہ ہونیکا دعوٰی کرتا ہے- اگر وہ سچا ہے برعکس اسکے اس بات سے انکار نہیں ہوسکتا کہ ڈوئی کا فریق مقابل کوئی معمولی آدمی نہیں ہے..... ڈوئی نے ابھی تک کوئی اظہار رائے نہیں کیا لیکن اگر وہ اس نئی قسم کے چیلنج کو منظور کرنے سے انکار کردیگا تو اسکے مُریدوں کی تعداد میں ضرور کمی آنی شروع ہوجاویگی"+

ایساہی شکاگو کا ایک اخبار لکھتا ہے:- "ڈوئی کو جو الیاس ہونیکا دعوٰی کرتا ہے- دُعا کے ایک مقابلہ میں بُلایا گیا ہے جس کا نتیجہ موت ہوگا+

مرزا غلام احمد ایک مُسلمان جو مسیح موعود ہونیکا دعوٰے کرتا ہے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ جھُوٹا کون ہے* الیاس ڈوئی کو چیلنج دیا گیا ہے کہ وُہ دعا میں مقابلہ کرے- چیلنج کا دینیوالا مرزا غلام احمد

* اِس اخبار میں مسیح موعود اور ڈوئی کی تصویریں ایک ہی جگہ چھاپی گئی ہیں مسیح موعود کی تصویر کے نیچے یہ لکھا ہے "مرزا غلام احمد مشرق یعنی ہندوستان کا مسیح جس نے الیاس ڈوئی کو دُعا کے مقابلہ کے لئے چیلنج دیا ہے" اور ڈوئی کی تصویر کے نیچے یہ لفظ ہیں "جان الگزنڈر ڈوئی شکاگو کا مدعی الیاس ہونیکا جس نے ابتک مسلمان مسیح کے چیلنج کا کچھ بھی جواب نہیں دیا+

قادیانی ہے۔ مرزا صاحب اپنے چیلنج میں لکھتے ہیں کہ اے جھوٹے مدعی دُعا کو ہتھیار بنا کر میرے ساتھ مقابلہ کر۔ آؤ ہم دونوں زمین پر جھک جائیں اور خدا سے دُعا کریں کہ جو ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے وہ پہلے ہلاک ہو۔ ڈوئی نے چیلنج کو منظور نہیں کیا اور نہ ہی ابتک انکار کیا ہے غالباً بہاڑ کی خوشگوار ہوا میں وہ جواب تجویز کر رہا ہے۔ ممکن ہے کہ بحیثیت فریق ثانی چیلنج ہونے کے وہ شرائط میں کچھ تبدیلی چاہے اس صورت میں اسکی درخواست یہ ہو گی کہ بجائے دُعا کے گالیوں میں مقابلہ کیا جاوے+۔ اور جو دوسرے کو زیادہ گالیاں نہ سکے وہی فتحیاب سمجھا جاوے شائد وہ چیلنج کو حقارت کی نظر سے دیکھے اور مرزا غلام احمد کو کہے کہ پہلے تم ایسی شہرت حاصل کرلو خواہ کچھ ہی ہو ڈوئی اس چیلنج کو یونہی رد نہیں کر سکتا دعوے کے لحاظ سے مرزا صاحب کا دعوےٰ ہلکا نہیں ریویو آف ریلیجنز جسمیں یہ چیلنج چھپا ہے کہتا ہے کہ مرزا صاحب مسیح موعود ہیں جو دُنیا کی اصلاح کیلئے عین اسوقت بھیجے گئے ہیں جو بائیبل کی پیشگوئیوں کے حساب کے رُو سے مسیح کے آنیکا وقت ہے ان کی جماعت ایک لاکھ تک پہنچ چکی ہے اور زور سے ترقی کر رہی ہے۔ اس مسیح کی تعلیم یہ ہے کہ مسیح ایک انسان تھا الوہیت سے خالی مگر راستباز۔ مرزا صاحب یہ بھی لکھتے ہیں (اسکے بعد وہی حوالجات ہیں جو اخبار لٹریری ڈائیجسٹ نے حضرت مسیح موعود کی تحریروں سے نقل کئے ہیں) اخیر پر یہ اخبار پُرزور الفاظ میں یوں لکھتا ہے "کیا ڈوئی اس مقابلہ کو منظور کریگا۔ مرزا صاحب نے کو تسا پہلو اپنی رعایت کا رکھا ہے کہ وہ نہ منظور کرے +

ایسا ہی دُوسرے اخباروں کی رائے ہے ڈوئی کے نام جو چٹھی لکھی گئی تھی اسکو ایک سال گذر چکا۔ مگر ڈوئی نے اب تک ایک لفظ بھی مُنہ سے نہیں نکالا نہ قبول کرتا ہے اور نہ انکار کرتا ہو ہاں الیاس ہونے کا جو اسکا دعوے تھا اس نے بہت خفیف کر دیا ہے۔ ایک چٹھی میں جو ۲۳۔ جون ۱۹۰۳ء کی لکھی ہوئی ہے اور مفتی محمد صادق صاحب فنانشل سکرٹری انجمن اشاعت اسلام کے نام آئی ہے وہ لکھتا ہے۔ "میں صاف صاف بیان کرنا چاہتا ہوں کہ یہ اعتقاد کہ میں الیاس کے رنگ میں اور اسکی خو پر آیا ہوں۔ میرے سلسلہ میں داخل ہونیکے لئے لازمی نہیں ہے۔ اس معاملہ میں میں نے یہ وسعت دے رکھی ہے کہ خواہ کوئی شخص مجھے الیاس مانے یا نہ مانے میرے سلسلہ میں داخل ہو سکتا ہے۔ ہاں اسکو یہ نہیں چاہئے کہ وہ اُن لوگوں سے جھگڑا کرے جو اس بات کو مان چکے ہیں۔ میری غرض کو مانا

+ یاد رہے کہ امریکہ کے اخباروں میں ڈوئی اپنے مخالفوں کو سخت گالیاں دینے کے سبب بہت بدنام ہے۔

سلسلہ میں داخل ہونے کے لئے ضروری نہیں ہے"۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ اگر ڈاکٹر ڈوئی کا یہی منشا شروع سے تھا۔ کہ اسے مسیح کا خاص رسول یا الیاس ماننا ضروری نہیں ہے تو پھر اس قدر شور کا کیا فائدہ تھا۔ اس نے دعویٰ تو کر دیا ہے مگر اس دعوے کی صداقت کا وہ خود قائل نہیں ہے کیونکہ اگر اس دعوے کی سچائی پر اسے یقین کامل ہوتا تو وہ ایسا بودا پن اور اخلاقی کمزوری نہ دکھاتا۔ سچے مدعی کو جو اپنی صداقت پر یقین کامل حاصل ہوتا ہے وہ اسکے دل کو ایک ایسی طاقت دیتا ہے جس سے وہ بغیر تزلزل کے ہر ایک مشکل کا سامنا کرتا اور بالآخر اسپر غالب آتا ہے لیکن جو انسان ذرا سے لالچ پر اپنا دعوے چھوڑنے کو تیار ہو جائے اسے اپنی صداقت پر کیونکر یقین ہو سکتا ہے۔ ڈوئی بجائے اس کے جو اپنے دعویٰ کا کوئی ثبوت پیش کرتا آہستہ آہستہ اس دعوے کو چھوڑ رہا ہے اور اس سے اگلا قدم اس کا اس دعوے سے صاف انکار ہو گا۔ جبتک اسے کوئی جواب نہ ملا تھا تو وہ گالیوں پر گالیاں اور دھمکیوں پر دھمکیاں دیتا رہا کہ جو لوگ مجھے الیاس نہیں مانتے وہ سب ہلاک ہو جائینگے کیا عیسائی اور کیا مسلمان۔ لیکن جب ایک معیار اس کے سامنے پیش کیا گیا جس سے اسکے دعوے کی صداقت معلوم ہو تو اب وہ کہتا ہے کہ اس امر کی کوئی ضرورت ہی نہیں کہ کوئی مجھے الیاس مانے یا نہ مانے۔ پس جن دس ہزار مریدوں کا وہ دعوے کرتا ہے وہ اسکے سچے پیرو نہیں کہلا سکتے۔ ممکن ہے کہ ان میں سے ایک بھی ایسا نہ ہو جو اسکے دعویٰ کو تسلیم کرتا ہو۔ مگر علاوہ اسکے معلوم ہوتا ہے کہ ڈوئی اپنے جھوٹ کو آپ ہی محسوس کرتا ہے کیونکہ نہ وہ حضرت مسیح موعود کی دعوت کو قبول کرتا ہے اور نہ اسمیں یہ جرأت ہے کہ اسکو رد کر سکے۔ تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں کہ وہ پیشگوئی کر رہا تھا کہ سب مسلمان میرے سامنے تباہ ہو جائینگے لیکن اب جب اسکے سامنے ایک خاص آدمی مقابلہ میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ اسی کی ہلاکت کیلئے وہ دعا کرے تو وہ خاموش ہو گیا ہے ؀

بعض امریکہ کے اخباروں میں یہ لکھا ہے کہ ڈاکٹر ڈوئی کے مرید کہتے ہیں کہ اسکے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ کسی پنجابی سے مقابلہ کرے۔ مگر سوال یہ نہیں کہ کوئی مدعی مسیحیت پنجابی ہے یا امریکی ہے بلکہ سوال تو یہ ہے کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون۔ ڈاکٹر ڈوئی ایک مسیح کا منتظر ہے اور ایک ایسا شخص جو ڈوئی کے مشہور ہونے سے پہلے مسیحیت کا دعوے کر چکا ہے اسے اطلاع دیتا ہے کہ میں مسیح موعود ہوں۔ اور ایک ایسا راستہ اسے بتاتا ہے جسے اختیار کرکے وہ اسکے دعوے کی سچائی کو معلوم کر سکتا ہے ڈوئی یہ تو نہیں کہسکتا کہ مسیح اسکے نئے بنے ہوئے شہر میں ہی نازل ہو گا جسکا نام اسنے

سیحون رکھا ہے اسلئے اسکا فرض ہے کہ جہاں کہیں مسیح ظاہر ہو اسکو تلاش کرکے اس کے حکم کو مانے۔ علاوہ اسکے جو طریق فیصلہ حضرت مسیح موعود نے پیش کیا ہے وہ ملبے وقت کو نہیں چاہتا۔ اسکو یہ تو نہیں کہا جاتا کہ وہ کوئی شہر بنادے یا گوٹے کا کارخانہ تیار کرے۔ صرف خدا تعالےٰ کے پاس دُعا کرنا ہے اور یا اس واقع کا شائع کرنا اور پھر معیار بھی صرف دُعا رکھا گیا ہے اگر ڈوئی یہ سمجھتا ہے کہ واقعی خدا تعالےٰ نے اسے بھیجا ہے تو پھر وہ خدا پر بھروسہ کیوں نہیں کرتا اور اپنا معاملہ خدا کو سپرد کرنے سے کیوں جھجکتا ہے۔ کیا دُعا کی قبولیت معیار صداقت نہیں؟ یا کیا خدا تعالیٰ بھول کر جھوٹے کی مدد کردیگا؟ اور سچے کو اسکے سامنے ہلاک کریگا۔ علاوہ ازیں ڈوئی کو تو یہ دعوے بھی ہے کہ وہ تمام بیماریوں سے لوگوں کو شفا دیسکتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو ضرور ہے کہ اس میں یہ طاقت بھی ہو کہ وہ دُعا کے ذریعہ بیماریوں کو ٹال سکے اور اسطرح جتنی مُدت چاہے وہ اپنی صحت کو قائم رکھکر زندہ رہ سکتا ہے اسلئے اسکا فرض ہے کہ اس مُقابلہ میں نکلے۔

ایک یا دو امریکہ کے اخباروں نے یہ خیال کیا ہے اور ممکن ہے کہ ڈاکٹر ڈوئی کو بھی یہ غلطی لگی ہو کہ ایسی دُعا کے کرنے میں کہ جھوٹا پہلے ہلاک ہو۔ حضرت مسیح موعود نے اپنے لئے کوئی فائدہ سوچا ہے جو دعوت ڈوئی کو دیگئی تھی اسمیں صاف اِس امر کا اظہار کر دیا گیا تھا کہ ظاہری اسباب کے لحاظ سے اگر کسی فریق کو اسمیں کچھ فائدہ ہے تو وہ ڈاکٹر ڈوئی کو حاصل ہے۔ مسیح موعود کی عمر اس وقت غالباً ۶۷ برس سے اُوپر ہے۔ حالانکہ ڈوئی کی عمر قریباً ۵۶ سال کی ہے اسلئے عمر کے لحاظ سے ڈاکٹر ڈوئی صریح فائدہ میں ہے اور اگر کسی اَور پہلو سے بھی فائدہ ہے وہ ڈاکٹر ڈوئی کو ہی ہے حضرت میرزا صاحب اسوقت قریباً ستر سال کی عمر تک پہنچ چکے ہیں۔ اور یہ انسان کی اوسط عمر کی حد ہے جو لوگ اس سے زیادہ عمر پاتے ہیں ان کی تعداد نسبتاً بہت کم ہے۔ پس قدرت کے قوانین کو مدنظر رکھکر ڈاکٹر ڈوئی کو آپ سے بہت عرصہ پیچھے تک زندگی کی امید کرنی چاہئے۔ علاوہ اس کے پنجاب کے ایک گاؤں اور امریکہ کے ایک نئے بنے ہوئے شہر کا صفائی کے لحاظ سے مقابلہ کرنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر ڈوئی صریح فائدے میں ہے۔ بلکہ طاعون جو تباہی ہندوستان میں اور خصوصاً پنجاب میں دکھلا رہی ہے اسکو دیکھ کر کون انسان ایک دن بھی زندہ رہنے کا دعوے کرسکتا ہے۔ بالخصوص پنجاب کے دیہات میں جو سب سے زیادہ طاعون کی تباہی کا نشانہ ہو رہے ہیں۔ ان دیہات میں سے بہت سے بالکل ویران ہو چکے ہیں اور بیشمار گھروں کے گھر

خالی ہو چکے ہیں۔ انہیں دیہات میں سے جن کی تباہی سے یہ حالت ہو رہی ہے۔ ایک گاؤں میں ایک شخص کھڑا ہوتا ہے جو بظاہر انسانی عمر کی حد تک پہنچ چکا ہے اور اپنے سے ایک گیارہ سال چھوٹے شخص کو جو بظاہر نہایت امن کی حالت میں اور صفائی اور آب و ہوا کے لحاظ سے بھی نہایت عمدہ جگہ میں رہتا ہے یہ دعوت کرتا ہے کہ وہ دعا کرے کہ جھوٹا پہلے ہلاک ہو۔ کیا کوئی سمجھدار آدمی اس کو ہنسی کی بات خیال کر سکتا ہے اگر ڈاکٹر ڈوئی اس دعوت کو قبول کرلے تو ہر ایک رعایت جو ظاہری اسباب کے لحاظ سے ہو سکتی ہے اسی کے حق میں ہے۔ اور اگر ڈوئی اس دعوت کو قبول نہ بھی کرے تو بھی صرف ایسی چیلنج کا دینا ہی اس امر کا ثبوت ہے کہ چیلنج دینے والا اس طاقتور خدا کی طرف سے آیا ہے جسکو یہ قدرت ہے کہ اپنے بندے کیلئے جسطرح چاہے ظاہری اسباب کو توڑ کر کام لے۔

لیکن ڈاکٹر ڈوئی اکیلا ہی ایسے مقابلہ کے لئے نہیں بلایا گیا۔ اخبار سنڈے سرکل لنڈن مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۰۳ء میں ایک قدر پیشگوئی صریح اور معین اسی چیلنج کی طرز کی (مگر چیلنج نہیں) حضرت مسیح موعود کیطرف سے شائع ہوئی ہے۔ چنانچہ اخبار مذکور لکھتا ہے۔

سب سے آخری مسیح

پادری پگٹ کا ایک ہندوستانی حریف

وہ عام جوش جو پگٹ کے دعوے پر کہ میں یسوع مسیح ہوں پھیلا تھا ابھی تک ہمارے ناظرین کے دلوں سے فراموش نہیں ہوا ہو گا۔ اسلئے یہ خبر ان کے لئے باعث دلچسپی ہوگی کہ مشرق میں ہندوستان کے صوبہ پنجاب میں ایک اسی دعوے کا مدعی پیدا ہوا ہے جو پگٹ نے کیا تھا۔ اس سب سے آخری مسیح کا نام مرزا غلام احمد ہے اور وہ قادیان میں رہتے ہیں جسکے وہ رئیس ہیں انہوں نے ابھی ایک اشتہار یورپ اور امریکہ میں اشاعت کے لئے بھیجا ہے جسکا عنوان ہے کہ ایک الوہیت کے مدعی کو تنبیہ۔ جس سے مراد ان کی پگٹ صاحب ہی معلوم ہوتا ہے کہ پگٹ کے پرائیویٹ سکرٹری نے مرزا غلام احمد صاحب کے دو اشتہار جنمیں اسکے جھوٹے دعووں کا ذکر تھا بھیجے تھے۔ ہندوستان کا مسیح پگٹ کے اس دعوے کو گستاخی اور کفر کا دعوے کہتا ہے اسکے بعد مرزا غلام احمد کپکپا دینے والے لفظوں میں پگٹ کو اسکے دعوے پر تنبیہ کرتا ہے وہ کہتا ہے۔

"یہ امر خدا کی غیرت کو بھڑکانے والا ہے کہ ایک شخص انسان ہو کر پھر خدا بنتا ہو اور زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اپنے تئیں قرار دیتا ہے اور اسطرح پر خدا کے مقدس نبیوں کی بے عزتی کا بھی موجب ہوتا ہے۔ اسلئے میرے سچے اور پاک اور کامل خدا نے مجھے مامور فرمایا ہے کہ میں ایسے شخص کو ایسی سزا سے متنبہ کروں کہ اگر وہ اس گستاخی سے توبہ نہیں کریگا تو ہمارے دیکھتے ہوئے اور ہماری زندگی میں ہی بہت قریب عرصہ تک اس دنیا سے ایک شدید عذاب کے ساتھ رخصت ہو جائیگا جو محض خدا کیطرف سے ہوگا نہ انسان کے ہاتھ سے۔ یہ عذاب کا وعدہ اس خدا کی طرف سے ہے جو زمین و آسمان کا خدا ہے اسکی غیرت ایسا کریگی تا آئندہ کوئی انسان ہو کر ایسے جھوٹے دعووں سے زمین کو ناپاک نہ کرے۔"

اگرچہ ہندوستان کا نبی سچا مسیح ہونیکا دعوے کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں مسیح کی طبیعت اور اسی کی خو پر آیا ہوں لیکن وہ یہ مانتا ہے کہ میں انسان ہوں اسکا یہ دعویٰ ہے کہ ہزارہا نشان میرے ہاتھ پر ظاہر ہو چکے ہیں اور ایک لاکھ انسان میرے ہاتھ پر توبہ کر چکے ہیں۔ اس عجیب اشتہار کے اخیر پر وہ یوں لکھتے ہیں "اگر میں پگٹ کے پہلے مر گیا تو پھر میں خدا کی طرف سے سچا مسیح نہیں ہوں لیکن اگر میں نے اسکی موت کو دیکھ لیا جو میری دعا کا نتیجہ ہوگی تو پھر سمجھو کہ میں سچا مسیح ہوں اور خدا کیطرف سے ہوں۔ ہم دونوں ایک طاقت کے قبضہ میں ہیں اور وہ قادر خدا سچے مسیح کو دکھلا دیگا کہ جھوٹا اسکی زندگی میں ہی مر گیا۔ میری عمر اس وقت ۶۵ برس سے اوپر ہے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ پگٹ مجھ سے ۱۵ سال چھوٹا ہوگا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کی پیشگوئی بڑی صاف ہے انکا یہ بھی دعوے ہے کہ ان کی سینکڑوں پیشگوئیاں اس سے پہلے پوری ہو چکی ہیں اسلئے اس پیشگوئی کا بھی دلچسپی سے انتظار کیا جاویگا۔"

اخبار سنڈے سرکل کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی شخص جس نے ایک جھوٹے مدعی کو یہ چیلنج دیا ہے کہ وہ اسکے بالمقابل دعا کرے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جاوے اسی نے ایک دوسرے مفتری کی نسبت جو عمر میں اس سے پندرہ سال چھوٹا ہے یہ پیشگوئی کی ہے کہ وہ اسکی زندگی میں ہلاک ہو جاویگا۔ کیا ایسی پیشگوئی انسانی طاقت کے اندر ہے اگر پگٹ یا ڈوئی کو اپنی صداقت کا کچھ بھی یقین ہوتا تو وہ کبھی اس طرح سے خاموشی اختیار نہ کرتے ہندوستان

اور پنجاب میں کئی آدمیوں نے اسی طرح بالمقابل دعا کی کہ جھوٹا سچے کی زندگی کے اندر مرجائے اور وہ سب حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ہی مر گئے۔ ڈوئی کو چاہئے کہ مسیح پر جو اس کا ایمان ہے اسکا کچھ ثبوت دے۔ چونکہ اسکا یہ بھی دعوے ہے کہ میں مسیح سے پہلے بحال کرنے کے لئے آیا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسیح کی آمد تک ضرور زندہ رہیگا۔ ورنہ اس کی ساری تیاری خاک میں ملجائیگی اور جس صورت میں وہ ابھی اور پچیس سال تک مسیح کے انتظار میں ہے تو اسے یہ بھی اُمید ہونی چاہئے کہ تب تک وہ زندہ رہیگا۔ پھر اسے کیا اندیشہ ہے کہ ایسے آدمی کے خلاف جو ایک طاعون زدہ مُلک میں ستر سال کی عمر کو پہنچا ہؤا ہے وہ یہ دُعا کرے کہ جھوٹا پہلے ہلاک ہو جاوے اور ایسی ہلاکت کو کذب کا نشان سمجھے۔ اگر مسیح جلدی آگیا یا اگر اور پچیس سال تک مسیح موعود زندہ رہے تو بھی اسے فکر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ مسیح کے آنے سے خود اس کے مخالفوں کے دعوے باطل ہو جاوینگے اور چونکہ بحیثیت الیاس ہونے کے ڈوئی صاحب اُسوقت مسیح کے وزیر ہونگے اس لئے وہ مسیح سے درخواست کر سکتے ہیں کہ وہ ان کے مخالف کو فی الفور ہلاک کر دے۔ ایک امریکہ کے اخبار نے لکھا ہے کہ شرط یہ نہیں ہونی چاہئے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جاوے بلکہ یہ کہ جھوٹا فی الفور ہلاک ہو جاوے۔ لیکن اسکو علم نہیں ہوگا کہ مسیح سے کتنی مُدت بعد یہودیوں اور یروشلم پر تباہی آئی تھی۔ جب اپنی مجوزہ صورت میں یہ مقابلہ ایک آسمانی نشان کے رنگ میں ہے تو پھر شرطیں تجویز کرنا ایمانداری نہیں ہے کیا یہ بات اِنسان کی طاقت میں ہے کہ وہ کہدے کہ فلاں شخص میری زندگی میں ہلاک ہو جاویگا ÷

عصمتِ انبیاء پر پادری مانزو کے رسالے

"جناب ایڈیٹر صاحب! مجھے ریویو آف ریلیجنز کا جولائی کا نمبر پہنچا اور میں نے دیکھا ہے کہ اسکے چالیس صفحوں میں سے تیس صفحوں میں میرے ایک رسالے پر ریویو ہے۔ عرض یہ ہے کہ یہ رسالہ کوئی نئی تصنیف نہیں ہے جیسا کہ ریویو کی تمہیدی ریمارکس سے شک گذرتا ہے بلکہ محض اس

خط و کتابت کو جو جنوری ۱۹۰۳ء سے چند ماہ پہلے اپی فینی میں چھپتی رہی تھی دوبارہ ایک رسالے کی صورت میں کسیقدر نئے نوٹوں کے ساتھ شائع کیا گیا ہے اور ان چٹھیوں کی جب وہ اخبار مذکور میں چھپتی تھیں مرزا صاحب کو بخوبی اطلاع تھی۔ اس خط و کتابت کے بعض حصوں پر بحث کرتے ہوئے جو بیانات میگزین میں کئے گئے ہیں میں انکی تردید کرنے کو بالکل تیار ہوں اگر مرزا صاحب میرے لئے راستہ کھول دیں۔ اپی فینی میں اس خط و کتابت کا سلسلہ اسلئے بند ہو گیا تھا جیسا کہ مرزا صاحب کو بخوبی علم ہونا چاہئے کہ مرزا صاحب نے اپنے اس دعوے کی تائید میں کہ قرآن شریف میں ذنب انسانی کمزوری کے معنوں میں آیا ہے۔ کوئی قرآن شریف کی آیت پیش نہیں کی۔ یہی نقص قرآن شریف کی آیت کو پیش نہ کرنیکا جون کے ریویو میں اور پھر جولائی کے ریویو میں ظاہر ہے۔ جب اس جائز درخواست کو کہ قرآن شریف کی ایسی آیت پیش ہونی چاہئے پورا کر دیا جاویگا تو اسوقت مرزا صاحب کو یہ کہنے کا حق ہوگا کہ انہوں نے آخر کار اور بہت توقف کے بعد اس خط و کتابت کی بڑی تنقیح کو طے کر دیا ہے جب تک یہ نہ کیا جاوے تو دوسرے امور پر لکھنے سے خواہ وہ تحریریں کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہوں یہ امر واقع چھپ نہیں سکتا کہ ضروری تنقیح کو مرزا صاحب جان بوجھ کر ٹالتے ہیں۔ ان حالات کے ماتحت انہیں مجھ سے یہ امید نہیں کرنی چاہئے کہ میں بحث کے دوسرے پہلوؤں پر غور کروں اور نہ ہی اپی فینی کے ایڈیٹر سے کبھی یہ امید رکھنی چاہئے کہ وہ اس خط و کتابت کو پھر کھولیگا۔ بڑی تنقیح جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآن میں جو لفظ ذنب ۳۷ مقام پر آیا ہے جیسا کہ پادری ایسن نے بیان کیا ہے ان میں سے کونسے مقام کو مرزا صاحب اپنی رائے کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ ابتک اس قسم کی کوئی آیت پیش نہ کرنے سے حالانکہ بار بار ان سے مطالبہ کیا گیا ہے مرزا صاحب کا مقدمہ خارج ہو چکا ہے اور اب اسکی دوبارہ سماعت اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ وہ اس نقص کو دور کر دیں جسکی وجہ سے انکا مقدمہ خارج کیا گیا ہے۔"

آپ کا تابعدار جیمس مانرو

مانرو صاحب کا یہ خیال ہے کہ اب عصمت کے مضمون پر قلم اٹھانے سے ہم روکے گئے ہیں جبتک کہ پادری صاحب بحیثیت جج یہ فیصلہ نہ دیں کہ ہمنے ذنب کے معنے درست کئے ہیں۔ لیکن یہ ان کی غلطی ہے ان کا یہ عذر کہ یہ رسالہ نئی تصنیف نہیں ہے قابل سماعت نہیں کیونکہ بہرحال پبلک کے سامنے یہ نئی صورت میں پیش ہوا ہے اور ہمیں حق حاصل ہے کہ اسپر ریویو کریں۔ پادری صاحب نے معلوم ہوتا ہے اتنی تکلیف نہیں اٹھائی کہ عصمت پر وہ ہمارے اس تیس صفحے کے مضمون کو

پڑھ بھی لیتے جس کا وہ حوالہ دیتے ہیں کہ جولائی کے میگزین میں اُنھوں نے دیکھا ہے اگرچہ باوجود اس لاعلمی کے بھی کہ ہمنے اِس مضمون میں کیا لکھا ہے پادری صاحب لکھتے ہیں کہ میں "اس کی تردید کے لئے بالکل تیار ہوں۔" حالانکہ مضمون کو پڑھا ایک دفعہ بھی نہیں۔ شائید پادری صاحب کے نزدیک نیک نیتی سے اور ایمانداری سے مباحثہ کرنا اسی کا نام ہے۔ لیکن اگر وہ ہمارے اِس مضمون کو پڑھ لیتے تو اُنہیں یہ خط لکھنے کی حاجت نہ ہوتی کیونکہ ہمنے تمہید میں لکھ دیا تھا کہ ہم انبیاء کے ان افعال پر جنکو گُناہ کہا جاتا ہے بحث کرنے کے بعد اس مسئلہ کے دُوسرے پہلوؤں پر بھی غور کرینگے جن میں لفظ ذنب پر بحث بھی ہوگی۔ دیکھو صفحہ ۲۵۵ سطر ۹-۱۰-۱۱ ؀

پادری مانزو صاحب مباحثہ میں حیلوں کو خُوب کام میں لاتے ہیں اور اظہار حق ہرگز نہیں چاہتے جب مفتی محمد صادق صاحب نے ۲۳۔ اگست ۱۹۰۲ء کے ایپی فینی میں خط لکھا تھا جسمیں اُنھوں نے ریویو آف ریلیجنز کی بناء پر تین وجوہات پیش کئے تھے کہ ذنب کے معنے کلام اللہ کی اِن آیات میں جہاں انبیاء کے ذنب کا ذکر ہے صرف انسانی کمزوری ہیں تو پادری مانزو نے اسوقت یہ جواب دیا تھا کہ چونکہ قرآن شریف میں انبیاء کیطرف..... ایسے افعال منسوب کیے گئے ہیں جو گناہ کے مفہوم میں آتے ہیں اسلئے ذنب کے یہ معنی انبیاء کے متعلق نہیں لئے جا سکتے۔ لیکن اب جب ہمنے یہ ثابت کیا کہ قرآن شریف میں کسی نبی کے کسی گُناہ کا ذکر نہیں ہے تو پادریصاحب کہتے ہیں کہ یہ باتیں ہی غیر متعلق ہیں اور وہ اس طرف توجہ نہیں کر سکتے۔ تعجب ہے کہ ایک طرف تو ذنب کے معنوں کی تردید میں کس زور وشور سے اس بحث کو پیش کیا۔ کہ انبیاء کے گُناہوں کا ذکر قرآن شریف میں ہے اور جب اِس باطل خیال کی تردید کیگئی تو جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ غیر متعلق باتیں ہیں پادری صاحب کیوں عمداً پبلک کو دھوکہ دے رہے ہیں اور اگر وہ اپنے آپ کو اس الزام سے بری سمجھتے ہیں تو پھر وہ دوسری مثل انپر صادق آئیگی کہ دروغگورا حافظہ نباشد۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۰۲ء کے ایپی فینی میں پادری صاحب نے یہ مضمون چھپوایا تھا جواب انکے رسالہ میں پھر چھپا ہے۔ جسکو ہم شبہ کے دُور کرنیکے لئے ان کے الفاظ میں یہاں نقل کرتے ہیں:- ؀

" قرآن شریف میں یہ لکھا ہے کہ کس طرح حضرت آدمؑ نے خدا کی نافرمانی کی اور ممنوع پھل کھایا پھر اسی سورۃ اعراف میں یہ لکھا ہے کہ کس طرح حضرت آدمؑ شرک جیسے گُناہ کے مرتکب ہُوئے آدم کے ان افعال کا جنکا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ مُفتی صاحب کیا نام رکھتے ہیں کیا ان دونوں

فعلوں میں سے ہر ایک فعل گناہ تھا یا انسانی کمزوری جو صرف فطرتِ انسان میں ہے ایسا ہی یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے تین دفعہ جھوٹ بولا۔ کیا یہ جھوٹ گناہ تھے یا صرف انسانی کمزوری۔ حضرت موسےٰ کی نسبت سورۂ قصص میں یہ ذکر ہے کہ اس نے ناحق ایک خون کیا۔ کیا مفتی صاحب کی رائے میں گناہ تھا یا انسانی کمزوری۔ پھر سورہ اعراف میں مفصل ذکر ہے کہ کیونکر ہارون نے اسرائیلیوں کو گوسالہ پرستی میں مدد دی اور ترغیب دی۔ کیا مفتی صاحب محمد صادق صاحب کے نزدیک ہارون کا یہ فعل گناہ تھا یا نہیں میں اس فہرست کو بہت لمبا کرسکتا ہوں۔ اور حضرت نوح۔ یونس۔ داؤد وغیرہ علیہم السلام کے گناہ قرآن کریم میں دکھا سکتا ہوں۔ لیکن بالفعل اسی قدر کافی ہے" اب دیکھنا چاہئے کہ کس قدر اصرار کے ساتھ مارزویہ مطالبہ کرتا ہے اور اس فیصلہ کو کہ آیا انبیاء کے یہ فعل گناہ تھے یا نہیں۔ ذنب کے معنوں کے تصفیہ کے لئے کس قدر ضروری سمجھتا ہے۔ لیکن جب اصل حقیقت ان باتوں کی پیش کیگئی تو کس چالاکی سے وہ ہمیں خط لکھتا ہے کہ ان باتوں کی اسے کچھ ضرورت نہیں۔ پہلے تو سوال پر سوال کرتا جاتا ہے کہ فلاں نبی کے فلاں فعل کا جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے کیا نام رکھنا چاہئے اور جب جواب دیا جاتا ہے تو کس دلیری سے وہ اُلٹا الزام ہمکو دیتا ہے کہ ہم امر تنقیح طلب کو ٹال رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ پادریصاحب کو اپنے مطلب کیلئے کوئی ٹیڑھا راستہ اختیار کرنے میں کسی قسم کی شرم یا پرہیز نہیں ہے۔ ایسے شخص کو کس طرح یقین دلایا جاسکتا ہے کہ انبیاء واقعی معصوم تھے۔ جبتک کہ پہلے اسے اس بڑے دھوکے سے نہ نکالا جاوے جو وہ سمجھتا ہے کہ یسوع مسیح آسمان پر چڑھ گیا تھا۔ اور جبتک اسے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ اسکا فرضی خدا مٹی کے نیچے پڑا ہے۔ ہاں سری نگر کی مقدس خاک میں لیٹا ہوا ہے۔ پادریصاحب سے ہمارا ایک اور سوال بھی ہے کہ کیا استغفار کے ان معنوں کو جو ہمنے کئے ہیں وہ صحیح تسلیم کرتے ہیں یا نہیں یعنی یہ کہ استغفار صرف گناہوں کی معافی مانگنے کا نام ہی نہیں ہے بلکہ گناہ سے حفاظت طلب کرنا بھی اسکا اعلیٰ اور اہم مفہوم ہے اسکا ثبوت ہم بارہا پیش کرچکے ہیں اور دکھا چکے ہیں کہ جنتی جنت میں داخل ہونے کے بعد بھی ہمیشہ کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ پادری صاحب اس کا جواب دے کر ہمیں ممنون کرینگے ؎

پادری مارزو کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مسیح موعود کبھی کسی مباحثہ میں اسکو فریق ثانی نہیں بنے ؎

اس کا یہ کہنا کہ حضرت مرزا صاحب کو اپنی فیصلی کے سارے مضامین سے بخوبی اطلاع تھی یا یہ کہ جو بحث پادری صاحب نے شروع کی تھی اسکے بند ہونیکا ان کو علم تھا سیاہ جھوٹ ہے حضرت مسیح موعود کی طرف سے ایک مفصل مضمون عصمتِ انبیاء پر مئی ۱۹۰۲ء کے پرچے میں چھپا تھا اور پادری ابتک اسکے جواب میں خاموش ہیں۔ پادری مازو نے بہت ساری دلیلوں میں سے صرف ایک دلیل کو پکڑا یعنی ذنب کے معنوں پر بحث شروع کی لیکن حضرت مسیح موعود کے مضمون میں یہ بحث صرف دو صفحوں میں منجملہ ۵۴ صفحوں کے درج تھی اور جب تک پادری مازو حضرت مسیح موعود کے مضمون کے اصلی اور بڑے حصہ پر..... بحث نہ کریں اور یا صاف لفظوں میں یہ اقرار نہ کریں کہ مجھے اس سارے مضمون پر کوئی اعتراض نہیں حضرت مسیح موعود کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ پادری صاحب کے لغو اور پوچ اعتراضوں کا جواب دیں۔ پادریصاحب کو اس سارے مضمون کو ایک مضمون سمجھکر معرض بحث میں لانا چاہئیے اور یا تو وہ کل دلائل پر بحث کریں اور یا صاف صاف کہہ دیں کہ اس حصہ کے سوائے جہاں ذنب کا ذکر ہے مضمون کے باقی حصہ پر انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے کیا یہ ایمانداری ہے کہ ایک بڑی چھوٹی سی بات کو لیکر پبلک کو دھوکہ دیا جاوے۔ اور باقی کل کے کل دلائل کا اخفا کیا جاوے۔ کیا پادری مازو نے ان تمام دلائل پر جو حضرت مسیح موعود نے پیش کئے تھے غور کیا ہے اور اگر نہیں تو کیا اسکو یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آئی کہ میں نے مسیح موعود کے دلائل کو توڑ دیا ہے۔ علاوہ بریں ہر ایک شہادت کا وزن تو بحیثیت مجموعی جانچا جاسکتا ہے نہ یہ کہ ایک غیر مستقل ٹکڑے کو لیکر باقی کو علیحدہ کر دیا جائے گویا کہ اس حصے کا باقی بحث سے کچھ تعلق ہی نہ تھا۔ یہ مضمون عصمتِ انبیاء کے اثبات میں لکھا گیا تھا اور منجملہ بہت سارے دلائل کے ایک دلیل یہ بھی تھی کہ ذنب کے معنے انسانی کمزوری کے بھی ہیں کل گیارہ عنوانوں میں یہ مضمون تقسیم ہوا تھا یعنی ۱۔ نجات اور شفاعت ۲۔ عصمت اور شفاعت میں تعلق ۳۔ قرآن شریف سے ثبوت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسان کامل تھے ۴۔ استغفار ۵۔ ذنب اور جرم میں فرق ۶۔ شفاعت کی ضرورت ۷۔ قرآن شریف سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ثبوت ۸۔ عیسائیوں کا خدا ۹۔ ثبوت قرآن شریف سے کہ آنحضرت کے قول و فعل خدا کی طرف سے تھے ۱۰۔ مسیح موعود کا آنا ۱۱۔ عصمت کے مسئلہ کا اخیری فیصلہ*

ان میں سے پادری مازو کا اعتراض صرف پانچویں عنوان پر ہے لیکن اس اعتراض میں بھی وہ ایمانداری سے کام نہیں لیتا۔ حضرت مسیح موعود نے تو ذنب اور جرم میں فرق دکھایا تھا مگر اب مازو اسپر بحث کرتا ہُوا یہ کہتا ہے کہ ہم جرم کے معنوں پر کوئی غور نہیں کرینگے جب تک ذنب کے معنوں کا فیصلہ نہ ہو جائے۔ قرآن شریف لُغت کی کتاب تو ہے نہیں کہ اس سے ذنب کے معنے نکالکر پادریصاحب کی تسلّی کر دیجائے بلکہ اس امر کا کہ قرآن شریف نے کسی لفظ کو کن معنوں میں استعمال کیا ہے۔ فیصلہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ قریب المعنے الفاظ کے استعمال۔ سیاق وسباق یا قرآن شریف کے عام مفہوم پر غور کیا جاوے۔ چنانچہ عصمتِ انبیأ کو ثابت کرتے ہُوئے انہیں اصولوں پر حضرت مسیح موعود نے ذنب اور جرم کے درمیان فرق دِکھایا تھا۔ لیکن پادری مازو سیدھا طریق کبھی اختیار نہیں کرتا وہ ہمیشہ حیلوں سے کام نکالنا چاہتا ہے۔ اور بڑی دلیری سے انکو کام میں لاتا ہے۔ ستمبر کے ریویو کے پرچہ میں ہمنے ذنب کے معنے ثابت کرنے کے لئے چار امور ثابت کئے تھے لیکن پادری مازو کو نہ تو یہ جرأت ہُوئی کہ اس مضمون کو اپنے رسالے میں درج کریں اور نہ ہی اسکی تردید کی ان میں طاقت تھی اور اسلئے انھوں نے مصلحت یہی سمجھی کہ اس مضمون کا کہیں ذکر تک بھی نہ کریں۔ یہ چار اُمور حسب ذیل ہیں:-

(۱) لفظ **ذنب** قرآن شریف میں قریبًا چالیس دفعہ استعمال ہُوا ہے حالانکہ **جُرم۔ اثم۔ فسق** قریبًا دوسو دفعہ استعمال ہُوئے ہیں +

(۲) باوجودیکہ الفاظ جرم۔ اثم۔ فسق بمقابلہ ذنب کے اس کثرت سے استعمال ہُوئے ہیں لیکن انمیں سے کبھی بھی کوئی لفظ انبیاء کے حق میں نہیں بولا گیا +

(۳) الفاظ جرم۔ اثم۔ فسق کے مُتعلق قرآن شریف نے صاف صاف بیان کر دیا ہے کہ یہ افعال خدا کے حکم کی نافرمانیاں ہیں جنپر خدا تعالےٰ کی طرف سے سزا کا وعید ہے۔ اور ان کے کرنے والوں کیلئے جہنّم مُقرر کیا گیا ہے +

(۴) ذنب کی ایسی تعریف قرآن شریف میں کہیں نہیں کیگئی اور نہ ہی ہر ایک مذنب کے لئے دوزخ کی سزاء مقرر کیگئی ہے +

نہ پادری مازو نے اور نہ ہی اس کے کسی دوست نے ان چار امور میں سے ایک کو بھی

غلط ثابت کر کے...... دکھایا۔ پادری الپین مانزو کے فاضل مصری دوست نے جو بے وقوفی کی ہے۔ اسپر ہر ایک شخص جسکو عربی زبان سے کچھ بھی واقفیت ہے ہنسیگا۔ پادری مانزو حضرت مسیح موعود کو اپنا فریق مخالف تجویز کرنے میں اپنے پایہ سے بڑھ کر جرأت کرتا ہے اسے شائد ابھی اتنا تجربہ نہیں ہُوا ہے جیسا لاہور کے فاضل بشپ کو جسنے ایسے مقابلہ سے گریز کی تھی پادریصاحب کو بشپ صاحب سے سبق حاصل کرنا چاہئے تھا شائد مانزو کو یہ خیال ہو کہ بشپ صاحب کو وہ بحث کے حیلے یاد نہ تھے جنمیں پادریصاحب مشاق ہیں مگر اغلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ بشپ صاحب نے سمجھ لیا ہو گا کہ ایسے مباحثہ میں جہاں دونوں فریق برابری کی حیثیت میں ہونگے ایسے حیلے کام نہ دیسکیں گے۔ کیونکہ اتنا تو ہم جانتے ہیں کہ عرصہ دراز تک بشپ صاحب پادری کا کام کرتے رہے ہیں۔ اور اسلئے وہ ان سب باتوں سے واقف ہیں ایسے حیلے صرف اپنی فینی کے اخبار میں یا الگ رسالے شائع کرنے میں کام آسکتے ہیں*

اب صرف ہمیں چند لفظ پادری مانزو کے اس فیصلہ کے متعلق کہنے ہیں جو اس نے کیا ہے فیصلہ اسکا یہ ہے کہ مرزا صاحب کا مقدمہ بسبب شہادت کے نہ ہونے کے خارج کیا گیا ہے حالانکہ نہ تو اس نے خود حضرت مسیح موعود کی کسی دلیل کا جو عصمت انبیاء پر آپ نے تحریر فرمائی ہیں جواب دیا ہے اور نہ ریویو آف ریلیجنز کے اُن دلائل کا جواب دیا ہے جو ذنب کے معنوں کے متعلق اسمیں لکھے گئے تھے۔ یہ تو ہوا لیکن خود پادریصاحب نے یسوع کی عصمت پر جو اناجیل کی بناء پر حملے کئے گئے تھے انکا آجتک کچھ بھی جواب نہیں دیا۔ گویا کہ انکے کانوں میں رُوئی بھری ہُوئی ہے۔ ہر ایک دلیل کے جواب میں وُہ محض گونگے کیطرح خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ کیا بار بار ان کو توجہ نہیں دلائی گئی کہ جس حالت میں دُوسرے انبیاء کو خدا کے کلام میں متقی۔ صالح۔ راستباز کہا گیا ہے تو یسوع نے نیک کہلانے سے کیوں انکار کیا۔ اور پھر علاوہ اس انکار کے اس نے اگر وُہ واقعی بے گناہ تھا تو یوحنا کے ہاتھ پر گناہوں سے توبہ کر کے بپتسمہ کیوں لیا۔ کیا پادری مانزو نے بائیبل کی کسی آیت کا حوالہ دیا ہے جسمیں "میں نیک نہیں ہُوں" کے معنے "میں نیک ہُوں" لئے گئے ہوں۔ یا وُہ گرامر کا کوئی ایسا قاعدہ پیش کر سکتا ہے جس کے رُو سے ان الفاظ۔ کے معنے کہ "تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے" یہ ہونے چاہئے کہ "تجھے چاہئے کہ مجھے نیک کہے" یا انگریزی زبان کی کوئی ایسی ڈکشنری پیش کی ہو جسمیں لکھا ہو کہ

ناٹ گڈ کے معنے **نیک** ہوتے ہیں کیا اسے معلوم نہیں کہ یہ اور اسی قسم کے اور سوالات ہیں مہینوں سے برابر اسے پوچھے جارہے ہیں اور ان سب کے جواب میں اسنے اور دوسرے تمام پادریوں نے اب تک خاموشی اختیار کر رکھی ہے دعوے تو یہ ہے کہ ہم ہندوستان میں یسوع کی انجیل کے واعظ اور مفسر ہوکر آئے ہیں اور کرتوت یہ کہ مہینوں سے ایک سوال کا جواب بھی نہیں دیا کیا پادری ٹا زوکو حضرت مرزا صاحب کے برخلاف اس وجہ پر کہ اسکے اپنے بیان کے مطابق انہوں نے اسکے ایک سوال کا جواب پانچ ماہ تک نہیں دیا - یہ فیصلہ دیتے ہوئے کہ عدم ثبوت کی وجہ سے ان کا مقدمہ خارج ہے شرم نہ آئی جب وہ خود مہینوں سے ہمارے متواتر سوالوں کے جواب میں خاموش ہورہا ہے - کیا یہی سچائی ہے جو اس نے انجیل سے سیکھی ہے کیا یہ طریق کسی ایماندار مباحث کے شایانِ شان ہے - یہ مصرع گویا پادری صاحب کے لئے ہی لکھا گیا تھا - ؎

چہ دلاور است دُزدے کہ بکف چراغ دارد

دعوے یسوع کی عصمت کا ہے اور انبیاء کو گالیاں دیجاتی ہیں لیکن پادری صاحب کی موہوم عصمت یسوع پر انجیل ہی کی بناء پر اعتراض کئے جاتے ہیں اور مہینوں سے لگاتار سوالوں کا سلسلہ چلا آتا ہے تو پادری صاحب اپنی ناکامی اور شکست کو چھپانے کے لئے بڑی جرأت سے یہ کہتے ہیں کہ ہمنے مرزا صاحب کا مقدمہ عدم شہادت کے لئے خارج کر دیا ہے - قبل اس کے کہ وہ ایسی بیہودگی کرتا اسے چاہئے تھا کہ گھر کو صاف کر لیتا - اور ان سوالوں کا جواب دے لیتا جو بار بار اس سے پوچھے گئے ہیں یا صاف لفظوں میں اقرار کرتا کہ ان کا جواب دینے سے وہ عاجز ہے اگر ان دونوں راہوں میں سے وہ کوئی راہ بھی اختیار نہیں کریگا تو آئندہ ہم اس سے کوئی واسطہ نہیں رکھیں گے اور نہ اسکی تحریروں پر کوئی غور کرینگے خواہ وہ ایپی فینی میں چھپیں یا ہمارے پاس بھیجی جاویں ❊

وہ نبی

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ -

ایک بھرت پور کا عیسائی موہن لال نامی ایپی فینی مورخہ ۲۰ جون ۱۹۰۳ء میں بیان کرتا ہے

کہ استثنا باب ۱۸ آیت ۲۰ میں دو پیشگوئیاں ہیں ایک سچے نبی کی اور دوسری جھوٹے نبی کی اور جب یہودیوں نے حضرت یحیٰی علیہ السلام سے پوچھا کہ آیا تو وہ **نبی** ہے تو ان کا اشارہ اس جھوٹے نبی کیطرف تھا جسکا ذکر استثناء میں ہے اور یہ جھوٹے نبی معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بت پرستی اور انسان کی پوجا سے عقلیں کند ہو جاتی ہیں ؁

استثنا کے متعلق تمام یہودیوں اور عیسائیوں کا اتفاق ہے کہ ان آیتوں میں ایک ہی سچے نبی کی پیشگوئی ہے۔ لیکن اگر ہم مان بھی لیں کہ استثنا باب ۱۸ آیت ۲۰ میں ایک جھوٹے نبی کی پیشگوئی ہے تو وہ پیشگوئی ہمارے نبی صلے اللہ علیہ سلم پر نہیں لگتی۔ کیونکہ اسمیں لکھا ہے کہ جھوٹا نبی قتل کیا جائیگا یعنے ناکامی کے ساتھ ہلاک ہوگا۔ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کامیابی کے اعلےٰ منار تک پہنچ گئے۔ اور جب اپنے کام کو مکمل کر چکے تو وفات پائی۔ خدا تعالےٰ ان کی سچائی کے ثبوت میں فرماتا ہے ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین یعنی اگر یہ نبی ہمپر افترا کرتا تو ہم اسکو دائیں ہاتھ سے پکڑتے پھر اسکی رگ جان کو کاٹ دیتے۔ پھر آپکے کام کی تکمیل کی نسبت فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی آج کے دن میں تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تمپر پورا کر دیا۔ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب استثنا کے یہ الفاظ۔ لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جسکے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا تو وہ نبی قتل کیا جائیگا ؎ ہمارے نبی پر صادق نہیں آتے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ پیشگوئی نہیں لگتی۔ لیکن اگر بابو موہن لال نے ضرور یہ الفاظ کسی مدعی نبوت پر لگانے ہیں تو یہ یسوع پر خوب چسپاں ہوتے ہیں۔ کیونکہ اسکو بہت مہلت نہیں دیگئی اور جب اس نے خدائی کا دعوےٰ کیا تو اسکے بعد جلدی ہی یہودی اس کو پھانسی کیطرف گھسیٹ کر لیگئے اور وہ صلیب پر لعنتی موت مرا جو بائیبل کے رو سے صرف ایک جھوٹے نبی کے حصے میں آسکتی ہے ؁

اور بھی کئی وجوہات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ استثنا باب ۱۸ کی پیشگوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے نہ یسوع کے حق میں۔ یہ الفاظ کہ موعود نبی انکے بھائیوں میں سے ہوگا۔ صاف طور پر ثابت کرتے ہیں کہ یہ پیشگوئی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہے میرا مدعا یہاں یہ نہیں ہے کہ ان لفظوں سے صرف بنی اسماعیل ہی مراد ہو سکتے ہیں میں مان لیتا ہوں کہ یہ الفاظ بنی اسرائیل کیلئے بھی ایسے ہی ہو سکتے ہیں

جیسے بنی اسمٰعیل کے لئے۔ مَیں تو اس بات پر زور دیتا ہُوں کہ یہ الفاظ یسوع کو بالکل خارج کرتے ہیں کیونکہ انہی الفاظ کے رُو سے موعود نبی یا اسمٰعیلی ہونا چاہئے یا اسرائیلی۔ مگر چونکہ یسوع کو عیسائی بے باپ مانتے ہیں اسلئے نہ وُہ اسرائیلی تھا نہ اسماعیلی کیونکہ اسماعیلی یا اسرائیلی باپ تھا۔ علاوہ اسکے عیسائی تو اسکو خُدا اور خُدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو وہ کس طرح اسمٰعیل یا یعقوب کی اولاد کہا جاسکتا ہے اگر عیسائی اس پیشگوئی کو یسوع پر لگانا چاہتے ہیں تو اول ان کو اسکی خُدائی سے اِنکار کرنا چاہئے اور پھر کسی آدمی کا نام لینا چاہئے جس کے نطفہ سے وہ پیدا ہُوا ہو اور یہ بھی کہنا چاہئے کہ وہ یسوع کا باپ بنی اسمٰعیل یا بنی اسرائیل میں سے تھا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسمٰعیل میں سے تھے اور اسلئے یہ الفاظ کہ موعود نبی انکے بھائیوں میں سے ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتے ہیں۔ بابو موہن لال بیان کرتا ہے کہ یہ الفاظ اسماعیلیوں پر اطلاق نہیں پا سکتے کیونکہ حضرت اسماعیلؑ حضرت یعقوب کے چچے تھے نہ بھائی۔ اسلئے بنی اسماعیل بنی اسرائیل کے بھائی نہیں کہے جاسکتے۔ یہ عجیب دلیل ہے۔ بابو صاحب بتلا دیں کہ اگر بھائیوں کا لفظ بنی اسماعیل پر نہیں لگ سکتا تو وُہ اور کونسا لفظ ہے جس کے ذریعہ ان دونوں قوموں کے رشتے کو ظاہر کیا جاوے۔ کیا بنی اسماعیل کو بنی اسرائیل کے چچے کہنا چاہئے دونوں قوموں کا جد اعلیٰ ایک ہے۔ یعنے دونوں قومیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اِس لئے ہم ان کے باہمی رشتے کو بھائیوں کے لفظ سے ظاہر کر سکتے ہیں ایسا ہی یہ الفاظ کہ موعود نبی تجھ سا یعنے موسیٰ جیسا ہو گا صاف طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ اس پیشگوئی کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان الفاظ کے رُو سے ضروری ہے کہ موعود نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مثیل ہو۔ اب دیکھنا چاہئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں وُہ کونسی خاص باتیں ہیں جنہیں موعود نبی کو ان سے مشابہت ہونی چاہئے۔ اوّل حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت تھے۔ دوم وہ اپنے دُشمن پر فتح یاب ہُوئے اور فرعون مع اپنے تمام لشکر کے ہلاک ہُوا۔ سوم حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرعون کے ظلم اور جفا سے نجات دی اور انکے پیرو ایک سلطنت کے وارث ہوئے یہ تین باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام میں نمایاں ہیں۔ اب دیکھنا چاہئے کہ ان سے ان باتوں میں کون مشابہت رکھتا ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا یسوع عیسائی نوشتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یسوع کی حضرت موسیٰ سے کوئی مشابہت نہ تھی یسوع کوئی شریعت نہیں لایا بلکہ اُسنے حضرت موسیٰؑ کی شریعت کو بھی موقوف کر دیا اسی

وجہ سے عیسائیوں کا عمل توریت پر نہیں تھا۔ ایسا ہی بجائے اس کے کہ یسوع حضرت موسیٰؑ کی طرح اپنے دشمنوں پر غالب آئے اسکے دشمن الٹا یسوع پر غالب آ گئے چنانچہ اُنھوں نے یسوع کو پھانسی پر چڑھا دیا ایسا ہی یسوع اِس بات میں کامیاب ہُوا کہ اپنے شاگردوں کو مُلک کا بادشاہ بنائے۔ یہودیوں اور خُود اس کے شاگردوں کی اسطرف آنکھیں لگی ہُوئی تھیں کہ وہ داؤد کے تخت کو قائم کریگا مگر ساری اُمیدیں بیفائدہ تھیں۔ پس ثابت ہُوا کہ یسوع حضرت مُوسیٰ علیہ السلام سے کوئی مشابہت نہیں رکھتا تھا۔ ہاں اگر استثنا کی پیشگوئی میں یہ الفاظ ہوتے کہ وہ حضرت موسیٰؑ جیسا نہ ہوگا تو پھر یسوع اس پیشگوئی کا مصداق ہوسکتا تھا علاوہ ازیں حضرت موسیٰؑ تو اِنسانوں کی اولاد تھے مگر یسُوع تو عیسائیوں کا خُدا تھا۔ پس اِنسان اور خُدا میں کیسے مشابہت ہوسکتی ہے لیکن اگر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سوانح کی طرف توجہ کریں تو ہم ان میں اور حضرت موسےٰؑ میں بیّن مشابہت پاتے ہیں۔ حضرت موسےٰؑ کی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم صاحب شریعت تھے۔ اور حضرت مُوسےٰؑ کیطرح ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلّم اپنے دشمنوں پر غالب آئے اور آپ کے دشمنوں کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔ حضرت موسیٰؑ کی قوم کی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ مُلکوں کے بادشاہ اور فاتح بنے۔ پس یہ الفاظ کہ وہ موعود نبی تجھ سا یعنے حضرت موسیٰؑ جیسا ہوگا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم پر صادق آتے ہیں پھر یہ الفاظ بھی کہ "اپنا کلام اُسکے مُنہ میں ڈالونگا اور جو کچھ میں اسے فرماؤنگا وہ سب ان سے کہیگا"...... ...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر ہی صادق آتے ہیں نہ یسوع پر۔ خُدا تعالےٰ نے پیشگوئی کے منشأ کے مطابق اپنا کلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے مُنہ میں ڈالا جسکو آپ نے لوگوں تک پہنچایا اور جو اب قرآن شریف میں موجود ہے۔ عیسائیوں کے پاس کوئی ایسی کتاب نہیں جس میں خُدا تعالےٰ کا کلام درج ہو جو خُدا تعالےٰ نے یسُوع کے مُنہ میں ڈالا تھا۔ اناجیل میں کچھ ٹوٹی پھوٹی یسوع کی تقریریں درج ہیں مگر وہ یسُوع کے اپنے الفاظ ہیں نہ خدا تعالےٰ کے۔ اور یسوع نے کبھی دعوےٰ نہیں کیا کہ یہ الفاظ اُنکا کلام نہیں خُدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس پیشگوئی کو یسُوع پر لگانے کے لئے بابو موہن لال بیان کرتا ہے کہ یسُوع کلمۃ اللہ تھا۔ میں یہاں یہ بحث نہیں کرتا کہ آیا وہ فی الحقیقت کلمۃ اللہ تھا اگر ہم ان بھی لیں کہ وہ کلمۃ اللہ تھا تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یسوع اس پیشگوئی کا مصداق نہیں کیونکہ پیشگوئی...... تو اسطرح پر ہے کہ خُدا تعالےٰ کا کلام نبی موعُود کے مُنہ میں ڈالا جائیگا۔ اِس سے معلوم

ہوتا ہے کہ نبی موعود اور خدا کا کلام ایک چیز نہیں بلکہ وہ الگ الگ چیزیں ہیں۔ پس اگر یسوع کلمۃ اللہ یعنی خدا تعالیٰ کا کلام تھا تو وہ نبی موعود نہیں ہو سکتا۔ نبی موعود اور ہے اور کلام الٰہی اور ہے دونوں ایک نہیں ۔ بابو موہن لال کی بات ایسی بیہودہ نہ ہوتی اگر وہ یہ بیان کرتا کہ یہ پیشگوئی یسوع کی ماں مریم کے حق میں ہے جسکے رحم میں یسوع جو خدا کا کلام تھا ڈالا گیا اور اسطرح یہ پیشگوئی مریم میں پوری ہوئی اگرچہ اسمیں بھی ایک یہ مشکل پیش آتی ہے کہ پیشگوئی کے رُو سے خدا کا کلام مریم کے مُنہ میں ڈالا جانا چاہیئے تھا نہ رحم میں ؛

علاوہ ازیں یسوع نے کبھی دعوے نہیں کیا کہ یہ پیشگوئی اسکے حق میں ہے۔ بلکہ نئے عہدنامے سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکے پورا ہونیکا ابھی انتظار تھا۔ دیکھو اعمال باب ۳ آیت ۲۲-۲۳ جسمیں لکھا ہے اور یسوع مسیح کو پھر بھیجے جس کی منادی تم لوگوں کے درمیان آگے سے ہوئی۔ ضرور ہے کہ آسمان اسے لئے رہے اسوقت تک کہ سب چیزیں جنکا ذکر خدا نے اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آویں کیونکہ موسےٰ نے باپ دادوں سے کہا۔ خداوند جو تمہارا خدا ہے تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے ایک نبی میری مانند اُٹھائیگا جو کچھ وہ تمہیں کہے اسکی سب سنو۔ اور ایسا ہوگا کہ ہر نفس جو اس نبی کی نہ سُنے وہ قوم میں سے نیست کیا جاویگا مذکورہ بالا عبارت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یسوع میں یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی بلکہ یہ نبی ابھی آنیوالا ہے اور جب تک یہ نبی ظاہر نہ ہولے یسوع دوبارہ نہیں آئیگا۔ اب یہ دیکھنا باقی رہے کہ آیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوے کیا ہے کہ موسےٰ کی پیشگوئی آپکے حق میں ہے۔ اس امر کے متعلق قرآن شریف صاف شہادت دیتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً۔ یعنے ہمنے تمہارے پاس ایک رسول بھیجا ہے جو تمپر گواہ ہے جیسا کہ ہمنے فرعون کیطرف رسول بھیجا۔ اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسےٰ میں مشابہت قائم کیگئی ہے۔ پھر فرماتا ہے وشھد شاھدٌ من بنی اسرائیل علیٰ مثلہ (الاحقاف) یعنی بنی اسرائیل میں سے ایک شاہد نے اپنے مثیل کے پیدا ہونے کی شہادت دی ہے اسمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کیطرف صریح اشارہ ہے پھر جیسا کہ استثنا کی پیشگوئی میں لکھا ہے کہ میں اپنا کلام اُسکے مُنہ میں ڈالونگا اور جو کچھ میں اسے کہونگا وہ سب ان سے کہیگا۔ اسی کے موافق قرآن شریف میں یہ آیت ہے ماینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ (سورۃ النجم)

یعنے یہ نبی اپنی خواہش سے نہیں بولتا۔ یہ ایک وحی ہے جو اسکی طرف بھیجی جاتی ہے اور جیسا
کہ استثنا کی پیشگوئی میں لکھا ہے کہ جھوٹا نبی ہلاک ہو جائیگا۔ ایسا ہی قرآن شریف میں ہے کہ اگر
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تقول علی اللہ کرتے یعنی خدا تعالیٰ پر افترا کرتے تو اسکا نتیجہ ہلاکت تھا۔ ان آیات
سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف حضرت موسےٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کا مصداق جو استثنا
باب ۱۸ میں ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ٹھہراتا ہے ؛

اب میں نئے عہدنامے کی اُس عبارت کیطرف رجوع کرتا ہوں جسمیں بابو موہن لال کہتا ہے
کہ ایک جھوٹے نبی کا ذکر ہے وہ عبارت یوں ہے :-

"بلکہ یوحنا نے انکار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں۔ تب اُنہوں نے اس سے پوچھا تو اور کون ہے؟
کیا تُو الیاس ہے اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ پس آیا تُو وہ نبی ہے اس نے جواب دیا۔ نہیں"

مندرجہ بالا عبارت میں صریحاً ایک سچے مشہور موعود نبی کا ذکر ہے نہ جھوٹے نبی کا جیسا کہ
مندرجہ ذیل دلائل سے ظاہر ہوتا ہے :-

اوّل یہودیوں نے جو سوال حضرت یحییٰ ؑ سے کیا اس سے ان کی غرض اس امر کا معلوم کرنا تھا
کہ وُہ کیا دعوےٰ کرتا ہے پس وہ ان سے یہ نہیں پوچھ سکتے تھے کہ کیا تم ایک جھوٹا نبی ہونیکا دعوےٰ کرتے ہو؟

دوم۔ یہودیوں نے سوال کیا۔ اگر تُو نہ مسیح ہے نہ الیاس نہ وُہ نبی۔ پس کیوں بپتسمہ دیتا ہے ؛
اِس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ **وہ نبی** سے ان کی مراد ایک ایسا نبی تھا جسکو اصطباغ
دینے کا یا بیعت لینے کا اختیار تھا یعنے ایک سچا نبی ؛

سوم۔ مروجہ بائیبلوں کے حاشیہ پر لکھا ہوا ہے کہ یہاں **وہ نبی** سے مراد وُہ موعود رسول
ہے جسکا ذکر استثنا باب ۱۸ آیت ۱۵ و ۱۸ میں ذکر ہے اب بابو موہن لال مانتا ہے کہ آیت ۱۵ و ۱۸ میں
ایک سچے نبی کا ذکر ہے نہ جھوٹے کا پس ثابت ہوا کہ یہاں **وہ نبی** سے مراد سچا نبی مراد ہے ؛

چہارم۔ جب کبھی نبی کا لفظ تنہا ہوتا ہے تو اس سے سچا نبی ہی مراد ہوتا ہے جبتک جھوٹا وغیرہ
ساتھ نہ لگے ہوئے ہوں ؛

لال کا یہ کہنا کہ جب یہودیوں نے حضرت یحییٰ ؑ سے پوچھا کہ کیا تُو وہ نبی ہے ؟
وہ جھوٹا نبی تھا جس کا ذکر استثنا باب ۱۸ آیت ۲۰ میں ہے بالکل بے بنیاد ہے
جبتک کہ وُہ یہ ثابت نہ کرے کہ یہودیوں کے نزدیک بھی آیت ۲۰ میں ایک جھوٹے نبی

کی پیشگوئی تھی کیا یہ ضروری ہے کہ جو بابو صاحب کی رائے ہو وہی یہودی عالموں کی بھی رائے ہو +

ابھی میں نے بابو صاحب کا فیصلہ نہیں کیا - ابھی ایک اور زد باقی ہے بابو صاحب نے یہ کہہ کر کہ **وہ نبی** سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اپنے آپ کو ایک مشکل میں پھنسا دیا ہے اور میں نہیں دیکھتا کہ وہ کسطرح رہائی حاصل کر سکتے ہیں۔ سب عیسائیوں کا اسپر اتفاق ہے کہ **وہ نبی** سے مراد ایک سچا نبی ہے - پس بابو صاحب کو ماننا پڑا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سچے نبی تھے اور نیز چونکہ کل عیسائیوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ نبی سے وہ موعود رسول مراد ہے جسکی نسبت استثنا باب ۱۸ آیت ۱۸ میں پیشگوئی ہے پس چونکہ بابو صاحب کی رائے میں **وہ نبی** سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسلئے انکو ماننا چاہئے کہ استثنا کی پیشگوئی بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ بابو صاحب کو اب مسلمان ہونا چاہئے +

بابو صاحب اب دو مشکلات میں پھنس گئے ہیں یا تو ثابت کریں کہ **وہ نبی** سے جھوٹا نبی مراد ہے یا بسم اللہ کر کے اسلام قبول کریں مگر یہ تو ثابت کرنا محال ہے کہ **وہ نبی** سے جھوٹا نبی مراد ہے پس انکے لئے اسلام قبول کرنیکا پہلو باقی رہگیا - اور اگر ان میں کچھ دیانت باقی ہے تو ضرور ہے کہ وہ چند دنوں میں اپنے مسلمان ہو جانے کا اعلان دیدیں گے - جھوٹ پر ہٹ کر کے زندگی بسر کرنے سے کیا فائدہ +

شیر علیؓ از قادیان

رجسٹرڈ ایل ۳۰۳

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دُنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۳ء نمبر ۱۰

فہرست مضامین

انجمن اشاعۃ اسلام قادیان نے انوار الاسلام پریس قادیان دار الامان میں باہتمام منشی محمد افضل احمدی
۲۰ اکتوبر سنہ ۱۹۰۳ء کو چھپوا کر شائع کیا

چندہ سالانہ .... معمولی کاغذ پر عما .... ولایتی پر ۲ے/

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مسیح کی آمد ثانی

اس مضمون کی عظمت جتنی بیان کی جائے تھوڑی ہے۔ اسکی بنا دنیا کے تین بڑے مذاہب یعنی یہودیت عیسائیت اور اسلام کی کتب مقدسہ پر ہے آمد مسیح کے عقائد ابتدا میں یہودیوں سے شروع ہوئے تھے۔ انبیائے بنی اسرائیل نے پہلے پہل اسکے متعلق نبوت کی اور ان کی پیشگوئیاں اور اقوال یہود کی کتب سماوی اور کتب احادیث میں درج ہیں۔ ان کی روشن ترین امیدیں اسی پیشگوئی میں بھری پڑی تھیں اور اسی پیشگوئی کے پورا ہونے میں ان کی تمام امیدوں کا مرکز تھا پس صفات مسیح کے متعلق صحیح عقائد وہی ہو سکتے ہیں جو علمائے یہود نے اپنی کتب سماوی اور کتب احادیث کے فہم پر بیان کئے۔ اور وہی ہمارے واسطے سب سے زیادہ مستند ہو سکتے ہیں۔ آمد مسیح سے یہود نے کبھی ایسا خیال نہ کیا تھا کہ ایک خدا آدمی کا جنم دھار کر ان کے درمیان آموجود ہوگا! اور نہ وہ شریعت موسوی اور تعلیم انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاکر کبھی ایسا وہم وگمان کر سکتے تھے یہود کا مذہب واحد خدا کے غیر جسمانی اور غیر محدود ہونے پر کسی انسان کی الوہیت کے عقیدہ کے سخت مخالف تھا اور اسلئے انکے کسی نبی نے کوئی ایسی تعلیم نہیں دی اور نہ کوئی اسرائیلی کسی ایسے مسئلہ کو کبھی مان سکتا تھا زمانۂ مسیح سے یہود کی یہ مراد ہوا کرتی تھی کہ یہودی قوم کیواسطے امن اور اقبال مندی کا ایک زمانہ آنیوالا ہے جسمیں خدا کی توحید بالخصوص

عظمت کے ساتھ ظاہر ہوگی۔ دراصل انبیاء نے اپنی پیش گوئیوں میں بنی اسرائیل کو اس بات میں بڑی امیدیں بندھوائی تھیں کہ آمد مسیح کے ساتھ ذات باری کی مطلق توحید تمام قوموں میں جاری و ساری ہو جائیگی ان کا مسیح ان پہلے انبیاء کا ایک مثیل ہونے والا تھا جو کہ ان کے درمیان گذر چکے تھے پس ہم بآسانی اس نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں کہ یہود کو جس مسیح کا وعدہ دیا گیا تھا وہ کوئی خدا نہ تھا بلکہ خدا کا ایک فرستادہ بنی انسان تھا مگر یہود کی روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ انبیاء کی پیش گوئیوں کے مطابق دو مسیح پیدا ہونگے ایک تکلیف اٹھانے والا مسیح اور دوسرا فاتح مسیح اور اس سے مراد یہ تھی کہ پہلا مسیح توحید کے مذہب کو عام طور پر قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوگا بلکہ اس امر میں کامیابی کا فخر دوسرے مسیح کو عطا کیا جائیگا اب عیسائی اور مسلمان ہر دو اس امر میں متفق ہیں کہ پہلے مسیح کے متعلق جو پیشگوئی تھی وہ یسوع ابن مریم کے آنے سے پوری ہو گئی مگر یہود چونکہ یسوع کو ایک چھوٹا نبی قرار دیتے ہیں اسواسطے وہ اب تک مسیح اول کے انتظار میں لگے ہوئے ہیں۔ دنیا کے اندر تمام تکالیف اور مصائب کے درمیان جو یہود پر پڑتی رہی ہیں صرف مسیح کی آمد پر ایک چمکیلی امید ہی ہے جو کہ ان کو تمام دکھوں کے وقت ایک سہارا اور ہمت و استقلال کا ڈھارس بندھاتی رہی ہے پس یہود نے آمد مسیح پر اپنے مضبوط ایمان کا ایک عملی ثبوت دکھا دیا ہے۔ یہ تو یہود کا حال ہے مگر عیسائیوں میں یہ پیشگوئی اس سے بھی بڑھ کر عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ آمد ثانی کی پیشگوئی خود یسوع مسیح نے کی اور حواری اس پر پختہ ایمان رکھتے تھے اور تب سے ہر ایک عیسائی نسل اس امر پر پختہ ایمان رکھتی رہی اور اسی پیش گوئی کو اپنی تمام امیدوں کا دارومدار سمجھتی رہی۔ دین عیسوی میں یہ پیش گوئی ایسی عظیم الشان مانی جاتی ہے کہ اس کو سب سے بڑی پیشگوئی کہا جاتا ہے اور بائیبل کے کلام الہی ہونے کیواسطے یہ پیشگوئی ایک بڑا ثبوت سمجھی جاتی ہے۔ ایسا کہ اگر مسیح نہ آوے تو بائیبل سب خاک میں ملجائے۔ اب رہے مسلمان سو ان کو ایک عظیم الشان الہامی وعدہ ہے جس میں کسی کو ذرہ بھی شک نہیں کہ مسیح ضرور آئیگا اور یہ وعدہ آیات قرآن کریم پر مبنی ہے اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل کی ہے +

مسئلہ آمد ثانی کے حل کرنے کے وقت تین باتیں پیش نظر آتی ہیں یعنی اس کا وقت[۱]۔ طریق[۲] اور مقصد[۳] وقت کا اگر ٹھیک اندازہ ہو سکے تو یہ سب سے زیادہ ضروری امر ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالے کا رحیم اور حکیم ہونا اس امر کا مقتضی ہے کہ اس مصلح کا آنا عین ضرورت کے وقت ہو۔ پس آمد کا وقت صرف ان پیش گوئیوں اور نشانات سے ہی مقرر نہیں کیا جائے گا جو پہلے سے بیان کی جا چکی ہوں بلکہ

وقتی ضرورت کا بھی اس میں بڑا دخل ہوگا۔ درحقیقت تینوں قومیں یعنی یہود عیسائی اور مسلمان جنکو مسیح کا وعدہ دیا گیا تھا اگر کسی امر میں کبھی متفق ہوئی ہیں تو اس امر میں ضرور متفق ہیں کہ اس مصلح کی آمد کا وقت آگیا ہے۔ زمانۂ آمد مسیح کے متعلق یہ ایک ایسا غیر معمولی اتفاق تمام قوموں نے ظاہر کیا ہے کہ مسیح موعود کی آمد اسی گھڑی میں ہونی چاہیئے اور موجودہ وقت کی ضرورت اس کی آمد کو ایسا ثابت کرتی ہے کہ اس کی آمد کا وقت مقرر کرنے کے واسطے ہم ایک قدم بھی آگے بڑھ نہیں سکتے اور اگر فی الواقع مسیح اب تک ظاہر نہیں ہوا تو پھر اس کی آمد کے تمام وعدے بے کار اور بے فائدہ ہیں +

یہود کئی صدیوں کے مصائب میں دب کر مذہبی امور میں بہت ہی بے پرواہ ہو گئے تھے پر وہ بھی غیر معمولی چستی مذہبی معاملات میں ظاہر کرنے لگے ہیں جیسا کہ ان کے موجودہ حالات سے صاف معلوم ہو رہا ہے۔ تمام دنیا کے یہود میں ایک قومی جوش پھیل رہا ہے کہ اس پراگندہ قوم کو اپنے اصلی وطن میں پھر جمع کیا جائے۔ ہزاروں بیت المقدس میں آکر آباد ہو گئے اور لاکھوں اس امر کے لئے تیاریاں کر رہے ہیں وہ ایک محکم یقین پر جم گئے ہیں کہ مسیحا جلد آتا ہے اور باوجود زر کے پیار کے سب دنیا بھر میں ضرب المثل ہونے کے وہ دنیاوی فوائد اس خوشی میں قربان کر رہے ہیں کہ اب مسیح کے استقبال کا وقت آگیا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں کبھی مسیح کی آمد کے واسطے ایسا انتظار اور تیاری اس سے پہلے نہیں ہوئی اور یہ ایک سچا نشان اس امر کا ہے کہ وہ آنے والا آگیا ہے۔

اس زمانہ میں عیسائی تو مسیح کے ملنے کے لئے یہود سے بھی بڑھ کر تیاریوں میں مصروف ہیں۔ ابتدائے عیسائیت میں جبکہ متی باب ۲۴۔ آیت ۳۴ کی عبارت کا مطلب غلطی سے یہ سمجھا گیا تھا کہ یہ مسیح کی دوبارہ آمد کی طرف اشارہ ہے حالانکہ اس سے مراد صرف یہ تھی کہ مسیح صلیبی موت سے بچ جائے گا۔ تب سے لے کر آج تک مسیح کی آمد کے واسطے ایسی جوشیلی امیدیں کبھی ظاہر نہیں کی گئیں مخلوق ہر جگہ اس امر کے واسطے بے آرام ہو رہی ہے اور لوگوں کے دل دھڑک رہے ہیں گویا کہ مسیح دروازہ پر کھٹکھٹا رہا ہے آہ صد آہ وہ تو بے شک کھٹ کھٹا رہا ہے پر کون ہے جو اس کے لئے دروازہ کھولے !! عیسائی دنیا میں یہ ایک عالمگیر رائے قائم ہو گئی ہے کہ آمد مسیح کی گھڑی آگئی۔ دور و نزدیک تمام ممالک سے یہی آوازہ آرہا ہے۔ یہ نہایت ہی قابل غور امر ہے کہ مسیح کی آمد کا زمانہ صرف سر پر پہنچا ہوا ہی نہیں بیان کیا جاتا بلکہ بائیبل کی پیشگوئیوں کے مطابق تو وہ گھڑی کچھ گذر گئی ہوئی معلوم ہوتی ہے دراصل مسیح

کی آمد کے سب نشان تو پورے ہو گئے ہیں. لیکن عیسائی چونکہ اس کے طریق آمد کے متعلق ایک غلطی میں پڑے ہوئے ہیں اسواسطے وہ اس وقت کو اور آگے بڑھاتے جاتے ہیں تاکہ ان کی یہ بے فائدہ امید پوری ہو جاوے کہ وہ اس طرز سے ان کے درمیان نمودار ہوگا جیسا کہ وہ خیال کئے بیٹھے ہیں ان کا حساب اس معاملہ میں بالکل صحیح ہے اور نشانات کے پورا ہونے کے پہچاننے میں وہ راستی پر ہیں لیکن اس آمد کے لئے جو طریق اور مقصد وہ قائم کرتے ہیں اس میں وہ بڑی غلطی کھا رہے ہیں۔ اٹھارہویں صدی کے ابتدا ہی میں بعض اشخاص نے آمد مسیح کا وقت مقرر کیا تھا اگر اس وقت اس امر کے متعلق کوئی عام شور پیدا نہ ہوا۔ بعد کے حساب والوں نے اس کو غلط قرار دیا اور توریت و انجیل کی پیش گوئیوں کے مطابق حساب لگا کر بالآخر یہ رائے قرار پائی کہ آمد مسیح ۱۸۶۸ء میں ہوگی اس رائے کو عام طور پر قبول کیا گیا اور اضطراب کے ساتھ اس گھڑی کا انتظار ہوتا رہا لیکن وہ وقت معمولی طور پر گذر گیا اور یادیوں کے درمیان کوئی تبدیلی نمودار نہ ہوئی۔ اس واقعہ سے نہ صرف اس آمد کے حامیوں کو ہی صدمہ پہنچا بلکہ عام طور پر اس درد کو محسوس کیا گیا تاہم اس کے بعد بھی اس آمد پر ایمان اور یقین بچنہ طور پر قائم رہا اور اس مایوسی کا باعث حساب کرنے والوں کی غلطی قرار دیا گیا۔ کتاب ملینل ڈان یعنی ابتدائے ہزار سالہ سلطنت مسیح ۱۸۸۹ء میں شائع ہوئی اور پرانے حساب کی اصلاح کے بعد اس میں یہ ظاہر کیا گیا کہ حضرت آدم کا چھٹا ہزار جس کے خاتمہ پر مسیح کا آنا ضروری تھا سنہ ۱۸۷۳ء میں ختم ہوا۔ پھر اس کتاب میں بائبل کی پیشگوئیوں کی بنا پر جن کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں یہ لکھا ہے کہ مسیح کی آمد کا سال سنہ ۱۸۷۳ء ہی ہے اور وہ سنہ ۱۹۱۴ء تک اپنے اولیاء کو جمع کرنے میں مصروف رہے گا جس کے بعد اس کی سلطنت پورے طور پر قائم ہو کر وہ سب لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے گا لیکن اس وقت تک سوائے چند برگزیدوں کے اس کو کوئی نہ پہچانے گا اس میں یہ بھی مانا گیا ہے کہ مسیح کی آمد کے وقت کے تقرر میں اتنی غلطی نہیں ہوئی جتنی کہ اس کے آمد کے طریق اور مقصد کے سمجھنے میں ہوئی ہے۔ مسٹر ڈمبل بی نے اسی مضمون پر ایک مشہور کتاب بنام اپائنٹڈ ٹائم یعنی وقت مقررہ لکھی ہے جو کہ دوبارہ سنہ ۱۸۸۶ء میں تالیف ہو کر شائع ہوئی تھی وہ برطانیہ اعظم کی انجمن تواریخ و علم نجوم کا ایک مشہور ممبر تھا اور کئی ایک کتابوں کا مصنف تھا مثلاً آل پاسٹ ٹائم یعنی زمانہ گذشتہ اور ڈیٹ ری میں ٹل سائی کلس آف ایکلپس یعنی دوران کسوف و خسوف۔ واقعات کسوف و خسوف یا دوران شمسی کے لحاظ سے اندازہ اوقات شناسی کے اصول کے مطابق اس نے حساب لگایا

کہ آمد مسیح کا وقت بالآخر ۱۸۹۶ء ہے۔ اس فاضل مصنف کے دیباچہ میں سے ہم چند سطریں اس جگہ ترجمہ کرتے ہیں وہ لکھتا ہے" یہ کتاب اس واسطے لکھی گئی ہے کہ عیسائیوں کے سامنے وہ سب سے اعلےٰ اور سب سے جدید طریق پیش کیا جائے جس کے ذریعہ سے بڑی بڑی پیشگوئیوں کے اب پورا ہو جانے کی شہادت ایسے طور پر ثابت ہوتی ہے۔ کہ ناظرین خود اس امر کو سمجھ کر اپنے لئے آپ فیصلہ کر سکیں گے اب جبکہ پیش گوئیوں کے مطالعہ نے ایک علمی رنگ اختیار کیا ہے ہم نئے واقعات کا ایک بڑا ذخیرہ حاصل کر رہے ہیں اور ایک بھاری شہادت کا مجموعہ جمع کر رہے ہیں جس سے یہ مضمون تمام شکوک سے بالاتر درجے تک پہنچ جاتا ہے... جب پیشگوئیوں کا اس طرح سے نقشہ کھینچا جائے تو وہ ایک ایسی مکمل شکل اختیار کرتی ہیں کہ اس میں کوئی تبدیلی بغیر کلام الٰہی یعنی بائیبل کے قطعاً انکار کرنے اور ساری دنیا کے تہ و بالا کرنے کے واقع ہو نہیں سکتی اس لئے میں نے انہیں اصولی امور کو قائم رکھا ہے جو کہ سب کے سب زمانۂ تاریکی کے انجام پر روشنی ڈالتے ہیں یعنی ۱۸۹۶ء پر جو کہ ہمارا سنہ ۱۸۹۸ ہوتا ہے جس کو ہر ایک فہیم شخص اب تسلیم کرے گا کہ ایک نئے زمانہ کا ابتداء ہے" تم کلامہٗ۔ مسیح موعود کا بے صبری سے انتظار کرنے والوں کے لئے یہ کتاب ایک برکت کی طرح نمودار ہوئی کیونکہ اس سے ان کی وہ امید قائم ہو گئی جس میں کتنی دفعہ پہلے ناکامیابی ہو چکی تھی لیکن اس کتاب میں بھی یہ غلطی بدستور قائم رہی کہ مسیح کے طریق آمد کی طرف کچھ توجہ نہ کی گئی اور اس واسطے عیسائی دنیا کو پھر ایک تازہ ناامیدی کا مونہہ دیکھنا پڑا۔ ۱۸۹۶ء معمولی طور پر گذر گیا اور کوئی امر ایسا واقع نہ ہوا کہ عیسائی قوم کی اس بڑی امید کو پورا کرتا کیونکہ طریق و طرز آمد کے متعلق وہ ایک بڑی غلطی میں پڑے ہوئے تھے۔ اس سخت ناامیدی کے بعد عیسائیوں کا انتظار اور بھی زیادہ جوش میں آیا اور کرنیل رابرٹس نے ایک کتاب لکھی کہ حساب کے مطابق مسیح کی آمد ۱۸۹۹ء سے آگے ہرگز نہیں بڑھ سکتی اور اب ہمارے سامنے اس قسم کے رسالوں کتابوں اور اشتہارات کا ایک ڈھیر لگ گیا ہے جو عیسائی دنیا کی تصنیف ہیں اور جن میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آمد مسیح کے نشانات پورے ہو گئے ہیں اور اس کے آنے کی گھڑی بہت ہی قریب ہے اور کہ دجال کی تمام نشانیاں موجودہ عیسائی فرقوں میں پائی جاتی ہیں کتاب ان ویلنگ آو دی ڈاٹرز آف این ایجڈ مادر یعنی اظہار بنات الدجال موجودہ زمانہ کے اعتقادات کو دجال قرار دیتی ہے یہ کتاب ۱۹۰۰ء میں شائع ہوئی اور اس میں لکھا ہے کہ عیسائیوں کا پوپ جو روما میں رہتا ہے اور اس کا سلسلہ ایک بڑا دجال ہے اور دنیا کے تمام

عیسائی فرقوں کو دجال کی ایک شاخ قرار دیتی ہے اور بعض کو نبات الفواحش کے لقب سے ملقب کرتی ہے +

ان امور سے کیا نتیجہ نکلتا ہے یہ تمام امور اس امر کا فیصلہ کرتے ہیں کہ یا تو مسیح اب آگیا ہے ورنہ اس کے آنے کی سب امیدیں منقطع ہیں۔ دراصل یہ بات اب ظاہر ہو گئی ہے کہ مسیح کی آمد کی گھڑی گذر چکی ہے اور صرف بار بار کی مایوسیوں کے سبب یہ تاریخ آگے آگے کو بار بڑھائی گئی ہے اور آخری حساب کے مطابق مسیح اب تک آچکنا چاہیئے تھا۔ عیسائی لوگ ایک پہلو پر اتنا زور دیتے ہیں کہ دوسرے پہلو کو بالکل بھول ہی جاتے ہیں۔ ہر دفعہ کی ناکامیابی پر یہی خیال کیا گیا کہ کچھ حساب میں غلطی ہو گئی ہے اور اس امر کی طرف کچھ توجہ نہ کی گئی کہ اس کے طریق آمد میں ہم غلطی کھا رہے ہیں بالکلیہ ناامیدی سے بچنے کے واسطے ہر ایک نے یہی تجویز سوچی کہ آمد کی تاریخ کو کچھ اور آگے بڑھائے اور طریق آمد کے متعلق وہی خیال قائم رکھا۔ لیکن چونکہ یہ ایک اصلی اور صحیح امید تھی اس واسطے یہ بالکل دلوں سے مٹ نہ سکی باوجودیکہ کئی بار اپنے خیالات میں عیسائیوں کو ناامیدی دیکھنی پڑی۔ ایسی ہی غلطی کے سبب یہود نے حضرت عیسےٰ کا انکار کیا تھا اگرچہ یسوع کی پیدایش کے زمانہ میں وہ مسیح کی آمد کے لئے عین انتظار میں بیٹھے تھے تاہم ان کو یہ خیال کبھی نہ آیا کہ اگرچہ وقت تو یہی ہے مگر ممکن ہے کہ اس کی آمد اس طریق سے نہ ہو جو ہم اپنے خیال میں جمائے بیٹھے ہیں مسیح کا انتظار تو ان کو ہمیشہ رہا مگر وہ یسوع کو نہ مان سکے کیونکہ ان کے نزدیک وہ ایسے طرز سے نمودار نہ ہوا جو طرز کہ ان کی کتب مقدسہ سے بظاہر معلوم ہوتا تھا عیسائیوں کو چاہیئے تھا کہ یہود کی غلطی سے سبق حاصل کرتے مگر افسوس کہ وہ خود بھی اسی غلطی میں جا پڑے۔ آمد مسیح کا ہر ایک نشان پورا ہو گیا مگر وہ اس کے انتظار میں ایک غلط راہ پر جا کھڑے ہوئے اگرچہ ان کے کھڑے ہونے کا وقت درست ہے۔ زلزلے۔ طاعون قحط اور جنگ اور تمام زمینی اور آسمانی حالات اس امر کی گواہی دے رہے ہیں کہ آمد مسیح کے واسطے اب اس کے آگے انتظار کا کوئی وقت نہیں +

اب ہم مسلمانوں کے خیالات کے مطابق آمد مسیح کے مقررہ وقت پر غور کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں بہت سے اہم ایسے امور ہیں جو کہ وقت کا قطعی فیصلہ کرتے ہیں۔ سب سے اول یہ ہے کہ قرآن شریف نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسےٰ کا مثیل قرار دے کر استثنا باب ۱۸ کی پیشگوئی کا مصداق

آپ کو قرار دیتا ہے جیسا کہ سورۃ المزمل میں لکھا ہے پھر سورۃ النور میں یہ وعدہ دیا گیا ہے کہ اس اُمت میں ایسے ہی خلفاء پیدا کئے جائیں گے جیسے کہ حضرت موسے کے بعد ان کی اُمت میں خلفاء ہوئے شریعت اسلام اور شریعت موسوی کے بانیوں کے درمیان اور پھر ان کے خلفاء کے درمیان جو مشابہت اس جگہ قائم کی گئی ہے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جیسا کہ حضرت موسے کے خلفاء کا سلسلہ حضرت مسیح پر آکر ختم ہوا ایسا ہی حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ خلافت کا آخری شخص ایک مسیح ہی ہونا چاہیئے اس طرح آمد مسیح کی پیش گوئی ہر دو مسیحوں کے درمیان بہت امور میں مشابہت قائم کرتی ہے جس میں سے ہم اس جگہ وقت کے متعلق مشابہت کا ذکر کرتے ہیں۔ حضرت موسے اور حضرت عیسے کا درمیانی فاصلہ چودہ صدیاں بیان کیا جاتا ہے۔ مگر یہودیوں کے نزدیک یہ وقت تیرہ صدیاں تھا۔ اس لحاظ سے یہ ضروری تھا کہ اب بھی مسیح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد چودھویں صدی میں پیدا ہوتا اور اس سے موجودہ وقت حاصل ہوتا ہے صرف ایک مشابہت کی ضرورت ہے اور اس امر کی تصدیق اور بھی کئی باتوں سے ہوتی ہے کہ مسیح کی آمد کا یہی وقت ہے +

قرآن شریف نے حکمت کاملہ کے ساتھ چند نشانات آمد مسیح کے واسطے بیان فرمائے ہیں جن سے ہر ایک شخص اس وقت کو پہچان سکتا ہے ان میں سے سب سے بڑی بات دین عیسوی کا عروج اور ہر امر میں عیسائی قوموں کی چستی و چالاکی ہے اس عروج اور چستی و چالاکی میں کسی کو کوئی شبہ ہو نہیں سکتا۔ عیسائی مشنری دنیا کے تمام کونوں میں گھس گئے ہیں۔ اس وقت ستر ہزار سے زیادہ آدمی مشن کے کام میں مصروف ہیں اور پانچ کروڑ سے زیادہ روپے ہر سال ان کے اخراجات میں صرف کیا جاتا ہے۔ دو سو پچاس انجمنیں ایسی ہیں جو باہر مشن بھیجتی ہیں اور ان کے ایجنٹ بیس ہزار سے زائد شہروں میں اپنا کام کر رہی ہیں۔ اگر اب بھی مسیح کی ضرورت نہیں تو کیا اس وقت ہوگی جب کہ ساری دنیا اس ناپاک عقیدہ سے بھر جائے گی جس کے متعلق قرآن شریف فرماتا ہے۔ کہ تکاد السموات ان یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدا۔ قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ جاویں اور زمین شق ہو جاوے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں +

آمد مسیح کا ایک اور بڑا نشان جس کی طرف قرآن شریف نے اشارہ کیا ہے اور جس کا ذکر احادیث میں مفصل آیا ہے وہ چاند اور سورج کا کسوف و خسوف ہے جس کا واقع ہونا ۱۳۔ رمضان اور ۲۸۔

رمضان کو قرار دیا گیا تھا۔ یہ ۱۸۹۴ء میں واقع ہوا تھا اور آمد مسیح کے واسطے تیرہ سو سال پہلے یہ ایک ایسا کھلا نشان بتلایا گیا تھا اور ایسی صفائی سے یہ پورا ہوا ہے کہ ہر ایک شخص بجائے خود اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے علاوہ ازیں اور بہت سے نشانات قرآن شریف اور احادیث صحیحہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً طاعون جو ہندوستان اور کئی ایک اور ممالک کو اس وقت تباہ کر رہی ہے اونٹ وغیرہ کی بجائے ایک نئی سواری کا ایجاد ہونا یعنی ریلوں کا تمام دنیا میں پھیل جانا۔ علوم کا بڑھنا بڑے بڑے فاصلہ سے لوگوں کا باہم میل جول ہونا۔ نہروں کی کثرت۔ اخباروں اور کتابوں کی اشاعت اور بے شما دیگر نشانات جن کی تفصیل کی اس جگہ گنجایش نہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس امر کو ثابت کیا جائے کہ تمام نشانات پورے ہو گئے ہیں۔ اور کوئی نشانی ایسی نہیں جس سے یہ بات ثابت ہو کہ آمد مسیح ابھی اور آگے ہو گی۔ ان نشانات سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح آگیا ہے اور ہر ایک حق جو کا یہ فرض ہے کہ اس کی تلاش کرے۔ ایک اور بات قابل غور یہ ہے کہ تمام اولیاء اللہ کے الہامات آمد مسیح کا وقت چودھویں صدی ہجری علےٰ صاحبہا التحیۃ والسلام کا ابتدا مقرر کرتے ہیں اور کسی ولی کا الہام اس واقع کی تاریخ اس سے پیچھے نہیں ڈالتی۔ علاوہ ازیں یہ ایک صحیح حدیث ہے کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد پیدا ہوتا ہے اور چونکہ مسیح بھی خود ایک بڑا مجدد ہو گا اس واسطے اگر وہ اس صدی ہجری کے ابتدا میں نہ آوے تو اس کا آنا ایک سو سال اور پیچھے پڑے گا۔ لیکن یہ امر نہ صرف اسلام کے موجودہ تنزل کو اور بھی نیچے گرانے کا موجب ہو گا بلکہ اس سے تمام پیش گوئیوں کا بھی ابطال لازم آئے گا +

پس ہم اس امر کو ثابت کر چکے ہیں کہ یہود عیسائی اور مسلمان تمام فرقوں نے بالاتفاق یہ آواز دی ہے کہ آمد مسیح کا وقت یہی ہے آپس میں اتنا اختلاف رکھنے والے مذاہب کا اس ایک امر میں پورا اتفاق کرنا قابل غور ہے۔ پہلے مسیح کے آنے کا انتظار تو صرف ایک قوم کو تھا اور وہ بھی تھوڑی سی تھی۔ مگر دوسرے مسیح کی آمد کا انتظار تین بہت بڑی قوموں کو لگا ہوا ہے اور وہ سب کی سب اس امر میں متفق ہیں کہ اس کی آمد کا وقت یہی ہے۔ یہ ایسا وقت ہے کہ تمام مذہبی اور قومی تعصبات کو چھوڑ دینا چاہئیے تاکہ حق کی قبولیت میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو مسیح آگیا ہے اور ہر ایک حق پسند کا فرض ہے کہ اس کی پیروی کرے +

اس کی آمد کے واسطے اس سے بڑھ کر اور کسی ثبوت کی ضرورت نہیں کہ تین مختلف مذاہب مختلف کتابوں کی سند پر اور مختلف دلائل کے ذریعہ سے اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں۔ بنی اسرائیل کے انبیاء مثلاً دانیال وغیرہ کی پیشگوئیاں حضرت عیسے علیہ السلام اور ان کے حواریوں کی نبوت کی باتیں اور آنحضرت نبی کریم محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیاں سب کی سب اس وقت آکر پوری ہوئی ہیں۔ اگر کبھی کوئی پیشگوئی پوری ہوا کرتی ہے تو اس پیشگوئی کا پورا ہونا ہم بدیہی طور پر دیکھ رہے ہیں +

اب دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ مسیح کی آمد کا طریق اور اس کا مقصد کیا ہے۔ یہ بیان بیشک بہتوں کو حیران کرنے والا ہوگا لیکن حق جب مدتوں بھول چکا ہو تو اس کی دوبارہ یاد دہانی ہمیشہ حیرانی ہی پیدا کیا کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی کہے کہ اس کی آمد کا طریق تو صاف بیان ہو چکا ہے اور اب اس امر پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن بات یہ ہے کہ اسی موقعہ پر پہلوں نے ٹھوکر کھائی تھی اور اس واسطے یہی موقعہ ایسا ہے جہاں سوچ سمجھ کر قدم رکھنا چاہئے اور ہر ایک احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ کروڑہا انسان اس فیصلہ تک پہنچ چکے ہیں کہ آمد مسیح کے تمام نشانات پورے ہو چکے ہیں اور اب یہی وقت ہے کہ وہ آوے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا ایک نیا زمانہ شروع ہوا ہے اور ہر ایک دل اس امر کو محسوس کرتا ہے کہ کوئی تبدیلی واقعہ ہونے والی ہے اس واسطے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ آمد مسیح کے طرز و طریق کے مسئلہ پر پورا غور کیا جائے +

خصوصاً یہ خوشی کی بات ہے کہ اس اہم معاملہ میں ہم کو صرف قیاسات پر نہیں چھوڑا گیا خدا کے کلام اور اس کی شریعت نے ہمارے سامنے ایک صاف اور سیدھی سڑک تیار کر کے رکھدی ہے مسیح کی آمد اول یا یوں کہو کہ مسیح اول کی آمد کی پیشگوئیوں سے ہم خوب واقف ہیں اور ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ وہ کس طرح سے پوری ہوئی تھیں پس وہ پیش آمدہ مسئلہ کے حل کے واسطے ہمارے لئے کافی راہ نما بن سکیں گی۔ جن پیش گوئیوں کی بنا پر یہود آمد مسیح کے انتظار میں تھے وہ ان کی کتب مقدسہ میں درج تھیں جن کو یہود اور عیسائی بالاتفاق کلام الہی مانتے تھے۔ سب سے بڑا نشان جو سچے اور جھوٹے مسیح کی پہچان کے لئے ان کے پاس موجود تھا وہ یہ تھا کہ سچے مسیح کی آمد سے پہلے الیاس نبی دوبارہ آئے گا اور آسمان سے نازل ہوگا۔ کتب مقدسہ کے مطابق یہود کا یہ

مذہب تھا کہ الیاس نبی آسمان پر اٹھایا گیا تھا اور آمد مسیح سے پہلے وہ آسمان سے پھر نازل ہوگا پس انہیں اس بات کا کچھ فکر نہ تھا کہ سچے مسیح کو کیونکر پہچانینگے ✦

ان کے ہاتھ میں اس کے پہچان لینے کا ایک بدیہی نشان تھا اور ان کے نزدیک ممکن نہ تھا کہ وہ اس مبارک موقعہ پر غلطی کھا جائیں۔ ایسے معزز نبی کے آسمان سے نازل ہونے کا خارق عادت واقع چپکے چپکے بے خبر نہیں ہو سکتا تھا۔ ایسے عجیب معجزہ کے ذریعہ سے ان کے بڑے منجی کی آمد کا اشتہار ان کے درمیان ہونا ضروری تھا۔ یہ تو پیشگوئی تھی اب دیکھنا چاہئے کہ وہ پوری کس طرح سے ہوئی۔ ذکریا کے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا اور اس کا نام یوحنا رکھا گیا وہ ایک راستباز تھا اور انبیائے بنی اسرائیل کی طرح وعظ کا کام کرنے لگا یسوع نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور بپتسمہ پایا اور اپنے آپ کو مسیح مشہور کیا۔ قدرتاً یہود کی طرف سے یہ اعتراض ہوا کہ تو مسیح نہیں ہے کیونکہ الیاس نبی کا معجزانہ نزول ابھی تک وقوع میں نہیں آیا۔ اس بات کو سن کر یسوع نے یوحنا کی طرف اشارہ کیا کہ یہی الیاس ہے جس نے آنا تھا۔ پر یہود ایسی بات کب مانتے تھے وہ کہنے لگے اس طرح تو ہر ایک مفتری کہہ سکتا ہے کہ میں مسیح ہوں۔ انہوں نے کہا کہ خدا تعالےٰ نے تو ہم کو وعدہ دیا ہے کہ الیاس نبی خود واپس آئے گا اور یوحنا کو تو ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ ذکریا کے گھر میں ہمارے سامنے پیدا ہوا تھا پس وہ کیونکر الیاس ہو سکتا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ وقت تو یہی ہے پر انہوں نے کہا کہ ہم یسوع کو کیونکر مسیح مان لیں وہ تو اس طریق کے مطابق نہیں آیا۔ جو کہ ہماری کتابوں میں درج ہے پیش گوئی میں تو صاف یہ درج تھا کہ خود الیاس آوے گا۔ کتاب میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ مثیل الیاس آوے گا۔ اگر ہم یسوع کو مان لیں تو پھر بھی یوحنا مثیل الیاس ہوگا نہ کہ خود الیاس مگر مثیل الیاس کا ہم کو کبھی وعدہ نہیں دیا گیا۔ کیا ہم کلام الٰہی میں تبدیلی کر ڈالیں اور بجائے الیاس کے مثیل الیاس کا لفظ اس میں ڈال دیں یہاں تو آمد مسیح کی پہلی نشانی ہی پوری نہیں ہوتی تو ہم آگے کیا چلیں ✦

علاوہ ازیں یسوع کو مسیح تسلیم کرنے میں یہود کو اور مشکلات بھی تھیں۔ اسرائیلیوں کی نجات کسی معجزانہ رنگ میں ہونے والی تھی تا کہ وہ اپنے منجی کو فوراً پہچان سکیں۔ وہ الٰہی طاقت کے عجیب در عجیب ظہور دیکھ چکے تھے۔ وہ خدا کی آواز ہوا اور آندھی کے درمیان سن چکے تھے

وہ جانتے تھے کہ خدا نے کوہ سینا پر بادل کی گرج اور قدرت کے نظاروں کے درمیان موسیٰ پر اپنے آپ کو ظاہر کیا تھا اور ان کو وعدہ دیا جا چکا تھا کہ ایسے ہی عجیب نشانات تم آمد مسیح پر بھی دیکھو گے۔ چونکہ مسیح ایک اتنا بڑا منجی تھا اس کی آمد بھی کیسے عجیب انکشاف سے مشتہر ہونی چاہئے تھی۔ لیکن یہ امیدیں بالآخر کس طرح سے پوری ہوئیں۔ یہود کو کوئی عجیب بات نظر نہ آئی یہاں تک کہ انہوں نے خود یسوع کے منہ سے یہ کلمات سنے کہ میں مسیح ہوں۔ حضرت موسیٰ اور دیگر بڑے انبیاء سے جو خوارق وہ دیکھ چکے تھے ان کا اثر ان کے دل پر ایسا تھا کہ وہ ایسا خیال بھی دل میں نہ لا سکے کہ مسیح جیسا اولوالعزم نبی بغیر ان خوارق اور نشانات کے ظاہر ہو جائے جن کا وعدہ ان کو پہلے سے دیا گیا تھا +

صرف یہی نہیں بلکہ ان کو یہ بھی وعدہ دیا گیا تھا کہ یسوع کسی بڑے شاہی خاندان میں سے پیدا ہو گا اور داؤد کی نسل سے ہو گا اور داؤد کی سلطنت کو پھر قائم کرے گا۔ اس کا یہ کام تھا کہ اسرائیلیوں کو اجنبیوں کے جوئے سے چھوڑائے اور ان کو غاصبوں کی اطاعت سے چھوڑا کر آزاد کر دے۔ لیکن یسوع کی پیدایش کے قصے جن لوگوں کو یاد تھے وہ اس کے حلال زادہ ہونے کے متعلق بہت سے شبہات دل میں رکھتے تھے زیادہ سے زیادہ وہ یہ نیک ظنی کر سکتے تھے کہ یوسف نجار کا بیٹا ہے اور اس طرح اس کا شاہی خاندان سے ہونا بالکل بعید از قیاس تھا اس کے دعوے مسیحیت کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں ان کو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اس شخص کے لئے بادشاہی کے تخت پر بیٹھنے یا ہمیں رومیوں کے جوئے سے چھوڑانے کی امید کرنا بیفائدہ ہے

پس یسوع کے متعلق ان کی تمام امیدیں ناکامیابی سے مبدل ہو گئیں کیونکہ مسیح کی آمد کے طریق اور مقصد کے مطابق کوئی پیشگوئی اس کے وجود میں پوری ہوتی ہوئی نظر نہ آتی تھی ان کے حساب کے مطابق وقت تو پورا ہو چکا تھا لیکن وہ ایسے شخص پر کیونکر ایمان لاتے جس کی ذات میں کوئی پیشگوئی پوری نہیں ہوتی تھی وہ مسیح کے استقبال کے لئے تیار تھے لیکن ان وعدوں کے پورا ہونے کے بغیر وہ کسی کو کیوں کر مان لیتے جن کا پیشگوئیوں میں ذکر کیا گیا تھا +

پھر اکثر پیشگوئیوں میں بالاتفاق یہ بیان کیا گیا تھا کہ آمد مسیح کا وقت ایک عالمگیر امن اتفاق اور برادری کا زمانہ ہو گا اور اس وقت یروشلم اس دنیا کا مرکز ہو گا کیا یسوع اس نشان کے مطابق

مسیح تسلیم ہو سکتا تھا۔ کوئی پیشگوئی بھی پوری نہ ہوئی۔ یہ ناممکن تھا کہ بے شمار نشانات جو بیان کئے گئے تھے ان میں سے ایک بھی ظاہر ہو اور مسیح آجائے ✦

کتب مقدسہ کے الفاظ جو انبیاء پر نازل ہوئے تھے ان کی نظروں کے سامنے تھے۔ وہ ایسے مسیح کو کیونکر مان سکتے تھے جس کا ماننا خود انکی کتابوں کو جھٹلاتا تھا۔ وہ اپنی بدقسمتیوں کے درمیان اس زمانۂ مسیحیت کے لئے آہیں بھرتے جسکی تصویریں ان کے سامنے ایسی خوبصورت کھینچی گئی تھیں۔ وہ اس مسیح کے انتظار میں تھے جس نے داؤد کے تخت پر بیٹھ کر انکو اجنبیوں کے جوئے سے چھوڑانا تھا۔ وہ اس دن کے انتظار میں تھے جس دن ان کا یروشلم تمام دنیا کا مرکز بننے والا تھا اور وہ اس گھڑی کے لئے دعائیں مانگتے تھے جب کہ اسرائیلی بجائے پاؤں کے نیچے کچلا جانے کے دنیا کی تمام قوموں پر حکمران ہونے والے تھے۔ لیکن یسوع ناصری اور اس کے ظہور میں ان کو کوئی نشان پورا ہوتا ہوا نظر نہ آتا تھا ✦

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی صاف پیشگوئیوں کے ہوتے ہوئے جن کا پورا ہونا یسوع کے وجود میں نہیں ہوا تھا آیا یہود یسوع کے انکار میں حق پر تھے یا نہیں۔ عیسائی اور مسلمان تو کبھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ حق پر تھے۔ اچھا پھر پیشگوئیوں کو کیا کیا جائے۔ وہ ان کتابوں میں اب بھی موجود ہیں جن کو یہود اور عیسائی کلام الٰہی مانتے ہیں۔ ان کے الفاظ صاف ہیں۔ اگر یہود ان کا پورا ہونا طلب نہ کرتے تو وہ کلام الٰہی کے انکار کے مجرم ہوتے اور پھر سچے اور جھوٹے مدعیوں کے درمیان تمیز کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی معیار نہ ہوتا کئی ایک جھوٹے مسیح ان کے درمیان ہو چکے تھے اور ایسے جھوٹے مدعیوں نے بے اعتبار کر دیا ہوا تھا۔ ان وجوہات سے یہ ظاہر ہے کہ یہودیوں کا یہ فرض تھا کہ ایسے مدعیوں کو تسلیم کرنے سے پہلے نبوت کی باتوں کا پورا ہونا طلب کرتے۔ پھر کیا یہود یسوع کا انکار کرنے میں حق پر تھے۔ ان کے حق پر نہ ہونے کی کیا دلیل پیش کی جا سکتی ہے۔ پھر بھی عیسائی اور مسلمان ان کو یسوع کے انکار میں کافر قرار دیتے ہیں بلکہ خود یسوع نے ان کو اپنے انکار کے سبب خدا کا مجرم قرار دیا ان کا کیا قصور تھا۔ اگر صرف پیشگوئیوں کی تفہیم اور تعبیر کے متعلق ایک رائے کا اختلاف تھا اور پیشگوئیونکے معنے دو طرح ہو سکتے تھے تو یہود باوجود غلطی پر ہونے کے اس قابل نہ تھے کہ ایسی سختی سے ان کو مجرم قرار دیا جاتا جب

تک انہوں نے کھلے طور پر غلط طریق کو اختیار نہ کیا ہو اور بغیر دلائل کے اپنی غلطی پر اصرار نہ کیا ہو تب
تک وہ خدا کی نظروں میں چنداں قصوروار قرار نہیں دئے جا سکتے۔ یسوع کے مقابلہ میں ان کا بڑا
اعتراض یہی تھا کہ الیاس نمودار نہیں ہوا اگر شریعت کے مطابق اس کا اپنا ظہور جائز تھا تو ان کا
اعتراض بھی درست تھا۔ کیونکہ اس شریعت میں صاف الفاظ میں اس کی واپسی کی پیشگوئی کی
گئی تھی۔ لیکن اگر اس کا اپنا ظہور جائز نہ تھا تو یہود کا اصرار بے شک قابل سزا کے تھا۔ پس جو
لوگ یہود کو یسوع کے انکار کے سبب کافر قرار دیتے ہیں وہ خواہ عیسائی ہوں یا مسلمان ہوں انکو
یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ الیاس کی جسمانی آمد شریعت کے مطابق ایک غلط خیال تھا اگرچہ کلام الہی میں
اس کے متعلق الفاظ پائے جاتے ہوں اور اگر الیاس کے متعلق یہ امر تسلیم کیا جاوے تو یہ قانون
عام ہوگا کہ کوئی گیا ہوا دوبارہ اسی جسم میں واپس نہیں آیا کرتا لیکن کیا یہود کے پاس اس امر کے
واسطے کوئی دلیل تھی کہ ایسی آمد واقع نہیں ہو سکتی۔ اس امر کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اس وقت
یہودی بڑے شوق سے مسیح کی آمد کے منتظر ہو رہے تھے ان کے حساب کے مطابق وہ وقت
آگیا تھا کہ ان کی نجات ہو چونکہ پیشگوئی کے مطابق وقت آپہنچا تھا اسواسطے ان کا یہ فرض تھا کہ
پیشگوئی کے پورا ہونے کے لئے لفظی معنوں کی سختی سے پیروی نہ کرتے۔ لیکن وہ مادی لوگ یسوع
کے روحانی استدلال کو نہ مان سکے۔ وہ دنیا پر اپنا سر جھکائے ہوئے تھے اور اسواسطے وہ یہ چاہتے
کہ پیشگوئی ظاہر اور مادی الفاظ میں پوری ہو۔ الیاس نبی کی آمدیوں آسانی سے سمجھ میں آسکتی تھی کہ
ایک شخص الیاس کی روح اور طاقت میں آگیا ہے کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ یہ امر مقدس
شریعت کے بالکل مخالف ہے کہ کوئی نبی آسمان سے نازل ہوا اور نہ یہودیوں کی تاریخ میں اس امر
کی کوئی نظیر موجود تھی۔ ہر ایک نبی دنیوی ماں باپ سے پیدا ہوتا رہا موسےٰ سا شارع بھی اس قاعدہ
سے مستثنےٰ نہ تھا اس قسم کی باتوں پر غور کرنے سے وہ بآسانی سمجھ سکتے تھے کہ آمد الیاس سے مراد
صرف ایک ایسے آدمی کی آمد ہے جو الیاس کی روح اور طاقت رکھتا ہو اور اس لئے یسوع اپنی
آمد کے لئے ایسی تاویلات کے کرنے میں کہ یوحنا الیاس ہے راستی پر تھا +

مگر اس بات کو بھی سمجھنا چاہئے کہ یسوع کے انکار کے سبب یہود کو کافر قرار دینے کے
وقت اس بات کا تسلیم کر لینا ضروری ہے کہ جو اس دنیا سے گذر چکا ہو کبھی واپس نہیں آسکتا

اور الیسوں کی واپسی کا وعدہ صرف ایک روحانی معنے اپنے اندر رکھا کرتا ہے۔ اگر کسی کی آمد ثانی اسی وجود کے ساتھ جائز اور صحیح ہے تو یہود کا انکار مسیح بھی جائز اور صحیح تھا لیکن نہ یہود بے قصور ہیں اور نہ ایسی آمد جائز ہے جو کوئی پچھلی بات کا قائل نہیں اسے پہلی بات کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ اگر جسمانی آمد ثانی جائز تھی تو پھر یہود کیوں بغیر قصور کے بُرے بنائے جاتے ہیں انہوں نے کلام الٰہی میں اس بات کو پڑھا تھا کہ الیاس نبی دوبارہ آئیگا ان کو یہ نہ کہا گیا تھا کہ مثیل الیاس آنے والا ہے نہ یسوع نے ان کو کبھی یہ کہا تھا کہ الیاس کی آمد ثانی کے اعتقاد میں تم غلطی کھا رہے ہو یسوع نے اس امر سے انکار نہیں کیا کہ الیاس کی پیشگوئی کی گئی تھی لیکن اس نے انہیں یہ کہا کہ الیاس کی آمد یوحنا میں پوری ہو گئی ہے جو کہ الیاس کی روح اور طاقت میں آیا ہے۔ پس آمد ثانی سے مراد اس کے روحانی طاقت کی دوبارہ آمد تھی نہ کہ اس کی جسمانی آمد یا جسم کے کسی حصہ کی آمد۔ روح ہی ہے جو باقی رہتا ہے نہ کہ جسم اور اسواسطے روح ہی واپس آسکتا ہے۔ روح سے مراد اس جگہ جان نہیں ہے اور نہ ہم مسئلہ تناسخ کی تائید کرتے ہیں بلکہ ہم اس کو ٹھیک ان معنوں میں لیتے ہیں جن میں یسوع نے اس کو لیا +

اب ہم مسیح یا یسوع کے دوبارہ آنے کی طرف توجہ کرتے ہیں جیسا کہ عیسائیوں کا خیال ہے عیسائی صحیفوں میں جو پیشگوئی کی گئی ہے وہ بالکل اس طرح کی ہے جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں متی کہتا ہے کہ جیسا کہ بجلی مشرق میں کوندتی اور مغرب میں چمکتی ہے ایسا ہی ابن آدم کا آنا ہے... ان دنوں کی تکالیف کے بعد جلد سورج اندھیرا ہو گا اور چاند اپنی روشنی چھوڑ دیگا اور ستارے آسمان سے گر پڑینگے اور آسمان کی طاقتیں ہل جائینگی اور تب ابن آدم کی نشانی آسمان میں نمودار ہوگی تب زمین کی تمام قومیں گریہ وزاری کرینگی اور وہ ابن آدم کو آسمان کے بادلوں میں طاقت اور جلال کے ساتھ آتے ہوئے دیکھینگی اور وہ اپنے فرشتوں کو ایک بڑی تُرہی دیکر بھیجیگا جو کہ چاروں طرف سے برگزیدوں کو جمع کرینگے۔ آسمان کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک (متی ۲۴-۲۷ تا ۳۱)

اس پیشگوئی کا جو یسوع کی آمد ثانی کے متعلق ہے ان پیشگوئیوں کے ساتھ مقابلہ کرو۔ جو مسیح اول کے متعلق اسرائیلی انبیاء نے کی تھیں اور بنی اسرائیل کی کتب میں موجود تھیں +

"دیکھو میں اپنا رسول بھیجونگا اور وہ میرے آگے راہ تیار کریگا اور وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو اچانک اپنی ہیکل میں نمودار ہوگا کیونکہ دیکھو وہ دن آتا ہے جو بھٹے کی طرح تپایا جائیگا۔ تب سارے مغرور اور ہر ایک جو بدکاری کرتا ہے کھونٹی کی مانند ہونگے... اور تم شریروں کو پائمال کروگے کیونکہ جس دن کہ میں یہ ٹھہراؤں وے تمہارے پاؤں تلے کی راکھ ہونگے رب الافواج فرماتا ہے... دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیا نبی کو تمہارے پاس بھیجونگا ملاکی ۳ و ۴"۔

"دیکھو میں ایسا کرونگا کہ یروشلم آس پاس کی ساری قوموں کے لئے تھرتھراہٹ کا پیالہ ہوگی... اس دن خداوند فرماتا ہے میں ہر ایک گھوڑے کو ایسا مارونگا کہ سب حیران رہ جاویں اور اس کے سوار کو دیوانہ کر دونگا... تب خداوند خروج کریگا اور ان قوموں کے ساتھ جس طرح سابق میں جنگ کے دن لڑا تھا لڑائی کریگا اور اس کے پاؤں اس دن زیتون کے پہاڑ پر جو یروشلم کے سامنے پورب پر ہے جمے رہیں گے اور زیتون کا پہاڑ بیچوں بیچ پچھم کی طرف اور پورب کی طرف ایسا پھٹ جائیگا کہ اس میں نہایت بڑی وادی ہو جائیگی کیونکہ آدھا پہاڑ اتر کی طرف سرک جائیگا اور آدھا اسکادکن کی طرف اور خداوند میرا خدا آویگا اور سارے قدسی تیرے ساتھ اور اسی دن ایسا ہوگا۔ کہ نفیس اجرام فلک کی روشن نہ ہوگی۔ اور اسی دن یوں ہوگا کہ جیتا پانی یروشلم میں سے جاری ہوگا اور اس کا آدھا پوربی سمندر کی طرف اور اس کا آدھا پچھمی سمندر کی طرف... اور خداوند تمام زمین پر بادشاہ ہوگا اور ساری غیر قوموں کا حال جو آس پاس ہیں کیا سونا کیا روپا کیا لباس بڑی کثرت سے فراہم کیا جائیگا۔ (ذکریا باب ۱۲-۱۴)

اُن دنوں میں ایسا ہوگا کہ دس آدمی جن کی جدی جدی لغت ہو ہاتھ بڑھائینگے ہاں ایک یہودی شخص کے دامن کو پکڑینگے اور کہینگے کہ ہم تمہارے ساتھ جائینگے کیونکہ ہم نے سنا ہے کہ خدا تمہارے ساتھ ہے (ذکریا باب ۸-۲۰)

ایسی ہی اور پیشگوئیاں زمانہ مسیح میں خوارق و عجائبات کا وعدہ کرتی ہوئی یہود کی کتب مقدسہ میں بکثرت پائی جاتی ہیں اور یسوع کی آمد کے وقت ان میں سے ایک خارق عادت امر بھی ظاہر نہ ہوا تھا اور یہود کی کوئی امید بھی پوری نہ ہونے پائی تھی تاہم ان خوارق میں اور مسیح کی آمد ثانی

کے نشانات کے درمیان کوئی حد فاصل کھینچی جا نہیں سکتی کوئی سمجھدار آدمی ایسی بیہودگی حضرت عیسےٰ جیسے نبی کی طرف منسوب نہیں کرسکتا کہ وہ آپ تو یہودیوں کو موعودہ عجائبات کے دکھلانے سے انکار کرتا رہا اور ان کو کہا کہ ان کے معانی مجازاً لینے چاہئیں اور خود حواریوں کو یہ وعدہ دیا کہ آمد ثانی کا مسیح ایسے خوارق اور معجزات اپنے لفظی معنوں میں پورا کریگا اگر یسوع نے ایسا کیا اور کہا تو اس نے نہ صرف دو متضاد باتوں کو پیش کیا بلکہ ارادتاً مخلوق کو دھوکہ دینے کی کوشش کی جبکہ کوئی شخص کسی خاص خوارق یا عجائبات کے متعلق اپنی یہ رائے ایک دفعہ ظاہر کردے کہ ان سے مراد صرف روحانی امور ہیں اور یہ مجاز اور استعارہ کے طور پر سمجھنے چاہئیں تو جب کبھی وہ اس قسم کے معجزات اور خوارق کا ذکر پھر اپنے متعلق کرے تو اس سے بھی مجاز و استعارہ ہی مراد لینی چاہئے۔ اگر یہودی حضرت عیسےٰ کا انکار کرنے میں سچے نہ تھے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آمد ثانی کے متعلق جو خوارق بیان کئے گئے ہیں ان کو مجاز کے رنگ میں لینا چاہئے اور اگر یہودی اپنے انکار میں سچے تھے۔ تو نعوذ باللہ حضرت عیسےٰ کاذب تھے اگر ہم خود پیشگوئیوں کا پورا ہونا بجائے مجاز کے لفظی معنوں میں چاہتے ہیں اور بجائے روحانی طرز کے جسمانی طرز کی خواہش رکھتے ہیں تو پھر بیچارے یہودیوں کا کیا قصور تھا بیشک یہودیوں کا راہ تاریک تھا مگر یہود کے واقعہ نے ہمارے راہ کو تو بالکل روشن کردیا ہے روحانی معانی کی تفہیم ان کے لئے ایسی صاف نہ تھی جیسے کہ ہمارے لئے ہے۔ انکے پاس اس مشکل کے حل کرنے کے لئے کوئی راہ نمانہ تھا پر ہمارے پاس ایک مثال موجود ہے اس وقت آمد ثانی کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے مسیح کو صرف انسان سمجھ کر جیسا کہ پہلے سے اسکے لئے یہودیوں میں امید اور نبوت چلی آتی تھی اور جیسا کہ وہ درحقیقت انکے درمیان نمودار ہوا تھا ہر ایک عیسائی اس امر کے ماننے پر مجبور ہوگا کہ آمد ثانی اس طرز پر ہونی چاہئے جس طرز پر کہ الیاس کی آمد ثانی ہوئی تھی اور اسکے متعلق خوارق اور عجائبات کو انہیں روحانی معنوں میں لینا چاہئے جن معنوں میں کہ الیاس کی آمد ثانی کے وقت ایسے الفاظ کو لیا گیا تھا۔ خداتعالےٰ نے یہ صفائی سے ظاہر کردیا ہے کہ کسی شخص کی آمد ثانی کس طرح سے ہوا کرتی ہے۔ اگر جسمانی آمد ثانی شریعت الٰہی کے مطابق جائز تھی تو یہود کو یہ حق حاصل تھا کہ الیاس کی جسمانی واپسی کے طلب گار ہوتے اور جب تک یہ بات پوری نہ ہوئی مسیحیت کے ہر ایک مدعی کو مفتری قرار دینے کے لئے انکو پورا حق حاصل تھا لیکن اگر یہود

کو برا کہا جاوے تو ساتھ ہی اس عقیدہ کو بھی برا کہنا پڑتا ہے کہ کوئی شخص دوبارہ جسمانی طور پر نازل ہوگا اور اس کی آمد کے وقت جن عجائبات کا انتظار ہے ان کو روحانی سمجھنا چاہئے کیونکہ یسوع نے دنیا میں آکر خود اس بات کو ثابت اور تسلیم کر دیا ہوا ہے۔ اگرچہ پہلا مسیح باوجود سیکڑوں نشانات کے وعدہ کے بغیر ایک معجزہ کے بھی ظاہر ہوگیا تھا تو کیا وجہ ہے کہ دوسرا مسیح معمولی قدرتی طور پر دنیا میں داخل نہ ہو جائے اور کیا وجہ ہے کہ ہم بیفائدہ بادلوں کی طرف دیکھتے رہیں اور اپنے آپ کو داناؤں کی نظروں میں بیوقوف بنائیں اور توہمات میں گرفتار رہیں۔ ہمیں چاہئے کہ راہ راست کی طرف توجہ کریں۔ تاکہ ہم روشنی میں چلیں اور سچے مسیح کو ہم دیکھ سکیں +

اگر یہ کہا جائے کہ یہود کے دل بدی کی طرف بھرے ہوئے تھے اور ان کی تنگ رسومات انہیں آسمانی نشانات پہچاننے نہیں دیتی تھیں تو یہی اعتراض موجودہ حالت پر بھی وارد ہو سکتا ہے عیسائیوں کی کتب سے ہم اس امر کے لئے کافی شہادت پیدا کر سکتے ہیں کہ آج کل کے گرجے ویسی ہی تنگ اور خشک رسومات سے بھرے پڑے ہیں جیسے کہ آمد یسوع کے وقت ہیکل کا حال تھا لیکن ہم اس جگہ چند ایک بائیبل کی شہادات پر قناعت کرتے ہیں۔ "تو یہ جان رکھ کہ آخری دنوں میں برے اوقات آوینگے کیونکہ آدمی خود غرض۔ زردوست۔ لاف زن۔ گھمنڈ کرنیوالے۔ ماں باپ کے نافرمانبردار۔ ناشکر۔ ناپاک بے درد۔ کینہ ور۔ تہمتی بدپرہیز بے رحم نیکی کے دشمن۔ دغاباز۔ بے لحاظ پھولنے والے۔ خدا کے چاہنے کی بہ نسبت عشرت کے زیادہ چاہنے والے"۔ (۲ تمطاؤس باب ۳۔ ۱ سے ۴ آیت) "جب ابن آدم آویگا تو کیا وہ زمین میں ایمانداری پائیگا" (لوقا ۱۸۔ ۸) وہ نیکی کی ظاہری شکل رکھتے ہونگے مگر دراصل نیکی ان میں نہ پائی جاتی ہوگی "کیا یہ حالت یہودیوں سے بھی بدتر حالت نہیں ہے کیا وہ لوگ جو ایمان سے خالی ہیں اور زمین پر جھکے ہوئے ہیں اس لایق ہیں کہ آسمانی باتوں کو سمجھ سکیں اور ان کے درست معانی کو فہم میں لا سکیں + کیا یہود نے جان بوجھ کر اس برکت کے لینے سے انکار کیا تھا جس کے لئے وہ اتنی مدت سے مضطرب ہو رہے تھے کوئی عقلمند انسان اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ وہ اس وقت بڑی مشکلات سے گھرے ہوئے تھے اور الٰہی مدد کی ضرورت کو بہت محسوس کر رہے تھے وہ اپنے نجات دہندہ کے استقبال کے واسطے بالکل تیار تھے اور اضطراب سے اس کی آمد کا انتظار کر رہے تھے وہ خدا کی برگزیدہ قوم تھی مسیح کے قبول کرنے پر ان کو بڑے بڑے برکات کا وعدہ تھا بلکہ تمام مصائب کے درمیان آمد مسیح کا خیال ہی ان کے لئے

بڑے تشفیوں کا موجب تھا کیسا پسندیدہ خیال اور کتنی اعلےٰ خوشی ان کے سامنے تھی کہ یروشلم دنیا کا مرکز بنیگا۔ اور وہ تمام قوموں پر بالاتر ہونگے اور امن اور سلامتی ان کو ہمیشہ کے لئے عطا کی جائیگی کیا یہ لوگ اس برکت کا ارادتاً انکار کر سکتے تھے ایسا کہنا یہود پر سخت ظلم ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ پیشگوئی کی سچی تفہیم میں ان کو بڑی غلطی لگی تھی۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس غلطی میں پڑنے کے لئے وہ کسی قدر معذور تھے تب بھی موجودہ نسل کیواسطے ویسی ہی غلطی میں پڑنے کے لئے کوئی عذر نہیں ہو سکتا خدا کی ایک برگزیدہ قوم جن کو تمام برکات کے وعدے دئے گئے تھے جبکہ وہ اس غلطی میں پڑے تو پھر ہمیں تو اس امر میں بہت ہی محتاط ہونا چاہئے۔ ہم پیشگوئیوں کا پورا ہونا اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں ہم جانتے ہیں کہ وقت یہی ہے پس مناسب نہیں کہ پیشگوئی کے ظاہر الفاظ ہمارے لئے ایک رکاوٹ بنیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہم سے پہلے ایک قوم محض الفاظ کی پیروی کرنے کے سبب اپنے آپ کو تباہی میں ڈال چکی ہے۔ اُسی یسوع کی جسمانی اور ظاہری آمد کا انتظار کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ یہود نے اسی الیاس کی جسمانی اور ظاہری آمد کا انتظار کیا تھا پس اس قوم کے قدم بقدم چلنا مناسب نہیں جس کو یسوع نے اسواسطے برا کہا کہ وہ پیشگوئی کے ظاہر الفاظ کے پیچھے پڑے ہوئے تھے +

چند اور باتیں بھی ایسی ہیں کہ ان پر غور کرنے سے یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے یعنی دوسرا مسیح اگرچہ روحانی طور پر پہلے مسیح کے ساتھ ایک ہوگا تاہم جسمانی طور پر یہ وہی شخص نہیں ہے جو کہ پہلے زمین پر کچھ عرصہ رہ کر وفات پا گیا تھا۔ انجیلوں سے یہ ثابت ہے کہ یسوع اپنی آمد کو چور کے ساتھ مشابہت دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی آمد کسی قدر دھندلے پن میں رہیگی اگر مذکورہ بالا پیشگوئی کو لفظاً لیا جائے تو پھر کسی دھندلاپن کا اسمیں امکان نہیں۔ ایسے شخص کو جو فرشتوں کے ساتھ آسمان سے نازل ہوا اور بزرگوں کی فوج نیچے سے اس کے استقبال کیلئے نصف آسمان تک اوپر چڑھے۔ ہم ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ اس کا آنا چور کی طرح ہے چور سب کی نظروں سے غائب رہتا ہے سوائے شائد پہرے والے کی نظر کے جو کہ برابر جاگتا رہتا ہے درحالیکہ دوسرے سب سوئے ہوئے ہوتے ہیں سونے والوں کو چور کی خبر نہیں ہوسکتی اور نہ وہ اسکو پہچان سکتے ہیں۔ چور علاوہ اس کے کہ وہ تاریکی میں آتا ہے ساتھ ہی بھیس بھی بدل کر نمودار ہوتا ہے ایسا ہی یسوع کو آنا چاہئے۔ جو اس کے نزول کے لئے بادلوں کی طرف دیکھ رہے ہیں وہ سب سوئے ہوئے ہیں اور پہرے والے تھوڑے سے ہی ہیں جو پیشگوئی کے اصل مفہوم

کو سمجھتے ہیں علاوہ ازیں روحانی طور پر تو یہ وہی آدمی ہے جیسا کہ یوحنا روحانی طور پر الیاس ہی تھا لیکن وہ ایک اور انسان کی شکل میں بھیس بدل کر آیا ہے اور اسی واسطے اسکی آمد کو چور کا سا آنا کہا جاتا ہے ایک اور آیت جو کہ اس موقعہ پر قابل غور ہے وہ لوقا ۱۷۔۲۶ ہے "جیسا کہ نوح کے زمانہ میں تھا ایسا ہی ابن آدم کے زمانہ میں بھی ہوگا" نوح کے زمانہ میں یہی ہوا تھا کہ حضرت نوح نے خدا کا رسول ہونے کا دعوے کیا اور لوگوں کو وعظ کیا مگر کسی نے اسکی بات نہ سنی تب خدا نے اس شریر نسل کو سزا دی اور ان پر تباہی ڈالی ایسا ہی ابن آدم کے زمانہ میں بھی واقع ہونا چاہیئے غور کرنا چاہیئے کہ یہ واقع اسکی آمد پر نہیں بلکہ اسکے زمانہ میں واقع ہونیوالا ہے +

وہ آئیگا پر لوگ اسے نہیں پہچانینگے وہ وعظ کریگا پر کوئی اس کی بات نہ سنے گا بلکہ اُس کو دُکھ دیا جائیگا اور بالآخر خدا کا غضب اس شریر قوم پر بھڑک پڑیگا جیسا کہ الفاظ نوح کے دلوں سے یہ مراد نہیں ہے کہ حضرت نوح کی بعثت کے دن بلکہ وہ دن جب حضرت نوح لوگوں میں وعظ کر چکے اور انہوں نے ان کی بات نہ مانی اور ان پر خدا کا عذاب نازل ہوا ایسا ہی ابن آدم کے دلوں سے بھی مراد ابن آدم کے آنے کا دن نہیں ہے بلکہ وہ دن جب کہ ابن آدم لوگوں کو تبلیغ کرے اور وہ بالآخر اس کی نہ مانیں اور ان پر عذاب الہی نازل ہو۔ ایسا ہی پھر اس آیت میں آگے لکھا ہے کہ "وے کھاتے اور پیتے اور بیاہ کرتے اور بیاہے جاتے تھے یہانتک کہ وہ دن الخ" باوجود حضرت نوح کی وعظ کے ایسا ہو رہا تھا حضرت نوح کے وعظ کی کوئی پروا نہیں کرتا تھا آخری دنوں میں جبکہ مسیح وعظ کریگا اسوقت بھی ایسا ہی واقع ہوگا + اس رات دو آدمی بستر پر ہونگے ایک اٹھایا جائیگا اور دوسرا چھوڑا جائیگا۔ دو عورتیں اکٹھی چکی پیستی ہونگی ایک لی جائیگی اور دوسری چھوڑ دی جائیگی۔ دو آدمی کھیت میں ہونگے ایک لیا جائیگا اور دوسرا چھوڑ دیا جائیگا۔ اس سب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کا غضب لوگوں پر مسیح کی بات نہ سننے کے سبب طاعون کی شکل میں نازل ہوگا۔ خدا کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتا جب تک کہ اپنے کسی رسول کے ذریعہ سے ان کو وعظ نہ کرلے اور ظاہر نشانات ان کو دکھا نہ لے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ خدا کے غضب کی مار کسی قوم پر پڑے پیشتر اس کے کہ ان کو اپنی اصلاح کا کوئی موقعہ دیا گیا ہو جب سے دنیا شروع ہوئی ہے الہی قانون میں کبھی ایسا واقعہ نہیں ہوا۔ ایک اور شہادت متی باب ۱۷۔ آیت ۱۲ سے ملتی ہے "لیکن میں تمہیں کہتا ہوں کہ الیاس تو آچکا لیکن انہوں نے اس کو نہ پہچانا بلکہ جو کچھ چاہا اسکے

ساتھ کیا ایسا ہی ابن آدم ان سے دکھ اُٹھائیگا" یہاں یسوع آمد الیاس کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ یہ الیاس کی آمدِ ثانی تھی جب وہ یوحنا میں نمودار ہوا لیکن اگرچہ الیاس پیشگوئی کے مطابق دوبارہ آیا تھا تاہم یہودیوں نے اس کو نہ پہچانا اور اسواسطے اس کو تکلیف دی۔ ایسا ہی یسوع بھی دکھ اٹھائیگا یہاں ظاہر ہے کہ یسوع اپنی دوسری آمد میں دکھ اُٹھانے کی طرف اشارہ کر رہا ہے کیونکہ الیاس جس کے ساتھ وہ اپنی مشابہت دے رہا ہے اسوقت اپنی دوبارہ آمد میں تھا جیسا کہ الیاس کو اسکی دوسری آمد میں لوگوں نے نہ پہچانا اگرچہ یسوع کے کلام کے مطابق اسکی یہ آمد درست تھی ایسا ہی یسوع نے بھی دوسری آمد میں تکلیف اٹھائی تھی جبکہ وہ الیاس کی مانند نہ اپنے پہلے جسم میں بلکہ کسی اور کے جسم میں نمودار ہو۔

([illegible])

مذہب عیسوی کی مشکلات اور یونیورسٹیوں میں اپیل

اخبار کیمبرج کرانیکل ۳۱۔ جولائی ۱۹۰۲ء کے پرچہ میں لکھتا ہے :۔

"مندرجہ ذیل اپیل اکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیوں کے چانسلروں کے پاس بھیجی گئی ہے۔ ہندوستان میں عیسائی مذہب اور بائیبل کی حالت بہت ہی خطرناک ہو رہی ہے جسکی وجہ بائیبل کے متعلق نئی تحقیقات سے جو مسئلے پیدا ہوئے ہیں ان کا پھیل جانا ہے اور جن کو وہاں انگریزی یونیورسٹیوں کی تعلیم کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ دیسی اخبارات خصوصاً اور بالاامتیاز پنجاب کا اخبار ریویو آف ریلیجنز کھلے طور پر اس امر کو پیش کرتے ہیں کہ یہ تعلیم عیسائی مذہب کی تردید کرنیوالی ہے اور بائیبل یقیناً سچائی میں اور اسی وجہ پر اخلاقی تعلیم کے لحاظ سے قرآن شریف سے بہت ادنےٰ اور کم درجہ پر ہے اسی قسم کی باتیں اور شکائتیں بنگال۔ شام۔ آسٹریلیا۔ اور دنیا کے دوسرے حصوں سے پہنچ رہی ہیں۔ پادریوں کی حالت عجیب بے ڈھنگی ہو رہی ہے کیونکہ مذہب عیسائی کی اس کتاب مقدس یعنی بائیبل سے انہیں تعلیم دینی پڑتی ہے جسکی صداقت کا انکار عیسائی مذہب کے عین مرکز میں یعنی خود یونیورسٹیوں میں ہو رہا ہے اور اگرچہ بائیبل کے متعلق اس اعلےٰ تنقید کے مسئلے باریک علوم اور نئی تحقیقات کی روشنی میں اور نیز بائیبل کی تنقید کی تمام شاخوں میں ماہر علوم کے لحاظ سے جیسے مثلاً زباندانی۔ قدیم چیزوں کا علم۔ ادب اور تاریخ اور پھر سب سے بڑھ کر نئے علوم طبیعات کی روشنی میں یہ مسئلے بے دلیل ثابت ہو گئے ہیں۔ لیکن اسمیں کیا شک ہے کہ بائیبل کی صداقت کے انکار کے یہ مسئلے یونیورسٹیوں سے نکل کر تمام دنیا میں پہنچ چکے ہیں یہاں تک کہ

دانا مسلمان اب دیسیوں کے سامنے بائیبل کو اس رنگ میں پیش کرتے ہیں کہ وہ قرآن شریف سے بڑھکر کچھ نہیں سکھلاتی بلکہ جہانتک اسکی صداقت کا سوال ہے یہ قرآن شریف سے بہت کم درجہ پر ہے کیونکہ قرآن کریم کی صداقت پر اسکے پیروؤں کو ذرا بھی شک نہیں۔ یہ اس ملک کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ بائیبل کی اعلےٰ تنقید کے مسئلوں کی علمی تردید اسکے ہاتھ میں آگئی ہے اور اس سے بڑھکر یہ کہ یہ علمی تردید یونیورسٹیوں سے باہر اور انکے بلاواسطہ طی ہے اور خواہ اس حالت کو یونیورسٹیاں تسلیم کریں یا نہ کریں لیکن یہ حالت اس ملک میں عام طور پر تسلیم کی جارہی ہے کیونکہ اس سارے مضمون پر نئی ماہرانہ تصنیفات کی وجہ سے کامل علوم پھیل رہے ہیں لیکن اگر یونیورسٹیوں کے اوقات عیسائی مذہب کی تائید سے اس طرح پر منحرف کئے جاتے ہیں اور اگر یونیورسٹیوں کے سرکاری سبیل مذہب عیسائی کی بنیاد یعنی بائبل کی صداقت کے انکار کے لئے اور یا بائیبل کے زور کو کم کرکے قرآن شریف کے برابر کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں تو پھر یونیورسٹیوں کے چانسلروں کے سامنے یہ کھلی اپیل پیش کی جاتی ہے کیونکہ یونیورسٹیاں صحیح معنوں میں قومی ورثہ ہیں اور اس عیسائی تعلیم کا سچا نقشہ پیش کرتی ہیں جو کہ یونیورسٹی کی کتبہ "خداوند مجھے نور دے" میں منقوش ہے۔ اور یونیورسٹیوں کا ایسی تعلیم پر اصرار کرنا جسکو غیر عیسائی لوگ بھی جنکو عیسائی کرنے کے لئے اس ملک سے مشنری بھیجے جاتے ہیں اپنی تعلیم کی طرح ہی سمجھتے ہیں۔ اصل مقصد سے بالکل اور مطلقاً دور جا پڑنا ہے اور قوانین یونیورسٹی کی عملاً خلاف ورزی ہے اس مضمون پر کیا دنیوی اور کیا مذہبی اخبارات میں خط وکتابت کے بڑے بڑے انبار اس امر کو ظاہر کرتے ہیں کہ ان علمی دلائل کے متعلق جن سے اعلےٰ تنقید بائیبل کے مسئلوں کی غلطی ثابت ہوتی ہے پورا پورا اور مفصل علم وسیع پیمانے پر عام ہو چکا ہے اور یونیورسٹیوں کا اعتبار جوان کو مفید اور مذہبی تعلیم کے مرکز ہونے کے روسے حاصل ہے بالکل جاتا رہیگا اگر وہ بائیبل کو گرانیوالی تنقید کا راستہ نہ چھوڑ دیں گی جو اب اس ملک میں غلط تسلیم ہو چکا ہے ٭

سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ یونیورسٹیوں کا خدا اور عیسائیت کے انقیاد اور اطاعت کو بدلنا خواہ اس کی وجہ عارضی طور پر عقلی پلہ کا بھاری ہو جانا ہو جو پچھلی نصف صدی کی تحقیقاتوں یا انکلوں سے ہوا ہے یا کوئی اور وجہ ہو۔ ایسی تبدیلی اس عیسائی ملک کے عام لوگوں کی منظوری کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اور حقیقت میں یہ ایک ایسا اہم اور بنیادی سوال ہے جو مقامی طور پر یونیورسٹیوں میں تصفیہ نہیں پا سکتا بلکہ تمام دنیا کی انگریزی عیسائیت کی عام منظوری سے روا رکھا جا سکتا ہے۔

کیمبرج کرانیکل کی یہ تحریر عیسائی پادریونکی حالت سے زیادہ بے سروپا ہے تعجب آتا ہے کہ یونیورسٹیوں کی تعلیم پر اعتراض کس قسم کا کیا جاتا ہے خواہ یہ اپیل سنجیدگی سے ہی پیش کی گئی ہو مگر اسمیں شک نہیں کہ اسمیں جو صورت اختیار کی گئی ہے وہ بالکل بیہودہ ہے یونیورسٹیاں اس تعلیم کو کیونکر پھیلا سکتی ہیں جسکو وہ جھوٹا سمجھ رہی ہیں۔ اگر عیسائی لوگ گذشتہ انیس سو سال سے ایک سخت گمراہی میں پڑے رہے ہیں تو انکی گمراہی یونیورسٹیوں کیلئے کوئی دلیل نہیں کہ غلطی کے اظہار کے بعد بھی وہ اسی غلطی کی تعلیم ہی دیتی رہیں کیا یونیورسٹیونکی بنیاد جھوٹ اور غلطیوں کی تعلیم دینے کیلئے رکھی گئی تھی یہ کہنا کہ یونیورسٹیونکا فرض ہے کہ عوام کی مذہبی رائے کی تائید کریں خواہ اسے جھوٹا سمجھیں یا سچا۔ اس سے بڑھکر کوئی بیہودگی نہیں +

کیمبرج کرانیکل کی تحریر تضادات کا عجیب مجموعہ ہے ایک طرف تو یہ خطرہ پڑا ہوا ہے کہ بائیبل کی اعلےٰ تنقید کے مسئلوں کے پھیل جانے سے عیسائیت اور بائیبل کی حالت نہایت خطرناک ہو رہی ہے دوسری طرف یہ بھی جتلانا مقصود ہے کہ اندر ہی اندر ان مسئلوں کی خیالی علمی تردید ہاتھ آجانے سے اطمینان ہوگیا ہے اخبار مذکور دعوے کرتا ہے کہ تنقید بائیبل کے سارے مضمون پر نئی ماہرانہ تصنیفات میں سے اسے نئے کامل علوم حاصل ہوئے ہیں جن سے اعلےٰ تنقید کے مسئلوں کی تردید ہوتی ہے ہم تعجب کرتے ہیں کہ کیا بائیبل کا دایرۃ المعارف جسکی چوتھی اور اخیری جلد ابھی چند مہینے ہی ہوئے ہیں شائع ہوئی ہے اور جو ہر ملک کے فاضلان بائیبل کے عمیق غور و فکر کا نتیجہ ہے ان نئی ماہرانہ تصنیفات کے اندر نہیں آتی۔ اس قابل قدر تصنیف کے مصنفوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ نہ صرف برطانیہ کلاں کے فاضلان و ماہران بائیبل ہی شامل ہیں بلکہ ہر ایک عیسائی ملک کے عالم جو علوم بائیبل میں خاص طور پر امتیاز رکھتے ہیں انکی قلموں کے لکھے ہوئے آرٹیکل بھی اسمیں موجود ہیں اور ہر ملک کے فاضلوں کے نام ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ اس کتاب میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ حاوی اور صحیح خیالات ہیں یہ امر بالکل قابل تسلیم نہیں کہ اس قسم کے مشہور اور فاضل ماہران بائیبل جیسے پروفیسر کین[۱] ٹیل[۲]۔ ولہاسن[۳] شمٹ[۴] شمیڈل[۵] گلڈنر[۶]۔ نولڈیکے[۷] اور انگلستان اور دوسرے ممالک کی یونیورسٹیوں کے پروفیسر لکچرار اور فیلو جن کی تعداد

[۱] اسفورڈ میں کتاب مقدس کے ترجمہ کا پروفیسر [۲] لیڈن میں تاریخ مذہب اور فلسفہ مذہب کا پروفیسر [۳] گوٹنگن میں شامی زبانوں (یعنی عربی عبرانی سریانی وغیرہ) کی زباندانی کا پروفیسر [۴] نیویارک میں شامی زبانوں اور شامی علم ادب کا پروفیسر [۵] زیورچ میں تفسیر انجیل کا پروفیسر [۶] برلن میں پروفیسر [۷] سٹراسبرگ میں شامی زبانوں کا پروفیسر +

کچھ تھوڑی سی نہیں یہ سب کے سب اُن کامل علوم" اور ان "علمی دلائل" سے محض ناواقف رہے جنکا پتہ کیمبرج کرانیکل کو ملگیا یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ان فاضل لوگوں کو عیسائی مذہب اور بائیبل کے خلاف کوئی تعصب تھا نہیں بلکہ انکو جو بائیبل سے محبت ہے، وہ اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ ہے جو کیمبرج کرانیکل کو ہے چنانچہ دائرۃ المعارف مذکور کی تمہید میں اسکے اڈیٹر لکھتے ہیں کہ ہم اس دفعہ کو ختم کرنے سے پہلے سچے دل سے یہ شہادت ادا کرتے ہیں کہ بائیبل پر محققانہ اور تاریخی نظر کے ساتھ جبکہ وہ نظر کافی طور پر محیط ہو کتاب مقدس کے ساتھ محبت ہمیشہ بڑھتی رہیگی" +

عیسائی مذہب کی حقیقت اگر معلوم ہو سکتی ہے تو صرف عیسائی یونیورسٹیوں سے ہی ہو سکتی ہے جو کہ عیسائی تعلیم کی مرکز ہیں نہ کہ عوام سے جو عموماً جاہل ہوتے ہیں اور نہ ہی اس قسم کے متعصب مذہبی پرچوں سے جنکی غرض عوام کو خوش کرنا ہوتا ہے کیمبرج کرانیکل کی یہ رائے ہے کہ یونیورسٹیوں کیلئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ سچائی کو شائع کریں جب تک کہ عام لوگ ان کے ساتھ اتفاق نہ کریں کیا کوئی عقلمند انسان ایسی بیہودہ بات کو تسلیم کر سکتا ہے سچے مذہبی علوم تمام دوسرے سچے علوم کی طرح عوام سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ عوام تو اندھوں کی طرح انہیں سڑے گلے پُرانے عقائد کے پیچھے چلتے رہتے ہیں جب تک کہ ان کے خلاف عقائد مضبوطی کے ساتھ قائم نہ ہو جاویں اگرچہ پادریوں اور واعظوں پر یہ کبھی امید نہیں ہو سکتی کہ وہ پُرانے عقائد کو چھوڑ سکیں کیونکہ انکے لئے وہ ذریعہ معاش ہوتے ہیں لیکن باوجود اس بات کے بائیبل کی اعلےٰ تنقید کے مسئلے عام طور پر گرجوں کے پادری اور مشنری لوگ تسلیم کر رہے ہیں +

کیمبرج کرانیکل کی یہ عجیب اپیل عیسائی مذہب کی افسوس ناک حالت کو ظاہر کرتی ہے دراصل اس اپیل کا منشاء یہ ہے کہ وہ ان خیالات کی تردید سے جن پر عیسائی مذہب قائم ہے اور جو انیس سو سال سے عیسائی دنیا میں مانے چلے آئے ہیں عیسائیت پر وہ کاری حربہ نہ چلائیں جس سے اس کا کام تمام ہو جائے آہ کتنی بڑی یہ مصیبت ہے۔ ایک زبردست مذہب جو دو ہزار سال سے کروڑہا آدمیوں کی قسمت کا فیصلہ کرتا رہا ہے اور جسکی حکومت دنیا کے اتنے بڑے حصے پر پھیلی ہوئی ہے اب چند انسانوں کے سامنے عاجزی سے جھک کر یہ التجا کر رہا ہے کہ مجھ پر ایسا حربہ نہ چلاؤ جو میری زندگی کا خاتمہ کر دے ایک مذہب جو ایسا طاقتور اور غالب رہ چکا ہے آخرکار مجبور ہو گیا ہے کہ ایک نہایت حقیرانہ صورت اختیار کرے اگرچہ انسلر ان اسکی حالت پر رحم بھی کریں تو بھی قبر مسیح کی دریافت سے اسے وہ صدمہ پہنچا ہے کہ دوبارہ یہ اپنا سر نہیں اٹھا

سکیگا۔ اگرچہ عیسائیت کی حالت موجودہ حالات کے ماتحت نہایت ہی افسوسناک ہے مگر یہ ضروری تھا کہ جھوٹ اور سچ کی پرکھ کے لئے یہ واقعات ظہور میں آتے۔ اور عیسائیت کو یہ مصیبت کا دن دیکھنا پڑتا آسمانی مذہب پر جب مشکلات آتے ہیں تو اسکی نظر بھی آسمان کیطرف ہی ہوتی ہے تاکہ اسے اوپر سے تائید ربانی پہنچے لیکن ہر ایک زمینی سلسلہ کو زمینی اسباب کی طرف جھکنا پڑتا ہے۔ عیسائی مذہب کو اسلام سے زیادہ مشکلات درپیش نہیں ہیں لیکن اسلام کو آسمان سے مدد دی گئی اور اسکی مشکلات کے وقت میں آسمان سے ایک انسان بھیجا گیا اور آسمانی پانی سے اسے دوبارہ زندگی بخشی گئی اور عیسائی مذہب کو زمینی انسانوں کے دروازوں پر التجا کرنے کی ضرورت درپیش آئی جب عیسائیت کے معجزات پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ صرف قصے کہانیاں ہیں تو اسے عاجز ہو کر ساکت ہونا پڑتا ہے اور کسی طرح اس الزام سے اپنی بریت ثابت کرنے کے وہ قابل نہیں ہوتا اگرچہ انجیلوں میں یہ وعدہ بھی دیا گیا تھا کہ مسیح کے پیرو مسیح کی طرح ہی معجزات دکھائینگے لیکن جو مذہب زندہ اور طاقتور خدا کیطرف سے ہی یعنی مذہب اسلام وہ خدا کے فضل سے آج بھی خدا کی طرف سے ہونے کے وہی آسمانی نشان دکھا سکتا ہے جو اس سے تیرہ سو سال پہلے دکھاتا تھا جو اصول انیس سو سال سے عیسائی مذہب میں مسلم رہے ہیں وہ آج جھوٹے اور غلط ثابت ہونے پر اسے یونیورسٹیوں کے چانسلروں کے پاس اپیل پیش کرنی پڑی لیکن بالمقابل اسلام کو دیکھو کہ جب لوگوں نے اسکے پاک اصول پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو خدائیتعالے نے اپنے رسول کو جو مسیح موعود ہے دنیا میں بھیجا تا آسمانی نشانوں کے ساتھ وہ پاکیزگی کو دلوں میں قائم کرے اور اسلام کی سچائی کو روشن کرکے دکھلاوے۔ کیا یہ ایک زندہ اور مردہ مذہب جھوٹے اور سچے اصول کے درمیان صاف امتیاز نہیں؟ اگر مذہب ایک آسمانی چیز ہی اور زمین سے نہیں نکلتا تو پھر اسمیں کوئی شک نہیں ہوسکتا کہ جب اس پر کوئی سخت حملہ ہو یا وہ سخت مشکلات میں گھر جاوے تو آسمانی نشانوں کے ساتھ اسی طرح پر اس کے اصول دوبارہ مضبوط کئے جاویں جیسا کہ اسکی پیدایش کے وقت آسمانی نشانوں سے اسکی تائید ہوئی تھی۔ اور یہ ایسے انسانوں کی رائے کا محتاج نہ ہو جو آسمان سے الہام نہیں پاتے لیکن کیا عیسائی مذہب آج ایسے نشانات کے دکھلانے کا دعوے کرسکتا ہی کیا عیسائیت کے حلقہ میں ایک آدمی بھی ایسا ہی جو یہ کہہ سکتا ہو کہ روح القدس سے مدد پاکر میں اسی طرح آسمانی نشان دکھا سکتا ہوں جس طرح مسیح اور اسکے شاگردوں نے دکھائے اگر ایسا کوئی انسان عیسائی مذہب میں پایا جاتا تو اسکا خدا کیطرف سے ہونے کا دعوے قابل

شنوائی ہوتا مگر نہیں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جسے یہ پاک امتیاز حاصل ہے اور جس میں وہ سچا معیار پایا جاتا ہے جو سچے اور جھوٹے کے درمیان امتیاز کر سکتا ہے +

عیسائیت کی افسوسناک حالت اور ہمارے اس حملہ کی سچائی اور طاقت کو جو کیمبرج کرانیکل کی اس اپیل کا محرک ہوا ہے (دیکھو ریویو آف ریلیجنز مئی ۱۹۰۳ء بعنوان اعلےٰ طبقہ کے عیسائی محققین اور پادری) پادری ہیوٹ صاحب پرنسپل سی ایم ایس ہائی سکول کرشنا گڑھ ندیا بنگال نے بہت صفائی کے ساتھ تسلیم کیا ہے اور اس مضمون کی چٹھی ولایت کے اخبار ریکارڈ مورخہ ۲۶ جون ۱۹۰۳ء میں چھپوائی ہے جس میں وہ لکھتے ہیں "پادریوں کی متفقہ کانفرنس نے جسکا اجلاس ماہوار کلکتہ میں ہوتا ہے تھوڑا عرصہ ہوا اعلےٰ تنقید کے مضمون پر بحث کی تھی۔ کارروائی اجلاس کی روئداد ایک دانا مسلمان مباحث یعنی مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے بڑے غور سے پڑھی ہے میں ایک آرٹیکل اس مضمون کے ساتھ چھاپنے کے لئے بھیجتا ہوں جو مرزا صاحب کے میگزین ریویو آف ریلیجنز کی گذشتہ اشاعت میں شایع ہوا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کس قدر غور کے ساتھ یہ اور اسی قسم کے دوسرے مضامین اسوقت ہندوستان میں غیر عیسائیوں کی توجہ کھینچ رہے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو دنیا میں مسیح کی سلطنت کے پھیلانے میں مشغول ہیں اور اسمیں دلچسپی رکھتے ہیں اسمیں ایک سبق ہے۔ مرزا صاحب سب سے نئی اور اعلےٰ درجہ کی تنقید بائبل کو لے کر یہ کہتے ہیں کہ یہ طریقہ وہی تعلیم دیتا ہے جو قرآن شریف ہمیشہ سے دیتا چلا آیا ہے اور وہ پادریوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ ایک ایسی بائبل سے تعلیم دینا چھوڑ دیں جو جھوٹی ثابت ہو چکی ہے اور اس امر کو مان لیں کہ مسیح کی فرضی الوہیت اس سے زیادہ نہیں جیسی دوسرے انسانوں میں پائی جاتی ہے نئے محققین کی یہ عجیب حالت ہے جو انہوں نے اختیار کی ہے۔ ایک مسلمان مصلح جو عیسائیت کی تردید میں مصروف ہے اور اسکا دشمن ہے ان محققین کے خیالات کو اپنی تائید میں لیتا ہے میں تعجب کرتا ہوں کہ ہمارے گرجا کے پادریوں نے جو اس اعلےٰ تنقید کے معاملہ میں کسی بڑے نام کی سند پر اعتبار کر لیتے ہیں اس تعلیم کے لازمی نتیجہ کو ابتک محسوس کیا ہے یا نہیں اس کا ضروری نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کے درمیان عیسائی مذہب کے پھیلانے میں نئی اور سخت مشکلات درپیش آئینگی۔ دلائل کے رو سے مرزا صاحب بالکل حق پر ہیں اور ہمارا جواب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ یہ تعلیم ابھی تک محض ایک خیالی مسئلہ ہے لیکن دراصل ایسا جواب دینا صرف یہ کہنا ہے کہ مرزا صاحب انتظار کریں جب تک کہ عیسائی آپس میں لڑ جھگڑ

کہ بائیبل کی صداقت کا فیصلہ کریں یقیناً ایسی حالت تک پہنچ جانا ایک قابل افسوس حالت ہے ہمارے محققین دیکھیں اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔"

پادری ہیوٹ صاحب کی اس چھٹی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اعلےٰ تنقید کے اصولوں کو گرجا کے پادریوں اور مشنریوں نے بھی مان لیا ہے۔ ہاروسٹ فیلڈ جو ایک مشنری میگزین ہے اس امر پر بہت زور دیتا ہے وہ کہتا ہے "ہم یقین رکھتے ہیں کہ سچائی کی خاطر اور ہندوستان میں کلیسیا کی بہبودی کیلئے یہ نہایت ضروری ہے کہ بائیبل کے کلام الہی ہونے کے متعلق جس طرح کا اعتقاد کلیسیا کے عالم فاضل اور اسکے پیشوا رکھتے ہیں اس پر زیادہ توجہ کیجاوے۔" اس طرح پر اخبار مذکور اپنی رائے کا صاف اظہار کرتا ہے کہ مسئلہ مذکور یعنی بائیبل کی صداقت کا مسئلہ جس طرح اب پیش کیا جاتا ہے یا جس طرح اب آیندہ عیسائیوں کو تسلیم کرنا چاہیئے وہ اس سے مختلف ہے جسطرح وہ پہلے مانا جاتا رہا ہے اور اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ آگے چلکر اخبار انڈین وٹنس کے دانشمندانہ الفاظ" نقل کرتا ہوا میگزین مذکور یوں کہتا ہے "کلیسیا کے ہندوستانی عہدہ داروں کا بڑا حصہ بائیبل کے متعلق ان نئے اعتقادات سے بالکل بے خبر ہے جو یورپ اور امریکہ کے پادریوں کے بہت بڑے حصہ نے مانے ہوئے ہیں صداقت کے برخلاف یہ ایک بڑی بغاوت ہے کہ بائیبل کو غلطیوں سے پاک اور اسکے الفاظ کو خدا کا کلام کہا جائے۔"" کیا اخبار کیمبرج کرانیکل سچائی کو عمداً چھپانے کا ملزم نہیں جب وہ یہ کہتا ہے کہ اعلےٰ تنقید کے اصولوں کی تردید ہو چکی ہے حالانکہ کلیسیا کے بڑے بڑے عہدہ دار اور پادری صاحبان کھلے طور پر ان کو قبول کر رہے ہیں تھوڑا ہی عرصہ گذرتا ہے کہ بمبئی کے بشپ نے پر زور الفاظ میں یہ لکچر دیا تھا کہ بائیبل کو ہرگز غلطیوں سے پاک نہیں کہا جا سکتا خود ایسے گرجے موجود ہیں جہاں ان کو آزاد گرجے کہہ لو مگر پھر بھی وہ عیسائی گرجے ہی ہیں جو کھلے طور پر یہ تعلیم دیتے ہیں کہ "بائیبل خدا کا کلام نہیں بلکہ واقعات۔ توہمات اور جھوٹے قصہ کہانیوں سے ایک ملی جلی چیز ہے یعنی سچائیوں غلطیوں اور بیہودگیوں کا ایک مرکب ہے"۔ اور اس سے ہمیں معقول باتیں پسند کر کے باقی کو ردی میں ڈالنا چاہیئے بلکہ اس سے بھی بڑھکر خود متعصب عیسائی ممبروں سے اب یہ وعظ کیا جاتا ہے کہ بائیبل خدا کا کلام نہیں ہے سچ تو یہ ہے کہ وہ انقلاب عظیم جو مغرب میں بائیبل کے عقیدہ کے متعلق واقع ہوا ہے کلیسیا یا مشنری ہرگز اسکو برا نہیں مناتے۔ برعکس اس کے یہ بائیبل کے لفظ بلفظ الہامی کلام ہونے اور غلطیوں سے پاک ہونیکا عقیدہ ہے جسکو ہر ایک سمجھدار آدمی اب رد کر رہا ہے اور چاہیئے بھی ایسا ہی تھا مسٹر ہیوٹ کے یہ الفاظ کہ نیا عقیدہ ابھی تک ایک

ذہنی مسئلہ ہے صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ سارے محققین اور کلیسیا کے بہت سے بڑے بڑے عہدہ دار اور مشنری اب اس عقیدے پر اتفاق رکھتے ہیں کہ بائیبل غلطیوں سے پاک نہیں ہے۔ جاہل عوام ابتک پرانے عقیدے پر جمے ہوئے ہونگے لیکن انکی رائے کو ایسے معاملہ میں بمقابلہ تمام فاضلان اور دانشمندان اور عہدہ داران کے کوئی وقعت نہیں دی جا سکتی ÷

یہاں ہم ناظرین کو ایک ضروری امر کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ بفرض محال اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ دونوں فریق یعنی بائیبل کی صحت کے موید اور اسکی غلطیوں کے قائل ابھی تک جھگڑ رہے ہیں کہ ان میں سے حق پر کون ہے اور ہم کو اسوقت تک انتظار کرنا چاہئے جب تک کہ ان فریقوں کا باہمی تصفیہ ہو جاوے یا اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر ہم یہ بھی فرض کریں کہ کیمبرج کرانیکل کے ہاتھ میں واقعی اعلےٰ تنقید کی "علمی تردید" آگئی ہے تو کیا پھر ہر ایک غور کرنے والی طبیعت پر یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ کیوں بائیبل خود اس امر پر خاموش ہے مختلف نسخوں اور ترجموں کے سوال کو بالفعل نظرانداز کر کے جو بائیبل کے کلام الٰہی ہونے کے دعوے کو صاف جواب دے رہے ہیں یہ خیال کیسا لغو ہے کہ کسی کتاب کے خدا کی طرف سے ہونے کے دعوے کا فیصلہ کثرت رائے سے کیا جاوے۔ کیا ایسی کتاب خدا کی طرف سے ہو سکتی ہے جسکی صداقت کا فیصلہ چند آدمیوں کی رائے پر ہوتا ہے ایسی کتاب کس طرح کسی ادب کے قابل ہو سکتی ہے جسکے پیرو اسکی سچائی پر جھگڑ رہے ہوں اور کثرت رائے سے سوال کے فیصلہ کے لئے تیار ہوں۔ اگر بیسویں صدی کے مہذب عیسائیوں کا یہ حال ہے کہ اپنے مذہب کی مقدس کتاب کی اصلیت کا فیصلہ کثرت رائے سے کرنا چاہتے ہیں تو پھر ان آئیس لینڈ والوں پر کیوں ہنسا جاتا ہے جنہوں نے عیسائی مذہب کے اختیار کرنے یا اسکو رد کرنے کا سوال قومی پارلیمنٹ میں پیش کر کے آخر کثرت رائے سے یہ فیصلہ کیا تھا کہ سب لوگ عیسائی مذہب کو اختیار کریں ہمیں اسقدر رائے دینے کی اجازت ملنی چاہئے کہ اس سوال کے جلدی فیصلہ کرنے کیلئے اور پبلک کو بہت مدت تک انتظار میں نہ رکھنے کیلئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بائیبل کے کلام الٰہی اور غلطیوں سے پاک ہونے کے سوال کو بجائے اس طرح پر مباحثہ کرنے کے پارلیمنٹ میں پیش کر دینا چاہئے تاکہ جلدی بحث ہو کر اسکا فیصلہ ہو جائے اور عیسائیت کے دشمنوں اور دوستوں کو پتہ لگ جائے کہ اصل عقیدہ عیسائی مذہب کا انگریزی کلیسیا میں کیا ہے یہ ہے قسمت اس کتاب کی جسکو دو ہزار سال تک بے سوچے سمجھے کلام الٰہی اور غلطیوں سے پاک مانا

گیا ہے اس کے پیروؤں کو یہ کبھی نہیں سوجھا کہ ایک ایسی کتاب کو کلام الٰہی اور غلطیوں سے پاک ماننا جو خود بالکل خاموش ہو ایسا دعوے اسکے لئے کرنا ہے جسکی وہ مستحق نہیں اور جسکی غلطی کا افشا دیر و زود ضرور ہو جائیگا۔ یہ محض حماقت ہے کہ ایک ایسی کتاب کو کلام الٰہی سمجھ لیا جاوے جو نہ دعوے کرتی ہے اور نہ ہی دلیل دیتی ہے۔ دنیا میں صرف ایک ہی ایسی کتاب ہے یعنی قرآن شریف جس نے نہ صرف خدا کی طرف سے ہونے اور غلطیوں سے پاک ہونے کا دعوے کیا ہے بلکہ یقینی اور قطعی دلائل بھی ساتھ ہی اسکے ثبوت میں پیش کئے ہیں۔ بار بار اس نے یہ دعوے کیا ہے کہ وہ خدا کا کلام ہے جو خدا نے نازل کیا ہے اور یہ کہ وہ خالص حق اور حکمت ہے اور باطل اسکے پاس نہیں آسکتا اور یہ کہ اسکا ہر ایک لفظ غلطی سے پاک ہے اس دعوے پر اس نے کثرت سے دلائل بھی دئیے ہیں جنمیں سے اختصار کی خاطر ہم صرف ایک دلیل کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ قرآن شریف کی پہلی ہی سورت میں اللہ تعالے فرماتا ہے **وان کنتم فی ریب مما نزلنا علے عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین** اور اگر تم کو شک ہے اس چیز میں جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے تو ایک سورت اس جیسی بنا لاؤ اور اللہ تعالٰے کے سوائے اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو پھر اسکے بعد فرماتا ہے **فان لم تفعلوا و لن تفعلوا** اور اگر تم اسکی مثل نہ بنا سکو اور ہرگز نہ بنا سکو گے۔ یہاں اس کتاب مقدس کے خدا کی طرف سے ہونے کا صاف دعوے اور دلیل موجود ہے اور تیرہ سو سال سے اس دلیل کا کسی نے جواب نہیں دیا عیسائی یا کوئی اور قرآن شریف کو قبول نہ کریں لیکن کوئی سمجھ دار آدمی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ جب تک وہ قرآن کریم کی مثل بنا کر پیش نہ کریں ان کا عدم قبول ایک مردود شے ہے۔ تمام دنیا بھی اکٹھی ہو کر قرآن شریف کا مثل نہیں بنا سکتی۔ نہ صرف عربوں نے ہی مثل بنانے سے عاجزی کا اظہار کر کے قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت قطعی دیدیا ہے بلکہ کروڑہا انسان جنکے سامنے قرآن شریف پیش کیا گیا ہے ان سب نے اپنی خاموشی سے اسکی سچائی پر مہر لگا دی ہے اور اسکو انسانی طاقت سے بالاتر ثابت کر دیا ہے کیا بائیبل بھی کوئی ایسا دعوے کرتی ہے یا ایسا ثبوت پیش کرتی ہے اگر یہ اپنے اندر کوئی ایسا ثبوت رکھتی تو کیوں اسکے پیرو اسکی سچائی پر جھگڑتے اور لڑتے۔ یہاں ہم نے صرف ایک دلیل قرآن کریم کی صداقت کی پیش کی ہے تا یہ معلوم ہو کہ بالفرض اگر کثرت رائے سے بائیبل کے حق میں بھی فیصلہ ہو تو بھی کوئی سمجھ دار آدمی نجات کے لئے ایک ایسی کتاب پر بھروسہ نہیں کر سکتا جو چند آدمیوں کے وہم پر قبول کی جا سکتی ہے یا رد کی جا سکتی ہے +

کیمبرج کرانیکل کی تحریر کے متعلق صرف ایک اور بات کہنی ضروری ہے اسلام کے متعلق اس نے یہ سخت غلط بیانی کی ہے کہ دانا مسلمان اب بائیبل کو اس حیثیت میں پیش کرتے ہیں کہ وہ قرآن شریف سے بڑھ کر کچھ نہیں سکھاتی مسلمان ہمیشہ سے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بائیبل کی تعلیم قرآن شریف کی تعلیم سے نہایت کمتر درجہ پر ہے ہاں عیسائیوں کو اس بات کا اب یقین آنے لگا ہے جو مسلمان ہمیشہ سے مانتے رہے ہیں کہ بائیبل غلطیوں سے خالی نہیں ہے عیسائیوں نے بڑی ہٹ کے ساتھ اس تعلیم کا مقابلہ کیا یہانتک کہ اب خود زمانے نے انکو اپنی غلطی پر مطلع کر دیا۔ ہاں کچھ عرصہ تک اور وہ ایک جھوٹی تسلی اپنے آپ کو دے سکتے ہیں کہ یہ تعلیم ابھی تک محض ایک ذہنی مسئلہ ہے یا انکے ہاتھ کوئی فرضی "علمی تردید" آگئی ہے لیکن اسکی غلطی بھی انہیں جلدی معلوم ہو جائیگی تب انکو پتہ لگیگا کہ بائیبل اس طرح پر گری ہے کہ اسکا پھر اٹھنا ناممکن ہے جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی بھی کی تھی مسیح موعود آگیا ہے اور اسکے آنے کے ساتھ ہر ایک جھوٹ دور ہو جائیگا اور حق غالب آئیگا یہی پہلے سے بتایا گیا تھا اور اسیطرح ہو کر رہیگا

عیسائی مذہب کا زوال

باوجود پادریوں کی شبانہ روز کوشش کے کہ تمام دنیا مسیح کی الوہیت کو مان لے اس مذہب کا جو مسیح کے نام پر چل رہا ہے افسوسناک خاتمہ قریب نظر آتا ہے کیونکہ وہ بنیاد جس پر یہ قائم تھا گر رہی ہے اس نئی تحقیقات کو جسکے رو سے یسوع مسیح کی قبر بمقام سری نگر کشمیر دریافت ہوئی ہے اور جس نے عیسائی مذہب کے تمام خاص دعووں کو خاک میں ملا دیا ہے۔ الگ چھوڑ کر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسیح کا جی اٹھنا جو عیسائی مذہب کی عمارت کا سب سے بڑا شہتیر ہے بڑے بڑے دانشمند اور بائیبل کے فاضل ماہر قبول نہیں کرتے بلکہ کھلے لفظوں میں اس سے انکار کر رہے ہیں۔ اسکے ثبوت میں ہم چند اقوال انسکلوپیڈیا ببلیکا کے جو مسلم ماہران بائیبل کی سب سے آخری تحقیقات ہی نقل کرتے ہیں۔ سب سے پہلے اس عقیدہ کی اہمیت اس کتاب کی بنا پر ہم دیکھیں گے چنانچہ مسیح کے جی اٹھنے اور آسمان پر چڑھنے کے متعلق جو اسمیں آرٹیکل لکھا ہے اسمیں تمہیدی عبارت یہ ہے

"مسیح کا جی اٹھنا تمام امور سے اہم امر ہے جس پر عیسائی کلیسیا کی بنیاد ہے۔ ایسے ابتدائی زمانہ میں بھی جب کہ پولوس نے پہلا خط قرنطیوں کو لکھا تو ایک دقیق بحث میں اس مسئلہ کی اس اہمیت کو جتلایا ... اسلئے بروئے دلائل یہ یقینی امر ہے کہ اگر کسی وقت یہ تسلیم کر لیا جاوے کہ مسیح کا جی اٹھنا کبھی نہیں ہوا تو عیسائی مذہب

تمام امور متذکرہ بالا کے لحاظ سے لازمی طور پر دنیا سے اٹھ جائیگا۔ ان تمام خطرات سے اندیشہ کرنے کی وجہ ہے کہ یسوع کے جی اٹھنے کی مفروضیت پر ان مسئلوں کی بنیاد رکھی گئی ہے جو عیسائی مذہب کے بنیادی مسئلے ہیں مثلاً خدا تعالےٰ اور اسکے انسانوں کے ساتھ تعلق کے متعلق جسپر انسانوں کی نجات جیسا اہم مسئلہ موقوف ہے'' اس عظیم الشان عمارت کو دیکھو اور پھر اس کھوکھلی بنیاد کی طرف ایک نظر ڈالو جسپر یہ عمارت کھڑی کی گئی ہے چنانچہ انسکلوپیڈیا کہتا ہے ''لیکن یہ بنیاد کیا چیز ہے۔ یہ تاریخ کے ایک واقعہ کو مان لینے پر موقوف ہے اور اسکا علم ہم تک صرف بذریعہ روایات پہنچتا ہے اور اسلئے تاریخی تنقید کے یہ اسی طرح نیچے آتا ہے جیسے دوسرے تاریخی واقعات اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مسیح کا جی اٹھنا جیسا کہ اسکے خارق عادت ہونیکی حیثیت کے لحاظ سے کچھ عجیب بات نہیں ہے ملک کے بہت سارے حصوں میں اور بڑھتے ہوئے اتفاق کے ساتھ جھوٹا قصہ سمجھا جاتا ہے اور یہ نہ صرف اسوقت جبکہ اسکو یسوع کے مردہ جسم کا جی اٹھنا بیان کیا جاوے بلکہ اسوقت بھی جبکہ کوئی روحانی پہلو اسکے بچاؤ کا اختیار کیا جاوے'' اس کے بعد یہ بیان کیا ہے کہ ایسے واقعہ کو کس طرح اور کسقدر شہادت کیساتھ لینا چاہیئے ''اسلئے تاریخدان کا معمولی طریق گذشتہ زمانہ کے واقعات پر بحث کرتے وقت سب سے پہلے یہ ہوگا کہ آیا اسکی کوئی سیدھی سادی تشریح ہو سکتی ہے جسمیں معجزہ کے وجود کو نہ ماننا پڑے اور اسکے علاوہ کسی اور نتیجہ پر پہنچنے کے لئے خصوصیت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی مضبوط شہادت درکار ہوگی''

اس امر کے متعلق شہادت کے ذرائع میں سے سب سے پہلے مروجہ اناجیل پر غور کیا گیا ہے ''لیکن ان میں نہایت ہی کھلے کھلے متضاد بیانات پائے جاتے ہیں ریمارس نے دس متضاد بیانات گنے ہیں۔ لیکن درحقیقت انکی تعداد اس سے بہت ہی بڑھکر ہے'' غیر مروج ذرائع میں سے ''بعض کو بلحاظ تقدم اناجیل مروجہ سے بہت بڑھکر سمجھا گیا ہے جیسے مثلاً عبرانیوں کی انجیل'' لیکن اسمیں بھی ''مروجہ اناجیل کے ساتھ بڑے بڑے اختلاف پائے جاتے ہیں'' ''پطرس کی انجیل کے ٹکڑے ہیں جو ۱۸۹۲ء میں ملا ہے بہت سارے فاضلوں نے اور خصوصاً ہارنک نے سب سے بڑھ کر پرانے زمانے کے واقعات سمجھے ہیں اور اسکو اول درجہ کا ذریعہ خیال کیا ہے'' لیکن اس میں بھی بہت ساری باتیں ناقابل اعتبار ہیں اور جو حصہ ''خصوصاً پرانا سمجھا جانے کے قابل ہے وہ یہ بیان ہے کہ یسوع پہلے جلیل میں پطرس کو ملا۔ اسکے علاوہ یہ بات بھی اسکی اصلی معلوم ہوتی ہے کہ یسوع کی سب سے پہلے ملاقات حواریوں کے ساتھ اسکی موت کے آٹھ دن بعد ہوئی'' ایک ''قبطی کتاب جس کا میلان عیسائیوں کے فرقہ ناستک کے خلاف ہے اور جو اخمیم میں ملی ہے وہ اس گفتگو

کو نقل کرتی ہے جو یسوع اور اسکے حواریوں میں اسکے جی اُٹھنے کے بعد ہوئی" اس میں بہت ساری باتیں نئی ہیں لیکن ایسی بات کوئی نہیں جسکو مروجہ اناجیل کے بیانات سے بڑھ کر وقعت دیجا سکے" اس کے علاوہ اور بھی الگ الگ ٹکڑے ہیں ان میں سے ایک کے مطابق "یسوع نے مچھلی اور شہد کے چھتے میں سے کچھ کھا کر باقی حواریوں کو دیدیا" ایک اور غیر مروج تصنیف میں جسکا جارجی زبان میں ایک ترجمہ ملا ہے کہ یسوع سب سے پہلے یوسف ارمتیا کو ملا +

یسوع اعمال کے بیان کے بموجب چالیس دن تک جی اُٹھنے کے بعد زمین پر رہا لیکن ولنٹنی انس اور افائٹیس (دو فرقے) کا یہ اعتقاد ہے کہ یسوع جی اُٹھنے کے بعد اٹھارہ مہینے تک زمین پر رہا ایسا ہی اتھیوپک زبان کی ایک کتاب میں "پسٹس سوفیا" کے مطابق وہ گیارہ سال رہا" یسوع حواریوں کو پہلے پہل گلیل میں ملا کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ یروشلم اور گلیل دونوں کے قصے ٹھیک مان لئے جاویں اس لئے دونوں قسم کی روائتیں ایک جیسی نہیں ہوسکتیں۔ بہت سارے دلائل اسبات کے دئے گئے ہیں کہ گلیل کی بجائے یروشلم بدل سکتا تھا لیکن یروشلم کو گلیل بنانا مشکل تھا" اگر متی اور مرقس اپنی انگلوں سے ہی کام لیتے تو وہ یروشلم کے سوا ملاقات کا مقام اور کہیں نہ لکھہ سکتے تھے کیونکہ قبر اور عورتیں اور حواری سب وہاں ہی موجود تھے۔ اسلئے وہ روایت جسکے مطابق اُنھوں نے ملاقات کا مقام گلیل کو مقرر کیا بہت ہی مضبوط روائت ہونی چاہئے +

اسکے بعد چند واقعات کا ذکر کر کے جن پر جی اُٹھنے کی بنا ہے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ سب جھوٹے ہیں۔ پھر یہ بحث کی گئی ہے کہ یسوع کا جسم جی اُٹھنے کے بعد کس قسم کا جسم تھا۔ اور جسقدر خارق عادت تشریحین جی اُٹھنے کے متعلق ہیں انکی تردید کی گئی ہے۔ دو تشریحین ایسی بیان کی گئی ہے جن میں کوئی معجزہ ماننا نہیں پڑتا۔ اور ارٹیکل کا لکھنے والا خود محض اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ یسوع کا دیکھا جانا محض ایک کشفی نظارہ تھا۔ پہلے اس خیال کی تردید کی گئی ہے کہ "اگرچہ یسوع شفایاب ہو کر دوبارہ زندہ نہیں ہوا۔ مگر حواریوں نے ایسی افواہ کہ وہ زندہ ہی مشہور کر دیا اور آہستہ آہستہ اسپر لوگوں کو یقین آگیا" پھر دو وجوہات بیان کئے گئے ہیں کہ یہ خیال کیوں غلط ہے۔ اب ہم دوسری تشریح کو لیتے ہیں" یہ رائے کہ یسوع بظاہر مردہ کی طرح ہو گیا تھا مگر دراصل مرا نہیں معقولیت کے زمانہ میں بہت لوگ اسکے موید تھے۔ اور اسکی تائید ایک موجودہ زمانہ کے مورخ ہیس نے بھی کی ہے" لیکن پروفیسر شمیڈل اس رائے کو تسلیم نہیں کرتا

اس کا یہ خیال ہے کہ یسوع کا دیکھا جانا محض ایک کشفی نظارہ تھا +

اب مرہم عیسےٰ اور حضرت مسیح کی قبر کی شہادت کو بالفعل الگ چھوڑ کر انجیل کے بیان کردہ واقعات سے اسی بیان کی تائید ہوتی ہے کہ یسوع دراصل مرا نہیں تھا۔ اگر اس طور پر ہم انجیل کے بیان کردہ واقعات کی تشریح نہ کریں تو انجیل کے بیان کو جھوٹا ماننا پڑتا ہے۔ یہ امر کہ یسوع گلیل میں اپنے حواریوں کو ملا اور یروشلم میں نہیں ملا جیسا کہ پروفیسر شمیڈل نے ثابت کیا ہے اسی نتیجہ کا مویّد ہے کیونکہ کوئی وجہ نہیں کہ کشفی نظارہ یروشلم میں نہ ہو بلکہ گلیل میں پہنچکر ہی ہو۔ ہاں اگر اسکی موت کو نہ مانا جائے تو پھر مضبوط وجوہات ہمیں ملتے ہیں کہ کیوں ضروری تھا کہ یسوع یروشلم میں حواریوں کو نہ ملتا بلکہ گلیل میں پہنچکر ہی اپنے آپ کو ظاہر کرتا۔ یروشلم میں یہودی اسکے خلاف سخت جوش میں تھے حالانکہ گلیل مقابلتہً ایک بڑے امن کی جگہ تھی۔ جہاں یسوع کو یہ خطرہ نہ تھا کہ اُس کا پتہ اُنکو ملجائیگا۔ یہ بھی امر یقینی ہے کہ تین گھنٹے کے اندر صلیب پر اُسکی موت واقعہ نہ ہوسکتی تھی۔ پھر یسوع کھاتا رہا پیتا رہا چلتا پھرتا رہا۔ سویا اور بھوک اور پیاس کو محسوس کیا اور تھکان کو بھی محسوس کیا لیکن کشفی نظارہ کے ساتھ ان واقعات کی تطبیق کیونکر ہوسکتی ہے۔ ایسے ہی دوسرے واقعات جو اناجیل میں مذکور ہیں۔ مثلاً یہ کہ یسوع نے باغبان کا بھیس بدل لیا تھا اور اپنے شاگردوں کو منع کیا تھا کہ کسی کو اسکی خبر نہ کریں اور اسکے زخم اسکے جسم پر نمایاں تھے سب اسی رائے کے مویّد ہیں کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا۔ پیلاطوس اور یہودی بھی اس کی موت کی نسبت شک میں رہے اور کافی دلائل اس یقین کے لئے موجود ہیں کہ مسیح کا فرضی جی اُٹھنا دراصل ایک بیہوشی کی حالت سے ہوش میں آنا تھا۔ اور جن معنوں میں آجتک اُنیس سو سال سے کلیسیا اسکے جی اُٹھنے کو سمجھتی رہی ہے وہ معنے آج عیسائی فاضلوں نے غلط تسلیم کئے ہیں دو ہزار سال سے کلیسیا ایک ایسی سخت غلطی میں مبتلا رہا اور اب وہ غلطی ظاہر ہو گئی +

حضرت مسیح کا ذہن گم شدہ اسرائیلی قوموں کی طرف جانا۔ ۵

طبی شہادت

اس عنوان کے نیچے ہم ایک ایسی قطعی شہادت پیش کرتے ہیں کہ بجز ماننے کے کچھ بن نہیں پڑتا وہ

ایک نسخہ ہے جس کا نام مرہم عیسیٰ ہے جو طب کی صدہا کتابوں میں لکھا ہوا پایا جاتا ہے۔ ان کتابوں میں سے بعض ایسی ہیں جو عیسائیوں کی تالیف ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ جن کے مولف مجوسی یا یہودی ہیں اور بعض کے بنانے والے مسلمان ہیں۔ اور اکثر انمیں قدیم زمانہ کی ہیں تحقیق سے ایسا معلوم ہوا ہے کہ اول زبانی طور پر اس نسخہ کا لاکھوں انسانوں میں شہرہ ہو گیا اور پھر لوگوں نے اس نسخہ کو قلمبند کر لیا۔ پہلے رومی زبان میں حضرت مسیح کے زمانہ میں ہی کچھ تھوڑا عرصہ واقعہ صلیب کے بعد ایک قرابادین تالیف ہوئی جسمیں یہ نسخہ تھا اور جسمیں یہ بیان کیا گیا تھا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی چوٹوں کیلئے یہ نسخہ بنایا گیا تھا پھر وہ قرابادین کئی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوئی یہاں تک کہ ماموں رشید کے زمانہ میں عربی زبان میں اس کا ترجمہ ہوا اور یہ خدا کی عجیب قدرت ہے کہ ہر ایک مذہب کے فاضل طبیب نے کیا عیسائی اور کیا یہودی اور کیا مجوسی اور کیا مسلمان سب نے اس نسخہ کو اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور سب نے اس نسخہ کے بارے میں یہی بیان کیا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کیلئے انکے حواریوں نے تیار کیا تھا اور جن کتابوں میں ادویہ مفردہ کے خواص لکھے ہیں انکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ ان چوٹوں کے لئے نہایت مفید ہے جو کسی ضربہ یا سقطہ سے لگ جاتی ہیں اور چوٹوں سے جو خون رواں ہوتا ہے وہ فی الفور اس سے خشک ہو جاتا ہے اور چونکہ اس میں مُر بھی داخل ہے اس لئے زخم کیڑا پڑنے سے بھی محفوظ رہتا ہے اور یہ دوا طاعون کے لئے بھی مفید ہے اور ہر قسم کے پھوڑے پھنسی کو اس سے فائدہ ہوتا ہے یہ معلوم نہیں کہ یہ دوا صلیب کے زخموں کے بعد خود ہی حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے الہام کے ذریعہ سے تجویز فرمائی تھی یا کسی طبیب کے مشورہ سے تیار کی گئی تھی اسمیں دوائیں اکسیر کیطرح ہیں خاص کر مُر جس کا ذکر توریت میں بھی آیا ہے۔ بہرحال اس دوا کے استعمال سے حضرت مسیح علیہ السلام کے زخم چند روز میں ہی اچھے ہو گئے اور اسقدر طاقت آگئی کہ آپ تین روز میں یروشلم سے جلیل کی طرف ستر کوس تک پیادہ پا گئے پس اس دوا کی تعریف میں اسقدر کافی ہے کہ مسیح تو اوروں کو اچھا کرتا تھا مگر اس دوا نے مسیح کو اچھا کیا۔ اور جن طب کی کتابوں میں یہ نسخہ لکھا گیا وہ ہزار کتاب سے بھی زیادہ ہیں جن کی فہرست لکھنے سے بہت طول ہو گا اور چونکہ یہ نسخہ یونانی طبیبوں میں بہت مشہور ہے اس لئے میں کچھ ضرورت نہیں دیکھتا کہ تمام کتابوں کے نام اس جگہ لکھوں محض چند کتابیں جو اس جگہ موجود ہیں ذیل میں لکھ دیتا ہوں +

فہرست ان طبی کتابوں کی جن میں مرہم عیسیٰ کا ذکر ہے اور یہ بھی ذکر ہے کہ وہ مرہم حضرت عیسیٰ کیلئے یعنے انکے بدن کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی

کامل الصناعۃ تصنیف علی ابن العباس المجوسی جلد دوم صفحہ ۶۰۲ کتاب مجموعہ بقائی مصنفہ محمود محمد اسمٰعیل مخاطب از خاقان بخطاب پدر محمد بقا خان جلد ۲ صفحہ ۴۹۷۔ کتاب تذکرہ اولی الالباب مصنفہ شیخ داؤد الضریر الانطاکی صفحہ ۳۰۲۔ قرابادین رومی مصنفہ قریب زمانہ حضرت مسیح جس کا ترجمہ مامون رشید کے وقت میں عربی میں ہوا امراض جلد۔ کتاب عمدۃ المحتاج مصنفہ احمد بن حسن الرشیدی الحکیم اس کتاب میں مرہم عیسیٰ وغیرادویہ سو کتاب میں سے بلکہ اس سے بھی زیادہ کتابوں میں سے لکھی گئی ہیں اور وہ تمام کتابیں فرنچ زبان میں تھیں۔ کتاب قرابادین فارسی مصنفہ حکیم محمد اکبر ارزانی امراض جلد کتاب شفاء الاسقام جلد دوم صفحہ ۲۳۰۔ کتاب مراۃ الشفا مصنفہ حکیم نتھو شاہ نسخہ قلمی امراض جلد۔ ذخیرہ خوارزم شاہی امراض جلد۔ شرح قانون گیلانی جلد ثالث شرح قانون قرشی جلد ثالث۔ قرابادین علوی خان امراض جلد۔ کتاب علاج الامراض مصنفہ حکیم محمد شریف خانصاحب صفحہ ۸۹۳۔ قرابادین یونانی امراض جلد تحفۃ المومنین برحاشیہ مخزن الادویہ صفحہ ۷۱۳۔ کتاب محیط فی الطب صفحہ ۳۶۷۔ کتاب اکسیر اعظم جلد رابع مصنفہ حکیم محمد اعظم خانصاحب المخاطب بناظم جہان صفحہ ۳۳۱۔ کتاب قرابادین معصومی لمعصوم بن کریم الدین الشوستری شیرازی کتاب عجالہ نافعہ محمد شریف دہلوی صفحہ ۱۴۱۔ کتاب طب شبری مسمی بلوامع شبریہ تالیف سید حسین شبر کاظمی صفحہ ۴۷۱۔ کتاب مخزن سلیمانی ترجمہ اکسیر عربی صفحہ ۵۹۹ مترجم محمد شمس الدین صاحب بہاولپوری۔ شفاء الامراض مترجم مولانا الحکیم محمد نور کریم صفحہ ۲۸۲ کتاب الطب دارا شکوہی مؤلفہ نور الدین محمد عبد الحکیم عین الملک الشیرازی ورق ۳۶۰۔ کتاب منہاج الدکان بدستور الاعیان فی اعمال و ترکیب النافعہ للابدان تالیف افلاطون زمانہ و رئیس اوانہ ابو المنا ابن ابی نصر العطار الاسرائیلی الہارونی یعنے یہودی صفحہ ۸۶۔ کتاب زبدۃ الطب لسید الامام ابو ابراہیم اسمٰعیل بن حسن الحسینی الجرجانی ورق ۱۸۲ طب اکبر مصنفہ محمد اکبر ارزانی صفحہ ۲۴۲۔ کتاب میزان الطب مصنفہ محمد اکبر ارزانی صفحہ ۱۵۲۔ سدیدی مصنفہ رئیس المتکلمین امام المحققین السدید الکازرونی صفحہ ۲۸۳ جلد ۲۔ کتاب حاوی کبیر ابن زکریا۔ امراض جلد۔ قرابادین ابن تلمیذ

امراض جلد۔ قرابادین ابن ابی صادق امراض جلد ÷

یہ وہ کتابیں ہیں جنکو ہم نے بطور نمونہ اس جگہ لکھا ہے اور یہ بات اہل علم اور خاصکر طبیبوں پر پوشیدہ نہیں ہے کہ اکثر ان میں ایسی کتابیں ہیں جو پہلے زمانہ میں اسلام کے بڑے بڑے مدرسوں میں پڑہائی جاتی تھیں اور یورپ کے طالب العلم بھی ان کو پڑھتے تھے اور یہ کہنا بالکل سچ اور مبالغہ کی ایک ذرہ آمیزش سے بھی پاک ہے کہ ہر ایک صدی میں قریبا کروڑہا انسان ان کتابوں کے نام سے واقف ہوتے چلے آئے ہیں اور لاکھوں انسانوں نے انکو اول سے آخر تک پڑہا ہے اور ہم بڑے زور سے کہہ سکتے ہیں کہ یورپ اور ایشیا کے عالم لوگوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ ان میں سے بعض عظیم الشان کتابوں کے نام سے ناواقف ہو جو اس فہرست میں درج ہیں جس زمانہ میں ہسپانیہ اور کیسمنو اور سلیرنم دار العلم تھے اس زمانہ میں بوعلی سینا کی کتاب قانون جو طب کی ایک بڑی کتاب ہے جس میں مرہم عیسے کا نسخہ ہے اور دوسری کتابیں شفا اور اشارات اور بشارات جو طبعی اور ہیئت اور فلسفہ وغیرہ میں ہیں بڑے شوق سے اہل یورپ سیکھتے تھے اور ایسا ہی ابونصر فارابی اور ابوریحان اور اسرائیل اور ثابت بن قرہ اور حنین بن اسحاق اور اسحاق وغیرہ فاضلوں کی کتابیں اور انکی یونانی سے ترجمہ شدہ کتابیں پڑہائی جاتی تھیں یقیناً ان کتابونکے ترجمے یورپ کے کسی حصہ میں ابتک موجود ہونگے اور چونکہ اسلام کے بادشاہ علم طب وغیرہ کو ترقی دینا بدل چاہتے تھے اسی وجہ سے انہوں نے یونان کی عمدہ عمدہ کتابونکا ترجمہ کرایا اور عرصہ دراز تک ایسے بادشاہونمیں خلافت رہی کہ وہ ملک کی توسیع کی نسبت علم کی توسیع زیادہ چاہتے تھے انہی وجوہ اور اسباب سے انہوں نے نہ صرف یونانی کتابونکے ترجمے عربی میں کرائے بلکہ ملک ہند کے فاضل پنڈتوں کو بھی بڑی بڑی تنخواہوں پر طلب کر کے طب وغیرہ علوم کے بھی ترجمے کرائے پس انکے احسانوں میں سے حق کے طالبوں پر یہ ایک بڑا احسان ہے جو انہوں نے ان رومی و یونانی وغیرہ طبی کتابوں کے ترجمے کرائے جن میں مرہم عیسے موجود تھی اور جس پر کتبہ کی طرح یہ لکھا ہوا تھا کہ یہ مرہم حضرت عیسے علیہ السلام کی چوٹوں کے لئے تیار کی گئی تھی فاضل حکماء عہد اسلام نے جیسا کہ ثابت بن قرہ اور حنین بن اسحاق ہیں جنکو علاوہ علم طب و طبعی و فلسفہ وغیرہ کی یونانی زبان میں خوب مہارت تھی جب اس قرابادین کا جس میں مرہم عیسے تھی ترجمہ کیا تو عقلمندی سے سلیخا کے لفظ کو جو ایک یونانی لفظ ہے جو باران کو کہتے ہیں بعینہٖ عربی میں لکھ دیا تا اس بات کا اشارہ کتابوں میں قائم رہے کہ یہ کتاب یونانی قرابادین سے ترجمہ کی گئی اسی وجہ سے ہر ایک کتاب میں شلیخا کا لفظ بھی لکھا ہوا پاؤ گے ÷

اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے لایق ہے کہ اگرچہ پورانے سکے بڑی قابل قدر چیزیں ہیں اور انکے ذریعہ سے

بڑے بڑے تاریخی اسرار کھلتے ہیں لیکن ایسی پورانی کتابیں جو مسلسل طور پر ہر صدی میں کروڑ ہا انسانوں میں مشہور ہوتی چلی آئیں اور بڑے بڑے مدارس میں پڑھائی گئیں اور ابتک درسی کتابوں میں داخل ہیں اُنکا مرتبہ اور عزت ان سکوں اور کتبوں سے ہزارہا درجہ بڑھ کر ہے کیونکہ کتبوں اور سکوں میں جعلسازی کی بھی گنجائشیں ہیں لیکن وہ علمی کتابیں جو اپنے ابتدائی زمانہ میں ہی کروڑ ہا انسانوں میں مشہور ہوتی چلی آئی ہیں اور ہر ایک قوم انکی محافظ اور پاسبان ہوتی رہی ہے اور اب بھی ہے انکی تحریریں بلاشبہ ایسی اعلیٰ درجہ کی شہادتیں ہیں جو سکوں اور کتبوں کو ان سے کچھ بھی نسبت نہیں اگر ممکن ہو تو کسی سکّہ یا کتبہ کا نام تو لو جس نے ایسی شہرت پائی ہو جیسا کہ بوعلی سینا کے قانون نے۔ غرض مرہم عیسےٰ حق کے طالبوں کے لئے ایک عظیم الشان شہادت ہے اگر اس شہادت کو قبول نکیا جائے تو پھر دنیا کے تمام تاریخی ثبوت اعتبار سے گر جاوینگے کیونکہ اگرچہ ابتک ایسی کتابیں جنمیں اس مرہم کا ذکر ہے قریباً ایک ہزار ہیں یا کچھ زیادہ لیکن کروڑ ہا انسانوں میں یہ کتابیں اور انکے مولف شہرت یافتہ ہیں اب ایسا شخص علم تاریخ کا دشمن ہوگا جو اس بدیہی اور روشن اور پرزور ثبوت کو قبول نکرے اور کیا یہ تحکم پیش جاسکتا ہے کہ اسقدر عظیم الشان ثبوت کو ہم نظرانداز کردیں اور کیا ہم ایسے بھاری ثبوت پر بدگمانی کرسکتے ہیں جو یورپ اور ایشیا پر دائرہ کی طرح محیط ہوگیا ہے اور جو یہودیوں اور عیسائیوں اور مجوسیوں اور مسلمانوں کے نامی فلاسفروں کی شہادتوں سے پیدا ہوا ہے اب اے محققوں کی روحو اس اعلیٰ ثبوت کی طرف دوڑو۔ اور اے منصف مزاجو اس معاملہ میں ذرہ غور کرو۔ کیا ایسا چمکتا ہوا ثبوت اس لایق ہے کہ اسپر توجہ نہ کیجائے؟ کیا مناسب ہے کہ ہم اس آفتاب صداقت سے روشنی حاصل نہ کریں؟ یہ وہم بالکل لغو اور بیہودہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو نبوت کے زمانہ سے پہلے چوٹیں لگی ہوں یا نبوت کے زمانہ کی ہی چوٹیں ہوں گر وہ صلیب کی نہیں بلکہ کسی اور وجہ سے ہاتھ اور پیر زخمی ہو گئے ہوں مثلاً وہ کسی کوٹھے پر سے گر گئے ہوں اور اس صدمہ کیلئے یہ مرہم تیار کی گئی ہو کیونکہ نبوت کے زمانہ سے پہلے حواری نہ تھے اور اس مرہم میں حواریوں کا ذکر ہے شلیخا کا لفظ جو یونانی ہے جو بارہ کو کہتے ہیں ان کتابوں میں ابتک موجود ہے اور نیز نبوت کے زمانہ سے پہلے حضرت مسیح کی کوئی عظمت تسلیم نہیں کی گئی تھی تا اسکی یادگار محفوظ رکھی جاتی اور نبوت کا زمانہ صرف ساڑھے تین برس تھا اور اس مدت میں کوئی واقعہ ضربہ یا سقطہ کا بجز واقعہ صلیب کے حضرت مسیحؑ کی نسبت تاریخوں سے ثابت نہیں اور اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ ممکن ہے کہ ایسی چوٹیں کسی اور سبب سے حضرت عیسےٰ کو لگی ہوں تو یہ ثبوت اسکے ذمہ ہے کیونکہ ہم جس واقعہ کو پیش کرتے ہیں وہ ایک ایسا ثابت شدہ اور مانا ہوا واقعہ ہے کہ نہ یہودیوں کو اس سے انکار ہے

اور نہ عیسائیوں کو یعنے صلیب کا واقعہ لیکن یہ خیال کہ کسی اور سبب سے کوئی چوٹ حضرت مسیح کو لگی ہوگی کسی قوم کی تاریخ سے ثابت نہیں اسلئے ایسا خیال کرنا عمداً سچائی کی راہ کو چھوڑنا ہے یہ ثبوت ایسا نہیں ہے کہ اس قسم کے بیہودہ عذرات سے رد ہو سکے۔ اب تک بعض کتابیں بھی موجود ہیں جو مصنفوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں تو پھر یہ صریح ظلم اور سچائی کا خون کرنا ہے کہ ایسے روشن ثبوت کو یونہی پھینک دیا جائے بار بار اس بات میں غور کرو اور خوب غور کرو کہ کیونکر یہ کتابیں ابتک یہودیوں اور مجوسیوں اور عیسائیوں اور عربوں اور فارسیوں اور یونانیوں اور رومیوں اور اہل جرمن اور فرانسیسیوں اور دوسرے یورپ کے ملکوں اور ایشیا کے پرانے کتب خانوں میں موجود ہیں اور کیا یہ لایق ہے کہ ہم ایسے ثبوت سے جسکی روشنی سے انکار کی آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں یونہی مُنہ پھیر لیں؟ اگر یہ کتابیں صرف اہل اسلام کی تالیف اور اہل اسلام کے ہی ہاتھ میں ہوتیں تو شائد کوئی جلد باز خیال کر سکتا کہ مسلمانوں نے عیسائی عقیدہ پر حملہ کرنے کیلئے جعلی طور پر یہ باتیں اپنی کتابوں میں لکھدی ہیں مگر یہ خیال علاوہ ان وجوہ کے جو ہم بعد میں لکھتے ہیں اس وجہ سے بھی غلط تھا کہ ایسے جعل کے مسلمان کسی طور سے مرتکب نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ عیسائیوں کی طرح مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کے بعد بلا توقف آسمان پر چلے گئے۔ اور مسلمان تو اس بات کے قائل بھی نہیں کہ حضرت عیسے علیہ السلام کو صلیب پر کھینچا گیا یا صلیب پر سے انکو زخم پہنچے پھر وہ عمداً ایسی جعلسازی کیونکر کر سکتے تھے جو انکے عقیدہ کے بھی مخالف تھی۔ ماسوا اس کے ابھی اسلام کا دنیا میں وجود بھی نہیں تھا جبکہ رومی و یونانی وغیرہ زبانوں میں ایسی قرابادینیں لکھی گئیں اور کروڑہا لوگوں میں مشہور کی گئیں جن میں مرہم عیسیٰ کا نسخہ موجود تھا اور ساتھ ہی یہ تشریح بھی موجود تھی کہ یہ مرہم حواریوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کے لئے بنائی تھی اور یہ قومیں یعنی یہودی و عیسائی و اہل اسلام و مجوسی مذہبی طور پر ایکدوسرے کے دشمن تھے پس ان سب کا اس مرہم کو اپنی کتابوں میں درج کرنا بلکہ درج کرنیکے وقت اپنے مذہبی عقیدوں کی پروانہ رکھنا صاف اسبات کا ثبوت ہے کہ یہ مرہم ایسا واقعہ مشہورہ تھا۔ کہ کوئی فرقہ اور کوئی قوم اس سے منکر نہ ہو سکی ہاں جب تک وہ وقت نہ آیا جو مسیح موعود کے ظہور کا وقت تھا اسوقت تک ان تمام قوموں کے ذہن کو اس طرف التفات نہیں ہوئی کہ یہ نسخہ جو صدہا کتابوں میں درج اور مختلف قوموں کے کروڑہا انسانوں میں شہرۃ یاب ہو چکا ہے اس سے کوئی تاریخی فائدہ حاصل کریں پس اس جگہ ہم بجز اس کے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ خدا کا ارادہ تھا کہ وہ چمکتا ہوا حربہ اور وہ حقیقت نما برہان کہ جو صلیبی اعتقاد کا خاتمہ کرے اسکی نسبت ابتداء سے یہی مقدر تھا کہ مسیح موعود کے ذریعہ سے دنیا میں ظاہر ہو کیونکہ خدا کے پاک نبی نے

یہ پیشگوئی کی تھی کہ صلیبی مذہب نہ گھٹیگا اور نہ اسکی ترقی میں فتور آئیگا جب تک کہ مسیح موعود دنیا میں ظاہر نہ ہو۔ اور وہی ہے جو کسر صلیب اسکے ہاتھ پر ہوگی۔ اس پیشگوئی میں یہی اشارہ تھا کہ مسیح موعود کے وقت میں خدا کے ارادہ سے ایسے اسباب پیدا ہو جائینگے جنکے ذریعہ سے صلیبی واقعہ کی اصل حقیقت کھل جائیگی تب انجام ہوگا اور اس عقیدہ کی عمر پوری ہو جائیگی لیکن نہ کسی جنگ اور لڑائی سے بلکہ محض آسمانی اسباب سے جو علمی اور استدلالی رنگ میں دنیا میں ہونگے یہی مفہوم اس حدیث کا ہے جو صحیح بخاری اور دوسری کتابوں میں درج ہے پس ضرور تھا کہ آسمان ان امور اور ان شہادتوں اور ان قطعی اور یقینی ثبوتوں کو ظاہر نہ کرتا جب تک کہ مسیح موعود دنیا میں آتا اور ایسا ہی ہوا اور اب سے جو وہ موعود ظاہر ہوا ہر ایک کی آنکھ کھلیگی اور غور کرنے والے غور کرینگے کیونکہ خدا کا مسیح آگیا اب ضرور ہے کہ دماغوں میں روشنی اور دلوں میں توجہ اور قلموں میں زور اور کمروں میں ہمت پیدا ہو۔ اور اب ہر ایک سعید کو فہم عطا کیا جائیگا اور ہر ایک رشید کو عقل دیجائیگی کیونکہ جو چیز آسمان میں چمکتی ہے وہ ضرور زمین کو بھی منور کرتی ہے۔ مبارک وہ جو اس روشنی سے حصہ لے۔ اور کیا ہی سعادتمند وہ شخص ہے جو اس نور میں سے کچھ پاوے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ پھل اپنے وقت پر آتے ہیں ایسا ہی نور بھی اپنے وقت پر ہی اترتا ہے اور قبل اسکے جو وہ خود اترے کوئی اسکو اتار نہیں سکتا اور جبکہ وہ اترے تو کوئی اسکو بند نہیں کر سکتا مگر ضرور ہے کہ جھگڑے بھی ہوں اور اختلاف ہو مگر آخر سچائی کی فتح ہے کیونکہ یہ امر انسان سے نہیں ہے اور نہ کسی آدم زاد کے ہاتھوں سے بلکہ اس خدا کیطرف سے ہے جو موسموں کو بدلاتا اور وقتوں کو پھیرتا اور دن سے رات اور رات سے دن نکالتا ہے وہ تاریکی بھی پیدا کرتا ہے مگر چاہتا روشنی کو ہے۔ وہ شرک کو بھی پھیلنے دیتا ہے مگر پیار اسکا توحید سے ہی ہے اور نہیں چاہتا کہ اسکا جلال دوسرے کو دیا جائے جب سے کہ انسان پیدا ہوا ہے اسوقت تک کہ نابود ہو جائے خدا کا قانون قدرت یہی ہے کہ وہ توحید کی ہمیشہ حمایت کرتا ہے جتنے نبی اس نے بھیجے سب اسی لئے آئے تھے کہ تا انسانوں اور دوسری مخلوقوں کی پرستش دور کر کے خدا کی پرستش دنیا میں قائم کریں اور انکی خدمت یہی تھی کہ لا الہ الا اللہ کا مضمون زمین پر چمکے جیسا کہ وہ آسمان پر چمکتا ہے سو ان سب میں سے بڑا وہ ہے جس نے اس مضمون کو بہت چمکایا جسنے پہلے باطل الہوں کی کمزوری ثابت کی اور علم اور طاقت کے رو سے انکا ہیچ ہونا ثابت کیا اور جب سب کچھ ثابت کر چکا تو پھر اس فتح نمایاں کی ہمیشہ کے لئے یادگار یہ چھوڑی کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس نے صرف بے ثبوت دعوے کے طور پر لا الہ الا اللہ نہیں کہا بلکہ اسنے پہلے ثبوت دیکر اور باطل کا بطلان دکھلا کر پھر لوگوں کو اس طرف توجہ دی کہ دیکھو اس خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں جسنے تمہاری تمام قوتیں توڑ دیں اور تمام شیخیاں نابود کر دیں سو اس ثابت

شدہ بات کو یاد دلانے کے لیے ہمیشہ کے لیئے یہ مبارک کلمہ سکھلایا کہ :- لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

میکسکی صاحب اخبار یونین سگنل میں

میکسکے صاحب جو مشن کالج لاہور میں کوئی صاحب ہیں شکاگو کے اخبار یونین سگنل کو لکھتے ہیں کہ گرسولڈ صاحب نے مسیح موعود کے دعووں کو جھوٹا ثابت کر دیا ہے۔ بالفعل گرسولڈ صاحب کے رسالہ پر ریویو کو کسی آئندہ اشو پر ملتوی کر کے ہم میکسکے صاحب سے یہ پوچھتے ہیں کہ انکے نزدیک ایک رسالت کے دعویدار کے جھوٹ کا ثبوت کس چیز کا نام ہے اگر صرف اتنا دعویٰ ہے کہ فلاں شخص جھوٹا ہے یا اسکی فلاں پیشگوئی جھوٹی نکلی اسکے جھوٹا ثابت کرنیکے لئے کافی ثبوت ہے تو پھر فریسی یسوع کا جھوٹا ہونا اچھی طرح سے ثابت کر چکے ہیں اور انکے بعد لاکھوں آدمی اسکے جھوٹے کو ثابت کر چکے ہیں اور اگر نرا دعوے ثبوت نہیں تو پھر میکسکے صاحب کو چاہیئے کہ گرسولڈ کے ۲۰ صفحے کے رسالہ میں سے وہ دلائل نکالکر پیش کریں جن سے مصنف مذکور نے یہ ثابت کیا کہ مثلاً یہ مسیح کے آنیکا وقت نہیں ہے یا یہ کہ مسیح کی آمد ثانی خود یسوع کے واپس آنے سے ہی ہو سکتی ہے اور اسکے بغیر نہیں ہو سکتی ذرا یہ بھی یاد رکھیں کہ یسوع نے خود الیاس کی آمد ثانی کے کیا معنے کئے تھے جب ان سے مسیحیت کا ثبوت یہود نے طلب کیا تھا یا یہ کہ یسوع صلیب پر مر گیا تھا۔ مردوں میں سے اٹھا تھا اور آسمان پر چڑھ گیا تھا۔ یا یہ کہ مسیح موعود نے جو دلائل اسکی تردید میں بیان کئے ہیں وہ جھوٹے ہیں یا یہ کہ مسیح موعود کے نشان ایسے ثابت شدہ اور قطعیۃ الدلالت نہیں ہیں جیسے یسوع کے بلکہ یسوع نے واقعی وہ نشان دکھائے بھی تھے جنکا ذکر اناجیل میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ گرسولڈ صاحب نے میکسکے صاحب کے پاس یہ ذکر کیا ہوگا کہ میں نے مرزا صاحب کے دعوے کو جھوٹا ثابت کیا ہے اور میکسکے صاحب نے یہ چاہا کہ اپنے دوست کی ایمانداری کو پرکھنے کیلئے ذرا خود بھی دلائل اور انکے وزن کو ملاحظہ کریں یا شاید میکسکے صاحب کی منطقی قابلیت پر حملہ کرنیکے بغیر ہم یہ کہنے کے مجاز ہوں کہ انہیں اپنے دوست پادری گرسولڈ کی طرح دعوے اور دلیل میں فرق سمجھ میں نہیں آیا اور اسلئے پادری صاحب کے دعووں کو انہوں نے بجائے دلائل کے تسلیم کر لیا۔

یہانتک تو میکسکے صاحب دوسرے کے حوالے سے گفتگو کرتے تھے لیکن انہوں نے ہمیں انکی اپنی قابلیت اور علمیت کے جانچنے کا بھی موقعہ دیا ہے وہ لکھتے ہیں "جہانتک میں دیکھ سکتا ہوں یا معلوم کر سکتا ہوں اس قادیانا کا اثر جن لوگوں پر پڑ رہا ہے انکی تعداد روز بروز کم ہو رہی ہے اور پکے مسلمان انکو بڑی حقارت کے

ساتھ رد کرتے ہیں"۔ اگرچہ میکسکے صاحب نے "اس قادیانا" کے اثر کی خبر تو دی ہے لیکن "اس ناصری" کے اثر کا کچھ حال
نہیں لکھا اور نہ ہی یہ لکھا ہے کہ وہ یہودی جو صدیوں سے مسیح کے منتظر تھے انہوں نے کس عزت کے ساتھ یسوع
کو قبول کیا۔ کیا یہ سچ ہے کہ یسوع کو بھی بڑی حقارت کے ساتھ بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر ہی یہودیوں نے رد
کیا تھا میکسکے صاحب جو کچھ اس سوال کا جواب دیں ہمیں اسے تسلیم کرنے میں انکار نہ ہوگا ایک بات اور بھی ہے
کہتے ہیں کہ ایک موقعہ پر یسوع کے مریدوں کی ایک بہت بڑی تعداد یکدفعہ ہی اس سے برگشتہ ہوگئی تھی بلکہ یہ بھی بیان
کیا جاتا ہے کہ ان بارہ منتخب حواریوں میں سے جنہیں تختوں کے وعدے دیئے گئے تھے ایک نے نہ صرف ارتداد
اختیار کیا بلکہ یسوع کو گرفتار بھی کرادیا اور باقی بھی سنا جاتا ہے اسوقت یسوع کو چھوڑ کر بھاگ گئے بلکہ کسی
لعنت کا بھی ذکر ہے۔ میکسکے صاحب کو تو یہ حالات اچھی طرح معلوم ہونگے اگر یہ باتیں سچی ہیں تو ہم امید کرتے ہیں کہ
انہیں انکے تسلیم کرنے میں کچھ انکار نہیں ہوگا خواہ اس سے کچھ نتیجہ ہی پہنچے لیکن سوال یہ ہے کہ میکسکے صاحب نے
کس طرح دیکھ لیا یا جان لیا کہ مسیح موعود کے مریدوں کی تعداد روز بروز کم ہو رہی ہے کیا اس نے کبھی احمدیہ ہفتہ وار اخباروں
میں سے کسی کو دیکھا ہے۔ یا یہ بات ہے کہ انکی نظر میں گذشتہ ایک یا دو سال کے اندر اندر کالج کا قائم ہونا۔ منارہ
کا بنایا جانا۔ اور تین اردو اور ایک انگریزی پرچوں کا نکالے جانا یہ سب مریدوں کے کم ہونے کے اور سلسلہ کے
زوال کے آثار ہیں۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ پادری صاحب کو اس عظیم الشان ترقی کا علم نہ ہو جو سلسلہ احمدیہ
کر رہا ہے لیکن پادریوں کی نظر میں بڑا بننے کے لئے ضروری تھا کہ وہ کچھ غلط بیانیاں بھی کریں کیا پادری صاحب
یہ امید رکھتے ہیں کہ اپنے مُنہ کی پھونکوں سے وہ آسمانی روشنی کو بجھائینگے۔ یہ ان کی غلطی ہے +

شائد پادری میکسکے صاحب کو اطلاع نہ ہو اسلئے ہم یہ بھی بیان کئے دیتے ہیں کہ یہ مسیح موعود کی سچائی کا
آسمانی نشان ہے کہ ان کا سلسلہ دن بدن ترقی کریگا اور جیسا کہ پادری صاحب یا ان کے دوست کہتے ہیں
یا چاہتے ہیں اسمیں کمی نہیں آئیگی ۱۸۸۰ء میں مسیح موعود کی سب سے پہلی تصنیف براہین احمدیہ چھپنی شروع
ہوئی تھی۔ اور اسمیں وہ پیشگوئیاں درج ہوئیں جو اس سے بھی پہلے بذریعہ الہام الٰہی مسیح موعود پر ظاہر
ہو چکی تھیں اور جو آج پوری ہو رہی ہیں اسوقت یہی بات نہیں تھی کہ مسیح موعود کا کوئی پیرو نہیں تھا بلکہ
گاؤں سے باہر انکو کوئی جانتا بھی نہیں تھا وہ اسوقت ایک تنہائی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس تنہائی
کی حالت میں خدا کا وہ کلام ان پر نازل ہوا جسمیں یہ پیشگوئیاں درج تھیں کہ وہ وقت آرہا ہے کہ لوگ
جوق در جوق دنیا کے چاروں کونوں سے تیرے پاس آئینگے۔ اپنے مکانوں کو وسیع کرو کیونکہ کثرت سے

لوگ تمہارے پاس ملاقات کیلئے آئینگے۔ پھر یہ بھی بذریعہ الہام الٰہی آپ کو کہا گیا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگوں کی کثرت سے جو تیرے پاس آئینگے تو اکتا جائے اور انکی ملاقات سے تھک جائے چنانچہ فرمایا۔ **انت منی بمنزلة توحیدی وتفریدی فحان ان تعان وتعرف بین الناس**۔ تو مجھ سے میری توحید اور تفرید کے منزلہ پر ہے اور وہ وقت آگیا ہے کہ تیری مدد کی جائے اور لوگوں کے درمیان تو پہچانا جائے۔ اس الہام الٰہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس الہام کے وقت آپ اکیلے تھے اور آپکو کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ اس پیشگوئی نے یہ بتا دیا کہ اب الٰہی مدد اور نصرت کا وقت آئیگا اور تو اکیلا نہیں رہیگا بلکہ بڑی جماعت تیرے ساتھ کیجائیگی اور پھر فرمایا **یاتون من کل فج عمیق** ہر دور کے راستہ کے لوگ تیرے پاس آئینگے۔ خود ملہم کو اسوقت یہ بات حیرت میں ڈالتی تھی جیسا کہ آج اسکا پورا ہونا ہمیں حیرت میں ڈالتا ہے کہ کہاں سے وہ لوگ آئینگے کیونکہ اسوقت اسکے پاس کسی کی بھی آمدورفت نہیں تھی اور آج ہزارہا آدمی دنیا کے ہر حصے سے آپ کی زیارت کے لئے آتے ہیں اسی طرح پر اسیوقت یہ الہام بھی ہوا **لاتصعر لخلق اللہ ولاتسئم من الناس** خلق خدا سے منہ مت پھیر اور لوگوں سے مت تھک۔ یہ امر کیسا قابل غور ہے کہ یہ الہامات اسوقت کے ہیں جب ایک آدمی بھی اس مورد وحی کے پاس نہیں آتا تھا۔ اس وقت وہ خود بھی اس بات کو نہیں سمجھ سکتے تھے کہ کیونکر یہ سب باتیں پوری ہونگی اور کیونکر اسقدر لوگوں کا ہجوم ہوگا۔ کہ جسکی وجہ سے خدا نے یہ فرمایا کہ لوگوں سے تھک نہ جانا چنانچہ اب بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ ایک ایک دن میں ہزار ہزار آدمی سے بھی زیادہ سے ملاقات کرنی پڑتی ہے ایک تنہائی کے گوشہ میں بیٹھا ہوا انسان کس طرح قیاس کر سکتا تھا کہ اس طرح پر ہزارہا آدمیوں کا مجمع اسکے پاس جمع ہو جاویگا۔ ان ترقی کے وعدوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ سخت مخالفت ہوگی اور تمام لوگ اکٹھے ہو کر ہر طرح سے تباہی کی کوشش کرینگے اور چاہینگے کہ زمین سے نام مٹا دیا جائے اس مخالفت کی خبر بھی بار بار الہاموں میں دی گئی تھی چنانچہ ایک الہام میں یہ پیشگوئی ہے۔ **یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواہھم واللہ متم نورہ ولوکرہ الکافرون**۔ دشمن کوشش کرینگے کہ خدا کے نور کو اپنے منہ کی پھونک سے بجھا دیں اور اللہ ضرور اپنے نور کو پورا کر کے رہیگا۔ اگرچہ کافروں کو برا ہی لگے۔ اور پھر ایک اور بشارت اس الہام الٰہی میں دی گئی **اذا جاء نصر اللہ والفتح وانتھی امر الزمان الینا الیس ھذا بالحق** جب خدا کی مدد اور فتح آئیگی اور زمانہ کا امر ہماری طرف منتہی ہوگا۔ (پھر کہا جائیگا) کیا یہ سچ نہیں۔ یہاں صاف صاف یہ پتہ بتلایا گیا ہے کہ اس مخالفت کے بعد خدا کی نصرت مسیح موعود کو ایک ایسی فتح عطا کریگی کہ آپکے دعوے

کی سچائی وسیع طور پر لوگ مان لینگے +

یہ تمام الہامات جن پر صدی کا چوتھا حصہ گذر چکا ہے اور جنکو شائع ہوئے بھی ۱۲ سال سے زیادہ گذر چکے ہیں صاف بتا رہے ہیں کہ خدا کا ہاتھ اس سلسلہ کی تائید میں کام کر رہا ہے جو الفاظ اسوقت وحی الہی نے بتائے تھے انکا پورا ہونا آج ہر ایک بے تعصب انسان دیکھ رہا ہے کیا یہ انسانی طاقت میں ہے کہ ایسے امور کو انکے واقعہ ہونے سے پچیس سال پہلے دنیا میں شایع کرے۔ یہ طاقت اور علم کا ایک نہایت عمدہ ثابت شدہ معجزہ ہے علم کا معجزہ اسلئے کہ آیندہ کے متعلق یہ ایسے گہرے راز دیتا ہے جنکا معلوم کرنا انسانی طاقت سے بالاتر ہے اور طاقت کا معجزہ اسلئے کہ یہ مرسل یزدانی کی تائید اور نصرت میں اور دشمنوں کے مغلوب کرنے میں خدائے تعالے کی طاقت کو دکھاتا ہے آپ کی زندگی کے خلاف سازشیں کی گئیں لیکن خدائے تعالے نے سب دشمنوں کو نامراد کیا اور ان سب وعدوں کو پورا کیا جو بیس سال پہلے بذریعہ وحی الہی دیئے تھے۔ ان الہامات کے شائع ہونے کے بعد آپکی مخالفت میں سارا ملک اٹھا اور خدائے تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق اسکی نصرت آئی اور مخالفت آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی یہانتک کہ ۱۸۹۵ء میں ۳۱۳ مریدوں کی تعداد سے اس وقت دو لاکھ تک پہنچگئی ہے اور اب یہ تعداد حیرت انگیز ترقی کے ساتھ بڑھ رہی ہے +

میلکے صاحب نے شرمناک جھوٹ بولا ہے ہم اس وقت یہ بحث نہیں کرتے کہ اسکی اس میں غرض کیا تھی۔ شائد اس کا یہ خیال ہو کہ ان جھوٹے بیانات سے امریکہ والوں کو خوش کرے اور انکو دھوکہ میں رکھے تا وہ اصل واقعات سے آگاہ نہ ہوں۔ ہم اسکو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ذرائع پیش کرے جہاں سے اس نے حساب لگایا ہے کہ مرزا صاحب کے مریدوں کی تعداد کم ہے کیا مسیح کا مذہب ان جھوٹوں سے سرسبز ہوگا افسوس ہے کہ اب پادریوں کے ہاتھ میں یہ ہتھیار رہ گئے ہیں۔ وہ لوگ جو سچائی کے انجیل کے واعظ کہلاتے ہیں کرتوتیں یہ کرتے ہیں +

میگزین کا اگلا نمبر ۲۰ نومبر کو شائع نہیں ہو سکیگا بلکہ نومبر اور دسمبر کے پرچے اکٹھے ۲۰ نومبر کے بعد کسی تاریخ کو شائع کئے جاوینگے جو غالباً دسمبر کا پہلا ہفتہ ہوگا۔ یہ ضرورت اسلئے پیدا ہوئی ہے کہ حضرت اقدس کی طرف سے ایک نہایت ضروری مضمون بعنوان تذکرۃ الشہادتین میگزین میں شائع ہوگا اور وہ دو نمبر سے کم میں نہیں آسکتا۔ کوشش کی جائیگی کہ جس قدر جلدی ممکن ہو یہ رسالہ ناظرین کو پہنچایا جائے +

آؤ لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمہین طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ بابت ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۰۳ء نمبر ۱۱ و ۱۲

فہرست مضامین

انجمن اشاعۃ اسلام قادیان نے ضیاء الاسلام پریس قادیان دارالامان میں باہتمام حکیم مولوی فضل الدین ۲۰ دسمبر ۱۹۰۳ء کو چھپوا کر شائع کیا

چندہ سالانہ ...... معمولی کاغذ پر .... ؏ .... ولایتی کاغذ پر ..... ؏

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تذکرۃ الشہادتین

دعوٰی مسیح موعود

اس زمانہ مین اگرچہ آسمان کے نیچے طرح طرح کے ظلم ہو رہے ہین۔ مگر جس ظلم کو ابھی مین ذیل مین بیان کرون گا وہ ایک ایسا دردناک حادثہ ہے کہ دل کو ہلا دیتا ہے اور بدن پر لرزہ ڈالتا ہے +

اس امر کو باترتیب بیان کرنے کے لئے پہلے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ جب خدا تعالےٰ نے زمانہ کی موجودہ حالت کو دیکھ کر اور زمین کو طرح طرح کے فسق اور معصیت اور گمراہی سے بھرا ہوا پا کر مجھے تبلیغ حق اور اصلاح کے لئے مامور فرمایا۔ اور یہ زمانہ بھی ایسا تھا کہ اس دنیا کے لوگ تیرھوین صدی ہجری کو ختم کر کے چودھوین صدی کے سر پر پہنچ گئے تھے تب مین نے اس حکم کی پابندی سے عام لوگون مین بذریعہ تحریری اشتہارات اور تقریرون کے یہ ندا کرنی شروع کی کہ اس صدی کے سر پر جو خدا کی طرف سے تجدید دین کے لئے آنے والا تھا وہ مین ہی ہون تا وہ ایمان جو زمین پر سے اُٹھ گیا ہے اس کو دوبارہ قائم کرون اور خدا سے قوت پا کر اسی کے ہاتھ کی کشش سے دنیا کو صلاح اور تقوے اور راستبازی کی طرف کھینچون اور ان کی اعتقادی اور عملی غلطیون کو دور کرون اور پھر جب اس پر چند سال گذرے تو بذریعہ وحی الٰہی میرے پر بتصریح کھولا گیا کہ وہ مسیح جو اس امت کے لئے ابتدا سے موعود تھا اور وہ آخری مہدی جو تنزل اسلام کے وقت اور گمراہی کے پھیلنے کے زمانہ مین براہ راست خدا سے ہدایت پانے والا اور اس آسمانی مائدہ کو نئے سرے انسانون کے آگے پیش کرنے والا تقدیر الٰہی مین مقرر کیا گیا تھا جس کی بشارت آج سے تیرہ سو برس پہلے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ وہ مین ہی ہون۔ اور مکالمات الٰہیہ اور مخاطبات رحمانیہ اس

صفائی اور تواتر سے اس بارے مین ہوئے کہ شک و شبہ کی جگہ نہ رہی۔ ہر ایک وحی جو ہوتی تھی ایک فولادی میخ کی طرح دل مین دھنستی تھی اور یہ تمام مکالمات الٰہیہ ایسی عظیم الشان پیشگوئیون سے بھرے ہوئے تھے کہ روز روشن کی طرح وہ پوری ہوتی تھین اور ان کے تواتر اور کثرت اور اعجازی طاقتون کے کرشمہ نے مجھے اس بات کے اقرار کے لئے مجبور کیا کہ یہ اسی وحدہٗ لاشریک خدا کا کلام ہے جس کا کلام قرآن شریف ہے اور مین اس جگہ توریت اور انجیل کا نام نہین لیتا کیونکہ توریت اور انجیل تحریف کرنے والون کے ہاتھون سے اسقدر محرف و مبدّل ہو گئی ہین کہ اب ان کتابون کو خدا کا کلام نہین کہہ سکتے۔ غرض وہ خدا کی وحی جو میرے پر نازل ہوئی ایسی یقینی اور قطعی ہے کہ جس کے ذریعہ سے مین نے اپنے خدا کو پایا اور وہ وحی نہ صرف آسمانی نشانون کے ذریعہ مرتبہ حق الیقین تک پہنچی بلکہ ہر ایک حصہ اس کا جب خدا تعالے کے کلام قرآن شریف پر پیش کیا گیا۔ تو اس کے مطابق ثابت ہوا اور اس کی تصدیق کے لئے بارش کی طرح نشان آسمانی برسے۔ انہین دنون مین رمضان کے مہینہ مین سورج اور چاند کا گرہن بھی ہوا جیسا کہ لکھا تھا کہ اس مہدی کے وقت مین ماہ رمضان مین سورج اور چاند کا گرہن ہوگا اور انہین ایام مین طاعون بھی کثرت سے پنجاب مین ہوئی جیسا کہ قرآن شریف مین یہ خبر موجود ہے۔ اور پہلے نبیون نے بھی یہ خبر دی ہے کہ ان دنون مین مری بہت پڑے گی اور ایسا ہوگا کہ کوئی گاؤن اور شہر اس مری سے باہر نہین رہیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہو رہا ہے اور خدا نے اس وقت کہ اس ملک مین طاعون کا نام و نشان نہ تھا قریباً بائیس برس طاعون کے پھوٹنے سے پہلے مجھے اس کے پیدا ہونے کی خبر دی پھر اس بارہ مین الہامات بارش کی طرح ہوئے اور تکرار ان فقرات کا مختلف پیراؤن مین ہوا چنانچہ مندرجہ ذیل وحی مین اس طرح پر مجھے مخاطب کر کے فرمایا:۔

اَتیٰ امر اللّٰہ فلا تستعجلوہ بشارۃ تلقاھا النبیّون۔ اِنّ اللّٰہ مع الّذین اتّقوا و الّذین ھم محسنون۔ انّہ قویّ عزیز۔ و انّہ غالب علیٰ امرہٖ و لٰکنّ اکثر النّاس لا یعلمون۔ انّما امرہٗ اذا اراد شیئًا ان یقول لہٗ کن فیکون اتفرّون منّی و انا من المجرمین منتقمون۔ یقولون ان ھذا الّا قول البشر و اعانہ علیہ قوم اٰخرون۔ جاھل او مجنون۔ قل ان کنتم تحبّون اللّٰہ فاتّبعونی یحببکم اللّٰہ۔ انا کفیناک المستھزئین۔ انّی مھین من اراد اھانتک۔ و انّی معین من اراد اعانتک و انّی لا یخاف لدیّ المرسلون اذا جاء نصر اللّٰہ و الفتح و تمّت کلمۃ ربّک ھذا الّذی کنتم بہ تستعجلون

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ۔ اَلَا اِنَّھُمْ
ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ۔ وَاِنْ یَّتَّخِذُوْنَکَ اِلَّا ھُزُوًا اَھٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰہُ بَلْ اَتَیْنٰھُمْ
بِالْحَقِّ فَھُمْ لِلْحَقِّ کَارِھُوْنَ۔ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۔ سُبْحٰنَہٗ
وَتَعَالٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَیَقُوْلُوْنَ لَسْتَ مُرْسَلًا۔ قُلْ عِنْدِیْ شَھَادَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ فَھَلْ
اَنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ۔ اَنْتَ وَجِیْہٌ فِیْ حَضْرَتِیْ۔ اِخْتَرْتُکَ لِنَفْسِیْ۔ اِذَا غَضِبْتَ
غَضِبْتُ وَکُلَّمَا اَحْبَبْتَ اَحْبَبْتُ۔ یَحْمَدُکَ اللّٰہُ مِنْ عَرْشِہٖ۔ یَحْمَدُکَ اللّٰہُ
وَیَمْشِیْ اِلَیْکَ۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃٍ لَّا یَعْلَمُھَا الْخَلْقُ۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ تَوْحِیْدِیْ
وَتَفْرِیْدِیْ۔ اَنْتَ مِنْ مَّآئِنَا وَھُمْ مِّنْ فَشَلٍ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَکَ الْمَسِیْحَ
ابْنَ مَرْیَمَ۔ وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَعْلَمْ۔ قَالُوْا اَنّٰی لَکَ ھٰذَا قُلْ ھُوَ اللّٰہُ عَجِیْبٌ لَا رَآدَّ
لِفَضْلِہٖ۔ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ۔ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۔ خَلَقَ
اٰدَمَ فَاَکْرَمَہٗ۔ اَرَدْتُّ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ۔ وَقَالُوْا اَتَجْعَلُ فِیْھَا
مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ یَقُوْلُوْنَ اِنْ ھٰذَا اِلَّا اخْتِلَاقٌ
قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ فِیْ خَوْضِھِمْ یَلْعَبُوْنَ۔ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰہُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ
وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ یَا اَحْمَدِیْ اَنْتَ مُرَادِیْ وَمَعِیْ۔ سِرُّکَ
سِرِّیْ۔ شَاْنُکَ عَجِیْبٌ وَّاَجْرُکَ قَرِیْبٌ۔ اِنِّیْ اَنَرْتُکَ وَاخْتَرْتُکَ۔ یَاْتِیْ
عَلَیْکَ زَمَنٌ کَمِثْلِ زَمَنِ مُوْسٰی۔ وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا
اِنَّھُمْ مُّغْرَقُوْنَ۔ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ۔ اِنَّہٗ کَرِیْمٌ تَمَشّٰی
اَمَامَکَ وَعَادٰی لَکَ مَنْ عَادٰی وَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی۔ اَنَّا نَرِثُ
الْاَرْضَ نَاْکُلُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا۔ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اُنْذِرَ اٰبَآؤُھُمْ
وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ۔ قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ
قُلْ یُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ۔ وَالْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ
لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ تُؤْمِنُوْنَ۔
یُرِیْدُوْنَ اَنْ لَّا یَتِمَّ اَمْرُکَ۔ وَاللّٰہُ یَاْبٰی اِلَّا اَنْ یُّتِمَّ اَمْرَکَ۔
وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَتْرُکَکَ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ۔ ھُوَ الَّذِیْ

أَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ
وَکَانَ وَعْدُ اللّٰہِ مَفْعُوْلًا۔ إِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ أَتٰی۔ وَرَکَلَ وَرَکٰی
یَعْصِمُکَ اللّٰہُ مِنَ الْعِدَا۔ وَیَسْطُوْ بِکُلِّ مَنْ سَطَا۔ حَلَّ غَضَبُہٗ
عَلَی الْأَرْضِ۔ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ۔ اَلْأَمْرَاضُ تُشَاعُ وَ
النُّفُوْسُ تُضَاعُ۔ أَمْرٌ مِّنَ السَّمَاءِ۔ أَمْرٌ مِّنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْأَکْرَمِ۔ إِنَّ اللّٰہَ
لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِھِمْ۔ إِنَّہٗ أَوَی الْقَرْیَةَ۔ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ
إِلَّا اللّٰہُ۔ اِصْنَعِ الْفُلْکَ بِأَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا۔ إِنَّہٗ مَعَکَ وَمَعَ أَھْلِکَ
إِنِّیْ أُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ۔ إِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا مِنِ اسْتِکْبَارٍ وَّأُحَافِظُکَ
خَاصَّةً۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ۔ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ۔ وَامْتَازُوا الْیَوْمَ
أَیُّھَا الْمُجْرِمُوْنَ۔ إِنِّیْ مَعَ الرَّسُوْلِ أَقُوْمُ وَأُفْطِرُ وَأَصُوْمُ۔ وَأَلُوْمُ مَنْ یَّلُوْمُ
وَأُعْطِیْکَ مَا یَدُوْمُ۔ وَأَجْعَلُ لَکَ أَنْوَارَ الْقُدُوْمِ۔ وَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ إِلَی
الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ۔ إِنِّیْ أَنَا الصَّاعِقَةُ وَإِنِّیْ أَنَا الرَّحْمٰنُ ذُو اللُّطْفِ وَالنَّدٰی +

ترجمہ۔ خدا کا امر آرہا ہے پس تم جلدی مت کرو یہ خوشخبری ہے جو قدیم سے نبیوں کو ملتی رہی ہے خدا اُن کے ساتھ ہے جو تقوے اختیار کرتے ہیں یعنی ادب اور حیا اور خوف الٰہی کی پابندی سے ان تمام راہوں کو بھی چھوڑتے ہیں جن میں معصیت اور نافرمانی کا گمان ہو سکتا ہے اور دلیری سے کوئی قدم نہیں اٹھاتے بلکہ ڈرتے ڈرتے کسی فعل یا قول کے بجالانے کا قصد کرتے ہیں اور خدا ان کے ساتھ ہے جو اس کے ساتھ اخلاص اور اس کے بندوں سے نیکی بجالاتے ہیں۔ وہ قوی اور غالب ہے وہ ہر ایک امر پر غالب ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ جب وہ ایک بات کو چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو بس وہ بات ہو جاتی ہے۔ کیا تم مجھ سے بھاگ سکتے ہو اور ہم مجرموں سے انتقام لیں گے۔ کہتے ہیں کہ یہ تو صرف انسان کا قول ہے اور ان باتوں میں دوسروں نے اس شخص کی مدد کی ہے۔ یہ تو جاہل ہے یا مجنون ہے ان کو کہہ دے کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تمہیں دوست رکھے اور جو لوگ تجھے ٹھٹھا کرتے ہیں ہم ان کے لئے کافی ہیں میں اس شخص کی اہانت کروں گا جو تیری اہانت کے درپے ہے۔ اور میں اس شخص کی مدد کروں گا جو تیری مدد کرنا چاہتا ہے۔ میں ہوں جو میرے پاس ہو کر میرے رسول ڈرا نہیں کرتے۔ جب خدا کی مدد اور فتح آئے گی اور تیرے رب کا کلمہ پورا ہو جائے گا تو کہا جائے گا کہ یہ وہی ہے جس کے لئے تم جلدی کرتے تھے

اور جب ان کو کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد مت کرو تو کہتے ہین کہ ہم تو اصلاح کرتے ہین۔ خبردار رہو کہ وہی مفسد ہین اور تجھے انہون نے ہنسی اور ٹھٹھے کی جگہ بنا رکھا ہے اور ٹھٹھا مار کر کہتے ہین کہ کیا یہ وہی شخص ہے کہ جو خدا نے مبعوث فرمایا یہ تو ان کی باتین ہین اور اصل بات یہ ہے کہ ہم نے ان کے سامنے حق پیش کیا پس وہ حق کے قبول کرنے سے کراہت کر رہے ہین اور جن لوگون نے ظلم کیا ہے۔ وہ عنقریب جان لین گے کہ وہ کس طرف پھیرے جائین گے۔ خدا ان تہمتون سے پاک اور برتر ہے جو اس پر لگا رہے ہین اور کہتے ہین کہ تو خدا کی طرف سے بھیجا ہوا نہین۔ ان کو کہدے کہ خدا کی میرے پاس گواہی موجود ہے پس کیا تم ایمان لاتے ہو۔ تو میری درگاہ مین وجیہ ہے مین نے اپنے لئے تجھے چن لیا۔ جب تو کسی پر ناراض ہو تو مین اس پر ناراض ہوتا ہون اور ہر ایک چیز جس سے تو پیار کرتا ہے مین بھی اس سے پیار کرتا ہون خدا اپنے عرش سے تیری تعریف کرتا ہے۔ خدا تیری تعریف کرتا ہے اور تیری طرف چلا آتا ہے۔ تو مجھ سے اس مرتبہ پر ہے جس کو دنیا نہین جانتی۔ تو مجھ سے ایسا ہے۔ جیسا کہ میری توحید اور تفرید۔ تو ہمارے پانی سے ہے اور وہ لوگ فشل سے۔ اس خدا کو حمد ہے جس نے تجھے مسیح ابن مریم بنایا اور تجھے وہ باتین سکھلائین جن کی تجھے خبر نہ تھی لوگون نے کہا کہ یہ مرتبہ تجھے کہان سے اور کیونکر مل سکتا ہے ان کو کہدے کہ میرا خدا عجیب ہے اس کے فضل کو کوئی رد نہین کر سکتا۔ جو کام وہ کرتا ہے اس سے پوچھا نہین جاتا کہ ایسا کیون کیا۔ مگر لوگ اپنے اپنے کامون سے پوچھے جاتے ہین تیرا رب جو چاہتا ہے کرتا ہے اس نے اس آدم کو پیدا کر کے اس کو بزرگی دی مین نے اس زمانہ مین ارادہ کیا کہ اپنا ایک خلیفہ زمین پر قائم کرون پس مین نے اس آدم کو پیدا کیا اور لوگون نے کہا کہ کیا تو ایسا شخص اپنا خلیفہ بناتا ہے جو زمین پر فساد کرتا ہے یعنے پھوٹ ڈالتا ہے تو خدا نے کہا کہ جن باتون کا مجھے علم ہے تمہین وہ باتین معلوم نہین اور کہتے ہین کہ یہ ایک بناوٹ ہے۔ کہہ خدا ہی جس نے یہ سلسلہ قائم کیا۔ پھر یہ کہہ کر ان کو اپنے لہو ولعب مین چھوڑ دے اور ہم نے حق کے ساتھ اسکو اتارا اور ضرورت حقہ کے موافق وہ اترا اور ہم نے تجھے تمام دنیا کے لئے ایک عام رحمت کر کے بھیجا ہے۔ اے میرے احمد تو میری مراد ہے اور میرے ساتھ ہے۔ تیرا بھید میرا بھید ہے تیری شان عجیب ہے اور اجر قریب ہے۔ مین نے تجھے روشن کیا اور مین نے تجھے چنا۔ تیرے پر ایک ایسا زمانہ آئیگا جیسا کہ موسےٰ پر زمانہ آیا تھا اور تو ان لوگون کے بارے مین میری جناب مین شفاعت مت کر جو ظالم ہین کیونکہ وہ غرق کئے جائین گے اور یہ لوگ مکر کرین گے اور خدا بھی ان سے مکر کرے گا اور خدا تعالےٰ بہتر مکر کرنیوالا ہے۔ وہ کریم ہے جو تیرے آگے آگے چلتا ہے اور اس کو وہ اپنا دشمن قرار دیتا ہے جو تجھ سے دشمنی کرتا ہے اور وہ عنقریب تجھے وہ چیزین دیگا

جن سے تو راضی ہو جائے گا ہم زمین کے وارث ہونگے اور ہم اس کو اس کے طرفون سے کھاتے جاتے ہین
تاکہ تو اس قوم کو ڈراوے جن کے باپ دادے ڈرائے نہین گئے اور تاکہ مجرمون کی راہ کھل جائے۔ کہہ مین مامور
ہون اور مین سب سے پہلے مومن ہون۔ کہہ میرے پر یہ وحی نازل ہوتی ہے۔ کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے اور تمام
خیر قرآن مین ہے۔ اس کے حقائق معارف تک وہ لوگ پہنچتے ہین جو پاک کئے جاتے ہین پس تم اس کے
بعد یعنے اس کو چھوڑ کر کس حدیث پر ایمان لاؤ گے۔ یہ لوگ ارادہ کرتے ہین کہ کچھ ایسی کوشش کرین کہ تیرا امر
ناتمام رہ جائے لیکن خدا تو یہی چاہتا ہے کہ تیری بات کو کمال تک پہنچاوے اور خدا ایسا نہین ہے کہ قبل
اس کے جو پاک اور پلید مین فرق کر کے دکھلاوے تجھے چھوڑ دے۔ خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول
کو یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق دیکر اس غرض سے بھیجا ہے تا وہ اس دین کو تمام دینون پر غالب
کرے اور خدا کا وعدہ ایک دن ہونا ہی تھا خدا کا وعدہ آگیا اور ایک پیر اس نے زمین پر مارا اور خلل کی
اصلاح کی۔ خدا تجھے دشمنون سے بچائیگا اور اس شخص پر حملہ کریگا کہ جو ظلم کی راہ سے تیرے پر حملہ کریگا۔
اس کا غضب زمین پر اتر آیا کیونکہ لوگون نے معصیت پر کمر باندھی اور وہ حد سے گذر گئے۔ بیماریان
ملک مین پھیلائی جائینگی اور طرح طرح کے اسباب سے جانین تلف کیجائینگی۔ یہ امر آسمان پر قرار پا چکا ہے
یہ اس خدا کا امر ہے جو غالب اور بزرگ ہے۔ جو کچھ قوم پر نازل ہوا خدا اسکو نہین بدلائیگا جبتک کہ وہ لوگ
اپنے دلون کی حالتین نہ بدلالین۔ وہ اس گاؤن کو جو قادیان ہے کسی قدر ابتلا کے بعد اپنی پناہ مین لے لیگا*
آج خدا کے سوا کوئی بچانیوالا نہین ہماری آنکھون کے سامنے اور ہماری وحی سے کشتی بنا۔ وہ قادر خدا تیرے ساتھ
اور تیرے لوگون کے ساتھ ہے مین ہر ایک کو جو تیرے گھر کے اندر ہے بچاؤنگا مگر وہ لوگ جو میرے مقابل پر
تکبر سے اپنے تئین نافرمان اور اونچا رکھتے ہین یعنی پورے طور پر اطاعت نہین کرتے اور خاصکر میری حفاظت
تیرے شامل حال رہے گی۔ خدائے رحیم کی طرف سے سلامتی ہے۔ تم پر سلامتی ہے تم پاک نفس ہو۔ اور اے مجرمو آج
تم الگ ہو جاؤ مین اس رسول کے ساتھ کھڑا ہونگا اور افطار کرونگا اور روزہ بھی رکھونگا اور اسکو ملامت کرونگا
جو ملامت کرتا ہے اور تجھے وہ نعمت دونگا جو ہمیشہ رہیگی اور اپنی تجلی کے نور تجھ مین رکھ دونگا اور مین اس زمین سے وقت مقدر تک
علیحدہ نہین ہونگا یعنی میری قہری تجلی مین فرق نہ آئیگا مین صاعقہ ہون اور مین رحمان ہون صاحب لطف و بخشش

* اوی کا لفظ زبان عرب مین ایسے موقع پر استعمال ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کو کسی قدر مصیبت یا ابتلا کے بعد اپنی پناہ مین لیا جائے۔ اور کثرت مصائب اور تلف ہونے سے بچا یا جائے جیسا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے الم یجدک یتیماً فاوی۔ اسی طرح تمام قرآن شریف مین آوی اور آوی کا لفظ ایسے ہی موقعون پر استعمال ہوا ہے کہ جہان کسی شخص یا کسی قوم کو کسی قدر تکلیف کے بعد پھر آرام دیا گیا۔ منہ

ذکر واقعہ شہادتین

انہیں دنوں میں جبکہ متواتر یہ وحی خدا کی مجھ پر ہوئی اور نہایت زبردست اور قوی نشان ظاہر ہوئے اور میرا دعوے مسیح موعود ہونیکا دلائل کے ساتھ دنیا میں شایع ہوا۔ خوست علاقہ حدود کابل میں ایک بزرگ تک جن کا نام اخوندزادہ مولوی عبد اللطیف ہے کسی اتفاق سے میری کتابیں پہنچیں۔ اور وہ تمام دلائل جو نقل اور عقل اور تائیدات سماوی سے میں نے اپنی کتابوں میں لکھے تھے وہ سب دلیلیں ان کی نظر سے گذریں اور چونکہ وہ بزرگ نہایت پاک باطن اور اہل علم اور اہل فراست اور خدا ترس اور تقوے شعار تھے اس لئے ان کے دل پر ان دلائل کا قوی اثر ہوا اور ان کو اس دعوے کی تصدیق میں کوئی دقت پیش نہ آئی اور ان کی پاک کانشنس نے بلا توقف مان لیا کہ یہ شخص منجانب اللہ اور یہ دعوے صحیح ہے۔ تب انہوں نے میری کتابوں کو نہایت محبت سے دیکھنا شروع کیا۔ اور ان کی روح جو نہایت صاف اور مستعد تھی میری طرف کھینچی گئی یہانتک کہ ان کے لئے بغیر ملاقات کے دور بیٹھے رہنا نہایت دشوار ہو گیا۔ آخر اس زبردست کشش اور محبت اور اخلاص کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اس غرض سے کہ ریاست کابل سے اجازت حاصل ہو جائے حج کے لئے مصمم ارادہ کیا اور امیر کابل سے اس سفر کے لئے درخواست کی چونکہ وہ امیر کابل کی نظر میں ایک برگزیدہ عالم اور تمام علما کے سردار سمجھے جاتے تھے اس لئے نہ صرف ان کو اجازت ہوئی بلکہ امداد کے طور پر کچھ روپیہ بھی دیا گیا۔ سو وہ اجازت حاصل کر کے قادیان میں پہنچے۔ اور جب مجھ سے ان کی ملاقات ہوئی تو قسم اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نے ان کو اپنی پیروی اور اپنے دعوے کی تصدیق میں ایسا فنا شدہ پایا کہ جس سے بڑھ کر انسان کے لئے ممکن نہیں اور جیسا کہ ایک شیشہ عطر سے بھرا ہوا ہوتا ہے ایسا ہی میں نے ان کو اپنی محبت سے بھرا ہوا پایا اور جیسا کہ ان کا چہرہ نورانی تھا ایسا ہی ان کا دل مجھے نورانی معلوم ہوتا تھا۔ اس بزرگ مرحوم میں نہایت قابل رشک یہ صفت تھی کہ درحقیقت وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھتا تھا اور وہ درحقیقت ان راستبازوں میں سے تھا جو خدا سے ڈر کر اپنے تقوے اور اطاعت الٰہی کو انتہا تک پہنچاتے ہیں اور خدا کے خوش کرنیکے لئے اور اُسکی رضا حاصل کرنیکے لئے اپنی جان اور عزت اور مال کو ایک ناکارہ خس و خاشاک کی طرح اپنے ہاتھ سے چھوڑ دینے کو تیار ہوتے ہیں اس کی ایمانی قوت اسقدر بڑھی ہوئی تھی کہ اگر میں اُسکو ایک بڑے سے بڑے پہاڑ سے تشبیہ دوں تو میں ڈرتا ہوں کہ میری تشبیہ ناقص نہ ہو۔ اکثر لوگ باوجود بیعت کے اور باوجود میرے دعوے کی تصدیق کے پھر بھی دنیا کو دین پر مقدم رکھنے کے زہریلے تخم سے بکلی نجات نہیں پاتے بلکہ کچھ ملونی ان میں باقی رہ جاتی ہے اور پوشیدہ بخل خواہ وہ

جان کے متعلق ہو خواہ آبرو کے متعلق اور خواہ مال کے اور خواہ اخلاقی حالتون کے متعلق ان کے ناکمل نفسون مین پایا جاتا ہے اسی وجہ سے ان کی نسبت ہمیشہ میری یہ حالت رہتی ہے کہ مین ہمیشہ کسی خدمت دینی کے پیش کرنیکے وقت ڈرتا رہتا ہون کہ ان کو ابتلا پیش نہ آوے اور اس خدمت کو اپنے پر ایک بوجھ سمجھ کر اپنی بیعت کو الوداع نہ کہہ دین لیکن مین کن الفاظ سے اس بزرگ مرحوم کی تعریف کرون جس نے اپنے مال اور آبرو اور جان کو میری پیروی مین یون پھینک دیا کہ جس طرح کوئی ردی چیز پھینک دیجاتی ہے - اکثر لوگون کو مین دیکھتا ہون کہ ان کا اول اور آخر برابر نہین ہوتا اور ادنے اسی ٹھوکر یا شیطانی وسوسہ یا بد صحبت سے وہ گر جاتے ہین مگر جوانمرد مرحوم کی استقامت کی تفصیل مین کن الفاظ سے بیان کرون کہ وہ نور یقین مین دمبدم ترقی کرتا گیا اور جب وہ میرے پاس پہنچا تو مین نے ان سے دریافت کیا کہ کن دلائل سے آپنے مجھے شناخت کیا تو انہون نے فرمایا کہ سب سے پہلے قرآن ہی جس نے آپ کی طرف میری رہبری کی اور فرمایا کہ مین ایک ایسی طبیعت کا آدمی تھا کہ پہلے سے فیصلہ کر چکا تھا کہ یہ زمانہ جس مین ہم ہین اس زمانہ کے اکثر مسلمان اسلامی روحانیت سے بہت دور جا پڑے ہین وہ اپنی زبانون سے کہتے ہین کہ ہم ایمان لائے مگر ان کے دل مومن نہین اور ان کے اقوال اور افعال بدعت اور شرک اور انواع و اقسام کی معصیت سے پُر ہین - ایسا ہی بیرونی حملے بھی انتہا تک پہنچ گئے ہین اور اکثر دل تاریک پردون مین ایسے بےحس و حرکت ہین - کہ گویا مر گئے ہین - اور وہ دین اور تقوے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم لائے تھے جس کی تعلیم صحابہ رضی اللہ عنہم کو دی گئی تھی اور وہ صدق اور یقین اور ایمان جو اس پاک جماعت کو ملا تھا بلا شبہ اب وہ بباعث کثرت غفلت کے مفقود ہے اور شاذ نادر حکم معدوم کا رکھتا ہے ایسا ہی مین دیکھ رہا تھا کہ اسلام ایک مردہ کی حالت مین ہو رہا ہے اور اب وہ وقت آگیا ہے کہ پردہ غیب سے کوئی منجانب اللہ مجدد دین پیدا ہو - بلکہ مین روز بروز اس اضطراب مین تھا کہ وقت تنگ ہوتا جاتا ہے - انہین دنون مین یہ آواز میرے کانون تک پہنچی کہ ایک شخص نے قادیان ملک پنجاب مین مسیح موعود ہونے کا دعوے کیا ہے اور مین نے بڑی کوشش سے چند کتابین آپ کی تالیف کردہ بہم پہنچائین اور انصاف کی نظر سے ان پر غور کر کے پھر قرآن کریم پر ان کو عرض کیا تو قرآن شریف کو ان کے ہر ایک بیان کا مصدق پایا پس وہ بات جس نے پہلے پہلے مجھے اس طرف حرکت دی وہ یہی ہے کہ مین نے دیکھا کہ ایک طرف تو قرآن شریف بیان کر رہا ہے کہ عیسے علیہ السلام فوت ہو گئے اور واپس نہین آئینگے اور دوسری وہ موسوی سلسلہ کے مقابل پر اس امت کو وعدہ دیتا ہے کہ وہ اس امت کی مصیبت اور ضلالت کے دنون مین ان خلیفون کے رنگ مین خلیفے بھیجتا رہیگا جو موسوی سلسلہ کے قائم اور بحال رکھنے کے لئے بھیجے گئے تھے - سو چونکہ ان مین سے حضرت عیسے علیہ السلام ایک ایسے خلیفے تھے جو موسوی سلسلہ کے آخر مین پیدا ہوئے اور نیز وہ ایسے خلیفے تھے کہ جو لڑائی

کے لئے مامور نہیں ہوئے تھے اس لئے خدا تعالیٰ کے کلام سے ضرور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کے رنگ پر بھی اس امت میں آخری زمانہ میں کوئی پیدا ہو اسی طرح بہت سے کلمات معرفت اور دانائی کے ان کے منہ سے میں نے سُنے جو بعض یاد رہے اور بعض بھول گئے اور وہ کئی مہینے تک میرے پاس رہے اور اس قدر ان کو میری باتوں میں دلچسپی ہوئی کہ انہوں نے میری باتوں کو حج پر ترجیح دی اور کہا کہ میں اس علم کا محتاج ہوں جس سے ایمان قوی ہو اور علم عمل پر مقدم ہے۔ سو میں نے ان کو مستعد پاکر جہاں تک میرے لئے ممکن تھا اپنے معارف ان کے دل میں ڈالے اور اس طرح پر ان کو سمجھایا کہ دیکھو یہ بات بہت صاف ہے کہ اللہ جلشانہٗ قرآن شریف میں فرماتا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے ایک رسول کو جو تم پر گواہ ہے یعنی اس بات کا گواہ کہ تم کیسی خراب حالت میں ہو تمہاری طرف اسی رسول کی مانند بھیجا ہے جو فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا سو اس آیت میں اللہ جلشانہٗ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ ٹھہرایا ہے پھر سورۂ نور میں سلسلۂ خلافت محمدیہ کو سلسلۂ خلافت موسویہ کا مثیل ٹھہرا دیا ہے۔ سو کم سے کم تحقق مشابہت کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں سلسلوں کے اول اور آخر میں نمایاں مشابہت ہو یعنی یہ ضروری ہے کہ اس سلسلہ کے اول پر مثیل موسیٰ ہو اور اس سلسلہ کے اخیر میں مثیل عیسیٰ اور ہمارے مخالف علماء یہ تو مانتے ہیں کہ سلسلہ ملت اسلامیہ مثیل موسیٰ سے شروع ہوا۔ مگر وہ سراسر ہٹ دھرمی سے اس بات کو قبول نہیں کرتے کہ خاتمہ اس سلسلہ کا مثیل عیسیٰ پر ہوگا۔ اور اس صورت میں وہ عمداً قرآن شریف کو چھوڑتے ہیں کیا یہ سچ نہیں ہے کہ قرآن شریف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ قرار دیا بلکہ آیت كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ میں تمام سلسلہ خلافت محمدیہ کو سلسلہ خلافت موسویہ کا مثیل قرار دیدیا ہے۔ پس اس صورت میں قطعاً و حتماً لازم آتا ہے کہ سلسلۂ خلافتِ اسلامیہ کے آخر میں ایک مثیل عیسیٰ پیدا ہو اور چونکہ اول اور آخر کی مشابہت ثابت ہونے سے تمام سلسلہ کی مشابہت ثابت ہو جاتی ہے اس لئے خدا تعالیٰ کے پاک نبیوں کی کتابوں میں جا بجا انہیں دونوں ہستیوں پر زور دیا گیا ہے بلکہ اول اور آخر کے دشمنوں میں بھی مشابہت ثابت کی گئی ہے جیسا کہ ابوجہل کو فرعون سے مشابہت دی گئی ہے اور آخری مسیح کے مخالفین کو یہود مغضوب علیہم سے اور آیت كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ میں یہ بھی اشارہ کر دیا ہے کہ آخری خلیفہ اس امت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسے زمانہ میں آئیگا جو وہ زمانہ اپنی مدت میں اس زمانہ کی مانند ہوگا جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آئے تھے یعنی چودھویں صدی کیونکہ کَمَا کا لفظ جس مشابہت کو چاہتا ہے اس میں زمانہ کی مشابہت بھی داخل ہے۔ تمام فرقے یہودیوں کے اس بات پر متفق ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم نے جس زمانہ میں دعوے نبوت کیا وہ زمانہ حضرت موسیٰ سے چودھویں صدی تھی۔ اور عیسائیوں میں سے پروٹسٹنٹ مذہب کے

خیال کرتے ہین کہ پندرھوین صدی موسوی سے کچھ سال گذر چکے تھے جب حضرت عیسٰے نے دعوے نبوت کیا۔اور پروٹسٹنٹ کا قول یہودیون کے متفق علیہ قول کے مقابل پر کچھ چیز نہین اور اگر اس کی صحت مان بھی لین تو اس قدر قلیل فرق سے مشابہت مین کچھ فرق نہین آتا بلکہ مشابہت ایک قلیل فرق کو چاہتی ہے ایسا ہی قرآن شریف کی رو سے سلسلہ محمدیہ سلسلہ موسویہ سے ہر ایک نیکی اور بدی مین مشابہت رکھتا ہے اسی کی طرف ان آیتون مین اشارہ ہے کہ ایک جگہ یہود کے حق مین لکھا ہے **فینظر کیف تعملون** دوسری جگہ مسلمانون کے حق مین لکھا ہے **لننظر کیف تعملون**۔ان دونون آیتون کے یہ معنے ہین کہ خدا تمہین خلافت اور حکومت عطا کرکے پھر دیکھے گا کہ تم راستبازی پر قائم رہتے ہو یا نہین۔ان آیتون مین جو الفاظ یہود کے لئے استعمال کئے ہین وہی مسلمانون کے لئے یعنی ایک ہی آیت کے نیچے ان دونون کو رکھا ہے پس ان آیتون سے بڑھ کر اس بات کے لئے اور کونسا ثبوت ہو سکتا ہے کہ خدا نے بعض مسلمانون کو یہود قرار دیدیا ہے اور صاف اشارہ کر دیا ہے کہ جن بدیون کے یہود مرتکب ہوئے تھے یعنے علما ان کے اس امت کے علما بھی انہین بدیون کے مرتکب ہونگے اور اسی مفہوم کی طرف آیت **غیر المغضوب علیہم** مین بھی اشارہ ہے کیونکہ اس آیت مین باتفاق کل مفسرین مغضوب علیہم سے مراد وہ یہود ہین جن پر حضرت عیسٰے علیہ السلام کے انکار کی وجہ سے غضب نازل ہوا تھا۔اور احادیث صحیحہ مین مغضوب علیہم سے مراد وہ یہود ہین جو مورد غضب الٰہی دنیا مین ہی ہوئے تھے اور قرآن شریف یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ یہود کو مغضوب علیہم ٹھہرانے کے لئے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی زبان پر لعنت جاری ہوئی تھی۔پس یقینی اور قطعی طور پر مغضوب علیہم سے مراد وہ یہود ہین جنہون نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو سولی پر ہلاک کرنا چاہا تھا۔اب خدا تعالے کا یہ دعا سکھلانا کہ خدایا ایسا کر کہ ہم وہی یہودی نہ بن جائین جنہون نے عیسٰے کو قتل کرنا چاہا تھا صاف بتلا رہا ہے کہ امت محمدیہ مین بھی ایک عیسٰے پیدا ہونے والا ہے ورنہ اس دعا کی کیا ضرورت تھی اور نیز جبکہ آیات مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی زمانہ مین بعض علما مسلمان بالکل علما یہود سے مشابہ ہو جائینگے اور یہود بن جائین گے۔پھر یہ کہنا کہ ان یہودیون کی اصلاح کے لئے اسرائیلی عیسٰے آسمان سے نازل ہوگا بالکل غیر معقول بات ہے کیونکہ اول تو باہر سے ایک نبی کے آنے سے مہر ختم نبوت ٹوٹتی ہے اور قرآن شریف صریح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ٹھہراتا ہے۔ماسوا اس کے قرآن شریف کی رو سے یہ امت خیر الامم کہلاتی ہے پس اس کی اس سے زیادہ بے عزتی اور کوئی نہین ہو سکتی کہ یہودی بننے کے لئے تو یہ امت ہو مگر عیسٰے باہر سے آوے۔اگر یہ سچ ہے کہ کسی زمانہ مین اکثر علما اس امت کے یہودی بن جائین گے یعنے یہود خصلت ہو جائین گے تو پھر یہ بھی سچ ہے کہ ان یہود کے درست کرنے کے لئے عیسٰے باہر سے نہین آئے گا بلکہ جیسا کہ بعض افراد کا نام یہود رکھا گیا ہے ایسا ہی انکے مقابل پر ایک فرد کا نام عیسٰے بھی رکھا جائیگا۔اس بات کا انکار نہین ہو سکتا کہ قرآن اور حدیث دونون نے بعض

افراد اس امت کا نام یہود رکھا ہے جیسا کہ آیت غیر المغضوب علیہم سے بھی ظاہر ہے کیونکہ اگر بعض افراد اس امت کے یہودی بننے والے نہ ہوتے تو دعا مذکورہ بالا ہرگز نہ سکھلائی جاتی جب سے دنیا میں خدا کی کتابیں آئی ہیں خدا تعالے کا ان میں یہی محاورہ ہے کہ جب کسی قوم کو ایک بات سے منع کرتا ہے کہ مثلاً تم زنا نہ کرو یا چوری نہ کرو یا یہودی نہ بنو تو اس منع کے اندر یہ پیشگوئی مخفی ہوتی ہے کہ بعض ان میں سے ارتکاب ان جرائم کا کرینگے دنیا میں کوئی شخص ایسی نظیر پیش نہیں کر سکتا کہ ایک جماعت یا ایک قوم کو خدا تعالے نے کسی ناکردنی کام سے منع کیا ہو اور پھر وہ سب کے سب اس کام سے باز رہے ہوں بلکہ ضرور بعض اس کام کے مرتکب ہو جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالے نے توریت میں یہودیوں کو یہ حکم دیا کہ تم نے توریت کی تحریف نہ کرنا سو اس حکم کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض یہود نے توریت کی تحریف کی مگر قرآن شریف میں خدا تعالے نے مسلمانوں کو کہیں یہ حکم نہیں دیا کہ تم نے قرآن کی تحریف نہ کرنا بلکہ یہ فرمایا کہ **انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون** - یعنے ہم نے ہی قرآن شریف کو اتارا اور ہم ہی اس کی محافظت کرینگے اسی وجہ سے قرآن شریف تحریف سے محفوظ رہا۔ غرض یہ قطعی اور یقینی اور مسلم سنت الٰہی ہے کہ جب خدا تعالے کسی کتاب میں کسی قوم یا جماعت کو ایک برے کام سے منع کرتا ہے یا نیک کام کے لئے حکم فرماتا ہے تو اس کے علم قدیم میں یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگ اس کے حکم کی مخالفت بھی کرینگے پس خدا تعالے کا سورہ فاتحہ میں یہ فرمانا کہ تم دعا کیا کرو کہ تم وہ یہودی نہ بن جاؤ جنہوں نے عیسے علیہ السلام کو سولی دینا چاہا تھا جس سے دنیا میں ہی ان پر غضب الٰہی کی مار پڑی اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ خدا تعالے کے علم میں یہ مقدر تھا کہ بعض افراد اس امت کے جو علماء امت کہلائیں گے اپنی شرارتوں اور تکذیب مسیح وقت کی وجہ سے یہودیوں کا جامہ پہن لینگے ورنہ ایک لغو دعا کے سکھلانے کی کچھ ضرورت نہ تھی یہ تو ظاہر ہے کہ علماء اس امت کے اس طرح کے یہودی نہیں بن سکتے کہ وہ اسرائیل کے خاندان میں سے بن جائیں اور پھر عیسے ابن مریم کو جو مدت سے اس دنیا سے گذر چکا ہے سولی دینا چاہیں کیونکہ اب اس زمانہ میں نہ وہ یہودی اس زمین پر موجود ہیں نہ وہ عیسے موجود ہے پس ظاہر ہے کہ اس آیت میں ایک آیندہ واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور یہ بتلانا منظور ہے کہ اس امت میں عیسی مسیح کے رنگ میں آخری زمانہ میں ایک شخص مبعوث ہوگا اور اس کے وقت کے بعض علماء اسلام ان یہودی علما کی طرح اسکو دکھ دینگے جو عیسے علیہ السلام کو دکھ دیتے تھے اور ان کی شان میں بدگوئی کرینگے بلکہ احادیث صحیحہ سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہودی بننے کے یہ معنے ہیں کہ یہودیوں کی بداخلاق اور بدعادات علماء اسلام میں پیدا ہو جائینگی۔ اور گو بظاہر مسلمان کہلائینگے مگر ان کے دل مسخ ہو کر ان یہودیوں کے رنگ سے رنگین ہو جائینگے جو حضرت عیسی علیہ السلام کو دکھ دے کر مورد غضب الٰہی ہوئے تھے پس جبکہ یہودی یہی لوگ بنینگے جو مسلمان کہلاتے ہیں تو کیا یہ اس

امت مرحومہ کی یہ عزتی نہیں کہ یہودی بننے کے لئے تو یہ مقرر کئے جائیں مگر مسیح جو ان یہودیوں کو درست کرنے کو باہر سے آوے یہ تو قرآن شریف کے منشاء کے سراسر برخلاف ہے۔ قرآن شریف نے سلسلہ محمدیہ کو ہر ایک نیکی اور بدی میں سلسلہ موسویہ کے مقابل رکھا ہے نہ صرف بدی میں ماسوا اس کے آیت غیر المغضوب علیہم کا صریح یہ منشاء ہے کہ وہ لوگ یہودی اس لئے کہلائیں گے کہ خدا کے مامور کو جو ان کی اصلاح کے لئے آئیگا بنظر تحقیر دیکھیں گے اور اس کی تکذیب کرینگے اور اس کو قتل کرنا چاہیں گے اور اپنے قوے غضبیہ کو اس کی مخالفت میں بھڑکائیں گے اس لئے وہ آسمان پر مغضوب علیہم کہلائیں گے۔ ان یہودیوں کی مانند جو حضرت عیسے علیہ السلام کے مکذب تھے جس تکذیب کا آخر کار نتیجہ یہ ہوا تھا کہ سخت طاعون یہود میں پڑی تھی اور بعد اس کے طیطوس رومی کے ہاتھ سے وہ نیست و نابود کئے گئے تھے پس آیت غیر المغضوب علیہم سے ظاہر ہے کہ دنیا میں ہی کوئی غضب ان پر نازل ہوگا کیونکہ آخرت کے غضب میں تو ہر ایک کافر شریک ہے اور آخرت کے لحاظ سے تمام کافر مغضوب علیہم ہیں پھر کیا وجہ کہ خدا تعالے نے اس آیت میں خاص کر کے ان یہودیوں کا نام مغضوب علیہم رکھا جنہوں نے حضرت عیسے کو سولی دینا چاہا تھا۔ بلکہ اپنی دانست میں سولی دے چکے تھے پس یاد رہے کہ ان یہودیوں کو مغضوب علیہم کی خصوصیت اس لئے دی گئی کہ دنیا میں ہی ان پر غضب الٰہی نازل ہوا تھا اور اسی بنا پر سورہ فاتحہ میں اس امت کو یہ دعا سکھلائی گئی کہ خدایا ایسا کر کہ وہی یہودی ہم نہ بن جائیں یہ ایک پیش گوئی تھی جس کا یہ مطلب تھا کہ جب اس امت کا مسیح مبعوث ہوگا تو اس کے مقابل پر وہ یہود بھی پیدا ہو جائیں گے۔ جن پر اسی دنیا میں خدا کا غضب نازل ہوگا پس اس دعا کا یہ مطلب تھا کہ یہ مقدر ہے کہ تم میں سے بھی ایک مسیح پیدا ہوگا اور اس کے مقابل پر یہود پیدا ہوں گے جن پر دنیا میں ہی غضب نازل ہوگا۔ سو تم دعا کرتے رہو کہ تم ایسے یہود نہ بن جاؤ*

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ یوں تو ہر ایک کافر قیامت میں مورد غضب الٰہی ہے لیکن اس جگہ غضب سے مراد دنیا کا غضب ہے جو مجرموں کے سزا دینے کے لئے دنیا میں ہی نازل ہوتا ہے اور وہ یہودی جنہوں نے حضرت عیسے علیہ السلام کو دکھ دیا تھا اور بموجب نص قرآن کریم ان کی زبان پر لعنتی کہلائے تھے وہ وہی لوگ تھے جن پر دنیا میں ہی عذاب کی مار پڑی تھی یعنی اول سخت طاعون سے وہ ہلاک کئے گئے تھے اور پھر جو باقی رہ گئے تھے وہ طیطوس رومی کے ہاتھ سے سخت عذاب کے ساتھ ملک سے منتشر کئے گئے تھے پس غیر المغضوب علیہم میں یہی عظیم الشان پیش گوئی مخفی ہے کہ وہ لوگ جو مسلمانوں میں سے یہودی کہلائیں گے وہ بھی ایک مسیح کی تکذیب کریں گے جو اس پہلے مسیح کے رنگ پر آئے گا یعنے نہ وہ جہاد کرے گا اور نہ تلوار اٹھائے گا بلکہ

پاک تعلیم اور آسمانی نشانوں کے ساتھ دین کو پھیلائے گا اور اس آخری مسیح کی تکذیب کے بعد بھی دنیا میں طاعون پھیلے گی اور وہ سب باتیں پوری ہوں گی جو ابتدا سے سب نبی کہتے چلے آئے ہیں اور یہ وسوسہ کہ آخری زمانہ میں وہی مسیح ابن مریم دوبارہ دنیا میں آجائے گا۔ یہ تو قرآن شریف کے منشاء کے سراسر برخلاف ہے جو شخص قرآن شریف کو ایک تقوے اور ایمان اور انصاف اور تدبّر کی نظر سے دیکھے گا اس پر روز روشن کی طرح کھل جائیگا کہ خداوند قادر کریم نے اس امت محمدیہ کو موسوی امت کے بالکل بالمقابل پیدا کیا ہے۔ ان کی اچھی باتوں کے بالمقابل پر اچھی باتیں دی ہیں اور ان کی بُری باتوں کے مقابل پر بُری باتیں اس امت میں بعض ایسے ہیں جو انبیاء بنی اسرائیل سے مشابہت رکھتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو مغضوب علیہم یہود سے مشابہت رکھتے ہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک گھر ہے جس میں عمدہ عمدہ آراستہ کمرے موجود ہیں جو عالیشان اور مہذب لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ ہیں اور جس کے بعض حصے میں پائخانے بھی ہیں اور بدرو بھی اور گھر کے مالک نے چاہا کہ اس محل کے مقابل پر ایک اور محل بنا دے کہ تا جو سامان اس پہلے محل میں تھا اس میں بھی موجود ہو۔ سو یہ دوسرا محل اسلام کا محل ہے اور پہلا محل موسوی سلسلہ کا محل تھا۔ یہ دوسرا محل پہلے محل کا کسی بات میں محتاج نہیں۔ قرآن شریف توریت کا محتاج نہیں اور یہ امت کسی اسرائیلی نبی کی محتاج نہیں۔ ہر ایک کامل جو اس امت کے لئے آتا ہے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فیض سے پرورش یافتہ ہے اور اس کی وحی محمدی وحی کی ظِل ہے۔ یہی ایک نکتہ ہے جو سمجھنے کے لائق ہے افسوس ہمارے مخالف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ لاتے ہیں انہیں سمجھتے کہ مطلب تو یہ ہے کہ اسلام کو فخر مشابہت حاصل ہو نہ یہ ذلت کہ کوئی اسرائیلی نبی آوے تا امت اصلاح پاوے علاوہ اس کے یہ نہایت بیہودہ خیال ہے کہ ایسے لغو اعتقاد پر زور دیا جاوے جس کی خدا کی کتاب میں کوئی نظیر نہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے آسمان پر چڑھنے کی درخواست کی گئی جیسا قرآن شریف میں مذکور ہے مگر وہ یہ کہہ کر نامنظور کی گئی کہ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا تو کیا عیسیٰ بشر نہ تھا کہ اس کو بغیر درخواست کے آسمان پر چڑھایا گیا۔ پھر قرآن شریف سے تو صرف رفع الی اللہ ثابت ہے جو ایک روحانی امر ہے نہ رفع الی السماء اور یہودیوں کا اعتراض تو یہ تھا کہ جو شخص لکڑی پر لٹکایا جاوے اس کا رفع روحانی دوسرے نبیوں کی طرح خدا تعالےٰ کی طرف نہیں ہوتا اور یہی اعتراض دفع کرنے کے لائق تھا پس قرآن شریف نے کہاں اس اعتراض کو دفع کیا ہے یعنی اس تمام نزاع کی بنیاد یہی تھی کہ یہودی کہتے تھے کہ عیسیٰ مصلوب ہوگیا ہے اور جو شخص مصلوب ہو اُس کا خدا تعالیٰ کی طرف رفع نہیں ہوتا اس لئے عیسیٰ کا اور نبیوں کی طرح خدا تعالےٰ کی طرف رفع روحانی نہیں ہوا لہٰذا وہ مومن نہیں ہے اور نہ نجات یافتہ ہے اور چونکہ قرآن اس بات کا ذمہ وار ہے کہ

نبی دوبارہ دنیا مین نہ آیا اس لئے ہم نے اس شخص کو قبول نہ کیا ہمین یہ نہین کہا گیا تھا کہ جبتک الیاس کا مثیل
نہ آوے سچا مسیح نہین آئیگا بلکہ ہمین کہا گیا تھا کہ سچے مسیح کے پہلے سچ مچ الیاس کا دوبارہ آنا ضروری ہے سو
وہ بات پوری نہ ہوئی ؛

پھر اس کے بعد یہ فاضل یہودی جس کی کتاب میرے پاس ہے اپنی اس دلیل پر بڑا فخر کر کے پبلک کے
سامنے اپیل کرتا ہے کہ کیا ایسے مفتری کو کوئی قبول کر سکتا ہے جو تاویلوں سے کام لیتا ہے۔ اور اپنے استاد یوحنا کو خواہ
نخواہ الیاس ٹھہراتا ہے۔ پھر اس کے بعد اس نے بڑا جوش ظاہر کیا ہے اور ایسے تحقیر کے الفاظ سے حضرت مسیح
کو یاد کرتا ہے جن کی نقل ہم اس جگہ کر نہین سکتے اور اگر قرآن نازل نہ ہوا ہوتا تو اس حجت مین بظاہر یہود
حق بجانب معلوم ہوتے تھے کیونکہ ملاکی نبی کے صحیفہ مین درحقیقت یہ الفاظ نہین ہین کہ سچے مسیح کے پہلے مثیل الیاس
آئیگا بلکہ صاف لکھا ہے کہ اس مسیح سے پہلے خود الیاس کا دوبارہ آنا ضروری ہے۔ اس صورت مین اگرچہ عیسائی
حضرت مسیح کی خدائی کے لئے روتے ہین مگر نبوت بھی ثابت نہین ہو سکتی اور یہودی سچے معلوم ہوتے ہین پس
یہ احسان قرآن شریف کا عیسائیون پر ہے کہ حضرت مسیح کی سچائی ظاہر کر دی ؛

اس جگہ ایک سوال باقی رہتا ہے اور وہ یہ کہ جس حالت مین ملاکی نبی کے صحیفہ مین صاف لفظوں مین
لکھا ہے کہ جبتک الیاس نبی دوبارہ دنیا مین نہ آوے تب تک وہ سچا مسیح جسکا بنی اسرائیل کو وعدہ دیا گیا ہے
دنیا مین نہین آوے گا تو پھر اس صورت مین یہود کا کیا قصور تھا جو انہون نے حضرت مسیح کو قبول نہین کیا۔
اور اسکو کافر اور مرتد اور ملحد قرار دیا کیا ان کی صحت نیت کیلئے یہ کافی نہین ہے کہ کتاب اللہ کی نص کے موافق انہون نے
عملدرآمد کیا ہان اگر ملاکی نبی کے صحیفہ مین مثیل الیاس کے دوبارہ آنے کا ذکر ہوتا تو اس صورت مین یہود ملزم
ہو سکتے تھے کیونکہ یہ امر زیادہ بحث کے لایق نہین تھا کہ یحیی نبی کو مثیل الیاس قرار دیا جاوے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہود خوب جانتے تھے کہ خدا تعالے کی یہ عادت نہین ہے کہ کوئی شخص
دوبارہ دنیا مین آوے اور اس کی کوئی نظیر پہلے سے موجود نہین تھی لہذا یہ صرف ایک استعارہ تھا جس طرح
اور صدہا استعارات خدا تعالی کی کتابون مین استعمال پاتے ہین اور ایسے استعارات سے یہود بے خبر نہ تھے۔ پھر علاوہ
اسکے حضرت عیسے علیہ السلام کے ساتھ تائیدات الٰہیہ بھی شامل تھین اور قراین صحیحہ کے لئے کافی ذخیرہ تھا کہ یہود
ان کو شناخت کر لیتے اور ان پر ایمان لاتے مگر وہ دن بدن شرارت مین بڑھتے گئے اور وہ نور جو صادقون مین
ہوتا ہے وہ ضرور انہون نے حضرت عیسٰی مین مشاہدہ کر لیا تھا مگر تعصب اور بخل اور شرارت نے ان کو نہ چھوڑا۔
لیکن یاد رہے کہ یہ سوال تو صرف یہود کے بارہ مین ہوتا ہے جنکو پہلے پہل یہ ابتلا پیش آیا تھا۔ مگر مسلمان اگر

توسے اکو اختیار کرتے تو قرآن شریف نے اس ابتلا سے انکو بچا لیا تھا کیونکہ صاف لفظون مین کہدیا تھا کہ عیسے فوت ہو گیا اور نہ صرف یہی بلکہ سورۃ مائدہ مین صاف طور پر سمجھا دیا تھا کہ وہ دوبارہ نہین آئیگا کیونکہ آیت فلمّا توفّیتنی مین یہی ذکر ہے کہ اللہ تعالے قیامت کو حضرت عیسے علیہ السلام سے پوچھے گا کہ کیا تو نے ہی کہا تھا کہ مجھے اور میری مان کو خدا کرکے مانا تو حضرت عیسے جواب دینگے کہ یا الٰہی اگر مین نے ایسا کہا ہے تو تجھے معلوم ہوگا کیونکہ تیرے علم سے کوئی چیز باہر نہین مین نے تو صرف وہی کہا تھا جو تو نے فرمایا تھا پھر جبکہ تو نے مجھے وفات دیدی تو پھر صرف تو ہی ان کا نگہبان تھا مجھے ان کے حال کا کیا علم تھا +

اب ظاہر ہے کہ اگر یہ بات سچ ہے کہ حضرت عیسے علیہ السلام قیامت سے پہلے دوبارہ دنیا مین آئین گے اور چالیس برس دنیا مین ٹھہرین گے اور صلیب کو توڑینگے اور عیسائیون کے ساتھ لڑائیان کرینگے تو وہ قیامت کو خدا تعالے کے حضور مین کیونکر کہہ سکتے ہین کہ جب تو نے مجھے وفات دی تو اسکے بعد مجھے کیا علم ہے کہ عیسائیون نے کونسی راہ اختیار کی اگر وہ یہی جواب دینگے کہ مجھے خبر نہین تو ان سے بڑھکر دنیا مین کوئی جھوٹا نہین ہوگا کیونکہ جس شخص کو یہ علم ہے کہ وہ دنیا مین دوبارہ آیا تھا اور عیسائیون کو دیکھا تھا کہ اسکو خدا سمجھ رہے ہین اور اس کی پرستش کرتے ہین اور ان سے لڑائیان کین اور پھر وہ خدا تعالے کے روبرو انکار کرتا ہے۔ کہ مجھے کچھ بھی خبر نہین کہ میرے بعد انہون نے کیا کیا۔ اس سے زیادہ کاذب کون ٹھہر سکتا ہے جواب صحیح تو یہ تھا کہ ہان میرے خداوند مجھے عیسائیون کی گمراہی کی خوب خبر ہے کیونکہ مین دوبارہ دنیا مین جاکر چالیس برس تک وہان رہا اور صلیب کو توڑا پس میرا کچھ گناہ نہین ہے جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ مشرک ہین تو مین اسی وقت ان کا دشمن ہو گیا بلکہ ایسی صورت مین کہ جبکہ قیامت سے پہلے حضرت عیسے علیہ السلام چالیس برس تک دنیا مین رہ چکے ہونگے اور ان سب کو سزائین دی ہون گی جو ان کو خدا سمجھتے تھے خدا تعالے کا ایسا سوال ان سے ایک لغو سوال ہوگا کیونکہ جب کہ خدا تعالے کے علم مین یہ بات ہے کہ اس شخص نے اپنے معبود ٹھہرائے جانے کی اطلاع پاکر ایسے لوگون کو خوب سزا دی تو پھر ایسا سوال کرنا اس کی شان سے بعید ہے۔ غرض جس قدر مسلمانون کو خدا تعالے نے یہ کھولکر سنا دیا ہے کہ عیسے فوت ہو گیا ہے اور پھر دنیا مین نہین آئیگا ہان اسکا مثیل آنا ضروری ہے اگر اس قسم کی تصریح ملاکی نبی کے صحیفہ مین ہوتی تو یہود ہلاک نہ ہوتے پس بلاشبہ وہ لوگ یہود سے بدتر ہین کہ جو اس قدر تصریحات خدا تعالے کے پاک کلام مین پاکر پھر حضرت عیسے کے دوبارہ آنے کے منتظر ہین +

ماسوا اسکے ہمارے مخالف مولوی لوگون کو دھوکہ دیکر سکھا کرتے ہین کہ قرآن شریف سے اگرچہ نہین

مین کہان اور کس جگہ لکھا ہے کہ وہی اسرائیلی نبی جس کا عیسیٰ نام تھا جس پر انجیل نازل ہوئی تھی باوجود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کے پھر دنیا مین آجائیگا اگر صرف عیسے یا ابن مریم کے نام پر دھوکہ کھانا ہے تو قرآن کریم کی سورۃ تحریم مین اس امت کے بعض افراد کا نام عیسے اور ابن مریم رکھدیا گیا ہے ایماندار کے لئے اس قدر کافی ہے کہ اس امت کے بعض افراد کا نام بھی عیسے یا ابن مریم رکھا گیا ہے کیونکہ جب خدا تعالے نے سورۂ موصوفہ مین بعض افراد امت کو مریم سے مشابہت دی اور پھر اس مین نفخ روح کا ذکر کیا تو صاف ظاہر ہے کہ وہ روح جو مریم مین پھونکی گئی وہ عیسے تھا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس امت کا کوئی فرد اول اپنی خداداد تقوے کی وجہ سے مریم بنے گا اور پھر عیسے ہوجائیگا جیسا کہ براہین احمدیہ مین خدا تعالے نے پہلے میرا نام مریم رکھا اور پھر نفخ روح کا ذکر کیا اور پھر آخر مین میرا نام عیسے رکھدیا۔

اور حدیثون مین تو صاف لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات مین حضرت عیسے کو مردہ روحون مین ہی دیکھا آپ عرش تک پہنچگئے مگر کوئی عیسے نام ایسا نظر نہ آیا جو معہ جسم عنصری علیحدہ تھا دیکھا تو وہی روح دیکھی جو یحیےٰ وفات یافتہ کے پاس تھی ظاہر ہے کہ زندون کو مردون کے مکان مین گذر نہین ہوسکتا غرض خدا نے اپنے قول سے حضرت عیسے کی وفات پر گواہی دی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے یعنی رویت سے وہی گواہی دیدی اگر اب بھی کوئی نہ سمجھے تو پھر اس سے خدا سمجھے گا۔

ماسوا اس کے یہود سے زیادہ ان کو تجربہ ہوچکا ہے کہ خدا تعالیٰ کی عادت نہین ہے کہ دوبارہ دنیا مین لوگونکو بھیجا کرے ورنہ ہمین تو عیسے کی نسبت حضرت سیدنا محمد مصطفےٰ کے دوبارہ دنیا مین آنے کی زیادہ ضرورت تھی اور اسی مین ہماری خوشی تھی مگر خدا تعالے نے **اِنَّکَ مَیِّتٌ** کہکر اس امید سے محروم کردیا۔ یہ بات سوچنے کے لایق ہے کہ اگر دوبارہ دنیا مین آنے کا دروازہ کھلا تھا تو خدا تعالے نے کیون چند روز کے لئے الیاس نبی کو دوبارہ دنیا مین نہ بھیجا اور اس طرح پر لاکھون یہودیون کو داخل جہنم کیا۔ آخر حضرت مسیح نے آپ ہی یہ فیصلہ دیا کہ دوبارہ آنے سے کسی مثیل کا آنا مراد ہے یہ فیصلہ ابتک انجیلون مین لکھا ہوا موجود ہے پھر جو بات ایک مرتبہ طے پاچکی ہے اور جو راہ خطرناک ثابت ہوچکا ہے اسی راہ پر پھر قدم مارنا عقلمندون کا کام نہین ہے یہودیون نے اس بات پر ضد کرکے کہ الیاس نبی دوبارہ دنیا مین آئیگا بجز کفر اور روسیاہی کے کیا فائدہ اٹھایا تا اس زمانہ کے مسلمان اس فائدہ کی توقع رکھین جس سوراخ سے ایک بڑا اژدہ کاٹا گیا اور ہلاک ہوچکا ہے پھر کیون یہ لوگ اسی سوراخ مین ہاتھ ڈالتے ہین۔ کیا حدیث **لا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین** [illegible]

اپنی نمازون مین پڑھتے ہین یعنے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کیون اس کے معنون مین غور نہین کرتے اور کیون یہ نہین سوچتے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر بھی بعض صحابہ کو یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ آنجناب صلے اللہ علیہ وسلم دوبارہ دنیا مین آئین گے مگر حضرت ابوبکر نے یہ آیت پڑھکر کہ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اس خیال کو رفع دفع کر دیا اور اس آیت کے یہ معنے سمجھائے کہ کوئی نبی نہین جو فوت نہین ہو چکا پس اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی فوت ہو جائین تو کوئی افسوس کی جگہ نہین یہ امر سب کے لیئے مشترک ہے ٭

ظاہر ہے کہ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلون مین یہ خیال ہوتا کہ عیسٰے آسمان پر چھ سو برس سے زندہ بیٹھا ہے تو وہ ضرور حضرت ابوبکرؓ کے آگے یہ خیال پیش کرتے لیکن اس روز سب نے مان لیا کہ سب نبی مر چکے ہین اور اگر کسی کے دل مین یہ خیال بھی تھا کہ عیسٰے زندہ ہے تو اُس نے اس خیال کو ایک ردی چیز کی طرح اپنے دل سے باہر پھینک دیا یہ مین نے اس لئے کہا کہ ممکن ہے کہ عیسائی مذہب کے قرب وجوار کے اثر کی وجہ سے کوئی ایسا شخص جو غبی ہو اور جس کی درایت صحیح نہ ہو یہ خیال رکھتا ہو کہ شاید عیسٰے اب تک زندہ ہی ہے مگر اس مین کچھ شک نہین کہ اس وعظ صدیقی کے بعد کل صحابہؓ اس بات پر متفق ہو گئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلے جتنے نبی تھے سب مر چکے ہین اور یہ پہلا اجماع تھا جو صحابہ مین ہوا اور صحابہ رضی اللہ عنہم جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت مین محو تھے کیونکر اس بات کو قبول کر سکتے تھے باوجودیکہ ان کے بزرگ نبی نے جو تمام نبیون کا سردار ہے۔ چونسٹھ ۶۴ برس کی بھی پوری عمر نہ پائی مگر عیسٰے چھ سو ۶۰۰ برس سے آسمان پر زندہ بیٹھا ہے ہرگز ہرگز محبت نبوی فتوے نہین دیتی کہ وہ عیسٰے علیہ السلام کی نسبت بالتخصیص ایسی فضیلت قایم کرتے لعنت ہر ایسے اعتقاد پر جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین لازم آوے۔ وہ لوگ تو عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے وہ تو اس بات کے سننے سے زندہ ہی مر جاتے کہ ان کا پیارا رسول فوت ہو گیا مگر عیسٰے آسمان پر زندہ بیٹھا ہے وہ رسول نہ ان کو بلکہ خدا تعالے کو بھی تمام نبیون سے زیادہ پیارا تھا اسی وجہ سے جب عیسائیون نے اپنی بدقسمتی سے اس رسول مقبول کو قبول نہ کیا اور عیسٰی کو تنا اڑایا کہ خدا بنا دیا تو خدا تعالیٰ کی غیرت نے تقاضا کیا کہ ایک غلام غلمان محمدی سے یعنے یہ عاجز اس کا مثیل کر کے اس امت مین سے پیدا کیا اور اُس کی نسبت اپنے فضل اور انعام کا زیادہ اسکو حصہ دیا کہ تا عیسائیون کو معلوم ہو کہ تمام فضل خدا تعالے کے اختیار مین ہے ٭

جائے۔ انسان کا آسمان پر جا کر مع جسم عنصری آباد ہونا ایسا ہی سنت اللہ کے خلاف ہے جیسے کہ فرشتے مجسم ہو کر زمین پر آباد ہو جائیں **ولن تجد لسنت اللہ تبدیلا**۔

پھر یہ نادان قوم نہیں سوچتی کہ جس حالت مین **صلیب** دینے کے وقت ابھی **تبلیغ** حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی **ناتمام** تھی اور ابھی **دس قومین** یہود کی دوسرے ملکون مین باقی تھین جو ان کے نام سے بھی بے خبر تھین تو پھر حضرت عیسےٰ کو یہ کیا سوجھی کہ اپنا منصبی کام **ناتمام چھوڑ کر آسمان** پر جا بیٹھے۔ پھر تعجب کہ **اسلامی** کتابون مین تو حضرت عیسےٰ کو نبی **سیاح** لکھا ہے مگر وہ تو صرف ساڑھے تین برس اپنے ہی گاؤن مین رہ کر راہئے **ملک سماوی** ہوئے +

ظاہر ہے کہ جبکہ صرف بیہودہ قصون پر بھروسہ کر کے حضرت عیسےٰ کو خدا مانا جاتا ہے پھر اگر وہ یہ کرشمہ بھی دکھلا دین کہ آسمان سے معہ فرشتون کے اُترین تو اس وقت کیا حال ہوگا۔ یاد رہے کہ جو شخص اُترنے والا تھا۔ وہ عین وقت پر اُتر آیا اور آج تمام نوشتے پورے ہو گئے تمام نبیون کی کتابین اسی زمانہ کا حوالہ دیتی ہین عیسائیون کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ اسی زمانہ مین مسیح موعود کا آنا ضروری تھا ان کتابون مین صاف طور پر لکھا تھا کہ آدم سے چھٹے ہزار کے اخیر پر مسیح موعود آئے گا سو چھٹے ہزار کا اخیر ہو گیا اور لکھا تھا کہ اس سے پہلے **ذوالسنین ستارہ** نکلے گا سو مدت ہوئی کہ نکل چکا اور لکھا تھا کہ اس کے ایام مین **سورج اور چاند** کو ایک ہی مہینہ مین جو رمضان کا مہینہ ہوگا گرہن لگے گا سو مدت ہوئی کہ یہ پیشگوئی بھی پوری ہو چکی اور لکھا تھا کہ اسکے زمانہ مین ایک بڑے جوش سے **طاعون** پیدا ہوگی اس کی خبر انجیل مین بھی موجود ہے سو دیکھتا ہون کہ طاعون نے ابتک پیچھا نہین چھوڑا اور قرآن شریف اور احادیث اور پہلی کتابون مین لکھا تھا کہ اسکے زمانہ مین ایک **نئی سواری** پیدا ہوگی جو آگ سے چلے گی اور انہین دنون مین **اونٹ بیکار** ہو جائینگے اور یہ آخری حصہ کی حدیث صحیح مسلم مین بھی موجود ہے سو وہ سواری **ریل** ہے جو پیدا ہو گئی اور لکھا تھا کہ وہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا سو صدی مین سے بھی اکیس[۲۱] برس گذر گئے اب ان تمام نشانون کے بعد جو شخص مجھے رد کرتا ہے وہ مجھے نہین بلکہ تمام نبیون کو رد کرتا ہے اور خدا تعالےٰ سے جنگ کر رہا ہے اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو اسکے لئے بہتر تھا +

خوب یاد رکھو کہ تمام خرابی اور تباہی جو اسلام مین پیدا ہوئی یہانتک کہ اسی ملک ہندوستان مین ۲۹ لاکھ انسان مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا اس کا سبب یہی تھا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ کی نسبت بیجا اور مبالغہ آمیز امیدین رکھ کر اور ان کو ہر ایک صفت مین خصوصیت دے کر قریب قریب عیسائیون کے پہنچ گئے یہانتک کہ جو کچھ بعض انسانی صفات وہ حضرت سیدنا پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت تجویز کرتے ہین

اگر کسی تاریخی کتاب مین اسی قسم کے صفات حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی نسبت لکھے ہون تو توبہ توبہ کر اُٹھتے ہین۔ مثلاً ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بسا اوقات بیمار بھی ہو جاتے تھے اور آپ کو تپ بھی آجاتا تھا اور آپ دوا بھی کرتے تھے اور بسا اوقات سنگیان پچھ کے ساتھ لگواتے تھے لیکن اگر اسی کے مشابہ حضرت مسیح کی نسبت لکھا ہو کہ وہ تپ مین یا کسی اور بیماری مین گرفتار ہو گئے اور ان کو اٹھا کر کسی ڈاکٹر کے پاس لے گئے تو فی الفور چونک اُٹھین گے کہ یہ مسیح کی شان سے بعید ہے حالانکہ وہ صرف ایک عاجز انسان تھا اور تمام انسانی ضعفون سے پورا حصہ رکھتا تھا اور وہ اپنے چار بھائی حقیقی اور رکھتا تھا جو بعض اسکے مخالف تھے اور اس کی حقیقی ہمشیرہ دو تھین کمزور سا آدمی تھا جسکو صلیب پر محض دو پیچون کے ٹھوکنے سے غش آگیا۔ ہائے افسوس اگر مسلمان حضرت عیسےٰ کی نسبت قرآن شریف کے قول پر چلتے اور ان کو وفات یافتہ یقین رکھتے اور جیسا کہ قرآن کا منشا ہے ان کا دوبارہ آنا ممتنع سمجھتے تو اسلام مین یہ تباہی نہ آتی جو آگئی اور عیسائیت کا جلد تر خاتمہ ہو جاتا۔ شکر للہ کہ اسوقت خدا نے آسمان سے اسلام کا ہاتھ پکڑ لیا۔

یہ وہ باتین تھین جو مین نے صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف صاحب سے کین اور وہ امر جو آخر مین ان کو سمجھایا وہ یہ تھا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام مین مذہبی پہلو کے رو سے سولہ خصوصیتین تھین (۱) اول یہ کہ وہ بنی اسرائیل کے لئے ایک موعود نبی تھا جیسا کہ اس پر اسرائیلی نبیون کے صحیفے گواہ ہین (۲) دوسری یہ کہ مسیح ایسے وقت مین آیا تھا جبکہ یہودی اپنی سلطنت کھو چکے تھے یعنی اس ملک مین یہودیون کی کوئی سلطنت نہین رہی تھی گو ممکن تھا کہ کسی اور ملک مین جہان بعض فرقے یہود کے چلے گئے تھے کوئی حکومت ان کی قائم ہو گئی ہو جیسا کہ سمجھا جاتا ہے کہ افغان اور ایسا ہی کشمیری بھی یہود مین سے ہین جن کا اسلام قبول کرنے کے بعد سلاطین مین داخل ہونا ایک ایسا واقعہ ہے جس سے انکار نہین ہو سکتا۔ بہر حال حضرت مسیح کے ظہور کے وقت اس حصہ ملک سے یہود کی سلطنت جاتی رہی تھی اور اس زمانہ سے بہت مشابہت ہے (۳) تیسری یہ کہ وہ ایسے وقت مین آیا تھا کہ جبکہ یہودی بہت سے فرقون پر منقسم ہو چکے تھے اور ہر یک فرقہ دوسرے فرقہ کا مخالف تھا اور ان سب مین باہم سخت عناد اور خصومتین پیدا ہو گئی تھین۔ اور توریت کے اکثر احکام بباعث ان کے کثرت اختلافات کے مشتبہ ہو گئے تھے صرف وحدانیت الٰہی مین وہ باہم اتفاق رکھتے تھے باقی اکثر مسائل جزئیہ مین وہ ایک دوسرے کے دشمن تھے اور کوئی واعظ ان مین باہم صلح نہین کرا سکتا تھا اور نہ ان کا فیصلہ کر سکتا تھا اس صورت مین وہ ایک آسمانی حکم یعنی فیصلہ کنندہ کے محتاج تھے جو خدا سے جدید وحی پا کر اہل حق کی حمایت کرے اور قضا و قدر سے

ایسی ضلالت کی ملونی ان کے کل فرقون مین ہو گئی تھی جو خالص طور پر ان مین ایک بھی اہل حق نہین کہلا سکتا تھا۔ ہر ایک فرقہ مین کچھ نہ کچھ جھوٹ اور افراط و تفریط کی آمیزش تھی پس یہی وجہ پیدا ہو گئی تھی کہ یہود کے تمام فرقون نے حضرت مسیح کو دشمن پکڑ لیا تھا اور ان کی جان لینے کی فکر مین ہو گئے تھے کیونکہ ہر ایک فرقہ چاہتا تھا کہ حضرت مسیح پورے طور پر ان کا مصدق ہو اور ان کو راستباز اور نیک چلن خیال کرے اور ان کے مخالف کو جھوٹا کہے اور ایسا مداہنہ خدا تعالے کے نبی سے غیر ممکن تھا (۴) چہارم یہ کہ مسیح ابن مریم کے لئے جہاد کا حکم نہ تھا اور حضرت موسےٰؑ کا مذہب یونانیون اور رومیون کی نظر مین اس وجہ سے بہت بدنام ہو چکا تھا کہ وہ دین کی ترقی کے لئے تلوار سے کام لیتا رہا ہے گو کسی بہانہ سے چنانچہ اب تک ان کی کتابون مین موسےٰؑ کے مذہب پر برابر یہ اعتراض ہین کہ کئی لاکھ شیر خوار بچے اسکے حکم اور نیز اسکے خلیفہ یشوع کے حکم سے جو اسکا جانشین تھا قتل کئے گئے اور پھر داؤد اور دوسرے نبیون کی لڑائیان بھی اس اعتراض کو چمکاتی تھین پس انسانی فطرتین اس سخت حکم کو برداشت نہ کر سکین اور جب یہ خیالات غیر مذہب والون کے انتہا تک پہنچ گئے تو خدا تعالے نے چاہا کہ ایک ایسا نبی بھیج کر جو صرف صلح اور امن سے مذہب کو پھیلائے توریت پر سے وہ نکتہ چینی اٹھادے جو غیر قومون نے کی تھی سو وہ صلح کا نبی عیسےٰ ابن مریم تھا (۵) پانچوین یہ کہ حضرت عیسےٰ کے وقت مین یہودیون کے علماء کا عموماً چال چلن بہت بگڑ چکا تھا اور ان کا قول اور فعل باہم مطابق نہ تھا۔ ان کی نمازین اور ان کے روزے محض ریاکاری سے پُر تھے اور وہ جاہ طلب علماء رومی سلطنت کے نیچے ایسے دنیا کے کیڑے ہو چکے تھے کہ تمام ہمتین ان کی اسی مین مصروف ہو گئی تھین کہ مکر سے یا خیانت سے یا دغا سے یا جھوٹی گواہی سے یا جھوٹے فتوون سے دنیا کماوین ان مین بجز زاہدانہ لباس اور بڑے بڑے جُبّون کے ایک ذرہ روحانیت باقی نہین رہی تھی وہ رومی سلطنت کے حکام سے بھی عزت پانے کے بہت خواہان تھے اور طرح طرح کے جوڑ توڑ اور جھوٹی خوشامد سے سلطنت سے عزت اور کسی قدر حکومت حاصل کر لی تھی اور چونکہ ان کی دنیا ہی دنیا رہ گئی تھی اس لئے وہ اس عزت سے جو توریت پر عمل کرنے سے آسمان پر مل سکتی تھی بالکل لاپرواہ ہو کر دنیا پرستی کے کیڑے بن گئے تھے اور تمام فخر دنیا کی وجاہت مین ہی سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک کے گورنر پر جو رومی سلطنت کی طرف سے تھا کسی قدر ان کا دباؤ بھی تھا کیونکہ ان کے بڑے بڑے دنیا پرست مولوی دور دراز سفر کر کے قیصر کی ملاقات بھی کرتے تھے اور سلطنت سے تعلقات بنا رکھے تھے اور کئی لوگ ان مین سے سلطنت کے وظیفہ خوار بھی تھے اسی بنا پر وہ لوگ اپنے تئین سلطنت کے بڑے خیر خواہ جتلاتے تھے اس لئے وہ اگرچہ ایک نظر

سے زیر نگرانی بھی تھے مگر خوشامدانہ طریقون سے انہون نے قیصر اور اس کے بڑے حکام کو اپنی نسبت بہت نیک ظن بنا رکھا تھا انہین چال بازیون کی وجہ سے علما ان مین سے سلطنت کے حکام کی نظر مین معزز سمجھے جاتے تھے اور کرسی نشین تھے لہذا وہ غریب گلیل کا رہنے والا جس کا نام یسوع بن مریم تھا ان شریر لوگون کے لئے بہت کو فتنہ خاطر کیا گیا اسکے مُنہ پر نہ صرف تھوکا گیا بلکہ گورنر کے حکم سے اسکو تازیانے بھی مارے گئے وہ چورون اور بدمعاشون کے ساتھ حوالات مین دیا گیا حالانکہ اس کا ایک ذرہ قصور نہ تھا صرف گورنمنٹ کی طرف سے یہودیون کی ایک دل جوئی تھی کیونکہ سلطنت کی حکمت عملی کا یہ اصول ہے کہ گروہ کثیر کی رعایت رکھی جائے سو اس غریب کو کون پوچھتا تھا۔ یہ عدالت تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر وہ یہودیون کے مولویون کے سپرد ہوا اور انہون نے اس کو صلیب پر چڑھا دیا ایسی عدالت پر خدا جو زمین و آسمان کا مالک ہے۔ لعنت کرتا ہے مگر افسوس ان حکومتون پر جن کی آسمان کے خدا پر نظر نہین یون تو پلاطوس جو اس ملک کا گورنر تھا مع اپنی بیوی کے حضرت عیسے کا مرید تھا اور چاہتا تھا کہ اسے چھوڑ دے مگر جب زبردست یہودیون کے علما نے جو قیصر کی طرف سے بباعث اپنی دنیاداری کے کچھ عزت رکھتے تھے اسکو یہ کہہ کر دھمکایا کہ اگر تو اس شخص کو سزا نہین دے گا تو ہم قیصر کے حضور مین تیرے پر فریاد کرینگے تب وہ ڈر گیا کیونکہ بُزدل تھا اپنی ارادت پر قائم نہ رہ سکا۔ یہ خوف اس لئے اسکے دامن گیر ہوا کہ بعض معزز علماء یہود نے قیصر تک اپنی رسائی بنا رکھی تھی اور پوشیدہ طور پر حضرت عیسے کی نسبت یہ مخبری کرتے تھے کہ یہ مفسد اور در پردہ گورنمنٹ کا دشمن ہے اور اپنی ایک جمعیت بنا کر قیصر پر حملہ کرنا چاہتا ہے بظاہر یہ مشکلات بھی پیش تھین کہ اس سادہ اور غریب انسان کو قیصر اور اس کے حکام سے کچھ تعلق نہ تھا اور ریاکارون اور دنیا طلبیون کی طرح ان سے کچھ تعارف نہ تھا اور خدا پر بھروسہ رکھتا تھا اور اکثر علمائے یہود اپنی دنیاپرستی اور چال بازی اور خوشامدانہ وضع سے سلطنت مین دھنس گئے تھے وہ سلطنت کے درحقیقت دوست نہ تھے مگر معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت اس دھوکے مین ضرور آگئی تھی کہ وہ دوست ہین اس لئے ان کی خاطر سے ایک بے گناہ خدا کا نبی ہر ایک طرح سے ذلیل کیا گیا مگر وہ جو آسمان سے دیکھتا اور دلون کا مالک ہے وہ تمام شرارت پیشہ اس کی نظر سے محجوب نہ تھے۔ آخر انجام یہ ہوا کہ حضرت عیسے علیہ السلام کو صلیب پر چڑھا دئے جانے کے بعد خدا نے مرنے سے بچا لیا اور ان کی وہ دعا منظور کر لی جو انہون نے درد دل سے باغ مین کی تھی جیسا کہ لکھا ہے کہ جب مسیح کو یقین ہو گیا کہ یہ خبیث یہودی میری جان کے دشمن ہین اور مجھے نہین چھوڑتے تب وہ ایک باغ مین رات کے وقت جا کر زار زار رویا اور دعا کی کہ یا الٰہی اگر تو یہ پیالہ مجھ سے ٹال دے تو تجھ سے بعید نہین

تو جو چاہتا ہے کرتا ہے اس جگہ عربی انجیل میں یہ عبارت لکھی ہے **فبکٰی بدموع جاریۃ وعبرات متحدرۃ فسمع لتقواہ** یعنے یسوع مسیح اس قدر رویا کہ دعا کرتے کرتے اسکے منہ پر آنسو رواں ہوگئے اور وہ آنسو پانی کی طرح اس کے رخساروں پر بہنے لگے اور وہ سخت رویا اور سخت دردناک ہوا تب اس کے تقوے کی وجہ سے اس کی دعا سُنی گئی اور خدا کے فضل نے کچھ اسباب پیدا کر دئے کہ وہ صلیب سے زندہ اتارا گیا اور پھر پوشیدہ طور پر باغبانوں کی شکل بنا کر اس باغ سے جہاں وہ قبر میں رکھا گیا تھا باہر نکل آیا اور خدا کے حکم سے دوسرے ملک کی طرف چلا گیا اور ساتھ ہی اس کی ماں گئی جیسا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے **واوینٰھما الٰی ربوۃ ذات قرار ومعین** یعنی اس مصیبت کے بعد جو صلیب کی مصیبت تھی ہم نے مسیح اور اس کی ماں کو ایسے ملک میں پہنچا دیا جس کی زمین بہت اونچی تھی اور صاف پانی تھا اور بڑے آرام کی جگہ تھی اور احادیث میں آیا ہے کہ اس واقعہ کے بعد عیسے ابن مریم نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی اور پھر فوت ہو کر اپنے خدا کو جا ملا اور دوسرے عالم میں پہنچ کر یحییٰ کا ہم نشین ہوا کیونکہ اس کے واقعہ اور یحییٰ نبی کے واقعہ کو باہم مشابہت تھی اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ نیک انسان تھا اور نبی تھا مگر اسے خدا کہنا کفر ہے لاکھوں انسان دنیا میں ایسے گذر چکے ہیں اور آئندہ بھی ہوں گے خدا کسی کے برگزیدہ کرنے میں کبھی نہیں تھکا اور نہ تھکے گا (۶) چھٹی خصوصیت یہ ہے - کہ حضرت عیسے علیہ السلام قیصر روم کی عملداری کے ماتحت مبعوث ہوئے تھے (۷) ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ رومی سلطنت کو مذہب عیسوی سے مخالفت تھی مگر آخری نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب عیسائی قیصری قوم میں گھس گیا یہاں تک کہ کچھ مدت کے بعد خود قیصر روم عیسائی ہو گیا (۸) آٹھویں خصوصیت یہ ہے کہ یسوع مسیح کے وقت میں جس کو اہل اسلام عیسے کہتے ہیں ایک نیا ستارہ نکلا تھا (۹) نویں خصوصیت یہ ہے کہ جب اسکو صلیب پر چڑھایا گیا تو سورج کو گرہن لگا تھا (۱۰) دسویں خصوصیت یہ ہے کہ اسکو دکھ دینے کے بعد یہودیوں میں سخت طاعون پھیلی تھی (۱۱) گیارھویں خصوصیت یہ ہے کہ اس پر مذہبی تعصب سے مقدمہ بنایا گیا اور یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ وہ سلطنت روم کا مخالف اور بغاوت پر آمادہ ہے (۱۲) بارھویں خصوصیت یہ ہے کہ وہ صلیب پر چڑھایا گیا تو اسکے ساتھ ایک چور بھی صلیب پر لٹکایا گیا (۱۳) تیرھویں خصوصیت یہ ہے کہ جب وہ پیلاطوس کے سامنے سزائے موت کے لئے پیش گیا تو پیلاطوس نے کہا کہ میں اس کا کوئی گناہ نہیں پاتا (۱۴) چودھویں خصوصیت یہ کہ اگرچہ وہ باپ کے نہ ہونے کی وجہ سے بنی اسرائیل میں سے نہ تھا - مگر ان کے سلسلہ کا آخری پیغمبر تھا جو موسے کے بعد چودھویں صدی میں ظاہر ہوا (۱۵) پندرھویں خصوصیت یہ کہ یسوع بن مریم کے وقت میں جو قیصر تھا اسکے عہد میں بہت سی نئی باتیں رعایا کے آرام اور ان کے سفر و حضر کی سہولت

کے لئے مثل آئی تھیں۔ سڑکین بنائی گئی تھین اور سرائین تیار کی گئی تھین اور عدالت کے نئے طریقے وضع کئے گئے تھے جو انگریزی عدالت سے مشابہ تھے (۱۶) سولھوین خصوصیت مسیح مین یہ تھی کہ بن باپ پیدا ہونے مین آدم سے مشابہ تھے۔ یہ سولہ خصوصیتین ہین جو موسوی سلسلہ مین حضرت عیسے علیہ السلام مین رکھی گئی تھین۔ پھر جبکہ خدا تعالے نے موسوی سلسلہ کو ہلاک کر کے محمدی سلسلہ قائم کیا جیسا کہ نبیون کے صحیفون مین وعدہ دیا گیا تھا تو اس حکیم وعلیم نے چاہا کہ اس سلسلہ کے اول اور آخر دونون مین مشابہت تامہ پیدا کرے تو پہلے اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر مثیل موسے قرار دیا جیسا کہ آیت انا ارسلنا الیکم رسولاً شاہداً علیکم کما ارسلنا الے فرعون رسولا۔ سے ظاہر ہے حضرت موسے نے کافرون کے مقابل پر تلوار اٹھائی تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس وقت جبکہ مکہ سے نکالے گئے اور تعاقب کیا گیا مسلمانون کی حفاظت کے لئے تلوار اٹھائی ایسا ہی حضرت موسے کی نظر کے سامنے سخت دشمن ان کا جو فرعون تھا غرق کیا گیا اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے سخت دشمن آپ کا جو ابوجہل تھا ہلاک کیا گیا ایسا ہی اور بہت سی مشابہتین ہین جن کا ذکر کرنا موجب طول ہے یہ تو سلسلہ کے اول مین مشابہتین ہین مگر ضروری تھا کہ سلسلہ محمدیہ کے آخری خلیفہ مین بھی سلسلہ موسویہ کے آخری خلیفہ سے مشابہت ہو تا خدا تعالے کا یہ فرمانا کہ سلسلہ محمدیہ باعتبار امام سلسلہ اور خلفاء سلسلہ کے سلسلہ موسویہ سے مشابہ ہے ٹھیک ہو اور ہمیشہ مشابہت اول اور آخر مین دیکھی جاتی ہے اور درمیانی زمانہ جو ایک طویل مدت ہوتی ہے گنجایش نہین رکھتا کہ پوری پوری نظر سے اس کو جانچا جائے۔ مگر اول اور آخر کی مشابہت سے یہ قیاس پیدا ہو جاتا ہے کہ درمیان مین بھی ضرور مشابہت ہوگی گو نظر عقلی اس کی پوری پڑتال سے قاصر ہے اور ابھی ہم لکھ چکے ہین کہ حضرت عیسے علیہ السلام مین مذہبی پہلو کے رو سے سولہ خصوصیتین تھین جن کا اسلام کے آخری خلیفہ مین پایا جانا ضروری ہے تا اس مین اور حضرت عیسے مین مشابہت تامہ ثابت ہو۔ پس اول موعود ہونے کی خصوصیت ہے اسلام مین اگرچہ ہزارہا ولی اور اہل اللہ گذرے ہین مگر ان مین کوئی موعود نہ تھا لیکن وہ جو مسیح کے نام پر آنے والا تھا وہ موعود تھا۔ ایسا ہی حضرت عیسے علیہ السلام کے پہلے کوئی نبی موعود نہ تھا صرف مسیح موعود تھا۔ دوم خصوصیت سلطنت کے برباد ہو چکنے کی ہے پس اس مین کیا شک ہے کہ جیسا کہ حضرت عیسے بن مریم سے کچھ دن پہلے اس ملک سے اسرائیلی سلطنت جاتی رہی تھی ایسا ہی اس آخری مسیح کی پیدائش سے پہلے اسلامی سلطنت بباعث طرح طرح کی بدچلنیون کے ملک ہندوستان سے اٹھ گئی تھی اور انگریزی سلطنت اس کی جگہ قائم ہو گئی تھی

سوم خصوصیت جو پہلے مسیح مین پائی گئی وہ یہ ہی کہ اس کے وقت مین یہود لوگ بہت سے فرقون پر منقسم ہوگئے تھے اور بالطبع ایک حَکَم کے محتاج تھے تا ان مین فیصلہ کرے ایسا ہی آخری مسیح کے وقت مین مسلمانون مین کثرت سے فرقے پھیل گئے تھے **چہارم** خصوصیت جو پہلے مسیح مین تھی وہ یہ ہی کہ وہ جہاد کے لئے مامور نہ تھا ایسا ہی آخری مسیح جہاد کے لئے مامور نہین ہی اور کیونکہ مامور ہو زمانہ کی رفتار نے قوم کو متنبہ کردیا ہی کہ تلوار سے کوئی دل تسلی نہین پاسکتا اور اب مذہبی امور کے لئے کوئی مہذب تلوار نہین اٹھاتا اور اب زمانہ جس صورت پر واقع ہی خود شہادت دے رہا ہی کہ مسلمانون کے وہ فرقے جو مہدی خونی یا مسیح خونی کے منتظر ہین وہ سب غلطی پر ہین اور ان کے خیالات خدا تعالیٰ کی منشاء کے برخلاف ہین اور عقل بھی یہی گواہی دیتی ہی کیونکہ اگر خدا تعالیٰ کا یہ منشاء ہوتا کہ مسلمان دین کے لئے جنگ کرین تو موجودہ وضع کی لڑائیون کے لئے سب سے فائق مسلمان ہوتے وہی توپون کی ایجاد کرتے وہی نئی نئی بندوقون کے موجد ٹھہرتے اور انہین کو فنون حرب مین ہر یک پہلو سے کمال بخشا جاتا یہانتک کہ آیندہ زمانہ کے جنگون کے لئے انہین کو غبارہ بنانیکی سوجھتی اور وہی آب دوز کشتیان جو پانی کے اندر چوٹین کرتی ہین بناتے اور دنیا کو حیران کرتے حالانکہ ایسا نہین ہی بلکہ دن بدن عیسائی ان باتون مین ترقی کر رہے ہین اس سے ظاہر ہی کہ خدا تعالیٰ کا یہ منشاء نہین ہی کہ لڑائیون کے ذریعہ سے اسلام پھیلے ہان عیسائی مذہب دلائل کے رو سے دن بدن سست ہوتا جاتا ہے اور بڑے بڑے محقق تثلیث کے عقیدہ کو چھوڑتے جاتے ہین یہانتک کہ جرمن کے بادشاہ نے بھی اس عقیدہ کے ترک کی طرف اشارہ کردیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ محض دلائل کے ہتھیار سے عیسائی تثلیث کے عقیدہ کو زمین پر سے نابود کرنا چاہتا ہی۔ یہ قاعدہ ہی کہ جو پہلو ہونہار ہوتا ہے پہلے سے اسکے علامات شروع ہوجاتے ہین سو مسلمانون کے لئے آسمان سے حربی فتوحات کی کچھ علامات ظاہر نہین ہوئین البتہ مذہبی دلائل کی علامات ظاہر ہوئی ہین اور عیسائی مذہب خود بخود دلیگلتا جاتا ہے اور قریب ہے کہ جلد تر صفحۂ دنیا سے نابود ہو جائے **پنجم** خصوصیت جو پہلے مسیح مین تھی وہ یہ ہے کہ اسکے زمانہ مین یہودیون کا چالچلن بگڑ گیا تھا بالخصوص اکثر ان کے جو علماء کہلاتے تھے وہ سخت مکار اور دنیا پرست اور دنیا کے لالچون ہین اور دنیوی عزتون کی خواہشون مین غرق ہوگئے تھے ایسا ہی آخری مسیح کے وقت مین عام لوگون اور اکثر علماء اسلام کی حالت ہو رہی ہے مفصل لکھنے کی کچھ حاجت نہین **ششم** خصوصیت یعنے یہ کہ حضرت مسیح قیصر روم کے ماتحت مبعوث ہوئے تھے سو اس خصوصیت مین آخری مسیح کا بھی اشتراک ہی کیونکہ مین بھی قیصر کی عملداری کے ماتحت مبعوث ہوا ہون یہ قیصر اس قیصر سے بہتر ہی جو حضرت مسیح کے وقت مین تھا کیونکہ تاریخ مین لکھا ہی کہ جب قیصر روم کو خبر ہوئی کہ اسکے گورنر پیلاطوس نے حیلہ جوئی سے مسیح کو اس سزا سے بچا لیا ہی کہ وہ صلیب پر مارا جائے اور روپوش کرکے کسی طرف فراری کردیا ہی تو وہ بہت ناراض ہوا اور یہ ثابت شدہ امر ہی کہ یہ مخبری یہودیون کے مولویون نے ہی کی تھی کہ پیلاطوس نے ایک قیصر کے باغی کو مفرور کرادیا ہے تو اس مخبری

ایتھا

کے بعد فی الفور پیلاطوس قیصر کے حکم سے جیلخانہ میں ڈالا گیا اور آخری نتیجہ یہ ہوا کہ جیلخانہ میں ہی اس کا سر کاٹا گیا اور اس طرح پر پیلاطوس مسیح کی محبت میں شہید ہوا اس سے معلوم ہوا کہ اہل علم اور سلطنت اکثر دین سے محروم ہی جاتی ہیں۔ اُس نادان قیصر نے یہودیوں کے علماء کو بہت معتبر سمجھا اور ان کی عزت افزائی کی اور ان کی باتوں پر عمل کیا اور حضرت مسیح کے قتل کئے جانے کو مصلحت ملکی قرار دیا مگر جہانتک میرا خیال ہے اب زمانہ بہت بدل گیا ہے اس لئے ہمارا قیصر مراتب اس قیصر سے بہتر ہے جو ایسا جاہل اور ظالم تھا۔ **ہفتم** خصوصیت یہ کہ مذہب عیسائی آخر قیصری قوم میں گھس گیا سو اس خصوصیت میں بھی آخری مسیح کا اشتراک ہے کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ یورپ اور امریکہ میں میرے دعوے اور دلائل کو بڑی دلچسپی سے دیکھا جاتا ہے اور ان لوگوں نے خود بخود صدہا اخبار میں میرے دعوے اور دلائل کو شائع کیا ہے اور میری تائید اور تصدیق میں ایسے الفاظ لکھے ہیں کہ ایک عیسائی کے قلم سے ایسے الفاظ کا نکلنا مشکل ہے یہانتک کہ بعض نے صاف لفظوں میں لکھ دیا ہے کہ یہ شخص سچا معلوم ہوتا ہے اور بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ درحقیقت یسوع مسیح کو خدا بنانا ایک بھاری غلطی ہے اور بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس وقت مسیح موعود کا دعوے عین وقت پر ہے اور وقت خود ایک دلیل ہے۔ غرض ان کے ان تمام بیانات سے صاف ظاہر ہے کہ وہ میرے دعوے کے قبول کرنے کے لئے تیاری کر رہے ہیں اور ان ملکوں میں سے دن بدن عیسائی مذہب خود بخود برف کی طرح پگلتا جاتا ہے۔ **ہشتم** خصوصیت مسیح میں یہ تھی کہ اسکے وقت میں ایک ستارہ نکلا تھا اس خصوصیت میں بھی میں آخری مسیح بننے میں شریک کیا گیا ہوں کیونکہ وہی ستارہ جو مسیح کے وقت میں نکلا تھا دوبارہ میرے وقت میں نکلا ہے اس بات کی انگریزی اخباروں نے بھی تصدیق کی ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ مسیح کے ظہور کا وقت نزدیک ہے۔ **نہم** خصوصیت یسوع مسیح میں یہ تھی کہ جب اسکو صلیب پر چڑھایا گیا تو سورج کو گرہن لگا تھا سو اس واقعہ میں بھی خدا نے مجھے شریک کیا ہے۔ کیونکہ جب میری تکذیب کی گئی تو اس کے بعد نہ صرف سورج بلکہ چاند کو بھی ایک ہی مہینہ میں جو رمضان کا مہینہ تھا گرہن لگا تھا اور نہ ایک دفعہ بلکہ حدیث کے مطابق دو دفعہ یہ واقعہ ہوا ان دونوں گرہنوں کی انجیلوں میں بھی خبر دی گئی ہے اور قرآن شریف میں بھی یہ خبر ہے اور حدیثوں میں بھی جیسا کہ دارقطنی میں۔ **دہم** خصوصیت یہ ہے کہ یسوع مسیح کو دُکھ دینے کے بعد یہودیوں میں سخت طاعون پھیلی تھی سو میرے وقت میں بھی سخت طاعون پھیل گئی۔ **یازدہم** خصوصیت یسوع مسیح میں یہ تھی کہ یہودیوں کے علماء نے کوشش کی کہ وہ باغی قرار پا دے اور اس پر مقدمہ بنایا گیا اور زور لگایا گیا کہ اسکو سزائے موت دیجائے سو اس قسم کے مقدمہ میں بھی قضاء و قدر الٰہی نے مجھے شریک کر دیا ایک خون کا مقدمہ مجھ پر بنایا گیا اور اسی کے ضمن میں مجھے باغی بنانے کی کوشش کی گئی یہ وہی مقدمہ ہے جس میں فریق ثانی کی طرف سے مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی گواہ بن کر آئے تھے۔ **دوازدہم** خصوصیت یسوع مسیح میں یہ تھی کہ جب وہ

صلیب پر چڑھایا گیا تو اس کے ساتھ ایک چور بھی صلیب پر لٹکایا گیا تھا سو اس واقعہ مین بھی مین شریک کیا گیا ہون کیونکہ جس دن مجھ کو خون کے مقدمہ سے خدا تعالےٰ نے رہائی بخشی اور اس پیش گوئی کے موافق جو مین خدا تعالےٰ سے وحی یقینی پاکر صدہا لوگون مین شائع کر چکا تھا مجھ کو بری فرمایا اس دن میرے ساتھ ایک عیسائی چور بھی عدالت مین پیش کیا گیا تھا یہ چور عیسائیون کی مقدس جماعت یعنی فوج مین سے تھا جس نے کچھ روپیہ چرا لیا تھا اس چور کو صرف تین مہینہ کی سزا ملی پہلے مسیح کے رفیق چور کی طرح سزائے موت اسکو نہین ہوئی **سیزدہم** خصوصیت مسیح مین یہ بھی تھی کہ جب وہ پیلاطوس گورنر کے سامنے پیش کیا گیا اور سزائے موت کی درخواست کی گئی تو پیلاطوس نے کہا کہ مین اس کا کوئی گناہ نہین پاتا جس سے یہ سزا دون ایسا ہی کپتان ڈگلس صاحب ضلع مجسٹریٹ نے میرے ایک سوال کے جواب مین مجھ کو کہا کہ مین آپ پر کوئی الزام نہین لگاتا +

میرے خیال مین ہے کہ کپتان ڈگلس اپنی استقامت اور عادلانہ شجاعت مین پیلاطوس سے بہت بڑھ کر تھا کیونکہ پیلاطوس نے آخرکار بزدلی دکھائی اور یہودیون کے شریر مولویون سے ڈر گیا مگر ڈگلس ہرگز نہ ڈرا اس کو مولوی محمد حسین نے کرسی مانگ کر کہا کہ میرے پاس صاحب لفٹننٹ گورنر بہادر کی چٹھیان ہین مگر کپتان ڈگلس نے اس کی کچھ پروا نہ کی اور مین باوجودیکہ ملزم تھا مجھے کرسی دی اور اسکو کرسی کی درخواست پر جھڑک دیا اور کرسی نہ دی اگرچہ آسمان پر کرسی پانیوالے زمین کی کرسی کے محتاج نہین ہین مگر یہ نیک اخلاق اس ہمارے وقت کے پیلاطوس کے ہمیشہ مین اور ہماری جماعت کو یاد رہین گے اور دنیا کے اخیر تک اس کا نام عزت سے لیا جائے گا **چہاردہم** خصوصیت یسوع مسیح مین یہ تھی کہ وہ باپ کے نہ ہونے کی وجہ سے بنی اسرائیل مین سے نہ تھا مگر باینہمہ موسوی سلسلہ کا آخری پیغمبر تھا جو موسےٰ کے بعد چودھوین صدی مین پیدا ہوا ایسا ہی مین بھی خاندان قریش مین سے نہین ہون اور چودھوین صدی مین مبعوث ہوا ہون اور سب سے آخر ہون **پانزدہم** خصوصیت حضرت مسیح مین یہ تھی کہ ان کے عہد مین دنیا کی وضع جدید ہو گئی تھی۔ سڑکین ایجاد ہو گئی تھین ڈاک کا عمدہ انتظام ہو گیا تھا فوجی انتظام مین بہت صلاحیت پیدا ہو گئی تھی اور مسافرون کے آرام کے لئے بہت کچھ باتین ایجاد ہو گئی تھین اور پہلے کی نسبت قانون معدلت نہایت صاف ہو گیا تھا ایسا ہی میرے وقت مین دنیا کے آرام کے اسباب بہت ترقی کر گئے ہین یہان تک کہ ریل کی سواری پیدا ہو گئی جس کی خبر قرآن شریف مین پائی جاتی ہے باقی امور کو پڑھنے والا خود سمجھ لے۔ **شانزدہم** خصوصیت حضرت مسیح مین یہ تھی کہ بن باپ ہونے کی وجہ سے حضرت آدم سے وہ مشابہ تھے ایسا ہی مین بھی توام پیدا ہونے کی وجہ سے حضرت آدم سے مشابہ ہون اور اس قول کے مطابق جو حضرت محی الدین ابن عربی لکھتے ہین کہ خاتم الخلفاء صینی الاصل ہوگا یعنی مغلون مین سے اور وہ جوڑہ

یعنے توام پیدا ہوگا پہلے لڑکی نکلے گی بعد اس کے وہ پیدا ہوگا۔ ایک ہی وقت مین اسی طرح میری پیدایش ہوئی۔ کہ جمعہ کی صبح کو بطور توام مین پیدا ہوا اول لڑکی اور بعدہٗ مین پیدا ہوا نہ معلوم کہ یہ پیش گوئی کہان سے ابن عربی صاحب نے لی تھی جو پوری ہوگئی ان کی کتابون مین ابتک یہ پیش گوئی موجود ہے *

یہ سولہ مشابہتین ہین جو مجھ مین اور مسیح مین ہین اب ظاہر ہے کہ اگر یہ کاروبار انسان کا ہوتا تو مجھ مین اور مسیح ابن مریم مین اس قدر مشابہت ہرگز نہ ہوتی یون تو تکذیب کرنا قدیم سے ان لوگون کا کام ہی جن کے حصہ مین سعادت نہین مگر اس زمانہ کے مولویون کی تکذیب عجیب ہے مین وہ شخص ہون جو عین وقت پر ظاہر ہوا جس کے لئے آسمان پر رمضان کے مہینہ مین چاند اور سورج کو قرآن اور حدیث اور انجیل اور دوسرے نبیون کی خبرون کے مطابق گرہن لگا اور مین وہ شخص ہون جس کے زمانہ مین تمام نبیون کی خبر اور قرآن شریف کی خبر کے موافق اس ملک مین خارق عادت طور پر طاعون پھیل گئی۔ اور مین وہ شخص ہون جو حدیث صحیح کے مطابق اس کے زمانہ مین حج روکا گیا اور مین وہ شخص ہون جسکے عہد مین وہ ستارہ نکلا جو مسیح ابن مریم کے وقت مین نکلا تھا۔ اور مین وہ شخص ہون جسکے زمانہ مین اس ملک مین ریل جاری ہوکر اونٹ بیکار کئے گئے اور عنقریب وہ وقت آتا ہے بلکہ بہت نزدیک ہی جبکہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ریل جاری ہوکر وہ تمام اونٹ بیکار ہو جائینگے جو تیرہ سو برس سے یہ سفر مبارک کرتے تھے۔ تب اس وقت ان اونٹون کی نسبت وہ حدیث جو صحیح مسلم مین موجود ہی صادق آئے گی یعنے یہ کہ لَیُتْرَکَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا یُسْعٰی عَلَیْھَا یعنے مسیح کے وقت مین اونٹ بیکار کئے جائینگے اور کوئی ان پر سفر نہین کرے گا ایسا ہی مین وہ شخص ہون جس کے ہاتھ پر صدہا نشان ظاہر ہوئے کیا زمین پر کوئی ایسا انسان زندہ ہے کہ جو نشان نمائی مین میرا مقابلہ کر کے مجھ پر غالب آسکے مجھے اس خدا کی قسم جسکے ہاتھ مین میری جان ہی۔ کہ ابتک دو لاکھ سے زیادہ میرے ہاتھ پر نشان ظاہر ہو چکے ہین اور شاید دس ہزار کے قریب یا اس سے زیادہ لوگون نے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب مین دیکھا اور آپ نے میری تصدیق کی اور اس ملک مین جو بعض نامی اہل کشف تھے جن کا تین تین چار چار لاکھ مرید تھا انکو خواب مین دکھلایا گیا کہ یہ انسان خدا کی طرف سے ہی اور بعض ان مین سے ایسے تھے کہ میرے ظہور سے تیس برس پہلے دنیا سے گذر چکے تھے جیسا کہ ایک بزرگ گلاب شاہ نام ضلع لدہانہ مین تھا جس نے میان کریم بخش مرحوم ساکن جمال پور کو خبر دی تھی کہ عیسےٰ قادیان مین پیدا ہو گیا اور وہ لدہانہ مین آئیگا۔ میان کریم بخش ایک صالح موحد اور بڈہا آدمی تھا اس نے مجھ سے لدہانہ مین ملاقات کی اور یہ تمام پیش گوئی مجھے سنائی اس لئے مولویون نے اسکو بہت تکلیف دی مگر اس نے کچھ پروانہ کی اس نے مجھے کہا کہ گلاب شاہ مجھے کہتا تھا کہ عیسے بن مریم زندہ نہین وہ مرگیا ہے وہ دنیا مین واپس نہین آئیگا اس امت کے لئے مرزا غلام احمد عیسے ہی جسکو خدا کی قدرت

اور مصلحت نے پہلے عیسےٰ سے مشابہ بنایا ہے اور آسمان پر اسکا نام عیسے رکھا ہے اور فرمایا کہ اسے کریم بخش جب
وہ عیسے ظاہر ہوگا تو تو دیکھے گا کہ مولوی لوگ کس قدر اس کی مخالفت کرینگے وہ سخت مخالفت کرینگے لیکن نامراد
رہیں گے. وہ اس لئے دنیا مین ظاہر ہوگا کہ تا وہ جھوٹے حاشئے جو قرآن پر چڑہائے گئے ہین ان کو دور کرے اور قرآن
کا اصل چہرہ دنیا کو دکھادے. اس پیشگوئی مین اس بزرگ نے صاف طور پر یہ اشارہ کیا تھا کہ تو اس قدر عمر
پائے گا کہ اس عیسے کو دیکھ لے گا +

اب باوجود ان تمام شہادتون اور معجزات اور زبردست نشانون کے مولوی لوگ میری تکذیب کرتے
ہین اور ضرور تھا کہ ایسا ہی کرتے تا پیشگوئی آیت غیر المغضوب علیہم کی پوری ہوجاتی. یاد رہے کہ اصل جڑھ
اس مخالفت کی ایک حماقت ہے اور وہ یہ کہ مولوی لوگ یہ چاہتے ہین کہ جو کچھ ان کے پاس رطب و یابس کا ذخیرہ
ہے وہ سب علامتین مسیح موعود مین ثابت ہونی چاہئین اور ایسے مدعی مسیحیت یا مہدویت کو ہرگز نہین ماننا
چاہئے کہ ان کی تمام حدیثون مین سے کوایک حدیث اس پر صادق نہ آوے حالانکہ قدیم سے یہ امر غیر ممکن چلا
آیا ہے. یہود نے جو جو علامتین حضرت عیسےٰ کے لئے اپنی کتابون مین تراش رکھی تھین وہ پوری نہ ہوئین. پھر
انہین بدبخت لوگون نے ہمارے سید و مولے محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے جو جو علامتین تراشی تھین اور
مشہور کر رکھی تھین وہ بھی بہت ہی کم پوری ہوئین ان کا خیال تھا کہ یہ آخری نبی بنی اسرائیل سے ہوگا مگر آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم بنی اسماعیل مین پیدا ہوئے اگر خدا تعالےٰ چاہتا تو توریت مین لکھدیتا کہ اس نبی کا نام محمد صلے اللہ
علیہ وسلم ہوگا اور باپ کا نام عبد اللہ اور دادا کا نام عبد المطلب اور مکہ مین پیدا ہوگا اور مدینہ اس کی ہجرتگاہ
ہوگی مگر خدا تعالےٰ نے یہ نہ لکھا کیونکہ ایسی پیشگوئیون مین کچھ امتحان بھی منظور ہوتا ہے اصل حقیقت یہ ہے
کہ مسیح موعود کے لئے پہلے سے خبر دی گئی ہے کہ وہ اسلام کے مختلف فرقون کے لئے بطور حکم کے آئیگا اب ظاہر
ہے کہ ہر ایک فرقہ کی جدا جدا حدیثین ہین پس یہ کیونکر ممکن ہو کہ سب کے خیالات کی وہ تصدیق کرے اگر اہل حدیث
کی تصدیق کرے تو حنفی ناراض ہونگے اگر حنفیون کی تصدیق کرے تو شافعی بگڑ جائینگے اور شیعہ جدا یہ اصول
ٹھہرائینگے کہ ان کے عقیدہ کے موافق وہ ظاہر ہو اس صورت مین وہ کیونکر سب کو خوش کر سکتا ہے علاوہ اسکے
خود حکم کا لفظ چاہتا ہے کہ وہ ایسے وقت مین آئے گا کہ جب تمام فرقے کچھ نہ کچھ حق سے دور جا پڑینگے اس صورت
مین اپنی اپنی حدیثون کے ساتھ اس کو آزمانا سخت غلطی ہے بلکہ قاعدہ یہ چاہئے کہ جو نشان اور قرارداد ہ
علامتین اس کے وقت مین ظاہر ہو جائین ان سے فایدہ اٹھاوین اور باقی کو موضوع اور انسانی افترا سمجھین
یہی قاعدہ ان نیک بخت یہودیون نے برتا جو مسلمان ہو گئے تھے کیونکہ جو جو باتین مقرر کردہ احادیث یہود

دقوع مین آگیئن اور آنحضرت پر صادق آگیئن ان حدیثون کو انہون نے صحیح سمجھا اور جو پوری نہ ہوئین ان کو موضوع قرار دیا اگر ایسا نہ کیا جاتا تو پھر نہ حضرت عیسے کی نبوت یہودیون کے نزدیک ثابت ہو سکتی نہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جو لوگ مسلمان ہوئے تھے انہین یہود کی صدہا جھوٹی حدیثون کو چھوڑنا پڑا جب انہون نے دیکھا کہ ایک طرف بعض علامات قرار دادہ پوری ہوگیئن اور ایک تائیدات الٰہیہ کا خدا کے رسول مین ایک دریا جاری ہے۔ تو انہون نے ان حدیثون سے فائدہ اٹھایا جو پوری ہوگیئن اگر ایسا نہ کرتے تو ایک شخص بھی ان مین سے مسلمان نہ ہو سکتا

یہ تمام وہ باتین ہین کہ کئی دفعہ اور کئی پیرایون مین مین نے مولوی عبد اللطیف صاحب کو سنائی تھین اور تعجب کہ انہون نے میرے پاس بیان کیا کہ یہ باتین پہلے سے میرے علم مین ہین اور بہت سے ایسے عجیب دلائل حضرت مسیح کی وفات اور اس بات پر سنائے کہ اسی زمانہ مین اور اسی امت سے مسیح موعود ہونا چاہیئے جس سے مجھے بہت تعجب ہوا اور اسوقت شعر حسن زبصرہ بلال ازحبش یاد آیا۔ اور اکثر ان کا استدلال قرآن شریف سے تھا اور وہ بار بار کہتے تھے کہ کیسے نادان وہ لوگ ہین جن کا خیال ہے کہ مسیح موعود کی پیشگوئی صرف حدیثون مین ہے حالانکہ جس قدر قرآن شریف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عیسے فوت ہوگیا اور مسیح موعود اسی امت مین سے آنے والا ہے اس قدر ثبوت حدیثون سے نہین ملتا غرض خدا تعالے نے ان کے دل کو حق الیقین سے پر کر دیا تھا اور وہ پوری معرفت سے اس طرح پر مجھے شناخت کرتے تھے جس طرح درحقیقت ایک شخص کو آسمان سے اترتا مع فرشتون کے دیکھا جاتا ہے اسوقت سے مجھے یہ خیال آیا ہے کہ حدیثون مین جو مسیح موعود کے نزول کا ذکر ہے اگرچہ یہ لفظ اکرام اور اعزاز کے لئے محاورہ عرب مین آتا ہے جیسا کہ کہتے ہین کہ فلان لشکر فلان جگہ اترا ہے اور جیسا کہ کسی شہر کے نووارد کو کہا جاتا ہے کہ آپ کہان اترے ہین اور جیسا کہ قرآن شریف مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت اللہ تعالے فرماتا ہے کہ مین نے ہی اس رسول کو اتارا ہے اور جیسا کہ انجیل مین آیا ہے کہ عیسے اور یحیٰی آسمان سے اترے لیکن با این ہمہ یہ نزول کا لفظ اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ اس قدر اس مسیح کی سچائی پر دلائل جمع ہو جائینگے کہ اہل فراست کو اسکے مسیح موعود ہونے مین یقین تام ہو جائیگا گویا وہ ان کے روبرو آسمان سے ہی اترا ہے چنانچہ ایسے یقین کامل کا نمونہ شہزادہ مولوی عبد اللطیف شہید نے دکھا دیا جان دینے سے بڑھ کر کوئی امر نہین اور ایسی استقامت سے جان دینا صاف بتلا رہا ہے کہ انہون نے مجھے آسمان سے اترتے دیکھ لیا اور دوسرے لوگون کے لئے بھی یہ امر صاف ہے کہ میرے دعوے کے تمام پہلو آفتاب کی طرح چمک رہے ہین اول قرآن شریف نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ عیسے بن مریم فوت ہوگیا ہے اور پھر دنیا مین نہین آئیگا اور اگر بفرض محال قرآن کریم کے مخالف ایک لاکھ حدیث بھی ہو وہ سب باطل اور جھوٹے اور کسی باطل پرست کی بناوٹ ہے حق وہی ہے جو قرآن نے فرمایا اور حدیثین وہ ماننے کے لایق ہین

جو اپنے قصوں مین قرآن کے بیان کردہ قصوں سے مخالف نہین پھر بعد اسکے یہ فیصلہ بھی قرآن شریف نے ہی سورۃ نور مین لفظ منکم کے ساتھ ہی کر دیا ہے کہ اس دین کے تمام خلیفے اسی امت مین سے پیدا ہونگے اور وہ خلفاء سلسلہ موسوی کے مثیل ہونگے اور صرف ایک ان مین سے سلسلہ کے آخر مین موعود ہوگا جو عیسے بن مریم کے مشابہ ہوگا باقی موعود نہین ہونگے یعنی نام لیکر انکے لئے کوئی پیش گوئی نہین ہوگی اور یہ منکم کا لفظ بخاری مین بھی موجود ہے اور مسلم مین بھی ہے جسکے یہی معنی ہین۔ کہ وہ مسیح موعود اسی امت مین سے پیدا ہوگا پس اگر ایک غور کرنے والا اس جگہ پورا غور کرے اور طریق خیانت اختیار نہ کرے تو اسکو ان تین منکم کے لفظوں پر نظر ڈالنے سے یقین ہو جائیگا کہ یہ امر قطعی فیصلہ تک پہنچ چکا ہے کہ مسیح موعود اسی امت مین سے پیدا ہوگا۔ اب رہا میرا دعوے سو میرے دعوے کے ساتھ اس قدر دلائل ہین کہ کوئی انسان اگر حیا نہ ہو تو اسکے لئے اسکے سوا چارہ نہین ہے کہ میرے دعوے کو اسی طرح مان لے جیسا کہ اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو مانا ہے کیا یہ دلائل میرے دعوے کے ثبوت کیلئے کم ہین کہ میری نسبت قرآن کریم نے اسقدر پورے پورے قرائن اور علامات کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ ایک طور سے میرا نام بتلا دیا ہے اور حدیثون مین کدعہ کے لفظ سے میرے گاؤن کا نام موجود ہے اور حدیثون سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مسیح موعود کی تیرھوین صدی مین پیدائش ہوگی اور چودھوین صدی مین اسکا ظہور ہوگا اور صحیح بخاری مین میرا تمام حُلیہ لکھا ہے اور پہلے مسیح کی نسبت جو میرے حُلیہ مین فرق ہے وہ ظاہر کر دیا ہے اور ایک حدیث مین صریح یہ اشارہ ہے کہ وہ مسیح موعود ہند مین ہوگا کیونکہ دجال کا بڑا مرکز مشرق یعنی ہند قرار دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ مسیح موعود دمشق سے مشرق کی طرف ظاہر ہوگا سو قادیان دمشق سے مشرق کیطرف ہے اور پھر دعوے کے وقت مین اور لوگون کی تکذیب کے دنون مین آسمان پر رمضان کے مہینہ مین کسوف خسوف ہونا۔ زمین پر طاعون کا پھیلنا حدیث اور قرآن کے مطابق ریل کی سواری پیدا ہو جانا۔ اونٹ بیکار ہو جانے حج رک جانا صلیب کے غلبہ کا وقت ہونا میرے ہاتھ پر صدہا نشانون کا ظاہر ہونا نبیونکے مقرر کردہ وقت مسیح موعود کیلئے یہی وقت ہونا صدی کے سر پر میرا مبعوث ہونا۔ ہزارہا نیک لوگون کا میری تصدیق کے لئے خوابین دیکھنا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف کا یہ فرمانا کہ وہ مسیح موعود میری امت مین سے پیدا ہوگا اور خدا تعالی کی تائیدات کا میرے شامل حال ہونا اور ہزارہا لوگون کا دو لاکھ کے قریب میرے ہاتھ پر بیعت کر کے راستبازی اور پاکدلی اختیار کرنا اور میرے وقت مین عیسائی مذہب مین ایک عام تزلزل پڑنا یہانتک کہ تثلیث کی طلسم کا برف کیطرح گداز ہونا شروع ہو جانا اور میرے وقت مین مسلمانون کا بہت سے فرقون پر منقسم ہو کر تنزل کی حالت مین ہونا اور طرح طرح کی بدعات اور شرک اور میخواری اور حرامکاری اور خیانت اور دروغگوئی دنیا مین شائع ہو کر ایک عام تغیر دنیا مین پیدا ہو جانا اور ہر ایک پہلو سے انقلاب عظیم اس عالم مین پیدا ہو جانا اور ہر ایک دانشمند کی شہادت سے

دنیا کا ایک مصلح کا محتاج ہونا اور میرے مقابلہ سے خواہ وہ اعجازی کلام مین اور خواہ آسمانی نشانون مین تمام لوگون کا عاجز آجانا اور میری تائید مین خدا تعالیٰ کی لاکھون پیشگوئیان پوری ہونا یہ تمام نشان اور علامات اور قرائن ایک خدا ترس کے لیئے میرے قبول کرنیکے لیئے کافی ہین بعض جاہل اس جگہ اعتراض کرتے ہین کہ بعض پیش گوئیان پوری نہین ہوئین جیسا کہ آتھم کے مرنے کی اور احمد بیگ کے داماد کی پیش گوئی مگر ان کو خدا تعالےٰ سے شرم کرنی چاہیئے کیونکہ جس حالت مین کئی لاکھ پیش گوئی روز روشن کی طرح پوری ہو چکی ہے اور دن بدن نئے نئے نشان ظاہر ہوتے جاتے ہین تو اس صورت مین اگر ایک دو پیش گوئیان ان کی سمجھ مین نہین آئین تو یہ ان کی سراسر شقاوت ہے کہ باعث اس بدفہمی کے جس مین خود ان کا قصور ہے خدا تعالےٰ کے ہزارہا نشانون اور دلیلون اور معجزات سے انکار کر دین اور اگر اسی طرح پر انکار ہو سکتا ہے تو پھر ہمین کسی پیغمبر کا پتہ تبلا دین جس کی بعض پیش گوئیون کے پورا ہونے کی نسبت انکار نہین کیا گیا چنانچہ ملاکی نبی کی پیش گوئی اپنے ظاہری معنون کے رو سے ابتک پوری نہین ہوئی کہان الیاس نبی دنیا مین آیا جسکا یہود کو آج تک انتظار ہے حالانکہ مسیح آچکا ہے جس سے پہلے اُسکا آنا ضروری تھا کہان یہ پیش گوئی مسیح کی پوری ہوئی کہ اس زمانہ کے لوگ ابھی زندہ ہی ہونگے کہ مین واپس آجاؤنگا کہان یہ پیش گوئی پوری ہوئی کہ پطرس کے ہاتھ مین آسمان کی کنجیان ہین کہان اس کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی کہ وہ داؤد کا تخت قائم کرے گا اور کب یہ پیشگوئی ظہور مین آئی کہ اسکے بارہ حواری بارہ تختون پر بیٹھینگے کیونکہ یہودا اسکریوطی مرتد ہو گیا اور جہنم مین جا پڑا اور اس کی بجائے جسکے لئے تخت کا وعدہ تھا ایک نیا حواری تراشا گیا جو مسیح کے وہم و گمان مین بھی نہ تھا ایسا ہی حدیثون مین لکھا ہے چنانچہ دُرِّ منثور مین بھی ہے کہ یونس نبی نے یہ پیش گوئی قطعی طور پر بغیر کسی شرط کے کی تھی کہ نینوہ کے رہنے والون پر چالیس دن کے اندر عذاب نازل ہوگا جو ان کو اس میعاد کے اندر ہلاک کر دیگا مگر کوئی عذاب نازل نہ ہوا اور نہ وہ ہلاک ہوئے آخر یونس کو شرمندہ ہو کر اس جگہ سے بھاگنا پڑا یہ پیش گوئی بائبل مین یونہ نبی کی کتاب مین بھی موجود ہے جس کو عیسائی خدا تعالےٰ کی طرف سے سمجھتے ہین پھر باوجود ان سب باتون کے مسلمان ان پیغمبرون پر ایمان بھی لاتے ہین اور ان چند اعتراضات کی کچھ پروا نہین کرتے اور وہ دو پیشگوئیان مذکورہ بالا جن کی نسبت ان کا اعتراض ہے یعنی آتھم کے متعلق اور احمد بیگ کے داماد کے متعلق ان کی نسبت ہم بارہا لکھ چکے ہین کہ آتھم کی موت کی پیشگوئی تمام تر صفائی سے پوری ہو گئی اب تلاش کرو آتھم کہان ہے کیا وہ زندہ ہے یا مر گیا پیشگوئی کا ماحصل یہ تھا کہ ہم دونون فریق مین سے جو جھوٹا ہے وہ سچے سے پہلے مریگا سو مدت ہوئی کہ آتھم مر گیا اور یہ فقرہ جو اس پیش گوئی مین موجود تھا کہ آتھم پندرہ مہینہ کے اندر مرے گا اس کے ساتھ یہ شرط بھی شایع کی گئی تھی

کہ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے مگر آتھم نے اُسی مجلس بحث مین اپنی بے ادبی سے رجوع کر لیا تھا کیونکہ جب مین نے اسکو کہا کہ یہ پیشگوئی اس لئے کی گئی ہے کہ تم نے آنحضرت صلعم کو اپنی کتاب مین دجال لکھا ہے تو سنتے ہی اسکا چہرہ زرد ہو گیا اور نہایت تضرع سے اس نے اپنی زبان منہ سے باہر نکالی اور دونون ہاتھ کانون پر رکھ لئے اور کہا کہ مین نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان مین ہرگز ایسا نہین کہا اور بڑی عاجزی اور تضرع ظاہر کی اسوقت ساٹھ سے زیادہ مسلمان اور عیسائی وغیرہ موجود تھے کیا یہ ایسا لفظ نہین تھا جس کو شوخی اور بے ادبی سے رجوع سمجھا جائے اور پھر وہ پندرہ مہینہ تک مخالفت سے بالکل چپ رہا اور اکثر گریہ و بکا مین رہا اور اپنی حالت اس نے بالکل بدل لی پس ایک نیک دل ایماندار کے لئے یہ کافی ہے کہ اس نے پندرہ مہینہ کے اندر کسی حد تک اپنی تبدیلی کر لی تھی اور چونکہ اُس نے خدا تعالے سے خوف کھا کر نرمی اور تضرع اختیار کیا اور قطعاً شوخی اور گستاخی چھوڑ دی بلکہ امرتسر مین جو ایسے لوگون کی صحبت سے میسر تھی اس صحبت کو ترک کرکے اور وہ مکان چھوڑ کر دوسرے شہر مین جا کر مقیم ہو گیا پس ضرور تھا کہ وہ اسقدر خوف سے فائدہ اٹھاتا پس اگرچہ اس بات سے محفوظ نہ رہا کہ میرے پہلے بہت جلد انہین دنون مین مر گیا مگر کسی قدر شرط کے پورا کرنے سے فائدہ اٹھا لیا۔ اس کے مقابل لیکھرام تھا جس نے پیشگوئی کی میعاد مین کوئی تضرع اور خوف ظاہر نہ کیا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ گستاخ ہو گیا۔ دن اور کوچون اور شہرون اور دیہات مین توہین اسلام کرنے لگا تب وہ میعاد کے اندر ہی اپنی اس بداعمالی کی وجہ سے پکڑا گیا اور وہ زبان اس کی جو گالی اور بدزبانی مین چھری کی طرح چلتی تھی اسی چھری نے اسکا کام تمام کر دیا +

رہا احمد بیگ کا داماد پس ہر ایک شخص کو معلوم ہے کہ یہ پیشگوئی دو شخصون کی نسبت تھی ایک احمد بیگ کی نسبت اور دوسری اسکے داماد کی نسبت سو ایک حصہ اس پیش گوئی کا میعاد کے اندر ہی پورا ہو گیا یعنی احمد بیگ میعاد کے اندر مر گیا اور اس طرح پر ایک ٹانگ پیشگوئی کی پوری ہو گئی اب دوسری ٹانگ جو باقی ہے اس کی نسبت جو اعتراض ہے افسوس کہ وہ **دیانت** کے ساتھ پیش نہین کیا جاتا اور آج تک کسی معترض کے منہ سے مین نے یہ نہین سنا کہ وہ اس طرح پر اعتراض کرے کہ اگرچہ اس پیش گوئی کا ایک حصہ پورا ہو چکا ہے اور بصدق دل اعتراف کرتے ہین کہ وہ پورا ہوا مگر دوسرا حصہ ابتک پورا نہین ہوا بلکہ یہودیون کی طرح پورا ہونے والا حصہ بالکل مخفی رکھ کر اعتراض کرتے ہین کیا ایسا شیوہ ایمان اور حیا اور راستبازی کے مطابق ہے؟ اب قطع نظر ان کی خائنانہ طرز گفتگو کے جواب یہ ہے کہ یہ پیشگوئی بھی آتھم کی پیش گوئی کی طرح مشروط بشرط ہے یعنے یہ لکھا گیا تھا کہ اس شرط سے وہ میعاد کے اندر پوری ہوگی کہ ان دونون مین سے کوئی شخص خوف اور خشیت ظاہر نہ کرے سو احمد بیگ کو یہ خوفناک علامت پیش نہ آئی اور وہ پیشگوئی کو خلاف واقعہ سمجھتا رہا مگر احمد بیگ کے داماد اور اسکے عزیزون کو یہ

یہ خوفناک حالت پیش آگئی کیونکہ احمد بیگ کی موت نے ان کے دلون پر ایک لرزہ ڈال دیا جیسا کہ انسانی فطرت
مین داخل ہو کہ سخت سے سخت انسان نمونہ دیکھنے کے بعد ضرور ہراسان ہو جاتا ہے سو ضرور تھا کہ اسکو بھی مہلت
دیجاتی سو یہ تمام اعتراضات جہالت اور نابینائی اور تعصب کیوجہ سے ہین نہ دیانت اور حق طلبی کی وجہ سے
جس شخص کے ہاتھ سے ابتک دس لاکھ سے زیادہ نشان ظاہر ہو چکے ہین اور ہو رہے ہین کیا اگر ایک یا دو
پیش گوئیان اس کی کسی جاہل اور بدفہم اور غبی کو سمجھ مین نہ آوین تو اس سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہین کہ وہ تمام
پیش گوئیان صحیح نہین ہین یہ بات جتنی وعدہ سے لکھتا ہون کہ اگر کوئی مخالف خواہ عیسائی ہو خواہ گفتن مسلمان
میری پیش گوئیون کے مقابل پر اس شخص کی پیش گوئیون کو جسکا آسمان سے اترنا خیال کرتے ہین صفائی اور
یقین اور بداہت کے مرتبہ پر زیادہ ثابت کر سکے تو مین اسکو نقد ایک ہزار روپیہ دینے کو تیار ہون مگر ثابت
کرنے کا یہ طریق نہین ہوگا کہ وہ قرآن شریف کو پیش کرے کہ قرآن کریم نے حضرت عیسے علیہ السلام کو نبی مان لیا
ہے اور یا اسکو نبی قرار دیدیا ہے کیونکہ اس طرح پر تو مین بھی زور سے دعوے کرتا ہون کہ قرآن شریف میری سچائی
کا بھی گواہ ہے تمام قرآن شریف مین کہین یسوع کا لفظ نہین ہے مگر میری نسبت **منکم** کا لفظ موجود ہے اور
دوسرے بہت سے علامات موجود ہین بلکہ اس جگہ میرا صرف یہ مطلب ہے کہ قرآن شریف سے قطع نظر کر کے محض میری
پیشگوئیون اور یسوع کی پیش گوئیون پر عدالتون کی عام تحقیق کے رنگ مین نظر ڈالی جائے اور دیکھا جائے کہ ان
دونون مین سے کونسی پیش گوئیان یا اکثر حصہ ان کا بحکم عقل کمال صفائی سے پورا ہو گیا اور کونسا اس درجہ پر نہین
یعنی یہ تحقیقات اور مقابلہ ایسے طور سے ہونا چاہئے کہ اگر کوئی شخص قرآن شریف سے منکر ہو تو وہ بھی رائے ظاہر
کر سکے کہ ثبوت کا پہلو کس طرف ہے*

ماسوا اس کے اس جگہ مجھے افسوس آتا ہے کہ ہمارے مخالف مسلمان تو کہلاتے ہین لیکن اسلام کے اصول
سے بیخبر ہین اسلام مین یہ مسلم امر ہے کہ جو پیش گوئی وعید کے متعلق ہو اس کی نسبت ضروری نہین کہ خدا اسکو
پورا کرے یعنی جس پیش گوئی کا یہ مضمون ہو کہ کسی شخص یا گروہ پر کوئی بلا پڑے گی اس مین یہی ممکن ہو کہ خدا تعالے
اس بلا کو ٹالدے جیسا کہ یونس کی پیش گوئی کو جو چالیس دن تک محدود تھی ٹال دیا لیکن جس پیشگوئی مین وعدہ ہو
یعنی کسی انعام اکرام کی نسبت پیشگوئی ہو وہ کسی طرح ٹل نہین سکتی خدا تعالے نے یہ فرمایا ہے کہ **ان اللہ
لا یخلف المیعاد** مگر کسی جگہ یہ نہین فرمایا کہ **ان اللہ لا یخلف الوعید** پس اس مین راز یہی ہو کہ وعید
کی پیش گوئی خوف اور دعا اور صدقہ خیرات سے ٹل سکتی ہو تمام پیغمبرون کا اس پر اتفاق ہو کہ صدقہ اور دعا اور خوف
اور خشوع سے وہ بلا جو خدا کے علم مین ہو جو کسی شخص پر آئے گی وہ رد ہو سکتی ہو اب سوچ لو کہ ہر ایک بلا جو خدا کے

علم مین ہے اگر کسی نبی یا ولی کو اس کی اطلاع دیجائے تو اس کا نام اس وقت پیش گوئی ہوگا جب وہ نبی یا ولی دوسروں کو اس بلا سے اطلاع دے اور یہ ثابت شدہ بات ہے کہ بلا ٹل سکتی ہے پس ضرورتاً یہ نتیجہ نکلا کہ ایسی پیش گوئی کے ظہور مین تاخیر ہوسکتی ہے جو کسی بلا کی پیش خبری کرے۔

پھر ہم اپنے پہلے کلام کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہین کہ مولوی صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب جب قادیان مین آئے تو صرف انکو یہی فائدہ نہ ہوا کہ انہون نے مفصل طور پر میرے دعوے کے دلائل سنے بلکہ ان چند مہینون کے عرصہ مین جو وہ قادیان مین میرے پاس رہے اور ایک سفر جہلم تک بھی میرے ساتھ کیا بعض آسمانی نشان بھی میری تائید مین انہون نے مشاہدہ کئے ان تمام براہین اور انوار اور خوارق کے دیکھنے کی وجہ سے وہ فوق العادت یقین سے بھر گئے اور طاقت بالا اُن کو کھینچ کر لے گئی۔ مین نے ایک موقعہ پر ایک اعتراض کا جواب بھی انکو سمجھایا تھا جس سے وہ بہت خوش ہوئے تھے اور وہ یہ کہ جس حالت مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسےٰ ہین اور آپ کے خلفاء مثیل انبیاء بنی اسرائیل ہین تو پھر کیا وجہ کہ مسیح موعود کا نام احادیث مین نبی کر کے پکارا گیا ہے مگر دوسرے تمام خلفاء کو یہ نام نہین دیا گیا۔ سو مین نے ان کو یہ جواب دیا کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء تھے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہین تھا۔ اس لئے اگر تمام خلفاء کو نبی کے نام سے پکارا جاتا تو امر ختم نبوت مشتبہ ہو جاتا اور اگر کسی ایک فرد کو بھی نبی کے نام سے نہ پکارا جاتا تو عدم مشابہت کا اعتراض باقی رہ جاتا کیونکہ موسےٰ کے خلفاء نبی ہین اس لئے حکمت الٰہی نے یہ تقاضا کیا۔ کہ پہلے بہت سے خلفاء کو برعایت ختم نبوت بھیجا جائے اور ان کا نام نبی نہ رکھا جائے اور یہ مرتبہ انکو نہ دیا جائے تا ختم نبوت پر نشان ہو۔ پھر آخری خلیفہ یعنی مسیح موعود کو نبی کے نام سے پکارا جائے تا خلافت کے امر مین دونون سلسلون کی مشابہت ثابت ہو جائے اور ہم کئی دفعہ بیان کر چکے ہین کہ مسیح موعود کی نبوت ظلی طور پر ہے کیونکہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بروز کامل ہونے کی وجہ سے نفس نبی سے مستفیض ہو کر نبی کہلانے کا مستحق ہو گیا ہے۔ جیسا کہ ایک وحی مین خدا تعالےٰ نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔ **یا احمد جُعلتَ مُرسلا**۔ اے احمد تو مرسل بنایا گیا یعنی جیسیکہ تو بروزی رنگ مین احمد کے نام کا مستحق ہوا۔ حالانکہ تیرا نام **غلام احمد** تھا سو اسی طرح بروز کے رنگ مین نبی کے نام کا مستحق ہے کیونکہ احمد نبی ہے۔ نبوت اس سے منفک نہین ہوسکتی اور ایک دفعہ یہ ذکر آیا کہ احادیث مین ہے کہ مسیح موعود دو زرد رنگ چادرون مین اُتریگا۔ ایک چادر بدن کے اوپر کے حصہ مین ہوگی اور دوسری چادر بدن کے نیچے کے حصہ مین۔ سو مین نے کہا کہ یہ اس طرف اشارہ تھا کہ مسیح موعود دو بیماریون کے ساتھ ظاہر ہوگا کیونکہ تعبیر کے علم مین زرد کپڑے سے مراد بیماری ہے۔ اور وہ دونون بیماریان مجھ مین ہین یعنی ایک سر کی بیماری اور دوسری کثرت پیشاب اور دستون کی بیماری ابھی وہ اسی جگہ تھے کہ بہت سے یقین اور بھاری تبدیلی کی وجہ سے ان پر الہام

اور وحی کا دروازہ کھولا گیا۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے کھلے لفظوں مین میری تصدیق کے بارہ مین انہون نے شہادتین پائین جن کی وجہ سے آخرکار انہون نے اس شہادت کا شربت اپنے لئے منظور کیا جسکے مفصل لکھنے کے لئے اب وقت آگیا ہے یقیناً یاد رکھو کہ جس طرز سے انہون نے میری تصدیق کی راہ مین مرنا قبول کیا اس قسم کی موت اسلام کے تیرہ سو برس کے سلسلہ مین بجز نمونہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اور کسی جگہ نہین پاؤ گے بس بلاشبہ اس طرح الکامرنا اور میری تصدیق مین نقد جان خدا تعالیٰ کے حوالہ کرنا یہ میری سچائی پر ایک عظیم الشان نشان ہے مگر انکے لئے جو سمجھ رکھتے ہین انسان شک و شبہ کی حالتین کب چاہتا ہے کہ اپنی جان دیدے۔ اور اپنی بیوی اور اپنے بچون کو تباہی مین ڈالے۔ پھر عجیب تر یہ کہ یہ بزرگ معمولی انسان نہین تھا بلکہ ریاست کابل مین کئی لاکھ کی ان کی اپنی جاگیر تھی اور انگریزی عملداری مین بھی بہت سی زمین تھی۔ اور طاقت علمی اس درجہ تک تھی کہ ریاست نے تمام مولویون کا انکو سردار قرار دیا تھا وہ سب سے زیادہ عالم علم قرآن اور حدیث اور فقہ مین سمجھے جاتے تھے اور نئے امیر کی دستاربندی کی رسم بھی انہین کے ہاتھ سے ہوتی تھی اور اگر امیر فوت ہو جائے تو اسکے جنازہ پڑھنے کے لئے بھی وہی مقرر تھے۔ یہ وہ باتین ہین جو ہمین معتبر ذریعہ سے پہنچی ہین اور ان کی خاص زبان سے مین نے سنا تھا کہ ریاست کابل مین پچاس ہزار کے قریب ان کے معتقد اور ارادتمند ہین جن مین سے بعض ارکان ریاست بھی تھے۔ غرض یہ بزرگ ملک کابل مین ایک فرد تھا۔ اور کیا علم کے لحاظ سے اور کیا تقویٰ کے لحاظ سے اور کیا جاہ اور مرتبہ کے لحاظ سے اور کیا خاندان کے لحاظ سے اس ملک مین اپنی نظیر نہین رکھتا تھا۔ اور علاوہ مولوی کے خطاب کے صاحبزادہ اور اخون زادہ اور شاہزادہ کے لقب سے اس ملک مین مشہور تھے۔ اور شہید مرحوم ایک بڑا کتبخانہ حدیث اور تفسیر اور فقہ اور تاریخ کا اپنے پاس رکھتے تھے اور نئی کتابون کے خریدنے کے لئے ہمیشہ حریص تھے اور ہمیشہ درس تدریس کا شغل جاری تھا۔ اور صدہا آدمی ان کی شاگردی کا فخر حاصل کر کے مولویت کا خطاب پاتے تھے لیکن باینہمہ کمال یہ تھا کہ بےنفسی اور انکسار مین اس مرتبہ تک پہنچ گئے تھے کہ جب تک انسان فنافی اللہ نہ ہو یہ مرتبہ نہین پا سکتا۔ ہر ایک شخص کسی قدر شہرت اور علم سے محجوب ہو جاتا ہے اور اپنے تئین کچھ چیز سمجھنے لگتا ہے اور وہی علم اور شہرت حق طلبی سے اسکو مانع ہو جاتی ہے مگر یہ شخص ایسا بےنفس تھا کہ باوجودیکہ ایک مجموعہ فضائل کا جامع تھا مگر تب بھی کسی حقیقت حقہ کے قبول کرنے سے اسکو اپنی علمی اور عملی اور خاندانی وجاہت مانع نہین ہو سکتی تھی اور آخر سچائی پر اپنی جان قربان کی۔ اور ہماری جماعت کے لئے ایک ایسا نمونہ چھوڑ گیا جس کی پابندی اصل منشاء خدا کا ہے۔ اب ہم ذیل مین اس بزرگ کی شہادت کے واقعہ کو لکھتے ہین کہ کس دردناک طریق سے وہ قتل کیا گیا اور اس راہ مین کیا استقامت اس نے دکھلائی کہ بجز کامل قوت ایمانی کے اس دارالغرور مین کوئی نہین دکھلا سکتا اور بالآخر ہم یہ بھی لکھینگے کہ ضرور تھا کہ ایسا ہی ہوتا کیونکہ آج سے تئیس برس پہلے ان کی شہادت اور ان کے ایک شاگرد

کی شہادت کی نسبت خدا تعالے نے مجھے خبر دی تھی جس کو اسی زمانہ میں مین نے اپنی کتاب براہین احمدیہ مین شائع کیا تھا۔ سو اس بزرگ مرحوم نے نہ فقط وہ نشان دکھلایا جو کامل استقامت کے رنگ مین اس سے ظہور مین آیا بلکہ یہ دوسرا نشان بھی اسکے ذریعہ سے ظاہر ہو گیا جو ایک مدت دراز کی پیش گوئی اس کی شہادت سے پوری ہو گئی جیسا کہ ہم انشاء اللہ اخیر مین اس پیش گوئی کو درج کرین گے ✤

واضح ہے کہ براہین احمدیہ کی پیشگوئی مین دو شہادتون کا ذکر ہے اور پہلی شہادت میان عبد الرحمن مولوی صاحب موصوف کے شاگرد کی تھی جس کی تکمیل امیر عبد الرحمن یعنی اس امیر کے باپ سے ہوئی اسلئے ہم بلحاظ ترتیب زمانی پہلے میان عبد الرحمن مرحوم کی شہادت کا ذکر کرتے ہین ✤

بیان شہادت میان عبد الرحمن مرحوم شاگرد مولوی صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب رئیس اعظم خوست ملک افغانستان

مولوی صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب مرحوم کی شہادت سے تخمیناً دو برس پہلے انکے ایما اور ہدایت سے میان عبد الرحمن شاگرد رشید انکے قادیان مین شاید دو یا تین دفعہ آئے اور ہر ایک مرتبہ کئی کئی مہینہ تک رہے اور متواتر صحبت اور تعلیم اور دلائل کے سننے سے اُنکا ایمان شہدا کا رنگ پکڑ گیا اور آخری دفعہ جب کابل واپس گئے تو وہ میری تعلیم سے پورا حصہ لے چکے تھے اور اتفاقاً ان کی حاضری کے ایام مین بعض کتابین میری طرف سے جہاد کی ممانعت مین چھپی تھین جنسے اُنکو یقین ہو گیا تھا کہ یہ سلسلہ جہاد کا مخالف ہے پھر ایسا اتفاق ہوا کہ جب وہ مجھ سے رخصت ہو کر پشاور مین پہنچے تو اتفاقاً خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر سے جو پشاور مین تھے اور میرے مرید ہین ملاقات ہوئی اور انہین دنون مین خواجہ کمال الدین صاحب نے ایک رسالہ جہاد کی ممانعت مین شائع کیا تھا اس سے انکو بھی اطلاع ہوئی اور وہ مضمون ایسا انکے دل مین بیٹھ گیا کہ کابل مین جا کر جا بجا انہون نے یہ ذکر شروع کیا کہ انگریزون سے جہاد کرنا درست نہین کیونکہ وہ ایک کثیر گروہ مسلمانون کے حامی ہین اور کئی کروڑ مسلمان امن و عافیت سے انکے زیر سایہ زندگی بسر کرتے ہین۔ تب یہ خبر رفتہ رفتہ امیر عبد الرحمن کو پہنچ گئی اور یہ بھی بعض شریر پنجابیون نے جو اسکے ساتھ ملازمت کا تعلق رکھتے ہین اس پر ظاہر کیا کہ یہ ایک پنجابی شخص کا مرید ہے جو اپنے تئین مسیح موعود ظاہر کرتا ہے اور اس کی یہ بھی تعلیم ہے کہ انگریزون سے جہاد درست نہین بلکہ اس زمانہ مین قطعاً جہاد کا مخالف ہے تب امیر یہ بات سُن کر بہت برافروختہ ہو گیا اور اسکو قید کرنیکا حکم دیا تا مزید تحقیقات سے کچھ زیادہ حال معلوم ہو۔ آخر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ضرور یہ شخص مسیح قادیانی

کا مرید اور مسئلہ جہاد کا مخالف ہی تب اس مظلوم کو گردن مین کپڑا ڈال کر اور دم بند کر کے شہید کیا گیا۔ کہتے ہین کہ اس کی شہادت کے وقت بعض آسمانی نشان ظاہر ہوئے *

یہ تو میان عبد الرحمٰن شہید کا ذکر ہی اب ہم مولوی صاحبزادہ عبد اللطیف کی شہادت کا دردناک ذکر کرتے ہین اور اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہین کہ اس قسم کا ایمان حاصل کرنے کے لئے دعا کرتے رہین۔ کیونکہ جب تک انسان کچھ خدا کا اور کچھ دنیا کا ہے تب تک آسمان پر اُس کا نام مومن نہین *

بیان واقعہ ہائلہ شہادت مولوی صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب مرحوم رئیس اعظم خوست علاقہ کابل غفر اللہ لہ

ہم پہلے بیان کر چکے ہین کہ مولوی صاحب خوست علاقہ کابل سے قادیان مین آکر کئی مہینہ میرے پاس اور میری صحبت مین رہے۔ پھر بعد اسکے جب آسمان پر یہ امر قطعی طور پر فیصلہ پاچکا کہ وہ درجہ شہادت پاوین تو اس کے لئے یہ تقریب پیدا ہوئی کہ وہ مجھ سے رخصت ہو کر اپنے وطن کی طرف واپس تشریف لے گئے۔ اب جیسا کہ معتبر ذرائع سے اور بفاص دیکھنے والون کی معرفت مجھے معلوم ہوا ہے قضا و قدر سے یہ صورت پیش آئی۔ کہ مولوی صاحب جب سرزمین علاقہ ریاست کابل کے نزدیک پہنچے تو علاقہ انگریزی مین ٹھہر کر بریگیڈیر محمد حسین کوتوال کو جو ان کا شاگرد تھا ایک خط لکھا کہ اگر آپ امیر صاحب سے میرے آنے کی اجازت حاصل کر کے مجھے اطلاع دین تو امیر صاحب کے پاس بمقام کابل مین حاضر ہو جاؤن۔ بلا اجازت اس لئے تشریف نہ لیگئے کہ وقت سفر امیر صاحب کو یہ اطلاع دی تھی کہ مین حج کو جاتا ہون مگر وہ ارادہ قادیان مین بہت دیر تک ٹھہرنے سے پورا نہ ہو سکا اور وقت ہاتھ سے جاتا رہا اور چونکہ وہ میری نسبت شناخت کر چکے تھے کہ یہی شخص مسیح موعود ہے اس لئے میری صحبت مین رہنا انکو مقدم معلوم ہوا۔ اور بموجب نص اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول حج کا ارادہ انہون نے کسی دوسرے سال پر ٹال دیا اور ہر ایک دل اس بات کو محسوس کر سکتا ہی کہ ایک حج کے ارادہ کرنے والے کے لئے اگر یہ بات پیش آجائے کہ وہ اس مسیح موعود کو دیکھ لے جسکا تیرہ سو برس سے اہل اسلام مین انتظار ہی تو بموجب نص صریح قرآن اور احادیث کے وہ بغیر اس کی اجازت کے حج کو نہین جا سکتا۔ ہان باجازت اسکے دوسرے وقت مین جا سکتا ہی غرض چونکہ وہ مرحوم سید الشہدا اپنی صحبت نبیسے حج نکر سکا اور قادیان مین ہی دن گذر گئے تو قبل اسکے کہ وہ سرزمین کابل مین وارد ہون اور حدود ریاست کے اندر قدم رکھین احتیاطاً

قرین مصلحت سمجھا کہ انگریزی علاقہ مین رہکر امیر کابل پر اپنی سرگذشت کھول دیجائے کہ اس طرح پر حج کرنے سے معذوری پیش آئی۔ سو انہون نے مناسب سمجھا کہ برگیڈیر محمد حسین کو خط لکھا تا وہ مناسب موقعہ پر اصل حقیقت مناسب لفظون مین امیر کے گوش گذار کر دین اور اس خط مین یہ لکھا کہ اگرچہ مین حج کرنے کے لئے روانہ ہوا تھا مگر مسیح موعود کی مجھے زیارت ہو گئی اور چونکہ مسیح کے ملنے کے لئے اور اس کی اطاعت مقدم رکھنے کے لئے خدا اور رسول کا حکم ہے۔ اس مجبوری سے مجھے قادیان مین ٹھہرنا پڑا اور مین نے اپنی طرف سے یہ کام نہ کیا بلکہ قرآن اور حدیث کی رو سے اسی امر کو ضروری سمجھا۔ جب یہ خط برگیڈیر محمد حسین کوتوال کو پہنچا تو اس نے وہ خط اپنے زانو کے نیچے رکھ لیا اور اسوقت پیش نہ کیا مگر اسکے نائب کو جو مخالف اور شریر آدمی تھا کسی طرح پتہ لگ گیا کہ یہ مولوی صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب کا خط ہے اور وہ قادیان مین ٹھہرے ہیں۔ تب اس نے وہ خط کسی تدبیر سے نکال لیا۔ اور امیر صاحب کے آگے پیش کر دیا امیر صاحب نے برگیڈیر محمد حسین کوتوال سے دریافت کیا کہ کیا یہ خط آپکے نام آیا ہے۔ اس نے امیر کے موجودہ غیظ و غضب سے خوف کھا کر انکار کر دیا۔ پھر ایسا اتفاق ہوا کہ مولوی صاحب شہید نے کئی دن پہلے خط کے جواب کا انتظار کر کے ایک اور خط بذریعہ ڈاک محمد حسین کوتوال کو لکھا۔ وہ خط افسر ڈاکخانہ نے کھول لیا اور امیر صاحب کو پہنچا دیا۔ چونکہ قضاء قدر سے مولوی صاحب کی شہادت مقدر تھی اور آسمان پر وہ برگزیدہ بزمرۂ شہدا داخل ہو چکا تھا اسلئے امیر صاحب نے انکے بلانے کے لئے حکمت عملی سے کام لیا اور ان کی طرف خط لکھا کہ آپ بلا خطرہ چلے آؤ۔ اگر یہ دعوے سچا ہوگا تو مین بھی مرید ہو جاؤنگا۔ بیان کرنے والے کہتے ہین کہ ہمین یہ معلوم نہین کہ خط امیر صاحب نے ڈاک مین بھیجا تھا یا دستی روانہ کیا تھا۔ بہرحال اس خط کو دیکھ کر مولوی صاحب موصوف کابل کیطرف روانہ ہو گئے اور قضاء و قدر نے نازل ہونا شروع کر دیا۔ راویون نے بیان کیا ہے کہ جب شہید مرحوم کابل کے بازار سے گذرے تو گھوڑے پر سوار تھے اور ان کے پیچھے آٹھ سرکاری سوار تھے اور ان کی تشریف آوری سے پہلے عام طور پر کابل مین مشہور تھا کہ امیر صاحب نے اخوندزادہ صاحب کو دھوکہ دیکر بلایا ہے۔ اب بعد اسکے دیکھنے والون کا یہ بیان ہے۔ کہ جب اخوندزادہ صاحب مرحوم بازار سے گذرے تو ہم اور دوسرے بہت سے بازاری لوگ ساتھ چلے گئے۔ اور یہ بھی بیان کیا کہ آٹھ سرکاری سوار خوست سے ہی ان کے ہمراہ کئے گئے تھے کیونکہ ان کے خوست مین پہنچنے سے پہلے حکم سرکاری ان کے گرفتار کرنے کے لئے حاکم خوست کے نام آ چکا تھا غرض جب امیر صاحب کے روبرو پیش کئے گئے تو مخالفون نے پہلے سے ہی ان کے مزاج کو بہت کچھ متغیر کر رکھا تھا اسلئے وہ بہت ظالمانہ جوش سے پیش آئے اور حکم دیا کہ مجھے ان سے بو آتی ہے ان کو فاصلہ پر کھڑا کرو۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد حکم دیا کہ ان کو اُس قلعہ مین جس مین خود امیر صاحب رہتے ہین قید کر دو۔ اور زنجیر غراغراب لگادو۔ یہ زنجیر وزنی ایک من چوبیس سیر انگریزی کا ہوتا ہے۔ گردن سے کمر تک گھیر لیتا ہے اور اس مین ہتکڑی بھی شامل ہے اور نیز حکم دیا۔ کہ

پاؤن مین بیڑی ونتی آٹھ سیر انگریزی کی لگادو - پھر اس کے بعد مولوی صاحب مرحوم چار مہینہ قید مین رہے اور اس عرصہ مین کئی دفعہ انکو امیر صاحب کی طرف سے فہمائش ہوئی کہ اگر تم اس خیال سے توبہ کرو کہ قادیانی درحقیقت مسیح موعود ہے تو تمہین رہائی دیجائیگی - مگر ہر ایک مرتبہ انہون نے یہی جواب دیا کہ مین صاحب علم ہون اور حق اور باطل کی شناخت کرنے کی خدا نے مجھے قوت عطا کی ہے مین نے پوری تحقیق سے معلوم کر لیا ہے کہ یہ شخص درحقیقت مسیح موعود ہے - اگرچہ مین جانتا ہون کہ میرے اس پہلو کے اختیار کرنے مین میری جان کی خیر نہین ہے اور میرے اہل و عیال کی بربادی ہے مگر مین اسوقت **اپنے ایمان** کو اپنی جان اور ہر ایک دنیوی راحت پر مقدم سمجھتا ہون - شہید مرحوم نے نہ ایک دفعہ بلکہ قید ہونے کی حالت مین بارہا یہی جواب دیا اور یہ قید انگریزی قید کی طرح نہین تھی جس مین انسانی کمزوری کا کچھ کچھ لحاظ رکھا جاتا ہے بلکہ ایک سخت قید تھی جس کو انسان موت سے بدتر سمجھتا ہے اسلئے لوگون نے شہید موصوف کی اس استقامت اور استقلال کو نہایت تعجب سے دیکھا اور درحقیقت تعجب کا مقام تھا کہ ایسا جلیل الشان شخص کہ جو کئی لاکھ روپیہ کی ریاست کابل مین جاگیر رکھتا تھا اور اپنے فضائل علمی اور تقوے کی وجہ سے گویا تمام سرزمین کابل کا پیشوا تھا - اور قریباً پچاس برس کی عمر تک تنعم اور آرام مین زندگی بسر کی تھی اور بہت سا اہل و عیال اور عزیز فرزند رکھتا تھا پھر یکدفعہ وہ ایسی سنگین قید مین ڈالا گیا جو موت سے بدتر تھی اور جسکے تصور سے بھی انسان کے بدن پر لرزہ پڑتا ہے ایسا نازک اندام اور نعمتون کا پروردہ انسان وہ اس روح کے گداز کرنے والی قید مین صبر کر سکے اور جان کو ایمان پر فدا کرے - بالخصوص جس حالت مین امیر کابل کی طرف سے بار بار ان کو پیغام پہنچتا تھا کہ اس قادیانی شخص کے تصدیق دعوے سے انکار کر دو تو تم ابھی عزت سے رہا کئے جاؤگے - مگر اس قوی الایمان بزرگ نے اس بار بار کے وعدہ کی کچھ بھی پروا نہ کی اور بار بار یہی جواب دیا کہ مجھ سے یہ امید مت رکھو کہ مین ایمان پر دنیا کو مقدم رکھ لون - اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ جسکو مین نے خوب شناخت کر لیا اور ہر ایک طرح سے تسلی کر لی اپنی موت کے خوف سے اُسکا انکار کر دون یہ انکار تو مجھ سے نہین ہوگا مین دیکھ رہا ہون کہ مین نے حق پا لیا اسلئے چند روزہ زندگی کے لئے مجھ سے یہ بے ایمانی نہین ہوگی کہ مین اس ثابت شدہ حق کو چھوڑ دون - مین جان چھوڑنے کے لئے تیار ہون اور فیصلہ کر چکا ہون مگر حق میرے ساتھ جائیگا اس بزرگ کے بار بار کے یہ جواب ایسے تھے کہ سرزمین کابل کبھی ان کو فراموش نہین کریگی اور کابل کے لوگون نے اپنی تمام عمر مین یہ نمونہ ایمانداری اور استقامت کا کبھی نہین دیکھا ہوگا - اس جگہ یہ بھی ذکر کرنیکے لایق ہے کہ کابل کے امیرون کا یہ طریق نہین ہے کہ اسقدر بار بار وعدہ معافی دیکر ایک عقیدہ کے چھوڑانے کے لئے توجہ دلائین لیکن مولوی عبد اللطیف صاحب مرحوم کی یہ خاص رعایت اس وجہ سے تھی کہ وہ ریاست کابل کا گویا ایک بازو تھا اور ہزارہا انسان اُسکے معتقد تھے اور جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہین وہ امیر کابل کی نظر مین اسقدر منتخب عالم فاضل تھا کہ تمام علماء مین آفتاب کی طرح سمجھا جاتا تھا پس ممکن ہے کہ امیر کو بجائے خود یہ رنج بھی ہو کہ ایسا برگزیدہ انسان علماء کے اتفاق رائے سے ضرور قتل

کیا جائے گا۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ آج کل ایک طور سے عنان حکومت کابل کی مولویون کے ہاتھ مین ہو اور جس بات پر مولوی
لوگ اتفاق کر لین پھر ممکن نہین کہ امیر اسکے برخلاف کچھ کر سکے پس یہ امر قرین قیاس ہو کہ ایک طرف اس امیر کو مولویون کا خوف
تھا اور دوسری طرف شہید مرحوم کو بےگناہ دیکھتا تھا پس یہی وجہ ہے کہ وہ قید کی تمام مدت مین یہی ہدایت کرتا رہا کہ آپ اس
شخص قادیانی کو مسیح موعود مت مانین اور اس عقیدہ سے توبہ کرین تب آپ عزت کے ساتھ رہا کئے جاؤ گے اور اسی نیت سے
اس نے شہید مرحوم کو اس قلعہ مین قید کیا تھا جس قلعہ مین وہ آپ رہتا تھا تا متواتر فہمایش کا موقعہ ملتا رہے اور اس جگہ ایک
اور بات لکھنے کے لائق ہو اور دراصل وہی ایک بات ہے جو اس بلا کی موجب ہوئی اور وہ یہ ہو کہ عبدالرحمان شہید کے وقت سے یہ بات
امیر اور مولویون کو خوب معلوم تھی کہ قادیانی جو مسیح موعود کا دعوے کرتا ہے جہاد کا سخت مخالف ہے اور اپنی کتابون مین بار بار اس
بات پر زور دیتا ہے کہ اس زمانہ مین تلوار کا جہاد درست نہین اور اتفاق سے اس امیر کے باپ نے جہاد کے واجب ہونے کے
بارے مین ایک رسالہ لکھا تھا جو میرے شائع کردہ رسالون کے بالکل مخالف ہے اور پنجاب کے شرانگیز بعض آدمی جو اپنے تئین موحد
یا اہل حدیث کے نام سے موسوم کرتے تھے امیر کے پاس پہنچ گئے تھے غالباً ان کی زبانی امیر عبدالرحمن نے جو امیر حال کا باپ تھا
میری ان کتابون کا مضمون سن لیا ہوگا اور عبدالرحمن شہید کے قتل کی بھی یہی وجہ ہوئی تھی کہ امیر عبدالرحمن نے خیال
کیا تھا کہ یہ اس گروہ کا انسان ہو جو لوگ جہاد کو حرام جانتے ہین اور یہ بات یقینی ہو کہ قضا و قدر کی کشش سے مولوی عبداللطیف
مرحوم سے بھی یہ غلطی ہوئی کہ اس قید کی حالت مین بھی جتلا دیا کہ اب یہ زمانہ جہاد کا نہین اور وہ مسیح موعود جو درحقیقت مسیح ہے
اس کی یہی تعلیم ہو کہ اب یہ زمانہ دلائل کے پیش کرنے کا ہے تلوار کے ذریعہ سے مذہب کو پھیلانا جائز نہین اور اب اس قسم
کا بودہ ہرگز بارور نہین ہوگا بلکہ جلد خشک ہو جائیگا۔ چونکہ شہید مرحوم سچ کے بیان کرنے مین کسی کی پروا نہین کرتے تھے
اور درحقیقت انکو سچائی کے پھیلانے کے وقت اپنی موت کا بھی اندیشہ نہ تھا اسلئے ایسے الفاظ انکے مُنہ سے نکل گئے اور عجیب
بات یہ ہو کہ ان کے بعض شاگرد بیان کرتے ہین کہ جب وہ وطن کی طرف روانہ ہوئے تو بار بار کہتے تھے کہ کابل کی زمین اپنی
اصلاح کے لئے میرے خون کی محتاج ہو اور درحقیقت وہ سچ کہتے تھے کیونکہ سرزمین کابل مین اگر ایک کروڑ اشتہار شائع
کیا جاتا اور دلائل قویہ سے میرا مسیح موعود ہونا ان مین ثابت کیا جاتا تو ان اشتہارات کا ہرگز ایسا اثر نہ ہوتا جیسا کہ اس شہید کے
خونکا ہوا اس تخم کی مانند پڑا ہے جو تھوڑے عرصہ مین بڑا درخت بن جاتا ہے اور ہزارہا پرندے اس پر اپنا بسیرا لیتے ہین۔ اب
ہم اس دردناک واقعہ کا باقی حصہ اپنی جماعت کیلئے لکھ کر اس مضمون کو ختم کرتے ہین اور وہ یہ ہے کہ جب چار مہینے قید کے
گذر گئے۔ تب امیر نے اپنے روبرو شہید مرحوم کو بلا کر پھر اپنی عام کچہری مین توبہ کے لئے فہمایش کی۔ اور بڑے زور سے
رغبت دی کہ اگر تم اب بھی قادیانی کی تصدیق اور اسکے اصولون کی تصدیق سے میرے روبرو انکار کرو تو تمہاری
جان بخشی کی جائیگی اور تم عزت کے ساتھ چھوڑے جاؤ گے۔ شہید مرحوم نے جواب دیا کہ یہ تو غیر ممکن ہو کہ مین سچائی سے توبہ

کردن۔ اس دنیا کے حکام کا عذاب تو موت تک ختم ہوجاتا ہی لیکن مین اس سے ڈرتا ہون جس کا عذاب کبھی ختم نہین ہوسکتا۔ ہان چونکہ مین سچ پر ہون اسلئے مین چاہتا ہون کہ ان مولویون سے جو میرے عقیدہ کے مخالف ہین میری بحث کرائی جائے اگر مین دلائل کے رو سے جھوٹا نکلا تو مجھے سزا دیجائے۔ راوی اس قصہ کے کہتے ہین کہ ہم اس گفتگو کے موجود تھے امیر نے اس بات کو پسند کیا اور مسجد شاہی مین خان ملا خان اور آٹھ مفتی بحث کے لئے منتخب کیئے گئے اور ایک لاہوری ڈاکٹر جو خود پنجابی ہونیکی وجہ سے سخت مخالف تھا بطور ثالث کے مقرر کرکے بھیجا گیا۔ بحث کے وقت مجمع کثیر تھا۔ اور دیکھنے والے کہتے ہین کہ ہم اس بحث کے وقت موجود تھے مباحثہ تحریری تھا صرف تحریر ہوتی تھی اور کوئی بات حاضرین کو سنائی نہین جاتی تھی اسلئے اس مباحثہ کا کچھ حال معلوم نہین ہوا۔ سات بجے صبح سے تین بجے سہ پہر تک مباحثہ جاری رہا۔ پھر جب عصر کا آخری وقت ہوا تو کفر کا فتوے لگایا گیا اور آخر بحث مین شہید مرحوم سے یہ بھی پوچھا گیا کہ اگر مسیح موعود یہی قادیانی شخص ہی تو پھر تم عیسےٰ علیہ السلام کی نسبت کیا کہتے ہو۔ کیا وہ واپس دنیا مین آئینگے یا نہین تو انہون نے بڑی استقامت سی جواب دیا کہ حضرت عیسےٰ فوت ہوچکے ہین اب وہ ہرگز واپس نہین آئینگے قرآن کریم انکے مرنے اور واپس نہ آنیکا گواہ ہی۔ تب تو وہ لوگ ان مولویون کی طرح جنہون حضرت عیسیٰ کی بات کو سن کر اپنے کپڑے پھاڑ دیئے تھے گالیان دینے لگے اور کہا اب اس شخص کے کفر مین کیا شک رہا اور بڑی غضبناک حالت مین یہ کفر کا فتوے لکھا گیا۔ پھر بعد اسکے اخوندزادہ حضرت شہید مرحوم اسی طرح پا بزنجیر ہونیکی حالت مین قیدخانہ مین بھیجے گئے اور اس جگہ یہ بات بیان کرنے سے رہ گئی ہی کہ جب شاہزادہ مرحوم کی ان بدقسمت مولویون سے بحث ہورہی تھی تب آٹھ آدمی برہنہ تلوارین لیکر شہید مرحوم کے سر پر کھڑے تھے۔ پھر بعد اسکے وہ فتوے کفر رات کے وقت امیر صاحب کیخدمت مین بھیجا گیا اور یہ چالاکی کی گئی کہ مباحثہ کے کاغذات ان کی خدمت مین عمدًا نہ بھیجے گئے اور نہ عوام پر ان کا مضمون ظاہر کیا گیا۔ یہ صاف اس بات پر دلیل تھی کہ مخالف مولوی شہید مرحوم کے ثبوت پیش کردہ کا کوئی رد نہ کرسکے۔ مگر افسوس امیر پر کہ اسنے کفر کے فتوے پر ہی حکم لگادیا اور مباحثہ کے کاغذ طلب نہ کیے حالانکہ اسکو چاہیئے تو یہ تھا کہ اس عادل حقیقی سے ڈر کر جس کی طرف عنقریب تمام دولت و حکومت کو چھوڑ کر واپس جائیگا خود مباحثہ کے وقت ہوتا بالخصوص جبکہ وہ خوب جانتا تھا کہ اس مباحثہ کا نتیجہ ایک معصوم بیگناہ کی جان ضائع کرنا ہی تو اس صورت مین مقتضا خدا ترسی کا یہی تھا کہ بہرحال افغان و خیزان اس مجلس مین جاتا اور نیز چاہیئے تھا کہ قبل ثبوت کسی جرم کے اس شہید مظلوم پر یہ سختی روا نہ رکھتا کہ ناحق ایک مدت تک قید کے عذاب مین انکو رکھتا اور زنجیرون اور ہتھکڑیون کے شکنجہ مین اسکو دبایا جاتا۔ اور آٹھ سپاہی برہنہ شمشیرونکے ساتھ اسکے سر پر کھڑے کیئے جاتے اور اس طرح ایک عذاب اور رعب مین ڈالکر اسکو ثبوت دینے سے روکا جاتا۔ پھر اگر اس نے ایسا نہ کیا تو عادلانہ حکم دینے کے لئے یہ تو اسکا فرض تھا کہ کاغذات مباحثہ کے اپنے حضور مین طلب کرتا بلکہ پہلے سے یہ تاکید کردیتا کہ کاغذات مباحثہ کے میرے پاس بھیجدیئے

چاہئیں اور نہ صرف اس بات پر کفایت کرتا کہ آپ ان کاغذات کو دیکھتا بلکہ چاہیئے تھا کہ سرکاری طور پر ان کاغذات کو چھپوا دیتا کہ دیکھو کیسے یہ شخص ہمارے مولویوں کے مقابل پر مغلوب ہو گیا اور کچھ ثبوت قادیانی کے مسیح موعود ہونے کے بارہ میں اور نیز جہاد کی ممانعت میں اور حضرت مسیح ؑ کے فوت ہونیکے بارہ میں نہ دے سکا۔ ہائے وہ معصوم اس کی نظر کے سامنے ایک بکرے کی طرح ذبح کیا گیا اور باوجود صادق ہونیکے اور باوجود پورا ثبوت دینے کے اور باوجود ایسی استقامت کے کہ صرف اولیاء کو دیجاتی ہے۔ پھر بھی اسکا پاک جسم پتھروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا اور اس کی بیوی اور اسکے یتیم بچوں کو خوست سے گرفتار کرکے بڑی ذلت اور عذاب کے ساتھ کسی اور جگہ حراست میں بھیجا گیا۔ اے نادان! کیا مسلمانوں میں اختلاف مذہب اور رائے کی یہی سزا ہوا کرتی ہے۔ تو نے کیا سوچ کر یہ خون کر دیا۔ سلطنت انگریزی جو اس امیر کی نگاہ میں اور نیز اسکے مولویوں کے خیال میں ایک کافر کی سلطنت ہے کس قدر مختلف فرقے اس سلطنت کے زیر سایہ رہتے ہیں۔ کیا اب تک اس سلطنت نے کسی مسلمان یا ہندو کو اس قصور کی بنا پر پھانسی دیدیا کہ اس کی رائے پادریوں کی رائے کے مخالف ہے۔ ہائے افسوس آسمان کے نیچے یہ بڑا ظلم ہوا کہ ایک بے گناہ معصوم باوجود صادق ہونیکے باوجود اہل حق ہونیکے اور باوجود اسکے کہ وہ ہزارہا معزز لوگوں کی شہادت سے تقوے اور طہارت کے پاک پیرائیہ سے مزین تھا۔ اس طرح بیرحمی سے محض اختلاف مذہب کی وجہ سے مارا گیا۔ اس امیر سے وہ گورنر ہزار ہا درجہ اچھا تھا جس نے ایک مخبری پر حضرت مسیح کو گرفتار کر لیا تھا یعنے پیلاطوس جسکا آج تک انجیلوں میں ذکر موجود ہے کیونکہ اس نے یہودیوں کے مولویوں کو جبکہ انہوں نے حضرت مسیح پر کفر کا فتوے لکھ کر یہ درخواست کی کہ اسکو صلیب دیجائے یہ جواب دیا کہ اس شخص کا میں کوئی گناہ نہیں دیکھتا۔ افسوس اس امیر کو کم سے کم اپنے مولویوں سے یہ تو پوچھنا چاہیئے تھا کہ یہ سنگساری کا فتوے کس قسم کے کفر پر دیا گیا۔ اور اس اختلاف کو کیوں کفر میں داخل کیا گیا اور کیوں انہیں یہ نہ کہا گیا کہ تمہارے فرقوں میں خود اختلاف بہت ہیں کیا ایک فرقہ کو چھوڑ کر دوسروں کو سنگسار کرنا چاہیئے جس امیر کا یہ طریق اور یہ عدل ہے نہ معلوم وہ خدا کو کیا جواب دیگا +

بعد اس کے کہ فتوے کفر لگا کر شہید مرحوم قید خانہ میں بھیجا گیا۔ صبح روز شنبہ کو شہید موصوف کو سلام خانہ یعنے خاص مکان دربار امیر صاحب میں بلایا گیا۔ اسوقت بھی بڑا مجمع تھا۔ امیر صاحب جب ارک یعنی قلعہ سے نکلے تو راستہ میں شہید مرحوم ایک جگہ بیٹھے تھے ان کے پاس ہو کر گذرے اور پوچھا کہ اخوندزادہ صاحب کیا فیصلہ ہوا۔ شہید مرحوم کچھ نہ بولے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان لوگوں نے ظلم پر کمر باندھی ہے۔ مگر سپاہیوں میں سے کسی نے کہا کہ ملامت ہو گیا یعنے کفر کا فتوے لگ گیا۔ پھر امیر صاحب جب اپنے اجلاس پر آئے تو اجلاس میں بیٹھتے ہی پہلے اخوندزادہ صاحب مرحوم کو بلایا۔ اور کہا کہ آپ پر کفر کا فتوے لگ گیا ہے۔ اب کہو کہ کیا توبہ کرو گے یا سزا پاؤ گے تو انہوں نے صاف لفظوں میں انکار کیا اور کہا کہ میں حق سے توبہ نہیں کر سکتا کیا میں جان کے خوف سے باطل کو مان لوں یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ تب امیر نے

دوبارہ توبہ کے لئے کہا اور توبہ کی حالت مین بہت امید دی اور وعدہ معافی دیا مگر شہید موصوف نے بڑے زور سے انکار کیا اور کہا کہ مجھ سے یہ امید مت رکھو کہ مین سچائی سے توبہ کرون۔ ان باتون کو بیان کرنیوالے کہتے ہین کہ یہ سُنی سنائی باتین نہین بلکہ ہم خود اس مجمع مین موجود تھے اور مجمع کثیر تھا شہید مرحوم ہر ایک فہمایش کا زور سے انکار کرتا تھا اور وہ اپنے لئے فیصلہ کر چکا تھا کہ ضرور ہے کہ مین اس راہ مین جان دون۔ تب اس نے یہ بھی کہا کہ مین بعد قتل چھ روز تک پھر زندہ ہو جاؤن گا۔ یہ راقم کہتا ہے کہ یہ قول وحی الٰہی کی بنا پر ہوگا جو اسوقت ہوئی ہوگی کیونکہ اس وقت شہید مرحوم منقطعین مین داخل ہو چکا تھا اور فرشتے اس سے مصافحہ کرتے تھے تب فرشتون سے یہ خبر پاکر ایسا اس نے کہا اور اس قول کے یہ معنے تھے کہ وہ زندگی جو اولیاء اور ابدال کو دیجاتی ہے چھ روز تک مجھے مل جائیگی اور قبل اس کے جو خدا کا دن آوے یعنے ساتوان دن مین زندہ ہو جاؤنگا اور یاد رہے کہ اولیاء اللہ اور وہ خاص لوگ جو خدا تعالیٰ کی راہ مین شہید ہوتے ہین وہ چند دنون کے بعد پھر زندہ کئے جاتے ہین جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء** یعنے تم انکو مردے مت خیال کرو جو اللہ کی راہ مین قتل کئے جاتے ہین وہ تو زندے ہین پس شہید مرحوم کا اسی مقام کی طرف اشارہ تھا۔ اور مین نے ایک کشفی نظر مین دیکھا کہ ایک درخت سرو کی ایک بڑی لمبی شاخ جو نہایت خوبصورت اور سرسبز تھی ہمارے باغ مین سے کاٹی گئی ہے اور وہ ایک شخص کے ہاتھ مین ہے تو کسی نے کہا کہ اس شاخ کو اس زمین مین جو میرے مکان کے قریب ہے اس بیری کے پاس لگا دو جو اس سے پہلے کاٹی گئی تھی اور پھر دوبارہ اُگیگی اور ساتھ ہی مجھے یہ وحی الٰہی ہوئی کہ کابل سے کاٹا گیا اور سیدھا ہماری طرف آیا۔ اس کی مین نے یہ تعبیر کی کہ تخم کی طرح شہید مرحوم کا خون زمین پر پڑا ہے اور وہ بہت بارور ہوکر ہماری جماعت کو بڑھا دیگا۔ اس طرف مین نے یہ خواب دیکھا اور اس طرف شہید مرحوم نے کہا کہ چھ روز تک مین زندہ کیا جاؤنگا میرا خواب اور شہید مرحوم کے اس قول کا مآل ایک ہی ہے۔ شہید مرحوم نے مرکر میری جماعت کو ایک نمونہ دیا ہے اور درحقیقت میری جماعت ایک بڑے نمونہ کی محتاج تھی ابتک ان مین ایسے بھی پائے جاتے ہین کہ جو شخص ان مین سے ادنیٰ خدمت بجالاتا ہے وہ خیال کرتا ہے کہ اس نے بڑا کام کیا ہے اور قریب ہے کہ میرے پر احسان رکھے حالانکہ خدا کا اس پر احسان ہے کہ اس خدمت کے لئے اس نے اسکو توفیق دی بعض ایسے ہین کہ پورے زور اور پورے صدق سے اس طرف نہین آئے اور جس قوت ایمان اور انتہا درجہ کے صدق و صفا کا وہ دعوے کرتے ہین آخر تک اس پر قائم نہین رہ سکتے اور دنیا کی محبت کے لئے دین کو کھو دیتے ہین اور کسی ادنےٰ امتحان کی بھی برداشت نہین کر سکتے۔ خدا کے سلسلے مین داخل ہوکر ان کی دنیاداری کم نہین ہوتی لیکن خدا تعالےٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ایسے بھی ہین کہ وہ سچے دل سے ایمان لائے اور سچے دل سے اس طرف کو اختیار کیا اور اس راہ کے لئے ہر ایک دکھ اٹھانے کیلئے تیار ہین لیکن جس نمونہ کو اس جوانمرد نے ظاہر کر دیا ابتک وہ قوتین اس جماعت کی مخفی ہین خدا سب کو وہ ایمان سکھاوے اور وہ استقامت بخشے جسکا اس شہید مرحوم نے نمونہ پیش کیا ہے یہ دنیوی زندگی جو شیطانی حملونکے

ساتھ ملی ہوئی ہے کامل انسان بننے سے روکتی ہے اور اس سلسلہ مین بہت داخل ہونگے مگر افسوس کہ تھوڑے ہین کہ یہ نمونہ دکھائینگے

پھر ہم اصل واقعہ کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہین کہ جب شہید مرحوم نے ہر ایک مرتبہ توبہ کرنے کی فہمائش پر توبہ کرنے سے انکار کیا تو امیر نے ان سے مایوس ہو کر اپنے ہاتھ سے ایک لمبا چوڑا کاغذ لکھا۔ اور اس مین مولویون کا فتوے درج کیا اور اس مین یہ لکھا کہ ایسے کافر کی سنگسار کرنا سزا ہے تب وہ فتوے اخوندزادہ مرحوم کے گلے مین لٹکا دیا گیا اور پھر امیر نے حکم دیا کہ شہید مرحوم کے ناک مین چھید کر کے اس مین رسی ڈال دیجائے۔ اور اسی رسی سے شہید مرحوم کو کھینچ کر مقتل یعنی سنگسار کرنے کی جگہ تک پہنچایا جائے چنانچہ اس ظالم امیر کے حکم سے ایسا ہی کیا گیا اور ناک کو چھید کر سخت عذاب کے ساتھ اس مین رسی ڈالی گئی تب اس رسی کے ذریعہ سے شہید مرحوم کو نہایت ٹھٹھے ہنسی اور گالیون اور لعنت کے ساتھ مقتل تک لے گئے۔ اور امیر اپنے تمام مصاحبون کے ساتھ اور مع قاضیون مفتیون اور دیگر اہلکارون کے یہ دردناک نظارہ دیکھتا ہوا مقتل تک پہنچا۔ اور شہر کی ہزارہا مخلوق جنکا شمار کرنا مشکل ہے اس تماشا کے دیکھنے کے لئے گئی جب مقتل پر پہنچے تو شاہزادہ مرحوم کو کمر تک زمین مین گاڑ دیا اور پھر اس حالت مین جبکہ وہ کمر تک زمین مین گاڑ دئے گئے تھے امیر ان کے پاس گیا اور کہا کہ اگر تو قادیانی سے جو مسیح موعود ہونے کا دعوے کرتا ہے انکار کرے تو اب بھی مین تجھے بچا لیتا ہون۔ اب تیرا آخری وقت ہے اور یہ آخری موقعہ ہے جو تجھے دیا جاتا ہے اور اپنی جان اور اپنے عیال پر رحم کر۔ تب شہید مرحوم نے جواب دیا کہ نعوذ باللہ سچائی سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے اور جان کیا حقیقت ہے اور عیال و اطفال کیا چیز ہین جن کے لئے مین ایمان کو چھوڑ دون مجھ سے ایسا ہرگز نہین ہوگا اور مین حق کے لئے مرونگا۔ تب قاضیون اور فقیہون نے شور مچایا کہ کافر ہے کافر ہے اسکو جلد سنگسار کرو۔ اس وقت امیر اور اسکا بھائی نصر اللہ خان اور قاضی اور عبدالاحد کمیدان یہ لوگ سوار تھے اور باقی تمام پیادہ تھے۔ جب ایسی نازک حالت مین شہید مرحوم نے بار بار کہدیا کہ مین **ایمان** کو جان پر **مقدم** رکھتا ہون تب امیر نے اپنے قاضی کو حکم دیا کہ پہلا پتھر تم چلاؤ کہ تم نے کفر کا فتوے لگایا ہے۔ قاضی نے کہا کہ آپ بادشاہ وقت ہین آپ چلا دین۔ تب امیر نے جواب دیا کہ شریعت کے تم ہی بادشاہ ہو اور تمہارا ہی فتوے ہے اس مین میرا کوئی دخل نہین۔ تب قاضی نے گھوڑے سے اتر کر ایک پتھر چلایا جس پتھر سے شہید مرحوم کو زخم کاری لگا اور گردن جھک گئی۔ بعد اسکے بدقسمت امیر نے اپنے ہاتھ سے پتھر چلایا۔ پھر کیا تھا اس کی پیروی سے ہزارون پتھر اس شہید پر پڑنے لگے اور کوئی حاضرین مین سے ایسا نہ تھا جس نے اس شہید مرحوم کی طرف پتھر نہ پھینکا ہو یہان تک کہ کثرت پتھرون سے شہید مرحوم کے سر پر ایک کوٹھہ پتھرون کا جمع ہو گیا پھر امیر نے واپس ہونے کے وقت کہا کہ یہ شخص کہتا تھا کہ مین چھ روز تک زندہ ہو جاؤنگا اس پر چھ روز تک پہرہ رہنا چاہئے۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ ظلم یعنی سنگسار کرنا ۱۴ جولائی کو وقوع مین آیا۔ اس بیان مین اکثر حصہ ان لوگون کا ہے جو اس سلسلہ کے مخالف تھے جنہون نے یہ بھی اقرار کیا کہ ہم نے بھی پتھر مارے تھے اور بعض ایسے آدمی بھی اس بیان مین داخل ہین کہ شہید مرحوم کے پوشیدہ شاگرد تھے معلوم ہوتا ہے

کہ یہ واقعہ اس سے زیادہ دردناک ہی جیسا کہ بیان کیا گیا ہی کیونکہ امیر کے ظلم کو پورے طور پر ظاہر کرنا کسی نے روا نہین رکھا اور جو کچھ ہم نے لکھا ہی بہت سے خطوط کے مشترک مطلب سے ہم نے خلاصۃً لکھا ہی ہر ایک قصہ مین اکثر مبالغہ ہوتا ہی لیکن یہ قصہ ہے کہ لوگون نے امیر سے ڈر کر اُسکا ظلم پورا پورا بیان نہین کیا اور بہت سی پردہ پوشی کرنی چاہی ہی شاہزادہ عبد اللطیف کے لئے جو **شہادت** مقدر تھی وہ ہو چکی۔ اب ظالم کا پاداش باقی ہی **انہ من یأت ربہ مجرما فان لہ جہنم لا یموت فیہا ولا یحیےٰ**۔ افسوس کہ یہ امیر زیر آیت **من یقتل مومنا متعمدا** داخل ہو گیا اور ایک ذرہ خدا تعالےٰ کا خوف نہ کیا۔ اور مومن بھی ایسا مومن کہ اگر کابل کی تمام سرزمین مین اس کی نظیر تلاش کیجائے تو تلاش کرنا لاحاصل ہی ایسے لوگ اکسیر احمر کے حکم مین ہین جو صدق دل سے ایمان اور حق کیلئے جان بھی فدا کرتے ہین اور زن و فرزند کی کچھ بھی پروا نہین کرتے۔ **اے عبد اللطیف تیرے پر ہزارون رحمتین کہ تو نے میری زندگی مین ہی اپنے صدق کا نمونہ دکھایا**۔ اور جو لوگ میری جماعت مین سے میری موت کے بعد رہینگے مین نہین جانتا کہ وہ کیا کام کرینگے +

آن جوان مرد حبیب کردگار
جوہر خود کرد آخر آشکار

نقد جان از بہر جانان باختہ
دل ازین فانی سرا پرداختہ

پر خطر ہست این بیابان حیات
صد ہزاران اژدہائش در جہات

صد ہزاران آتشے تا آسمان
صد ہزاران سیل خونخوار دمان

صد ہزاران فرسخے تا کوے یار
دشت پر خار و بلائش صد ہزار

بنگر این شوخی ازان شیخ عجم
این بیابان کرد طے از یک قدم

این چنین باید خدا را بندۂ
سر پئے دلدار خود افگندۂ

او پئے دلدار از خود مردہ بود
از پئے تریاق زہرے خوردہ بود

تا ننوشد جام این زہرے کسے
کے رہائی یابد از مرگ آن خسے

زیر این موت است پنہان صد حیات
زندگی خواہی بخور جام ممات

تو گشتی بندۂ حرص و ہوا
این طلب در نفس دون تو کجا

دل بدین دنیائے دون آویختی
آبرو از بہر عصیان ریختی

صد ہزاران فوج شیطان در نشست
تا بسوزد در جہنم چون خست

از پئے امید یا بہر خطر
مے شود ایمان تو زیر و زبر

از برائے این سرائے بے وفا
مے نہی دین خدا را زیر پا

دین بود دین فدائے آن نگار
اے سیہ باطن ترا با دین چکار

پست ہستی لاف استعلا مزن
در گلیم خویش بیرون پا مزن

خویشتن را نیک اندیشیدۂ
اے ہلاک اللہ چہ بد فہمیدۂ

خوش نگردد دلستان از قیل و قال
تا نمیری زندگی باشد محال

کبر و کین را ترک کن اے بد خصال
تا بتابد بر تو نور ذو الجلال

این چنین بالا ز بالا چون پری
یا مگر زان ذات بیچون منکری

کاخ دنیا را چہ دیدا ستی بنا
کت خوشت افتاد این فانی سرا

دل چرا غافل بہ بند اندرین
ناگہان باید شدن بیرون ازین

از پئے دنیا بریدن از خدا
بس ہمین باشد نشان اشقیا

چون شود بخشائش حق بر کسے
دل نمے ماند بدنیائش بسے

خوشترش آید بیابان تپان
تا درو نالد ز بہر دلستان

پیش از مردن بمیرد حق شناس
زینکہ محکم نیست دنیا را اساس

ہوش کن این جایگہ جائے فناست
با خدا اے باش چون آخر خداست

زہر قاتل گر بدست خود خوری — من چسان دانم کہ تو دانشوری
بین کہ این عبد اللطیف پاک مرد — چون پے حق خویشتن برباد کرد

جان بصدق آن دلستان دادہ است — تاکنون در سنگہا افتادہ است
این بود رسم رہ صدق و وفا — این بود مردان حق را انتہا

از پے آن زندہ از خود فانی اند — جان فشان بر مسلک ربانی اند
فارغ افتادہ ز نام و عزّ و جاہ — دل ز کف وز فرق افتادہ کلاہ

دور تر از خود بہ یار آمیختہ — آبرو از بہر روئے ریختہ
ذکر شان ہم می دہد یاد از خدا — صدق ورزان در جناب کبریا

گر بجوئی این چنین ایمان بود — کار بر جویندگان آسان بود
لیک تو افتادہ در دنیا اسیر — تا نمیری کے رہی زین دار و گیر

تا نمیری اے سگ دنیا پرست — دامن آن یار کے آید بدست
نیست شو تا بر تو فیضانے رسد — جان بیفشان تا دگر جانے رسد

تو گذاری عمر خود در کبر و کین — چشم بستہ از رہ صدق و یقین
نیک دل با نیکوان دارد سرے — بر گہر تف می زند بد گوہرے

ہست دین تخم فنا را کاشتن — وز سر ہستی قدم برداشتن
چون ببینی یا دو صد درد و نفیر — کس ہمی خیزد کہ گردد دستگیر

با خبر را دل تپد بر بے خبر — رحم بر کورے کند اہل بصر
ہمچنین قانون قدرت اوفتاد — مر ضعیفان را قوی آرد بیاد

اپنی جماعت کے لئے بعض نصائح

اے میری جماعت خدا تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو وہ قادر کریم آپ لوگوں کو سفر آخرت کے لئے ایسا تیار کرے جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تیار کئے گئے تھے۔ خوب یاد رکھو کہ دنیا کچھ چیز نہیں ہے لعنتی ہے وہ زندگی جو محض دنیا کے لئے ہے اور بدقسمت ہے وہ جس کا تمام ہم و غم دنیا کیلئے ہے ایسا انسان اگر میری جماعت میں ہے تو وہ عبث طور پر میری جماعت میں اپنے تئیں داخل کرتا ہے کیونکہ وہ اس خشک ٹہنی کی طرح ہے جو پھل نہیں لائے گی +

اے سعادتمند لوگو تم زور کے ساتھ اس تعلیم میں داخل ہو جو تمہاری نجات کے لئے مجھے دی گئی ہے تم خدا کو واحد لاشریک سمجھو اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو۔ نہ آسمان میں سے نہ زمین میں سے خدا اسباب کے استعمال سے تمہیں منع نہیں کرتا لیکن جو شخص خدا کو چھوڑ کر اسباب ہی پر بھروسہ کرتا ہے وہ مشرک ہے قدیم سے خدا کہتا چلا آیا ہے کہ پاک دل بننے کے سوا نجات نہیں سو تم پاک دل بن جاؤ اور نفسانی کینوں اور غصّوں سے الگ ہو جاؤ انسان کے نفس امارہ میں کئی قسم کی پلیدیاں ہوتی ہیں مگر سب سے زیادہ تکبر کی پلیدی ہے اگر تکبر نہ ہوتا تو کوئی شخص کافر نہ رہتا سو تم دل کے مسکین بن جاؤ عام طور پر بنی نوع کی ہمدردی کرو جبکہ تم انہیں بہشت دلانے کیلئے وعظ کرتے ہو سو یہ وعظ تمہارا کب صحیح ہو سکتا ہے اگر تم اس چند روزہ دنیا میں ان کی بدخواہی کرو خدا تعالےٰ کے فرائض کو دلی خوف سے بجا لاؤ کہ تم ان سے پوچھے جاؤ گے نمازوں میں بہت دعا کرو کہ تا خدا تمہیں اپنی طرف کھینچے اور تمہارے دلوں کو صاف کرے کیونکہ انسان کمزور ہے ہر ایک بدی

جو دور ہوتی ہے وہ خدا تعالیٰ کی قوت سے دور ہوتی ہے اور جبتک انسان خدا سے قوت نہ پاوے کسی بدی کے دور کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا اسلام صرف یہ نہیں ہے کہ رسم کے طور پر اپنے تئیں کلمہ گو کہلاؤ بلکہ اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ تمہاری روحین خدا تعالیٰ کے آستانہ پر گر جائین اور خدا اور اسکے احکام ہر ایک پہلو کے رو سے تمہاری دنیا پر تمہین مقدم ہو جائین -

اے میری عزیز جماعت یقیناً سمجھو کہ زمانہ اپنے آخر کو پہنچ گیا ہے اور ایک صریح انقلاب نمودار ہو گیا ہے سو اپنی جانون کو دھوکہ مت دو اور بہت جلد راستبازی مین کامل ہو جاؤ۔ قرآن کریم کو اپنا پیشوا پکڑو اور ہر ایک بات مین اس سے روشنی حاصل کرو اور حدیثونکو بھی ردّی کی طرح مت پھینکو کہ وہ بڑی کام کی ہین اور بڑی محنت سے ان کا ذخیرہ تیار ہوا ہے لیکن جب قرآن کے قصون سے حدیث کا کوئی قصہ مخالف ہو تو ایسی حدیث کو چھوڑ دو تا گمراہی مین نہ پڑو۔ قرآن شریف کو بڑی حفاظت سے خدا تعالیٰ نے تمہارے تک پہنچایا ہے سو تم اس پاک کلام کا قدر کرو اس پر کسی چیز کو مقدم نہ سمجھو کہ تمام راست روی اور راستبازی اسی پر موقوف ہے کسی شخص کی باتین لوگونکے دلونمین اسی حدتک مؤثر ہوتی ہین جس حدتک اس شخص کی معرفت اور تقوے پر لوگونکو یقین ہوتا ہے

اب دیکھو خدا نے اپنی حجت کو تم پر اس طرح پر پورا کر دیا ہے کہ میرے دعوے پر ہزارہا دلائل قائم کر کے تمہین یہ موقعہ دیا ہے کہ تا تم غور کرو کہ وہ شخص جو تمہین اس سلسلہ کی طرف بلاتا ہے وہ کس درجہ کی معرفت کا آدمی ہے اور کسقدر دلائل پیش کرتا ہے اور تم کوئی عیب افترا یا جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی پر نہین لگا سکتے تا تم یہ خیال کرو کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افترا کا عادی ہے یہ بھی اس نے جھوٹ بولا ہوگا۔ کون تم مین ہے جو میری سوانح زندگی مین کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے پس یہ خدا کا فضل ہے کہ جو اس نے ابتدا سے مجھے تقوے پر قائم رکھا اور سوچنے والونکے لئے یہ ایک دلیل ہے +

پھر ما سوا اسکے میرے خدا نے عین صدی کے سر پر مجھے مامور فرمایا اور جس قدر دلائل میرے سچا ماننے کے لئے ضروری تھے وہ سب دلائل تمہارے لئے مہیّا کر دئے اور آسمان سے لیکر زمین تک میرے لئے نشان ظاہر کئے اور تمام نبیون نے ابتدا سے آج تک میرے لئے خبرین دی ہین پس اگر یہ کاروبار انسان کا ہوتا تو اسقدر دلائل اسمین کبھی جمع نہ ہو سکتے۔ علاوہ اسکے خدا تعالیٰ کی تمام کتابین اس بات پر گواہ ہین کہ مفتری کو خدا جلد پکڑتا ہے۔ اور نہایت ذلت سے ہلاک کرتا ہے مگر تم دیکھتے ہو کہ میرا دعوا منجانب اللہ ہونیکا تیئس برس سے بھی زیادہ کا ہے جیسا کہ **براہین احمدیہ** کے پہلے حصہ پر نظر ڈالکر تم سمجھ سکتے ہو پس ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہے کہ کیا کبھی خدا کی یہ عادت ہوئی اور جب سے انسان کو اس نے پیدا کیا ہے کیا کبھی اس نے ایسا کام کیا کہ جو شخص ایسا بد طینت اور چالاک اور گستاخ اور مفتری ہے کہ تیئس برس تک ہر روز نئے دن اور نئی رات مین خدا تعالیٰ پر افترا کر کے ایک نئی وحی اور نیا الہام اپنے دل سے تراشتا ہے اور پھر لوگون کو یہ کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ وحی نازل ہوئی ہے اور خدا تعالیٰ بجائے اسکے کہ ایسے شخص کو ہلاک کرے اپنے زبردست نشانون سے اس کی تائید کرے اسکے دعوے کے ثبوت کیلئے آسمان مین چاند اور سورج کو پیشگوئی کے موافق گرہن مین ڈالے اور اس طرح پر وہ پیشگوئی جو پہلی کتابون اور قرآن شریف اور حدیثون مین

اور خود اس کی کتاب براہین احمدیہ مین تھی پوری کر کے دنیا مین دکھاوے اور سچون کی طرح عین صدی کے سر پر اسکو مبعوث کرے اور عین صلیبی غلبہ کے وقت مین جس کے لئے کاسر صلیب مسیح موعود آنا چاہئے تھا اسکو اس دعوے کے ساتھ کھڑا کر دے اور ہر ایک قدم مین اس کی تائید کرے اور دس لاکھ سے زیادہ اس کی تائید مین نشان دکھاوے اور اسکو دنیا مین عزت دے اور زمین پر اس کی قبولیت پھیلاوے اور صدہا پیشگوئیان اسکے حق مین پوری کرے اور نبیون کے مقرر کردہ دنون مین جو مسیح موعود کے ظہور کے لئے مقرر ہین اسکو پیدا کرے اور اس کی دعائین قبول فرماوے اور اسکے بیان مین تاثیر ڈالدے اور ایسا ہی ہر ایک پہلو سے اس کی تائید کرے حالانکہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے اور ناحق عمداً اس پر افترا کر رہا ہی کیا بتا سکتے ہو کہ یہ کرم وفضل کا معاملہ پہلے مجھ سے خداتعالے نے کسی مفتری سے کیا +

پس اے بندگانِ خدا غافل مت ہو اور شیطان تمہین وساوس مین نہ ڈالے یقیناً سمجھو کہ یہ وہی وعدہ پورا ہوا ہے جو قدیم سے خدا کے پاک نبی کرتے آئے ہین آج خدا کے مرسل اور شیطان کا آخری جنگ ہے اور یہ وہی وقت اور وہی زمانہ ہے جیساکہ دانیال نبی نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا تھا مین ایک فضل کی طرح اہل حق کے لئے آیا پر مجھ سے ٹھٹھا کیا گیا اور مجھے کافر اور دجال ٹھیرایا گیا اور بے ایمانون مین سے مجھے سمجھا گیا۔ اور ضرور تھا کہ ایسا ہی ہوتا تا وہ پیشگوئی پوری ہوتی جو آیت غیر المغضوب علیہم کے اندر مخفی ہے کیونکہ خدا نے منعم علیہم کا وعدہ کر کے اس آیت مین بتادیا ہی کہ اس امت مین وہ یہودی بھی ہونگے جو یہود کے علماء سے مشابہ ہونگے جنہون نے حضرت عیسےٰ کو سولی دینا چاہا اور جنہون نے عیسےٰ کو کافر اور دجال اور ملحد قرار دیا تھا اب سوچو کہ یہ کس بات کی طرف اشارہ تھا اسی بات کی طرف اشارہ تھا کہ مسیح موعود اس امت مین سے آنیوالا ہے اِسلئے اسکے زمانہ مین یہود کے رنگ کے لوگ بھی پیدا کئے جائین گے جو اپنے زعم مین علماء کہلائینگے سو آج تمہارے ملک مین وہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ اگر یہ علماء موجود نہ ہوتے تو اب تک تمام باشندے اس ملک کے جو مسلمان کہلاتے ہین **مجھے قبول کرلیتے** پس تمام منکرون کا گناہ ان لوگون کی گردن پر ہے یہ لوگ راستبازی کے محل مین نہ آپ داخل ہوتے ہین نہ کم فہم لوگون کو داخل ہونے دیتے ہین کیا کیا مکر ہین جو کر رہے ہین اور کیا کیا منصوبے ہین جو اندر ہی اندر انکے گھرون مین ہو رہے ہین مگر کیا وہ خدا پر غالب آجائینگے اور کیا وہ اس قادر مطلق کے ارادہ کو روک دینگے جو تمام نبیون کی زبانی ظاہر کیا گیا ہے وہ اس ملک کے شریر امیرون اور بدقسمت دولتمند دنیادارون پر بھروسہ رکھتے ہین مگر خدا کی نظر مین وہ کیا ہین صرف **ایک مرے ہوئے کیڑے** +

اے تمام لوگو سن رکھو کہ یہ اسکی پیشگوئی ہی جس نے زمین و آسمان بنایا وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکون مین پھیلادیگا اور حجت اور برہان کے رو سے سب پر انکو غلبہ بخشیگا وہ دن آتے ہین بلکہ قریب ہین کہ دنیا مین صرف یہی ایک مذہب ہوگا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائیگا۔ خدا اس مذہب اور اِس سلسلہ مین نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالیگا اور ہر ایک کو

جو اسکے معدوم کرنے کا فکر رکھتا ہی نامراد رکھے گا اور یہ غلبہ ہمیشہ رہیگا۔ یہان تک کہ قیامت آجائیگی۔ اگر اب مجھ سے ٹھٹھا کرتے ہین تو اس ٹھٹھے سے کیا نقصان کیونکہ کوئی نبی نہین جس سے ٹھٹھا نہین کیا گیا پس ضرور تھا کہ مسیح موعود سے بھی ٹھٹھا کیا جاتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہی یَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ٭

پس خدا کی طرف سے یہ نشانی ہی کہ ہر ایک نبی سے ٹھٹھا کیا جاتا ہی مگر ایسا آدمی جو تمام لوگون کے روبرو آسمان سے اترے اور فرشتے بھی اسکے ساتھ ہون اس سے کون ٹھٹھا کریگا۔ پس اس دلیل سے بھی عقلمند سمجھ سکتا ہی کہ مسیح موعود کا آسمان سے اترنا محض جھوٹا خیال ہی یاد رکھو کہ کوئی آسمان سے نہین اترے گا ہمارے سب مخالف جو اب زندہ موجود ہین وہ تمام مرینگے اور کوئی ان مین سے عیسٰے بن مریم کو آسمان سے اترتے نہین دیکھے گا اور پھر انکی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مرے گی اور ان مین سے بھی کوئی آدمی عیسٰے بن مریم کو آسمان سے اترتے نہین دیکھے گا اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اترتے نہین دیکھے گی۔ تب خدا ان کے دلون مین گھبراہٹ ڈالیگا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گذر گیا اور دنیا دوسرے رنگ مین آگئی مگر مریم کا بیٹا عیسٰے ابتک آسمان سے نہ اترا۔ تب دانشمند یکدفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہوجائینگے اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہین ہوگی کہ عیسٰے کے انتظار کرنیوالے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہوکر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑینگے اور دنیا مین ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا مین تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہون سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہین جو اس کو روک سکے ٭

اور یہ خیال مت کرو کہ آریہ یعنے ہندو دیانندی مذہب والے کچھ چیز ہین وہ صرف اس زنبور کی طرح ہین جس مین بجز نیش زنی کے اور کچھ نہین۔ وہ نہین جانتے کہ توحید کیا چیز ہے اور روحانیت سے سراسر بے نصیب ہین عیب چینی کرنا اور خدا کے پاک رسولون کو گالیان دینا ان کا کام ہی اور بڑا کمال ان کا یہی ہی کہ شیطانی وساوس سے اعتراضات کے ذخیرے جمع کر رہے ہین اور تقوے اور طہارت کی روح ان مین نہین یاد رکھو کہ بغیر روحانیت کے کوئی مذہب چل نہین سکتا اور مذہب بغیر روحانیت کے کچھ بھی چیز نہین جس مذہب مین روحانیت نہین اور جس مذہب مین خدا کے ساتھ مکالمہ کا تعلق نہین اور صدق و صفا کی روح نہین اور آسمانی کشش اسکے ساتھ نہین اور فوق العادت تبدیلی کا نمونہ اسکے پاس نہین وہ مذہب مردہ ہے۔ اس سے مت ڈرو۔ ابھی تم مین سے لاکھون اور کروڑون انسان زندہ ہونگے کہ اس مذہب کو نابود ہوتے دیکھ لوگے کیونکہ یہ مذہب آریا کا زمین سے ہے نہ آسمان سے اور زمین کی باتین پیش کرتا ہی نہ آسمان کی پس تم خوش ہو اور خوشی سے اچھلو کہ خدا تمہارے ساتھ ہی اگر تم صدق اور ایمان پر قائم رہوگے تو فرشتے تمہین تعلیم دینگے اور آسمانی سکینت تم پر اترے گی اور روح القدس سے مدد دئے جاؤگے اور خدا ہر ایک قدم مین تمہارے ساتھ ہوگا اور کوئی تم پر غالب نہین ہو سکے گا۔ خدا کے فضل کی صبر سے انتظار کرو گالیان سنو اور چپ رہو۔ مارین کھاؤ اور صبر کرو

اور ضعے المقدور بدی کے مقابلہ سے پرہیز کرو تا آسمان پر تمہاری قبولیت لکھی جاوے یقیناً یاد رکھو کہ جو لوگ خدا سے ڈرتے ہین اور دل ان کے خدا کے خوف سے پگھل جاتے ہین انہین کے ساتھ خدا ہوتا ہی اور وہ ان کے دشمنون کا دشمن ہوجاتا ہی دنیا صادق کو نہین دیکھتی پر خدا جو علیم و خبیر ہے وہ صادق کو دیکھ لیتا ہی پس اپنے ہاتھ سے اسکو بچاتا ہی کیا وہ شخص جو سچے دل سے تم سے پیار کرتا ہی اور سچ مچ تمہارے لئے مرنے کو بھی تیار ہوتا ہی اور تمہارے منشاء کے موافق تمہاری اطاعت کرتا ہی اور تمہارے لئے سب کچھ چھوڑتا ہی کیا تم اس سے پیار نہین کرتے اور کیا تم اسکو سب سے عزیز نہین سمجھتے پس جبکہ تم انسان ہوکر پیار کے بدلہ پیار کرتے ہو پھر کیونکر خدا نہین کریگا۔ خدا خوب جانتا ہی کہ واقعی اسکا وفادار دوست کون ہی اور کون غدار اور دنیا کو مقدم رکھنے والا ہی سو تم اگر ایسے وفادار ہو جاؤگے تو تم مین اور تمہارے غیرون مین خدا کا ہاتھ ایک فرق قائم کرکے دکھلائیگا۔

ذکر اس پیشگوئی کا جو براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۱۰ مین درج ہی مع اس پیشگوئی کے جو براہین کے صفحہ ۵۱۱ مین مندرج ہی یعنی وہ پیشگوئی جو صاحبزادہ مولوی محمد عبد اللطیف صاحب مرحوم اور میان عبد الرحمن مرحوم کی شہادت کی نسبت ہے اور وہ پیش گوئی جو میرے محفوظ رہنے کی نسبت ہے

واضح ہو کہ براہین احمدیہ کے صفحہ پانچسو دس ۵۱۰ اور صفحہ پانچسو گیارہ ۵۱۱ مین یہ پیش گوئیان ہین۔

وان لم یعصمک الناس یعصمک اللہ من عندہ یعصمک اللہ من عندہ وان لم یعصمک الناس شاتان تذبحان۔ وکل من علیہا فان۔ ولا تہنوا ولا تحزنوا الیس اللہ بکاف عبدہ۔ الم تعلم ان اللہ علی کل شیءٍ قدیر۔ وجئنا بک علی ھؤلاءِ شہیدا۔ وفی اللہ اجرک۔ ویرضی عنک ربک۔ ویتم اسمک وعسی ان تحبوا شیئا وھو شر لکم۔ وعسی ان تکرھوا شیئًا وھو خیر لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون ٭

ترجمہ۔ اگرچہ لوگ تجھے قتل ہونے سے نہ بچائین لیکن خدا تجھے بچائیگا۔ خدا تجھے ضرور قتل ہونے سے بچائیگا اگرچہ لوگ نہ بچائین یہ اس بات کیطرف اشارہ تھا کہ لوگ تیرے قتل کے لئے سعی اور کوشش کرینگے خواہ اپنے طور سے اور خواہ گورنمنٹ کو دھوکہ دیکر مگر خدا

ان کو ان کی تدبیروں میں نامراد رکھیگا۔ یہ ارادہ الٰہی اس غرض سے ہے کہ اگرچہ قتل ہونا مومن کیلئے شہادت ہے لیکن عادت اللہ اسی طرح ہے کہ دو قسم کے مرسل من اللہ قتل نہیں ہوا کرتے (۱) ایک وہ نبی جو سلسلہ کے اول پر آتے ہیں جیسا کہ سلسلہ موسویہ میں حضرت موسےٰ اور سلسلہ محمدیہ میں ہمارے سید و مولےٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم (۲) دوسرے وہ نبی اور مامور من اللہ جو سلسلہ کے آخر میں آتے ہیں جیسے کہ سلسلہ موسویہ میں حضرت عیسےٰ اور سلسلہ محمدیہ میں یہ عاجز۔ یہی راز ہے کہ جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت قرآن شریف میں **یعصمک اللہ** کی بشارت ہے ایسا ہی اس خدا کی وحی میں میرے لئے **یعصمک اللہ** کی بشارت ہے اور سلسلہ کے اول اور آخر کے مرسل کو قتل سے محفوظ رکھنا اس حکمت الٰہی کے تقاضا سے ہے۔ کہ اگر اول سلسلہ کا مرسل جو صدر سلسلہ ہے شہید کیا جائے تو عوام کو اس مرسل کی نسبت بہت شبہات پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ ہنوز وہ اس سلسلہ کی پہلی اینٹ ہوتا ہے پس اگر سلسلہ کی بنیاد پڑتے ہی اس سلسلہ پر یہ پتھر پڑیں کہ جو بانی سلسلہ ہے وہی قتل کیا جائے تو یہ ابتلا عوام کی برداشت سے برتر ہوگا اور ضرور وہ شبہات میں پڑینگے اور ایسے بانی کو نعوذ باللہ مفتری قرار دینگے مثلاً اگر حضرت موسےٰ فرعون کے روبرو جا کر اسی روز قتل کئے جاتے یا ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم اس روز جس دن قتل کیلئے مکہ میں آپ کے گھر کا محاصرہ کیا گیا تھا کافروں کے ہاتھ سے شہید کئے جاتے تو شریعت اور سلسلہ کا وہیں خاتمہ ہو جاتا اور بعد اسکے کوئی نام بھی نہ لیتا۔ پس یہی حکمت تھی کہ باوجود ہزاروں جانی دشمنوں کے نہ حضرت موسےٰ شہید ہو سکے اور نہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم شہید ہو سکے۔ اور اگر آخر سلسلہ کا مرسل شہید کیا جائے تو عوام کی نظر میں خاتمہ سلسلہ پر ناکامی اور نامرادی کا داغ لگایا جائے گا اور خدا تعالےٰ کا منشا یہ ہے کہ خاتمہ سلسلہ کا فتح اور کامیابی کے ساتھ ہو۔ کیونکہ حکم خواتیم پر ہوتا ہے اور خدا تعالےٰ کا منشا ہرگز نہیں ہے کہ خاتمہ سلسلہ پر دشمن ملعون کو کوئی خوشی پہنچے جیسا کہ اس کا منشا نہیں ہے کہ سلسلہ کی ابتدا میں ہی پہلی اینٹ کے ٹوٹنے سے ہی دشمن لعنتی خوشی سے بغلیں بجاویں پس اس لئے حکمت الٰہیہ نے سلسلہ موسویہ کے آخر میں حضرت عیسےٰ کو صلیب کی موت سے بچا لیا اور سلسلہ محمدیہ کے آخر میں بھی اسی غرض سے کوشش کی گئی یعنی خون کا دعوےٰ کیا گیا تا محمدی مسیح کو صلیب پر کھینچا جائے۔ مگر خدا کا فضل پہلے مسیح کی نسبت بھی اس مسیح پر زیادہ جلوہ نما ہوا اور سزائے موت سے اور ہر ایک سزا سے محفوظ رکھا غرض چونکہ اول اور آخر سلسلہ کے دو دیواریں ہیں۔ اور دو پشتیبان ہیں۔ اس لئے عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ اول سلسلہ اور آخر سلسلہ کے مرسل کو قتل سے محفوظ رکھتا ہے اگرچہ شریر اور خبیث آدمی بہت کوشش کرتے ہیں کہ قتل کریں مگر خدا کا ہاتھ انکے ساتھ ہوتا ہے۔ بعض وقت نادان دشمن دھوکہ سے یہ خیال کرتا ہے کہ کیا میں نیک نہیں ہوں اور کیا میں نماز اور روزہ کا پابند نہیں جیسا کہ یہود کے فقیہوں اور فریسیوں کو یہی خیال تھا بلکہ بعض ان میں سے حضرت عیسےٰ کے وقت میں ملہم ہونیکا بھی دعوےٰ کرتے تھے۔ مگر ایسا نادان یہ نہیں جانتا کہ جو خدا کے صادق بندے ہوتے ہیں اور گہرے تعلق

اس کے ساتھ رکھتے ہین۔ وہ اس صدق اور وفا اور محبت الٰہیہ سے رنگین ہوتے ہین کہ خدا تعالٰی کو ان کا ساتھ دینا پڑتا ہے اور ان کے دشمن کو ہلاک کرتا ہی جیسا کہ بلعم نے تکبر اور غرور سے یہ خیال کیا کہ کیا موسٰی مجھ سے بہتر ہے مگر موسٰی کا خدا کے ساتھ ایک تعلق تھا جسکو لفظ ادا نہین کر سکتے اور جو بیان کرنے مین نہین آسکتا اس لئے اندھا بلعم اس تعلق سے بیخبر رہا اور جو اپنے سے بہت بڑا تھا اسکا مقابلہ کر کے مارا گیا۔ سو ہمیشہ یہ امر واقع ہوتا ہی کہ جو خدا کے خاص حبیب اور وفادار بندے ہین ان کا صدق خدا کے ساتھ اس حد تک پہنچ جاتا ہی کہ یہ دنیادار اندھے اسکو دیکھ نہین سکتے۔ اس لئے ہر ایک سجادہ نشینون اور مولویون مین سے انکے مقابلہ کے لئے اٹھتا ہی اور وہ مقابلہ اس سے نہین بلکہ خدا سے ہوتا ہی بھلا یہ کیونکر ہو سکے کہ جس شخص کو خدا نے ایک عظیم الشان غرض کے لئے پیدا کیا ہے اور جسکے ذریعہ سے خدا چاہتا ہے کہ ایک بڑی تبدیلی دنیا مین ظاہر کرے ایسے شخص کو چند جاہل اور بزدل ا[illegible]خام اور ناتمام اور بیوفا زاہدون کی خاطر سے ہلاک کر دے اگر دو کشتیون کا باہم ٹکراؤ ہو جائے جن مین سے ایک کشتی ایسی ہو کہ اس مین بادش[illegible] وقت جو عادل اور کریم الطبع اور فیاض اور سعید النفس ہے معہ اپنے خاص ارکان کے سوار ہو۔ اور دوسری ایسی ہو جس مین چند چوہڑے یا چمار یا سانسی بدمعاش بدوضع بیٹھے ہین اور ایسا موقع آپڑا ہے کہ ایک کشتی کا بچاؤ اس مین ہو کہ دوسری کشتی معہ اسکے سوارونکے تباہ کیجائے تو اب بتلاؤ کہ اسوقت کونسی کارروائی بہتر ہوگی۔ کیا اس بادشاہ عادل کی کشتی تباہ کی جائے گی یا ان بدمعاشون کی کشتی کہ جو حقیر و ذلیل ہین تباہ کر دیجائے گی مین تمہین سچ سچ کہتا ہون کہ بادشاہ کی کشتی بڑی زور اور حمایت سے بچائی جائے گی۔ اور ان چوہڑون چمارون کی کشتی تباہ کر دی جائے گی اور وہ بالکل لاپرواہی سے ہلاک کر دئے جائینگے اور انکے ہلاک ہونے مین خوشی ہوگی کیونکہ دنیا کو بادشاہ عادل کے وجود کی بہت ضرورت ہے اور اسکا مرنا ایک عالم کا مرنا ہے۔ اگر چند چوہڑے اور چمار مر گئے تو ان کی موت سے کوئی خلل دنیا کے انتظام مین نہین آسکتا۔ پس خدا تعالٰی کی یہی سنت ہے کہ جب اسکے مرسلون کے مقابل پر ایک اور فریق کھڑا ہو جاتا ہے تو گو وہ اپنے خیال مین کیسے ہی اپنے تئین نیک قرار دین انہین کو خدا تعالٰے تباہ کرتا ہے اور انہین کی ہلاکت کا وقت آجاتا ہے کیونکہ وہ نہین چاہتا کہ جس غرض کے لئے اپنے کسی مرسل کو مبعوث فرماتا ہے اسکو ضائع کرے کیونکہ اگر ایسا کرے تو پھر وہ خود اپنی غرض کا دشمن ہوگا۔ اور پھر زمین پر اس کی کون عبادت کرے گا۔ دنیا کثرت کو دیکھتی ہی اور خیال کرتی ہی کہ یہ فریق بہت بڑا ہے۔ سو یہ اچھا ہے اور نادان خیال کرتا ہی کہ یہ لوگ ہزارون لاکھون مساجد مین جمع ہوتے مین کیا یہ برے ہین۔ مگر خدا کثرت کو نہین دیکھتا وہ دلون کو دیکھتا ہے خدا کے خاص بندون مین محبت الٰہی اور صدق و وفا کا ایک ایسا خاص نور ہوتا ہی کہ اگر مین بیان کر سکتا تو بیان کرتا لیکن مین کیا بیان کرون جب سے دنیا ہوئی اس راز کو کوئی نبی یا رسول بیان نہین کر سکا۔ خدا کے باوفا بندون کی اس طور سے آستانہ الٰہی پر روح گرتی ہے کہ کوئی لفظ ہمارے پاس نہین کہ اس کیفیت کو دکھلا سکے +

اب بعد اسکے بقیہ ترجمہ کر کے اس مضمون کو ختم کرتا ہون۔ خدا تعالٰے فرماتا ہی کہ اگرچہ مین تجھے قتل سے بچاؤن گا

مگر تیری جماعت مین سے دو بکریان ذبح کی جاینگی اور ہر ایک جو زمین پر ہے آخر فنا ہوگا یعنے بیگناہ اور معصوم ہونے کی
حالت مین قتل کیجائینگی - یہ خدا تعالےٰ کی کتابون مین محاورہ ہے کہ بیگناہ اور معصوم کو بکرے یا بکری سے تشبیہ دیجاتی ہے اور کبھی
گائیون سے بھی تشبیہ دیجاتی ہے سو خدا تعالےٰ نے اس جگہ انسان کا لفظ چھوڑ کر بکری کا لفظ استعمال کیا کیونکہ بکری مین
دو ہنر ہین وہ دودھ بھی دیتی ہے اور پھر اسکا گوشت بھی کھایا جاتا ہے اور یہ پیشگوئی شہید مرحوم مولوی محمد عبد اللطیف اور
انکے شاگرد عبد الرحمن کے بارہ مین ہے کہ جو براہین احمدیہ کے لکھے جانے کے بعد پورے تیئس برس بعد پوری ہوئی اتنک لاکھون
کروڑون انسانون نے اس پیشگوئی کو میری کتاب براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۱۱ مین پڑھا ہوگا اور ظاہر ہے کہ جیسا کہ ابھی
مین نے لکھا ہے بکری کی صفتون مین سے ایک دودھ دینا ہے اور ایک اسکا گوشت ہے جو کھایا جاتا ہے یہ دونون بکری کی
صفتین مولوی عبد اللطیف صاحب مرحوم کی شہادت سے پوری ہوئین کیونکہ مولوی صاحب موصوف نے مباحثہ کے وقت
انواع اقسام کے معارف اور حقایق بیان کرکے مخالفون کو دودھ دیا گو بدقسمت مخالفون نے وہ دودھ نہ پیا اور پھینکدیا
اور پھر شہید مرحوم نے اپنی جان کی قربانی سے اپنا گوشت دیا اور خون بہایا تا مخالف اس گوشت کو کھاوین اور اس خون کو
پیوین یعنے محبت کے رنگ مین اور اس طرح اس پاک قربانی سے فائدہ اٹھاوین اور سوچ لین کہ جس مذہب اور جس
عقیدہ پر وہ قائم ہین اور جس پر انکے باپ دادے مر گئے کیا ایسی قربانی کبھی انہون نے کی کیا ایسا صدق اور اخلاص
کبھی کسی نے دکھلایا - کیا ممکن ہے کہ جبتک انسان یقین سے بھر کر خدا کو نہ دیکھے وہ ایسی قربانی دیسکے - بیشک ایسا خون
اور ایسا گوشت ہمیشہ حق کے طالبونکو اپنی طرف دعوت کرتا رہیگا جبتک کہ دنیا ختم ہوجاوے - غرض چونکہ صاحبزادہ مولوی
عبد اللطیف صاحب کو ان دو صفتون کی وجہ سے بکری سے بہت مشابہت تھی اور میان عبد الرحمن بھی بکری سے مشابہت
رکھتا تھا اسلئے انکو بکری کے نام سے یاد کیا گیا اور چونکہ خدا تعالےٰ جانتا تھا کہ اس راقم اور اس کی جماعت پر ان ناحق کے
خون سے بہت صدمہ گذریگا اس لئے اس وحی کے مابعد آنیوالے فقرون مین تسلی اور عزا پرسی کے رنگ مین کلام
نازل فرمایا جو ابھی عربی مین لکھ چکا ہون جسکا یہ ترجمہ ہے کہ اس مصیبت اور اس سخت صدمہ سے تم غمگین اور اداس
مت ہو کیونکہ اگر دو آدمی تم مین سے مارے گئے تو خدا تمہارے ساتھ ہے وہ دو کے عوض ایک قوم تمہارے پاس لائیگا
اور وہ اپنے بندہ کے لئے کافی ہے - کیا تم نہین جانتے کہ خدا ہر ایک چیز پر قادر ہے اور یہ لوگ جو ان دو مظلومونکو شہید کرینگے ہم تجھ کو
ان پر قیامت مین گواہ لائینگے اور کس گناہ سے انہون نے شہید کیا تھا اور خدا تیرا اجر دیگا اور تجھ سے راضی ہوگا اور تیرے نام کو
پورا کریگا - یعنے احمد کے نام کو جسکے یہ معنے ہین کہ خدا کی بہت تعریف کرنیوالا اور وہی شخص خدا کی بہت تعریف کرتا ہے جس پر خدا
کے انعام اکرام بہت نازل ہوتے ہین پس مطلب یہ ہے کہ خدا تجھ پر انعام اکرام کی بارش کریگا اسلئے تو سب سے زیادہ اسکا
ثناخوان ہوگا - تب تیرا نام جو احمد ہے پورا ہو جائیگا - پھر اسکے فرمایا کہ ان شہیدون کے مارے جانیسے غم مت کرو - ان کی

شہادت میں حکمت الٰہی ہے اور بہت باتیں ہیں جو تم چاہتے ہو کہ وہ وقوع میں آویں۔ حالانکہ ان کا واقع ہونا تمہارے لئے اچھا نہیں ہوتا اور بہت امور ہیں جو تم چاہتے ہو کہ وہ واقع نہ ہوں حالانکہ ان کا واقع ہونا تمہارے لئے اچھا ہوتا ہے اور خدا خوب جانتا ہے کہ تمہارے لئے کیا بہتر ہے۔ مگر تم نہیں جانتے اس تمام وحی الٰہی میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف مرحوم کا اس بیرحمی سے مارا جانا اگرچہ ایسا امر ہے کہ اسکے سننے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے (**وما رئینا ظلماً اغیظ من ہذا**) لیکن اس خون میں بہت برکات ہیں کہ بعد میں ظاہر ہونگے اور کابل کی زمین دیکھ لیگی کہ یہ خون کیسے کیسے پھل لائیگا یہ خون کبھی ضائع نہیں جائیگا۔ پہلے اس سے غریب عبد الرحمن میری جماعت کا ظلم سے مارا گیا اور خدا چپ رہا مگر اس خون پر اب وہ چپ نہیں رہیگا اور بڑے بڑے نتائج ظاہر ہونگے۔ چنانچہ سنا گیا ہے کہ جب شہید مرحوم کو ہزاروں پتھروں سے قتل کیا گیا تو انہیں دنوں میں سخت ہیضہ کابل میں پھوٹ پڑا اور بڑے بڑے ریاست کے نامی اسکا شکار ہو گئے اور بعض امیر کے رشتہ دار اور عزیز بھی اس جہان سے رخصت ہوئے مگر ابھی کیا ہے۔ یہ خون بڑی بیرحمی کے ساتھ کیا گیا ہے اور آسمان کے نیچے ایسے خون کی اس زمانہ میں نظیر نہیں ملے گی۔ ہائے اس نادان امیر نے کیا کیا کہ ایسے معصوم شخص کو کمال بیدردی سے قتل کر کے اپنے تئیں تباہ کر لیا۔ اے کابل کی زمین تو گواہ رہ کہ تیرے پر سخت جرم کا ارتکاب کیا گیا۔ اے بدقسمت زمین تو خدا کی نظر سے گر گئی کہ تو اس ظلم عظیم کی جگہ ہے۔

ایک جدید کرامت مولوی عبد اللطیف صاحب مرحوم کی

جب میں نے اس کتاب کو لکھنا شروع کیا تو میرا ارادہ تھا کہ قبل اس کے جو ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو بمقام گورداسپور ایک مقدمہ پر جاؤں جو ایک مخالف کی طرف سے فوجداری میں میرے پر دائر ہے یہ رسالہ تالیف کر لوں اور اسکو ساتھ لے جاؤں۔ تو ایسا اتفاق ہوا کہ مجھے درد گردہ سخت پیدا ہوا میں نے خیال کیا کہ یہ کام ناتمام رہ گیا صرف دو چار دن ہیں اگر میں اسی طرح درد گردہ میں مبتلا رہا جو ایک مہلک بیماری ہے تو یہ تالیف نہیں ہو سکے گی۔ تب خدا تعالے نے مجھے دعا کی طرف توجہ دلائی میں نے رات کے وقت میں جبکہ تین گھنٹے کے قریب بارہ بجے کے بعد رات گذر چکی تھی اپنے گھر کے لوگوں سے کہا کہ اب میں دعا کرتا ہوں تم آمین کہو۔ سو میں نے اسی دردناک حالت میں صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف کے تصور سے دعا کی کہ یا الٰہی اس مرحوم کے لئے میں اسکو لکھنا چاہتا تھا تو ساتھ ہی مجھے غنودگی ہوئی اور الہام ہوا۔ **سلام قولاً من رب رحیم**۔ یعنے سلامتی اور عافیت ہے یہ خدائے رحیم کا کلام ہے۔ پس قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ابھی صبح کے چھ نہیں بجے تھے کہ میں بالکل تندرست ہو گیا اور اسی روز نصف کے قریب کتاب کو لکھ لیا۔ **فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک**۔

ایک ضروری امر اپنی جماعت کی توجہ کے لئے

اگرچہ میں خوب جانتا ہوں کہ جماعت کے بعض افراد ابھی تک اپنی روحانی کمزوری کی حالت میں ہیں یہانتک کہ بعض کو اپنے وعدوں پر بھی ثابت رہنا مشکل ہے لیکن جب میں اس استقامت اور جانفشانی کو دیکھتا ہوں جو صاحبزادہ مولوی محمد عبد اللطیف مرحوم سے ظہور میں آئی تو مجھے اپنی جماعت کی نسبت بہت امید بڑھ جاتی ہے کیونکہ جس خدا نے بعض افراد اس جماعت کو یہ توفیق دی کہ نہ صرف مال بلکہ جان بھی اس راہ میں قربان کر گئے اس خدا کا صریح یہ منشا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت سے ایسے افراد اس جماعت میں پیدا کرے جو صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف کی روح رکھتے ہوں۔ اور ان کی روحانیت کا ایک نیا پودہ ہوں جیسا کہ میں نے کشفی حالت میں واقعہ شہادت مولوی صاحب موصوف کے قریب دیکھا کہ ہمارے باغ میں سے ایک بلند شاخ سرو کی کاٹی گئی* اور میں نے کہا کہ اس شاخ کو زمین میں دوبارہ نصب کر دو تا وہ بڑھے اور پھولے۔ سو میں نے اس کی یہی تعبیر کی کہ خدا تعالیٰ بہت سے انکے قائمقام پیدا کر دیگا۔ سو میں یقین رکھتا ہوں کہ کسی وقت میرے اس کشف کی تعبیر ظاہر ہو جائے گی۔ مگر ابھی تک یہ حال ہے کہ اگر میں ایک تھوڑی سی بات بھی اس سلسلہ کے قائم رکھنے کیلئے جماعت کے آگے پیش کرتا ہوں تو ساتھ ہی میرے دل میں خیال آتا ہے کہ مبادا اس بات سے کسی کو ابتلا پیش نہ آوے۔ اب ایک ضروری بات جو اپنی جماعت کے آگے پیش کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ لنگر خانہ کے لئے جسقدر میری جماعت وقتاً فوقتاً مدد کرتی رہتی ہے وہ قابل تعریف ہے ہاں اس مد میں پنجاب نے بہت حصہ لیا ہوا ہے اسکا سبب یہ ہے کہ پنجاب کے لوگ اکثر میرے پاس آتے جاتے ہیں۔ اور اگر دلوں میں غفلت کی وجہ سے کوئی سختی آ جائے تو صحبت اور پے در پے ملاقات کے اثر سے وہ سختی بہت جلد دور ہوتی رہتی ہے اس لئے پنجاب کے لوگ خاصکر بعض افراد ان کی محبت اور صدق اور اخلاص میں ترقی کرتے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے ہر ایک ضرورت کے وقت وہ بڑی سرگرمی دکھلاتے ہیں اور سچی اطاعت کے آثار ان سے ظاہر ہوتے ہیں اور یہ ملک دوسرے ملکوں سے نسبتاً کچھ نرم دل بھی ہے بایں ہمہ انصاف سے دور ہوگا اگر میں تمام دور کے مریدوں کو ایسے ہی سمجھ لوں کہ وہ ابھی اخلاص اور سرگرمی سے کچھ حصہ نہیں رکھتے کیونکہ صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف جس نے جان نثاری کا یہ نمونہ دکھایا وہ بھی تو دور کی زمین کا رہنے والا تھا جس کے صدق اور وفا اور اخلاص اور استقامت کے آگے پنجاب کے بڑے بڑے مخلصوں کو بھی شرمندہ ہونا پڑتا ہے اور کہنا پڑتا ہے کہ وہ ایک شخص تھا کہ ہم سب سے پیچھے آیا اور سب سے آگے بڑھ گیا۔ اسیطرح بعض دور دراز ملک کے مخلص بڑی بڑی خدمت مالی کر چکے ہیں اور انکے صدق و وفا میں کبھی فتور نہ آیا۔ جیسا کہ اخویم سیٹھ عبد الرحمن تاجر مدراس اور چند ایسے اور دوست لیکن کثرت تعداد کے لحاظ سے پنجاب کو مقدم رکھا گیا ہے کیونکہ پنجاب میں ہر ایک طبقہ کے آدمی خدمت دینی سے بہت حصہ لیتے جاتے ہیں اور دور کے اکثر لوگ اگرچہ ہمارے سلسلہ میں داخل تو ہیں مگر بوجہ اسکے کہ ان کو صحبت کم نصیب ہوتی ہے ان کے دل بکلی دنیا کے گند سے صاف نہیں ہیں۔ امر یہ معلوم ہوتا ہے

* اس سے پہلے ایک صریح وحی الٰہی صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف صاحب مرحوم کی نسبت ہوئی تھی جبکہ وہ زندہ تھے بلکہ قادیان میں ہی موجود تھے اور وہ وحی الٰہی براہین احمدیہ میں اور نیز الحکم ۱۹ فروری ۱۹۰۲ء میں اور الحکم ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء اور البدر ۱۶ جنوری ۱۹۰۳ء کالم ۲ اور ۳ میں شائع ہو چکی ہے جو مولوی صاحب کی نسبت ہے اور وہ یہ ہے قُتِلَ خَیْبَۃً وَزِیْدَ ھَیْبَۃً یعنی ایسی حالت میں مارا گیا کہ کوئی بات اسکی کسی نے نہ سُنا اور اُسکا مارا جانا ایک ہیبت ناک امر تھا یعنی لوگوں کو بہت ہیبت ناک معلوم ہوا اور اسکا بڑا اثر دلوں پر ہوا - منہ

کیا تو آخر کار وہ گند سے صاف ہو جائینگے اور یا خدا تعالے انکو اس پاک سلسلہ سے کاٹ دیگا۔ اور ایک مردار کی طرح مرینگے
بڑی غلطی انسان کی دنیا پرستی ہے۔ یہ بدبخت اور منحوس دنیا کبھی خوف دلانیسے اور کبھی امید دینے سے اکثر لوگون کو اپنے دام
مین لے لیتی ہے اور یہ اسی مین مرتے ہین۔ نادان کہتا ہے کہ کیا ہم دنیا کو چھوڑ دین اور یہ غلطی انسان کو نہین چھوڑتی جبتک کہ
اس کو بے ایمان کر کے ہلاک نکرے۔ اے نادان کون کہتا ہے کہ تو اسباب کی رعایت چھوڑدے مگر دل کو دنیا اور دنیا کے فریبون
سے الگ کر ورنہ تو ہلاک شدہ ہے اور جس عیال کیلئے تو حد سے زیادہ بڑھتا جاتا ہے یہان تک کہ خدا کے فرایض کو بھی چھوڑتا
ہے اور طرح طرح کی مکاریون سے ایک شیطان بن جاتا ہے اس عیال کیلئے تو بدی کا بیج بوتا ہے اور ان کو تباہ کرتا ہے اسلئے کہ خدا
تیری پناہ مین نہین کیونکہ تو پارسا نہین۔ خدا تیرے دل کی جڑھ کو دیکھ رہا ہے سو تو بیوقت مریگا اور عیال کو تباہی مین ڈالیگا
لیکن وہ جو خدا کی طرف جھکا ہوا ہے اس کی خوش قسمتی سے اسکے زن و فرزند کو بھی حصہ ملیگا اور اسکے مرنیکے بعد بھی وہ
تباہ نہین ہونگے جو لوگ مجھ سے سچا تعلق رکھتے ہین وہ اگرچہ ہزار کوس پر بھی ہین تاہم ہمیشہ مجھے لکھتے رہتے ہین اور دعائین
کرتے رہتے ہین کہ خدا تعالے انہین موقعہ دے تا وہ برکات صحبت حاصل کرین مگر افسوس کہ بعض ایسے ہین کہ مین دیکھتا ہون
کہ قطع نظر ملاقات کے سالہا سال گذر جاتے ہین اور ایک کارڈ بھی ان کی طرف سے نہین آتا اس سے مین سمجھتا ہون کہ انکے دل
مرگئے ہین اور انکے باطن کے چہرہ پر کوئی داغ جذام ہے۔ مین تو بہت دعا کرتا ہون کہ میری سب جماعت ان لوگون مین
ہو جائے جو خدا تعالے سے ڈرتے ہین اور نماز پر قائم رہتے ہین اور رات کو اٹھ کر زمین پر گرتے ہین اور روتے ہین اور خدا کے
فرائض کو ضائع نہین کرتے اور بخیل اور ممسک اور غافل اور دنیا کے کیڑے نہین ہین اور مین امید رکھتا ہون کہ یہ
میری دعائین خدا تعالے قبول کریگا اور مجھے دکھائیگا کہ اپنے پیچھے مین ایسے لوگون کو چھوڑتا ہون لیکن وہ لوگ جن کی آنکھین
زنا کرتی ہین اور جنکے دل پاخانہ سے بدتر ہین اور جنکو مرنا ہرگز یاد نہین ہے مین اور میرا خدا اُن سے بیزار ہین۔ مین بہت خوش
ہونگا اگر ایسے لوگ اس پیوند کو قطع کرلین کیونکہ خدا اس جماعت کو ایک ایسی قوم بنانا چاہتا ہے جسکے نمونہ سے لوگون کو
خدا یاد آوے۔ اور جو تقوے اور طہارت کے اول درجہ پر قائم ہون اور جنہون نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم رکھ لیا
ہو۔ لیکن وہ مفسد لوگ جو میرے ہاتھ کے نیچے ہاتھ رکھ کر اور یہ کہہ کر کہ ہم نے دین کو دنیا پر مقدم کیا۔ پھر وہ اپنے گھر وں مین
جا کر ایسے مفاسد مین مشغول ہو جائین کہ صرف دنیا ہی دنیا انکے دلون مین ہوتی ہے نہ ان کی نظر پاک ہے نہ ان کا دل پاک ہے
اور نہ انکے ہاتھون سے کوئی نیکی ہوتی ہے اور نہ انکے پیر کسی نیک کام کے لئے حرکت کرتے ہین۔ اور وہ اس چوہے کی طرح
ہین جو تاریکی مین ہی پرورش پاتا ہے اور اسی مین رہتا اور اسی مین مرتا ہے۔ وہ آسمان پر ہمارے سلسلہ مین سے کاٹے
گئے ہین وہ عبث کہتے ہین کہ ہم اس جماعت مین داخل ہین کیونکہ آسمان پر وہ داخل نہین سمجھے جاتے۔ جو شخص
میری اس وصیت کو نہین مانتا کہ درحقیقت وہ دین کو دنیا پر مقدم کرے اور درحقیقت ایک پاک انقلاب اُسکی

ہستی پر آجائے اور درحقیقت وہ پاک دل اور پاک ارادہ ہو جائے اور پلیدی اور حرامکاری کا تمام چولا اپنے بدن پر سے پھینکدے اور نوع انسان کا ہمدرد اور خدا کا سچا تابعدار ہو جائے اور اپنی تمام خودروی کو الوداع کہہ کر میرے پیچھے ہو لے میں اس شخص کو اس کتے سے مشابہت دیتا ہوں جو ایسی جگہ سے الگ نہیں ہوتا جہان مردار پھینکا جاتا ہو اور جہان سڑے گلے مردون کی لاشین ہوتی ہین کیا مین اس بات کا محتاج ہون کہ وہ لوگ زبان سے میرے ساتھ ہون اور اس طرح پر دیکھنے کے لئے ایک جماعت ہو مین سچ سچ کہتا ہون کہ اگر تمام لوگ مجھے چھوڑ دین اور ایک بھی میرے ساتھ نہ رہے تو میرا خدا میرے لئے ایک اور قوم پیدا کریگا جو صدق اور وفا مین ان سے بہتر ہوگی۔ یہ آسمانی کشش کام کر رہی ہے جو نیک دل لوگ میری طرف دوڑتے ہین کوئی نہین جو آسمانی کشش کو روک سکے بعض لوگ خدا سے زیادہ اپنے مکر اور فریب پر بھروسہ رکھتے ہین شاید انکے دلون مین یہ بات پوشیدہ ہو کہ نبوتین اور رسالتین سب انسانی مکر ہین اور اتفاقی طور پر شہرتین اور قبولیتین ہو جاتی ہین اس خیال سے کوئی خیال پلید تر نہین اور ایسے انسان کو اس خدا پر ایمان نہین جسکے ارادہ کے بغیر ایک پتہ بھی گر نہین سکتا یعنی ہین ایسے دل اور ملعون ہین ایسی طبیعتیں خدا انکو ذلت سے ماریگا کیونکہ وہ خدا کے کارخانہ کے دشمن ہین۔ ایسے لوگ درحقیقت دہریہ اور خبیث باطن ہوتے ہین وہ جہنمی زندگی کے دن گذارتے ہین اور مرنے کے بعد بجز جہنم کی آگ کے انکے حصہ مین کچھ نہین۔

اب مختصر کلام یہ ہے کہ علاوہ لنگرخانہ اور میگزین کے جو انگریزی اور اردو مین نکلتا ہے جسکے لئے اکثر دوستون نے سرگرمی ظاہر کی ہے ایک مدرسہ بھی قادیان مین کھولا گیا ہے اس سے یہ فائدہ ہے کہ نوعمر بچے ایک طرف تو تعلیم پاتے ہین اور دوسری طرف ہمارے سلسلہ کے اصولون سے واقفیت حاصل کرتے جاتے ہین اس طرح پر بہت آسانی سے ایک جماعت تیار ہو جاتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات ان کے مان باپ بھی اس سلسلہ مین داخل ہو جاتے ہین لیکن ان دنون مین ہمارا یہ مدرسہ بڑی مشکلات مین پڑا ہوا ہے اور باوجودیکہ محبی عزیزی اخویم نواب محمد علیخان صاحب رئیس مالیرکوٹلہ اپنے پاس سے اسی روپیہ ماہوار اس مدرسہ کی مدد کرتے ہین مگر پھر بھی استادون کی تنخواہین ماہ بماہ ادا نہین ہو سکتین صدہا روپیہ قرضہ سر پر رہتا ہے علاوہ اسکے مدرسہ کے متعلق کئی عمارتین ضروری ہین جو ابتک تیار نہین ہو سکین یہ غم علاوہ اور غمون کے میری جان کو کھا رہا ہے اس کی بابت مین نے بہت سوچا کہ کیا کرون آخر یہ تدبیر خیال مین آئی کہ مین اسوقت اپنی جماعت کے مخلصون کو بڑے زور کے ساتھ اس بات کیطرف توجہ دلاؤن کہ وہ اگر اس بات پر قادر ہون کہ پوری توجہ سے اس مدرسہ کیلئے بھی کوئی ماہانہ چندہ مقرر کرین تو چاہیئے کہ ہر ایک ان مین سے ایک مستحکم عہد کے ساتھ کچھ نہ کچھ مقرر کرے جسکی ادائی وہ ہرگز تخلف نہ کرے مگر کسی مجبوری سے جو قضا و قدر سے واقع ہو۔ اور جو صاحب ایسا نہ کر سکین انکے لئے بالضرورت یہ تجویز سوچی گئی ہے کہ جو کچھ وہ لنگرخانہ کے لئے بھیجتے ہین اسکا چہارم حصہ براہ راست مدرسہ کیلئے نواب صاحب

موصوف کے نام بھیجدیں۔ لنگرخانہ میں شامل کرکے ہرگز نہ بھیجیں بلکہ علیحدہ منی آرڈر کراکر بھیجیں اگرچہ لنگرخانہ کا فکر ہرروز مجھے کرنا پڑتا ہے اور اس کا غم براہ راست میری طرف آتا ہے اور میری اوقات کو مشوش کرتا ہے لیکن یہ غم بھی مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔ اس لئے میں لکھتا ہوں کہ اس سلسلہ کے جوانمرد لوگ جن سے میں ہر طرح امید رکھتا ہوں کہ وہ میری اس التماس کو ردی کیطرح نہ پھینک دیں اور پوری توجہ سے اس پر کاربند ہوں میں اپنے نفس سے کچھ نہیں کہتا بلکہ وہی کہتا ہوں جو خدا تعالےٰ میرے دل میں ڈالتا ہے میں نے خوب سوچا ہے اور بار بار مطالعہ کیا ہے میری دانست میں اگر یہ مدرسہ قادیان کا قائم رہ جائے تو بڑی برکات کا موجب ہوگا اور اسکے ذریعہ سے ایک فوج نئے تعلیم یافتوں کی ہماری طرف آسکتی ہے اگرچہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اکثر طالب علم نہ دین کیلئے بلکہ دنیا کے لئے پڑھتے ہیں اور انکے والدین کے خیالات بھی اسی حد تک محدود ہوتے ہیں مگر پھر بھی ہر روز کی صحبت میں ضرور اثر ہوتا ہے اگر بیس طالب علموں میں سے ایک بھی ایسا نکلے جسکی طبیعت دینی امور کیطرف راغب ہو جائے اور وہ ہمارے سلسلہ اور ہماری تعلیم پر عمل کرنا شروع کرے تب بھی میں خیال کرونگا کہ ہم نے اس مدرسہ کی بنیاد سے اپنے مقصد کو پالیا۔ آخر میں یہ بھی یاد رہے کہ یہ مدرسہ ہمیشہ اس سقم اور ضعف کی حالت میں نہیں رہیگا بلکہ یقین ہے کہ پڑھنے والوں کی فیس سے بہت سی مدد ملجاویگی یا وہ کافی ہو جائے گی۔ پس اسوقت ضروری نہیں ہوگا کہ لنگرخانہ کی ضروری رقوم کاٹکر مدرسہ کو دیجائیں سو اس وسعت کے حاصل ہونیکے وقت ہماری یہ ہدایت منسوخ ہو جائیگی اور لنگرخانہ جو وہ بھی درحقیقت ایک مدرسہ ہے اپنے چہارم حصہ کی رقم کو پھر واپس پالیگا۔ اور یہ مشکل طریق جس میں لنگرخانہ کو حرج پہنچیگا محض اس لئے میں نے اختیار کیا ہے کہ بظاہر مجھے معلوم ہوتا ہے کہ جسقدر مدد کی ضرورت ہے شاید جدید چندہ میں وہ ضرورت پوری نہ ہوسکے لیکن اگر خدا کے فضل سے پوری ہو جائے تو پھر اس قطع برید کی ضرورت نہیں اور میں نے یہ جو کہا کہ لنگرخانہ بھی ایک مدرسہ ہے یہ اسلئے کہا کہ جو مہمان میرے پاس آتے جاتے ہیں جنکے لئے لنگرخانہ جاری ہے وہ میری تعلیم سنتے رہتے ہیں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جو لوگ ہر وقت میری تعلیم سنتے ہیں خدا تعالےٰ انکو ہدایت دیگا اور ان کے دلوں کو کھولدیگا۔ اب میں اسی قدر پر بس کرتا ہوں اور خدا تعالےٰ سے چاہتا ہوں کہ جو مدعا میں نے پیش کیا ہے میری جماعت کو اسکے پورا کرنے کی توفیق دے اور ان کے مالوں میں برکت ڈالے اور اس کار خیر کے لئے انکے دلوں کو کھولدے آمین۔ ثم آمین۔ والسلام علےٰ من اتبع الہدےٰ +

۱۶ اکتوبر سنہ ۱۹۰۳ء

بقیہ حالات حضرت صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف صاحب مرحوم

میاں احمد نور جو حضرت صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف صاحب کے خاص شاگرد ہیں آج ۸۔ نومبر ۱۹۰۳ء کو مع عیال خوست سے قادیاں میں پہنچے انکا بیان ہے کہ مولوی صاحب کی لاش برابر چالیس دن تک ان پتھروں میں پڑی رہی جن میں وہ سنگسار کئے گئے تھے۔ بعد اسکے میں نے چند دوستوں کے ساتھ ملکر رات کے وقت ان کی نعش مبارک نکالی اور ہم پوشیدہ طور پر شہر میں لائے اور اندیشہ تھا کہ امیر اور اسکے ملازم کچھ مزاحمت کرینگے مگر شہر میں وبائے ہیضہ اس قدر پڑ چکا تھا کہ ہر ایک شخص اپنی بلا میں گرفتار تھا اس لئے ہم اطمینان سے مولوی صاحب مرحوم کا قبرستان میں جنازہ لیگئے اور جنازہ پڑھکر وہاں دفن کردیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ مولوی صاحب جب پتھروں میں سے نکالے گئے تو کستوری کی طرح ان کے بدن سے خوشبو آتی تھی اس سے لوگ بہت متاثر ہوئے +

اس واقعہ سے پہلے کابل کے علماء امیر کے حکم سے مولوی صاحب کے ساتھ بحث کرنیکے لئے جمع ہوئے تھے مولوی صاحب نے ان کو فرمایا کہ تمہارے دو خدا ہیں کیونکہ تم امیر سے ایسا ڈرتے ہو جیسا کہ خدا تعالے سے ڈرنا چاہیئے مگر میرا ایک خدا ہے اس لئے میں امیر سے نہیں ڈرتا اور جب گھر میں تھے اور ابھی گرفتار نہیں ہوئے تھے اور نہ اس واقعہ کی کچھ خبر تھی اپنے دونوں ہاتھوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اے میرے ہاتھو کیا تم ہتکڑیوں کی برداشت کرو گے۔ ان کے گھر کے لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا بات آپ کے منہ سے نکلی ہے۔ تب فرمایا کہ نماز عصر کے بعد تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ کیا بات ہے تب نماز عصر کے بعد حاکم کے سپاہی آئے اور گرفتار کرلیا اور گھر کے لوگوں کو انہوں نے نصیحت کی کہ میں جاتا ہوں اور دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم کوئی دوسری راہ اختیار کرو جس ایمان اور عقیدہ پر میں ہوں چاہئے کہ وہی تمہارا ایمان اور عقیدہ ہو۔ اور گرفتاری کے بعد راہ میں چلتے وقت کہا کہ میں اس مجمع کا نوشاہ ہوں۔ بحث کے وقت علماء نے پوچھا کہ تو اس قادیانی شخص کے حق میں کیا کہتا ہے جو مسیح موعود ہونیکا دعوے کرتا ہے تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ ہم نے اس شخص کو دیکھا ہے اور اسکے امور میں بہت غور کی ہے اسکی مانند زمین پر کوئی موجود نہیں اور بیشک اور بلاشبہ وہ مسیح موعود ہے اور وہ مُردوں کو زندہ کر رہا ہے۔ تب ملاؤں نے شور کرکے کہا کہ وہ کافر ہے اور تو بھی کافر ہے اور انکو امیر کیطرف سے بحالت توبہ نہ کرنے کے سنگسار کرنے کے لئے دھمکی دی گئی اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب میں مرونگا۔ تب یہ آیت پڑھی۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ ہَدَیْتَنَا وَہَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَہَّابُ۔

یعنے اے ہمارے خدا ہمارے دل کو لغزش سے بچا اور بعد اسکے جو تو نے ہدایت دی ہمیں پھسلنے سے محفوظ رکھ اور اپنے پاس سے ہمیں رحمت عنایت کر کیونکہ ہر ایک رحمت کو تو ہی بخشتا ہے +

تتمہ

پھر جب ان کو سنگ سار کرنے لگے تو یہ آیت پڑھی **انت ولیی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین** یعنے اے میرے خدا تو دنیا اور آخرت مین میرا متولی ہے مجھے اسلام پر وفات دے اور اپنے نیک بندون کے ساتھ ملادے۔ پھر بعد اس کے پتھر چلائے گئے اور حضرت مرحوم کو شہید کیا گیا **انا للہ وانا الیہ راجعون** اور صبح ہوتے ہی کابل مین ہیضہ پھوٹ پڑا اور نصر اللہ خان حقیقی بھائی امیر حبیب اللہ خان کا جو اصل سبب اس خونریزی کا تھا اسکے گھر مین ہیضہ پھوٹا اور اس کی بیوی اور بچہ فوت ہوگیا اور چار سو کے قریب ہر روز آدمی مرتا تھا اور شہادت کی رات آسمان سرخ ہوگیا اور اس سے پہلے مولوی صاحب فرماتے تھے کہ مجھے بار بار الہام ہوتا ہے **اذہب الی فرعون انی معک اسمع واریٰ وانت محمد معنبر معطر** اور فرمایا کہ مجھے الہام ہوتا ہے کہ آسمان شور کررہا ہے اور زمین اس شخص کی طرح کانپ رہی ہے جو تپ لرزہ مین گرفتار ہو دنیا اسکو نہین جانتی یہ امر ہونیوالا ہے اور فرمایا کہ مجھے ہر وقت الہام ہوتا ہے کہ اس راہ مین اپنا سر دیدے اور دریغ نہ کر کہ خدا نے کابل کی زمین کی بھلائی کیلئے یہی چاہا ہے +

اور میان احمد نور کہتے ہین کہ مولویصاحب موصوف ڈیڑھ ماہ تک قید مین رہے اور پہلے ہم لکھ چکے کہ چار ماہ تک قید مین رہے یہ اختلاف روایت ہے اصل واقعہ مین سب متفق ہین۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ +

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ بزرگان عیسویت کو یسوع کو خدا بنانیکا اس قدر جوش تھا کہ اس کی خدائی کی تائید کے لئے وہ جھوٹ اور افترا سے بھی پرہیز نہین کرتے تھے چنانچہ کئی جعلی تحریرین آج تک موجود ہین جن کو ان بزرگون نے مصنوعی طور پر بنایا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس روشنی اور تہذیب کے زمانہ مین بھی واعظان اناجیل نے اس پاک جعلسازی کو بالکل ترک نہین کیا۔ سرینگر مین حضرت مسیح کی قبر کے نکلنے سے یہ لوگ سخت گھبرائے ہوئے معلوم ہوتے ہین اور بعض نے یہ ضروری سمجھا ہے کہ اب بھی وہی قدیمی اور آزمودہ ہتھیار برتا جائے جسکو انکے بزرگون نے برتا تھا۔ چنانچہ بعض نے جھوٹ اور دھوکہ دہی کی طرف رجوع کیا ہے اس امید پر کہ ایسا کرنے سے وہ قبر مسیح پر پردہ ڈالدینگے لاہور مین ایک پادری وائیٹ برکٹ صاحب ہین جو ریورنڈ یعنے مقدس کے خطاب سے ممتاز ہین انہون نے

میری چھٹی کا جو قبر مسیح کی نسبت مئی کے رسالہ مین چھپی تھی جواب دیتے ہوئے اپنے بزرگون کے قدم بقدم مارا ہو یہ صاحب ظاہر کرتے ہین کہ انہون نے ہی وہ گمنام چٹھی اخبار ایپی فینی مین چھپوائی تھی جسکا جواب بندہ آپکے مئی کے رسالہ مین دیچکا ہے اور اب وہ ایپی فینی مورخہ ۷، ۲ جون ۱۹۰۳ء مین جواب الجواب شایع کرتے ہین اس جواب الجواب مین پادری صاحب کچھ غلط بیانیان کرتے ہین۔ اور عمداً عوام کو دھوکہ دینے کا ارتکاب کرتے ہین ان کی پہلی چٹھی کا عنوان یہ تھا۔ "قبر یوز آسف واقع سری نگر کی حقیقت جو روضہ صاحب کے نام سے مشہور ہے" لیکن ان کی دوسری چٹھی کا عنوان اس طرح پر ہے "سید نصیر الدین کی قبر واقع سرینگر" یہ نام کی تبدیلی وہ عوام کو دھوکہ دینے کی نیت سے کرتے ہین ان کی دھوکہ دہی مندرجہ ذیل بیان سے ظاہر ہے پہلے وہ لکھتے ہین۔ "قبر پر جو لوگ موجود تھے وہ یوز آسف کے لفظ پر اڑتے تھے اور مختلف طرز سے اس لفظ کو بولتے تھے۔ گویا یہ لفظ ان کے لئے نیا تھا۔ مرزا صاحب کے مریدان لوگون کے پاس تھوڑا عرصہ ہوا کہ آئے تھے اور بے شک ان مریدون نے یہ نام لوگون کے دلون پر بٹھایا" پھر لکھتے ہین کہ "قبر کے متعلق جو نام پڑوسی بہت جلدی سے بیان کرتے تھے وہ سید نصیر الدین کا نام ہے اور اگرچہ مین ان کی شہادت کو بالکل تقینی خیال نہین کرتا پھر بھی میری دانست مین اغلباً اس مدفون ولی کا نام سید نصیر الدین ہے اور اسی نام کو مین اختیار کرتا ہون" یہان مدفون ولی سے مراد پادری صاحب کے نزدیک یوز آسف ہے اور وہ خیال کرتے ہین کہ یوز آسف نام غلط ہے یہ حضرت مرزا صاحب کے شاگردون نے لوگون کے دلون پر بٹھایا ہے۔ اصل نام اغلباً سید نصیر الدین ہے۔ اگر ہم فرض بھی کر لین کہ یوز آسف کا نام اہل سرینگر کو پہلے بالکل معلوم نہین تھا اور حضرت مرزا صاحب کے پیرؤن نے ان کو یہ نام سکھایا۔ پھر بھی پادری صاحب کو کوئی حق نہین پہنچتا کہ مدفون نبی کا نام سید نصیر الدین رکھین وہ دھوکہ دہی کی راہ سے لکھتے ہین کہ اس قبر کے متعلق پڑوسی سید نصیر الدین کا نام بڑی جلدی سے بیان کرتے تھے اس لئے اس شخص کا نام اغلباً سید نصیر الدین تھا نہ یوز آسف۔ پڑوسیون نے کبھی یہ نہین کہا کہ مدفون نبی کا نام سید نصیر الدین ہے۔ اس مقبرہ مین دو قبرین ہین ایک بڑی قبر اور ایک چھوٹی قبر۔ بڑی قبر نبی یوز آسف کی ہے اور چھوٹی قبر سید نصیر الدین کی بیان کی جاتی ہے اور مقدس پادری صاحب صرف دھوکہ دہی کی راہ سے ان دو شخصون کے نامون مین تفرقہ نہین کرتے اور چھوٹی قبر والے کا نام بڑی قبر والے پر لگاتے ہین وہ خود اپنی پہلی چٹھی مین تحریر کر چکے ہین کہ "اس مقبرہ مین دو قبرین ہین ایک بڑی اور دوسری چھوٹی اور ایک بوڑھے شخص نے جو وہان کا متولی تھا بیان کیا کہ بڑی قبر نبی یوز آسف کی ہو اور چھوٹی قبر سید نصیر الدین کی جو اس جگہ کا ایک پیر تھا جسکو مرے ہوئے دو سو برس ہوئے" یہ پادری صاحب کا اپنا بیان ہو جو انہون نے پہلی چٹھی مین لکھا مگر دوسری چٹھی مین ان کو یہ پہلا بیان بھول گیا۔ اور اب لکھتے ہین کہ بڑی قبر والے کا نام سید نصیر الدین ہو!

کسی نے سچ کہا ہے۔ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ پادری صاحب کو خوب معلوم تھا کہ سید نصیر الدین چھوٹی قبر مین مدفون ہے بڑی قبر والے کا نام سید نصیر الدین نہین ہے۔ یہ عیسائی اخلاق کا نمونہ ہے۔ آپ ایک عیسائی پادری ہین جو ہندوستان مین سچائی۔ روشنی اور صلح کا پیغام لیکر تشریف لائے ہین اور اب اپنی اغراض کے حاصل کرنے کیلئے غلط بیانی سے کام لے رہے ہین۔ ایک دفعہ فرض کرکے کہ مدفون نبی کا نام نصیر الدین ہے آپ بار بار قبر کا ذکر کرتے ہوئے قبر کا نام **سید نصیر الدین کی قبر** رکھتے ہین تاکہ یہ نام لوگون کے خوب ذہن نشین ہو جائے اور لوگ سچ مچ سمجھ لین کہ بڑی قبر جو ہماری بحث کا مضمون ہے سید نصیر الدین کی قبر ہے۔ اسی نیت سے وہ اپنی دوسری چٹھی کا عنوان **سید نصیر الدین کی قبر** رکھتے اور چٹھی کے اندر جہان جہان قبر کا ذکر آتا ہے اسکو سید نصیر الدین کی قبر لکھتے ہین چنانچہ انکا یہ فقرہ دیکھو کیسی چالاکی سے لکھا گیا ہے "سید نصیر الدین کی قبر یوز آسف کی قبر کے نام سے عام طور پر مشہور نہین ہے" کیسی دلیری سے وہ مدفون نبی کا نام **سید نصیر الدین** رکھتے ہین گویا اس مین کوئی شبہ نہین کہ فی الواقعہ **سید نصیر الدین** ہی مدفون نبی کا نام ہے +

پادری صاحب کی چٹھی مین ترک دیانت کا صرف ایک ہی نمونہ نہین۔ بلکہ ان کی چٹھی کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہون نے دھوکہ دہی کی چال مین کوئی کمی نہین کی۔ صرف انہون نے لوگون کے دلون مین یہی بٹھانا نہین چاہا کہ جس شخص کے متعلق بحث ہے اسکا نام سید نصیر الدین ہو بلکہ انہون نے لوگون کو یہ بھی یقین دلانا چاہا ہے کہ اہل سری نگر کو یوز آسف کے نام کا پہلے کوئی علم نہین تھا حضرت مرزا صاحب کے شاگردون نے جاکر لوگونکو یہ نام سکھایا ہے کیا پادری صاحب نے اس الزام کے لگانے مین افترا سے کام نہین لیا۔ پادری صاحب کے ہاتھ مین ذرا بھی اس امر کا ثبوت نہین ہے کہ یوز آسف کا نام حضرت مرزا صاحب کے مریدون نے لوگون کے دلون مین بٹھایا پادری صاحب کو کس طرح علم ہو گیا کہ یہ نام اب تک اہل سرینگر کو معلوم نہین تھا جن لوگون نے پادری صاحب کو بتلایا کہ یہ نبی یوز آسف کی قبر ہے انہون نے انکو یہ نہین بتلایا کہ ہم نے یہ نام حضرت مرزا صاحب کے پیروؤن سے سیکھا پادری صاحب کا یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ یہ کہنا کہ اہل سرینگر یوز آسف کے لفظ کو صفائی سے ادا نہین کر سکتے اس بات کی دلیل نہین ہو سکتا کہ یہ نام انہون نے حضرت مسیح موعود کے تابعین سے سیکھا چونکہ یوز آسف ایک غیر زبان کا لفظ ہو اس لئے ناخواندہ کشمیری اسکو مشکل سے ادا کرتے ہین یہی وجہ ہے کہ عام طور پر **نبی صاحب** پر ہی اکتفا کرتے ہین۔ اگر پادری صاحب اس الزام کو دوسری چٹھی مین دوبارہ نہ بیان کرتے تو ان کا فعل قابل چشم پوشی ہوتا۔ مگر چونکہ پھر وہ دوبارہ اسکو اپنی دوسری چٹھی مین بیان کرتے ہین۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہون نے بدنیتی سے یہ الزام لگایا ہو۔ مین نے ان کی پہلی چٹھی کے جواب مین صاف طور پر ان پر ظاہر کیا تھا کہ

صرف عام لوگ ہی اس قبر کو نبی یوز آسف کی قبر نہین کہتے بلکہ کشمیر کی تاریخون مین بھی یہی نام یوز آسف درج
ہے۔ چنانچہ مین نے الہلال کے عیسائی ایڈیٹر کا قول بھی نقل کیا تھا جس مین وہ قبول کرتا ہے کہ کشمیر کی تواریخ
مین اس قبر والے کا نام یوز آسف لکھا ہے اور یہ ایک نبی تھا جو غیر ملک سے کشمیر مین آکر سرینگر کے محلہ خانیار
مین مدفون ہوا اس سے پادری صاحب کا دعوے باطل ہو گیا تھا کہ یوز آسف اس قبر والے کا نام نہین یہ نام
حضرت مرزا صاحب کے تابعین نے لوگون کو سکھایا ہے۔ اب چاہیئے تھا کہ پادری صاحب اپنے دعوے سے باز
آتے بلکہ اپنی جھوٹی اور بے بنیاد بات سے شرمندگی اور خجالت مین غرق ہو جاتے مگر برخلاف اسکے وہ میری اس چٹھی کو پڑھنے
کے بعد بھی اپنے پہلے دعوے پر قائم ہین۔ باوجودیکہ انکو علم حاصل ہو بھی گیا کہ کشمیر کی تواریخ مین بھی محلہ
خانیار کی قبر کا نام نبی یوز آسف کی قبر لکھا ہے پھر بھی وہ الزام لگانے سے باز نہ آئے اور یہی کہتے چلے گئے
کہ یہ نام حضرت مسیح موعود کے حواریون نے لوگون کے دلون پر بٹھایا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ انہون نے
بدنیتی سے اور محض عوام کو دھوکہ دینے کی نیت سے یہ الزام لگایا ہے۔ پادری ہو کر ایسی حرکتون کا مرتکب ہونا
قابل شرم بات ہے۔ یہ دکھلانے کے لئے کہ ہمیشہ سے یہ قبر یوز آسف کی قبر کے نام سے مشہور ہے مین یہان
کشمیر کی تاریخ مسمی بتاریخ اعظمی صفحہ ۸۲ کی عبارت اردو مین درج کرتا ہون جسکو لکھے قریباً ۲۰۰ برس ہو گئے
"سید نصیر الدین کی قبر کے ساتھ ایک نبی کی قبر مشہور ہے۔ وہ ایک شاہزادہ تھا جو غیر ملک سے کشمیر مین
آیا۔ وہ زہد۔ تقوے اور عبادت مین کامل تھا۔ خدا کیطرف سے نبی بنایا گیا اور اہل کشمیر کی دعوت مین مشغول ہوا
اسکا نام یوز آسف تھا۔ بہت سے اہل کشف اور خصوصاً میرے مرشد نے شہادت دی ہے کہ اس قبر سے برکات
نبوت ظاہر ہوتے ہین"۔ مندرجہ بالا بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ سرینگر کی قبر ایک دراز زمانہ سے یوز آسف
کی قبر کے نام سے مشہور ہے اور یہ کہ ہم نے یہ نام لوگون کے دلون پر نہین بٹھایا۔ اس بیان سے پادری صاحب
کا یہ قول بھی رد ہوتا ہے کہ یوز آسف **شہزادہ** کے خطاب سے ہرگز مشہور نہین۔

ذیل مین مین اکمال الدین کا حوالہ پیش کرتا ہون جسکو لکھے ہزار برس کے قریب ہو گئے ہین صفحہ ۳۵۹
وسار فی بلاد و مدائن کثیرة حتی اتی ارضا تسمی قشمیر فسار فیها واحیا منها و مکث
حتی اتاه الاجل الی خلع الجسد و ارتفع الی النور و قبل موته دعا تلمیذا له
اسمه یابد الذی کان یخدمه و یقوم علیه و کان رجلا کاملا فی الامور کلها فاوصی الیه
فقال له قد دنا ارتفاعی عن الدنیا فاحفظوا فرائضکم و لا تزیغوا عن الحق و خذوا بالنسک ثم امر
یابد ان یبنی له مکانا و بسط هو رجلیه و صیار راسه الی الغرب و وجهه الی الشرق

ثم قضی نحبہ۔

ترجمہ۔ وہ (یوز آسف) بہت سے ملکون اور شہرون مین پھرتے ہوئے اس ملک مین آئے جسکا نام کشمیر ہے اس مین پھرتے رہے۔ وہان زندگی بسر کرتے رہے اور وہان ٹھہرے رہے۔ یہان تک کہ موت کا وقت آگیا اور انہون نے خاکی جسم کو چھوڑا اور نور کیطرف ان کا رفع ہوا اور اپنے مرنے سے پہلے انہون نے اپنے ایک شاگرد یابد نامی کو بلایا جو آپ کی خدمت کیا کرتا تھا اور آپ کی خدمت مین حاضر رہتا تھا۔ اور کل امور مین کامل تھا۔ پس انہون نے اسکو وصیت کی اور فرمایا کہ میرا اس دنیا سے اٹھنے کا وقت قریب آگیا ہے۔ سو تم اپنے فرائض اہتمام سے ادا کیا کرنا اور حق سے نہ مڑنا اور عبادات کا پابند رہنا۔ پھر یابد کو حکم کیا کہ میرے لئے ایک مکان یعنے مقبرہ بنا اور اپنے پاؤن کو پھیلایا۔ سر مغرب کی طرف کیا اور منہ مشرق کیطرف اور اپنی جان دے دی +

اس بیان کی تصدیق ایک اور کتاب سے بھی ہوتی ہے۔ جوزف جیکبس اپنی کتاب برلام و جوسافٹ مین بڑی پرانی کتابون کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ وہ (یعنی جوسافٹ یا یوز آسف) آخر کار کشمیر مین جاتا ہے جہان وہ اپنا سر مغرب کی طرف کرتا ہے اور اپنی ٹانگین مشرق کیطرف اور مر جاتا ہے "

کتاب اکمال الدین کا مصنف ایک عجیب واقعہ بیان کرتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہزادہ نبی جو غیر ملک سے آیا اور کشمیر مین وفات پائی حضرت مسیح علیہ السلام ہی تھے اور کوئی نہین تھا۔ کتاب اکمال الدین کے اصل الفاظ یہ ہین۔

حتی بلغ فضاراً واسعاً فرفع راسہ فرای شجرۃ عظیمۃ علے عین ماء احسن مایکون من الشجر واکثرہا فرعاً وغصناً واحلاہا ثمراً وقد اجتمع الیہ من الطیر مالا یُعدّ کثرۃ فسرّ بذلک المنظر وفرح بہ وتقدم الیہ حتی دنی منہ وجعل یعبترہ ویفسرہ الشجرۃ بالبشری التی دعا الیہا وعین الماء بالحکمۃ والعلم والطیر بالناس الذین یجتمعون الیہ ویقبلون منہ الدین +

ترجمہ۔ یہانتک کہ وہ (حضرت یوز آسف) ایک وسیع میدان مین پہنچے اپنا سر اٹھایا تو کیا دیکھتے ہین کہ ایک بڑا درخت ایک چشمہ کے کنارہ پر کھڑا ہے نہایت ہی خوبصورت۔ بہت شاخون اور ٹہنیون والا۔ نہایت میٹھے پھل والا۔ اور اس پہ بے شمار پرند جمع ہین۔ پس وہ اس نظارہ سے نہایت مسرور اور خوش ہوئے اور اس درخت کی طرف بڑھے یہانتک کہ اسکے پاس پہنچے اور درخت کی تعبیر اور تفسیر کرنے لگے۔ درخت کو انہون نے اس بشری

سے مشابہت دی جس کی طرف وہ لوگونکو بلایا کرتے تھے اور چشمہ آب کو علم اور حکمت سے مشابہت دی اور پرندونکو ان لوگون سے جو آپکے پاس جمع ہوتے اور آپ کا دین قبول کرتے + مذکورہ بالا بیان مین لفظ بشریٰ قابل توجہ ہے- اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یوزآسف حضرت یسوع مسیح ہی تھے عبرانی مین انجیل کو بشوریٰ کہتے ہین اور انگریزی مین گاسپل- اور تینون لفظونکے معنے ایک ہی ہین یعنے خوشخبری- اصل عبرانی نام بشوریٰ ہے اور چونکہ عبرانی عربی سے پیدا ہوئی ہے اس لئے بشوریٰ وہی لفظ ہے جسکو عربی مین بشریٰ کہتے ہین پس معلوم ہوا کہ حضرت یوزآسف علیہ السلام انجیل کیطرف لوگون کو بلاتے تھے اور جو کتاب ان پر اتاری گئی تھی اس کا نام بشریٰ تھا جو انجیل کا عبرانی نام ہے- اس سے ثابت ہوا کہ حضرت یوزآسف حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کا ہی دوسرا نام ہے اور دونون نام ایک ہی شخص کے ہین جس پر بشریٰ یعنی انجیل اتاری گئی تھی یہ کہنا صحیح نہین کہ یوزآسف علیہ السلام کوئی حواریون مین سے اور مسیح علیہ السلام کے شاگردون مین سے ہونگے کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کے شاگردون مین سے کسی کا لقب شہزادہ نبی نہین تھا- مذکورہ بالا امثال مین جس طرح درخت اس رطوبت سے پُر تھا جو اس کو چشمہ سے ملتی تھی اسی طرح حضرت یوزآسف علیہ السلام کی کتاب بشریٰ اس علم وحکمت سے پُر تھی جو آپ کو خدا تعالےٰ کیطرف سے دیا گیا تھا اور جس طرح پرندون کے گروہ کے گروہ اس درخت پر جمع ہو کر پھل کھاتے تھے اسی طرح لوگونکے جوق کے جوق حضرت یوزآسف کے پاس جمع ہوتے اور آپ کی کتاب بشریٰ کی تعلیم پر عمل کرکے نجات کا پھل کھاتے +

کتاب اکمال الدین مین صرف یہی بیان نہین کیا گیا کہ حضرت یوزآسف علیہ السلام کی کتاب کا نام بشریٰ تھا بلکہ اس سے ہمین یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوزآسف کی تعلیم حضرت مسیح کی تعلیم کے مطابق تھی چنانچہ قصہ یوزآسف مین بعض ایسی مثالین درج ہین جو انجیل کی مثالون سے بالکل ملتی ہین مثلاً کتاب اکمال الدین صفحہ ۳۲۷ مین مندرجہ ذیل مثال لکھی ہے:-

ان الزارع خرج ببذره الطیب لیبذره فلما ملأ کفه وقع بعضه علی حافة الطریق فلم یلبث ان التقطه الطیر ووقع بعضه علی صفار و قد اصابها ندی وطین فمکث حتی اهتز فلما صارت عروقه الی یبس الصفات مات ویبس ووقع بعضه بارض ذات شوک فنبت حتی سنبل وکاد یثمر ثم غمره الشوک فابطله واما ما کان منه فی الارض الطیبة وان کان قلیلاً فانه سلم وطاب وزکا- فالزارع حامل الحکمة واما البذر فصوبة الکلام واما ما وقع علی حافة الطریق فالتقطه الطیر فما لا یجاوز السمع منه حتی یمر صفحا واما ما وقع علی صخرة فیبس حین بلغت عروقه الصفا

فما استحلاه صاحبه حتی سمعه بفراغ قلبه ولم یفقهه واما ما نبت منه فکاد یثمر فغمره الشوک فاهلکه فما دعاه صاحبه حتی اذا کان عند العمل به حفته الشهوات فاهلکته واما ما ذکی وطاب وسلم منه وانتفع به فما رآه البصر ودعاه الحفظ وانفذه العزم بقمع الشهوات وتطہیر القلب من دنسها +

خلاصہ اس مثال کا اس طرح ہے کہ جب کسان بیج بوتا ہے تو کچھ دانے راستہ پر گرتے ہین جنکو پرندے چگ جاتے ہین کچھ پتھریلی زمین مین گرتے ہین اور جب ان کی جڑین پتھر کی سطح تک پہنچتی ہین تو وہ سوکھ جاتے ہین۔ بعض دانے کانٹون مین پڑتے ہین مگر جو دانے اچھی زمین مین پڑتے ہین وہ اُگتے ہین اور بڑھتے ہین اور پھل لاتے ہین۔ کسان سے مراد حکیم ہے اور بیج سے مراد اسکے **کلمات حکمت**۔ جو دانے راستے پر گرتے ہین ان کی مثال ان حکمت کی باتون کی طرح ہے جو ایک کان مین آتی ہین اور دوسرے سے نکل جاتی ہین جو دانے پتھریلی زمین مین گرتے ہین وہ وہ حکمت کی باتین ہین جو دل مین نہین بیٹھتین۔ جو دانے کانٹون مین گرتے ہین ان سے مراد وہ کلمات حکمت ہین جن پر عمل کرنے سے انسان کو اس کے شہوات روکتے ہین۔ جو دانے اچھی زمین مین گرتے ہین ان کی مثال ان **حکمت کے کلمون** کیطرح ہے جو دل مین جڑ پکڑتے ہین اور اپنا پھل لاتے ہین اور انسان ان پر عمل کرنے سے نیک چلن انسان بنتا ہے +

یہ مثال اس **کسان کی مثال** کے مطابق ہے جسکا ذکر متی باب ۱۳ آیت ۳۔ مرقس ۴ لوقا ۸ مین ہے۔

ایک طرف تو ہم دیکھتے ہین کہ حضرت یوزآسف علیہ السلام اپنی کتاب کا نام جوان پر اتاری گئی بشریٰ رکھتے ہین جو انجیل کا عبرانی نام ہے اور دوسری طرف ہم دیکھتے ہین کہ ان کے قصہ مین ایسی تعلیم اور مثالین درج ہین جو انجیلی تعلیم اور مثالونکے بالکل مطابق ہین۔ اس سے یقینی طور پر نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت یوزآسفؑ اور حضرت یسوع مسیحؑ دراصل ایک ہی ہین۔

پادری وائیٹ برکٹ کہتا ہے کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہین کہ **یوزآسف** اور **جوزافٹ** ایک ہی شخص ہے جسکا قصہ یورپ کی کل زبانون مین موجود ہے اور جس کے نام پر شہر پلیرمو مین گرجا بھی بنا ہوا ہے تعجب ہے کہ پادری صاحب اس قدر علم وفضل کے دعوے کے ساتھ ایسی بیہودہ بات اپنے منہ سے نکالین۔ کیا پادری صاحب کو معلوم نہین کہ جو قصہ **جوزافٹ** کے نام پر یورپ مین شائع ہے وہی قصہ ایشیا کی زبانون مین یوزآسف کے نام سے مشہور ہے اور یہ امر مسلم ہے کہ ایشیا ہی سے یہ قصہ مغرب مین گیا ہے اس سے زیادہ کونسا ثبوت پادری صاحب اس امر کے لئے مانگتے ہین کہ یوزآسف ہی ہے جو یورپ مین **جوزافٹ** کے نام سے مشہور ہے اگر پادری صاحب یہ معلوم کرنا چاہین کہ یوزآسف کس طرح **جوزافٹ** ہو گیا تو وہ **جوزیف جیکبس**

کے مندرجہ ذیل الفاظ پڑھیں۔ جوزیف جیکبس اپنی تصنیف قصہ جوزافٹ مین لکھتے ہین کہ "جوزافٹ رومی طریق تحریر ہے اصل مین یوزآفٹ تھا۔ یونانی طرز تحریر جو آسف ہے بائبل مین ایک نام جے ہوسافٹ ہے چونکہ یہ نام جو آسف سے کچھ مشابہ تھا اس لئے جو آسف اور جے ہوسافٹ کی گڑبڑ سے جوزافٹ کا نام پیدا ہو گیا۔ یونانی نام عربی سے لیا گیا ہے .... یعنے جو آسف اختصار ہے یوزآسف کا"

پادری صاحب لکھتے ہین کہ جوزافٹ اور بودی ستوا ایک ہی ہین اور بودی ستوا۔ گوتما بدھ کا ایک خطاب ہے اور اگر ہم مان لین کہ یوزآسف اور جوزافٹ ایک ہین تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یوزآسف اور بودی ستوا ایک ہین۔ یعنے یوزآسف بھی گوتم بدھ کا ایک نام ہے" یہ امر ہم خوب جانتے ہین کہ یورپ کے بعض مصنفون نے جوزافٹ اور گوتم بدھ کو ایک ہی شخص ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اگر یوزآسف کی قبر نہ نکل آتی تو ممکن تھا کہ یہ رائے صحیح تسلیم کیجاتی۔ مگر اب جبکہ جوزافٹ یعنے یوزآسف کی قبر بھی نکل آئی ہے تو اب اس رائے پر قایم رہنا محض حماقت ہے کہ جوزافٹ یعنے یوزآسف اور گوتم بدھ دراصل ایک ہی ہین۔ میکسمولر اور دوسرے مصنفین جو سب سے پہلے اس بات کی طرف گئے ہین کہ جوزآفٹ اور بودی ستوا یعنے گوتم بدھ دراصل ایک ہی ہین ان کو علم نہین تھا کہ جوزافٹ کی قبر سرینگر کشمیر مین ہے۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہے کہ گوتم بدھ کی تربت ایک اور جگہ سے نکلی ہے اور کوئی سمجھدار خیال نہین کرے گا کہ جو شخص محلہ خانیار مین مدفون ہے وہ گوتم بدھ ہے۔ اس امر مین شک نہین ہو سکتا کہ یہ یوزآسف یا جوزافٹ کی ہی قبر ہے۔ لوگ بالاتفاق گواہی دیتے ہین کہ یہ نبی یوزآسف کی قبر ہے تاریخ شہادت دیتی ہے کہ یوزآسف سرینگر مین مدفون ہے اور یہ شخص غیر ملک کا باشندہ تھا۔ اور ایک شہزادہ تھا۔ ہزار سال سے زیادہ لکھے ہوئے نوشتے بھی یہی گواہی دیتے ہین۔ ان امور کے مقابل مین یہ کہنا محض بیہودہ ہے کہ یوزآسف اور گوتم بدھ ایک ہی شخص کے دو نام ہین جن صاحبون نے پہلے یہ رائے قائم کی ان کو ان امور کا علم نہین تھا ورنہ وہ یہ رائے ہرگز ظاہر نہ کرتے۔

اگر یوزآسف کے قصہ کے بعض واقعات گوتم کے حالات سے ملتے ہون تو اس سے ثابت نہین ہو سکتا کہ دونون ایک ہی شخص کے نام ہین۔ ممکن ہے کہ جس طرح گوتم کو بدھ (یعنے حکیم) کا خطاب دیا گیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی یہی خطاب دیا گیا ہو۔ بدھ صرف گوتم کا ہی نام نہین گوتم سے پہلے بھی اور پیچھے بھی کئی بدھ ہوئے ہین۔ حضرت مسیح کے ہند مین آنے پر ممکن ہے کہ اہل ہند انکو بھی بدھ کا خطاب دیا ہو

اور اس طرح گوتم کی طرح حضرت مسیح بھی بدھ کے نام سے مشہور ہو گئے ہوں اور اس طرح یوز آسف کا قصہ لکھنے والوں کو مغالطہ ہو گیا ہو اور انہوں نے گوتم بدھ کے حالات مسیح بدھ کے حالات میں درج کر دئے ہوں پس صرف بعض حالات کی مشابہت سے ثابت نہیں ہو سکتا کہ گوتم اور یوز آسف دونوں ایک ہی آدمی کے نام ہیں یوز آسف کے نام کو **بودی ستوا** سے جو گوتم کا ایک خطاب ہے کوئی مشابہت نہیں۔ اور یہ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ کہ **بودی ستوا** بگڑ کر یوز آسف ہو گیا اگر ناموں کی مشابہت کی بنا پر فیصلہ کیا جاوے تو فیصلہ حضرت مسیح کے حق میں ہوتا ہے۔ یوز آسف صریحًا ایک مرکب لفظ ہے جسکے اجزاء **یوز** اور **آسف** ہیں +

یوز یسوع کا بگڑا ہوا ہے **س ز** سے تبدیل ہو گیا اور آسف عبرانی لفظ ہے اور حضرت مسیح کے اسماء میں داخل ہے اور اسکے معنے عبرانی میں اکٹھا کرنے والا ہیں۔ پس یوز آسف **یسوع آسف** کا بگڑا ہوا ہے اور حضرت مسیح کا یہ نام اختیار کرنا قرین قیاس بھی ہے۔ کیونکہ ہندوستان میں آپ بنی اسرائیل کے گم شدہ فرقوں کی تلاش میں آئے تھے اور انکا یہ نام نہایت ہی موزون تھا۔ کیونکہ اسکے معنے ہیں یسوع اکٹھا کرنے والا گم شدہ بھیڑوں کا اور یہ نام ان کی حالت کے نہایت مناسب تھا۔ اب میں پادری صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کونسی بات قرین قیاس ہے یہ ماننا کہ یوز آسف **یسوع آسف** کا بگڑا ہوا ہے یا یہ کہ اسکی اصل **بودی ستوا** ہے اگر مشابہت اسماء پر فیصلہ کیا جاوے تو یہ فیصلہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ہوتا ہے نہ گوتم بدھ کے حق میں۔

علاوہ ازیں ہم جانتے ہیں کہ گوتم اور جگہ مدفون ہے مگر حضرت مسیح کی نسبت ثابت ہے کہ وہ قبر میں سے نکل آئے۔ لمبا سفر کیا۔ اپنے حواریوں سے ملاقاتیں کیں۔ شہد اور مچھلی کھائی اور اپنے ایک حواری کی انگلی بھی اپنے زخموں میں ڈلوا کر اپنے خاکی جسم اور زندگی کا ثبوت دیا۔ یہ امور بھی اسی کے مؤید ہیں کہ یوز آسف یسوع آسف ہی ہے گوتم بدھ نہیں ہے کیونکہ ایک کا قبر سے نکلنا اور زندہ پھرنا ثابت ہے دوسرے کا خاک میں ملجانا ثابت ہے۔ پھر لوگوں کی زبانی شہادت اور تاریخ کی گواہی کہ یوز آسف شہزادہ ایک غیر ملک کا نبی تھا جو کشمیر میں آکر فوت ہوا۔ یہ بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ یوز آسف سوائے حضرت مسیح کے اور کوئی نہیں۔ پھر ایک اور مؤید قرینہ یہ ہے کہ افغان اور کشمیری گم شدہ بنی اسرائیل کی نسل تسلیم کئے گئے ہیں اور حضرت مسیح کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنی قوم کے اس بڑے حصے کو بھی تبلیغ کرتے۔ کوئی وجہ نہیں کہ وہ شام کی دو قوموں کو وعظ کرتے اور باقی دس قوموں کو بالکل محروم کرتے حالانکہ وہ کل بنی اسرائیل کے لئے نبی ہو کر آئے تھے۔ اس سے بھی اسی امر کی تائید ہوتی ہے کہ یوز آسف یسوع آسف ہی ہے جنہے گم شدہ قوموں کا

تلاش کرنیوالا۔ غرض ہر طرف سے اسی امر کا ثبوت ملتا ہے کہ یوز آسف حضرت مسیح ہی ہے گوتم بدھ نہیں ہے۔

پادری وائیٹ بریکٹ صاحب ایپی فینی مین لکھتے ہین کہ حضرت مسیح کا صلیب پر مرنا ایک ثابت شدہ تاریخی واقعہ ہے اور ریویو آف ریلیجنز مین جو بے سروپا باتین لکھی گئی ہین وہ ایسی بالبداہت لغو ہین کہ ان کی بحث کرنا گویا مخاطبین کی عقل کی ہتک کرنا ہے ایک پادری کو عقل کا حوالہ دیتے ہوئے سننا ایک حیرت انگیز بات ہے۔ مین پادری صاحب سے پوچھتا ہون کہ کیا یہ ماننا انسانی عقل کی ہتک نہین ہے کہ غیر محدود خدا اسکڑ کر ایک بچہ بنا اور کسی نہ کسی طرح مریم صدیقہ کے رحم مین داخل ہوا۔ پھر کیا یہ اعتقاد رکھنا انسانی عقل کی ہتک نہین کہ وہ بچہ جو بیت اللحم کی کھرلی مین پوتڑون مین لپٹا ہوا پڑا تھا وہ ذوالجلال خدا تھا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا پھر مین پادری صاحب سے پوچھتا ہون کہ کیا یہ اعتقاد رکھنا عقل انسانی کی ہتک نہین کہ وہ غریب انسان جسکو یہودیون نے پکڑا اور پیٹا اور پھانسی دیا وہ قادر مطلق خدا تھا جس نے ہر ایک چیز کو زندگی کا لباس پہنایا۔ دراصل بات یہ ہے کہ پادری صاحب ان دلائل کا جواب نہین دے سکے جنسے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر نہین مرے اور اتنا کہہ کر اپنے آپ کو خوش کر لیا ہے کہ مسیحؑ کا صلیب پر مرنا ایک ثابت شدہ تاریخی واقعہ ہے اور وہ تمام بے سروپا باتین ہین جو ریویو آف ریلیجنز مین لکھی گئی ہین + تمام واقعات جو اناجیل مین لکھے گئے ہین ثابت کرتے ہین کہ حضرت مسیح صلیب پر نہین مرے۔ حضرت مسیح کا اپنے واقعہ کو یونسؑ نبی کے واقعہ سے مشابہ بیان کرنا جو مچھلی کے پیٹ مین زندہ داخل ہوئے اور زندہ ہی نکلے۔ فرشتے کا پلاطوس کی بیوی کے پاس آنا۔ حضرت مسیح کا ساری رات دعا کرنا۔ انکا دو تین گھنٹہ کے بعد صلیب سے اتار اجانا۔ ہڈیون کا نہ توڑنا۔ برچھی کے چبھونے پر خون کا نکلنا۔ ان کا قبر سے نکلنا اور جلیل کیطرف سفر کرنا اور کھانا کھانا اور اپنے زخمون مین انگلیان ڈلوانا تمام یہ امور گواہی دے رہے ہین کہ حضرت مسیح صلیب سے زندہ اتر آئے مگر پادری صاحب پھر بھی کہے چلے جاتے ہین کہ حضرت مسیح کا صلیب پر مرنا ایک تاریخی واقعہ ہے۔ آفرین پادری صاحب کی عقل و دانش پر۔ ایک بڑا قطعی اور یقینی ثبوت حضرت مسیح کے صلیب سے بچنے کا مرہم عیسے یا مرہم حوارین ہے۔ جسکا ذکر صدہا طب کی کتابون مین ہے کہ یہ مرہم حضرت عیسے کے زخمون پر حواریون نے لگائی تھی۔ مگر پادری صاحب اسکا بھی انکار کرتے ہین اور نہین بتلاتے کہ کس دلیل پر وہ اس شہادت کو رد کرتے ہین۔ گویا پادری صاحب کا زبان مبارک سے فرمادینا ہی ایک امر کی تصدیق یا تکذیب کے لئے کافی ہے پادری صاحب فرماتے ہین کہ مرہم عیسے کو حضرت مرزا صاحب کا ایک مرید لاہور مین فروخت کیا کرتا ہے اور میگزین مین اس مرہم کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ اچھا کیا پھر اس سے ثابت ہوگیا کہ یہ مرہم حضرت عیسے کے زخمون پر نہین لگائی گئی۔ پادری صاحب مرہم عیسے کے بارے مین بھی یہی کیون نہین کہہ دیتے

کہ علم طب کے عالمون کو اس مرہم کا نام معلوم نہین تھا۔ مرزا صاحب کے شاگردون نے انکو یہ نام سکھایا ہے اور ان کے دل پر بٹھایا ہے۔ جیسا کہ پادری صاحب یوز آسف کے نام کی نسبت فرماتے ہین کہ مرزا صاحب کے حواریون نے اہل کشمیر کو یہ نام سکھایا اور ذہن نشین کیا ہے۔ اب مین پادری صاحب کو الوداع کہتا ہون ؎

آپ کا خادم **شیر علی** ۶- ستمبر ۱۹۰۳ء

انگریزی اخبارات اور حضرت مسیح موعود

اخبار گلاسگو ہیرلڈ مورخہ ۲۷- اکتوبر ۱۹۰۳ء لکھتا ہے :- "پچھلے چند ہفتون مین ایک اشتہار بعنوان "ڈوئی وپگٹ کے متعلق مسیح موعود کی پیشگوئیان" ممالک یورپ وامریکہ مین مشتہری کیغرض سے قادیان ملک پنجاب سے شایع ہوا ہے۔ یہ ایک عجیب قابل ذکر تحریر جو چھ صفحہ حجم کا پرچہ ہے زبان انگریزی مین بمقام لاہور چھپی ہے۔ لیکن مسیح موعود ایشیا کا رہنے والا ہے کیونکہ اس پرچہ مین مترجم کا نوٹ درج ہے اور پیشگوئی کے نیچے مرزا غلام احمدؐ صاحب کے دستخط ثبت ہین۔

"**عیسائی مذہب کی غلطی** :- یہ امر خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ اس اشتہار کے مضمون کو خلاصۃً بغیر کسی قسم کی رائے زنی کے لکھا جاوے۔ دعوے پیش کردہ مین کسی قسم کے شک کی گنجایش نہین۔ مرزا غلام احمدؑ صاحب بڑی صفائی اور تفصیل سے ظاہر کرتے ہین کہ مین وہی مسیح موعود ہون جس نے آخری زمانہ مین آنا تھا۔ لیکن مسیح کے متعلق عام پورانے خیال کے عیسائیون کے خیال سے ان کا خیال مختلف ہے۔ وہ کہتے ہین کہ یہ بالکل غیر ممکن ہے کہ انسان خدا بن جائے۔ ہان یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ شدید اور گہرا تعلق پیدا کرے اور اس طرح سے خدائے تعالےٰ کا مظہر ہو جاوے۔ بعض اوقات ایسے انسان سے صفات الٰہی ظاہر ہو جاتے ہین کیونکہ اللہ تعالےٰ کی صورت کا عکس اسکے شیشۂ دل پر پڑتا ہے اور ساتھ ہی اسکے انسانی صفات بھی.... ظہور مین آتی ہین۔ کیونکہ فطرتاً وہ ایک بشر ہوتا ہے یہی باعث ہے کہ جن لوگون کو روحانیت مین کم دخل ہے وہ ایسے انسان کے بارہ مین دھوکہ کھاجاتے ہین کیونکہ ان کی ایک جانب نظر ہوتی ہے اور دوسری طرف سے بالکل اندھے ہوتے ہین ایک انسان مین صفات الٰہی کا انعکاس پاکر اس ظل کو اصل خیال کرنے لگ جاتے ہین اور ایسے شخص کو واقعی خدا تعالےٰ سمجھتے ہین لیکن عیسائیون کا وہ فرقہ جنہون نے حضرت مسیح کو خدا بنایا ہے جس غلطی مین وہ پڑے ہوئے ہین اور جو دھوکا انکو لگا ہے وہ دیگر تمام مشرک قومون کی غلطی اور دھوکہ سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔

مرزا غلام احمد صاحب کے نزدیک جو بات عیسائی مذہب کے متعلق بہت مایوسی پیدا کرنے والی ہے وہ یہ ہے کہ جب عیسےٰ کی خدائی کا جھوٹا عقیدہ موجودہ ترقی یافتہ زمانہ کی طبائع کے نزدیک قبول کرنے کے قابل نہ رہا تو ایک جھوٹے خیال کو قائم رکھنے کے لئے نئے نئے بیہودہ طریق پیش کئے جاتے ہیں اور ایک جھوٹے عقیدہ کو بحال رکھنے کے لئے نئے جھوٹے دعوے تراشے گئے ہیں -

ڈاکٹر ڈوئی اور مسٹر پگیٹ :- مرزا غلام احمد صاحب کے نزدیک سخت قابل نفرت اور نہائت بیہودہ دعاوی وہ ہیں جو ڈاکٹر ڈوی اور مسٹر پگیٹ نے کئے ہیں - وہ لکھتے ہیں کہ یورپ میں مسٹر پگیٹ مسیحیت و خدائی کا دعوے کرتا ہے اور اپنے آپ کو زمین و آسمان کا مالک قرار دیتا ہے -

اور مغربی کرہ میں بمقام چیکاگو ڈاکٹر ڈوی کھڑا ہوا ہے اور کہتا ہے کہ میں الیاس ہوں جس نے یسوع مسیح سے پہلے آنا تھا - اور ۲۵ سال آئندہ کے اندر یسوع مسیح کی آمد کی پیشگوئی کرتا ہے - اس کام کے اختیار کرنے میں ان دو جھوٹے دعوے کرنے والوں نے جو دلیری کی ہے اس میں ایک خفیف سا فرق ہے - سکاٹ لینڈ کا مفتری یعنے ڈوئی کمزور دل معلوم ہوتا ہے زیادہ سے زیادہ اسکا یہ دعوے ہے کہ وہ بحیثیت ایک نوکر کے اپنے مالک (مسیح) کے واسطے راستہ تیار کرنے آیا ہے لیکن الیاس ہونے کا دعوے کرنے میں بھی وہ بزدلی دکھلاتا ہے مسٹر پگٹ ڈوئی سے زیادہ دلیر ہے یعنی جھوٹا دعوے کے کرنے میں اس نے زیادہ دلیری اور جرأت دکھلائی ہے اور کہتا ہے کہ میں وہی مسیح ہوں جو پہلے آیا تھا - نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھکر وہ خود خدا ہونیکا دعویدار ہے یہ تمام اس کی لغویات اور کفر کی باتیں ہیں -

صدہا نشانات آسمانی :- مرزا غلام احمد صاحب کہتے ہیں کہ اس لئے کہ زمین بدکاریوں اور جھوٹے عقیدوں اور جھوٹے دعووں سے آلودہ ہو گئی تھی سچا مسیح سرزمین پنجاب میں نازل کیا گیا ہے - اگرچہ وہ خدائی کا دعوے نہیں کرتا - لیکن اس کا مسیحیت کا دعوے بھی اپنی طرف سے نہیں ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ میری تائید میں جو سیکڑوں نشانات آسمانی ظاہر ہوئے ہیں انکے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ نے میری صداقت کی شہادت دی ہے - میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے جو برکات و فضل مجھ پر نازل کئے ہیں وہ ان فضلوں سے بدرجہا بڑھکر ہیں جو اس مسیح پر نازل ہوئے تھے جو مجھ سے پہلے گذر چکا ہے - میرے وجود کے شیشہ میں اللہ تعالےٰ کے چہرہ کا عکس اس پہلے یسوع کی نسبت بہت زیادہ پڑا ہے - اگر یہ تمام میری اپنی ہی لاف و گزاف ہے جس کی اور کوئی سند نہیں تو میں جھوٹا ہوں - لیکن اگر اللہ تعالےٰ میری صداقت کی شہادت دیتا ہے تو کوئی نہیں جو مجھے جھٹلا سکے -

"دعوت مقابلہ :- خصوصاً ڈاکٹر ڈوئی اور مسٹر پگٹ کی قسمت کا فیصلہ مسیح موعود کی صداقت کا ایک نشان ہوگا - مترجم کے نوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ستمبر سال گذشتہ مین بذریعہ ایک ماہواری رسالہ اسمی ریویو آف ریلیجنز قادیان کے مسیح موعود کی جانب سے ڈاکٹر ڈوئی کو دعوت مقابلہ کیگئی تھی - کیونکہ ڈاکٹر ڈوئی نے پیش گوئی کی تھی کہ تمام مسلمان ہلاک ہوجاوینگے اس لئے کہ وہ یسوع مسیح کو خدا اور ڈوئی کو الیاس نہین مانتے اس تحریک سے جو دعوت مقابلہ کی گئی اسکے الفاظ یہ ہین -

"اس امر کا فیصلہ کہ مسلمانون کا خدا سچا خدا ہے یا ڈوئی کا خدا سچا ہے ان لاکھون جانون کو ضایع کرنیکے بغیر بھی ہوسکتا ہے جنکے ضایع ہونے کی ڈوئی پیش گوئی کرتا ہے وہ طریق فیصلہ یہ ہے کہ عام مسلمانون کو تباہی کی دھمکی دینے کی بجائے اسکو چاہیئے کہ وہ صرف مجھے حریف مقابل منتخب کرے اور اللہ تعالے سے دعا کرے کہ جو ہم دونون مین سے جھوٹا ہے وہ پہلے ہلاک ہوجاوے - اس تجویز کے قرار دینے مین مین نے خود بخود ابتدا نہین کی بلکہ ڈوئی کی جراٴت کے سبب سے اللہ تعالے کی غیرت نے چاہا ہے کہ ایسا ہی ہو"

"ایک پیشگوئی :- اس دعوت مقابلہ کا بظاہر کوئی نوٹس نہین لیا گیا - لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ دعوت مقابلہ خالی از نتیجہ بھی نہین رہی - کیونکہ ڈاکٹر ڈوئی نے اپنے فرقہ کے پرچہ نامی "لیوز آف ہیلنگ" کی گذشتہ اشاعت مین عیسائیون کو تثلیث کے عقیدہ کا الزام دیا ہے اور یہودیون اور مسلمانون کے ساتھ جو توحید الٰہی پر ایمان رکھتے ہین - ہمدردی کی ہے - مرزا غلام احمد صاحب اپنی پیشگوئی مورخہ ۲۳ - اگست گذشتہ مین ظاہر کرتے ہین کہ وہ اپنی دعوت مقابلہ کے جواب کا سات ماہ آیندہ تک انتظار کرینگے - اگر اس عرصہ مین ڈاکٹر ڈوئی نے اس مقابلہ کو منظور کرلیا اور اس کی شرایط کو پورا کیا تو تمام دنیا اس مقابلہ کا انجام دیکھ لے گی - میری عمر ستر سال کے قریب ہے حالانکہ ڈاکٹر ڈوئی صرف ۵۵ سال کی عمر کا ہے - لیکن چونکہ اس امر کا انفصال عمر پر نہین ہے - اسواسطے مین ان عمر کے سالون کی تفاوت کی کچھ پروا نہین کرتا - مرزا غلام احمد صاحب کہتے ہین کہ اگر اب بھی ڈوئی مقابلہ سے انکار کرے گا تو امریکہ کے پیغمبر کے دعاوی جھوٹ اور افترا ثابت ہوجاوینگے مسٹر پگٹ کے بارہ مین مسیح موعود کی پیشگوئی ہے کہ وہ خدائی کا متکبر مدعی میری عین حیات مین تباہ ہوجاوے گا -

"ایک دلیری کا دعوے :- شاید اس امر کا لکھنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ مترجم اپنے نوٹ کے آخری فقرہ مین ماہ گذشتہ کے رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے ایک آرٹیکل کیطرف توجہ دلاتا ہے جس مین درج ہے کہ یسوع صلیب پر نہین مرا بلکہ وہان سے اپنی جان بچاکر بھاگ آیا تھا اور بعد ازان بمقام سرینگر ملک کشمیر

وفات پائی جہان محلہ خانیار مین ابتک اس کی قبر موجود ہے"+

اخبار چرچ فیملی مورخہ ۲۸ - اگست ۱۹۰۳ء لکھتا ہے "یہ کوئی تعجب و حیرانگی کی بات نہین ہے کہ بائیبل کی اعلے تنقید جو بائیبل کی عمارت کو گرا رہی ہے - عیسائیت کے برخلاف اپنے دلائل استعمال کرنے مین اہل اسلام وغیرہ کو ایک حربہ کا کام دے رہی ہے - وہ کہتے ہین کہ ان عیسائیون کو جو پادریون کو اس غرض سے باہر بھیجتے ہین کہ وہ ہم کو عیسائی بنا ئین خود اپنی بائیبل پر ہی ایمان نہین ہے وہ یہ بھی کہتے ہین کہ ان کے سرکردہ آدمیون نے بائیبل کو جھوٹا ثابت کیا ہے - انکو معجزات مندرجہ بائیبل و الوہیت یسوع مسیح اور اسکے دوبارہ جی اٹھنے وغیرہ سے بالکل انکار ہے - یہ ظاہر ہے کہ اس مشنری کام کو ان زیادہ مہذب و زیادہ تعلیم یافتہ قومون مین ضرور سخت صدمہ پہونچیگا - جہان غیر عیسائی معلم اور واعظ ظاہر کر سکتے ہین کہ خود ہمارے دار العلومون مین ایسے پروفیسر موجود ہین جن کی زندگی کا بڑا بھاری مقصد یہ ہو کہ وہ بائیبل کو پر از اغلاط ثابت کرین - تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہے کہ کلکتہ مین مشنریون کی کانفرنس قائم ہوئی تھی اور اس مین اعلے تنقید بائیبل کے مضمون پر بحث ہوئی تھی اس کانفرنس کی رپورٹ کو اہل اسلام کے مناظر مرزا غلام احمد صاحب نے غور سے ملاحظہ کیا ہے اور اپنے میگزین یعنی ریویو آف ریلیجنز مین ایک آرٹیکل لکھا ہے جس مین وہ بائیبل کی تنقید کے ان نتائج کو جو اعلے محققین نے مانے ہین نقل کرتے ہین اور ان مہلک نکتہ چینیون کو بائیبل و عیسائیت کی تردید مین اپنا ہاتھ بٹانے والا اقرار دیتے ہین اور مشنریون کو الزام دیتے ہین کہ جو امر غلط ثابت ہو چکا ہے وہ اسی کی تعلیم دیتے ہین اور قرآن مجید کو ہی روئے زمین پر ایسی کتاب قرار دیتے ہین جسکا دعوے ہے کہ وہ اللہ تعالے کا سچا کلام اور تحریف سے مبرا ہے وہ یہ بھی ظاہر کرتے ہین کہ اعلے تنقید کی سچائی اور بائیبل کی غلطیونکو تسلیم کرلینے کے بعد یہ بالکل مشکل نظر آتا ہے کہ عیسائی مذہب کسی طرح سے ایک لمحہ کے لئے بھی پا بجا رہ سکے - بلکہ اس کی ساری عمارت معاً گر جاتی ہے +

"مرزا صاحب اپنے بیان کے ثبوت مین انسکلوپیڈیا ببلیکا کو پیش کرتے ہین اور اس آرٹیکل کا حوالہ دیتے ہین جو تفسیر انجیل کے پروفیسر پال ڈبلیو شمیڈل نے انجیلون پر لکھا ہے کیونکہ سوئٹزرلینڈ اور انگلینڈ مین ایسے آدمی موجود ہین جو ایسی حیثیت و ذرائع آمدنی کے رکھتے ہین جو انکو صرف اس صورت مین حاصل ہو سکتے تھے جبکہ وہ اس بات پر ایمان لاتے جسکو اب وہ جھوٹا ثابت کر رہے ہین - ہمارے یہان تفسیر انجیل کا ایک پروفیسر ہے اسکو انجیلون مین کوئی ایسی بات کم ہی ملی ہو جو قابل اعتبار خیال کی جاسکے - وہ سخت نکتہ چینی کے چند کالم لکھنے کے بعد کہتا ہو کہ سابقہ فصلون کے معائنہ سے بعض اوقات یہ شک ہوتا ہو گا کہ شاید انجیلون مین

کوئی بات بھی قابل اعتبار نہین پائی جاتی - پھر اسکے بعد وہ لکھتا ہے کہ ہان چند فقرے قابل اعتبار ہین چنانچہ
وہ صرف پانچ ایسے فقرات کا ذکر کرتا ہے جن پر وہ چار اور اینزاد کرتا ہے - بیشک پروفیسر مذکور کے
خیال کے مطابق مسیح کا کوئی معجزہ بھی سچا نہین ہے - اسکا قول ہے کہ پانچہزار اور چار ہزار کو کھانا کھلانا - مُردونکو
زندہ کرنا - کوڑھیون کا اچھا کرنا - لنگڑون کا چلنا اور اندھون کا دیکھنا یہ تمام ہرگز تاریخی واقعات نہین ہین
یہ حالات جسمانی نہین بلکہ روحانی مُردون اندھون لنگڑون وغیرہ کے متعلق ہین اسی قسم کی اور بہت ساری
باتین ڈاکٹر کین کی انسکلوپیڈیا ببلیکا مین پائی جاتی ہین اور مرزا صاحبؑ کا اسکے ساتھ بالکل اتفاق رائے
ہے وہ اسکو اپنے مدعا کی تائید مین پیش کرتے ہین اور بائیبل کے ان پروفیسرون کی شہادت کو خوشی سے
قبول کرتے ہین جو بحیثیت ایک مسلمان ہونیکے انکے خیال کے مؤید ہے - چنانچہ اس بناپر وہ اپنے ہم مذہبونکو
بڑے زور سے کہتے ہین کہ جس بائیبل کا مشنری لوگ وعظ کرتے ہین وہ کذب و دروغ کی کتاب ہے اور کہ
انکے اپنے پروفیسر اس امر کو صریحًا تسلیم کرتے ہین وہ کہتے ہین کہ تفاسیر عہد نامہ جدید کے پروفیسر شمیڈل
کے نزدیک یسوع کے متعلق انجیلون مین صرف پانچ فقرات خالص قابل اعتبار ہین اور ان کا وہ حوالہ دیتے
ہین - مرزا صاحب اس امر کے ثبوت مین کہ خود عیسائیون کو مسیح کی الوہیت پر ایمان نہین شمیڈل کے
ایک اور فقرہ کا حوالہ دیتے ہین - پروفیسر شمیڈل کہتا ہے کہ یسوع کے معاملہ مین ہمارا ایک خالص انسان کے
ساتھ تعلق پڑتا ہے اور اس انسان کے وجود مین اللہ تعالےٰ کی تلاش اس شکل و ہیئت مین ہو سکتی ہے
جس صورت و شکل خدا تعالےٰ کا ایک انسان مین پایا جانا ممکن ہو سکے - مرزا صاحب و نیز بائیبل و عیسائیت
کے دیگر تمام مخالفین و معاندین کے واسطے انسکلوپیڈیا ببلیکا معلومات کا ایک بھاری ذخیرہ ہے اور یہ لوگ
اس سوال کے دوسرے پہلو یعنی ان کفریات کے جنسے وہ خوش ہو رہے ہین علمی تردید کی کوئی پروا نہین کرتے
"دو ہفتہ ہوئے ہم نے ریمارک کیا تھا کہ ایسی تعلیم سے جیساکہ ہم نے انسکلوپیڈیا ببلیکا مین حوالہ
دیا ہے ایک نہایت مہلک خطرہ پیدا ہوتا ہے جس سے آج کل اللہ تعالےٰ کی صداقت پر حملہ ہو رہا ہے
انگلستان کے کلیسیا کا ایسی رائون سے اغماض کرنا نہ صرف اسپر ایک خطرناک دھبہ ہی ہے بلکہ رومن کیتھولک
مذہب اور اختلاف کرنے والے فرقون کے ہاتھ مین یہ ایک زبردست انجن ہے جس سے وہ اسکی وسعت
کو بے اعتبار کرتے اور اپنے نئے نئے مرید اس مین سے حاصل کرتے ہین لیکن اب ایک مسلمان کے ہاتھ سے جو تجربہ
ہم کو ہوا ہے اس کی بنا پر ہم یہ کہنے کے قابل بھی ہو گئے ہین کہ غیر عیسائی اقوام کے اندر انجیل کی اشاعت کے
واسطے یہ سب سے بڑھ کر روک ثابت ہو رہی ہے +

عِصمتِ انبیاء پر پادری مانر و کے رسالے

سلسلہ کے لئے دیکھو ستمبر کا رسالہ

مسٹر مانرو نے اپنے دوسرے رسالہ مین جو عصمت انبیاء پر لکھا ہے حضرت مسیح موعود کو گالیان نکالی ہین۔ اور گستاخی۔ الحاد۔ جہالت اور عمداً لوگون کو دھوکا دینے وغیرہ وغیرہ کا الزام دیا ہے۔ غالباً پادری صاحب کی نظر اس انجیلی وعظ پر نہ تھی جس مین لکھا ہے کہ تو کسی کو بیوقوف مت کہہ ورنہ تجھے جہنم مین ڈالا جائیگا اور ان الفاظ مین انہون نے دنیا کو اپنی نیکی کا نمونہ دکھایا ہے۔ اگر مسیح موعود کیجانب سے اسکو کوئی ذاتی تکلیف و رنج پہنچتا تو اس حالت مین وہ ایسی دشنام ہائے ناہنجار کے دینے مین کسی حد تک معذور سمجھا جاتا۔ لیکن مسیح موعود نے اپنے مضامین مین اسکا کوئی حوالہ نہین دیا ہے اور نہ ہی اسکا نام لیا ہے۔ فی الحال اس سے درگذر کر کے ہم دیکھتے ہین کہ اس نے اپنے اسی رسالہ کے پہلے صفحہ مین ایک عجیب بات لکھی ہے لیکن جہانتک ہم نے قرآن مجید کا مطالعہ کیا ہے اور پڑھا ہے اس کی کسی آیت سے یہ امر مفہوم نہین ہوتا۔ وہ کہتا ہے کہ قرآن مجید کی بہت سی آیات ایسی ہین جو اس نے پہلے رسالے مین نقل کی ہین اور جن سے بہ استثنائے یسوع کے آنحضرۃ صلے اللہ علیہ وسلم اور باقی کل پیغمبر صریحاً گنہگار ثابت ہوتے ہین۔ کیا پادری صاحب کلام مجید کی ایک بھی ایسی آیت بتلا سکتے ہین جس مین گنہ گار یا بے گناہ ہونے کے بارہ مین یسوع کو دیگر پیغمبرون سے مستثنیٰ رکھا گیا ہو۔ وہ صریحاً قرآن مجید کی ایسی آیتون کا تذکرہ کرتا ہے جن مین بہ استثنائے یسوع کے باقی پیغمبرونکو صاف گنہ گار ثابت کیا گیا ہے اور بحیثیت ایک خطل مین ہونیکے اسکا فرض ہے کہ ان آیتون کا پتہ دیوے وہ آیت "**ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل**" کا حوالہ دیکر ظاہر کرتا ہے کہ تمام باتون مین یہ مقدس پیغمبر دیگر پیغمبرون جیسا ہے اور اگر وہ گنہ گار ہین تو یہ پیغمبر بھی اُن سے مستثنیٰ نہین ہے اور خود ہی اسکا یہ ترجمہ کرتا ہے کہ حضرت محمد صلعم ایک رسول سے بڑھکر نہین ہین اور رسول ان سے پہلے سب فوت ہو چکے ہین۔ لیکن جو اسی قسم کی آیت یسوع کی بابت ہے اسکو لکھنا بھول گیا ہے وہ یہ ہے "**ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل**"۔ اس اور سابقہ آیت مین فرق صرف یہ ہے کہ اس مین بجائے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے المسیح ابن مریم لکھا ہے اور پادری مانرو کے ترجمہ کے مطابق اسکا یہ ترجمہ ہوگا کہ مسیح ابن مریم ایک رسول سے بڑھ کر نہین ہے اور رسول اس سے پہلے سب فوت ہو چکے ہین۔ پھر یسوع کی کہان استثناء ہے؟ جو پیغمبر اس سے پہلے گذر چکے ہین ان سے وہ کوئی الگ اعزاز

نہین رکھتا- اور اسی طرح پر تمام باتون مین دوسرے رسولون جیسا ہے جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم-
مزید بران یہ بھی قابل ذکر ہے کہ یسوع بھی دوسرے پیغمبرون کی طرح وفات پاگیا اور ہر دو آیت ہائے مندکرہ بالا
سے یہ امر صراحتاً ظاہر ہے- پہلی آیت مین تو حضرت عیسےٰ ان پیغمبرون مین شامل ہین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
پہلے فوت ہوچکے ہین- اور دوسری آیت مین بیان ہوا ہے کہ جو پیغمبر اس سے پہلے وفات پاچکے ہین اُن سے وہ کوئی
الگ نہین ہے- پادری مانرو کو جواب دینے مین شائد کوئی دھوکا نہ لگے اس لئے انکو پھر متنبہ و آگاہ کرنا ضروری ہے
کہ چونکہ صرف متعدد پیغمبرونکے نام قرآن مجید مین لئے گئے ہین اسواسطے یہ استثنائے یسوع کے باقی تمام پیغمبرون کو
گنہ گار ٹھہرانے کے واسطے یہ اسکا فرض ہوگا- کہ وہ مقدس کلام مجید سے کوئی آیت اس مضمون کی پیش کرے
جس سے وہ نتیجہ نکلے جسکو اس نے ایسی بیباکی سے پیش کیا ہے- اور نیز چونکہ اس نے کلام مجید کی آیتون کا تذکرہ
کیا ہے اس واسطے کوئی حدیث یا کسی تفسیر کا کوئی قول اس غرض کے لئے قابل تسلیم نہین ہوگا- پادری صاحب
نے اپنے پہلے رسالہ مین جسکا وہ فقرہ بالا مین حوالہ دیتے ہین صرف مفصلہ ذیل پیغمبرونکو گناہ کا الزام لگایا ہے
یعنی حضرت آدمؑ حضرت موسےؑ حضرت داؤدؑ- حضرت ابراہیمؑ- حضرت ہارونؑ حضرت نوحؑ اور
ہمارے پیغمبر صلعم- کیا وہ کلام مجید کی کوئی ایسی آیت بتلا سکتا ہے- جس مین یوحنا جس کا شاگرد یسوع تھا-
یا شعیبؑ یا اسحاقؑ یا اسمٰعیلؑ یا الیاسؑ یا کسی دیگر پیغمبر کے کسی گناہ کے فعل کا ذکر ہو یا کیا یہ تمام پیغمبر یسوعؑ
کی طرح مستثنے ہین پھر قرآن شریف صاف بیان کرتا ہے کہ اس مین صرف متعدد پیغمبرونکا نام لیا گیا ہے پادری
مانرو نے کس دلیل و ثبوت سے ان پیغمبرون کو جن کا نام قرآن مجید مین نہین تھا گنہ گار سمجھا ہے اسکا یہ بیان کہ
قرآن شریف مین ایسی آیات ہین جنسے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام پیغمبر بہ استثنائے ابن مریم کے گنہ گار تھے بالکل
مردود ہے جب تک وہ ایسی آیت پیش نہ کرے جس سے یہ ثابت ہو- اصل بات تو یہ ہے کہ کسی پیغمبر کے
معصوم یا گنہ گار ٹھہرانے کے واسطے قرآن مجید سے یہ ثبوت پیش کرنا چاہیئے- یہ بات کہ قرآن مجید مین ایک بھی
آیت نہین ہے جو پیغمبرونکے گنہ گار ٹھہرانے کے لئے مثبت ہو- پادری مانرو نے اپنی خاموشی سے خود مان
لیا ہے کیونکہ اب تک وہ کوئی ایسی آیت پیش نہین کرسکا- دوسری جانب ایک مولوی صاحب نے چند
آیات عصمت انبیا کے اصول کی تائید و ثبوت مین اسکو بتلائی تھین لیکن ان پر اسکو بدینوجہ اعتراض تھا کہ
قرآن کریم مین ایسی آیات بھی ہین جن مین اسکے زعم مین بعض انبیاء کے گناہون کا ذکر ہے- ان سب آیات پر
ہم اسی سال کے جولائی اور اگست کے نمبر مین مفصل بحث کرکے دکھا چکے ہین کہ ان مین کسی نبی کے کسی گناہ
کا ذکر نہین اور پادری مانرو نے اب تک اس مضمون کی کوئی تردید بھی نہین کی اس لئے اب دو امر کا فیصلہ

ہوگیا ہے۔ اوّل یہ کہ قرآن مجید مین کوئی ایسی آیت مذکور نہین ہے جس سے عام طور پر سب پیغمبرون کی گنہگاری کا اثبات ہو۔ دوّم یہ کہ قرآن مجید مین کوئی فعل گناہ کا کسی پیغمبر کے حق مین منسوب نہین کیا گیا اب ہم دیکھین گے کہ آیا قرآن مجید مین کوئی ایسی آیتین بھی ہین جن سے عصمت انبیاء کے اصول کا ثبوت ملتا ہو۔ استغفار کے معانی پر بحث کرتے ہوئے پہلے اس آیت کا حوالہ دیا جاچکا ہے جو سورہ انبیاء مین ہو جسکا مدعا یہ ہو کہ جو کچھ انبیا کہتے یا کرتے ہین وہ سب باذن اللہ کہا جاتا ہو وہ آیت یہ ہے وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہٗ لا الہ الا انا فاعبدون وقالوا اتخذ الرحمٰن ولدا سبحانہٗ بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وہم بامرہ یعملون یعلم ما بین ایدیہم وما خلفہم ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ وہم من خشیتہ مشفقون۔ اور کوئی پیغمبر تم سے پہلے ہم نے نہین بھیجا جس کی طرف ہم نے یہ وحی نہ کی ہو کہ میرے سوا اور کوئی خدا نہین اس لئے میری ہی عبادت کرو۔ تاہم وہ کہتے ہین کہ رحمٰن نے ایک بیٹا بنا لیا ہے اسکی ذات ایسے عیبون سے پاک ہو۔ پیغمبر صرف اسکے معزز بندے ہین وہ نہین بولتے جبتک وہ ان کو نہ کہے۔ اور اسی کے حکم کے نیچے وہ کام کرتے ہین۔ وہ انکو آگے اور پیچھے کی سب باتون کو جانتا ہے اور وہ صرف اسی کی خاطر جسپر وہ راضی ہو۔ شفاعت کرتے ہین اور وہ ہر وقت اللہ تعالےٰ کے خوف سے ڈرتے رہتے ہین۔ اس جگہ ہم نے علاوہ آیت محولہ کے جسکے ترجمہ پر لکیر کھینچ دی گئی ہے اس سے ماقبل اور مابعد کی آیتین بھی لکھدی ہین تاکہ صاف معلوم ہوجائے کہ پیغمبرونکے سوائے ان آیات مین اور کسی کا ذکر نہین۔ یہان پیغمبرونکے بارے مین اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ وہ خدا کے اذن کے بغیر کوئی کلمہ منہ سے نہین نکالتے اور جبتک کسی کام کے کرنے کیلئے اللہ تعالےٰ انکو حکم نہ دیوے تب تک وہ کام نہین کرتے۔ درحقیقت یہان اللہ تعالےٰ پیغمبرونکے اقوال وافعال کو اپنے اقوال وافعال قرار دیتا ہو پیغمبرون کی عصمت کے بارے مین اس سے بڑھکر اور کس ثبوت کی ضرورت ہو جو الفاظ پیغمبرونکے بارے مین اس جگہ استعمال کئے ہین وہ بلحاظ مفہوم کے ان الفاظ سے ملتے ہین جو دوسری جگہ پر فرشتونکے حق مین بولے گئے ہین۔ یخافون ربہم من فوقہم ویفعلون ما یؤمرون۔ وہ اپنے رب سے ڈرتے ہین جو انکے اوپر ہو اور جس بات کا انکو حکم ہوتا ہے وہی کرتے ہین۔ بہرحال یہ تو ایک مسلم امر ہے کہ ملائکہ معصوم ہین اور قرآن مجید مین جن الفاظ مین ان کی تعریف کیگئی ہو انہین الفاظ مین پیغمبرون کی بھی تعریف کی گئی ہے اسواسطے متذکرہ بالا آیت مین عصمت انبیا کا بالکل صاف ثبوت ملتا ہے +

قرآن مجید کی اور بہت سی آیتوں سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ سورہ فاطر کی انتیسوین آیت مین وارث کتاب یعنی مومن تین قسم پر تقسیم کئے گئے ہین (۱) وہ لوگ جو بدیوں کے ارتکاب سے اپنی جانون پر ظلم کرتے ہین (۲) وہ لوگ جو میانہ روی اختیار کرتے ہین (۳) وہ لوگ جو سب سے بڑھکر نیکی کے کام کرتے ہین۔ اول الذکر جماعت کے لوگ بُرے افعال کے ساتھ ملے جلے ہوتے ہین۔ دوسری قسم کے لوگ معمولی نیکی کا کام بجالاتے ہین لیکن یہ نہین کہ بدی سے وہ بالکل محفوظ ہوگئے ہون اور اس لئے لغزش مین بھی مبتلا ہوسکتے ہین اگرچہ ان مین بری تحریک جلدی دب جاتی ہے۔ تیسری قسم کے وہ مومن ہین جو بدی سے بالکل محفوظ ہوتے ہین اور نیکیون ہی مین صرف اوقات کرتے ہین یہی جماعت پیغمبرون کی ہو۔ یہ امر کہ صادق مومنون کی ایک ایسی جماعت بھی ہو جو بدی کی مس سے بالکل مامون ہے۔ اس کی تائید قرآن مجید کی اور آیتون سے بھی ہوتی ہے۔ جب شیطان کو ابدی سزا کا حکم دیا گیا تو اس نے کہا **فبعزتک لاغوینہم اجمعین الا عبادک منہم المخلصین** ترجمہ۔ مجھے تیری عزت کی قسم ہے کہ مین ان سب کو گمراہ کرونگا۔ سوائے انکے جو تیرے مخلص بندے ہین۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے مخلص بندون کی بھی ایک جماعت ہو جن پر شیطان کا کوئی تصرف نہین اور جنکو وہ صراط مستقیم سے نہین پھسلا سکتا۔ ایسا ہی اللہ تعالے فرماتا ہے **ان عبادی لیس لک علیہم سلطان** ۔ یعنے شیطان کا عباد الرحمن پر کوئی تصرف نہین۔ اس جگہ لفظ عباد جو عبد کی جمع ہو تمام مخلوق کے واسطے مستعمل نہین ہوا بلکہ یہ صرف اللہ تعالے کے ایسے مخلص اور منتخب بندونکے واسطے ہے جیساکہ پیغمبر اس سے بھی عصمت انبیا ثابت ہوتی ہے کیونکہ انسان کسی بدی کا مرتکب نہین ہوسکتا جبتک کہ شیطان اسپر قابو نہ پاوے۔ لیکن ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیا پر شیطان قابو نہین پا سکتا اسلئے انبیا بدی کے بھی مرتکب نہین ہوسکتے۔

علاوہ ازین یہ مسلم امر ہے کہ انبیا کا فرض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ پس اگر وہ خود اپنے کہنے کے برخلاف عمل کریں تو وہ ان مین سے ہونگے جنکو قرآن مجید پیغمبر صلعم کی زبانی مفصلہ ذیل الفاظ مین ملامت کرتا ہے۔ **اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم** ۔ ترجمہ کیا تم لوگونکو نیکی کرنے کا حکم دیتے ہو اور اپنا آپ خود بھول جاتے ہو۔ یہ الفاظ قرآن مجید مین علمائے یہود کے حق مین بولے گئے ہین۔ جنہون نے پیغمبر ؐ سے انکار کیا اور انکو جھٹلایا۔ یہود کے علما یہ سمجھتے تھے کہ ہمین کسی پیغمبر کی ضرورت نہین ہے۔ کیونکہ خدا کا کلام ہمارے پاس موجود ہے اور ہم دوسرے لوگون کو اس کی تعلیم دیتے ہین لیکن خدا تعالے انکو ملزم قرار دیتا ہے کیونکہ جس بات کے کرنیکا وہ اورونکو حکم دیتے ہین وہ خود نہین کرتے اور فرماتا ہو کہ تمہین نجات نہین مل سکتی جبتک پیغمبر

پیروی نہ کرو۔ اگر پیغمبر بھی گنہگار ہوتے ہیں تو وہ صریحًا انہیں الفاظ کے نیچے آتے ہیں جو علمائے یہود کی نسبت یہاں بیان کئے گئے ہیں اور اس لئے اگر انبیا اور علمائے یہود میں کوئی فرق نہیں تھا تو علمائے یہود کو انبیا سے انکار کرنے پر لعنت ملامت کیوں کی گئی۔ وہ بھی نیکی کے کام کرنے کی تعلیم دیتے تھے لیکن خود اسپر عمل نہیں کرتے تھے۔ اور پیغمبر بھی وہی کام کرتے تھے اس صورت میں تو انبیاء کی بعثت کی بھی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ نیکیوں کی تعلیم دینے کے لئے علمائے یہود بکثرت موجود تھے لیکن اصل بات یہ ہے کہ صرف تعلیم بے اثر ہے جبتک کہ معلم نمونہ بن کر نہ دکھلاوے اور نہ ایسی تعلیم لوگوں کو برائیوں سے ہٹا سکتی ہے اور اسی لئے پیغمبروں کے آنیکی ضرورت ہوتی ہے اور وہ جو کچھ تعلیم دیتے ہیں اسپر خود عمل کرتے ہیں اور اس طرح نیکی کا ایک نمونہ قائم کرتے ہیں +

یہ بات کہ جو شخص افعال بد کا مرتکب ہو۔ وہ پیغمبر نہیں ہو سکتا۔ مفصلہ ذیل آیت سے ظاہر ہوتی ہے

واذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمت فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عھدی الظلمین +

اس آیت میں اللہ تعالےٰ اول ان احکامات کا ذکر کرتا ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو دئے گئے تھے جنکو انہوں نے بالکل پورا کر دیا۔ اس کی راستبازی پر خوش ہو کر اللہ تعالےٰ نے انکو امام بنایا۔ اسپر حضرت ابراہیم نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ میری ذریت میں سے بھی پیغمبر بنائے جائیں تو جواب ملا کہ تمہاری ذریت سے صرف وہی لوگ پیغمبر بنائے جاوینگے جو برے کام نہیں کرینگے اور یہ کہ اس کے عہد سے بدکاروں کو کوئی حصہ نہیں ملیگا۔ اس آیت سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ گنہگار شخص کو خدا کبھی پیغمبر نہیں بناتا۔ اس میں پہلے ابراہیم ع کو نبوت ملنے کا ذکر ہے کیونکہ وہ راستباز تھا۔ اور پھر اسکو صاف اطلاع دیتا ہے کہ اگرچہ اس کی راستبازی کی وجہ سے اس کی ذریت سے پیغمبر بنائے جاوینگے تاہم جو شخص ان میں سے برے کام کرے گا وہ ہرگز نبوت کے لئے منتخب نہیں ہوگا دو نتائج ایسے ہیں جو کسی طرح قابل انکار نہیں (۱) تو یہ کہ خدائے قادر مطلق کبھی کسی بدکار یا گنہگار کو پیغمبر نہیں بناتا۔ اور (۲) یہ کہ حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے وہ تمام لوگ جو پیغمبر بنائے گئے معصوم تھے ایسے صاف الفاظ کے ہوتے ہوئے انبیاء کو گنہگار ٹھہرانا۔ کیا یہ حماقت نہیں ہے۔ پھر سورہ انعام میں اللہ تعالےٰ مختلف پیغمبروں کے نام لیکر فرماتا ہے۔ **ووھبنا لہ اسحاق ویعقوب کلا ھدینا ونوحا ھدینا من قبل ومن ذریتہ داود وسلیمن وایوب ویوسف وموسے وھرون وکذالک نجزی المحسنین وزکریا ویحیی وعیسے والیاس کل من الصلحین واسمٰعیل والیسع ویونس ولوطا وکلا فضلنا علے العالمین** + ترجمہ۔ اور ہم نے اسکو یعنی حضرت ابراہیمؑ کو اسحاق اور یعقوبؑ عطا کیا۔ اور ان کو ہدایت

دی اور نوح علیہ السلام کو اس سے پہلے ہدایت دی تھی۔ اور اس کی اولاد سے داؤد و سلیمان و ایوب و یوسف اور موسےٰ و ہارون کو اور ہم راستبازون کو ایسے ہی اجر دیتے ہین اور زکریا اور یحییٰ اور عیسےٰ اور الیاس یہ تمام ہمارے نیک بندے تھے اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط۔ ان سب کو ہم نے باقی لوگون پر فضیلت دی۔ اس آیت کو پہلی آیت کے ساتھ ملا کر پڑھا جاوے تو صاف پایا جاتا ہے کہ یہ تمام پیغمبر جنکی بابت ذکر کیا گیا ہے کہ ان کو صراط مستقیم پر چلایا گیا تھا۔ اس وعدے کے مطابق پیغمبر بنائے گئے تھے۔ جو حضرت ابراہیم کو دیا گیا تھا کہ تیری ذریت مین سے پیغمبر بنائے جاینگے مگر صرف وہی لوگ جو بدی کا ارتکاب کرینگے یہ صرف چند آیات ہین جنسے عصمت انبیاء ثابت ہوتی ہے۔ قرآن مجید ایسی آیتون سے بھرا ہوا ہے لیکن ان سب کا یہان نقل کرنا ضروری نہین کیونکہ جسقدر اوپر تحریر کیجا چکی ہین ان سے قطعی طور پر ثابت ہو کہ گناہ پیغمبرون کی طرف منسوب نہین کیا جاسکتا۔ مندرجہ بالا آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ انبیاء کے اقوال و افعال تمام احکام الہی کے تابع ہوتے ہین اور یہ وہ لوگ ہوتے ہین جن کی نیکیان خالص اور اعلے درجہ کی ہوتی ہین اور ان مین بدی کی ملاوٹ ایک ذرہ بھی نہین ہوتی اور شیطان کا ان پر کوئی تصرف نہین ہوتا اور وہ اورون کو ان نیکیون کی تعلیم دیتے ہین جنپر وہ خود عمل کرتے ہین اور کوئی بدکار یا گنہگار پیغمبر نہین بنایا جاسکتا۔ اور یہ کہ ان سب کو صراط مستقیم پر چلایا گیا تھا جس سے وہ کبھی الگ نہین ہوسکتے تھے +

اب اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت دیکھا جاوے تو آپ کو بلحاظ عصمت کے سارے دوسرے انبیاء پر کئی وجوہ سے بہت بڑی فوقیت حاصل ہو کیونکہ اول تو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء سے افضل اور اعلے تھے اور اس لئے اپنی پاکیزگی اور عصمت کے لحاظ سے اور تمام پیغمبرون سے بڑھے ہوئے تھے (۲) ان کی عصمت نہ صرف اس لئے ثابت شدہ ہو کہ وہ ایک پیغمبر تھے۔ اور تمام پیغمبرون کو قرآن کریم نے معصوم قرار دیا ہے بلکہ بہت سی آیات مین خاص طور پر یہ عصمت صاف بیان کی گئی ہے ایک موقعہ پر قرآن مجید مین اللہ تعالے نے فرمایا ہے **ومن یعص اللہ و رسولہ فان لہ نار جہنم خالدا فیہا**۔ ترجمہ جو کوئی اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کریگا اس کی سزا جہنم ہے اس جگہ اللہ تعالے اور اسکے رسول کی اطاعت کا ایک ہی کلمہ مین ذکر کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر کے اقوال و افعال بغیر حکم الہی نہ تھے ورنہ اس کی اطاعت اللہ تعالے کی اطاعت کے ساتھ کی جانی ضروری نہ تھی ایک اور موقعہ پر آتا ہے **ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ**۔ جو کوئی رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ خود خدا کی اطاعت کرتا ہے جسکے یہ معنے ہین کہ رسول کی مرضی اللہ تعالی کی مرضی ہو کیونکہ اگر پیغمبر کی ایک کام کی مرضی ہو جو خدا تعالی کی

مرضی نہ ہو تو ایسی صورت مین پیغمبر کی اطاعت خدا کی اطاعت نہین ہو سکتی ان دو آیتون سے صاف ظاہر ہے کہ پیغمبر کی خواہش خلاف منشا ایزدی نہین ہو سکتی اور اس لئے وہ گناہ کا مرتکب نہین ہو سکتا کیونکہ اس سے اللہ تعالےٰ کی مرضی کے خلاف کام کرنا پایا جاتا ہے۔ مزید برآن چند آیات مثلاً قل ان صلوتی ونسکی و محیای ومماتی للہ رب العالمین اور آیت ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیہم۔ اور آیت ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔ اور آیت ماضل صاحبکم وماغوی وماینطق عن الھوے ان ھو الا وحی یوحی پر پہلے اچھی طرح سی بحث کی گئی ہے۔ اور یہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ یہ تمام آیات رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عصمت کیلئے قطعی دلیل ہین۔ اسی طرح آیت قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم ترجمہ۔ کہہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میرے نقش قدم پر چلو پھر اللہ تعالےٰ تم سے محبت کریگا اور تمہارے گناہ معاف کر دیگا۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی گناہ نہین کیا ورنہ ایک شخص کے جس سے کبھی کبھی گناہ کا ارتکاب بھی ہو جاتا ہو۔ نقش قدم پر چلنے سے گناہ کیونکر معاف ہو سکتے تھے یا اللہ تعالےٰ کیونکر خوش ہو سکتا تھا۔ اس آیت پر مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے ایک دیانت داری سے قرآن مجید کا مطالعہ کرنیوالا ایک لمحہ کے لئے بھی نہین کہہ سکتا کہ جس شخص کا ان آیات مین ذکر ہے وہ گنہ گار تھا۔ ان آیات کے علاوہ جنکے یہان دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہین قرآن مجید مین اور بہت ساری آیات ہین جن مین ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا صاف صاف ذکر ہے چنانچہ ایک جگہ ہمارے رسول اکرم کو نیکی کا نمونہ کہا گیا ہے اور تمام لوگونکو حکم دیا گیا ہے کہ آپ کی پیروی اختیار کرین اور آپکے نقش قدم پر چلین۔ اگر ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم ایک ممنوع جگہ پر پڑے ہوئے تھے تو آپکے ہر حالت مین نمونہ پر چلنے کا حکم نہ ہوتا۔ قرآن مجید ہر ایک غلطی سے مبرا اور کافی ہدایت کا جامع تھا پس اگر پیغمبر صلعم غلطیون سے پاک نہ تھے تو کیون انکو نمونہ قرار دیا گیا۔ پھر لکھا ہے کہ خود اللہ تعالےٰ اور اسکے فرشتے اس پر درود بھیجتے ہین اے مسلمانون تم بھی اس پر درود بھیجو۔ یہان مومنونکو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا درود رحمت رسول اکرم پر بھیجین اسلئے اور جو شخص انکو گنہ گار سمجھتا ہے وہ خلاف منشاء ایزدی کرتا ہے اللہ تعالےٰ کا رسول اکرم پر درود بھیجنا ان کی عصمت کیوجہ سے ہے۔ اس سے اگلی آیت مین اور بھی زیادہ وضاحت سے یہی بیان کیا گیا ہے۔ ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ یعنی جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کو ایذا دیتے ہین اللہ تعالیٰ کی ان پر لعنت ہے۔ اور آیت ان الذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بہتانا و

اثما مبینا۔ اور وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر کسی قصور کے ایذا دیتے ہین وہ ایک بہتان اور صاف گناہ کے مرتکب ہین دونوں آیتوں کا فرق ظاہر ہے پہلی آیت مین خدا کی لعنت اُس شخص پر ہوتی ہے جو خدا اور اسکے رسول کو ایذا دیتا ہے۔ اور دوسری آیت مین یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ مومنوں کو بغیر ان کے کسی قصور کے ایذا دین وہ بہتان کے مرتکب ہین جن الفاظ پر خط کھینچا گیا ہے وہ پہلی آیت مین نہین ہین ان الفاظ کے نہ ہونے سے صاف پایا جاتا ہے کہ قصور کا امکان جو مومنوں کے بارے مین ہے جسکے واسطے الفاظ "بغیر انکے کسی قصور کے" استعمال کرنیکی ضرورت ہوئی۔ ایسا امکان قصور کا پیغمبر دنکے بارے مین نہین ہے۔ یہ بات اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کا ایک ہی جگہ الگ ذکر کیا گیا ہے۔ اور مومنوں کا ذکر الگ کیا گیا ہے اسلئے چونکہ کوئی قصور اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب نہین کیا جا سکتا ایسے ہی پیغمبر کی طرف بھی نہین کیا جا سکتا۔ مزید برآن آنحضرت صلعم کو ایذا پہنچانیکو گناہ کہا گیا ہے اور اس مین کچھ شک نہین کہ جو شخص آنحضرت صلعم پر گناہ کا الزام لگاتا ہے یا آپکو گنہ گار کہتا ہے وہ آپ کو ایذا پہنچاتا ہے اسواسطے قرآن کریم سے یہ ثابت ہوا کہ جو شخص آنحضرت صلعم کو گنہ گار کہیگا وہ خود بڑے سخت گناہ کا مرتکب ہوگا کیونکہ پیغمبر صلعم کو آپ کی طرف کوئی گناہ منسوب کرکے ایذا پہنچانیوالے پر لعنت کیگئی ہے حالانکہ مومنین کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کی برکات آنحضرت کیلئے طلب کرین کیا اب بھی پادری مانز کو واقعی شک ہے کہ انبیاء معصوم نہین ہوتے؟

آنحضرت صلعم کی زندگی ایسی پاکیزہ اور ہر ایک عیب و نقص سے ایسی مبرا ہے کہ آپکے ہمعصر دشمن آپ کی ساری زندگی مین ایک عیب بھی بیان نہ کرسکے جبکہ قرآن شریف نے یہ دعوے کیا **فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون**۔ مین اس سے پہلے تمہارے درمیان بہت مدت رہا ہون (تم بتا سکتے ہو کہ مین نے کونسا برا کام کیا) پس تم کیون نہین سمجھتے (کہ جس شخص سے ساری عمر مین خفیف سے خفیف گناہ کا ارتکاب بھی نہین ہوا وہ افترا علے اللہ جیسے بڑے گناہ کا مرتکب کیونکر ہوسکتا ہے) ایک ایسی زندگی کے ساتھ جو کہ اپنی پاکیزگی اور ہر ایک الزام سے بری ہونمین یگانہ ہے ایسے سخت گناہ کو کہ وہی شخص خدا پر افترا کرتا اور بہتان باندھتا ہے۔ ہم کسی طرح مطابق نہین کرسکتے۔ آنحضرت صلعم نے اپنے دعوے کی سچائی پر اپنی پہلی زندگی کی پاکیزگی اور بے عیبی کو بطور شہادت پیش کیا ہے جو کہ انکے مخالفوںمین بھی مسلم تھی۔ جو شخص عین جوانی مین نہ خدا کو نہ انسان کو ناراض کرتا ہے وہ کیونکر اپنے بڑھاپے مین اپنی نیک شہرت پر دھبہ لگانیکا مرتکب ہوسکتا ہے یہ دلیل آنحضرت صلعم کی سچائی کیلئے قرآن شریف نے استعمال کی ہے اور اسکی شوکت پادری مانز صاحب کو اُسوقت اور بھی زیادہ معلوم ہوگی جب وہ آپکے ابتدائے چالیس سالہ واقعات کا اس طرح کی ابتدائے تیس سالہ زندگی

مقابلہ کرینگا ۔ یسوع کے ابتدائی حالات بالکل تاریکی مین پڑے ہوئے ہین اور وہ خود ایک لفظ تک کا بھی
اشارہ اپنی وعظونمین ان حالات کیطرف نہین کرتا بلکہ اس کی سوانح نویسونکو بھی اس امر پر خاموش
ہی رہنا پڑا ہے اور اسکے دشمنون نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ اس قسم کے قصص ہین جن مین سے ایک عشق کا قصہ
ہے کہ اگر انکو صحیح مانا جاوے جیساکہ یہودیون کی ساری تاریخ کو عیسائی صحیح مانتے ہین تو یسوع کی عصمت
مین بھی شک پڑتا ہے لیکن صرف قرآن شریف کے روسے ہم انکو معصوم مانتے ہین۔ برخلاف اسکے
آنحضرت صلعم کی زندگی کے حالات مفصل طور پر حدیثونمین بیان کئے گئے ہین اور آپ کی پاکیزگی ونیکی کا
شہرہ اُسوقت بھی ایسا تھا کہ آپ عام طور پر الامین کے نام سے مشہور تھے اس مطہر ومقدس زندگی کا
حوالہ قرآن شریف نے نہایت ہی مختصر و خوبصورت الفاظ مین اس طرح پر دیا ہے کہ اسی کو آپکے دعوے کی
سچائی پر دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ اور دلیل صرف وہی چیز ہوسکتی ہے جو فریقین کے نزدیک مسلم ہو
پس معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم کی پاکیزگی و بے عیبی کے کفار بھی اسی طرح قائل تھے جیساکہ مسلمان +

(باقی آیندہ)